تاریخِ صحافتِ اردو

جلد پنجم

جس میں

۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۰ء تک کے اخبارات و رسائل
ان کے ایڈیٹروں کے حالات زندگی، اور اس دور
کے تاریخی، سیاسی، تمدنی، معاشی، تعلیمی، سماجی اور
ادبی نادر واقعات درج ہیں۔

امداد صابری

ناشر :- اکرم قادری کونسلر، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی

ول :- پینتیس ۳۵ روپے

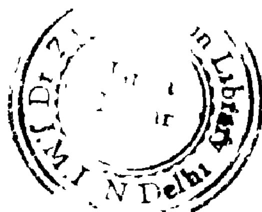
قیمت قسم دوم :- پچیس ۲۵ روپے

مطبوعہ :- جمال پرنٹنگ پریس دہلی

کاتب :- سید غیاث الحسن مظاہری

ملنے کا پتہ :- امداد صابری، چوڑی والان، دہلی

سن اشاعت :- ۱۹۸۳ء



تاریخ صحافتِ اردو کی

پانچویں جلد کو میں حضرتِ مولانا ظفر علی خاں صاحب

کے نامِ نامی سے معنون کرتا ہوں۔

حضرت مولانا ظفر علی خان صاحب

کی وہ پاک و مقدس ہستی تھی جبکہ انگریزوں کا ظلم وستم بامِ عروج پر تھا اور ہر ہندوستانی کے دل ودماغ پر اس کا رعب ودبدبہ چھایا ہوا تھا۔

آپ نے عوام میں شعور و بیداری پیدا کی اور انگریزوں کا خوف وہراس نکال کر ایک نڈر سپاہی بنا دیا۔

نصف صدی تک بازی گاہِ سیاست میں ایک کامیاب شہسوار بیباک جرنیل، آتش طراز صحافی، شعلہ بیاں مقرر اور انقلابوں کو جنم دینے والے شاعر کی حیثیت سے ملک کی آزادی و سربلندی کی خاطر ظلم کی آندھیوں، استبداد کے طوفانوں، ملوکیت کے طوفان انگیز سیلابوں، طوق و سلاسل کی جھنکاروں اور زنداں کی کوٹھریوں

کی تاریکیوں کا مقابلہ کیا۔ اور ہندوستان کی سیاست میں اپنا سکہ جمایا، اور قلم کی جولانیوں کو اخبار زمیندار کے ذریعہ اور زبان کی روانیوں سے وقت کے دھاروں کو موڑا۔

مولانا کی للکار نے انگریزوں کے قصر استبداد کی بنیادوں کو متزلزل کردیا تھا۔ چنانچہ ان قربانیوں کی بدولت ملک کو آزادی نصیب ہوئی۔

مولانا ظفر علی خاں جیسی ہستیاں ہندوستان اور پاکستان میں کم پیدا ہوں گی۔

اگر ہندوستانیوں کو ملک اور قوم سے محبت ہے تو ان کے اور ان جیسے لوگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

امداد صابری

چوڑی والان دہلی

یکم جنوری ۱۹۶۳ء

[signature]

مولانا ظفر علیخاں

مولانا ظفر علی خاں کے ... حسن جنجوعہ راجپوت تھے کئی صدیوں سے آپ کا خاندان دار الحد میں آباد تھا۔ جب سکھوں نے پنجاب کے مختلف اضلاع کو برباد کرنا شروع کیا تو مولانا کے پردادا محمد حسن خاں سیالکوٹ کے ایک گاؤں مہر تھ میں پناہ گزین ہو گئے۔ محمد حسن خاں کے صاحبزادے کرم الٰہی خاں نے تلاش روزگار میں سیالکوٹ کا ارادہ کیا تو کابیاک سے منہ چھوڑا اور وہاں کے مشن اسکول میں صدر مدرس ہو گئے۔ ان کو اردو فارسی زبانوں میں بڑا ملکہ حاصل تھا اور ان کی فارسی دانی کی بڑی دھوم تھی۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک دن مولانا کرم الٰہی صاحب سے ایک بنگالی نوجوان نے جو ان کے ماتحت میں اسی اسکول میں ٹیچر تھا ان سے خواہش ظاہر کی کہ وہ ان کو فارسی اور اردو پڑھائیں اور وہ ان کے بیٹے سراج الدین کو انگریزی پڑھا دیا کرے گا۔

مولانا کرم الٰہی صاحب کو زائچ نکالنے میں کمال حاصل تھا

چنانچہ انھوں نے اپنے لڑکے کا تاریخی نام "ظفر علی" رکھا تھا۔ مولانا ظفر علی خان صاحب کی والدہ محترمہ نے ان کا نام خداداد رکھا تھا۔

مولانا کرم الٰہی صاحب سیالکوٹ سے منتقل ہوکر وزیرآباد چلے گئے جہاں شہر سے دو میل کے فاصلہ پر موضع "دنجوہ والی" کے قریب کرم آباد کی بنیاد رکھی اور اس کو آباد کیا۔

مولانا کرم الٰہی خان صاحب کے صاحبزادے مولانا سراج الدین خان صاحب تھے جب آپ تعلیم سے فارغ ہوگئے تو اس وقت ان کے والد کرم الٰہی صاحب کی معاشی حالات اچھے نہیں تھے جس کی وجہ سے روزانہ ان کے ہاں دال پکتی تھی۔ مولوی سراج الدین دال کھاتے کھاتے تنگ آگئے تو انھوں نے ایک روز اپنے والد سے احتجاج کے طور پر کہا کہ روز روز دال اچھی نہیں لگتی کسی روز تو گوشت پک جایا کرے والد نے سنا تو فرمایا میاں یہاں تو دال ہی پکے گی۔ گوشت کھانا چاہتے ہو تو خود اس کا انتظام کرلو۔ سراج الدین احمد صاحب یہ جواب سن کر گھر سے گوجرانوالہ چلے گئے اور وہاں ملازمت کرلی۔ یہ ملازمت زیادہ دن نہیں چلی سبکدوش کردئے گئے۔

مولوی سراج الدین صاحب بیکار بیٹھے ہوئے تھے کہ مولانا کرم الٰہی صاحب سے پونچھ کے کسی دوست نے ذکر کیا کہ راجہ موتی سنگھ کو استاد کی ضرورت ہے۔ انھوں نے اپنے بیٹے سراج الدین احمد کا نام تجویز کیا بعوض بیس روپے ماہانہ بطور اتالیق مقرر ہوکر پونچھ چلے گئے یہ ملازمت بھی زیادہ دن نہیں چلی۔ علٰحدہ ہونا پڑا۔ اس کے بعد مولوی سراج الدین احمد صاحب نے ملازمت حاصل کرنے کی کوشش کی، تو

ڈاک کے محکمہ میں ملازمت مل گئی۔ کئی شہروں اور قصبوں میں پوسٹ ماسٹر کی حیثیت سے کام کیا۔ ان دنوں ریاست کشمیر میں ڈاک کا نظام انتہائی ناقص تھا۔ مہاراجہ وفات پا چکا تھا اور اس کے تین بیٹوں کی جانشینی کا مسئلہ حکومت کے زیر غور تھا۔ انگریز ریذیڈنٹ کی نگرانی میں سہ رکنی کونسل کے سپرد ریاست کا نظم و نسق تھا۔ دو اراکان ہندو تھے پنڈت سورج نرائن کول اور رائے بہادر بھگت رام اور ایک مسلمان ممبر شیخ غلام محی الدین تھا۔ جن کے سپرد ڈاک کا محکمہ تھا انہوں نے پوسٹ ماسٹر جنرل سے مولوی صاحب کی خدمات مستعار لیں مولوی صاحب نے چارج لیتے ہی ڈاک کے نظم و نسق کو نہ صرف بحال کیا بلکہ مربوط و مضبوط بنایا۔ اس پر لارڈ لینس ڈاؤن وائسرائے ہند نے خوش ہو کر مولوی صاحب کو انعام میں ایک جھونپڑی عطا کی جس کے لفظی معنے ہیں ان کا نام منقش تھا۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب نے پوری زندگی خودداری کے ساتھ گزاری۔ ملازمت میں بھی یہ انداز قائم رہا۔ کسی افسر کی غیر معقول بات نہ مانی۔ اصل گھرانے راجپوت تھے۔ ایک دفعہ ڈاک کے نوجی کیمپ میں ڈیوٹی پر تھے۔ انگریز سپرنٹنڈنٹ نے کسی بات پر ناراض ہو کر کہا او یو الّو۔ آپ کو ناگوار گزرا۔ فوراً ہی گھر پہنچ کر استعفیٰ لکھ کر چپراسی کے ہاتھ بھجوا دیا۔ سپرنٹنڈنٹ نے استعفیٰ دیکھتے ہی بلا بھیجا۔ بابو کیا بات ہے آپ نوکری کیوں چھوڑ رہا ہے۔

صاحب ہم نے بے عزت ہونے کے لئے نوکری نہیں کی آپ نے ہمیں گالی دی ہے۔ صاحب ہوشیار تھا، فوراً ہی بات کاٹتے ہوئے بولا

بابو ہم نے گالی نہیں دی آپ کو، اچھا ہم اُلو ملکہ اُلو کا بچہ" جاؤ اپنے کھپ بس سد ۔

دوسرا دفعہ اس سے بھی زیادہ دل چسپ ہے۔ مولوی صاحب کسولی کے پاس ڈگ شائی میں پوسٹ ماسٹر تھے۔ اتوار کا دن تھا ڈاک خانہ بند تھا۔ ایک گورا سارجنٹ ان کے پاس آگیا۔ اصرار کرنے لگا بابو ہم رجسٹری کرانا مانگتا ہے۔ مولوی صاحب نے ہر چند گورے سارجنٹ کو سمجھایا کہ اتوار کو ڈاک خانہ نہیں کھلتا اور نہ رجسٹری ہوتی ہے لیکن وہ بضد رہا۔ جب دیکھا کہ مولوی صاحب پر اس کی باتوں کا اثر نہیں ہوتا تو حاکمانہ انداز میں انھیں "یو ڈیم" کہہ ڈالا، مولوی صاحب کو سخت غصہ آیا۔ چپراسیوں سے کہا۔ اچھا ڈاک خانہ کھولو۔ سارجنٹ سمجھا کہ شامت نہ پر بیٹھا ہے۔ لوہا ہی کمرہ میں داخل ہو گیا۔ مولوی صاحب نے چپراسیوں کو اشارہ کیا کہ وہ سامنے دو ڈول پڑے ہیں ان سے ذرا اس کے حصہ اسفل کی تواضع کردو، دو چپراسیوں نے تعمیل حکم کی۔ اب مولوی صاحب نے سارجنٹ سے مخاطب ہو کر کہا" یو ڈیم گٹ آوٹ" تمہاری رجسٹری ہو گئی ہے۔ دوسرے دن مولوی صاحب سڑک پر جا رہے تھے۔ سارجنٹ کا آمنا سامنا ہو گیا۔

مولوی صاحب کو دیکھتے ہی بولا" ہیلو ماسٹر صاحب آؤ ہم دوست بن جائیں"۔ مولوی صاحب نے ہاتھ بڑھایا وہ مصافحہ کر کے مسکراتا ہوا آگے نکل گیا۔

لہ ظفر علی خاں ص۳۵

کشمیر کے مسلمانوں پر ملازمت کے دروازے بند تھے، مولوی سراج الدین احمد نے ہموار کی۔ مسلمانوں سے جبراً بیگار لینے کا جو رواج عام تھا اس کے خلاف ایسا ذہن پیدا کیا کہ بیگار کا بڑی حد تک خاتمہ ہو گیا۔ یہاں بظاہر یہ ذکر بے محل نہ ہوگا کہ کشمیر ہندوستان بھر میں واحد خطہ تھا۔ جہاں ان دنوں ریاست بھر میں اردو نافذ سمجھے جاتے تھے۔ مولوی صاحب کشمیر میں پانچ چھ برس رہے جب مہاراجہ رنبیر سنگھ کے تین بیٹوں پرتاپ سنگھ، رام سنگھ، اور امر سنگھ میں جانشینی کا مسئلہ طے ہو گیا۔ یعنی سب سے بڑے بیٹے پرتاپ سنگھ کو گدی کا وارث مان لیا گیا تو قدرتی طور پر داخلی سیاست نے پلٹا کھایا۔ خان بہادر شیخ غلام محی الدین کو ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا۔ نتیجۃً مولوی سراج الدین احمد کی مستعار خدمات بھی ختم ہو گئیں، مولوی صاحب ہیڈ آفس میں لاہور واپس آ گئے۔ یہاں آپ کو اپنے درجے اور خدمات کے پیش نظر یقین تھا کہ سپرنٹنڈنٹ کے عہدے پر فائز ہوں گے لیکن ہندوؤں اور مسلمانوں میں جنگ کا جو ذہن بلوغ پا چکا تھا مانع آگیا۔ مسٹر سنڈن پوسٹ ماسٹر جنرل کے ایک ہندو سپرنٹنڈنٹ رائے بہادر دولت رام کے اثر میں تھے اس لئے رائے صاحب گوجرانوالہ کے ضلع میں ڈاک خانوں کے انسپکٹر بنائے گئے آپ نے ناانصافی کے خلاف احتجاج کیا۔ آخر محکمہ کی سفارش پر آپ کو چھ مربع نہری زمین آسان قسطوں پر مل گئی۔

۱۹۰۳ء میں مولوی سراج الدین صاحب ملازمت سے ریٹائر ہو گئے اور آئندہ کا لائحہ عمل سوچنے لگے آپ سرسید احمد خاں

کے دلدادہ تھے اور تہذیب الاخلاق میں مضامین بھی لکھتے رہتے تھے۔ بعض دوستوں کے مشورے سے ہفتہ وار زمیندار کی ۱۹۰۳ء میں داغ بیل ڈالی۔ پہلا شمارہ لاہور سے ہی نکالا گیا۔ وہاں موچی دروازہ کے اندر پونچھ کے نواب صاحب کے ساتھ ایک گلی میں دفتر قائم کیا۔ لیکن چند دنوں کے بعد بعض معاشی دشواریوں کی وجہ سے کرم آباد چلے گئے۔

زمیندار کا مقصد زمینداروں میں اصلاح الرسوم کی تحریک پیدا کرنے کے علاوہ ان شکایات کے ازالہ میں ساعی ہونا تھا اور کسانوں و کاشتکاروں کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرنا تھا جن کا تعلق مزارعت کے تحت مختلف مروجہ قوانین سے تھا۔ چودھری شہاب الدین صاحب کے مولوی سراج الدین سے دوستانہ مراسم تھے۔ اسی زمانہ میں چودھری صاحب نے اپنی مشہور نظم [illegible] پگڑی سنبھال اوئے جٹا کے عنوان سے زمیندار میں چھپی۔ جس سے پنجاب کے کسانوں میں ایکٹ نمبر ۳ کے خلاف ایک جوش و ہیجان پیدا ہوگیا۔ سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور اور پائنیر الہ آباد نے اس نظم کے انگریزی ترجمے شائع کئے جس پر لارڈ کرزن نے پنجاب کے گورنر ڈینزل ابٹسن کو ایکٹ کی منسوخی کے لئے ہدایات جاری کیں اور ایکٹ منسوخ ہوگیا۔ جس کو زمیندار نے اپنی جیت سے تعبیر کیا۔

اسی ایکٹ کے خلاف ایجی ٹیشن کرنے کی پاداش میں لالہ لاجپت رائے پہلی دفعہ مانڈلے جلا وطن کئے گئے۔ سردار اجیت سنگھ گرفتاری سے بچنے کے لئے سرحد عبور کرکے ایران چلے گئے وہاں سے اٹلی روانہ ہوئے بقیہ مدۃ العمر مختلف یورپین ممالک میں گھومتے پھرے۔ ہندوستان کی آزادی سے ایک آدھ سال قبل آپ کو ہندوستان واپس آنے کی اجازت ملی

آپ مدرسہ سائنس لاہور کے صدر اور سردار سمپت سنگھ کے چچا تھے[1]
نارائن الدین صاحب شاعر تھے۔ مثنوی گلزار نسیم کو فارسی میں منظوم ترجمہ شروع کیا لیکن ادھورا چھوڑ دیا۔ آپ کی اردو فارسی میں کئی غزلیں بھی ہیں جو آج سے ساٹھ برس پہلے کی شاعری کا نمونہ ہیں۔

ایک روز مولوی سراج الدین احمد صاحب فکر شعر میں مستغرق تھے ان کے والد مولوی کرم الٰہی صاحب آ گئے اور چپ چاپ کھڑے دیکھتے رہے۔ آخر صاحبزادے کی محویت کو جھنجھوڑا۔ پوچھا کیا کر رہے ہو۔ عرض کیا گلزار نسیم کا فارسی ترجمہ کر رہا ہوں۔ والد مسکرائے اور فرمایا

میاں کس دھندے میں پڑ گئے۔ شاعری آدمی کو بیکار کر دیتی ہے۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب لاہور میں بیمار ہوئے تو کرم آباد واپس لے جایا گیا۔ ڈاکٹر بیلی رام معالج تھے۔ علاج کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ ۹ نومبر ۱۹۰۹ء کو فوت ہوئے۔

مولوی سراج الدین احمد صاحب نے دو نکاح کئے تھے۔ پہلی اہلیہ سے چار بیٹے مولانا ظفر علی خاں، چودھری غلام حیدر خاں، چودھری غلام قادر خاں اور چودھری اکبر خاں ہوئے۔ جن میں محمد اکبر خاں ۱۹۱۲ء کو عنفوانِ شباب میں فوت ہو گئے۔ دوسری اہلیہ سے محمود احمد خاں، حمید احمد[2] خاں اور حامد علی خاں تین لڑکے اور دو لڑکیاں ہوئیں۔

مولانا ظفر علی خاں کے بڑے خاندان سنبھالا اور انہوں نے ادب و شاعری تعلیم و تعلم میں خاص شہرت حاصل کی۔ چودھری غلام حیدر خاں مدتوں کلکتے

---

[1] ظفر علی ص ۱۱

ہفتہ وار اخبار ترجمان اور صداقت نکالتے رہے اور آپ اردو کے کامیاب مترجم مانے گئے، سب سے بڑی ہمشیرہ حمیدہ بیگم ایک نغز گو شاعرہ ہیں، اکثر رسالوں میں ان کا کلام شائع ہوا۔ ان کے بڑے فرزند راجہ مہدی علی خاں مشہور افسانہ نگار اور ڈرامہ نویس ہیں، حمید احمد خاں اسلامیہ کالج لاہور میں انگریزی زبان کے پروفیسر اور اردو ادبیات کے نقاد ہیں، حامد علی خاں مدتوں ہمایوں کے اڈیٹر رہے، الحمرا رسالہ بھی نکالا۔ ان کی ادبی شعری صلاحیتوں کا اعتراف ہر گوشہ میں کیا جاتا ہے، محمد احمد خاں صاحب پہلے عثمانیہ یونیورسٹی میں استاد تھے بعد میں اسلامیہ کالج لاہور میں فزکس کے پروفیسر مقرر ہوئے۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب پنجاب کے ایک چھوٹے سے گاؤں کوٹ مرتہ متصل ریلوے اسٹیشن سوہدرہ تحصیل وزیر آباد ضلع سیالکوٹ میں ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۳ء کو پیدا ہوئے، شروع میں ان کا نام خداداد خاں رکھا گیا جسے بعد میں ظفر علی خاں کے تاریخی نام سے بدل دیا گیا[1] مولانا نے ہوش سنبھالا تو خاندان کی روایات کے مطابق فارسی اور عربی کی تعلیم اپنے دادا کرم علی خاں سے حاصل کی اور پرائمری کی تعلیم وزیر آباد مشن ہائی اسکول سے پانچویں چھٹی علی گڑھ سے۔ اور آٹھویں مشن ہائی اسکول وزیر آباد سے پاس کی اس کے بعد نویں جماعت کا امتحان پٹیالہ مہندر کالج سے دیا۔

مولانا جب اس کالج میں زیر تعلیم تھے تو آپ کے ایک استاد ایسے تھے

[1] ظفر علی خاں ادیب و شاعر ص ۱۹

ان کا نام سکھن لال تھا۔ بڑے رنگین مزاج آدمی تھے افیم کی چسکی لگانے کے بعد ترنگ میں آکر عجیب و غریب باتیں کرنے لگتے تھے ایک دن کہنے لگے میں ایک مصرعہ دیتا ہوں جو لڑکا اس پر گرہ لگائے گا اسے ایک مہینے کی فیس معاف کر دی جائے گی، مصرعہ یہ تھا ؎

واہ رے بے نظیر سکھن لال کیا زبان میں تیری طاقت ہے۔

مصرعہ سن کر سب لڑکے خاموش ہو گئے۔ لیکن مولانا سے رہا نہ گیا انھوں نے فوراً گرہ لگائی ؎

اژدہا ہے تو پی کے افیم کی چسکی، ٹانگ بازو میں بھی تیری طاقت ہے
تو تو ہے ناکہیں کا چپراسی، ہاں پڑھانا تیری حماقت ہے

سکھن لال نے شعر سنا تو مولانا پر پل پڑے اور ان کی خوب مرمت کی۔ تیر کمان سے نکل چکا تھا، یہ شعر لڑکوں کے نوک زبان ہو گیا تھا، لڑکے جب سکھن لال کو دیکھتے تو اس شعر کو گنگنانے لگتے تھے سکھن لال کا ناک میں دم آگیا تھا، وہ کئی دن تک اسکول میں نہیں آئے، اس شعر کا ایک فائدہ ضرور ہوا کہ سکھن لال لڑکوں سے جو افیم منگاتے تھے اس سے لڑکوں کو نجات مل گئی۔

مولانا بچپن سے ہی پابند صوم و صلوٰۃ تھے، مذہبی کاموں میں بڑی دلچسپی لیتے تھے۔ پٹیالہ کے مہندر کالج میں جمعہ کی نماز کے لئے چھٹی نہیں دی جاتی تھی، آپ نے اس ناانصافی کے خلاف آواز اٹھائی اور مسلمان طالب علموں کی رہنمائی کی۔ آپ نے کالج کے پرنسپل کو مجبور کر دیا کہ وہ مسلمان طلبا کے مذہبی جذبات کا احترام کرے اور جمعہ کی نماز کے لئے مستقل طور پر مسلمان طلبا کو چھٹی دے، مولانا اپنی گفتگو میں اکثر فرمایا کرتے تھے کہ یہ میرا

ایکی ٹینشن تھا جس میں مجھ کو ایک لیڈر کی حیثیت سے حصہ لینا پڑا اور مجھے اس میں کامیابی ہوئی [1]

اسی نماز کے لئے مولانا نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کراچی میں آواز اٹھائی، اس وقت گاندھی جی کسی تجویز پر تقریر کر رہے تھے، عصر کا وقت ہو گیا، فوراً ہی اٹھ کھڑے ہوئے۔ فرمایا نماز کے لئے اجلاس ملتوی کر دیا جائے۔ گاندھی جی نے کہا جو بھائی نماز پڑھنا چاہتے ہیں وہ جا سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا جی نہیں اجلاس ملتوی ہونا چاہیئے۔ اس پر بڑی ہونگ مچ گئی۔ کئی مسلمانوں نے آوازے کسے مولانا کو غصہ آ گیا، ٹوپی سر پر رکھ کر چھڑی ہاتھ میں لے دانت کاٹتے ہوئے باہر نکل آئے مولانا نے لاہور پہنچکر ایک نظم لکھی، جس کا ایک شعر یہ تھا:-

گنبد کانگریس میں آج گونج رہی ہے یہ صدا
نبھ نہ سکے گا ضد ہو جسے نماز سے

اس کے بعد مولانا کانگریس کے اجلاس میں شریک نہیں ہوئے اور نہ کبھی گاندھی جی یا کانگریس کے کسی لیڈر سے ملاقات کی البتہ کانگریسی ذہن ۱۹۳۶ء تک رہا۔ لیکن کانگریس کو ۱۹۳۲ء میں خیرباد کہہ دیا تھا

مولانا ظفر علی خاں صاحب نے میٹرک کا امتحان مشن ہائی سکول جموں سے پاس کیا، میٹرک کرنے کے بعد آپ اپنے والد ماجد مولوی سراج الدین صاحب کے پاس کشمیر چلے گئے جو ان دنوں محکمہ ڈاک میں ناظم اعلیٰ

---

[1] مولانا ظفر علی خاں ص۲

کے منصب پر سرفراز تھے، باپ نے بیٹے کو بھی ڈاک میں ملازمت دلوا دی۔ اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ مولانا گلبرگہ کے ڈاک خانہ کے احاطہ میں ایک بنچ پر بیٹھے تھے کہ ایک انگریز کپتان گھوڑے پر سوار ڈاک خانہ میں آیا۔ ان دنوں انگریزوں کی رعونت پورے شباب پر تھی وہ ہندوستانیوں کو حقیر و ذلیل کی نگاہوں سے دیکھتے تھے اور ان کو جانور سے بدتر سمجھتے تھے یوں تو جو بھی حکمراں طبقہ ہوتا ہے اس کا دماغی توازن درست نہیں ہوتا لیکن انگریزوں کی نس نس میں رعونت سرایت کر جاتی تھی۔ وہ ہندوستانیوں کی ہر بات پر تضحیک کرتے تھے اور ٹھوکر تک لگانے سے باز نہیں آتے تھے خواہ وہ ہندوستانی رئیس وامیر و دولتمند ہی کیوں نہ ہو۔ یہ کپتان ڈاک خانہ کے سامنے گھوڑے سے اترا اور مولانا کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا۔

ہے چھوکرا۔ اس گھوڑے کا لگام پکڑو، ہم ابھی آتا ہے۔

مولانا نے اس انگریز کپتان کا تذلیل کن رویہ کو دیکھا تو تن کر کہا میں تمہارا نوکر نہیں جو تمہارے گھوڑے کی لگام پکڑ کر کھڑا رہوں۔

انگریز کپتان یہ جواب سن کر بہت لال پیلا ہوا۔ اور کہنے لگا۔

ایک ہندوستانی چھوکرے کی یہ جرأت وہمت کہ حکمراں قوم کے ایک فرد کے حکم کو ٹھکرا دے اور اس کی اس طرح تذلیل و توہین کرے اس انگریز کپتان نے اس واقعہ کی شکایت ریاست کے انگریز ریزیڈنٹ سے کی کہ پوسٹ ماسٹر کے چھوکرے ظفر علی خاں نے میری توہین کی ہے اس نے کہا کہ یہ میری توہین نہیں کی ہے بلکہ پوری انگریز حکمراں قوم کی توہین کی ہے اگر اسے سزا نہیں دی گئی تو ہندوستانیوں

کی بہت بڑھ جائے گی اور وہ بڑے سے بڑے انگریزوں کی توہین کرنے سے نہیں چوکیں گے۔

ریذیڈنٹ نے یہ باتیں سنیں تو مولوی سراج الدین صاحب کو طلب کیا، مولوی سراج الدین نے بڑی مشکل سے منت سماجت کرکے بات کو ختم کرایا۔

انگریزوں کی فرعونیت ختم کرنے اور ان کے گھمنڈ کو توڑنے کے لئے کئی مرتبہ مولانا نے انگریزوں کی مرمت کی۔ ان کے تین چار واقعے تحریر کئے جاتے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں ایک انگریز فوجی موٹر سائیکل پر سیالکوٹ سے وزیر آباد جا رہا تھا اتفاق سے کرم آباد کی سڑک پر ایک گنت راستہ کاٹ رہا تھا۔ دونوں ٹکرا گئے۔ ایک طرف موٹر سائیکل اور دوسری طرف سوار جا پڑا۔ کچھ چوٹیں آئیں اٹھا اور لنگڑاتا ہوا گاؤں کے کنارے چلا گیا۔ مولانا کا ملازم ٹھہرا تھا، اس نے اس کو لتاڑنا شروع کر دیا۔ کہ نمبردار کہاں ہے ملازم گھبرا گیا۔ مولانا لنگی اور ململ کا کرتا پہنے کھیتوں میں پھر رہے تھے۔ گورے کو اس حالت میں دیکھا تو دوڑ کر اس کے پاس آئے اس نے کچھ جانے بغیر کہ ڈیم نمبردار کدھر تھا، کہہ کر مخاطب کیا، مولانا خاموش ہو گئے، اس نے ایک اور گالی لڑھکا دی اب مولانا کو غصہ آگیا پہلے تو اس کے زنانے کا تھپڑ رسید کیا پھر نوکروں سے کہا کہ اس کی جوتوں سے مرمت کرو، چودھری غلام حیدر خاں کا بیان ہے کہ جوتوں کی چھ ضربوں ہی سے اس کے مزاج درست ہو گئے تو معذرت کرنے لگا، اور وہیں ٹھیک تم بہت اچھا اسکی

عقیدت سے مولانا اسے اپنے مکان کے برآمدے میں لے گئے، چائے تیار کروائی۔ انڈے اور بسکٹ اس کو دیے اور اپنی گاڑی میں سوار کرا کے وزیر آباد تک پہنچوا دیا۔

ایک دفعہ الہ آباد ریلوے اسٹیشن پر ایک گورے سے تکرار ہو گئی۔ وہ ریل کے ڈبہ کا دروازہ اور کھڑکیاں بند کر کے تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ مولانا نے اس کو بہتیرا سمجھایا لیکن وہ ڈھیٹ بنا بیٹھا رہا۔ دروازہ نہیں کھولا۔ مولانا کھڑکی توڑ کر اندر گھس گئے۔ اس نے بدتمیزی کی اور بدکلامی کی۔ مولانا کو تاؤ آ گیا۔ اڑنگے پر لا کر ایسی پٹخنی دی کہ چودہ طبق روشن ہو گئے۔

اسی طرح امرتسر کے پلیٹ فارم پر ایک انگریز فوجی سپاہی کو مولانا سے بھیڑ ڈالا۔ اس نے باکسنگ کے جوہر دکھانے چاہے۔ مولانا کیا بچنے والے تھے۔ آنِ واحد میں چاروں شانے چت کر دیا اور چھاتی پر چڑھ گئے۔ گھونسے پر گھونسے رسید کیے۔ اتنے میں تماشائی جمع ہو گئے۔ کسی نے مولانا کو پہچان لیا۔ اس نے کہا "مولانا ظفر علی خاں"۔ ہجوم نے کہا زندہ باد۔ اب تمام پلیٹ فارم زندہ باد کے نعروں سے گونج رہا تھا۔[1]

ایک دفعہ سکاٹ ڈپٹی انسپکٹر جنرل پولیس کو اس کی تیز کلامی پر سخت ڈانٹ پلائی۔ شہید گنج کی تحریک کے زمانے میں سٹرینٹ انسپکٹر جنرل پولیس سے تو تکار ہو گئی۔ اس کے منہ سے کہیں نکل گیا، مسلمان شرارتی ہیں۔ رکنے والے نہیں تھے فوراً جواب دیا۔ انگریز دل سے کم۔ وہ غصہ سے کانپنے لگا۔ لیکن ڈپٹی انسپکٹر جنرل سی۔ آئی۔ ڈی نے اس کے

---

[1] ظفر علی خاں ص ۳۶

کان میں کہا۔ مولانا ظفر علی خاں ہیں۔ فوراً ہی منہ پھیر کر چلا گیا، مولانا نے اس کے جاتے وقت ایک آوازہ کس دیا۔ "سٹرپل میں بنیئے سپرنٹنڈنٹ پولس لاہور نے چکنا چیا یا" لیکن اس پر بھی ایک ایک فقرہ چپت کیا کر اتنا سا منہ لیکر رہ گیا۔

اسی محکمہ ڈاک کے ملازمت کے زمانہ میں ان کے والد کا ایک اسسٹنٹ تھا جس کا نام شمس الدین تھا۔ یہ قوم کا نائی تھا ڈاک خانہ کے کلرک، ڈاکیے اور چپراسی اس کے سلوک سے بہت نالاں تھے، مولانا ظفر علی خاں سے بھی کسی بات پر اس کی ٹھن گئی۔ مولانا نے اس کی فوراً ہجو لکھ ڈالی جس کے چند اشعار یہ تھے

ڈال کسوت کو گلے میں، ہاتھ میں لے اُسترا
خط بنا جا کر کسی کا، تجھ کو خط لکھنے سے کیا
بن گیا قسمت سے سپرنٹنڈنٹ کا تو ہیڈ کلرک
ورنہ ماں نائن تھی، ترا باپ تھا گن بیبیا
نام تیرا شمس ہے جوڑے کہ شمس الدین ہے
کوئی اس لونڈے سے یہ پوچھے ترا از بہر خدا

شمس الدین نے جب یہ اشعار سنے تو روتا پیٹتا سرکاری سراج الدین صاحب کے پاس پہنچا اور شکایت کی، باپ نے بیٹے کو بلا کر ڈانٹا اور معتاطر ہنے کی ہدایت کی، مولانا ملازمت سے دل برداشتہ تھے فوراً استعفیٰ دے کر علی گڑھ چلے گئے۔ اس زمانہ میں علامہ شبلی، آرنلڈ اور مارلسن جیسے ماہرین تعلیم آپ کے استاد تھے، مولانا ظفر علی خاں کے ہم جماعتوں میں ہندوستان کے مشہور ریاضی داں ڈاکٹر ضیاء الدین، سید محفوظ علی بدایونی شامل تھے

مولانا شوکت علی آپ سے ایک جماعت آگے تھے اور مولانا محمد علی جوہر ایک درجہ پیچھے تھے۔ آپ کا شمار علی گڑھ کالج کے ذہین ترین طلباء میں ہوتا تھا آپ کی عمر اس وقت اٹھارہ سال کی تھی اسی زمانہ میں کالج میں سرسید احمد کی صدارت میں ایک قومی جلسہ ہوا جس میں مولانا ظفر علی خاں نے فارسی میں سرسید احمد خاں کی شان میں ایک قصیدہ پڑھا۔ حاضرین نے بڑی داد دی۔ سرسید احمد خاں نے ان کو گلے سے لگایا اس قصیدہ کے چند اشعار یہ تھے ؎

سحر کردند طلعتم کشور جاودانی را
بہ دام آوردہ طبعم صید وحشی معانی را
ببیں آں سید احمد فراز ہمتش محکم
کہ ما ہر ہست بحبہ چارہ صد و نہ بانی را
ریاض قوم آب از اشک ہائے چشم او باید
فلک چشم تو گاہے دیدہ است ایں باغبانی را

مولانا نے کالج کی اکثر تقریبات میں فارسی اور اردو میں نظمیں پڑھی شروع کیں یہ نظمیں کالج کی ضروریات اور قوم کی حالات کے مطابق ہوا کرتی تھیں علامہ شبلی کو شمس العلماء کا خطاب ملا تو کالج میں ایک بڑا جلسہ ہوا، اس جلسہ میں مولانا نے اپنے استاد کے حضور میں بھی ہدیہ عقیدت کے طور پر ایک فارسی قصیدہ پڑھا جو بقول علامہ سید سلیمان ندوی صاحب ان کا ابتدائی کلام ہے ؎

سالے کہ نکو است از بہارش پیداست

والد ماجد کی نگرانی میں کالج میں علمی و ادبی فضا قائم تھی علم و ادب کا

زمانے کے کالج میں دو انجمنیں قائم تھیں۔ ایک انجمن اخوان الصفا تھی جس کے سکرٹری پروفیسر آرنلڈ تھے مولانا اس کے رکن تھے، دوسری انجمن لجنۃ الادب تھی جو عربی زبان میں تقریر و تحریر کی مشق کرنے کے لئے قائم کی گئی تھی مولانا اس کے بھی رکن تھے۔

شمارہ صبح مورخہ یکم دسمبر ۱۹۱۶ء میں مولانا ظفر علی خاں کے تاثرات کا ذکر ہے۔

پادش بخیر پروفیسر آرنلڈ جس زمانہ میں مدرسۃ العلوم کی شاندار روایات کو اپنی مسیحا نفسی سے ایک نئی زندگی بخش رہے تھے انھوں نے اس دار العلوم کو مشرق کا سب سے زیادہ سر برآوردہ مرکز معارف بنا دیا ہے تو آپ وقتاً فوقتاً اپنے شاگردوں کو ایسی قیمتی نصیحتیں فرمایا کرتے تھے جو آپ ہی کے وسیع تجربے اور صحیح ذوق علمی کا حصہ ہیں مثلاً ایک لطیف نکتہ ایک موقعہ پر آپ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ ہر طالب علم کو چاہیے کہ کسی موضوع پر کوئی سی ایک نئی کتاب خواہ بغرض مطالعہ خواہ بطور تفنن طبع دیکھنا شروع کردے اور ایک ہفتہ میں اسے ختم کرکے بہ سبیل تبصرہ اس کے تمام مضامین کا ایک علمی صحبت میں آکر اعادہ کردیا کرے گویا کہ یہ اس کتاب کا ایک جامع ریویو ہو جس سے نہ صرف خود تبصرہ خواں کو مستفید ہو سکے بلکہ حضار محفل کے معلومات میں بھی جدید اضافہ کی صورت نکل آئے اور اس طریقے سے ہر ہفتہ کی علمی صحبت میں متعدد قابل دید کتب پیش نظر ہو جایا کریں اقتاد مذاق کے لحاظ سے طبائع مختلف ہوتے ہیں پروفیسر آرنلڈ کی گراں مایہ عظمت ان کے جن تلامذہ کا آدیدہ گوش ہوئی ان کی تعداد اگرچہ

تلقین نفس تبلیغ پر بھی خواجہ غلام الثقلین مرحوم کی طرح جن اہلِ بصیرت نوجوانوں نے اس پر عمل کیا وہ آگے چل کر اپنے ملک اور قوم کے لئے بہت ہی مفید ثابت ہوئے۔ کاش ہر وہ نوجوان جو اعلیٰ تعلیم کے حصول کی دھن میں چراغ نیم شبی سے لو لگاتا ہے اس مشورہ پر عمل کر سکے مگر جس طرح ہر شخص بوعلی سینا نہیں ہو سکتا اسی طرح ہر شخص کو درسِ اشارات و شفا دینے کی صلاحیت نہیں دی گئی ۔ ع

دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر

اس علمی و ادبی ماحول میں مولانا ظفر علی خاں کی فطری صلاحیتیں ابھر کر سامنے آگئیں۔ جو بات انھوں نے استعارۃً خواجہ غلام الثقلین کے بارے میں کہی ہے وہ خود ان پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ ان کی بعد کی صحافتی زندگی اس بات کی گواہ ہے کہ علی گڑھ کی فضا نے ان کو اردو سے عشق کی سی وارفتگی بخشی۔ انگریزی علم و ادب کے مطالعہ نے ان کے طرزِ نگارش میں مغرب کے نقادانہ وصف کو اجاگر کیا، عربی نے ان کی تحریر میں زور پیدا کیا اور فارسی نے نفاستِ خیال اور نزاکتِ بیان[۱]

مولانا ظفر علی خاں کو کھیل کے میدان میں بھی امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ وہ جب تک کالج میں رہے۔ کالج میگزین کے ادارت کے فرائض انجام

کالج تو شرارتوں کا گڑھ ہوتا ہے کوئی بھی طالب علم ایسا نہیں ہوگا جس نے کالج میں شرارت نہ کی ہو۔ جب مولانا سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے

۱۔ ظفر علی خاں ادیب و شاعر ص ۶۴

طالب علمی کے زمانے میں کوئی شرارت کی تھی، شرارت کا لفظ سن کر مولانا مسکرائے اور فرمایا ہاں ایک دفعہ ہم دو چار جماعتی علی گڑھ سے آگرہ جا رہے تھے کہ ہمارے ڈبے میں ایک مارواڑی سیٹھ سوار ہو گیا۔ رات کا وقت تھا اور بکی سیٹ پر چڑھ کر سو گیا خراٹے لینے لگا تو مجھے وحشت ہوئی جی میں آئی کہ جگا دیں دیکھا کہ ایک ٹوکری جس میں لڈو ہیں اس کی برتھ سے نیچے کی طرف لٹک رہی تھی اس کے نیچے کی برتھ پر ہمارا بستر تھا شوکت علی اور میں نے ہاتھ بڑھا کر لڈو نکالنے شروع کئے خواجہ غلام الثقلین، سر محفوظ علی بدایونی ہم چار تھے۔ آن واحد میں ٹوکری چٹ کر دی اور سو گئے دن چڑھے آگرہ آ گیا سیٹھ جی ابھی تک برتھ پر دراز تھے۔ ہم نے جلدی جلدی سامان لپیٹا اور لمبے لمبے قدم بھرتے ہوئے باہر نکل گئے۔ کئی دفعہ پیچھے مڑ کر دیکھا کہ سیٹھ تعاقب تو نہیں کر رہا۔ لیکن خیریت گزری جب بھی شوکت علی ملتے ... تو اس واقعہ کی یاد دلاتے ، اور کہتے بھائی ظفر علی خاں لڈو کھا دیکے ...

مولانا ظفر علی خاں نے مسلم کالج علی گڑھ سے بی اے کا امتحان فرسٹ ڈویژن میں ۱۸۹۴ء میں پاس کیا اور بمبئی چلے گئے۔ ان دنوں نواب محسن الملک حیدر آباد کی ملازمت سے سبکدوش ہو کر بمبئی میں مقیم تھے اس وقت نواب صاحب کے پرائیویٹ سکرٹری خواجہ غلام الثقلین صاحب مستعفی ہو چکے تھے نواب صاحب کو پرائیویٹ سکرٹری کی ضرورت تھی۔ علامہ شبلی نعمانی کی سفارش سے اس جگہ مولانا کا تقرر ہوا وہ نواب صاحب کو انگریزی خط و کتابت کے جواب دینے کے علاوہ ان کی ایما پر فلسفے کے مضامین اور کتابوں وغیرہ کا ترجمہ کرتے تھے تقریباً ایک سال

مولانا نواب صاحب کے سکرٹری رہے۔

اسی دوران علامہ شبلی دوبارہ بمبئی تشریف لائے۔ اس مرتبہ ان کے اور محسن الملک کے کہنے پر مولانا ظفر علی خاں حیدرآباد دکن گئے اور نواب افسر الملک سپہ سالار افواج نظام کے ماتحت فوج میں ملازم ہوئے سپہ گری کا اور ورزش کا شوق مولانا کو شروع ہی سے تھا۔ فوجی زندگی اختیار کرنے کے بعد اس شوق کو اور جلا ملی۔ فنونِ حرب اور شہسواری وغیرہ بازی میں بھی مولانا نے بہت جلد نام پیدا کرلیا تھا۔

اسی زمانہ کا واقعہ ہے کہ ایک روز نواب افسر الملک فوجی جوانوں کی نیزہ بازی اور شہسواری کے جوہر دیکھ رہے تھے مولانا ظفر علی خاں بھی پاس ہی کھڑے تھے فوجی جوانوں کو میخ اکھاڑنے کے مقابلے میں مصروف دیکھا تو طبیعت مچل گئی۔ دل میں جوانی کے ولولوں نے انگڑائی لی آگے بڑھے اور افسر الملک سے اس میں حصہ لینے کی خواہش کی افسر الملک مسکرائے فوراً نیزہ اور گھوڑا حاضر ہوا۔ اور مولانا سے مخاطب ہو کر کہا: "یہی میدان یہی گو" مولانا بلا تامل گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو کر نیزہ تانے آگے بڑھے گھوڑے کو ایڑ لگائی وہ بجلی کی طرح چمکا، ہوا کی طرح آگے بڑھا اور مولانا کا نیزہ بلند ہوا، جھکا اور آن کی آن میں میخ اکھاڑ لایا۔

مولانا بڑے نڈر اور ہمدرد خلائق تھے کسی کی مصیبت دیر تک برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ جان کو جوکھوں میں ڈال کر مصیبت میں کام آتے تھے حیدرآباد کا ہی ذکر ہے کہ محرم ڈیپارٹمنٹ کے اسسٹنٹ سکرٹری مسٹر لی کے بیٹے نے والدین سے ناراض ہو کر کوٹھی سے ملحق کنوئیں میں

چھلانگ لگادی، سڑلی مکان پر نہیں تھے ان کی بیگم نے شور مچایا۔ مولانا آواز سن کر امداد کو پہونچے، رسہ منگوایا اور اس کے سہارے کنویں میں اتر رہے تھے کہ رسہ کٹ کر ٹوٹ گیا۔ آپ دھڑام سے نیچے گر پڑے، لوگ بھاگم بھاگ دوسرا رسہ لائے اور کنویں میں لٹکایا۔ مولانا نے اس رسہ کے ذریعے پہلے اس لڑکے کو نکالا اور پھر خود نکلے زخموں کی وجہ سے کئی دن چارپائی پر پڑے رہے۔

مولانا ظفر علی خاں ایک ادیب، صحافی اور سیاسی شخصیت تھے اس لئے افسر الملک سے کچھ زیادہ دن نباہ نہیں ہوا وہ فوج سے علیحدہ ہو گئے۔ ان دنوں نواب عزیز احمد مرزا حیدرآباد کے محکمہ داخلہ کے معتمد اعلیٰ تھے آپ کی صلاحیتوں کو دیکھ کر انھوں نے ان کو اپنے محکمہ میں ملالیا اور دارالترجمہ سے وابستہ کردیا۔ اس زمانہ میں ہی آپ نے معرکہ مذہب و سائنس کا ترجمہ کیا، ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ کرزن کی کتاب "خیابانِ فارس" کے نام سے ترجمہ کیا جسے لارڈ کرزن نے بے حد پسند کیا اور انعام میں ایک طلائی گھڑی دی، معرکہ مذہب و سائنس پر پنجاب یونیورسٹی نے بھی مولانا ظفر علی خاں کو پانچ سو روپے انعام دیا مولانا ظفر علی خاں نے ان ہی دنوں "غلبۂ روم" نامی کتاب لکھی، اس سے پہلے مولانا سیر ظلمات، فسانہ لندن اور سنہری گھونگا کا ترجمہ کرچکے تھے [۱] اسی دوران آپ نے علامہ شبلی کی شہرۂ آفاق کتاب الفاروق کا انگریزی میں ترجمہ "عمر دی گریٹ" کے نام سے کیا [۲]

---

[۱] جدید شعرائے اردو صفحہ ۳۷۵ [۲] انجمن صفحہ ۶۱

لیکن اس کی صرف ایک جلد شائع ہوئی، کچھ عرصہ بعد وہ لیجسلیٹو کونسل کے ممبر ہو گئے۔ اس منصب کی تنخواہ ۲۵۰ روپے ماہوار تھی، مولانا نے اس منصب کے فرائض اس خوش اسلوبی سے انجام دئے کہ کچھ عرصہ کے لئے انھیں اسسٹنٹ ہوم سکرٹری کے منصب پر فائز کر دیا جس کی تنخواہ پانچ سو روپے ماہوار تھی لہ

مولانا ظفر علی خاں کچھ عرصہ ولی عہد سلطنت میر عثمان علی خاں کے اتالیق بھی رہے۔ اسی زمانہ میں دکن میں رودِ موسیٰ کی طغیانی ایک حادثہ عظیم تھی جس نے حیدرآباد میں حشر برپا کر دیا تھا۔ فاقہ زدہ برباد لوگوں کے لئے شہر میں مختلف امدادی مرکز قائم کئے گئے تھے افضل گنج کے علاقہ کا انتظام جہاں تقریباً پچاس ہزار تباہ حال انسانوں کے کھانے کپڑے اور رہائش کا سامان مہیا کیا گیا تھا۔ مولانا کے سپرد ہوا۔ انھوں نے نہایت ہمدردی کے ساتھ مسلسل اٹھارہ دن تک شب و روز یہ کارِ خیر انجام دیا۔ اس قیامت خیز طغیانی کے بارے میں مولانا نے ایک نظم "شورِ محشر" کے عنوان سے لکھی جسے ہزاروں کی تعداد میں چھاپا گیا۔ اور اس کی آمدنی رودِ موسیٰ کے سیلاب زدوں کے لئے وقف کر دی تھی۔ یہ نظم آپ نے ایک عظیم الشان جلسہ میں پڑھی تھی۔ جس میں حیدرآباد کے امراء بھی موجود تھے۔ ہندوستان بھر کے ادبی حلقوں میں اس نظم کا بڑا شہرہ ہوا یہ نظم دکن ریویو مورخہ جنوری ۱۹۰۵ء میں "رودِ موسیٰ" کے نام سے چھپی تو شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے ۱۱ مارچ ۱۹۰۵ء کو آپ کے نام

لہ اخبار نویسوں کے حالات صفحہ ۱۲۱

حسب ذیل خط ارسال کیا۔

عزیزی - جنوری کا دکن ریویو سامنے رکھا ہوا تھا۔ سرسری ہی پر آپ کی نظم جو رودِ موسیٰ پر لکھی گئی تھی نظر پڑی اول سے آخر تک بڑے غور سے اور بڑے شوق کے ساتھ پڑھی میرا حال اب یہ ہو گیا ہے کہ پرانی طرز کی نظمیں تو ماشاءاللہ اس سے دیکھنے کو جی نہیں چاہتا کہ ان میں کوئی بات نئی دیکھنے میں نہیں آتی اور نئی طرز کی نظموں میں گو مضامین نئے نئے ہوتے ہیں مگر وہ چیز جس کو شاعری کی جان کہنا چاہیے اور جس کو جادو کے سوا اور کسی لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا نہیں نظر نہیں آتی لیکن اس نظم کو دیکھ کر میں متحیر ہو گیا، مرثیہ دیکھ کر بھی مجھے ایسا تحیر ہوا تھا لیکن اس وقت آپ کے دل کو لگی ہوئی تھی اور ایسا کلام جو دل کے جوش پر مبنی ہوتا ہے خواہی نخواہی موثر اور دل کش ہوتا ہے لیکن "رودِ موسیٰ" پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے یہ محض زورِ طبع اور شاعری کی خدا داد قابلیت سے لکھا ہے اگر آپ جیسے دو چار آدمی ملک میں پیدا ہو جائیں تو کچھ امید پڑتی ہے کہ نئی شاعری چل نکلے، مجھے تو مسلمانوں کے دکھڑے نے اتنی مہلت ہی نہیں دی کہ نیچر کے سلف ہیر پر کچھ طبع آزمائی کرتا، مولوی اسماعیل میرٹھ کے بھی اب ہماری طرح پا در رکاب ہیں۔ صرف پنجاب میں آپ جیسے چند لوگوں کی صورتیں نظر آتی ہیں بشرطیکہ آپ کو فکر معاش دم لینے دے اور یہ چینک بھی دل کو لگی رہے۔

مولانا ظفر علی خان نے حیدرآباد میں ۱۹۰۱ء میں ایک ماہانہ رسالہ افسانہ جاری کیا جو علمی و ادبی اور تاریخی تھا۔

مولوی عزیز مرزا کا تبادلہ بحیثیت ڈپٹی کمشنر گلبرگہ میں ہو گیا تو ان کی جگہ نواب سربلند جنگ ہوم سکریٹری مقرر ہوئے۔ نواب صاحب میں تیزی و تند دماغی تھی اور چڑچڑے مزاج کے تھے مولانا نے ساتھ ہی تیزی سے پیش آئے یہ کہاں برداشت کرنے والے تھے انھوں نے قلم کو جنبش دی اور ان کی ہجو لکھ ماری۔ سربلند جنگ کو اس ہجو کی خبر ہو گئی تو مولانا رخصت لے کر اپنے دوست میر محفوظ علی بدایونی کے پاس بربرہ صومالی لینڈ چلے گئے میر صاحب اس زمانے میں صومالی لینڈ (افریقہ) میں جج کے عہدے پر فائز تھے۔ میر صاحب جج کی ملازمت سے بیزار تھے۔ دونوں دوستوں نے مل کر بمبئی میں امپورٹ اور ایکسپورٹ کا دفتر کھولا جس کے لئے ایک مکان کرایہ پر لیا اور نیشنل کمرشل ایجنسی کے نام سے ایک تجارتی ادارہ کھولا۔ جاپان سے ریشم اور افریقہ سے ہاتھی دانت کا سامان منگایا مگر اس میں کامیاب نہیں ہوئے ذہن ادبی تھا تجارتی نہیں تھا۔ میر محفوظ دل شکستہ ہو کر بدایوں چلے گئے اور مولانا بمبئی تشریف لے گئے اتنے میں عزیز مرزا دوبارہ ہوم سکریٹری ہو کر آ گئے۔ انھوں نے چارج لیتے ہی مولانا کو طلب کیا مولانا بمبئی سے سیدھے حیدرآباد دکن پہنچے انھوں نے ان کی پرانی جگہ پر بحال کر دیا۔ حیدرآباد کے علمی ماحول اور ادبی فضا میں مولانا ظفر علی خاں کے ادبی ذوق کو جلا ملی۔ ان فیوض و برکات کا ذکر کرتے ہوئے وہ پنجاب ریویو میں لکھتے ہیں۔

"ہندوستان کا وہ اسلامی تمدن جس کے بھرے بیڑے مغربی تہذیب کی آمد آمد کے ساتھ بچھڑنے لگے تھے اگرچہ اب آفتاب لب بام ہے

لیکن اس آفتاب کی شعاعوں میں بھی ہمیں کربیانہ اخلاق اور فلسفیانہ تبحر کی ایسی ایسی مثالیں نظر آتی ہیں جن سے دہلی و بغداد اور بخارا و اندلس کی یاد تازہ ہوگئی ہے ۔ ہم لوگوں کے لئے جن کی نگاہیں نئی روشنی کی خوگر ہوچکی ہیں اس سے زیادہ فخر اس سے زیادہ نازش کا مقام کیا ہوسکتا ہے کہ ہم نے سید احمدؒ جیسے مجدد وقت کا زمانہ دیکھا ہے ۔ محسن الملک کی جادو بیانی کے موتی جیب و داماں میں بھرے ہیں داغ جیسے قادر الکلام شاعر کے فیض صحبت سے استفادہ کیا ہے ۔ شبلی جیسے وحید العصر و یکتائے زمن نے حسن فیوض سے خوشہ چینی کر رہے ہیں اور حالی کی عدیم النظیر سخنوری و سخن سنجی سے مذاقِ سلیم کو بہرہ اندوز بنا رہے ہیں ۔

انگریزوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد ہندوستانیوں پر جو مظالم ڈھائے تھے اور کچلا دبایا گیا تھا اس سے ہندوستانیوں کے قلوب میں ناسور پڑ گئے تھے ۔ چنانچہ مولانا کو بھی انگریزوں کی غلامی برداشت نہیں تھی ان کا دل آزادی کے لئے تڑپتا تھا انھوں نے انگریزوں کی ملازمت کے بجائے سلطنتِ آصفیہ کی ملازمت کو ترجیح دی ۔ جب تک حیدرآباد میں رہے اس کی ترقی و تقویت کے لئے کوشاں رہے وہ میر عثمان علی خاں کے استاد مقرر ہوئے وہ برابر اس کوشش میں رہے کہ ولی عہد سلطنت کو صحیح ملکی لائنوں پر تیار کریں تاکہ اگر کبھی ایسا وقت آجائے کہ ملک کی آزادی اور سلطنتِ آصفیہ کی مکمل و مکمل آزادی کے لئے عوام اٹھ کھڑے ہوں تو میر عثمان علی خاں اس جدوجہد میں ایک بہادر ہندوستانی کی طرح مرکزی کردار ادا

ارتکاب ۵

دسمبر ۱۹۰۶ء میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس ڈھاکہ میں ہوا نواب محسن الملک اور نواب وقار الملک اور دوسرے مسلمان رہنماؤں نے سلیم اللہ ہال میں مسلم لیگ کے قیام کا اعلان کیا، مولوی عزیز مرزا اور مولانا ظفر علی خاں اور ان کے نوجوان ساتھی اس اجتماع میں موجود تھے۔ ڈھاکہ سے واپسی پر ان کی سیاسی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع ہونے لگا۔ ان ہی دنوں ایک برطانوی رقاصہ پارلی ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اپنے فن کا مظاہرہ کرتی ہوئی حیدرآباد پہنچی، سرکاری طور پر رقص کا انتظام کیا گیا جب رقص ختم ہوا، تو حکومتِ آصفیہ کی طرف سے مولانا ظفر علی خاں کو شکریہ ادا کرنے کیلئے کہا گیا مولانا نے اس موقع پر شکریہ ادا کرنے کے لئے بجائے مشرقی اور مغربی تہذیب کا موازنہ شروع کر دیا اور مغربی تہذیب کو بے حیائی اور برہنگی کا مظہر قرار دے کر خوب لتاڑا۔ آپ نے کہا۔

"یہ نیم برہنہ رقص، یہ بے حیائی اور بے غیرتی کا کھلا مظاہرہ انگریزی تہذیب میں تو برداشت کیا جا سکتا ہے اور اسے برطانیہ تہذیب کا طغرائے امتیاز قرار دیا جا سکتا ہے لیکن اسلام اور اس کی تہذیب و تمدن ایسے برہنہ رقص کی متحمل نہیں ہو سکتی، اسلام تو غیر محرم عورتوں کو دیکھنے کی ممانعت کرتا ہے چہ جائیکہ نیم برہنہ رقص دیکھ کر

ٮ مولانا ظفر علی خاں ص۳۲

خوشی سے بغلیں بجائیں اور اس بے حیائی کا مظاہرہ کرنے والوں کا شکریہ ادا کریں کہ انھوں نے برہنہ رقص کر کے ہمارے معاشرے کی دیواروں میں شگاف کرنے کی سعی کی ہے شرم و حیا ہی شرفیوں کی متاع عزیز ہے۔ اگر خدانخواستہ یہ متاع عزیز لٹنی شروع ہوگئی تو پھر قوم کی بے غیرتی اور بے حیائی میں کوئی کسر باقی نہ رہے گی ۔

سر مائیکل اوڈوائر نے جو ان دنوں ریاست میں ریذیڈنٹ تھا یہ تقریر سنی تو چراغ پا ہو گیا۔

دوسرا الزام مولانا پر یہ تھا کہ مولانا میر عثمان علی خاں کو انگریزوں کے خلاف اکساتے ہیں۔ یہ الزامات ایسے تھے جنھوں نے سر مائیکل کے دلوں میں مولانا کے متعلق نفرت و حقارت کا جذبہ پیدا کر دیا۔ اس آگ میں دوسرے ننگ لوگوں کی رقابت نے جو انہوں نے تیل کا کام کیا چنانچہ مولانا ظفر علی خاں، مولوی عزیز مرزا، مولانا عبدالحلیم شرر۔ اور صفی الدین کو برطانوی حکومت اور حاکم وقت نواب میر محبوب علی خاں کے خلاف دلی عہد سے مل کر سازش کرنے کے الزام میں ریاست کے حدود سے چوبیس گھنٹے کے اندر اندر نکل جانے کا حکم مل گیا۔ اور مولانا ظفر علی خاں اپنے تینوں ساتھیوں کے ساتھ ریاست سے رخصت ہو گئے۔ مولانا لاہور پہنچے یہ سب کھیل انگریز ریذیڈنٹ مائیکل اڈوائر کے دباؤ کے تحت کھیلا گیا تھا۔ نظام دکن میر محبوب علی خاں اچھی طرح جانتے تھے کہ مولانا ظفر علی خاں اور ان کے ساتھی بے قصور تھے اور انھوں نے مبینہ سازش قطعی نہیں کی تھی چنانچہ آپ نے ان

نوٹس اخراج کا حکم دینے کے ساتھ یہ ہدایت جاری کی کہ ان
کے نام وظیفہ جاری رہے گا۔ مولانا نے حیدرآباد کی نام نہاد سازش
پر [illegible] ہوئے یہ فرمایا تھا۔

[illegible] اپنے ضمیر سے شرمندہ ہوئے بغیر یہ اعلان کرتا ہوں
کہ میں کسی سازش میں شامل نہیں تھا اور نہ کسی قسم کی سازش
کا کوئی وجود تھا، ہاں ہمارا یہ جرم ضرور تھا کہ ہم حیدرآباد
سے محبت کرتے تھے، ہم چاہتے تھے کہ حیدرآباد کے
حکمران کو ہز مجسٹی کا خطاب دے کر ایک خودمختار حکمران
تسلیم کر لیا جائے اور انگریزی نظام حیدرآباد سے
مساویانہ سلوک کرے۔ اگر یہ سازش ہے، اگر یہ جرم ہے
تو حیدرآباد کا ہر مسلمان اس جرم کا مرتکب ہے۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب حیدرآباد کے اخراج کے بعد لاہور سے
کرم آباد پہنچے تو آپ کے والد مولوی سراج الدین علیل تھے، حالت
نازک تھی۔ انہوں نے مولانا کو قریب بلا کر فرمایا۔

میں نے زمیندار کو اپنے خون سے سینچا ہے، میری یہ
وصیت ہے کہ میرے بعد اس پودے کے تم مالی بنو اور
اس کی نگہداشت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرو۔

مولانا کا ریاست بدر ہونے کے بعد یہ خیال تھا کہ لاہور سے ایک
[illegible] نکالیں گے۔ لیکن والد صاحب کی وصیت کے بعد اپنے
[illegible] بدل دیا اور زمیندار کے انتظام میں مصروف و مشغول

ان دنوں لاہور سے کئی ہفتہ وار اخبار نکل رہے تھے جن میں پیسہ اخبار" انتخاب لاجواب" زیرادارت مولوی محبوب عالم، وطن" زیر ادارت مولوی انشاء اللہ خاں، اخبار عام زیرادارت پنڈت گوپی چند، ہندوستان زیرادارت لالہ دینا ناتھ اور کشمیری میگزین زیرادارت منشی محمد دین فوق۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب نے زمیندار کی ادارت سنبھالتے ہی اس میں زندگی کی نئی روح پھونک دی، اس میں نئی نئی جدتیں پیدا کیں اور اس نیم سیاسی اخبار کو جلد ہی ایک سیاسی اخبار بنا دیا۔

اسی دوران میں مولانا نے مختلف مقامات پر اردو زبان وادب کے مسائل اور مسلمانوں کے سیاسی ومعاشرتی حالات پر تقریریں کیں۔ ایک ادیب وشاعر وصحافی کی حیثیت سے علمی حلقوں میں وہ پہلے ہی سے متعارف تھے اب عوامی لوگوں میں ان کی شہرت ہونے لگی۔

مولانا ایک دن کسی کام سے لاہور چلے گئے چودھری شہاب الدین جو ان کے والد کے دوست تھے ان سے ملے انھوں نے ان کو مشورہ دیا کہ زمیندار لاہور سے نکالو جو اخبار یہاں سے نکل رہے ہیں وہ کامیاب ہیں۔ اس تہذیبی مرکز میں بیٹھ کر اپنے مستقبل کو درخشاں بناؤ۔ مولانا نے یہ مشورہ قبول کیا اور زمیندار لاہور سے آئے ٹکسالی دروازے کے ایک مکان کڑی امیر چند میں سے ۱۹۱۱ء سے شائع ہونے لگا، یہاں پہنچ کر ان کے احباب کا حلقہ بنا۔ جن میں علامہ اقبال، شیخ عبدالقادر اور چودھری شہاب الدین تھے جو

اس زمانے میں لاہور کی ثقافتی ماحول کے روح رواں تھے۔

لاہور میں زمیندار آنے کے بعد تھوڑے دنوں میں مقبول ہوگیا اور اس کی اشاعت دو ہزار تک جا پہنچی۔ اسی زمانہ میں اطالیہ نے طرابلس پر حملہ کیا جنگ نے تیزی اختیار کی تو مولانا نے ۵ اکتوبر ۱۹۱۱ء سے زمیندار کا روزانہ ایڈیشن بھی جاری کر دیا[1] اس میں جنگ کی خبریں اور بلاد اسلامیہ کے بارے میں معلومات افروز مضامین اپنے دل چسپ پیرائے میں چھپنے شروع ہوئے کہ اخبار کی مانگ روز بروز بڑھنے لگی زمیندار، جنگ طرابلس اور بلقان کی جنگ میں تو زمیندار کا طوطی سارے ہندوستان میں بولنے لگا۔ زمیندار پہلا اخبار تھا جس نے اپنے پڑھنے والوں کو جنگ طرابلس و بلقان کی تازہ بتازہ خبریں مہیا کرنے کے لئے رائٹر کا بھی انتظام کیا تھا۔

زمیندار جس کے سرورق پر یہ لکھا ہوتا تھا "نام خیرخواہ دولت برطانیہ" زمیندار اب وہ نہیں رہا تھا ایک باغی اخبار تھا، ایک ایسا اخبار جس نے نہ صرف پنجاب بلکہ ہندوستان بھر میں برطانوی استبداد کے خلاف قوم کے اندر شدید نفرت و حقارت کا ایک طوفان برپا کر دیا تھا۔ مولانا ظفر علی خاں کے قلم نے انسکوسٹہ اور اڈوائر کے بیانات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں اس طرح بکھیریں کہ لاہور سے لندن تک قصر استعمار برطانیہ میں زلزلہ آگیا۔ ۱۹۱۵ء تک لاہور مولانا کی شعلہ نوائی کی وجہ سے آتش فشاں بنا ہوا تھا۔ اور زمیندار ہزاروں کی تعداد میں شائع ہوتا تھا

۱؎ شہید بادشاہی ص ۱۰۲

ادھر مولانا ظفر علی خاں سونے دروازے کے باہر ہر روز بیس پچیس ہزار مسلمانوں کے اجتماع میں انگریزوں کی گندی ذہنیت اور سامراجیت کے بخیئے ادھیڑ رہے تھے وہ تقریر کرتے تو ان کے منہ سے شعلے برستے زہر میں بجھے ہوئے تیر نکلتے تھے طرابلس کے مظلوموں کے لئے امداد کی اپیل کرتے تھے۔ چاروں طرف سے روپے کی بارش ہوتی تھی چنانچہ ایک سال کے عرصہ میں چار لاکھ روپے چندہ جمع کر کے ترکی بھجوایا۔

طرابلس اور بلقان کی جنگ کے دوران مولانا کی تقریر و تحریر سے عام لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہو رہے تھے اور حکومت اس صورت حال کو تشویش کی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔

اسی دوران مولانا کے حیدر آبادی کرمفرما سر اکبر حیدری/ سر مائیکل اوڈوائر پنجاب کے لفٹنٹ گورنر بن کر آنے کے بعد حکومت میں کاسہ لیسان ازلی سے مولانا کو پابجولاں کرنے کے مشورے ہو رہے تھے کہ مولانا ظفر علی خاں دسمبر ۱۹۱۳ء میں خاموشی سے لاہور سے بمبئی پہنچے اور وہاں سے خاموشی کے ساتھ انگلستان روانہ ہو گئے۔ مولانا کے لندن پہنچتے ہی اسکاٹ لینڈ کی طرف سے آپ کی نگرانی شروع ہو گئی۔ ہندوستان سے سی آئی ڈی اسٹاف کے بعض سینیر افسروں کو لندن بلا کر مولانا کی نگرانی پر مقرر کر دیا گیا۔ لندن میں مولانا ظفر علی خاں نے تقریریں کیں، انگریزی زبان میں آپ کی تقریروں کی دھاک سارے برطانیہ میں پھیل گئی آپ نے پریس ایکٹ کے خلاف انگریزی زبان میں سو صفحے کا ایک کتابچہ شائع کیا جس میں بڑے سلجھے ہوئے انداز میں پریس ایکٹ کی جمہوریت کشی اور آزادی تحریر کے مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی تھی، برطانوی پارلیمنٹ

...کے اٹکسن کے سامنے بھی انھوں نے انڈین پریس ایکٹ کی مضرتوں اور اس ایکٹ کے اندھا دھند استعمال پر بڑی مدلل تقریر کی جسے لبرل اخبارات نے پسند کیا۔ مولانا ظفر علی خاں کی یہ انگریزی تقریریں بھی ... زبان سے خراج تحسین وصول کئے بغیر نہ رہ سکیں۔ مولانا ظفر علی خاں کے ہمراہ مولانا محمد علی ایڈیٹر کامریڈ اور سید وزیر حسن سکرٹری مسلم لیگ بھی تھے چنانچہ اخبار مسلمان امرتسر نے اپنے شمارے ۱۷ جنوری ۱۹۱۴ء میں ان حضرات کے انگلینڈ جانے کا ذکر کیا ہے۔

مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ اور سید وزیر حسن سکرٹری مسلم لیگ ولایت سے ہندوستان واپس آ گئے لیکن ان کے دوست مولانا ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار ابھی تک وہیں مقیم ہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ ولایت میں ٹھہرنے سے ان کی غرض پریس ایکٹ کی منسوخی کے لئے کوشش کرنا ہے مسٹر محمد علی نے اپنے قیام انگلستان کے دوران پریس ایکٹ کی منسوخی کی کوشش کی تھی لیکن حالات سے مجبور ہو کر انہیں ہندوستان آنا پڑا اور اس کام کی تکمیل ان کے دوست مولوی ظفر علی خاں نے اپنے ذمہ لی ہے ولایتی اخبارات میں پریس ایکٹ کے خلاف مولوی صاحب کے مضمون نکلنے شروع ہو گئے اور پچھلے مضمون میں انھوں نے اپنی داستان ظلم سنائی کہ کس طرح ان کے پریس کی ضمانت دو ہزار روپے ضبط کئے گئے اور دس ہزار روپے نئی ضمانت کے طور پر لے لئے گئے۔ ولایتی اخبار اور ولایتی پریس سے پرزور اپیل کی ہے کہ وہ ہندوستانی اخبارات کو اس قانون سے نجات دلائیں نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ آگرہ کے جلسوں میں اس ایکٹ کی سختیوں کے خلاف ناراضگی کی آواز بلند ہو چکی ہے۔

مولانا نے لندن سے فراغت پاتے ہی ترکی پایہ تخت استنبول پہنچے اور سلطان محمد خامس کی خدمت میں حاضر ہوئے مولانا نے زمیندار کا بلقان نمبر ماکس دراز کا مجلد نسخہ ایک طلائی کشتی میں لگا کر سلطان کی نذر کیا اس کے علاوہ ایک قصیدہ فارسی زبان میں بارگاہ سلطانی میں پیش کیا جو اعلیٰ حضرت نے انتہائی مسرت سے قبول فرمایا اور ہندوستان کے عوام کو یہ پیغام بھیجا۔ اس قصیدے کے یہ دو شعر بھی تھے ؎

پیام الفت از دہلی بہ استنبول آوردم
مثال بوئے گل مستم کہ بر دوش صبا باشد
حذر اے دشمنان ملت بیضا از ان ساعت

جنگ بلقان میں ابتدائً ترکوں کو شکست ہوئی، مقدونیہ البانیہ اور ایڈریانوپل ترکوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اس وقت مصطفیٰ کامل پاشا مدار المہام نہایت ذلیل شرائط پر مصالحت کے لئے آمادہ ہو گئے جس سے ترکی میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ انور پاشا طرابلس سے ترکی پہنچے۔ انھوں نے انجمن اتحاد ترقی کے جھنڈے تلے چند رفقا کو جمع کر کے ایوان وزارت پر دھاوا بول دیا اور مصطفیٰ کامل کی وزارت کو مستعفی ہونے پر مجبور کر دیا۔ اور انور پاشا نے عنان حکومت سنبھال کر بلقانی ریاستوں پر حملہ کر دیا۔

انور پاشا کی اسکیم تھی کہ اسلامی سلطنتوں کو ان کی مدد کرنی چاہیے اور ہندوستان میں علی برادران کانگریس کی تحریک کی امداد کرنی چاہیے اس کے ساتھ خفیہ سوسائٹیاں ہونی چاہئیں جن کو اسلحہ فراہم کیا جائے طلعت پاشا نے مولانا ظفر علی خاں سے اس سلسلہ میں تبادلہ خیال کیا

اس کے بعد مولانا ظفر علی خاں، جنرل جمال پاشا، غازی انور پاشا اور طلعت پاشا کے درمیان ایک طویل مذاکرات ہوئے جس میں فیصلہ کیا گیا کہ ترکی کا انہیں اتحاد و ترقی کی بنیاد ڈال کر ایک تحریک ہندوستان میں شروع کی جائے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی نے اہم رول ادا کیا۔ انہوں نے مولانا عبیداللہ سندھی کو افغانستان بھیجا مولانا ظفر علی خاں اس تحریک کے ہندوستان میں مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ مولانا ظفر علی خاں لندن سے اخبار زمیندار کو مضامین بھیجا کرتے تھے۔ ایک مضمون مولانا نے روانہ کیا جو بڑے اہتمام سے شائع کیا گیا جس کا عنوان تحریر تھا:

جاد حضرات تحفہ لندن

تحریر: ترکیہ روزنامہ دزلن

یہ مقالہ ہے کہ اس تحریر کی وجہ سے زمیندار سے دس ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی یعنی ۱۵ فروری ۱۹۱۴ء کا منبر عالم مراد آباد اس کی ضمانت کی وجہ قرار نہیں دیتا بلکہ وہ لکھتا ہے ایک مقالہ بہ عنوان دارا ئے برطانیہ ا زمیندار میں چھپا تھا جس کی وجہ سے دس ہزار روپے کی ضمانت ضبط ہوئی۔ منبر عالم کی عبارت یہ ہے:

زمیندار کی سابق دو ہزار کی ضمانت ضبط ہو کر دس ہزار کی جو نئی ضمانت چند ماہ قبل مانگی گئی تھی ۱۳ فروری کو ضبط کر لی گئی۔ ادھر پولیس ایک سرکاری وارنٹ لے کر زمیندار کے دفتر میں گئی اور دس ہزار روپے کی جمع شدہ ضمانت ضبط ہو جانے کا حکم سنانے کے علاوہ سارا زمیندار پریس

بھی معہ سامان متعلقہ کاغذات مطبوعہ بطور ضبط شدہ فوراً تحویل میں لے لیا۔ یہ آفت زمیندار پر ایک مضمون متعلقہ "وزرائے برطانیہ" کی وجہ سے آئی، ۲۰ نومبر ۱۹۱۳ء کے پرچہ میں بطور لیڈنگ آرٹیکل لکھا گیا تھا جو قابل اعتراض ثابت ہوا۔"

مولانا ظفر علی خاں کو لندن میں جب یہ خبر ملی تو انھوں نے ایک بیان ہندوستانی پریس کو روانہ کیا جو ۲۳ جنوری ۱۹۱۴ء کے کامریڈ اخبار میں بھی شائع ہوا۔

"زمیندار کے بارے میں مجھے یقین ہے کہ پریس کی ضبطی اس کی موت کا سبب نہ بنے گی اس سے دو ضمانتیں پہلے مانگی جا چکی ہیں ایک بے قومی جذبہ سے سرشار قوم نے چندہ جمع کر کے زمیندار کو زندہ رکھا ہے مجھے امید ہے کہ اس دفعہ بھی زمیندار کو قوم روپیہ دے گی اور یہ زندہ رہے گا۔"

فوری طور پر اخبار زمیندار کے لئے ضمانت کا روپیہ جمع نہ ہو سکا تو ۲۳ جنوری ۱۹۱۴ء کے مخبر عالم مراد آباد نے زمیندار کی زندگی کے خاتمہ کی خبر شائع کی۔

"ملک جس طرح یہ افسوس ناک خبر سن چکا ہے کہ ۱۳ جنوری ۱۹۱۴ء کو زمیندار پریس گورنمنٹ پنجاب کے حکم سے ضبط کر لیا گیا ہے اور اس کی جملہ مشینیں ایک انجن اور کل سامان متعلقہ سرکاری حفاظت میں لے لیا گیا ہے اور اس کی سابقہ دو ہزار کی ضمانت کی طرح ستمبر کی دوبارہ مدخلہ دس ہزار کی ضمانت بھی بحق سرکار ضبط ہوئی جس سے [illegible]

پیمانہ کا مالی نقصان بھی غلام قادر خاں مالک پریس کو برداشت کرنا پڑا ساتھ ہی زمیندار کی زندگی کا بھی خاتمہ ہو گیا تھا۔

ضمانت کی ضبطی کے بعد سردار ظفر علی خاں نے لندن سے چودھری غلام حید خاں کو زمیندار کے مدیر تھے ہدایت فرمائی کہ حکومت کی اس کارروائی کے خلاف عدالت عالیہ میں اپیل دائر کی جائے اور اس سلسلہ میں کلکتہ کے مشہور بیرسٹر مسٹر نارٹن کی خدمات حاصل کی جائیں لیکن مسٹر نارٹن نے بے حد مصروفیت کی بنا پر معذرت کر دی اس پر لاہور کے سربرآوردہ وکلاء نے خود اپیل دائر کر دی۔ اگرچہ انھوں نے وکالت کا پورا حق ادا کر دیا تھا لیکن پریس ایکٹ کی ہمہ گیری کے سامنے جج بھی مجبور تھے اس لئے اپیل بھی کامیاب نہیں ہوئی، اس دوران میں چندہ بھی جمع ہو گیا اور ضمانت کے داخل کرنے کے بعد زمیندار پھر زندہ ہو گیا اور اس نے پھر بے باکانہ حق گوئی کے ساتھ ملت اسلامیہ کی ترجمانی اور وکالت کے فرائض ادا کرنے شروع کر دیئے [1]

چنانچہ ۲۴ روز کے بعد اسی مخبر عالم مراد آباد نے ۲۵ فروری ۱۹۱۹ء کے شمارے میں زمیندار کے دوبارہ نکلنے کی خبر شائع کی۔

" اخبار زمیندار لاہور کے پرنٹر پبلشر نے زمیندار کے پھر جاری کرنے کا انتظام کر لیا۔ یکم مارچ سے نکلنا شروع ہو گا۔ صاحب ڈپٹی کمشنر نے دو ہزار کی ضمانت پر زمیندار پریس جاری کرنے کی اجازت دیدی

---

[1] صحافت پاکستان و ہند میں صفحہ ۳۵۵

سنہ ۱۹۱۳ء میں جبکہ مولانا لندن گئے ہوئے تھے ترکی کونسل جنرل لاہور
آیا جو تمام ہندوستان میں گھوما پھرا۔ تحفظ المسلمین کی طرف سے ایک
خوبصورت قالین بادشاہی مسجد کے لئے بطور تحفہ لایا تھا جید مفتی کے
ہلال احمر کے دو لاکھ ڈیڑھ بھی مسلمانان ہند کا شکریہ ادا کرنے کے
لئے یہ وفد دفتر زمیندار میں بھی گیا تھا، مولانا کی غیر حاضری میں
علامہ حیدر خاں نے وفد کا استقبال کیا۔

برطانوی حکومت یہ سمجھتی تھی کہ ہندوستان میں مولانا ظفر علی خاں کا
وجود برطانوی اقتدار کے لئے ایک مستقل مصیبت کی حیثیت رکھتا ہے
چنانچہ برطانیہ میں اس امر کا فیصلہ ہو چکا تھا کہ مولانا جیسے ہی سر حد
ہندوستان پر قدم رکھیں ان کو گرفتار کر کے نظر بند کر دیا جائے تا کہ مولانا
ترکی سے جو پروگرام لے کر ہندوستان آ رہے ہیں ان کو اس کی نشر و اشاعت
کا موقع نہ مل سکے۔ استنبول سے واپسی پر مولانا نے مصر میں اترنے کی کوشش
کی لیکن برطانوی اقتدار نے جو مصر پر مسلط تھا، مولانا کو مصر میں وارد ہونے
کی اجازت نہ دی۔ مولانا ساحل ہندوستان پر پہنچے تو آپ کی پذیرائی
شروع ہوگئی، دہلی اور لاہور میں مولانا کا فقید المثال استقبال کیا گیا۔
دہلی میں جو آپ کا جلوس نکالا گیا اس میں تین چار لاکھ افراد شامل تھے
لوگوں نے مولانا کی گاڑی اپنے ہاتھوں سے کھینچی، آپ کی گاڑی کے آگے
دو بچے آ کر کچلے گئے ایک بچہ ایک بڑھیا کا اکلوتا تھا جو ہجوم میں دب کر
مر گیا تھا اس نے بڑے حوصلہ سے اعلان کیا اگر اس کے دس بیٹے ہوتے
اور اس طرح مولانا پر قربان ہو جاتے تو اسے کوئی ملال نہ ہوتا۔ مولانا
دہلی سے لاہور پہنچے تو یہاں تقریباً ایک لاکھ لوگوں نے آپ کا استقبال کیا۔

مولانا ظفر علی خاں کے ہندوستان آنے پر شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالی نے زمیندار کے اسسٹنٹ ایڈیٹر مولوی وجاہت حسین جھنجھانوی کو ایک خط بہ سبب بہ طور پیار اور ذیل کے اشعار بھیجے تھے وہ خط اور نظم درج کی جاتی ہے



جناب مولوی وجاہت حسین صاحب

مکرم مولوی ظفر علی صاحب کا سفر مغرب سے مع الخیر فرمانا آپ کو اور قوم کو مبارک ہو۔ جب وہ مغرب کو جانے والے تھے میں نے چند اشعار ان کی شان میں لکھی تھیں مگر جب وہ روانہ ہو گئے تو وہ نظم ناتمام رہ گئی کل مقام دہلی میں نے ان کو تار دیا تھا کہ لاہور جاتے ہوئے تھوڑی دیر یہاں ساکن قیام فرمائیں ارادہ تھا کہ یہ نظم میں خود ان کے سامنے پڑھوں مگر تار کا جواب غالباً نہیں آیا اور ہمارے قوم کے معظم نے فرمایا کہ لاہور کو روانہ ہو گئے۔ لہذا ابیات ذیل ہیں صاف کر کے قلم سے اب نہیں لکھا جا سکتا۔ ہندوستان میں چھپا دیجئے۔ یہ تا چیز ابیات زمیندار میں شائع کر کو ممنون فرمائیں۔ زیادہ نیاز

خاکسار: الطاف حسین حالی از پانی پت

اے نازش قوم و فخر اقران	زمیندار
اے چشم و چراغ بزم اخوان	زیب مع احباب
اے نصرت حق میں تیغ عریاں	ان میں جانباز
اے شیر دل، اے ظفر علی خاں	کی زندہ تصویر
جب تک وہ رہے نظر سے پنہاں	ہے تجھ میں جو گن

توقیت و برتری پہ تیری — قائم کوئی ہو سکی نہ برہاں
برطانیہ کی ناک میں بر آ ہے — ہمت تری گئی رہی تھی گھڑیاں
بلقان و طرابلس میں ناگاہ — اٹھا ستم و جفا کا طوفاں
ہمدردی اہل دین نے آخر — جوہر ترے کر دیے نمایاں
جذبۂ غضب کا سراسر — دامن ہوا چاک تا گریباں
بھڑکے وہ بشکل سیل آتش — دل میں ترے جو شرر تھے پنہاں
[illegible] تری پکار نے غلغل — جی اٹھے وہ مردے جو تھے بے جاں
جو دل غم قوم سے تھے بے حس — جلنے لگیں ان کو بن پہ جھڑیاں
وہ بن گئے آپ اپنے رہبران — جو مال کے اپنے تھے نگہباں
اسلام کی سمجھے اب حقیقت — جو نام کے تھے فقط مسلماں
ہاں! اس سے نہیں مبالغہ کچھ — بنتا بھی ہے اے ظفر علی خاں
بازار ہے وہ درس کا تجھ پر — تعلیم پر جس کی تو ہے نازاں
کاش! ایسے جنے سادہ فرزند — جو قوم کے درد کے ہوں درماں
سرزمین دین حق سے جن کے — سینے ہوں کباب، دل ہوں بریاں
جو ملک و وطن کے ہوں فدائی — جو قوم کے نام پر ہوں قرباں
مشتاق ہیں ہوں درد دل سے بے چین — مغرب میں جو سنیں زبانی اخواں
پنجاب کو تجھ پہ ہے اگر فخر — ہے اس کو بہ فخر ناز شایاں

زندہ ہے وہ ملک اور وہ ملت
ہوں زندہ دل ایسے جس میں انساں

مولانا ظفر علی خاں کا جنگ طرابلس و بلقان میں حکومت برطانیہ کے وزیر اعظم کے خلاف شدید نکتہ چینی کرنا لندن اور استنبول جا کر حکومت

ریاست کے خلاف پروپیگنڈا کرنا اور ان کے خلاف سازش کرنا اور خلیفۃ المسلمین کا وفد ہندوستان آنا اور لوٹ کر ملک میں دورے کرنا اور زمیندار کے دفتر میں آنا یہ وہ باتیں تھیں جو پنجاب کے حکمران طبقہ کو کھلتی تھیں اور مولانا کا نجی اور لاہور میں جو بے مثال استقبال ہوا اس سے بھی وہ خائف ہو گئی تھی۔ اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کا آغاز ہوا [illegible] اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ نافذ کر دیا گیا بالآخر اس کے تحت موقع پا کر حکومت نے مولانا ظفر علی خان کو تا اختتام جنگ کرم آباد میں نومبر ۱۹۱۴ء کو نظر بند کر دیا۔

پریس ایکٹ بھی نافذ کر دیا گیا تھا جس سے حکومت کے اختیارات کافی بڑھ گئے تھے اخبارات کے خلاف جو چاہے کر سکتی تھی، زمیندار [illegible] اور بہت محتاط رہ کر چلتا رہا لیکن ایک مرتبہ کچھ ایسی جنگ کی خبریں چھپ گئیں جن میں مبینہ طور پر اتنا مبالغہ تھا کہ لوگوں میں بے چینی کا احساس پیدا ہونے لگا تھا۔ اندیشہ ہو گیا تھا اس لئے حکومت نے حکم دیا کہ زمیندار جنگ کی کوئی خبر نہ چھاپے چنانچہ اس پابندی کے خلاف احتجاج کے طور پر ۱۴ دسمبر ۱۹۱۴ء کو زمیندار خود بند ہو گیا۔

مولانا ظفر علی خاں کرم آباد میں بیٹھے بیٹھے بور ہو گئے تھے تو انہوں نے علمی و ادبی مشاغل جاری کرنے کے لئے ایک دائرۃ المعارف بنانے کا منصوبہ بنایا تو حکومت نے سرمایہ کی کمی کو اس امر کی درخواست بھی جو رد کر دی گئی۔ لیکن مولانا نے اپنی کوشش برابر جاری رکھی حتیٰ کہ حکومت نے ان کو ۱۹۱۷ء کے آخر میں ہفتہ وار "ستارہ صبح" اور ایک اشاعتی ادارہ

قائم کرنے کی اجازت دیدی کہ وہ اس اخبار میں سیاسی مسائل زیر بحث نہ لائیں
مولانا نے اس کو بھی غنیمت جانا اور علم و ادب کے میدان میں اپنی جولانی طبع
دکھانے لگے۔ یکم جنوری سنہ ۱۹۱۷ء کے ستارۂ صبح کے شمارہ میں لکھتے ہیں

بنا کیا دائرہ ہم نے لیا معارف کا
محال ہے کہ ہمارا کوئی ادارہ نہ ہو

ستارۂ صبح کے ادارہ میں مولانا عبداللہ العمادی، مولانا وحیدالدین سلیم پانی پتی جیسے مشہور نامی صحافی منسلک ہو گئے۔ ستارۂ صبح کا مضمون چھپنے سے پہلے سنسر ہوتا تھا۔ یہ اخبار عرصہ تک کرم آباد سے نکلتا رہا، پھر لاہور چلا گیا۔ ہفتہ وار سے روزنامہ ہو گیا سیاسی مسائل کو یہ اخبار چھیڑ نہیں سکتا تھا۔ سنسر ممنوعہ تھا، شروع شروع میں دوسرے صبر و تحمل سے علمی و ادبی، تاریخی، اصلاحی اور مذہبی موضوعات پر مضامین لکھے۔ رفتہ رفتہ سیاست کا رنگ زرد کھینے لگا۔ پہلے قادیانیوں کے خیالات و عقائد کا پردہ چاک کیا، پھر ترک نظم کے مضمونوں اور پیروں کے خلاف جو جیلانی یہ دیکھتے تھا جن کے افراد ہندوستان میں برطانوی سلطنت کے سایہ کا پایہ ظل الٰہی سمجھتے تھے، ان بزرگوں کی کاسہ لیسی کا نتیجہ تھا کہ ان پر تنقید کر کے انہوں نے سر مائیکل اوڈوائر کو جلیانوالہ باغ کے قتل عام پر سپاسنامہ پیش کیا اور جنگ عظیم میں خلافت اسلامیہ کی بیخ کنی کر کے اپنے تعویذوں کی راست کا نتیجہ کہا۔ ان کے نزدیک ترک کافر تھے جن کی گولیاں ان کے تعویذوں کی برکت سے برطانوی سپاہیوں پر کوئی اثر نہ کر سکتی تھی۔ ایک تحت ضلال السیوف، مولانا کی ایک مشہور نظم ہے جس کی اشاعت پر زمیندار کا زر ضمانت دس ہزار ضبط کر لیا گیا تھا۔

کہتے ہیں یہ صوفی کہ ہے فردوس حق اس کا
جس پر ہو شکر گنج کی دیوار کا سایہ
لیکن ہے ہمیشہ کا یہ ارشاد کہ جنت
ملتی ہے اسے جس پہ ہو تلوار کا سایہ
سرسبز ہے وہی جس کو خدا سے ہو سروکار
صوفی وہ نہیں جس پہ ہو سرکار کا سایہ
اے کوہ کے شیر نہ ڈر دار و رسن سے
جب خود سر منصور پہ ہے دار کا سایہ
اللہ کا سایہ ہے زمیندار کے سر پر
پنجاب کے سر پر ہے زمیندار کا سایہ

[illegible] زوا کوٹھریوں کے سہارے نہ چل جاتے
تب گرم ہو پنجاب میں بازار طریقت
[illegible] اولی الامر کے معنی ہیں نصاریٰ
پیروں سے کوئی پوچھ لے "منکم" کی حقیقت

لیکن مولانا کی تاب نہ لا کر ملک کے صوفی و سجادہ نشیں طبقہ، مولانا [illegible] آیا۔ انھوں نے مولانا کے خلاف ایک میموریل تیار [illegible] کر کے حکومت پنجاب کو پیش کیا، جس میں استدعا [illegible] کا منہ بند کیا جائے اس میمورنڈم کا نتیجہ یہ نکلا کہ [illegible] چھوڑنا پڑا۔ اور کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد میں میر [illegible] کے دامن میں پناہ لینی پڑی وہاں بھی مخالفوں نے

آپ کا پیچھا نہیں چھوڑا، ان کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے چوبیس گھنٹے کے نوٹس پر دوسری بار حیدرآباد سے نکلنا پڑا، ماہانہ پنشن بھی بند کردی گئی۔ ان پریشان کن حالات پر مولانا ظفر علی خاں صاحب نے روشنی ڈالی ہے۔

"سر مائیکل اوڈوائر لفٹننٹ گورنر پنجاب کی نیم جنبش ملوکیت نے زمیندار کو سپید درکھلا رکھا تھا اور مجھے نیم نظربندی کی حالت میں اپنا ادبی شوق پورا کرنے کے لیے روزنامہ "ستارۂ صبح" کی ادارت کے فرائض کی انجام دہی کی اجازت دے رکھی تھی، سیاست ان ایام میں شجر ممنوعہ کا حکم رکھتی تھی اور ستارۂ صبح کے اوراق صرف غیر سیاسی مضامین کے لیے وقف ہونے پر مجبور تھے۔ تاریخ، فلسفہ ، معاشرت، مذہب اور ادب لطیف وہ موضوع تھے جن سے میں اپنا دل پرچا سکتا تھا میں نے اس کو بھی غنیمت سمجھا اور ارباب ذوق سلیم کے لیے علم وحکمت کی ایک بستی بسادی جس کے بام و در کتاب و سنت کی روشنی میں جگمگا اٹھے تھی۔ سو مقبول اور جھوٹے پیروں کا پول "ستارۂ صبح" میں کچھ اس طرح کھولا گیا کہ دنیائے طریقت کے بزرگ غلط رہ نما چیخ اٹھے، چنانچہ میرے خلاف ان بزرگوں نے ایک وسیع پیمانہ پر سازش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح میں ان کے راستہ سے ہٹ جاؤں پہلے تو لاہور میں ایک دھوم دھام کا جلسہ کیا جس میں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا جواب تک واپس نہیں لیا گیا اس پر بے اختیار میرے منہ سے نکلا ؎

کوئی ٹرکی لے گیا اور کوئی ایران لے گیا
کوئی دامن لے گیا، کوئی گریباں لے گیا

رہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا
وہ بھی ہم سے چھین کر حامد رضا خاں لے گیا

اس کے بعد ایک میموریل تیار کیا گیا جس پر طول و عرض ہند کے پیروں، صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے دستخط ثبت تھے اس میموریل میں حکومت پنجاب سے استدعا کی گئی ہے کہ کسی طرح میرا منہ بند کیا جائے۔ یہ اسی میموریل کا نتیجہ تھا کہ مجھے پنجاب چھوڑ نا پڑا اور کچھ عرصہ کے لئے حیدرآباد جا کر حضرت میر عثمان علی خاں کے دامن دولت میں پناہ لینی پڑی اگرچہ حیدرآباد میں بھی حریفوں نے پیچھا نہ چھوڑا اور مجھے اس گوشہ عافیت کو بھی چھوڑ کر پنجاب کا رخ کرنا پڑا جہاں نئی بلائیں میرے استقبال کو موجود تھیں۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا ظفر علی خاں پہلی جنگ عظیم سے پہلے عوام میں جس قدر مقبول ہو گئے تھے اور عوام کے دلوں میں انھوں نے اپنی جگہ بنائی تھی اس کو زائل کرنے کے لئے حکومت پنجاب نے اپنے حواریوں کے ذریعہ وہ شرمناک ہتھکنڈے کھیلے اور عوام میں مولانا کے خلاف وہ بدگمانی پھیلانے کی کوشش کی جو عوامی رہنماؤں کیلئے حوصلہ شکن ہوتی ہیں لیکن مولانا نے ان کے سامنے سپر نہیں ڈالی بلکہ ان کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔

اتفاق کی بات ہے کہ مولانا کی نظر بندی کے دوران کسی باؤلے کتے نے کاٹ لیا۔ آپ کے علاج کے لئے دلہوزی لے جایا گیا مولانا کے سیاسی حریفوں نے اس بات کو غلط ٹھہرایا بلکہ یہ مشتہر کر دیا کہ مولانا نے نظر بندی سے نجات حاصل کرنے کے لئے یہ ڈرامہ کھیلا ہے بعض مخالفین نے تو آپ پر یہاں تک الزام لگایا کہ ۱۹۱۹ء میں آپ حکومت کو انڈر ٹیکنگ

دے کر رہا ہوئے ہیں۔ لیکن جب اس الزام کا تجزیہ کیا جاتا ہے اور رہا ہونے کے بعد مولانا کی بہادرانہ کردار اور بیباک سرگرمیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو یہ الزام بے بنیاد اور غلط نظر آتا ہے۔

مولانا رہا ہوتے ہی کچھ نہیں پہنچے بلکہ آل انڈیا کانگریس کے اجلاس امرتسر میں شرکت کے لئے گئے جس کی صدارت پنڈت موتی لال نہرو کر رہے تھے۔ انڈر ٹیکنگ پروپیگنڈہ کی وجہ سے مولانا کا استقبال ان کی شان کے مطابق نہیں ہوا بلکہ آپ کی تقریر کے دوران کچھ آوازے بھی کسے گئے لیکن مولانا کا دامن پاک تھا آپ نے ان تمام الزامات و اعتراضات کا جواب دیا۔ آپ نے کہا۔

"میرا ضمیر صاف ہے اور میرا دامن بے داغ، میرا عمل اور میری سرگرمیاں عوام پر خود بخود ثابت کر دیں گی کہ ان کی طرف سے مجھ پر جو الزام لگایا جا رہا ہے وہ بے بنیاد اور جھوٹا ہے کذب و افترا پر مشتمل ہے انگریز حکومت کے نزدیک میں ہمیشہ خار کی طرح کھٹکتا رہا جس نے ہمیشہ مجھے حریم استعمار برطانیہ کے لئے برق سمجھا ہے اس کا ظلم و تشدد جب مجھے حب وطن کے مقدس راستے سے ہٹانے میں ناکام رہا تو اس نے مجھے عوام کی نظروں میں گرانے کے لئے یہ ذلیل طریقہ اختیار کیا اور عوام میں پوری طاقت سے یہ مشہور کرنے کی کوشش کی کہ میں نے برطانوی استبداد کے سامنے گردن جھکا دی ہے میں نے انگریز کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے ہیں۔ میں نے برطانوی افسران اعلیٰ سے معافی مانگ لی ہے

اس الزام کے سلسلہ میں کوئی صفائی پیش کرنا نہیں چاہتا لیکن صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ جو گردن خدا کے حضور میں جھکنے کی عادی ہے وہ برطانوی اقتدار کی دہلیز پر کسی طرح سرنگوں نہیں ہو سکتی، جس جبین نیاز پر توحید کی مہر ثبت ہو چکی ہے وہ جبین انگریز کے آستانہ جلال پر کبھی جھک نہیں سکتی، میری زندگی وطن کی آزادی کے لئے وقف ہے میرا یہ مقصد حیات ہے کہ یہ گوری چمڑی والے مہذب ڈاکو میری زندگی میں سرزمین ہندوستان سے بوریا بستر لپیٹ کر جس سرزمین سے آئے وہیں چلے جائیں۔"

مولانا ظفر علی خاں کی یہ تقریر اس قدر موثر تھی کہ لوگوں کے دلوں میں اتر گئی، مخالفین تک قائل ہو گئے اور ظفر علی خاں زندہ باد کے نعروں سے سارا پنڈال گونج اٹھا۔

نظر بندی سے رہا ہونے کے بعد مولانا ظفر علی خاں صاحب نے اپریل ۱۹۲۰ء کو اخبار زمیندار از سر نو جاری کیا، اس وقت مولانا ظفر علی خاں اور مولانا اختر علی خاں کو حیدرآباد سے تراجم کے سلسلہ میں سات سو روپے ماہوار ملتے تھے۔ زمیندار کے جاری ہونے کے بعد یہ رقم بند ہو گئی، زمیندار سے ضمانتوں کی طلبی اور ضبطی کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ سلا۱۹ء سے ۱۹۴۹ء تک ۳۸ سال کے عرصہ میں شاید ہی کوئی ایسا خوش نصیب سال گزرا ہو گا جب اس اخبار کی ضمانت ضبط نہ ہوئی ہو۔[۱]

اس مرتبہ دوبارہ اخبار جاری ہوا تو دو ہزار روپے کی ضمانت ادا کی لیکن تحریک خلافت کے آغاز میں یہ رقم بھی ضبط ہو گئی مزید پانچ ہزار

---

[۱] چند یادیں صفحہ ۱۰

روپے بطور ضمانت طلب کیا گیا۔

ایک انگریز ڈی آئی جی پولیس مسٹر ہونگ کے خلاف میاں فیروز الدین کے زدوکوب کئے جانے کی خبر چھپی تو ہونگ نے سر مائیکل اوڈوائر کے مشورہ سے زمیندار کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ دائر کیا اسے پندرہ ہزار روپے کی ڈگری ملی، یہ تمام روپیہ ادا کرنا پڑا۔ ۱۹۲۱ء میں مسلم پرنٹنگ پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ اس دوران میں زمیندار کے ایک درجن ایڈیٹر گرفتار کئے گئے اور دو ہزار، پانچ ہزار اور دس ہزار کی تین ضمانتیں وقتاً فوقتاً ضبط ہوتی گئیں۔ ۱۹۲۶ء میں زمیندار کے ایڈیٹر سید لال بادشاہ کو مست قلندر دھڑ گڑا کی اشاعت پر ایک سال کے لئے جیل بھیج دیا گیا، اور اخبار سے پانچ ہزار کی ضمانت مانگ لی گئی جو راجپال کی دیدہ دہنی کے قضیہ میں ضبط ہو گئی اس پر مزید دس ہزار روپے ضمانت طلب کی گئی جو سائمن کمیشن کی آمد کے موقعہ پر ۳ فروری ۱۹۲۸ء کو بحق سرکار ضبط ہو گئی، مزید دو ہزار روپے طلب کئے گئے جو ۱۹۳۰ء کی تحریک کانگرس میں ضبط ہو گئے۔ تین ہزار روپے مزید مانگے گئے مولانا ظفر علی خان ۱۲۴ الف میں تین سال کے لئے قید کر دئے گئے یہ تین ہزار روپے کی رقم بھی تحریک کشمیر میں ضبط ہو گئی، اس تحریک میں حکومت نے یکے بعد دیگرے زمیندار کے بارہ شمارے ضبط کئے اور اور بارہ ہزار اور دس ہزار کی دو ضمانتیں علی الترتیب ضبط کیں، آخر کار منصور الشمس پریس بھی ضبط کر لیا گیا۔ شہید گنج کی تحریک میں دس ہزار روپے کی ایک ضمانت ضبط کی گئی اور سر ہربرٹ ایمرسن گورنر پنجاب کے حکم سے اخبار بند کر لیا گیا پھر ۱۹۳۷ء میں زمیندار سے تین ہزار کی ایک ضمانت

مانگی گئی جو پریس کی دو ہزار ضمانت سمیت ۱۹۴۰ء میں ضبط کر لی گئی۔
مزید پانچ ہزار روپے طلب کئے گئے۔ لیکن ۱۹۴۲ء میں انگریزوں نے جاتے جاتے اس رقم کو بھی ضبط کر لیا۔

یہ ہی جبر کا دیا، جلا دنے جانے جاتے۔

مولانا ظفر علی خاں نے حضرد ضلع کیمبل پور میں ایک باغیانہ و انقلابی تقریر ۱۴ر اگست ۱۹۲۱ء کو کی تھی، ۲۵ر ستمبر ۱۹۲۱ء کو مولانا مرکزی خلافت کمیٹی کی ہدایت پر حبیب اللہ شہید کے مقدمہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے کلکتہ سے الٰہ آباد ہوتے ہوئے کوہ مری جا رہے تھے کہ لاہور کے ریلوے اسٹیشن پر ایک یورپین ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ نے ان کو قانون تحفظ ہند کے ماتحت گرفتار کر لیا۔ ۳۰ر دسمبر ۱۹۲۱ء کو مسٹر مچل اسپیشل مجسٹریٹ کی عدالت میں مقدمہ کی پہلی پیشی تھی مولانا سے عدالت میں ایک نئے وارنٹ زیر دفعہ ۱۲۴ الف کی تعمیل کرائی گئی۔
حکومت کی طرف سے سردار جتاب سنگھ وکیل پیروی کر رہے تھے اور استغاثہ مسٹر اکرم الحق ڈی، ایس، پی نے پیش کیا، جس میں مولانا پر حسب ذیل الزامات تھے۔

۱۔ ہم وہ مسلمان ہیں جنھوں نے مکہ معظمہ میں آگ لگا دی مسلمانوں کو دس گیارہ روپے کی خاطر قتل کیا اور مقامات مقدسہ و عیسائیوں کی خاطر منہدم کیا۔

۲۔ برٹش آف دلز آ رہے ہیں اگر حکومت برطانیہ چاہتی ہے کہ ہم ان کا خیر مقدم کریں تو اس کا فرض ہے کہ وہ۔
مرکزیہ خلافت میں مداخلت نہ کرے، مکہ معظمہ، مدینہ منورہ

بیت المقدس اور بغداد وغیرہ کو خالی کرے اور ترکیہ کی حفاظت و اعانت کا اعلان کرے، رنشل لاز کا نفاذ کیا جائے، رولٹ ایکٹ منسوخ کر دیا جائے، مسلمانوں سے جو وعدے کئے گئے ان کا ایفا کیا جائے ورنہ حکومت تباہ ہو جائے گی۔

۳۔ بغداد پر قبضہ کر لیا گیا اور کنواری لڑکیوں کی عصمت دری کی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ مظالم جگر سوز تھے۔

۴۔ ہم معاہدہ ترکی کو کاغذ کا پرزہ سمجھتے ہیں ہم اسے پامال کر دینگے

۵۔ اب کیا کرنا چاہیئے مسلمانوں پر ہجرت فرض اور لازم ہے۔

۶۔ بچوں کو سرکاری مدارس میں داخل نہ کیا جائے۔

۷۔ فوج میں ہرگز بھرتی نہ دی جائے۔

۸۔ ذیلدار، نمبردار اپنے عہدے چھوڑیں، چھ ماہ تک صبر کرو اگر یہ ہمارے منشاء کے مطابق فیصلہ کریں تو فبہا ورنہ پھر یہ ذیلدار کا فرض ہیں ان کو برادری سے خارج کر دیا جائے۔

۹۔ سنا ہے کہ بغداد میں ایک شخص اور اس کا بیٹا فوج میں ترکوں کے خلاف مصروف پیکار ہے۔ لڑکا جنگ میں کام آیا، باپ اس کی نعش کو اٹھا کر بغداد لے گیا، راستہ میں دیکھا کہ بیٹے کا منہ سور کا ہو گیا ہے اب تم علی الاعلان کہدو کہ ہم فوج میں داخل نہیں ہوں گے۔

۱۰۔ ہندوستان دارالحرب ہے، مذہبی آزادی سلب کر لی گئی ہے۔

استغاثہ کا بیان تھا کہ مولانا ظفر علی خاں نے کئی ہزار کے مجمع میں کہا

لہ ظفر علی خاں صلا۱۱ ۲ہ حید یار ین صہ۱۲۱

یاد رکھو تمہاری حکومت تباہ ہو جائے گی، ہم فوج میں بھرتی نہیں ہونگے
یہ الفاظ چونکہ ۱۲۳ الف اور ۱۵۳ کے تحت آتے ہیں اس لئے مولانا
کو سزا دی جائے۔

مولانا نے اپنے مقدمہ کی پیروی کے لئے کوئی وکیل مقرر نہیں کیا
تھا استغاثہ کے گواہوں پر مولانا نے جرح کرنے سے انکار کر دیا تھا
گواہوں نے وہی کہا جو پولیس نے ان کو طوطے کی طرح رٹا رکھا تھا
مولانا جب عدالت میں آتے تھے تو پے در پے اللہ اکبر کے نعروں
سے کچہری کا کمرہ گونج اٹھتا تھا۔ جب استغاثہ کی شہادت ختم ہو گئی تو مولانا
نے اپنا بیان پڑھ کر سنایا۔

"گذشتہ چند سال سے اس ملک کے حکام کا یہ دستور ہو گیا ہے کہ
وہ ہر ایک جد و جہد کو خواہ وہ کتنی ہی پرامن اور منضبط و درست کیوں نہ ہو
اور ہر قسم کی نکتہ چینی کو خواہ وہ کتنی ہی انصاف پر مبنی اور قرین دانش و
عقل کیوں نہ ہو بغاوت خیال کرتی ہے۔ دربغاوتیں تو گھڑ لی جاتی ہیں
تاکہ ان تشدد آمیز کارروائیوں کے نفاذ کا بہانہ مل سکے اور جو کسی طرح
سے جائز نہ ہو سکتی تھیں یہی وجہ تھی کہ اس ناجائز بیا سلوک پر جو مجھ سے
کیا گیا ہے مجھے حیرت نہ ہوئی، میں نے فوراً تاڑ لیا کہ مجھ کو بحیثیت
سرگرم خادم خلافت اور مشرقی وسطیٰ میں موجودہ برطانوی حکومت کی حکمت
عملی پر زبردست معترض و نکتہ چین ہونے کی وجہ سے بیٹا سمجھ میں
صرف اسی خیال پر چن لیا گیا کہ مجھے نہایت آسانی کے ساتھ باغی وطاغی
قرار دیا جا سکے گا اور تحریک خلافت اور نہایت امن پسندانہ عدم تعاون
کی تحریک کو ملیا میٹ کر دینے اور دبا دینے کے لئے عبرت انگیز سزا

دی جا سکے گی. مجھے احساس ہے کہ جہاں تک مجھ نا چیز کا تعلق ہے غالباً یہ امر آنریبل سر ایڈورڈ سکلی کمشنر تک کی طاقت سے باہر ہے کہ اس حکم کو منسوخ کر سکیں جو حکام بالا کی طرف سے میرے لئے تجویز کیا جا چکا ہے اور جہاں تک مجھے شعور ہے مجھے معلوم ہے ضبط تحریر میں آ چکا ہے اور اسی روز سنا دیا جائے گا جس روز سماعت مقدمہ کی یہ تمام ضابطہ کی کارروائیاں پوری ہو جائیں گی۔

جب مولانا اس فقرے پر پہنچے تو عدالت نے کہا آپ عدالت کی توہین و تحقیر کر رہے ہیں اس لئے آپ اس حصہ کو نہ پڑھیں۔

مولانا، یہ عدالت کا حکم ہے یا اپنے مذاق و خیال کا معاملہ ہے۔

مسٹر سبجل۔ یہ عدالت کا حکم ہے۔

چنانچہ مولانا نے وہ حصہ پڑھنا شروع کر دیا جس میں ان کے سیاسی عقیدہ کا ذکر تھا۔

" میں اپنے اللہ پر ایمان رکھتا ہوں جو احکم الحاکمین اور خالق ارض و سما ہے وہی وہ ذات پاک ہے جو میری طاعت و پرستش کے قابل ہے۔ مجھے یقین ہے کہ عقیدہ و یقین کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں بدل سکتی اور کوئی دنیوی قانون جو اس اصول کے خلاف ہو جس کا ذکر خداوند تعالیٰ کے اس آخری پیغام میں آ چکا ہے جو ختم المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دنیا تک پہنچا ہے

" میری رائے میں ہندوستان سے برطانوی حکومت کا قیام برطانوی حکومت کی سنگین اور آلات حرب نہیں ہے بلکہ اس ملک کے باشندوں

اقتباس

کی رضا جوئی پر ہے اور خیر سگالی کا اندازہ زیادہ تر ان تعلقات سے ہو سکتا ہے جو حکومتِ برطانیہ اور خلیفۃ المسلمین کے مابین پائے جاتے ہیں اور میں خلیفۃ المسلمین سے ایسی روحانی عقیدت رکھتا ہوں جو تمام دنیاوی تعلقات و خیالات سے ہزار درجہ بالا ہے، برطانیہ کی موجودہ کابینہ اور وزارت کی مہلک حکمتِ عملی نے خلافت کی دھجیاں اڑائی ہیں اور اس کی حکمتِ عملی سے یہ خطرہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود ہندوستان میں برطانوی عظمت و اقتدار کی بنیا د کھوکھلا کر دے گی چونکہ خلافت کے پارہ پارہ کردیے جانے سے صرف ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کی عقیدت و خیرسگالی پر اثر نہیں پڑا بلکہ تمام مشرقِ وسطیٰ تک برطانوی شہنشاہیت کی جوع الارض کے خلاف شمشیر بکف آمادہ پیکار ہو گیا ہے۔"



"لیکن میں بے دست و پا بے بس و بے کس اس عظیم الشان قومی سلطنت سے عہدہ برآ ہونے کے لئے جس کے پاس بے حد فوجی ذرائع ہر وقت موجود ہیں، اگر کوئی طریق استعمال کر سکتا ہوں تو وہ خاص طریقے ہیں جن کو جہاد بالنفس پر امن عام تعاون اور بیعتِ نفس یعنی ترک وطن کہا جاتا ہے، ان ہر دو طریقوں پر کاربند ہونے سے میرا مدعا یہ ہے کہ سرکار برطانیہ کے چند وزراء کے اسلام کش اور ترک آزار رویہ کے خلاف پرزور احتجاج کروں تاکہ بالآخر عظیم الشان برطانیہ حکومت اپنی ذمہ داری کو محسوس کرے جو ملک ہندوستان کی طرف سے اس پر عائد ہوتی ہے اور ان وزراء کو مجبور کرے کہ وہ اس بلا انگیز وطوفان خیز حکمتِ عملی کو بدل ڈالیں۔"

مولانا ظفر علی خاں صاحب نے پہلے سنگین الزام کو تسلیم کیا اور کہا یہ ایک حقیقت ہے کہ ہم مسلمانوں نے "لندن کو آگ لگائی" ہم کا اطلاق بقول رانلڈ سنے ترکی فوج پر ہو سکتا ہے لیکن زرد ہندوستان کا بیان یہ ہے کہ ہم سے مراد وہ غدار باغی عرب ہیں جن کو برطانوی حکومت نے سپاہی دیئے روپیہ دیا اور سامان حرب گولہ بارود پہنچایا، اسی طرح ہندوستانی مسلمان سپاہیوں نے زر و مال کی طمع پر اپنے مسلمان بھائیوں کو فلسطین، عراق عرب میں گولیوں کا نشانہ بنایا اور بیت المقدس اور بغداد کو فتح کر کے ان کو حکومت برطانیہ کے حوالے کیا۔

مولانا نے تسلیم کیا کہ میں نے بچوں کو سرکاری مدارس میں بھیجنے اور فوجوں کو رنگروٹ مہیا کرنے کی مخالفت کی ہے۔ لیکن میں اسے حکومت کے فعل پر اظہار ناپسندیدگی کا جائز ذریعہ سمجھتا ہوں، اس موقعہ پر مولانا نے تفصیل سے بتایا کہ اسلامی ممالک میں برطانوی فوجوں کا طرز عمل کس طرح اشتعال انگیز اور قابل اعتراض رہا۔

آپ نے یہ بھی تسلیم کیا کہ میں نے ذیلداروں اور نمبرداروں سے کہا ہے کہ وہ احتجاج کے طور پر اپنی اسامیاں چھوڑ دیں، آپ نے کہا جب حکومت اپنی رعایا کو دعدہ خلافی کے نئے شکنجہ قانون میں جکڑ سکتی ہے تو یقیناً رعایا کو بھی یہ حق حاصل ہے کہ حکومت سے جواب طلبی کرے حکومتوں کے پاس قانونی دستور العمل ہوتے ہیں جن کی آخری منظوری مادی طاقت و قوت سے ہوتی ہے رعایا کے پاس اپنا پُرامن عدم تعاون کا ضابطہ ہوتا ہے۔

نویں الزام کے متعلق مولانا نے فرمایا کہ

یہ حکایت ہر ایک ایسے ان پڑھ شخص کی زبان پر ہے جو عراق سے واپس آیا ہے مگر مستغیث نے وہ اخلاقی نتیجہ ظاہر نہیں کیا میں اخذ کرنا چاہتا ہوں، میرا مقصد اس واقعہ کے بیان سے یہ تھا کہ حکومت کو عقل و دانش سے کام لیتے ہوئے غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کو ممالک اسلامیہ میں بھیجتے وقت ان کی باطنی قوت کا بھی خیال رکھنا چاہیئے [۱]

مولانا نے کہا، میں نے ہندوستان کو دارالحرب کہا ہے، درست کہا ہے، ہماری مذہبی آزادی چھین لی گئی ہے، چنانچہ اسی لئے فرزندانِ توحید ہزاروں کی تعداد میں ہجرت کر رہے ہیں۔

آخر میں مولانا ظفر علی خاں پر الزام لگایا گیا ہے کہ انھوں نے سامعین سے کہا "یاد رکھو تمہاری حکومت تباہ ہو جائے گی۔"

مولانا نے جواباً کہا تھا، میں نے آخر میں کہا تھا، اے ہمارے بزرگ و برتر خدا تو اپنے دین کو دشمنوں میں ابتری ڈال اور انھیں بیخ و بن سے اکھاڑ پھینک۔

مولانا نے تقریر کرتے ہوئے سامعین سے یہ پوچھا تھا کہ وہ رضاکارانہ طور پر بھرتی ہونے کے لئے تیار ہیں، اس پر سیاسی نعرا آوازیں بلند ہوئیں، "جب تک خلافت کے متعلق ہماری دلجوئی نہیں ہوتی ہم خوشی سے بھرتی نہیں ہوں گے۔"

۲۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو مولانا پر فردِ جرم عائد کی گئی اور مقدمہ کا فیصلہ سنا دیا، ایک مقدمہ میں پانچ سال قید با مشقت کی سزا

---

[۱] مولانا ظفر علی، اشرف عطا ص۳۶

اور ایک ہزار روپے جرمانہ، عدم ادائیگی کی شکل میں چھ ماہ قید بامشقت، دوسرے مقدمہ میں دو سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی اور یہ بھی حکم دیا کہ یہ دونوں سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی

مولانا نے اپنی آخری پانچ سالہ قید کا بیشتر حصہ منٹگمری کے احاطہ میں بسر کیا تھا، جو ہولناک سناٹا یہاں نظر آیا تھا، اس کا بیان ممکن نہیں ۱۹۲۹ء کے وسط میں مولانا اپنی پانچ سالہ قید کاٹ کر رہا ہوئے۔ لاہور کے لوگوں نے جس جوش و خروش سے مولانا کا استقبال کیا اور جو بے نظیر جلوس نکالا وہ پھر کسی رہنما کو نصیب نہیں ہوا تمام شہر نے آنکھیں بچھا دیں، سارا راستہ نوجوانوں نے گھوڑا گاڑی کھینچی حتیٰ کہ حبیبیہ کالج کے طلباء نے ان نوجوانوں کا ہاتھ بٹایا، تمام بازار دلہنوں کی طرح سجے ہوئے تھے اور لوگ سیلاب کی طرح امڈ آئے تھے، رات بھر جلوس گھومتا پھرا۔ امرتسر کے لوگوں نے بھی آپ کو مدعو کیا اور ایسا جلوس نکالا کہ در و دیوار عش عش کر اٹھے۔

۱۹۳۰ء میں نمک قانون کو توڑنے کی تحریک شروع ہوئی، تو کانگریسیوں نے جگہ جگہ نمک بنا کر قانون کی خلاف ورزی کرنے کا فیصلہ کیا نمک بنانے کے لئے جلوس نکالے گئے اور پورے ہندوستان میں گرفتاریوں کا سلسلہ شروع ہو گیا، مولانا ظفر علی خاں کو بھی دوسرے کانگریسیوں کی طرح گرفتار کر لیا گیا، مولانا پر ضلع جالندھر کے ایک جلسہ میں باغیانہ تقریر کرنے کے الزام میں زیر دفعہ ۱۲۴ تعزیرات ہند مقدمہ چلایا گیا، آپ نے مقدمہ میں کسی قسم کی پیروی نہیں کی، عدالت نے آپ کو تین سال قید بامشقت کی سزا دی۔ ایک سال کے بعد گاندھی اِروِن پیکٹ ہوا

تمام ہندوستان کے لوگ جو سیاسی تھے رہا ہوئے تو اس میں مولانا ظفر علی خاں بھی تھے مولانا نے یہ ایک سال گجرات جیل میں گزارا اس جیل میں آپ کے ہمراہ ہندوستان کے چوٹی کے لیڈر پنڈت موتی لال نہرو، مولانا عارف ہسوی، مسٹر آصف علی، مسٹر مشتاق احمد دہلوی، ڈاکٹر محمد عالم، ڈاکٹر ستیہ پال، سردار سردول سنگھ کولیشر، سردار منگل سنگھ، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ، پنڈت سری رام، مولانا احمد سعید، مفتی اعظم محمد کفایت اللہ، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری شیخ حسام الدین اور مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی تھے۔

مولانا ظفر علی خاں کے مؤلف عطا اشرف جو مولانا ظفر علی خاں صاحب کے ساتھ گجرات جیل میں تھے اپنے مشاہدوں اور تجربوں کی بنا پر لکھتے ہیں۔

"سنہ ۱۹۳۰ء اور سنہ ۱۹۳۱ء میں مولانا ظفر علی خاں صاحب کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقعہ ملا۔ اسیری کے ایام میں مجھے اپنی قوم کے بعض دوسرے رہنماؤں اور قومی کارکنوں کے ساتھ رہنے کا اتفاق بھی ہوا میں نے نہایت عمیق نگاہ سے ان لوگوں کی سیرتوں کا مطالعہ کیا ہے جن کے ہاتھوں میں ہمارے قومی امور کی عنان اور جن کی رائے پر اس قوم کی قسمت کا اتار چڑھاؤ تھا، یہ خوشامد نہیں ہے اور پاسداری نہیں کہ میں نے مولانا ظفر علی خاں کی طبیعت کی بلندی اور سیرت کی پختگی کو ان کے دوسرے معاصرین کی نسبت بہت ارفع اور ممتاز دیکھا، جس طرح جیل کی چار دیواری کے باہر مولانا ظفر علی خاں کی زندگی کا اوڑھنا، بچھونا، علم و ادب، سیاست

اور امور ملی کا انہماک تھا، اسی طرح جیل کے اندر بھی ان کو شبانہ روز گفتگو کے موضوعات یہی تھے جس طرح جیل کے باہر ان کی خود دار طبیعت کی آزادیاں ناجائز دباؤ کو خاطر میں نہ لانے کی عادی تھیں، اسی طرح زندان کی زندگی میں بھی ان کی آزادی اور خودداری برابر قائم تھی۔ جیل میں عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جیل کے باہر جبہ و دستار رکھنے والے بڑے بڑے نام اور کام کے مدعی مولویانِ کرام بعض مواقع پر اتنا کھیل کھیلتے ہیں کہ ان کی محفل پر عام بازاری انسانوں کی دھاچوکڑی کا گمان ہونے لگتا ہے لیکن مولانا ظفر علی خاں کی ۔۔۔ زندگی کا کوئی لمحہ مجھے ایسا نظر نہیں آیا، جس میں عقل کے پاسبان نے ان کے دل کا ساتھ چھوڑا ہو، اور ان سے کوئی ایسی لغو حرکت سرزد ہوئی جس پر انہیں یا دیکھنے والوں کو ندامت یا کراہت محسوس کرنے کی ضرورت پیش آئی ہو مولانا ظفر علی خاں کی سیرت کی عظمت کا ثبوت میرے نزدیک اس سے بڑھکر اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ زندان کی چار دیواری نے ان کی طبیعت پر کبھی کسی قسم کا حوصلہ فرسا اثر نہیں ڈالا۔ ظفر علی خاں زندان میں بھی وہی نظر آیا جسے میں نے مدتوں زمیندار میں قومی جلسوں میں اور جلوسوں میں احباب کی صحبتوں، اور محفلوں میں دیکھا تھا، اگر ان کی سیرت میں خود نمائی یا ریاکاری کی کوئی نقاب ہوتی تو زندان میں اس کا الٹ جانا یقینی امر تھا میں نے اخلاق کی بلندی اور کردار کی پاکیزگی کے لحاظ سے دو آدمیوں کا درجہ بہت بلند دیکھا، ان میں سے ایک مولانا ظفر علی خاں

اور دوسرے مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صدر جمعیۃ علماء ہند تھے۔

۱۹۴۳ء میں مولانا کو ایک ماہ کی قید ہوئی تو سنٹرل جیل کے دروازہ پہ لائے گئے کہ بڑا دروازہ کھولو، میں چھوٹے دروازہ سے داخل نہیں ہوں گا، چھوٹے دروازے میں سر جھکتا ہے اور یہ صرف اللہ کے سامنے جھکنے کے لئے بنا ہے۔ جیلر کو مجبوراً دوسرا بڑا دروازہ کھولنا پڑا۔

مولانا ظفر علی خاں نے ۸۴ برس کی عمر پائی، ان کی مجموعی قید تقریباً چودہ برس ہوتی ہے پہلی دفعہ پانچ برس نظر بند رہے، پھر پانچ سال قید کاٹی تیسری دفعہ ڈیڑھ سال جیل میں رہے مزید ۱۹۳۵ء تک کوئی چھ ماہ مختلف گرفتاریوں کی صورت میں قید و بند کی نذر کئے شہید گنج کی پاداش میں تقریباً دو سال کرم آباد میں نظر بند رہے گویا عمر کا چھٹا حصہ جیل خانہ میں بسر کیا۔ ہفتہ کے سات دنوں میں ایک دن اور چار گھنٹے۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں مولانا ظفر علی خاں جیل سے آئے تو ملک کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا، فرقہ وارانہ کشیدگی نے نازک صورت اختیار کر لی تھی ابھی وہ جیل ہی میں تھے کہ شدھی اور سنگھٹن کی دل آزار تحریک شروع ہو چکی تھی جس کے نتیجے میں کئی شہروں میں فسادات کی آگ سلگ اٹھی تھی۔ کانگریس کے اندر بھی دو گروپ بن چکے تھے، سوراجی اور ترک موالاتی، خلافت کی قبا چاک ہو چکی تھی اور مسلمان لیڈر مسئلہ حجاز پر دو گروہوں میں بٹ چکے تھے، پنجاب کی خلافت پارٹی مولانا کی سرکردگی میں آل انڈیا خلافت کمیٹی سے

علیحدہ ہو گئی تھی اور اس طرح مولانا اور علی برادران میں افسوسناک تنازعہ شروع ہو گیا۔ غرض یہ کہ کئی محاذ قائم ہو گئے تھے، اور ہندوستانی مختلف العقیدہ باشندے سامراج کو شکست دینے کے بجائے آپس میں برسرپیکار تھے۔ اس حالت میں بھی مولانا کانگریس کے حامی تھے۔ انھوں نے آزادی وطن کی ہر تحریک کا ساتھ دیا۔ سائمن کمیشن کے مقاطعہ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا نمک قانون توڑنے کی تحریک میں گرفتار رہے۔ پنجاب کی خلافت کمیٹی نے بعد میں مجلس احرار کا روپ دھارا۔ اور تحریک آزادیٔ کشمیر میں نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۳۵ء میں مسجد شہید گنج پر مولانا کا مجلس احرار سے سخت اختلاف ہوا انھوں نے مجلس اتحاد ملت قائم کر لی ۱۹۳۷ء میں قائد اعظم محمد علی جناح نے مسلم لیگ میں حیات نو کی روح پھونکی تو مولانا ظفر علی خاں نے ان کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے مجلس اتحاد ملت کو مسلم لیگ میں مدغم کر دیا اور اپنے آپ کو مسلم لیگ کی تنظیم کے لئے وقف کر دیا ۱۹۳۷ء میں ایک ضمنی انتخاب میں حلقہ لاہور سے مرکزی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے [1] ۱۹۴۶ء کے عام انتخاب میں وہ پھر اسی حلقہ سے ووٹوں کی بھاری اکثریت سے کامیاب ہوئے۔

حقیقت یہ ہے کہ مسلم لیگ کو فعال اور عوامی جماعت بنانے میں مولانا ظفر علی خاں کی خدمات ناقابل فراموش ہیں اسی لئے قائد اعظم

---

[1] جدید شعرائے اردو ص ۳۵

محمد علی جناح نے ۲۱ مارچ ۱۹۴۷ء کو شاہی مسجد لاہور میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا۔

"مجھے اپنے صوبہ میں مولانا ظفر علی خاں جیسے دو چار بہادر آدمی دیدیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ پھر مسلمانوں کو کوئی شکست نہیں دے سکتا"

۱۹۴۷ء کے وسط میں تپ محرقہ نے مولانا کو آگھیرا۔ تین ماہ تک علاج [illegible] سے جب [illegible] ہوا تو ان کو فالج نے آگھیرا جس کی وجہ سے [illegible] صاحب فراش ہو گئے۔ ۲۶ مارچ ۱۹۵۱ء کو انھوں نے [illegible] میں رات کے آٹھ بجے پنجاب یونیورسٹی اردو کانفرنس کے [illegible] اجلاس میں اپنا مقالہ "عہد ظفر اور اردو" پڑھتے ہوئے [illegible] اپنی ہنگامہ خیز زندگی کا نقشہ یوں پیش کیا [illegible] منزل مقصود پر پہنچ چکا ہے [illegible] کے بعد تمنائے [illegible] لیکن قوت [illegible] باقی نہیں رہی کام کرنے کو جی [illegible] ہاتھ جواب دے چکے ہیں، دل میں جذبات تو ہیں [illegible] عمل و حقیقت کا جامہ نہیں ملتا اب راستے [illegible] لوں کی برق رفتاری کا تماشا دیکھنے کے قابل [illegible] تماشا ہی ان لوگوں کا دیکھتے ہیں جو ہمیں عہد ماضی کی [illegible] سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو تماشائی، اس میں شک [illegible] عصر حاضر کے معمار ہیں لیکن جس طرح عمارت مکمل ہونے [illegible] نکالدیا جاتا ہے اسی طرح عصر حاضر بیکار نے لگے [illegible] ضرورت نہیں تو ہم کوئی جواب نہ دے سکیں گے

دنیا چڑھتے ہوئے سورج کی پرستش کرتی ہے ڈوبتے ہوئے آفتاب کو کون پوچھتا ہے اور ہم ڈوبتے ہوئے ستارے کی طرح دنیا پر نظر ڈال رہے ہیں پھر سورج کے مقابلے میں ہمیں کب جگہ مل سکتی ہے۔ ہاں ہم بھی کبھی ہم بھی رزم گاہِ ہستی میں مصروف پیکار تھے، ہم نے بھی اس خاموش دنیا میں ہنگامے کی روح پھونکی تھی۔ عہد حاضر کے نقش ونگار میں کچھ ہمارے قلم کا حصہ ہے اس گلستاں کے چند پھولوں نے ہمارے خون سے بھی سرخی حاصل کی ہوگی۔ اس صحرائے ہنگامہ آرائی میں ہمارا جنون بھی کارفرما رہا ہے۔ اس لئے اگر ہم کچھ کہیں تو عزیزان ملت پرانے زمانہ کے راگنی نہ سمجھیں ٹوٹے ہوئے ساز کا الجھا ہوا نغمہ خیال کریں اور پھر یہ کہکر کانوں میں انگلیاں نہ ٹھونس لیں کہ ؎

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو

جو مے و نغمہ کو اندوہ ربا کہتے ہیں۔"

پاکستان کے قیام کے بعد مولانا ظفر علی خاں لاہور میں رہے اس وقت ان کی کیا حالت تھی وہ مولانا غلام حسین ذوالفقار مولف ظفر علی خاں ادیب و شاعر کی قلم سے سنئے۔

" راقم نے ایک موقع پر جامع نیلا گنبد میں انھیں دیکھا، بدن میں رعشہ، زبان میں لکنت، حافظہ تقریباً جواب دے چکا تھا انتہائی لاغر و نحیف ہو چکے تھے، تقریر کے چند فقرے کہے، ایک آدھ اپنا شعر بھی پڑھا لیکن پڑھتے ہوئے بھول گئے، چند ایک بار باغ جناح میں منٹگمری کلب کے سامنے والی سڑک پر تیز گام

پھر ان کے ہوتے دیکھا۔ پھر وہ کرم آباد چلے گئے اور بستر علالت
پر دراز ہو گئے۔ ان کی آخری سرگزشت کے آثار تھے رہے ۱۸ جنوری ۱۹۵۵ء کو
مولانا ظفر علی خان کی ۸۲ ویں سال گرہ کرم آباد میں منائی گئی۔
اختر علی خان کی دعوت پر لاہور کے چند ادیبوں اور شاعروں کے ہمراہ
راقم کو بھی کرم آباد جانے کا موقع ملا اور اس بطل حریت کو آخری
بار دیکھنے اور ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ اس موقع کے تاثرات
یہاں پیش کئے جاتے ہیں۔

جلسہ گاہ میں اختر علی خان ابھی مہمانوں کا استقبال ہی کر رہے
تھے کہ مولانا ظفر علی خان دو آدمیوں کے سہارے اپنی نشست گاہ سے
باہر تشریف لائے۔ عبدالمجید سالک کو دیکھ کر آنکھوں میں چمک پیدا
ہوئی اور چہرہ متبسم ہوا۔ پھر پلنگ پر لٹا کر انہیں بٹھا دیا گیا۔ عبدالمجید سالک
کی صدارت میں جلسہ شروع ہوا۔ جس شخص کی ۸۲ ویں سال گرہ پر
ولولہ انگیز تقریریں ہو رہی تھیں وہ خود دنیا و مافیہا سے بے نیاز
نہ جانے کس عالم میں محو تھا۔ اس کی آنکھیں کھلی تھیں اور کبھی کبھار
ان پتلیوں کی گردش سے یہی پتہ چلتا تھا کہ وہ ماحول کو دیکھ رہا ہے
مگر کوئی نہیں بتا سکتا، کیا سمجھے۔ جلسہ دن ڈھلے ختم ہوا۔ الوداعی سلام
کہنے کے لیے ہم چند احباب مولانا ظفر علی خان کی قیام گاہ پر گئے۔ مولانا کمبل
میں لپٹے ہوئے کرسی پر بے حس و حرکت بیٹھے تھے۔ سارے دن میں
میرے کان ان کے منہ سے صرف ایک لفظ سن سکے اور وہ لفظ بھی
زیر لب ہوا جلدی سے ہوا میں تحلیل ہو گیا مبادا کوئی سن لے وہ لفظ
تھا "دعا" الوداعی مصافحہ کرتے وقت مولانا نے حسب معمول گرم جوشی

سے ہاتھ دبایا میں نے محسوس کیا۔ مولانا ابھی اپنی یہ عادت نہیں بھولے اگرچہ باقی سب کچھ قصۂ پارینہ بن چکا ہے۔

آخر، ۲۷ نومبر ۱۹۵۶ء کی علی الصبح مولانا ظفر علی خاں اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ظفر علی خاں صاحب کی سیاست، صحافت، خطابت وادب و شاعری کا بنیادی محرک ان کی انگریز دشمنی کا جذبہ تھا۔ وہ انگریزوں کی غلامی کو کسی طرح برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں تھے انگریزوں کے دشمن ان کے دوست تھے۔ محبانِ وطن، اور جاں نثارانِ وطن کو وہ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

بھگت سنگھ اور راج گورو نے ۱۹۲۹ء سے ۱۹۳۱ء تک شمالی ہندوستان میں بڑا نام پیدا کیا۔ ان دونوں نے مرکزی اسمبلی کے اجلاس میں بم پھینکا اور لاہور میں ایک گورا سارجنٹ کو گولی کا نشانہ بنایا۔ اس مقدمہ کی سماعت کے لئے سنٹرل گورنمنٹ نے ایک اسپیشل ٹریبونل مقرر کی، ڈیڑھ برس تک مقدمہ کی کاروائی چلی نوجوان بھارت سبھا نے مقدمہ کو بڑی اہمیت دی تمام ملک میں دہشت پسندی کو تیز کر دیا گیا۔ اکثر جگہ بم پھٹے۔ گاڑیوں کو لوٹا گیا، نوجوانوں اور لڑکیوں نے بعض عدالتوں میں پستول چلائے اور مجسٹریٹوں کو گولیوں سے داغا۔ شیر جنگ نے ٹرین روک کر سرکاری خزانہ کو لوٹا۔ گرفتار ہوئے اور عمر قید کی سزا ہوئی، غرض ملک میں دہشت پسندی پھیلتی چلی گئی۔ ایک روز بھگت سنگھ اور ان کے دونوں ساتھیوں کی موت کی سزا کے خلاف موری دروازہ کے باہر ایک جلسہ تھا

اس جلسہ کی صدارت مولانا ظفر علی خاں صاحب فرما رہے تھے ۔ صدارتی تقریر ختم کر چکے تو شور مچ گیا شعر پڑھیے، شعر پڑھیے، مولانا نے پھر کرسی سنبھالی اور آپ نے اپنی ایک نظم سنائی جو حسب ذیل ہے ۔

شہیدانِ وطن کے خونِ ناحق کا جو ست نکلے
تو اس کے ذرہ ذرہ سے بھگت سنگھ اور دت نکلے

چڑھا ایران میں منصور انا الحق کہہ کر سولی پر
مزا جب ہے کہ تارِ ہند سے ایسی ہی گت نکلے

مسلمانوں نے کتنے نوجواں اب تک کئے پیدا
جو آزادی کے گہوارے میں پا کر تربیت نکلے

خدا حافظ مسلمانوں کے اقبال اور دولت کا
خدا کے شیر بھی نکلے تو شیر آغا صفت نکلے

حقوقِ مسلمین کے چھیننے کو چلے لندن
مگر وہ بھی پرستارانِ کنجِ عافیت نکلے

نثار اس رندِ عالم سوز پر سو جان سے ہے محفل
کہ جس کوچہ میں جا نکلے حریفِ مصلحت نکلے

رسول اللہؐ کا ہم گاڑ دیں جھنڈا ہمالہ پر
ہمارے بازوؤں میں گر یداللٰہی سکت نکلے

بھگت سنگھ، راج گرو اور سکھدیو کو سانڈرس کی قتل کی پاداش میں موت کی سزا کا حکم مجسٹریٹ دے چکا تھا اس مقدمہ کی تمام ہندوستان میں دھوم مچ گئی تھی، گاندھی ارون سمجھوتہ ہوا تو تمام کانگریسی قیدی رہا کر دیے گئے ۔ لیکن جو نوجوان تشدد کے الزام

میں گرفتار ہوئے تھے اور جن کا تعلق کانگریس کی کسی گروہ سے نہیں
تھا۔ اور جو لوگ اہنسا کے نظریے کو تسلیم نہیں کرتے تھے وہ اس
سمجھوتہ سے محروم رکھے گئے اور ان کو رہا نہیں کیا۔ ان کی رہائی
کے لیے نوجوان بھارت سبھا نے ایک طوفان برپا کر دیا۔
مگر گاندھی جی خاموش رہے۔ ان تینوں نوجوانوں کو [illegible] سنٹرل
جیل میں پھانسی دے دی گئی۔ اگلے دن جو نئے حکومت نے اعلان کیا
ان تینوں نوجوانوں کی لاشیں ستلج کے کنارے ان کی مذہبی رسوم کے
مطابق جلا دی گئی ہیں لیکن اس واقعہ کی بھی اس دن تردید کی گئی۔ ان
تینوں نوجوانوں کو سنٹرل جیل لاہور کی دیوار توڑ کر نکالا اور راتوں رات
گورے سپاہیوں کے پہرے میں ضلع فیروزپور کے قصبہ حسینی والا کے مقام
پر پہنچا دیا گیا۔ جہاں ستلج کے کنارے نعشوں کا ٹکڑے ٹکڑے
کر کے مٹی کے تیل سے جلا دیا گیا۔ بھگت سنگھ کی بہن امر کور
نے مخبری ملتے ہی پیچھا کیا اور وہاں تک پہنچ گئی۔ وہاں سے
ادھ جلی انگلیاں، کچھ کٹے بازو، اور جسم کے اعضا ملے۔ ان
کو لاہور میں لے جایا گیا اور ان کا جلوس نکالا گیا جو شہر کے
مختلف محلوں سے ہوتا ہوا منٹو پارک میں جا کر ختم ہوا۔
جلوس میں کئی لاکھ کا مجمع تھا۔ مولانا نے اس موقع کے مطابق پر
بڑی جوشیلی تقریر کی۔ سارا جلسہ انقلاب زندہ باد کے نعروں
سے گونج رہا تھا۔ مولانا نے اس موقع پر ایک نظم پڑھی جو
فی البدیہہ کہی اور عوام کو سنائی۔

توانا ؤں کے بس میں ہے سرمایہ حقارت سے
کروڑوں ناتوانوں کی تمناؤں کو ٹھکرانا
دبا دینا کسی مظلوم کی آہوں کو سینہ میں
کسی بیکس کو ساری عمر آنسوؤں سے رلانا
ہے جس [illegible] دل میں آزادی کی دھن ان نوجوانوں کو
وطن سے عشق کی پاداش میں سولی پہ لٹکانا
بہا دینا کسی کی راکھ کو ستلج کی موجوں میں
کسی کی لاش ٹکڑے کر کے خاک و خون میں تڑپانا
حکومت کے نشے میں [illegible] یہ سب کچھ آسان ہے
مگر دشوار ہے [illegible] قدرت کا بدل جانا
زوال اس سلطنت کو [illegible] نالے سے
خود اپنی [illegible] بڑا ہے جس کو [illegible]
مکافات عمل [illegible] غافل [illegible] ہوں
[illegible] کام [illegible] ان کو سمجھانا

یہ نظم [illegible] مولانا نے تقریر [illegible] کی اور اس میں آپ نے فرمایا [illegible] جس کی چشم قہرمان سے انصاف کی [illegible] رخصت ہو چکی ہے، بھگت سنگھ [illegible] دار پر نہیں لٹکایا ہے بلکہ اپنے [illegible] کی لاش [illegible] اس کا عروج اب ڈھلتا ہوا سا ہے۔

مولانا کا سیاسیات میں سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ

انھوں نے عوام کے دلوں سے برطانوی خوف نکال دیا تھا اور جو لوگ انگریزوں کے لیسنس اور وفاداری کے رشتے میں بندھے ہوئے تھے ان پر اس بے جگری سے حملے کئے کہ ملکی سیاسیات میں انھیں ایک گالی بنا ڈالا۔

مولانا ظفر علی خاں کا میانہ قد، گندمی رنگ، چھریرا بدن تھا۔ آنکھیں روشن اور سحر کن تھیں۔ ان کی بعض عادتیں پختہ ہو کر فطرت بن چکی تھیں، مثلاً صبح کی سیر آپ کا روزمرہ کا معمول تھا۔ آپ ان چند لوگوں میں تھے جو لاہور میں لارنس کی سیر کو ضروری سمجھتے تھے آپ زنّاٹے دار سے علی الصباح نکلتے چھڑی گھماتے ہوئے لارنس گارڈن یا نہر تک خراماں خراماں چلے جاتے تھے۔ فجر کی نماز عموماً نہر کے کنارے، یا لارنس گارڈن کے سبزے پر پڑھتے۔ چلتے بہت تیز تھے کبھی بہت سویرے نکل جاتے تو سبزے کے اوپر دوڑتے، ڈنڈ پیلتے اور مگدر ہلاتے تھے۔ لباس اور خوراک کے معاملہ میں مولانا بڑے نفیس الطبع اور خوش ذوق تھے شروع میں انگریزی وضع کا لباس پہنا بعد میں قومی تحریکوں میں حصہ لینے کی وجہ سے مشرقی وضع کا لباس شیروانی پہنتے، بے خوراک کم کھاتے لیکن کھانا عمدہ اور لذیذ پسند کرتے تھے چائے اور حقہ ان کی زندگی کے دو رفیق خاص تھے، سفر میں ہوتے تو ملازم اور حقہ ساتھ رکھتے اور چائے کا خاص اہتمام ہوتا تھا۔

زندگانی کے لطف دو ہی تو ہیں
صبح کی چائے، شام کا حقہ

کہاں سے لاؤں مضامینِ غیب کی سُرخی
ملی الصباح اگر چائے کا غرارہ نہ ہو

اور بہی جائے اور حقہ ان کے احساسِ جمال کو بیدار کرتے اور تخلیقی عمل میں ممد و معاون ہوتے بقول چراغ حسن حسرت " ادھر حقہ کی نے منہ میں آئی ادھر انگوٹھا انگشتِ شہادت پر پہنچا پیشانی پر بل پڑے دھواں ہوا میں منتشر ہوا اور جھٹ سے شعر سامنے آگیا۔ اب مبدأ فیض پر غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ کیا کیا ہوا شعر ہے ہاتھ کا بنا ہوا نہیں۔ مولانا عقیدے کے اعتبار سے حنفی تھے۔ لیکن اتحادِ اسلامی کے پرخلوص حامی تھے ان کی ایک نعت کا مشہور شعر ہے۔ ؎

یہ ترتیب ایک ہی سلسلہ کی بوبکر و عمر، عثمان و علی
ہم مرتبہ ہیں یارانِ نبی، کچھ فرق نہیں ان چاروں میں

مولانا فطرتاً کسی کی مصیبت برداشت نہیں کر سکتے تھے کوئی مصیبت زدہ اور خستہ حال ان کے پاس آیا اور اس نے ان کے سامنے اپنی پریشانی بیان کی فوراً اس کی امداد کے لئے تیار ہو جاتے تھے خواہ وہ مصیبت زدہ بنیادی اور فریبی کیوں نہ ہو۔

ایک مرتبہ ایک نوجوان ان کے پاس آیا ہاتھوں کو بوسہ دے کر نہایت رقت آمیز لہجہ میں اس نے عرض کیا، مولانا میں سخت پریشان ہو رہا ہوں، ابا جان مر چکے ہیں، میری امی دوسروں کے کپڑے سی کر دو چھوٹے بھائی اور بہن کا پیٹ پالتی ہیں، بلکہ میرے تعلیمی اخراجات بھی برداشت کرتی ہیں، فیس تو معاف ہو گئی ہے لیکن

انہوں نے کہا داخلہ کی فیس معاف نہیں ہوئی ہے وہ داخل کرنی ہے
آج آخری تاریخ ہے۔ آپ داخلہ کی فیس کا انتظام فرما دیجئے۔ مولانا نے
نوجوان کا چہرہ غور سے دیکھا واقعی ملول اور فکرمند نظر آیا۔
جیب سے مڑا ہوا نوٹ نکالا جو کچھ اس میں تھا کہا لو بھائی، نوجوان نے رقم
سنبھالی۔ پیدل ہی ہوسٹل پہنچا، دوستوں کو ساتھ لیا اور فلم دکھانے سینما
لے گیا۔ اس قسم کے تبلیغی واقعات آئے دن پیش آتے رہتے تھے

مولانا ظفر علی خان صاحب بڑے حاضر جواب تھے کسی نے
کوئی طعنہ دیا یا طنزیہ بات کہی فوراً اسی انداز کا جواب مل جاتا تھا
اخبار زمیندار سے آئے دن ضمانتیں لے جاتی تھیں اور ضبط کی جاتی
تھیں۔ نئے ڈیکلریشن حاصل کئے جاتے تھے۔ ایک شخص کے نام
پر ڈیکلریشن لیا گیا تو وہ بالکل ان پڑھ تھا۔ مقدمہ کی سماعت
شروع ہوئی تو مجسٹریٹ نے مولانا سے سوال کیا۔

"ڈیکلریشن سے ظاہر ہے کہ اخبار زمیندار کا ڈیکلریشن جس
شخص کے نام ہے وہ بالکل ان پڑھ ہے۔ آپ بتائیے کہ ان پڑھ
آدمی اخبار کی نگرانی کس طرح کر سکتا ہے۔"

مولانا ظفر علی خان نے مجسٹریٹ کو برجستہ جواب دیا۔
"جس طرح رنجیت سنگھ پنجاب پر حکومت کرتا تھا۔"

مسجد شہید گنج کی تحریک کا زمانہ تھا حکومت نے تحریک کی اشاعت
کی روک تھام کے سلسلہ میں اخبارات پر یہ پابندی لگا دی کہ لیڈنگ
آرٹیکل شائع کرنے سے قبل متعلقہ حکام کو دکھائیں اور اس کی
باقاعدہ منظوری لیں۔ شیخ فضل الٰہی ان دنوں محکمہ انفارمیشن کے

ڈائرکٹر تھے۔ سنسر کے اس انتظام کی نگرانی انھیں کے سپرد تھی
اخبار زمیندار کو بھی یہ ہدایت موصول ہوئی۔ چونکہ مولانا ظفر علی خاں کے
بیباکِ قلم سے حکومت کو سب سے زیادہ خوف تھا۔ ہدایت کے مطابق
مولانا ظفر علی خاں نے زمیندار کا لیڈر لکھنے کے بعد شیخ فضل الٰہی کو بھجوا دیا
اخبار ہر روز باقاعدگی سے شائع ہوتا تھا۔ ادھر حکام کی جانب سے
لیڈر کی منظوری میں تاخیر ہوئی۔ مولانا کی خداداد ذہانت نے یہ موقع
ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ انھوں نے اخبار شائع کرتے ہوئے
اداریہ کا کالم بالکل خالی رکھا۔ البتہ اس کے درمیان یہ شعر
لکھ دیا:

یہ ہے اس لیڈر پہ ہاتھ فضلِ الٰہی کس قدر
شوشہ شوشہ نوشتہ نقطہ نقطہ نذرِ سنسر ہو گیا

جن دنوں میں انگریزی سرکار نے مولانا کا پریس ضبط کر کے ان کو
جیل میں ڈال دیا تھا۔ اس زیادتی نے مولانا کو اور زیادہ پرجوش
اور بیباک بنا دیا تھا۔ حق گوئی کے معاملہ میں ان کا کردار فولاد کی طرح
بے لچک تھا۔ انھوں نے اس زمانہ میں جیل میں ایک نظم کہی اور اسے
جیل سے باہر بھیج دیا۔ شاہی مسجد لاہور میں بعد نماز جمعہ ایک
خوش گلو نوجوان نے یہ نظم پڑھ کر سنائی۔ جس کے دو اشعار
یہ ہیں:

وہ اپنے دل کے اندر اک جہاں موجود پاتا ہوں
اسی کی سلطنت اچھی اسی پہ اختیار اچھا
مری زندگی کی قدر اس نے مری سرکشی پر بھی
خداوندانِ لندن سے مرا پروردگار اچھا

مولانا ظفر علی خان کا انگریزی سے اردو اور اردو سے انگریزی میں ترجمہ کرنے کا کوئی مدمقابل نہیں تھا۔ آل انڈیا مسلم لیگ کا مشہور اور تاریخی اجلاس منٹو پارک میں ہو رہا تھا۔ جس میں قرارداد پاکستان منظور کی گئی تھی، قائداعظم کی صدارت میں اس اجلاس کا آغاز ہوا۔ قائداعظم نے انگریزی زبان میں معرکۃ الآرا خطبہ صدارت پڑھا جس کے ترجمے کی خدمت مولانا ظفر علی خان کو تفویض ہوئی۔ صدارتی خطبہ ختم ہوتے ہی مولانا اٹھے اور قائداعظم کی انگریزی تقریر کا ترجمہ اس قدر شگفتگی اور روانی کے ساتھ کیا کہ سامعین حیران رہ گئے کہ اس کبر سنی میں مولانا کا حافظہ قابل داد تھا کہ اتنے طویل خطبہ کو انھوں نے یاد رکھا اور پھر اپنی خداداد ذہانت کی بدولت اردو ترجمہ کی کلیاں چٹکا دیں۔ [1]

مولانا ظفر علی خان صاحب جب تک کانگریس میں رہے نوجوانوں کے ساتھ رہے۔ ان کا ذہن حقیقتاً باغی تھا، ہمیشہ چاہا کہ انگریزی حکومت کوئی ہنگامہ کیا جائے نوجوان سربکف نکلیں برطانوی تابوت میں آخری میخ ٹھونک جائے۔ لیگ میں گئے تو اسی ذہن سے گئے۔ علی گڑھ کے طلبہ نے سبھاش چندر بوس کی گرفتاری کے خلاف ہڑتال میں حصہ لیا، تو دہلی کے گورنر نے بڑا منایا۔ اس وقت کالج کے وائس چانسلر سر ضیاء الدین تھے انھوں نے بیان جاری کیا، طلبہ کا ہڑتال میں حصہ لینے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، سرے سے ہڑتال ہی نہیں ہوئی، مولانا لیگ کے ممبر تھے۔ انھوں نے سر ضیاء الدین کی اس حرکت کو رجعت پسندی

---

[1] انجمن ص ۶۲

اور کاسہ لیسی کی اچھوتی بانیں قرار دیا۔ اور ایک نظم کہہ ڈالی، بہرکیف مولانا کانگرس میں گئے تھے تو منہ کی گرلی سے باز نہیں آئے۔ مسلم لیگ میں شمولیت کی تو وہاں بھی یہی روش اختیار کی۔ خوشامد اور تملق سے کبھی واسطہ نہیں رکھا، آزادانہ روش پر ہمیشہ قائم رہے۔

مولانا ظفر علی خاں کی شاعری کی ابتدا علی گڑھ میں طالب علمی کے زمانہ میں ہوئی۔ وہاں سے حیدرآباد دکن گئے جہاں شعر و سخن کی محفلیں گرم تھیں۔ استاد داغ اور مولانا شبلی نعمانی وغیرہ تھے اس ادبی ماحول میں مولانا کی تخلیقی صلاحیتیں کام آئیں۔ حیدرآباد سے پنجاب آئے اخبار زمیندار کی ایڈیٹری سنبھالی، پنجاب ریویو جاری کیا۔ علامہ اقبال اور دیگر شاعروں اور ادیبوں کی صحبت میں بیٹھے صحافت کے ساتھ ساتھ سیاسی سرگرمیاں بھی تیز ہوئیں، طرابلس اور بلقان کی جنگوں کے دوران میں اشتعال پیدا ہوا۔ تو ہنگامی واقعات پر جذبات انگیز نظمیں لکھی جانے لگیں، جو اخبار کی زینت بنی تھیں، ان ہنگامی نظموں میں کبھی کبھی ایسی نظم بھی تخلیق ہو جاتی تھی جسے موضوع اور طرز فکر کے لحاظ سے مستقل قدر کا حامل کہا جا سکتا ہے۔ اس دور کی طویل نظمیں سمندر کی روانی اور تخیل کی جولانی اور لندن، اور سفر انگلستان کی یادگار ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں مولانا کو نظر بند کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں ستارہ صبح جاری کیا۔ اس اخبار کی بیشتر نظموں میں اسلامی تاریخ کے درخشاں واقعات پر طبع آزمائی کی اور مولانا اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا ان نظموں کے ذریعہ اجاگر کیا ہے

اسلام کی ثقافت کا افسانہ آتا ہو لبا   کیا اصل حقیقت ہے دارا و سکندر کی

شبِ غم سر آیا، پھر صبح کا ستارہ
خورشید کے چہرہ سے پھر چادرِ شب سرکی

جب ستارۂ صبح ہفتہ وار کی شکل میں روزانہ نکلنے لگا تو شاعری کے موضوعات بھی بدلنے لگے۔ صوبائی کرم اور قادیانیوں سے معرکہ آرائی شروع ہوئی تو یہ شعر کا گولہ بارود کام آنے لگا۔ پہلی جنگ عظیم کے ختم ہونے کے بعد ملک میں خلافت، ترک موالات کی تحریکیں شروع ہوئیں تو مولانا کی قومی، سیاسی شاعری اپنے عروج پر تھی اور مولانا کے جیل سے آنے کے بعد ملکی سیاست اور مولانا کی شاعری کا ایک نیا طرز یہ دور شروع ہوا جو زیادہ تر ہنگامی رہنے والا تھا۔ شدھی، سنگھٹن، تبلیغ و تنظیم، مسئلہ حجاز، سائمن کمیشن، نمک کی تحریک، تحریک کشمیر، مجلس احرار، مسجد شہید گنج، کانگریس اور مسلم لیگی مناقشات، اور اسی قسم کے صدہا فتنوں نے سر اٹھایا۔

مولانا کی اس زمانہ کی شاعری اس دور کی منظوم ڈائری کی حیثیت رکھتی ہے۔ مولانا نے اپنے معاصر لیڈروں کو بھی نہیں بخشا۔ وہ مولانا کی شاعری کا نشانہ بنے۔ مولانا نے وطنی شاعری میں اپنا نیا رنگ اور طرز ایجاد کیا۔ سیاسی شاعری کے سلسلہ میں یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ تاہم مولانا تحریک کے لبرل رجحان کے نہیں، وہ ان انقلابی رجحانات کے نمائندے تھے جو تحریک خلافت اور ترک موالات میں پیدا ہوئے۔

پہلی جنگ عظیم چھڑی تو دیرینہ روایت کے مطابق دس لاکھ فرزندانِ ہند کو انگریزی شہنشاہیت کے بچانے کے لئے حرب و پیکار کی بھٹی میں جھونک دیا۔ لیکن ان سب وفاداریوں کا صلہ کیا ملا۔ رولٹ ایکٹ، طوق و سلاسل، جلیانوالہ باغ، مارشل لا، یہ تھا محکوم ہندوستانیوں

اُن کی آرزوؤں کا ماحصل، اس تمام پس منظر کو مولانا کی ایک مختصر سی نظم "ڈیڑھ سو سال کی وفاداری کا صلہ" میں ملاحظہ فرمائیے۔

ہر کسی طرح مجھ سے خوش انگریز — میری کوشش یہ انتہائی تھی
میں نے اپنے ضمیر کی گردن — اس کی دہلیز پر جھکائی تھی
میں جو حاکم تھا خود بنا محکوم — یہ بھی اک شانِ کبریائی تھی
اس کے قدموں میں ڈال دی لاکر — باپ دادا کی جو کمائی تھی
تاکہ بڑھ جائے آبرو اس کی — اپنی توقیر خود گھٹائی تھی
اس کی خاطر نہ کی جو اپنوں سے — کون سی ایسی وہ لڑائی تھی
آج میں ہوں اور اس کی ٹھوکر ہے — کہ اسی تک مری رسائی تھی
آج نادم ہوں کہ کیوں میں نے — اپنی بنیاد آپ ڈھائی تھی
میں نے اپنے کیے کا پھل پایا — اس سے کی میں نے کیوں بھلائی تھی
کہہ گئے خوب مرزا غالب — کیا وہ نمرود کی خدائی تھی

بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا

نمرود کی خدائی کو ختم کرنے کے لیے مولانا ظفر علی خاں صاحب ہندوستانیوں کو وطن کی عظمت کا احساس دلاتے ہیں اور سامراج کے بے جا استبداد سے نجات حاصل کرنے کے لیے انھیں "دعوتِ عمل" دیتے ہیں

اگر عزت سے ہے کچھ بھی لگاؤ — تو باطل کے آگے نہ گردن جھکاؤ
مقدر کو تم نے لیا آزما — اب اپنے مقدر کو بھی آزماؤ
جو تم میں ہے ذرّہ ذرّہ ہے ماہ مند — چھپے ہیں جو اس میں وہ جوہر دکھاؤ
فلک پر ستارے بھی پڑ جائیں ماند — زمیں پر اس انداز سے جگمگاؤ

ہمالہ بھی آ جائے گر راہ میں — تو ٹھکرا کے آگے سے اس کو ہٹاؤ
اگر تم سے گنگا بھی گر بیر رکھے — پلٹ کر الٹ دو تم اس کا بہاؤ
زمانے میں روشن کرو نام ہند — ہر اقلیم میں اس کا سکہ چلاؤ
ہر اک ملک کا ہاتھ میں لے کے دل — ہر اک قوم میں اپنی عزت کراؤ
لٹیرا اگر ہے ہندوؤں کا جہاں — دیا ہے تم مسلمانوں کا خون بہاؤ
نہیں ہو جب اس حزن سے لاابالی — تو اس پر اب رعب و نخوت کھپاؤ
پرانا ہوا ڈنڈے کا اقتدار — سمجھ لو اب اس کا بھی یہ چل چلاؤ

کسی روز خود غرق ہو جائے گی
بہت بہہ چکی ہے یہ کاغذ کی ناؤ

مولانا ظفر علی خاں اور ہندوستان کے دوسرے رہنماؤں کی دعوت جہاد پر ہندوستانیوں نے عمل کیا۔ آزادی ہند کے لئے قربانیاں دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ جیلوں کی دیواروں کو ہلا دیا۔ زندان کی مشقتوں اور صعوبات کو خوشی برداشت کیا۔ مولانا نے بھی جیل کی زندگی نباہی اس وقت کی جیلوں کا نقشہ مولانا کھینچتے ہیں ؎

بیٹھے ہیں جیل میں جو کئی اسیران فرنگ
آ پھنسے گردش دوراں سے زندان فرنگ
پاؤں میں بیڑی گلے میں طوق اور ہاتھوں میں داغ
امت مرحوم پر کیا کیا ہے احسان فرنگ
صبح کو گوبھی کے ڈنٹھل شام کو دال مسور
ہم ہیں اس شان سے روز ہی مہمان فرنگ
ہم سیہ بختوں کو روغن بھی ملا سیاہ ہو کر — کیونکہ ہے روغن کی زردی حصۂ خوان فرنگ

انگریز ہندوستانیوں سے ہر قدم پر امتیاز برتتا تھا اور ان کو حقارت کی
نگاہ سے دیکھتا تھا۔ ریلوں میں عدالتوں میں ہندوستانیوں کی توہین
کی جاتی تھی۔ فرسٹ کلاس میں کوئی ہندوستانی سفر نہیں کر سکتا تھا انگریزی جوتی
پہن کر عدالت میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ جیلوں میں بھی یہی امتیازی
سلوک روا رکھا جاتا تھا جس کا مولانا ظفر علی خان نے یوں نقشہ کھینچا ہے۔

آج جس کی چھٹا [illegible] کا [illegible] ہیں
[illegible] رہے ہیں اس کی ہو جیل کے رکھوالے ہیں
بھولی مسکینی مشقت، کبھی جیل کا عذاب
ہمارے ہاتھوں میں بیچاروں کے پڑے چھالے ہیں
وہ [illegible] ہی نہیں چوری ہیں، مگر ان کے لیے
جیل سرکار نے [illegible] گلزار بنا ڈالے ہیں
[illegible] دق پہ موقوف ہے [illegible] زناں
یوں نکلنے ہی تہذیب کے دلوالے ہیں
اے خدا کیوں نہیں مظلوم کی سنتا فریاد
پڑ گئے کیا تیرے دربار میں بھی تالے ہیں
صبح بوڑھوں کی زبانوں پہ ہے تکبیر کا شور
اور سینوں میں دبے، غم سینی نالے ہیں
[illegible] تری امت کو نہ کمبل بھی ملے
ڈپٹی داروں کو اڑھائے گئے دوشالے ہیں
نشہ ہو جائے گا دولت کا بہت جلد ہرن
ہمدرد ان سب ہے جو اس نشے کے متوالے ہیں

مولانا ظفر علی خاں صاحب فرنگیوں کی زیادتیاں دیکھتے ہیں۔ ان کی عدالتیں جانبدار ہیں۔ ان میں نہ کوئی عدل و انصاف نظر آتا ہے نہ ان کے نزدیک کسی دلیل کی وقعت ہے نہ ان کو کسی نظیر کی پرواہ اس دور میں اپیل بے معنی ہو کر رہ گئی تھی، اس کی وجہ وہ صرف یہ بتاتے ہیں اور ان کو ایک ہی رنج ہے کہ ہم غیر ملک کے لوگوں کے غلام ہیں ،،

تجھے کیا سناؤں میں ہم نشیں، مرے غم کا قصہ طویل ہے
مرے گھر کی لٹ گئی آبرو، ہوا جب سے غیر دخیل ہے
ہیں نئی روش کی عدالتیں ہیں نرالے ڈھنگ کے فیصلے
نہ نظیر ہے، نہ دلیل ہے، نہ وکیل ہے، نہ اپیل ہے
ہیں کسی کے پاؤں میں بیڑیاں تو کسی کے گھر کی قرقیاں
کہ عذاب فرنگ کا جسے دیکھئے وہ قتیل ہے
ابھی وہ دباؤ نہیں پڑا۔ جو ڈبو دے باپ کی ناؤ کو
انھیں جا کے کہدو اسی نے تمہیں دی گئی ڈھیل ہے

انگریزوں نے دیکھا کہ ہندو مسلمان سکھ پارسی متحد ہو کر غلامی کے خلاف میدان جنگ میں کود گئے ہیں۔ ان کا شیر و شکر ہونا ہمارے اقتدار کے خاتمہ کا باعث بنے گا۔ تو اس نے ہندوستانیوں میں مذہب کے نام پر پھوٹ ڈلوائی، شدھی سنگٹھن کا سلسلہ شروع کرایا، تبلیغ دین کا نعرہ بلند ہوا ۱۹۲۰ء میں ہندو مسلم اختلافات فرقہ وارانہ ڈھانچے میں ڈھلنے لگے۔ تو مولانا آزادئ ہندوستان کے پریشان خواب کی تعبیر فسادات کی رنگا رنگ صورتوں میں اس طرح دیکھتے ہیں ؎

کشمیر ہے کہیں، تو کہیں کانپور ہے
پیدا ہر ایک گوشہ سے یوم نشور ہے

ہے تار تار پیراہن امن و عافیت
زخموں سے جسم بے کسی چور چور ہے

زینت ہے اس زمانے میں نسیاں کے طاق کی
وہ مسلک قدیم جو خیر الامور ہے

ہے شیخ کا دماغ توازن سے بے نیاز
اور برہمن کے عقل کے اندر فتور ہے

کلسی پڑتی ہیں، سر پہ غلامی کی لعنتیں
ہے ست سکین کہیں تو کہیں جی حضور ہے

آلس کی پھوٹ کرے رہے گی ہمیں تباہ
سمجھیں یہ نکتہ کب ہمیں اتنا شعور ہے

لندن کی گول میز کو ہار دیں نے جالیب
لیکن یہ تانا مہاتما دلی سے دور ہے

اس وقت بھی اگر نہیں آزاد ہو سکا
ہندوستان خود یہ ترا ہی قصور ہے

مولانا ظفر علی خاں اسی زمانہ میں "دم مست قلندر دھر رگڑا" جیسی نظم کہنے سے نہیں چوکے، ایسے دنوں میں صحافت یا سیاست کو بالائے طاق رکھ دیتے تھے۔

احساس کا جھنڈا ہاتھوں میں لے
ایمان کا جھنڈا ہاتھوں میں لے
اسلام کا ڈنڈا ہاتھوں میں لے
دم مست قلندر دھر رگڑا!

پڑتا ہو جہاں گھمسان کا رن — جھنڈے کو کلیسا دل میں اڑا
گر زندہ عرب کی رسم کہن — دم مست قلندر دھر رگڑا
ڈرنا ہے تو ایک اللہ سے ڈر — مرنا ہے تو اس کی راہ پہ مر
اس نقطہ کو رکھ پیش نظر — دم مست قلندر دھر رگڑا
غیروں میں نہ مل، اپنوں سے نہ کٹ — ان کو نہ بڑھا اور آپ نہ گھٹ
رتبوں میں نہ بٹ، مرکز سے نہ ہٹ — دم مست قلندر دھر رگڑا
مست جنوں کفن بردوش ہے تو — لیلیٰ کے جنوں کا جوش ہے تو
اس جوش میں گرمدہوش ہے تو — دم مست قلندر دھر رگڑا

مولانا کا کوئی معاصر ایسا نہیں ہوگا جس کی انھوں نے تعریف نہ کی ہو گی اور بعد میں اس کی ہجو کہنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی ہو، ہجو لکھنے میں وہ قصاب کے چھرے کی طرح انجر پنجر ملا ڈالتے تھے اور اعتدال کا راستہ قطعاً پسند نہیں کرتے تھے ان کی ہجویں موقعوں پر لکھی گئیں یہ ضروری نہیں کہ ان کی ہر ہجو کو حق بجانب قرار دیا جائے، جب مولانا گاندھی کے ہم خیال تھے تو یہ تعریف و توصیف کی ؂

گاندھی نے آج جنگ کا اعلان کر دیا
باطل سے حق کو دست و گریبان کر دیا
ہندوستاں میں ایک نئی روح پھونک کر
آزادیٔ حیات کا ساماں کر دیا
تن من کیا نثار خلافت کے نام پر
سب کچھ خدا کی راہ میں قربان کر دیا

پروردگار نے کردہ ہے منزلت شناس
گاندھی کو بھی یہ مرتبہ پہچان کر دیا

جب گاندھی جی سے بگڑ گئے تو یہ ڈھب اختیار کیا ؎

بھارت میں بلائیں دو ہی تو ہیں اک ساورکر اک گاندھی ہے
اک جھوٹ کا چلتا جھکڑ ہے اک مکر کی اٹھتی آندھی ہے

اے سامری ذہنیت کہ گاندھی ہے تیرا نام
کہتے ہیں نصاریٰ کا تجھے بندۂ بے دام
ہندو کو مسلماں سے لڑانا ہے ترا کام
ہم کو نظر آتا ہے جو ہوگا ترا انجام
اے دشمن اسلام

تقدیر وطن کی اسی دن سے ہوئی کھوٹی
جب شیخ کے تہمد سے ملی تیری لنگوٹی
اور چادر تہذیب عرب ہو گئی چھوٹی
ہم قائل الہام ہیں، تو مائل اوہام
اے دشمن اسلام

جب مولانا ابوالکلام آزاد کے ہمنوا تھے تو یہ درجہ دیا ؎

جہاں اجتہاد میں سلف کی راہ گم ہو گئی
ہے تجھ کو اس کی جستجو تو پوچھ ابوالکلام سے

جب ان سے اختلاف ہو گیا اور راستہ مختلف ہو گیا، تو قلم نے یہ جولانی دکھلائی ؎

بوالکلام آزاد سے پوچھتے ہیں دل جلے

آجکل تم پیشوائے امتِ مرحوم ہو
کٹ کے اپنوں سے ملے ہو جا کے تم اغیار سے
پھر یہ کہتے ہو کہ ہم ظالم ہیں تم مظلوم ہو

علامہ اقبال جب دنیا سے سدھار گئے تو اس وقت مولانا ظفر علی خاں نے ان کا مرثیہ تحریر فرمایا ؎

گھر گھر یہی چرچے ہیں کہ اقبال کا مرنا
اسلام کے سر پہ ہے قیامت کا گزرنا
کلکتہ و کابل میں بھی ہے صفِ ماتم
اس غم میں سیاہ پوش ہیں بغداد و ثمرنا
تھا اس کے تخیل کا فسوں جس نے سکھایا
سو سال کے سوئے ہوئے جذبوں کو ابھرنا
ہر روز دیا اس نے مسلمانوں کو یہی درس
ہرگز نہ کسی سے بجز اللہ کے ڈرنا
ملت کو نئی زندگی اقبال نے بخشی
ممکن نہیں اس بات کا اقرار نہ کرنا

اور زندگی میں چھیڑ چھاڑ چلی ؎

مانگ کر احباب سے رجعت پسندی کی کدال
قبر آزادی کی کھودی کس نے سر اقبال نے
کہہ رہے تھے ڈاکٹر عالم یہ افضل حق سے آج
قوم کی لٹیا ڈبو دی کس نے سر اقبال نے

مولانا محمد علی[۲] جب فوت ہو گئے، تو اس انداز سے اظہار غم کیا ؎

دل کش فضا وطن کی محمد علی سے تھی
رنگینی اس چمن کی محمد علی سے تھی

ذوق سلیم جس کے مزے بھولتا نہیں
شیرینی اس سخن کی محمد علی سے تھی

ہیں زندہ جس سے عہد کہن کی روایتیں
رونق اس انجمن کی محمد علی سے تھی

اب تک لگی ہوئی جو کروڑوں دلوں میں ہے
اور تابانی اس رسن کی محمد علی سے تھی

زنداں کو جس نے مطلع انوار کر دیا
تابانی اس کرن کی محمد علی سے تھی

اغیار کی گرفت سے امید مخلصی
شیخ اور برہمن کی محمد علی سے تھی

توحید کے اصول کی حرمت کے ساتھ ساتھ
زلت ہر اک وطن کی محمد علی سے تھی

حضرت مولانا محمد علی مولانا ظفر علی خاں صاحب کے ہم جماعت تھے طالب علمی کے زمانے سے دوستی تھی۔ لیکن جب ٹھن گئی، تو ایسی آنکھیں پھیر لیں کہ تم کون اور ہم کون وہ معرکہ آرائی ہوئی کہ دنیا حیرت میں پڑ گئی۔

یاد ہیں ہم کو وہ دن بھی کہ رئیس الاحرار
پا بہ زنجیر نظر آتے تھے زندانوں میں
آج وہ دن ہے کہ ہم دیکھ رہے ہیں ان کو

نائب السلطنتِ ہند کے ایوانوں میں
بخت برگشتۂ ملت انھیں لے ہی پہنچا
لارڈ اردن کی حکومت کے شاخوانوں میں
چائے کی ایک پیالی پہ وہ بیچیں ہم کو،
یہ بھی اک فصل ہے اسلام کے افسانوں میں

مولانا ظفر علی خاں صاحب مجلسِ احرارِ اسلام کے بانیوں میں تھے اور اس جماعت کے رہنماؤں میں شمار ہوتا تھا جب اس کے رہنماؤں سے اختلاف پیدا ہوا تو زندگی بھر جاری رہا احرار کو اس بیدردی سے کچلا جس کی وجہ سے کئی حادثے پیش آئے اور ایسی جلی کٹی سنائی کہ پناہ بخدا، احرار پر جو سورش کی ہے اور لگاتار حملے کئے ہیں وہ تاریخی سانحہ ہے سے

ہندوؤں سے نہ سکھوں سے نہ سرکار سے ہے
گلہ رسوائی اسلام کا احرار سے ہے
جو بوند مرے خون کی مہاجن سے بچی تھی
پنجاب کے احرارِ ستم پیشہ نے چوسی
اللہ کے قانون کی پہچان سے بیزار
کافر سے موالات، مسلمان سے بیزار
اس پر ہے یہ دعویٰ کہ ہیں اسلام کے احرار
احرار کہاں کے یہ ہیں، اسلام کے غدّار
بے گانہ ہیں بدبخت، یہ تہذیب عرب سے
ڈرتے نہیں، اللہ تعالیٰ کے غضب سے

مل جائے حکومت کی وزارت کسی ڈھب سے
سرکار مدینہ سے نہیں ان کو سروکار
پنجاب کے احرار

مولانا ظفر علی خاں کی نظم و نثر سے غضب آلود ہو کر کسی بہانشئے نے گمنام خط میں مولانا کو قتل کی دھمکی دی ہے۔ اس پر مولانا نے جو نظم لکھی اس کے چند شعر یہ تھے ؎

اے کفر کے خنجر نکل آ اپنی کمین سے
ہر وقت میں حاضر ہوں مجھے شوق سے کر قتل
میری بھی پیمبر کی طرح سے یہ تمنا
ہوتا رہوں رہ رہ کے ادھر زندہ ادھر قتل
بھارت کی فضا گونجے گی اسلام کی جے سے
جس دن خبر آئی کہ ہوا آج ظفر قتل

مولانا ظفر علی خاں صاحب خوشامدیوں اور ابن الوقت لوگوں کے سخت مخالف تھے اس قماش کے لوگ آپ کی قلم کی زد میں آتے رہتے تھے۔ چنانچہ ملک عمر حیات خاں ٹوانہ جو انگریزوں کے بڑے حامی تھے ان کے بارے میں لکھتے ہیں ؎

ملتی رہی جن کو ہمارے لہو کی بھینٹ
ہیں اس صنم کدے کے صنم سر عمر حیات
انگریز ہی کے غم سے نہ جب مل سکے نجات
کیا کھائیں اپنی قوم کا غم سر عمر حیات
گر شیوہ اس ذلیل خوشامد کا چھوڑ دیں

ہم پر کریں بڑا ہی کرم سر عمر حیات

نادر اور اچھوتے قافیے لانے اور ان کی برجستگی کے ساتھ کلام میں کھپانے میں مولانا ظفر علی خاں کو ید طولیٰ حاصل تھا۔ مولانا اسی میدان میں چابکدست شہسوار تھے۔ انھوں نے مشکل سے مشکل قافیوں پر طویل نظمیں کہہ کر قافیے تنگ کر دئے۔ مولانا کو اپنے اس فن پر فخر اور ناز تھا۔

نوا سنجان دہلی کو صلائے عام دیتا ہوں
کہ داد فکر دیں ان قافیوں میں ان ردیفوں میں

اچھوتے اور نادر قوافی مولانا کس طرح استعمال کرتے تھے۔ ملاحظہ ہو سائیمن کے ساتھ ڈھائی من کا قافیہ

سواگت ہے زر لالا سائمن کا
سٹھیا آتے ہی گولا ڈھائی من کا

اکبر الہ آبادی نے ۱۹۰۸ء میں دو شعر کہے تھے جس کا مطلع یہ تھا۔

پکالیں پیس کر دو روٹیاں تھوڑے سے جَو لانا
ہماری کیا ہے بھائی، ہم نہ مسٹر ہیں نہ مولانا

اسی زمین میں مولانا ظفر علی خاں صاحب نے نو شعر کی نظم کہی ہر قافیہ اپنی سنگینی اور معنی آفرینی کی شہادت دے رہا ہے۔

زمیں سنگلاخ اکبر نے کیسی منتخب کی ہے
کہ مشکل ہو گیا اس میں قوافی کو نبھو لانا

چلی لندن سے اک آندھی چمن برباد کرنے کو
غضب ہے اس میں کرزن کا بگولا بن کے بولانا

چڑھا کنڈری کا پاری تو اپنے ممبر پر
کہاں ہیں آپ مولانا جو تھے بالفضل مولانا
بھلا آ کر اس بت نے حنا کاری کی سیکھی
اور اس پریم سے کہتا ہے وفاداری کی بولانا
سجایا کفر کو جس نے حسن وفا تاک کی صورت
اسی دریا کی ہاں اے ناخدا پھر اک مدد لانا
حریم مصطفیٰ کے بام و در جس سے فروزاں ہیں
مرے اجڑے قبرستاں میں اسی مشعل کی ضو لانا
صلاح الدین نے فصل صلیبی جس سے کاٹی تھی
وراثت اسی ہلال لڑکی منہ گام درد لانا
کہیں سب چاہد واکے نعرے ستم کو نہ لرزا دل
لیا خون گرم ہے پہلے ہی اور اس کو نہ کھولانا

ماطور پر ان کی سیاسی و ادبی نوک جھونک اور یادگار دور کے لی معاصر ہندو اخبارات کے مالک و ایڈیٹر دل کھاشہ کھاشہ خوشحال چند ملاپ، لالہ لاجپت رائے نبدے کی لنلش دنت دیر بھارت وغیرہ سے ہوتے، مولانا سے ایڈیٹر نانک چند ناز کے کلام پر اعتراض کرتے، کبھی لیاں لگا لیتے، ناز صاحب اس کا جواب دیتے اور مولانا کی طرح طبع آزمائی کرتے اور سنگلاخ قافیوں پر کہنے کی تے تھے لیکن مولانا کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے، نانک چند ناز

سے ایک نظم لکھی جس کا ایک شعر تھا۔

زمیندار اور لائے گا کہاں سے قافیے چن کر
کہ جتنے قافیے تھے اس زمیں میں آگئے اتنے

مولانا نے نازصاحب کے جواب میں ایک طویل نظم لکھی جس کا ایک شعر یہ بھی تھا۔

نیاز نامہ ناز کی شانِ نوازش کے میں صدقے
بھلایا اپنے گھر کا قافیہ ہی شترِ بے نے

نازصاحب خاموش نہیں رہتے یہاں تک کہ وہ بھی ھی قنت سے سخافت پر اتر آئے تو مولانا کو بھی تاؤ آگیا۔ کہتے ہیں۔

ناز کی دھوتی اب آئی زنی اصلی جون میں
جوہر اس کا کھل گیا نارنگ کی نیلون میں

مولانا نے غزلیں نہ ہونے کے برابر کہی ہیں۔ اس لئے کہ مولانا کو عشق و محبت کی وادیوں سے گزرنا نہیں پڑا اور ان کا ذوقِ لطیف عشق و محبت سے آشنا نہ ہوا۔

ایک مرتبہ مولانا سے شورش کاشمیری نے دریافت کیا۔

مولانا آپ نے کبھی عشق بھی کیا ہے تو مولانا کھل کھلاکر ہنس پڑے شورش نے جب یہ سوال دھرایا تو مولانا قدرے سنجیدہ ہوگئے اور جواب دیا، لاحول ولاقوۃ یہ بھی کوئی سوال ہے۔

شورش:۔ عام شاعروں کے متعلق خیال کیا جاتا ہے کہ ان کی شاعری اسی طرح پروان چڑھتی ہے۔

مولانا پھر ہنسے اور زمیندار کے ورق الٹتے ہوئے فرمایا۔

محض بکواس ہے، چھوڑ دیا خرافات ہے لئے بیٹھے ہو، عشق کیا اور حسن کیا۔ وہ دل کی خرابی، یہ نظر کی رنجوری ہے۔

مولانا کی اس طبیعت و خصلت کے بعد عشقیہ شاعری کیسے ہو سکتی ہے چنانچہ مولانا نے ابتداء میں سات آٹھ غزلیں کہیں جس کا انداز و طرز یہ ہے ؎

بڑھا ہے آگے کو روز روشن، ہٹی ہے پیچھے کو رات کالی
بکھر گیا آسماں کا سبزہ، ہوئی ستاروں سے بزم خالی
نسیم صبح کو زبر دیا، جگا کے سورج کو چاند رو دیا
یہ نقش ہستی ہے اعتباری، کہیں جلالی کہیں جمالی
جدا ہے مقسوم اپنا اپنا، الگ ہے تقدیر اپنی اپنی
دیا ہے اس تنوع دلستاں نے کسی کو بوسہ کسی کو گالی
عطا کیا طبع نکتہ رس نے میرے قلم کو سخنوری میں
جمال ذوق، جلال احمد، زمیں نئی اور روش زالی

مولانا ظفر علی خاں کے کٹر دشمن بھی مولانا کے خلوص، نیک نیتی، اسلام دوستی اور حب الوطنی سے انکار نہیں کرسکتا تھا۔ شاعر مشرق علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

ظفر علی خاں کے قلم میں مصطفیٰ کمال کی تلوار کا بانکپن ہے انھوں نے مسلمانان پنجاب کو نیند سے جھنجوڑنے میں بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں

حضرت علامہ مولانا سید سلیمان ندوی کا ارشاد ہے۔

اردو ادب نے تین کامل الفن استاد پیدا کئے ہیں،
محمد رفیع سودا، اکبر الہ آبادی، ظفر علی خاں۔

امداد صابری

چوڑی والان، دہلی
۳۰ نومبر ۱۹۸۲ء

تالیف کی دقّتیں

میں نے جب بھی اپنی کسی کتاب کی طباعت کا خیال کیا، تو اس وقت پیسے کے اعتبار سے اپنی جیب کو خالی پایا ـــــ جن مشکلات میں میری کتابیں چھپی ہیں، وہ میرا دل ہی جانتا ہے میری کتابوں کی طباعت میں خداوند رب العزت کی مہربانیاں اور عنایتیں داخل ہوتی ہیں۔ جب بھی کوئی کتاب طبع ہوتی ہے، تو خداوند رب العزت کا شکریہ ادا کرتا ہوں

تاریخ صحافت اردو جلد چہارم کی جس زمانہ میں کتابت طباعت شروع ہوئی وہ بڑا پریشان کن زمانہ تھا۔ کاغذ بے پناہ مہنگا تھا آفسٹ کی چھپائی کی وجہ سے لکھنؤ کے کاتبوں کا کال تھا جو کاتب ملا انتہائی غیر ذمہ دار اور گھٹیا ملا چنانچہ اس جلد کا کاغذ انتہائی خراب تھا اور کتابت بھی انتہائی معمولی درجہ کی ہوئی لیکن جب طبع ہوگئی تو اس وقت بھی اللہ تعالیٰ کا شکر گزار رہا کہ اس

نے اتنی بڑی ضخیم کتاب چھپوادی۔

میرے کرم فرما جناب تنویر علوی صاحب کی عنایتیں ناقابل فراموش ہیں۔ اسی طرح سعید خاں صاحب کی ہمت افزائی بھی میری تصنیف و تالیف میں ممد ثابت ہوتی ہیں، یہ دونوں حضرات میری تصانیف کو قدرو منزلت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور دوسرے دلیا سے بھی قدرو منزلت کرانی چاہتے ہیں، چنانچہ تاریخ صحافت اردو کی جلد چہارم کی رسم اجراء کے لئے ایک کمیٹی کی تشکیل کی۔ جس کے ارکان حسب ذیل حضرات تھے۔

ڈاکٹر خلیق انجم، جناب ذہین نقوی صاحب، جناب مصطفیٰ راہی صاحب، جناب ساغر نظامی صاحب، جناب تنویر علوی صاحب، جناب بہار برنی صاحب جناب انگلن نجیب آبادی صاحب، جناب منیر احمد صدیقی صاحب جناب قمر رئیس صاحب اور جناب حسن ثانی صاحب،

اس کمیٹی کے کنوینر جناب تنویر علوی صاحب مقرر ہوئے

اس کمیٹی کی میٹنگ ہوئی جس میں تاریخ صحافت اردو کی جلد چہارم کی رسم اجراء کی تاریخ ۲۰ نومبر ۱۹۷۵ء مقرر کی، اور مقام اجراء غالب اکیڈمی بستی حضرت نظام الدین اولیاء نئی دہلی تجویز کیا، اور استقبالیہ کمیٹی کی تشکیل کی، جس کا صدر جناب کلدیپ نیر صاحب کو بنایا گیا۔ کتاب کی رسم اجراء کے ساتھ یہ بھی طے کیا گیا کہ میرے پاس اردو کے جو قدیم اردو کے اخبارات و رسائل ہیں اس کی بھی نمائش کی جائے، نمائش کے افتتاح کے لئے جناب ایل کے ایڈوانی صاحب وزیر نشر و اشاعت تاریخ صحافت اردو کی رسم اجراء جناب ہیم وتی نندن بہوگنا مرکزی وزیر

ہزولم اور اجلاس کی صدارت محبی جناب فضل الرحمن صاحب مقرر ہوئے اور مقررین میں جناب ڈاکٹر محمد حسن، ڈاکٹر قمر رئیس ڈاکٹر خلیق انجم، ڈاکٹر تنویر علوی، سید ضمیر حسن اور امداد صابری تجویز ہوئے۔

چنانچہ اس رسم اجرا کی اشاعت اطلاع دہی کے لیے جناب ڈاکٹر تنویر احمد علوی کنوینر نے حسب ذیل ابتدائی سرکلر ہند و پاک کے ادیبوں اور صحافیوں کو روانہ کیا۔

ڈیر دوستو!

مولانا امداد صابری کے علمی کاموں کا اعتراف کرنے والوں اور ... کی یہ تجویز ہے کہ مولانا موصوف کے گراں قدر علمی ... تاریخ صحافت اردو کی چوتھی جلد کی اشاعت ... خراج تحسین پیش کرنے کے لیے ایک فنکشن کیا جائے ... اردو صحافت کے تاریخی کردار پر سیمینار منعقد کیا جائے ... قدیم اردو خیالات کی نمائش کا بھی انتظام ... لانا کے ذاتی ذخیرہ کتب و نوادرات کے بہت

اس فنکشن کا مقصد اردو پریس اور صحافت کی ان تاریخی ... روشنی میں لانا ہے جو اس نے ہماری سماجی، تہذیبی ... زندگی میں انجام دی ہیں، یہ ایک تاریخی حقیقت ... نے قوم کی آزادی کی خاطر اپنی عزیز جانیں ... مولانا محمد باقر مدیر دہلی اردو اخبار آتش ہند اور

میں سے ایک ہیں جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں قومی باغیوں کا ساتھ دیا اور بہادر شاہ ظفر کی پوری طرح حمایت کی اور اس کی پاداش میں شہادت حاصل کی۔ اردو صحافیوں کی ایک بڑی تعداد آزادی کی قومی جنگ سرفروشانِ وطن کے ساتھ شریک رہی اور انگریز حکمرانوں کے ہاتھوں سخت سزائیں پائیں اور اذیتیں اٹھائیں۔

اردو صحافت ہماری پچھلی ڈیڑھ صدی کی قومی تاریخ کے نہایت اہم اور مستند ماخذ میں سے ہے۔ مختلف طبقات، اور مختلف خیالات کی ترجمانی اس کے ذریعہ سے ہوئی ہے۔ اردو اخبارات کے مطالعہ کے بغیر قومی جدوجہد کی کوئی تاریخ مرتب نہیں کی جا سکتی اور آزادیٔ وطن کی تحریک کے مراحل کو نہیں سمجھا جا سکتا

مولانا امداد صابری جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ ایک عوام دوست ایک انقلاب پسند اور ایک سیاسی رہنما ہی نہیں ہیں بلکہ ایک مفکر عالم اور ممتاز مصنف ہیں۔ انھوں نے خدمت اور خلوص کے گہرے جذبات کے ساتھ برسہا برس تک اردو زبان و ادب کی خدمت کی ہے، اپنے دل و دماغ کی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ مختلف محاذوں پر کام کیا ہے۔ وہ چالیس کتابوں کے مصنف ہیں۔ "تاریخ صحافت اردو" پر ان کا تاریخی کام ان کی ادبیات میں سے ہے۔ جس نے بڑے پیمانہ پر ہمارے نقادوں اور تحقیقی کام کرنے والوں پر ایسا اثر چھوڑا ہے، اس موقع پر اس کتاب "تاریخ صحافت اردو، جلد چہارم" کی رسم اجراء بھی عمل میں آئے گی، تفصیل پروگرام پیش کیا جائے گا۔ تنویر احمد علوی، کنوینر اجرائی تاریخ صحافت جلد چہارم

۲۱ ر ستمبر کا دن آگیا۔ مہمان بھی آنے شروع ہو گئے، وقت سے پہلے غالب اکیڈمی ہال بھرنا شروع ہو گیا۔

لیجئے ایڈوانی صاحب بھی آگئے۔ لال ربنی فیتے کو کاٹ کر انھوں نے اردو کے قدیم اخبارات ورسائل کی نمائش کا افتتاح کیا، ان کے ساتھ سب سے آگے راقم الحروف امداد صابری اور معززین شہر تھے، میں نے اخبارات ورسائل کو متعارف کرایا کہ یہ اخبار کس سن میں جاری ہوا، اور اس کی پالیسی کیا تھی، اخبارات ورسائل کی نمائش کے بعد لوگ آڈیٹوریم ہال میں پہنچ گئے۔

شرکاء جلسہ میں حسب ذیل حضرات تھے۔

جناب کلدیپ نیر صاحب، جناب ایل کے ایڈوانی صاحب، جناب سیم دت نندل شگفتہ صاحب، جناب فضل الرحمٰن صاحب، ڈاکٹر محمد حسن صاحب ریڈر شعبہ اردو جواہر لال نہرو یونیورسٹی دہلی و چیرمین یوپی اردو اکیڈمی لکھنؤ، ڈاکٹر تنویر احمد علوی صاحب ریڈر شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، جناب ڈاکٹر یوسف حسن خان صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، جناب قمر رئیس صاحب ریڈر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، جناب خلیق انجم صاحب جنرل سکریٹری کل ہند انجمن ترقی اردو، جناب عارف بیگ صاحب مرکزی وزیر کامرس، جناب عنوان چشتی صاحب ریڈر جامعہ ملیہ کالج دہلی جناب ظہیر احمد صاحب صدیقی ریڈر شعبہ اردو دہلی یونیورسٹی، جناب شمیم صدیقی صاحب لکچرار دہلی یونیورسٹی، جناب راجندر کمار گپتا ممبر دہلی میونسپل کارپوریشن جناب سنت - - - - - - - - - - - - -

رام نرسنل چیرمین اسٹینڈنگ کمیٹی دہلی میونسپل کارپوریشن، جناب
ایم گوپال کمشنر میونسپل کارپوریشن دہلی، جناب سید احمد صاحب نائب
امام جامع مسجد دہلی، جناب خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب، جناب عبدالوحید صدیقی
صاحب مدیر نئی دنیا، جناب شوکت فہمی صاحب ایڈیٹر دین دنیا دہلی
جناب مصطفیٰ رزمی صاحب مدیر ڈرامہ ہماری دہلی، جناب سلامت مہدی
صاحب ایڈیٹر عوام دہلی، جناب ناز انصاری صاحب ایڈیٹر الجمعیۃ
دہلی، جناب بہار برنی صاحب ایڈیٹر سہ روزہ الجمعیۃ دہلی جناب سید ہاشم
رضا عابدی صاحب مدیر اخبار نو دہلی، رامپور، جناب عرفان زاہدی
صاحب ایڈیٹر سیاست جدید کانپور، جناب رحمٰن نیر صاحب مدیر
ردولی دہلی، جناب پرواز رودولوی صاحب نائب مدیر بیباک دہلی
جناب وجاہت حسین صاحب نمائندہ پرتاپ دہلی، جناب گوپال متل
صاحب ایڈیٹر تحریک دہلی جناب ساجد صاحب مدیر بنیاد نئی دہلی
جناب مولانا اخلاق حسین صاحب جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند صوبہ دہلی
جناب گلزار زتشی صاحب جناب انگن نجیب آبادی صاحب جناب
رفعت سروش، جناب ذہین نقوی صاحب جنرل سکریٹری غالب
اکیڈمی دہلی اندر موہن سہگل ممبر میٹروپولیٹن کونسل دہلی جناب سعید
خاں صاحب کونسلر، جناب ارم قادری صاحب کونسلر جناب
قیام الدین صاحب کونسلر، جناب مولانا نعیم الدین صاحب کونسلر
جناب رنبیر دتہ صاحب کونسلر، جناب بیر بہادر سنگھ صاحب کونسلر
جناب واحد سحری صاحب جناب عزیز قادری صاحب جناب الیس
الیس اشرف مدیر محراب دہلی جناب قاری محمد میاں صاحب ایڈیٹر نوید

دلی جناب علی محمد صاحب شبر سوات متولی درگاہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ وغیرہ ۔

ہال بھرا ہوا تھا۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض ڈاکٹر تنویر علوی صاحب کے سپرد کئے گئے تھے۔ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کر کے پروگرام بنایا۔

اسٹیج کو پھولوں اور گلدستوں سے سجایا گیا تھا، اسٹیج کے سرئی پردے پر تاریخ صحافت اردو جلد چہارم مصنفہ مولانا امداد صابری کا بڑا بینر لگا ہوا تھا۔

جلسہ کی کارروائی شروع ہوگئی، قرآن مجید کی تلاوت کے بعد اڈوانی صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر شروع کی جو حسب ذیل تھی۔

صدر صاحب صابری صاحب، کلدیپ نیر صاحب اور بھائیو۔

میں جب میٹروپولیٹن کونسل کا چیرمین تھا اس وقت سے لیکر اب تک مولانا امداد صابری سے میری واقفیت و تعلقات ہیں لیکن میں اس بات کی شکایت کروں گا کہ اس بات کا مجھے کبھی علم نہ رہا کہ ان کے پاس اتنا بڑا خزانہ ہے جتنا کہ میں نے آج دیکھا ہے کیونکہ واقعی یہ خزانہ ہے جو میں نے ابھی یہاں نمائش کے روپ میں دیکھا ہے اور جس کا میں نے افتتاح کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا ہوں کہ کوئی اکیلا آدمی اتنی پرانی چیزوں کو اتنی حفاظت سے رکھ سکتا ہے۔ اگر میں یہاں نہ آتا تو اس بات کا اندازہ نہ ہوتا کہ اردو کے اخبارات کتنے پرانے ہیں۔ ان پرا

اخبارات کی نمائش کی کارروائی اخبارات میں آتی تو میں تھوڑا بہت پڑھ لیتا۔ لیکن اخبارات میں پڑھنے سے وہ اندازہ نہیں ہو سکتا جو خود دیکھنے سے ہوا۔

میں مولانا صاحب کو اس بات کی بدھائی دینا چاہوں گا اور اس کا ان کو ابھینندن کرنا چاہوں گا کہ انہوں نے اتنی محنت سے یہ خزانہ اپنے پاس رکھا جو اردو کے اخبارات کی تاریخ کو ہمارے سامنے اس روپ میں رکھتا ہے کہ اردو اخبارات کی تاریخ نرالی اور کافی پرانی ہے۔

آج بھی شاید ہم میں سے کچھ لوگوں کو جانکاری نہ ہو گی کہ اردو کے اخباروں کا نمبر ہندی کے اور انگریزی کے بعد تیسرا ہے سب سے زیادہ شاید ۳۲۰۰ اخبار ہندی میں چھپتے ہیں تقریباً ۲۵۰۰ اخبار انگریزی میں طبع ہوتے ہیں اور تقریباً ایک ہزار اخبار اردو میں اشاعت پاتے ہیں۔ جبکہ باقی زبانوں کے اخبار اپنے اپنے صوبوں میں شائع ہوتے ہیں، ان تینوں زبانوں کے اخبارات کی ذمہ داری سنٹرل گورنمنٹ پر ہے کیونکہ باقی زبانوں کے جو اخبارات ہیں ان کے بارے میں صوبہ کی جو جو سرکاریں ہیں وہ کچھ فکر کر سکتی ہیں۔ لیکن جہاں تک ہندی کے اخبار ہیں اور جہاں تک انگریزی کے اخبار ہیں، اور جہاں تک اردو کے اخبار ہیں جو سارے ملک میں پھیلے ہوتے ہیں ان کے بارے میں جوابدہی ہماری سرکار کی ہے اور میری منسٹری کی ہے۔

میں مولانا امداد صابری صاحب کو آخر میں اس بات پر بھی

مدعاتی وتبا صرل نہ وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اردو کے اخبارات
[illegible] تاریخ لکھی ہے اور آج اس کی چوتھی جلد ریلیز ہو رہی ہے
[illegible] صاحب کے جلسہ گاہ سے رخصت ہونے کے
بعد [illegible] صاحب رونق افروز ہوتے۔ آپ کا
شمار [illegible] کے اردو کے بڑے حامیوں اور پرستاروں میں
ہوتا ہے۔ کلدیب نیر صاحب بھی اسٹیج پر آ رہے ہیں۔ آج کل
[illegible] اور بہت پسند ہیں انھوں میں کلدیپ نیر کو
[illegible] ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے وہ انڈین [illegible] میں
[illegible] کے سربراہ رہ چکے ہیں اور آج کل
[illegible] اخبار [illegible] کا تعلق ہے اپنی صاف گوئی کی
[illegible] گئے اور [illegible] جب
میں آ [illegible] جو مختصر سی استقبالیہ صدر کی حیثیت
[illegible] تھی۔

[illegible] مختلف زبانوں میں جس طرح مختلف قومیں اور
[illegible] ہوتی رہتی ہیں، اسی طرح زبانوں کو بھی
[illegible] ہے۔ آج ہم جس زبان کے ایک
[illegible] کو خراج تحسین پیش کرنے یہاں جمع
[illegible] کی چند مظلوم زبانوں میں سے ایک
[illegible] ہوتے ہیں وہ دور بھی اس کی

[illegible] کی سب سے زیادہ بولی اور سمجھی

ہمارے دل اور ملک میں نسیم سحر سے زیادہ لطیف اور ماں کی شفقت
سے زیادہ پیاری اردو، آج ہر طرف سرپرستی کے لئے اپنا سر
جھکا رہی ہے وہ کسی کی حریف اور مدمقابل نہیں ہے وہ صرف
اس بات کی آرزو مند ہے کہ اسے اپنے ملک اور اپنے سماج
میں خدمت کا بھرپور موقع دیا جائے وہ یہ خدمت برابر انجام
دیتی رہی ہے، ادب کی کوئی صنف اور زندگی کا کوئی گوشہ
ایسا نہیں جس میں اس نے اپنی خدمت کا فریضہ ادا نہ کیا ہو۔
تعلیم، فنونِ لطیفہ، سائنس، ٹکنالوجی، شعر و ادب، سیاحت
عشرت، صحافت، غرض ہر صنف اور ہر شعبہ میں اردو کی خدمات
کا ایک طویل سلسلہ پایا جاتا ہے۔ آزادی کی لڑائی میں جتنی
خدمت اس زبان نے کی ہے اور جو قربانیاں اس کے صحافیوں
ادیبوں اور شاعروں نے دیں وہ اپنی جگہ ایک روشن حقیقت ہیں۔
ہاں آزادی کے بعد تعمیر کے دور میں اس زبان کو اپنا حق ادا
کرنے کا موقع ضرور نصیب نہیں ہوا۔ اور یہی اس ملک اور اس
زبان کی بڑی مظلومیتوں میں سے ایک ہے۔

ہندوستان کی تحریک آزادی اور یہاں کی اردو صحافت کا
چولی دامن کا ساتھ رہا ہے اور میرے دوست مولانا امداد صابری
صاحب ہم سب کی طرف سے خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں
کی اردو صحافت کی تاریخ جیسے اہم موضوع پر ایک انسائیکلوپیڈیا
مرتب کر دی ہے۔ آج اسی کی چوتھی جلد کا رسم اجرا ادا کر کے ہم
ایک عظیم کوشش کی نقاب کشائی کر رہے ہیں، میرا خیال ہے

کہ یہ اس پورے برصغیر میں اپنی نوعیت کی دوسری اور اپنی جامعیت اور ہمہ گیری کے لحاظ سے پہلی اور ہندوستان میں تو یقیناً پہلی کوشش کی ہے۔ کتاب کا موضوع اتنا ہمہ گیر ہے کہ اس کے لئے دراصل ایک اکیڈمی کی ضرورت تھی اور انجمن ترقی اردو، اور اردو بورڈ جیسے اداروں کا کام تھا کہ وہ اس موضوع کو ہاتھ میں لیتی بہرحال مولانا صابری ہم سب اہل ملک کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے اس مشکل موضوع کا انتخاب کیا اور اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ ان کی یہ کوشش یقیناً ہر طبقے کی طرف سے سراہی جائے گی اور ان کا یہ جمع کیا ہوا مواد آئندہ کے لئے قیمتی حوالے کا کام دے گا۔

میں اس امر کو بھی اردو زبان کی جوہری توانائی اور صلاحیت کی ایک، در علامت سمجھتا ہوں کہ اس انگریز کے دور میں اس میں جو لٹریچر پیدا ہوا اور جگہ جگہ ادب عالیہ کے جو شہ پارے تیار ہو گئے وہ شاید ان حالات میں کسی اور زبان میں مشکل ہی سے دستیاب ہوں گے۔ کاش اس زبان کی اپنی سرزمین سے اجنبیت کے دائرے کچھ اور کم ہو جائیں تو ہمارا یہ ملک یہ محسوس کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس زندہ زبان کی خدمت سے محروم رہ کر ہم سب نے نہیں اس کا بلکہ اپنا ہی نقصان کیا تھا۔

ہر چند کہ دلی، بہار، یوپی وغیرہ میں اسے بہت پہلے سرکاری حیثیت دے کر روزگار سے جوڑ دیا جانا چاہئے تھا جو کہ اس کی بقا اور ترقی اور نشوونما کے لئے ضروری تھا، اب

جبکہ نئے حالات میں اور جمہوریت وسیکولرازم کا ایک صحیح تصور ابھرا ہے اردو کو کم سے کم یوپی اور دلی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا جانا چاہیئے۔

میں آپ حضرات کا ذاتی طور پر شکر گزار ہوں کہ آج آپنے اس مفید تعمیری کوشش کو خراج تحسین ادا کرنے کے لئے یہاں تکلیف فرمائی اور میں متوقع ہوں کہ مولانا امداد صابری کی اس محنت سے نئے مصنفین کی کافی حوصلہ افزائی ہوگی۔

کلدیپ نیر صاحب کی اس تقریر کے بعد جناب سچوگیا صاحب نے خود اپنی خواہش کا یہ اظہار فرمایا کہ انھیں دوسرے مقرروں سے پہلے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جائے اس لئے کہ انھیں جلد اور کہیں جانا ہے چنانچہ ان کی اس خواہش کا احترام کیا گیا۔

انھوں نے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

ماتاؤں، بہنوں اور دوستو!

میں آپ کا انتہائی مشکور اور ممنون ہوں کہ بہت خاص موقع پر اردو ادب کے ایک بہت بڑے علمبردار کی شان میں ہونے والے اس جلسہ کے سلسلہ میں آپ نے مجھے چند الفاظ کہنے کا موقع دیا مولانا کی ادبی دنیا کی حیثیت میں   کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کی طرح ہے، اس لئے اس سلسلہ میں میں کچھ مبالغہ کہنے کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا، بڑے اونچے قد کے انسان ہیں۔ ایمان پر ڈٹے رہنے والے انسان ہیں، لمبے عرصہ سے قوم اور دلیش کی

خدمت کرتے آئے ہیں۔ ادبی دنیا میں ان کا اپنا ایک زبردست مقام
ہے اور ان کی زندگی کی ساری علمی روشنی کتابوں کی سرخی / کتابوں کے
متنوں میں سیاہی سے پھیلی ہوئی ایک مسلسل لمبی کہانی ہے۔ اس کے سلسلہ میں
اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ اردو ادب کا اتنا بڑا ذخیرہ اتنا بڑا سلسلہ دار
بہت علمیہ قیمتی سرمایہ جو ہر سب پرانا کے پاس اور ایک عرصہ سے ان کے خاندان
میں چلی آئی ہیں وہ باعث فخر ہیں نہ صرف ان کے لئے۔ ان کے خاندان
کے لئے۔ دلی کے لئے بلکہ سارے اردو ادب کے لئے اور ان سب کے
لئے جنہیں اردو ادب سے پیار ہے اور محبت ہے۔

میں اس موقعہ کو استعمال کیا چاہتا ہوں صرف دو چار باتیں
اردو کے سلسلہ میں کہنے کے لئے ایک عرصہ پہلے جب اتر پردیش کا ذکر
اٹھا تھا تب کبھی بار ایک صاحب نے یو پی اسمبلی کے اندر، ایوان کے اندر
اردو کے سلسلہ میں یہ کہا کہ آپ اردو کے پیروکار ہیں اور اردو کے سوال کو
کھڑا کر کے اتر پردیش کے لئے ایک پیچیدہ حالات پیدا کرنا چاہتے ہیں۔
ہمارے ملک میں بہت لوگ ہیں، خاص کر ہمارے جہاں ہندی زبان بولی
جاتی ہے۔ اس علاقہ میں وہاں کے لوگوں کو بڑا ڈر ہے کہ اردو مقابلہ کی
زبان ہے ہندی کے اور جو قومی زبان کا درجہ حاصل ہے ہندی کو
اس کے ساتھ اردو کا جھگڑا ہے تو پہلی بات تو یہ ہے کہ اردو کا جھگڑا
ہندی کے ساتھ نہیں ہے، اردو کا جھگڑا ناسمجھی کے ساتھ ہے۔ اردو
کا جھگڑا اسی ادب سے جنہیں ہے اور کوئی ادب اردو کو دبا بھی نہیں سکتا
ہے۔ اردو کی خصوصیت یہ ہے کہ ۱۹۴۷ء کے بعد خاص کر سوراج
سے ہندی بولنے والے علاقہ میں اردو کا پڑھنا پڑھانا لکھنا بھی

بند کر دیا گیا ہے۔ جب ہم پڑھتے تھے، جب ہماری عمر چھوٹی سی تھی تبھی پانچویں سے آٹھویں درجہ تک ہندی والے کو اردو، اور اردو والے کو ہندی سارے اتر پردیش میں پڑھائی جاتی تھی اور پنجاب کی چھوٹی بہن بھی جو اسکول تھے وہاں بھی یہ پڑھائی جاتی تھی لیکن سوراج کے بعد یہ بند ہو گیا۔

ایک اور بات، جب کچھ اردو کی طرف سے پیروی کرنے والے لوگوں نے اتر پردیش کی سرکار کے اس وقت کے تعلیم کے وزیر ڈاکٹر سمپورنانند جی کی میں بڑی عزت کرتا ہوں اور سب معاملات میں جن کے ساتھ میری رائے بہت ملتی تھی جب ان کو ایک خط لکھا اردو کے سلسلہ میں کہ آپ جو کر رہے ہیں، اس کے معنی تو یہ ہیں کہ بیس یا پچیس سال کے بعد اردو بالکل ختم ہو جائے گی نام ہی رہ جائے گا، تو سمپورنانند جی نے جواب تو ایسا ایمانداری کا دیا، چونکہ میں اس بات کو ٹھیک سمجھتا ہوں کہ سرکار کے من میں جو ہے وہ صاف صاف کہے یہ بات بہت غلط ہے کہ کہے کچھ اور کرے کچھ تو سمپورنانند جی نے جواب لکھا کہ جی ہاں آپ بالکل ٹھیک سمجھے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ ہندی بالکل پھیل جائے اور اردو کو لوگ بالکل بھول جائیں، اس لئے ہم نے پڑھی کو اردو کے قریب جانے نہیں دینا چاہئے لیکن اردو کو کوئی ترازو پر دیکھیے، سوراج کے بعد تو میں کہہ سکتا ہوں کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہندوستان میں جتنے اخبار ڈیلی، رسالے اور اردو کے سلسلہ کا لٹریچر ہے سوراج کی لڑائی جیتنے کے بعد ہندوستان کے اندر اردو وہ صرف اردو ادب کے ماننے والوں کی ہمت اور سمجھداری کی وجہ سے ہے

شاید سرکار کی مخالفت کے بعد کوئی زبان ٹک نہیں سکتی، لوگوں کا خیال یہ ہے کہ اردو نے ثابت کر دیا ہے کہ اگر زبان میں طاقت ہے، اس کا انداز اور غضب کا انداز، قوم اور ملت کے لئے مناسب ہے، اس کے لئے مناسب ہے تو پھر کوئی دبا نہیں سکتا اور اردو اس بات کا ثبوت ہے ہندوستان میں آج تک زندہ موجود ہے، اس بات کا ثبوت ہے کہ نہایت جاندار بات ہے جس کو سرکار کی دوستی اور دشمنی نہ فائدہ کر سکتی ہے نہ نقصان کر سکتی ہے۔ سرکار کو یہ بات رکھنی چاہیے۔

دوسری بات جو سرکار کو سمجھنا چاہیے وہ یہ ہے کہ اتر پردیش میں اگر دو زبانیں ہو جائیں گی تو غضب ہو جائے گا، ہریانہ میں اگر دو زبانیں ہو جائیں گی تو غضب ہو جائے گا۔ سوئزرلینڈ اتنا چھوٹا سا ہے جس کی آبادی دلی سے بھی کم ہے، وہاں فرنچ بھی ہے، جرمن بھی ہے اور سوئس بھی ہے اور وہ تو برباد نہیں ہوا۔ اتنا بڑا اتر پردیش اور بہار صرف دو زبانوں کے بوجھ سے برباد ہو جائے گا، سمجھداری کا دیوالہ ہے۔ میں تو ایسا مانتا ہوں کہ اردو ہندوستان کی زبان ہے اور جو کوئی اس بات کے پیچھے اردو کے سلسلے سے صاف بات نہیں کرتا اور یہ نہیں مانتا کہ بہار میں، اتر پردیش میں، مدھیہ پردیش کے بہت سے علاقوں میں مدراس [illegible]، ہمارے راجستھان میں، پنجاب میں اور پنجاب کے بہت سے بھائی یہاں بیٹھے ہیں ان سے بہت ادب سے کہنا چاہتا ہوں، ہریانہ اور پنجاب دونوں کے دونوں اردو سے دوستی نہ رکھیں تو بڑا بیچارہ احسان ان کو جتانا اردو کا ہے۔ جب پنجابی صوبہ بنانے کا جھگڑا چلا اور ہریانہ کو الگ بنانے کا چلا تو ساری لڑائی آپ کی اردو نے لڑی

لڑائی جیتنے کے بعد خادم کو سمجھنے والا نامعقول مالک ہوتا ہے، صوبہ بنانا چاہیے تھے پنجابی کا، صوبہ بنانا چاہتے تھے ہندی کا، لڑائی رہی اردو اور جب بن گئے صوبے تو کوئی اردو، اور رہ گئے آپ اور ہم تو خدا کے لئے بھلائی انسانیت کے لئے اس دلہن کی ادب کے لئے اور اس دلہن کی بھلائی کے لئے، اور اس دلہن کے تمدن کے لئے

اردو ایک سنگم ہے۔ جس سنگم سے آپ ہندوستان کی صورت کو عرب ملکوں میں بھی سنوار سکتے ہیں۔ اردو میں بڑی عجیب طاقت ہے اس میں عربک بھی ہے، پرشین بھی ہے میں نے حال میں کہا ہے ایران کے لوگ آئے تھے ان سے بھی اور عراق گیا تھا۔ وہاں بھی کہا۔ جب ہندوستان کے ساتھ اس کا میل جول ہوا تو ایسی طاقتور چیز بن گئی، جسے وہ خود نہ بنا سکے ہماری ہندوستان کی جنگِ آزادی کا سب سے بڑا نعرہ اور ہر آدمی کا نعرہ انقلاب زندہ باد ہے، یہ عربک اور پرشین کی شادی ہندوستان کے میدان میں ہو گئی۔

یہی نہیں ہمارے ملک میں یہ جو اردو ہے اس کا جنم ہندوستان میں ہوا کسی علاقہ میں ہوا۔ اس کو اگر یہاں سے بے گھر کیا گیا اپنے وطن سے اگر بے گھر ہو گئی اردو کے ساتھ زیادتی ہو گی اور کوئی اسے کر نہیں سکتا یہ تو پچھلے تیس سال کی بات ثابت ہو چکی کچھ لوگ اب بھی کونوں میں جو لوگ دل کو دل کہنا نہیں چاہتے جو دل میں دیکھنا نہیں چاہتے تو ان سے میری کوئی ہمدردی نہیں ہے اور نہ میں سمجھتا ہوں ان سے کوئی جھگڑا کرنے کی ضرورت ہے جو دل میں نہ دیکھے اس سے لڑنے کے لئے، اور جانور ہوتے ہیں جو لڑا کرتے ہیں، اس لئے اردو کے

سلسلے سے جنتا پارٹی کو بھی دماغ معاف کرنا پڑے گا، کچھ لوگ مجھے یہ کہتے ہیں جنتا پارٹی میں کئی رائے ہیں ہاں، یہ بات سچ ہے، کئی دماغ نہیں کئی رائے ہیں۔ لیکن بڑے کندھے پر میرا سر ہے میں نے نہ تو اندرا گاندھی کے زمانہ کو قبول کیا کہ اس کا سر اور میرا کاندھا اندرا ب قبول کرتا ہوں کہ کسی اور کا سر اور میرا کاندھا، تو میں نے اپنے سر میرا اپنے کاندھے کو رکھ کر، داد دیتے اس بڑے خادم کو جس کو آپ نے عزت دی ہے ان کو ایسا مانتا ہوں کہ اس بزرگ کی قلم اور ان کی ساری کوشش اور ساری محنت سے اردو ادب کو چار چاند لگیں گے اور ان کا ذخیرہ اردو اور ہندوستان دونوں کی عزت کو اونچا کرنے میں مددگار ہوگا۔ ان لفظوں کے ساتھ میں مولانا کو ان کے کام کے لئے بہت بہت مبارکباد دیتا ہوں، مبارک باد دیتا ہوں اور آپ صاحبان کا شکریہ کہ آپ صاحبان نے مجھے موقع دیا میرے خیالات کو اجاگر کرنے کا۔

جوگن صاحب کے بعد فضل الرحمٰن صاحب نے تقریر شروع کی آپ نے میرے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

میں مولانا امداد صابری کا شکریہ ادا کرتا ہوں یہ میرے پرانے دوست ہیں۔ انھوں نے نیتاجی سوبھاش چندر بوس پر چار پانچ کتابیں تالیف کی ہیں ان کے علاوہ انھوں نے جو خدمت اردو ادب کے ذریعہ ملک اور قوم کی کی ہے اس کو کوئی بھلا نہیں سکتا میں امید کرتا ہوں کہ مولانا صابری تصنیف و تالیف کے کام کو آخری دم تک جاری رکھیں گے، تاریخ صحافت کی یہ ضخیم جلدیں ان کو زندہ جاوید

رکھیں گی اور یہ ان کا تاریخی کارنامہ کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا ۔

ڈاکٹر خلیق انجم جنھوں نے اس تقریب کو کامیاب کرنے کے لیے کافی دلچسپی لی تھی آپ مائک پر آئے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا ۔

میں مولانا صابری صاحب کی علمی خدمات سے ہمیشہ غیر معمولی طور پر متاثر رہا ہوں ، مولانا صاحب کے علمی کام کی اہمیت اور وسعت کا اندازہ مجھ کو خاص طور پر اس وقت ہوا ، جب غالب کے مکتوبات کے سلسلہ میں کام کر رہا تھا بعض شخصیتوں سے متعلق تفصیلی معلومات مجھ کو مولانا صابری کی تصانیف سے ملیں جن کی تلاش و تجسس میں کافی دنوں سے پریشان رہا ۔

ڈاکٹر قمر رئیس صاحب نے اپنی تقریر میں کہا ۔

علمی کاموں کے لئے جس لگن ، جس لگاؤ جس جذبہ اور خلوص کی ضرورت ہوتی ہے اور جس کے بغیر شاید کوئی بڑا اعلیٰ کام انجام نہیں پا سکتا ، اس عہد میں مولانا امداد کی شخصیت کو اس کا مثالی نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے ۔

جناب ڈاکٹر محمد حسن صاحب نے تاریخ ادب اردو کی علمی دلی اور تحقیقی گوشوں کی تکمیل کے لئے اخبارات و رسائل کی علمی اہمیت پر روشنی ڈالی ، اور اس ضمن میں مولانا امداد صابری کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کیا جس سے ہندوستان و پاکستان کے اہل علم فائدہ اٹھاتے ہیں اس سے وہ لوگ

جو مولانا کو صرف ایک سیاسی لیڈر اور قومی رہنما کی حیثیت سے جانتے ہیں وہ فی الحمد اس سے واقف ہوئے کہ جو علم و ادب کی دنیا میں مولانا کے کام کا کیا مقام اور درجہ ہے۔"

ڈاکٹر تنویر علوی صاحب نے مولانا امداد صابری کی سیاسی ادبی اور تاریخی کاموں پر روشنی ڈالی اور ان کی تصنیفات تاریخ جرم و سزا، فرشتوں کا جال، تاریخ صحافت اردو، تاریخ صحافت، ۱۸۵۷ء کے مجاہد شعرا، دہلی کی یادگار ہستیاں، دہلی کے قدیم مدارس و مدرس، دہلی صدیقی برادری کی شخصیتیں، حجاز مقدس کے اردو شعرا، جنوبی افریقہ کے اردو شاعر، اور داستان شرف کا ذکر کیا، کہ مولانا نے انوکھے موضوع پر اپنا وقت صرف کیا ہے یہ ان کی خصوصیت ہے کہ اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں جس پر کسی نے کام نہیں کیا ہو۔

اس اجلاس کی کارروائی ہندوستان و پاکستان کے اخبارات نے شائع کی اور تاریخ صحافت اردو کے کام کو سراہا، ہندوستان کے مشہور و معروف کثیر الاشاعت اخبار سیاست جدید کانپور مورخہ ۲۳ ستمبر ۱۹۶۰ء صفحہ اول پر پہلی سات کالمی سرخیاں لگا کر خبر شائع کی ۔۔۔ کی عظمت اور اس کی جاودانی اس تلخ حقیقت سے ۔۔۔ تک جارحانہ حملوں کی تاب رکھ کر آج بھی زندہ ہے ۔۔۔ وجود کا لوہا منوا رہی ہے (سجو گنا کا اظہار خیال)

دوسری سرخی ۔

کروڑوں لوگوں کے قلب و نظر میں بسی ہوئی اس شیریں زبان کو پورے شمالی ہند کی دوسری سرکاری زبان قرار دیا جائے ۔

تیسری سرخی ۔

شمالی ہند میں اردو کو جان بوجھکر اس کا جائز مقام نہیں دیا گیا اردو کے حقوق کےلئے وسیع پیمانہ پر منظم تحریک شروع کی جائے

ذکلدیپ نیرّ

چوتھی سرخی :۔

اردو ملک کی تیسری سب سے بڑی اور مقبول عام زبان ہے

وزیر نشریات اشاعت اندر دانی کا اعتراف

پانچویں سرخی :۔ اردو صحافت کی جلد چہارم کے اجراء کے موقعہ پر تقاریر،

دہلی :۔ ۲۴ ستمبر گذشتہ روز غالب اکیڈمی دہلی میں اردو زبان کے معروف مصنف مولانا امداد صابری ڈپٹی میئر دہلی، کی یادگار تصنیف تاریخ صحافت اردو جلد چہارم کی رسم اجرائی اس موقع پر ڈیڑھ سو سال قبل کے نادر و نایاب اخبارات و رسائل کی نمائش کا افتتاح مرکزی وزیر نشریات و اشاعت مسٹر اندر کمار گجرال کے ہاتھوں ہوا۔

" تاریخ صحافت اردو جلد چہارم کا اجراء مسز سیم دتی نندن بہوگنا نے کرتے ہوئے فرمایا کہ انتہائی افسوس کی بات ہے کہ آزادی کے بعد اردو کو نقصان پہنچا کر ہندی کو فروغ دینے کا صحیح مقام حاصل نہیں ہوا ۔ اردو ایک زندہ جاوید اور لافانی زبان ہے ۔ حکومت اور سیاست والوں کے سخت حملوں کے بعد بھی یہ زبان آج بھی

زندہ ہے اور اس کا وجود قائم ہے مسٹر بہوگنا نے اردو کو سیکولرازم اور سوشلزم کی ایک زندہ جاوید علامت اور حقیقت بتاتے ہوئے اتر پردیش کے سابق وزیر اعلیٰ ڈاکٹر سمپورنا نند کے درمیان ۱۹۵۰ء کے آس پاس ہونے والی خط و کتابت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر سمپورنا نند نے اپنے ایک خط میں اس حقیقت کا اعتراف کیا تھا کہ اتر پردیش حکومت اردو زبان کو دبا کر ہندی زبان کو سرفراز و بلند کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

مسٹر بہوگنا نے اردو زبان کی مقبولیت اور اس کی سخت جانی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا اردو کے ساتھ ہونیوالی ناانصافی اور حملوں کے باوجود اردو کو کوئی ختم نہیں کر سکا، محبت اور پیار کا درس دینے والی یہ شیریں زبان آج بھی زندہ ہے اور تا ابد زندہ رہے گی، خواہ اس پر کیسے ہی حملے کیوں نہ ہوتے رہیں، مسٹر بہوگنا نے پورے شمالی ہندوستان میں اردو زبان کو دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے تسلیم کئے جانے کے بنیادی اسباب کو ثابت کرتے ہوئے اسے زبان اور دوسری سرکاری زبان کا مرتبہ دئے جانے کا مطالبہ کیا کہ یہ زبان اس علاقہ میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔"

" اس موقع پر منعقد کی گئی نادر و نایاب اخبارات و رسائل کی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات مسٹر لال کرشن ایڈوانی نے فرمایا کہ وہ سرکاری اشتہارات کے دیے جانے کے سلسلہ میں اردو اخبارات کے ساتھ کئے جانے والے کسی امتیازی برتاؤ کو برداشت نہیں کریں گے۔ مسٹر ایڈوانی نے کہا کہ

شائع ہونے والے اخبارات ورسائل میں اردو زبان کے اخبارات اور رسائل کو تیسرا مقام حاصل ہے جس سے اس زبان کی مقبولیت کا اندازہ بہ آسانی ہو سکتا ہے انھوں نے بتایا کہ ملک میں ہندی زبان میں تین ہزار دو سو اخبارات و رسائل شائع ہوتے ہیں انگریزی زبان میں ڈھائی ہزار اور اردو زبان میں ایک ہزار اخبارات و رسائل کی اشاعت ہوتی ہے۔ مسٹر اندر دالی نے بتایا انگریزی و ہندی کی طرح اردو زبان بھی مقبول عام زبان ہے اور ملک کے کافی علاقوں میں بولی جاتی ہے انھوں نے یقین دلایا حکومت کی پالیسی کے تحت اردو اخبارات و رسائل کا پورا پورا تحفظ کیا جائے گا۔ اور ان کے ساتھ کسی قسم کا سوتیلا پن نہیں ہونے دیا جائے گا اور ایسے مواقع نہیں آنے دے جائیں گے کہ انھیں کسی طرح سے نظر انداز کیا جا سکے۔

مرکزی وزیر اطلاعات و نشریات نے ڈیڑھ سو سال قبل کے نادر و نایاب اردو اخبارات کو محفوظ رکھنے کے لئے مولانا امداد صابری صاحب کو زبردست مبارک باد پیش کی۔

کلدیپ نیّر:۔

صدر مجلس استقبالیہ کلدیپ نیّر نے اردو کے جائز مقام کے حصول کے لئے منظم اور وسیع پیمانہ پر تحریک چلانے اور احتجاج کی ضرورت پر زور دیا۔

وزیر کامرس عارف بیگ، میر دلی خواجہ حسن ثانی، ڈاکٹر محمد حسن ڈاکٹر تنویر علوی، ڈاکٹر ظہیر صدیقی، مسٹر ذہین نقوی اور مولانا امداد صابری نے بھی تقریریں کیں۔

رامپور کے قومی جنگ اخبار نے بھی ۲۴ ستمبر ۱۹۷۷ء کے شمارے میں پہلے صفحہ پر سات کالمی سرخیاں لگا کر اس اجلاس کی کارروائی چھاپی۔

پہلی سرخی :-

اردو اتنی جاندار زبان ہے کہ اسے سرکاری سطح پر بھی مٹانے کی کوشش ناکام رہی اور آئندہ بھی ایسی کوشش ناکام رہے گی، بہوگنا

دوسری سرخی :-

اردو اخبارات کی تعداد یہ ثابت کرتی ہے کہ یہ زبان ریاستی اور علاقائی حدود سے نکل کر پورے ملک میں ہر دل عزیز ہے (اڈوانی)

تیسری سرخی :-

عوامی اقتدار کے دوران اردو کا مسئلہ اب اس منزل پر آ گیا ہے کہ اردو کے لئے طاقت اور [illegible] کا حق استعمال کرنا پڑے گا۔ (کلدیپ نیّر)

چوتھی سرخی :-

[illegible] عظیم الشان [illegible] مولانا امداد صابری کی قلمی نگارشات پر دہلی [illegible] رام [illegible]

نئی دہلی — یہ اعتراف [illegible] کیا گیا ہے کہ یہاں اردو دوستوں اور [illegible] زبان [illegible] عظیم الشان [illegible] کو خطاب کرتے ہوئے مرکز کے [illegible] ہیم وتی نندن بہوگنا نے کہا کہ اردو ایک ایسی جاندار [illegible] ہے۔ اگرچہ اس کو سرکاری سطح پر بھی ختم کرنے اور [illegible] کوشش [illegible] وہ آج بھی قائم اور زندہ ہے۔ بلکہ

ہیں تو یہ کہوں گا کہ جس قدر اس کی مخالفت کی گئی اسی قدر یہ زبان اپنی ہر دل عزیزی میں اضافہ کرتی ہی ہے

شری سیھو گلشن نے جنتا پارٹی کا نام لے کر کہا کہ کسی بھی پارٹی یا فرد کی زندگی، سیاست یا مصلحت ہو سکتی ہیں ا پنے جسم پر خود اپنا سر رکھتا ہوں اور اپنے ہی ذہن سے کسی معاملہ میں فیصلہ کرتا ہوں لہذا کل تک نہ تو اپنے ذہنی فیصلوں میں مجھے تبدیلی ملے گا نہ دھی کو دخل قبول کیا ہو گا اور نہ آج کسی کا دخل منظور کروں گا، لہذا اردو کے مسئلہ میں میرا ہمیشہ سے ایک ذہن رہا ہے اور وہ یہ کہ یہ زبان کسی ایک فرقہ، کسی ایک فرد یا کسی ایک صوبہ کی نہیں ہے بلکہ یہ زبان خود ہمارے اپنے دیش ہندوستان کی پیداوار ہے اور اس زبان کو اس ملک میں پھیلنے پھولنے آگے بڑھنے اور ہر سطح سے اپنا حق مانگنے کا اختیار ہے۔

مرکزی وزیر نشر و اشاعت شری کے ایل ایڈوانی نے اس اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میں وزیر اطلاعات و نشریات ہونے کے باعث یہ جانتا ہوں کہ ہندی اور انگریزی کے بعد ہندوستان میں تیسرے نمبر پر اردو کے اخبارات و رسائل ہیں یہ اردو اخبارات یا ان کی اشاعت کسی ایک علاقہ یا صوبہ تک محدود نہیں ہے بلکہ یہ تعداد علاقہ اور صوبائی حدود سے نکل کر پورے ملک میں جگہ جگہ سے شائع ہوتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اردو پڑھنے والوں کی تعداد پورے ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور اس طرح یہ اردو زبان کو ملک کی تیسری سب سے بڑی زبان ثابت کیا جا سکتا

ہے۔

یہ تقریب برصغیر کے ایک عظیم صحافی اور مصنف مولانا امداد صابری کی تصنیف تاریخ صحافت اردو کی چوتھی جلد کے اجراء کی غرض سے مولانا صابری صاحب کے مداحوں اور عقیدتمندوں کی جانب سے منعقد ہوئی تھی۔

اس تقریب کی مجلس استقبالیہ کے صدر اور عالمی سطح کے عظیم انگریزی اخبار نویس شری کلدیپ نیر جنکی اخبار نویسی کی ابتداء اردو اخبار نویسی سے ہوتی تھی۔ انھوں نے اس موقعہ پر اپنے خطبۂ استقبالیہ میں یہ فرمایا۔

"آج نہیں تو کل بہر حال یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی اور ہمیں ماننا پڑے گا کہ اردو ایک ایسی دلکش زبان ہے جو ختم کرنے کے باوجود ملک میں باقی رہے گی۔"

مرکزی سرکار کے ریاستی وزیر جناب فضل الرحمن صاحب، جو اس اجتماع کے صدر تھے انھوں نے اردو کے تاریخی پس منظر اس کی اہمیت، مقبولیت اور ہر دل عزیزی پر ایک طویل تقریر فرماتے ہوئے کہا کہ کسی زبان کے لئے حکومت اور سرکار کی سرپرستی ضروری نہیں ہوتی۔ جبکہ خود زبان میں اپنی طاقت ہوتی ہے کہ وہ اپنے پھیلاؤ اور ہر دل عزیزی کے باعث قائم اور زندہ رہتی ہے جیسے کہ اردو، ہزار زبردستی اور مخالفت کے باوجود زندہ اور قائم ہے اور یہ ہمیشہ اسی طرح آگے بڑھتی رہے گی۔

اس تقریب کے اصل روح اور اردو صحافت کے عظیم فنکار

جن کی علمی نگارشات اور صحافی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لئے یہ اجتماع ہوا تھا۔ مولانا امداد صابری نے اجتماع کے اختتام پر تقریر کرتے ہوئے کہا "اردو کو مٹانے والے خود مٹتے ہیں اور مٹتے رہیں گے ۔ لیکن اردو ہر حال میں اور ہر دور میں رہی اور رہے گی ۔ ان شاء اللہ ۔ یہ ہمارے ملک کا ، ہمارے سماج کا اور ہمارے معاشرے کا ایک عظیم سرمایہ ہے ۔"

بتلایا گیا ہے کہ اس تقریب کے تمام معزز مقررین مرکزی وزیر پیٹرولیم شری ہیم وتی نندن بہوگنا ، وزیر اطلاعات ونشریات ایل جی کے ایڈوائزر ریاستی وزیر تجارت جناب فضل الرحمن صاحب انگریزی روزنامہ انڈین ایکسپریس کے نگرانِ اعلیٰ شری کلدیپ نیر دیگر مقررین نے مولانا امداد صابری ڈپٹی میئر دہلی میونسپل کارپوریشن جو پچاس سے زیادہ اردو کتابوں کے مصنف ہیں اور برصغیر میں اردو صحافت کی تاریخ کی چوتھی جلد مکمل کرنے کے بعد پانچویں جلد کی تصنیف میں مصروف ہیں ان کا ذکر کرتے ہوئے ان تمام لائق وزراء اور محترم مقررین نے ان کی شخصیت اور ان کی خدمات جلیلہ کو ملک کا ایک عظیم سرمایہ بتلایا اور ان کی علمی کاوشوں کو طرح طرح سے خراجِ تحسین پیش کیا ۔"

یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ مولانا امداد صابری کے پاس قدیم اردو اخبارات اور حد یہ ہے کہ غیر منقسم ہندوستان میں چھپنے والا پہلا اخبار سے اب تک کے اخبارات کا جو نادر و نایاب ذخیرہ ہے انہیں اس موقعہ پر غالب اکیڈمی میں جلسہ گاہ سے متصل ایک حصہ میں نمائش

کے طور پر عوام کو دکھلانے کے لیے ایک جگہ جمع کیا گیا تھا جس نمائش کا افتتاح اسی موقع پر مرکز کے وزیر اطلاعات و نشریات شری ایل کے اڈوانی نے کیا، اور یہ فرمایا کہ انھوں نے آج تک اردو اخبارات کے ایسے نایاب اور قدیمی شمارے نہیں دیکھے جس کا اس احتیاط سے محفوظ رکھنا اور نئی نسلوں کو قدیم اردو صحافت سے اس طرح متعارف کرانا دراصل مولانا امداد صابری صاحب کی ایسی خدمات جلیلہ ہیں کہ جس کی جس قدر تعریف کی جائے وہ کم ہے۔ نیز یہ کیا ہے کہ غالب اکیڈمی کے وسیع ہال میں سیکڑوں دانشوروں کے اس اجتماع میں مختلف ادبی، علمی اور سماجی اداروں کی جانب سے مولانا امداد صابری کی اردو ادب کی خدمات کے صلہ میں گل پوشی کی گئی۔

ہندوستان و پاکستان کے اردو اخبارات نے اس اجلاس کی کارروائی شائع کی تھی، جن کی کٹنگ میرے پاس محفوظ ہیں، ان کے شائع کرنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا۔ جو تقریریں آپ نے مقرروں کی پڑھی ہیں وہی ان اخبارات میں ہیں، اس لیے اخبار سیاست جدید کانپور اور اخبار قومی جنگ رامپور کی خبروں پر اکتفا کیا گیا۔

تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کی تیاری میں نے جلد چہارم کے چھپنے سے پہلے کر دی تھی، اپنے والد ماجد حضرت العلامہ مولانا شرف الحق صدیقی و قادری کے کتب خانہ کے اخبارات و رسائل پر لکھنا شروع کر دیا تھا، جن کا تعلق جلد پنجم سے تھا۔

جنتا پارٹی کے امیدوار کی حمایت کے سلسلہ میں جلسوں میں تقریر کرنے کے لیے میں ۱۸ فروری ۱۹۷۸ء کو حیدرآباد دکن گیا

چھ سات روز وہاں کے علمی و ادبی و صحافی لوگوں سے بھی ملاقات کی ۱۳؍ فروری کو ادارہ ادبیات اردو کی لائبریری کی کتابیں دیکھنے کے لئے گیا۔ اس میں پرانے اردو کے اخبارات، مخطوطات، قدیم طرز کے اور شاہان مغلیہ کے فرمان بھی تھے ان کو دیکھا اور جناب محمود رضا صاحب سے بھی ملاقات کی انھوں نے اپنے دولت کدہ پر میری دعوت کی اور اپنی لائبریری کی کتابیں بھی دکھائیں، اس میں سے مجھ کو حسب ذیل رسائل پسند آئے وہ انھوں نے مجھکو عنایت فرمائے ہے۔

۱۔ زنجیر۔ دہلی، مارچ اگست ۱۹۲۴ء

۲۔ سوز و ساز دہلی۔ جنوری و فروری ۱۹۲۴ء

۳۔ چادر، ڈھاکہ، جنوری تا دسمبر ۱۹۲۳ء

۴۔ نقاد آگرہ۔ جنوری تا مئی ۱۹۱۳ء

تاریخ صحافت جلد پنجم کو میں نے حضرت مولانا ظفر علی خاں کے نام نامی سے معنون کرنے کے فیصلہ کیا تھا، اس جلد کے لئے مجھکو حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب کے حالات زندگی درکار تھے، میں ان کے حالات زندگی کے حاصل کرنے کے لئے اپنے والد ماجد حضرت العلامہ مولانا شرف الحق صدیقی قادری کے کتب خانہ کی کتابوں کی فہرست دیکھی، نذیریہ لائبریری دہلی، ہارڈنگ لائبریری دہلی، دہلی کالج لائبریری اور مسجد فتحپوری لائبریری دہلی کی کتابوں کی فہرستوں کا معائنہ کیا۔ دہلی کے علمی و ادبی حلقے کے لوگوں سے دریافت کیا۔ کسی کے پاس بھی مولانا ظفر علی خاں صاحب کے متعلق کوئی معلومات نہیں تھی سب نے

ہی نفی میں جواب دیا۔ جناب عبداللہ فاروقی صاحب مدیر خاتون مشرق دہلی نے حضرت مولانا ظفر علی خاں کی شاعری پر ایک مقالہ لکھا تھا وہ انھوں نے مجھکو عنایت کیا۔ اس سے میری تشفی نہیں ہوئی، جو معلومات میں چاہتا تھا وہ اس میں نہیں تھی۔

خاص طور پر میں اس کام کے لئے اور اپنے عزیز و اقارب سے ملنے کے لئے ۷ ر جولائی ۱۹۷۰ء کو لاہور و کراچی کے لئے بذریعہ ریل روانہ ہوا۔ ۸ ر جولائی ۱۹۷۰ء کو مال روڈ پر فیروز سنز کے ہاں سے سرگزشت (رسالک) مولانا ظفر علی خاں مولفہ محمد اشرف عطا اور تاریخ ادب عربی تین کتابیں خریدیں اور ادارہ ادبیات انارکلی سے مولانا ظفر علی خاں مولفہ ڈاکٹر غلام حسین بھی خریدی

۱۵ر ۱۶ر جولائی ۱۹۷۰ء کو ڈاکٹر احسان دانش صاحب کے ہاں رہا۔ ان کے پاس رسائل کا اچھا خاصہ ذخیرہ تھا اگرچہ پرانے رسائل نہیں تھے ان میں کے کچھ رسائل کے نام یاد رہ گئے وہ یہ تھے۔

۱۔ تہذیب الاخلاق امرتسر جمادی الثانی ۱۳۲۹ھ
۲۔ شوق لاہور ۱۹۱۴ء
۳۔ تاج حیدرآباد دکن جنوری ۱۹۱۳ء
۴۔ صحیفہ اہل حدیث صدر بازار دہلی جنوری ۱۹۲۶ء
۵۔ انوار الصوفیہ لاہور جنوری ۱۹۱۳ء
۶۔ مخزن الفوائد، حیدرآباد دکن (جمادی الاول ۱۲۹۱ھ)
۷۔ کہکشاں لاہور، جنوری ۱۹۱۹ء
۸۔ الناظر، لکھنؤ، فروری ۱۹۱۷ء

۹۔ حسن نظیر آباد، اکتوبر ۱۹۱۵ء
۱۰۔ جام جمشید لاہور مارچ ۱۹۳۰ء
۱۱۔ ہمایوں لاہور مارچ ۱۹۲۸ء
۱۲۔ مذاق سخن دہلی فروری ۱۹۰۴ء
۱۳۔ ارمغان دہلی جون ۱۹۳۰ء
۱۴۔ زمانہ کانپور ستمبر ۱۹۲۹ء
۱۵۔ رسالہ اردو، اورنگ آباد جولائی ۱۹۲۶ء
۱۶۔ دور جدید مخزن لاہور مارچ ۱۹۲۸ء وغیرہ

احسان دانش صاحب کے ہاں دو روز تک پچاس سے زائد رسائل سے استفادہ کیا اور تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کے لئے ان سے اخذ کیا آٹھ روز لاہور رہنے کے بعد، ۲ر جولائی ۱۹۸۰ء کو کراچی کے لئے روانہ ہوگیا۔

کراچی میں جناب ایوب قادری صاحب، مشفق خواجہ صاحب ابوسلمان شاہجہانپوری، یوسف بخاری صاحب اور مولانا حامد علی قریشی صاحب وغیرہ سے ملاقاتیں ہوئیں۔

۲۴ر جولائی ۱۹۸۰ء کو مولانا حامد علی قریشی صاحب کے دفتر انجمن حمایت الاسلام نیوٹاؤن میں پہنچا، خیریت معلوم کی، جب میں وہاں سے چلنے لگا تو مولانا قریشی صاحب نے مجھ کو پاکستان کی حسب ذیل مطبوعہ کتابیں عنایت فرمائیں۔

۱۔ تراجم علماء حدیث ہند، مولفہ ابویحیٰ امام خاں نوشہری
۲۔ یاد ایام، مولفہ مولانا

۳۔ خیدبادیں ، مولفہ خواجہ جمیل احمد صاحب
۴۔ یادِ رفتگاں ، مولفہ علامہ سلیمان ندوی صاحب
۵۔ حیاتِ طیبہ مولفہ مرزا حیرت دہلوی
۶۔ انجمن مولفہ سید رحیب الدین صاحب
۷۔ اردو میں نعتیہ شاعری، مولفہ ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق
۸۔ رسالہ بلاغ امرتسر مارچ ۱۹۳۴ء
۹۔ تاریخ مدینہ مولفہ مولانا عبدالمعبود صاحب

خیدبادیں اور انجمن میں حضرت مولانا ظفر علی خاں صاحب کے حالات درج تھے ان سے اور رسالہ بلاغ امرتسر سے تاریخ نعت اردو جلد پنجم کے لئے ضروری معلومات نقل کیں اور مولانا ظفر علی خاں صاحب کے حالاتِ زندگی تحریر کئے۔

۲۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو جناب ایوب قادری صاحب رسالہ سودمند بدایوں فروری ۱۹۳۶ء مجھکو دے گئے تھے اس میں رسائل و اخبارات پر تبصرہ چھپا تھا ان کو نقل کیا۔

۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو غالب لائبریری میں گیا ، اس کے سکرٹری مرزا ظفر الحسن صاحب سے ملاقات ہوئی ، اس لائبریری کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مختلف مشہور شخصیتوں کے نمبر اور رسائل کے مخصوص نمبر ہیں ، اس میں مخزن لاہور زمانہ کانپور وغیرہ کے بھی فائل ہیں ، میں وہاں دو ڈھائی گھنٹے رکا اور تاریخ نعت اردو جلد پنجم کے لئے معلومات نقل کیں۔

میرے عزیز الحاج حافظ منظر احمد صاحب صدیقی مالک جنرل لوٹ

ہاؤس کراچی کی بھی مختصر سی اچھی لائبریری ہے ان کو مطالعہ کتب کا شوق ہے جناب خواجہ حسن نظامی صاحب سے ان کے مراسم تھے انھوں نے ان کو "خوش منظر" کا خطاب دیا تھا۔ منظر صاحب کو علمی معلومات کافی ہے۔ ان کی لائبریری کی کتابوں کو میں نے دیکھا تھا تو اس میں حسب ذیل رسائل تھے۔

۱۔ شمع، چوڑی والان دہلی۔ ربیع الثانی جمادی الاول ۱۳۴۴ھ
۲۔ الہلال دہلی مارچ ۱۹۲۳ء تا نومبر ۱۹۲۳ء
۳۔ شمع آگرہ۔ جنوری ۱۹۲۵ء
۴۔ گل کدہ، بریلی، اپریل ۱۹۲۵ء
۵۔ خطیب، دہلی، مارچ ۱۹۲۱ء
۶۔ بہارستان لاہور جون ۱۹۲۶ء تا نومبر ۱۹۲۶ء
۷۔ رسالہ مشاعرہ، فرخ آباد، فروری ۱۹۳۰ء تا نومبر ۱۹۳۰ء

میں نے ان رسائل کا دو تین روز تک مطالعہ کیا، واپس کرنے لگا تو انھوں نے واپس نہیں لیے۔ بلکہ مجھ کو یہ کہہ کر دے دیے کہ یہ آپ کے مطلب کے ہیں اس لئے آپ کی نذر ہیں، میں نے شکریہ کے ساتھ وصول کرلیے۔

مولانا محمد سلیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کے حالات زندگی میں حضرت العلامہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے مناظرہ مابین پادری فنڈر کی روداد اسعد الاخبار آگرہ سے نقل کرنے کے لئے ۸ دسمبر ۱۹[illegible]ء آگرہ گیا۔ شعیبیہ کالج کی لائبریری میں کچھ سال ہوئے اسعد الاخبار آگرہ کے فائل میں نے دیکھے تھے۔

شیعیہ کالج کی لائبریری کو دیکھ کر انتہائی رنج و افسوس ہوا۔ اس میں بڑا علمی خزانہ ہے، باہمی مقدمہ بازی کی وجہ سے یہ نوبت پہونچ گئی کہ اس کی کتابوں کو دکھانے والا کوئی لائبریرین نہیں ہے نہ دن میں کسی وقت کھلتی ہے، بے توجہی کی وجہ سے پرانے اخبارات و کتابیں دیمک کی نذر ہو گئیں۔ ماسٹر سلیم صاحب کے پاس اس لائبریری کی چابیاں رہتی ہیں، کوئی کتابیں دیکھنے کے لئے آتا ہے تو اُن کو بلا یا جاتا ہے اور یہ لائبریری کھول کے کتابیں دکھاتے ہیں۔

چنانچہ میں بھی ۰ار دسمبر ۱۹۸۰ء کو اصغر جمالی صاحب کے ساتھ شیعیہ کالج گیا۔ ماسٹر سلیم صاحب کو بلوایا گیا ان کے ہمراہ میں بھی لائبریری پہنچا۔ ایک ڈیڑھ گھنٹہ میں حسب ذیل رسائل کا مطالعہ کیا اور مفید مطلب کی عبارتیں نقل کیں۔

۱۔ آئینہ، الٰہ آباد اگست ۱۹۲۲ء
۲۔ عندلیب، خورجہ فروری ۱۹۲۵ء
۳۔ حور، کلکتہ جون ۱۹۲۴ء
۴۔ سہیلی لاہور، اپریل ۱۹۳۰ء
۵۔ بچوں کا اخبار جنوری ۱۹۲۲ء
۶۔ چاند۔ الٰہ آباد جنوری ۱۹۳۰ء

جب کبھی کسی کتاب یا اخبارات و رسائل کے دیکھنے کی مجھکو ضرورت ہوتی تو میں نذیریہ لائبریری پہاڑی بھوجلہ دہلی میں چلا جاتا تھا جب سے اس لائبریری میں بد انتظامی شروع ہو گئی، کوئی آدمی کتابیں دکھانے والا نہیں رہا تو میں نے وہاں جانا بند کر دیا۔ اور تیموری پبلک

پڑھنا شروع کردیا۔ اس میں پرانی کتابوں کے علاوہ پرانے اخبارات و رسائل بھی ہیں۔

میں ۲۲ دسمبر ۱۹۵۸ء کو دن کے ۹ بجے فتحپوری پبلک لائبریری گیا۔ اس میں جن اخبارات و رسائل کا مطالعہ کیا وہ یہ تھے:۔

۱۔ معارف اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۱۶ء تا دسمبر ۱۹۵۸ء ۴۲ سال کی فائل
۲۔ نگار آگرہ، لکھنؤ، جنوری ۱۹۲۲ء تا مارچ ۱۹۳۳ء
۳۔ نیرنگ خیال لاہور جنوری ۱۹۲۵ء تا اکتوبر ۱۹۳۳ء
۴۔ ہمایوں، لاہور، اپریل ۱۹۲۲ء تا جنوری ۱۹۴۱ء
۵۔ انوار الاسلام سیالکوٹ، مئی ۱۹۰۵ء تا اپریل ۱۹۰۶ء
۶۔ زمانہ کانپور، جنوری ۱۹۱۷ء تا دسمبر ۱۹۳۳ء
۷۔ ساقی، دہلی، جنوری ۱۹۳۰ء تا جنوری ۱۹۵۱ء
۸۔ البیان لکھنؤ، محرم ۱۳۲۴ھ تا ربیع الثانی ۱۳۲۷ھ
۹۔ مخزن لاہور فروری ۱۹۲۱ء تا اپریل ۱۹۳۲ء
۱۰۔ صدائے عام دہلی جنوری ۱۹۲۷ء تا فروری ۱۹۳۰ء
۱۱۔ علی گڑھ میگزین علی گڑھ، جولائی ۱۹۲۵ء
۱۲۔ الندوہ لکھنؤ، جنوری ۱۹۱۱ء تا دسمبر ۱۹۱۲ء
۱۳۔ رسالہ سہیل امرتسر جنوری ۱۹۲۷ء تا دسمبر ۱۹۳۳ء
۱۴۔ رسالہ جامعہ دہلی اپریل ۱۹۲۷ء تا دسمبر ۱۹۴۸ء
۱۵۔ پیشوا دہلی ستمبر ۱۹۲۷ء تا ستمبر ۱۹۳۳ء
۱۶۔ ادبی دنیا لاہور فروری ۱۹۳۳ء تا جون ۱۹۳۵ء
۱۷۔ رسالہ چمنستان لاہور دسمبر ۱۹۳۰ء

۸ سورسند بدایوں جنوری ۱۹۲۷ء تا جولائی ۱۹۲۸ء

۹۔ رسالہ نیرنگ دہلی، اپریل ۱۹۳۰ء

۲۰۔ ضیاء القریش امرتسر جنوری ۱۹۳۰ء تا اگست ۱۹۳۱ء

۲۱۔ رسالہ سفینہ آگرہ اپریل، مئی، جون ۱۹۳۱ء

۲۲۔ اسلامی دنیا دہلی جون ۱۹۲۷ء تا مارچ ۱۹۲۸ء

۲۳۔ سرورش لاہور، مئی ۱۹۲۹ء تا جنوری ۱۹۳۰ء

ان رسائل سے میں نے تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کے لئے معلومات اخذ کیں۔

تاریخ صحافت اردو کی جلد پنجم کی تالیف تو تیار ہوگئی، اب دوسرا مرحلہ ہے اس کی کتابت و طباعت کا، اس مہنگائی کے زمانہ میں اتنا مہنگا کاغذ کس طرح خریدا جائے گا۔ کاتب صاحب کس قسم کے ملتے ہیں، صحیح قیمت سے کم قیمت پر کتابت فرما بھی دیں گے۔ یا گھر کے چکر لگوائیں گے، پریس والے پیسے ملتے ہیں، دبا بندار، یا جلد بانٹ، کاغذ تو غائب نہیں کردیں گے، بدلنا تو معمولی بات ہے اگر یہ بات نباہ میں آئی تو "حرف آخر" میں ان کا ذکر بھی کردیا جائیگا۔

ہم جیسے مؤلف و مصنف جو اپنی تالیفات خود چھپوا تے ہیں ان کی نکاسی بھی کرنی پڑتی ہے کم ہوں گے بعض ایسے بھی اللہ کے بندے ہیں جو شوق میں آکر اپنی تصنیف چھپوا لیتے ہیں فروخت کیسے ہو، کتاب کیسے نکلے، اس کی کوئی صورت نہیں نکلتی تو مفت ہی تقسیم فرمانے لگتے ہیں۔

مگر الحمد للہ تعالیٰ احقر ان مصنفوں میں سے نہیں ہوں

میری کتابوں کی مانگ ہے اور اچھے داموں میں فروخت ہوتی ہے
کسی رسالہ یا اخبار میں میں اپنی کتاب کا اشتہار نہیں چھپواتا، اور
نہ کسی رسالہ یا اخبار کو ریویو (تبصرہ) کے لئے اپنی کتاب بھیجتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا کرم اور مہربانی ہے، چھپنے کے دو تین مہینے کے
بعد پاکستان ہندوستان کے علمی ادبی حلقوں میں خود بخود میری
کتابوں کی شہرت ہو جاتی ہے۔ اور ضرورتمند شائقین بک سیلرز
سے طلب کرتے ہیں، وہ مجھ سے منگواتے ہیں۔

میری دو کتابیں نہیں البتہ تین کتابیں ایسی تھیں جن کے بارے
میں مجھ کو فکر تھی کہ چھپنے کے بعد فروخت ہو سکیں یا نہیں۔؟
وہ کتابیں دہلی کی یادگار ہستیاں، حجاز مقدس کے اردو شاعر
اور جنوبی افریقہ کے اردو شاعر تھیں۔

"حجاز مقدس کے اردو شاعر" تو اتنی مقبول ہوئی کہ دو تین
مہینے میں پاکستان میں آدھی سے زیادہ فروخت ہو گئیں۔ اور
ایک ہی سال میں ایک ہزار کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا، دوسرے سال اضافہ
کے ساتھ دوسرا ایڈیشن شائع ہوا۔

یہی حالت دہلی کی یادگار ہستیاں کی کم و بیش ہوئی، اسی
صورت سے۔ ہندوستان پاکستان میں تیزی کے ساتھ فروخت
ہوئی، کافی عرصہ سے پہلا ایڈیشن ختم ہو چکا ہے اب دوسرا ایڈیشن
غالباً جناب علاء الدین خالد صاحب مالک سندھ اردو اکیڈمی
کراچی چھاپیں گے، جنوبی افریقہ کے اردو شاعر کی مانگ چھپنے کے
دوسرے سال ہی جنوبی افریقہ سے ہوئی، ساڑھے تین سو کتابیں

وہاں گئیں۔ ڈیڑھ سو کے قریب مہینے ڈیڑھ مہینے میں ہندوستان اور ہیولی اڑلینڈ میں نصف کے قریب فروخت ہو گئیں۔

تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کی تالیف کے سلسلہ میں میں اپنے احباب جناب تنویر علوی صاحب، پروفیسر ایوب قادری، مشفق خواجہ صاحب مولانا حامد علی قریشی صاحب، بہار برنی صاحب، ناز انصاری صاحب، مولانا محمد منتظم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ مولانا عبدالملک مدنی صاحب کا بے حد ممنون و شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اپنے قیمتی مشورے دیئے اور رسائل و اخبارات و کتابیں عنایت فرمائیں و ہمت افزائی کی۔

تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کے لیے جن کتابوں، اخبارات و رسائل سے اخذ کیا گیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ مولانا ظفر علی حال، مولفہ اشرف عطا۔
۲۔ مولانا ظفر علی حال مولفہ ڈاکٹر غلام حسین
۳۔ ظفر علی حال مولفہ شورش کاشمیری
۴۔ چند یادیں مولفہ خواجہ جمیل احمد
۵۔ انجمن
۶۔ اخبار نویسوں کے حالات مولفہ منشی محمد دین فوق
۷۔ جدید شعرائے اردو
۸۔ صحافت پاکستان و ہند میں مولفہ عبدالسلام خورشید
۹۔ دہلی کی یادگار ہستیاں مولفہ امداد صابری
۱۰۔ مولانا محمد احسن نانوتوی مولفہ ایوب قادری

۱۱ - تاریخ صحافت اردو مولفہ امداد صابری

۱۲ - میرے زمانہ کی دلی مولفہ ملا واحدی

۱۳ عظمتِ رفتہ مولفہ ضیاء الدین برنی

۱۴ مضامین خطیب مولفہ ملا واحدی

۱۵ آزاد ہندوستان، دہلی فروری سنہ ۱۹۵۰ء

۱۶ رہنما مراد آباد مئی سنہ ۱۹۱۶ء

۱۷ میخانۂ درد مولفہ ناصر نذیر فراق دہلوی

۱۸ دکن میں اردو مولفہ مولوی نصیر الدین ہاشمی

۱۹ سخنورانِ دکن مولفہ سید [illegible] بخاری

۲۰ نیاز نمبر نگار پاکستان اپریل سنہ ۶۳ء

۲۱ مولوی عبدالحق غزنوی

۲۲ نمبر عصمت، کراچی علامہ راشد الخیری

۲۳ ادیب الہ آباد مئی سنہ ۱۹۱۲ء

۲۴ مدراس میں اردو مولفہ مولانا نصیر الدین ہاشمی

۲۵ مخزن لاہور نمبر نومبر سنہ ۱۹۰۵ء

۲۶ برکت اللہ بھوپالی

۲۷ مرقع، آگرہ، مارچ سنہ ۱۹۱۳ء

۲۸ بمبئی میں اردو، مولفہ ڈاکٹر میمونہ دلوی

۲۹ مشورہ آگرہ جولائی سنہ ۱۹۳۲ء

۳۰ شاعر، آگرہ جون جولائی سنہ ۱۹۳۶ء

۳۱ شاہد سخن، حیدرآباد دکن فروری سنہ [illegible]ء

۳۲ خم خانۂ جاوید مولفہ لالہ سری رام دہلوی
۳۳ آپ بیتی ، خواجہ حسن نظامی
۳۴ جائزہ زبانِ اردو ، انجمن ترقی اردو کل ہند
۳۵ تذکرہ شعراء جے پور مولفہ مولوی احتزام الدین
۳۶ تذکرۃ الخلیل مولفہ مولانا عاشق الٰہی
۳۷ تذکرۃ الرشید " "
۳۸ بہترین جہیز "
۳۹ سرگزشت مولفہ سالک
۴۰ بزم سخن گیا مارچ ۱۹۶۲ء
۴۱ ہندوؤں میں اردو ، مولفہ رفیق مارہروی
۴۲ رسالہ منشور لکھنؤ ، اگست ۱۹۶۲ء
۴۳ میسور میں اردو مولفہ محمد سعید
۴۴ مری حیات بے ثبات مولفہ
۴۵ سیرت مولانا محمد علی مونگیری مولفہ
۴۶ داستان ادب حیدرآباد مولفہ سید محی الدین قادری زور
۴۷ وصال الحبیل مولفہ
۴۸ روح صحابیت مولفہ امداد صابری
۴۹ یادوں کی برات مولفہ جوش ملیح آبادی
۵۰ سوغات دہلی سٹی ۱۹۶۷ء
۵۱ اردو کے ماند تارے مولفہ امیر حسن نورانی
۵۲ تاریخ نظم و نثر اردو مولفہ آغا محمد باقر

٥٤ نقوش لاہور شخصیات نمبر

٥٥ نقوش لاہور نمبر

٥٦ رفیق التعلیم لاہور جون ۱۹۱۷ء

٥٧ ریاست میسور میں اردو کی نشوونما مؤلفہ ڈاکٹر حبیب النساء

٥٨ حیدرآباد کے ادیب مؤلفہ زینت ساجدہ

٥٩ علم و آگہی کراچی نمبر ۱۹۷۰ء

٦٠ مسلم شعرائے بہار مؤلفہ حکیم احمد اللہ ندوی

٦١ سخن شعراء مؤلفہ مولوی عبدالغفور نساخ

٦٢ المشرق ۱۰ر مارچ ۱۹۱۰ء

٦٣ احسن القصص مؤلفہ نواب خواجہ احسن اللہ

٦٤ تاریخ ڈھاکہ مؤلفہ طالش بہنجرنگری

٦٥ جادو ڈھاکہ مارچ ۱۹۲۳ء

٦٦ تذکرۃ المعاصرین

٦٧ تاریخ داران مقدس فارسی

٦٨ تاریخ نصرت جنگ فارسی

٦٩ ڈسٹرکٹ گزیٹیئرس آف ڈھاکہ (انگریزی)

٧٠ اسلامی پنچایت ڈھاکہ مطبوعہ ۱۹۱۱ء

امداد صابری محلہ چوڑی والان دہلی

یکم اپریل ۱۹۸۳ء

سنہ ۱۹۱۱ء

احمدی

رسالہ نمودار ہوا۔ یہ رسالہ مولانا ثناء اللہ کے اخبار دہلی تلا یا بہرام خاں سے جنوری ۱۹۱۱ء کو یہ ماہانہ اہلِ حدیث امرتسر کے جواب میں اور اس کی مخالفت کے لئے جاری کیا تھا۔ جس کے بانی و سرپرست حکیم نورالدین صاحب تھے۔ جب اس رسالہ کے تین نمبر اخبار اہلِ حدیث کے دفتر میں پہنچ گئے اور مخالفانہ و معاندانہ نشان پائی تو اس رسالہ کا مختصر سا تعارف کرانے کے بعد اس کی مخالفانہ نوکتوں اور تحریروں کا جواب ۳۱ مارچ ۱۹۱۱ء کے اہلِ حدیث میں شائع ہوا۔

"حکیم نورالدین صاحب خلیفہ قادیان نے ایک نیا رسالہ مسمی "احمدی" جاری کرایا ہے جس میں خصوصیت سے تعاقبات کے جواب دینے کا اعلان کیا گیا ہے حکیم صاحب نے علاوہ خلیفہ ہونے کے اس رسالہ کی سرپرستی منظور کی ہے بلکہ ایک رقم خاص اس کی امداد کر جیب خاص سے عطا فرمائی ہے اس لئے ہمارا حق ہے کہ ہم اس رسالہ کو حکیم صاحب ہی کا سمجھا کریں کیونکہ ؎

رشتہ را با کار د نے در بند   کہ دہقان نادان کہ سگ پرورند

"اس رسالہ میں اہلِ حدیث کے جوابات کہاں تک دیئے گئے ہیں اس کا اندازہ تو خود حکیم صاحب ہی کر سکتے ہیں، ہاں اس بات کا اظہار کئے بغیر ہم نہیں رہ سکتے کہ گالیاں بڑے مزے کی دی جاتی ہیں کیونکہ اس کا ایڈیٹر کسی وجہ سے اس فن میں خاص ملکہ رکھتا ہے جس کا مقابلہ ہم نہیں کر سکتے اور اس کا ہمیں خود اعتراف ہے۔"

رسالے کے تین نمبر شائع ہو چکے ہیں پہلے نمبر میں اس نے مخالفین مرزا کو یہودی بنایا اور جس قدر آیات و احادیث یہودیوں کے متعلق ہیں وہ سب مخالفین مرزا مسلمانوں کے حق میں لکھی ہیں۔ حالانکہ اس کا فرض یہ تھا کہ پہلے مسیح موعود کی حقیقت تو ثابت کر لیتے پھر اس کے مخالفوں کی نسبت جو چاہتا کہتا۔ لیکن ایسا کرنا تو کارے دارد، اس کے حکیم صاحب نے تمام زور ایک نظم پر نکالا جس کا نام رکھا "ناصحانہ نظم" جس کے چند اشعار درج ذیل ہیں:

نہ اللہ اگر تجھ میں ہے کچھ شرم و حیا باقی
تو بول اٹھو اب تری ذلت میں ہے کیا رہ گیا باقی

جو تجھ میں آدمیت تھی وہ مدت سے گئی گزری
سوائے اک یہودیت کے ہے اب تجھ میں کیا باقی

کہاں کی افضلیت سو لعنت ہے لئے پھرتا
یہودوں میں نہ تجھ جیسے بہت سے تھے پارسا باقی

نہ کچھ باقی رہا علم و فضل و عقل و دانش سے
نہ تو ایماں کی تجھ میں رہ نہ زہد و اتقا باقی

جری اللہ کی تکذیب سے ثابت کیا تو نے

گردش امیدواروں کا ہے تو ہی اک رہا باقی
بہت نزدیک ہے اے غافل اب نقد رہا باقی
نہ دشمن ہی رہیں گے اور نہ ان کے اقربا باقی
خدا کا یا نبی کر خود کرے گا فیصلہ سارا
رہیں گے کب تلک نہ سے سجدہ ور دشتا باقی
نصیحت مان لے ناصح کی اے امرتسری نادان
اگر اسلام کی تیرے بدن میں ہے ردا باقی

منشی مولا بخش کشتہ امرتسری نے حکیم صاحب کی ؏ اس نظم کے جواب میں یہ نظم لکھی ہے جو - - - - - درج ذیل ہے

نشانِ شیخ چلی ہے مریدو اب ہے کہا باقی
نہ سارنگی ہی باقی ہے نہ اب ہے مرزا باقی
کہو وہ دن تھا جس نے کیا بے سر فرقوں کو
وہ داغ عشق سینے پہ رہا جس کے سوا باقی
نکاح آسمانی کے ہوئے الہام کو لاکھوں
لحد میں حسرتِ وصل آہ لے گیا باقی
اگر لے ہی مرسل استغفار در مغفرت ہوتے
بجز اس کی دو رویت کے پھر تو کچھ نہ تھا باقی
نہ پوری ہو سکی پیشین گوئی آج تک کوئی
مگر تب بلاعنہ نہ ہی ہے برابر ادعا باقی
سنا ہے پادری عبدالحق ؏ سے خفا اور ڈاکٹر جی سے
تیار دعا ہے یا زندہ یا کہ ہے اب مرزا باقی

؏ مولوی غلام علی امرتسری اور ڈاکٹر عبدالحکیم پٹیالوی

وقت کو نکالا ہے، جب جدید اسٹیٹ پریس کی بدولت بہت سے پرانے اخبارات بند ہو گئے اور ہوتے جا رہے ہیں مگر آپ کو پھر بھی وقت کی کامیابی کی امید ہے، اس کی لکھائی چھپائی کاغذ و مضامین وغیرہ ہر طرح لائق پسند ہیں۔"

تمدن محلہ چوڑی والان دہلی سے اپریل ۱۹۱۱ء کو یہ ماہنامہ وجود میں آیا۔ ۶۴ صفحات پر نکلتا تھا ایڈیٹر شیخ محمد اکرام اور محمد عبدالراشد الخیری تھے سالانہ چندہ قسم اول ساڑھے تین روپے اور قسم دوم ڈھائی روپے تھا قیمت فی پرچہ ساڑھے چار آنے تھی، تمدن پریس میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ معاشرتی، تمدنی، ادبی، فلسفی، اخلاقی، تاریخی اور علمی مضامین کا مخزن تھا اور مصور تھا۔ تمدن کے مقاصد میں زبان اردو کی خدمت کے علاوہ سب سے بڑا مقصد حقوق نسواں کی آواز مردوں کے کانوں تک پہنچانا اور تمدن میں نثر و نظم میں ایسے مضامین درج کرنا جو خواتین کے مطالعہ سے گزر سکیں۔

تمدن کے پہلے شمارہ اپریل ۱۹۱۱ء کے مضامین حسب ذیل تھے۔

۱۔ انتقریب۔ شمس العلماء ڈاکٹر مولوی حافظ نذیر احمد صاحب
۲۔ فقیر کی صدا۔ مولوی احمد علی صاحب شوق قدوائی لکھنوی
۳۔ تعدد ازدواج، شیخ محمد اکرام۔
۴۔ قند پارسی، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے، پی ایچ، ڈی
۵۔ تمدن کا اجرا۔ (ایڈیٹر)
۶۔ حیات بعد ممات، سید شوکت دہلوی۔

۷۔ اسلام - مولوی سید محمد مستحسن صاحب زیدی بی اے کیمبرج
۸۔ بھائی کا خط بہن کے نام :- سید سلطان حیدر جوش علیگ
۹۔ حبیب ابن مظاہر ، سید الشعراء خاں بہادر مولانا شاد صاحب
۱۰۔ مسز اور مس ایلیٹ کراسکل ۔
۱۱۔ عصر جدید - مولوی مرزا محمد ہادی صاحب عزیز
۱۲۔ ہر زمانے کے مورخ ، مولوی سید احمد دہلوی مولف فرہنگ آصفیہ
۱۳۔ نذر مسرت ، مولانا محمد سیف الدین نشاب
۱۴۔ خمیرہ - محمد عبدالراشد الخیری

شمس العلماء مولانا نذیر احمد صاحب کا ۱۹۱۱ء میں چل چلاؤ کا وقت تھا، صاحب فراش رہنے لگے تھے ، علامہ راشد الخیری صاحب رسالہ تمدن کے لئے مولانا نذیر احمد صاحب سے مضمون کی فرمائش کے لئے ۵ مارچ ۱۹۱۱ء کو پہنچے تو انھوں نے فرمایا۔

" میاں اب چل چلاؤ کا وقت ہے جو کرنا تھا وہ کرلیا اور جو لکھنا تھا وہ لکھ چکے ، شب و روز کی غذا چند چمچے دودھ کے رہ گئے ہیں "

چنانچہ شمس العلماء صاحب نے اپنے بھتیجے کے اصرار پر ایک مضمون التقریب دیا ۔ جو رسالہ تمدن کے پہلے شمارے اپریل ۱۹۱۱ء میں چھپا ، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں ۔

" مولوی عبدالراشد کے دادا میرے خسر تھے چونکہ میں خانہ داماد تھا مجھ کو ان کی کتابوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا تو کوئی کتاب عربی ، فارسی ، اردو کی نہ تھی ، جس پر مولوی عبدالخالق کا تخشبہ نہ تھا

یہاں تک کہ مثنوی بدر منیر جس سے مولوی صاحب کی وسعت معلومات کا ثبوت کافی ملتا ہے اور اس بات کا کہ اگلے بزرگ علم کو علم کے لئے سیکھتے تھے اسی طرح مولوی عبدالراشد نے جو کچھ سیکھا اپنے سے سیکھا۔ کیا ایسے شخص کا رسالہ تمدن جو وہ جاری کرنے والے ہیں تقریب کی قابلیت نہیں رکھتا۔؟

ہمارے خاندان میں ایک وقت وہ بھی تھا کہ میں ضلع اورئی میں بندوبست کا ڈپٹی کلکٹر تھا، چھٹی لے کر گھر آتا تو پہلے سے گھر میں خط لکھ بھیجتا تھا کہ میرے پرانے نیز بڑے بڑے نیوں تو اسٹیشن پر بھیجدینا کہ ان کو پہن کر میں ریل پر سے اتروں گا، یہ وہی تعصب تھا جس نے مولوی عبدالراشد کو وقتی تعلیم سبقاً سبقاً حاصل کرنے دی۔ مگر ان میں خدا داد مادہ تھا کہ انھوں نے انگریزی بھی سیکھ لی۔[۱]

تمدن جاری ہوا تھا۔ تو اس کا اپنا پریس تھا، پانچ سو روپے ضمانت کے سرکاری خزانے میں داخل کر دئے گئے جو پہلے سال ہی ضبط ہو گئے، اس زمانہ میں ترکوں سے اٹلی جنگ کر رہا تھا اور علامہ راشد الخیری کے کئی مضمون ترکوں کی حمایت میں شائع ہوتے تھے جس مضمون پر ضمانت ضبط کی گئی تھی اس کا عنوان تھا "طرابلس کی ایک صدا" اس کی ابتدا اس طرح ہوتی تھی۔

بے حمیتی تو شاید مگر بے ایمانی یقیناً ہو گی اگر ہم اس موقع پر اس کیفیت کا اظہار نہ کریں جو واقعات طرابلس سے دل پر گزری اور گزر رہی ہے جس زریادلی سے یورپ نے طرابلس میں اپنی بے ایمانی

---

[۱] نبر عصمت کراچی، جولائی ۱۹۶۴ء، سوانح عمری علامہ راشد الخیری

دغابازی اور مکاری کا ثبوت دیا ہے اس کی داد نہ دینا ستم ہے ہمارے مقدس نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بدنام کرنے والے اطالیہ والوں نے نہ صرف ہم کو بلکہ تمام دنیا کو یقین دلایا کہ یورپ میں آج بھی وہی وحشی بس رہے ہیں جو آج سے ہزاروں برس پہلے آباد تھے اور جو صفحہ تاریخ پر جانوروں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے۔ جنگ طرابلس نے اچھی طرح ثابت کر دیا کہ یہ تہذیب و تمدن کے مدعی انسان دنیا کے واسطے اتنے سودمند ہیں کہ اپنی محترم خواتین کو سر راہ دکانوں پر بٹھا کر لوگوں کو آوارگی کی طرف مائل کریں ورنہ ہمدردی بنی نوع انسان جو انسانیت کا سچا زیور ہے ان میں نام کو نہیں ہے۔"

پانچ سو روپے ضبط ہونے کے بعد مزید پانچ سو روپے قرض کرنے کا حکم ہوا، چنانچہ آپ نے اپنی والدہ کے دو مکان پانچ سو روپے میں رہن رکھے اور ضمانت داخل کی، یہ رہن سودی تھا چنانچہ سود بڑھتے بڑھتے قرض کی رقم سے دگنا ہو گیا جب اصل رقم اور سود کی رقم کی ادائیگی کی کوئی صورت نظر نہیں آئی تو بالآخر مکان فروخت کرنے پڑے، جس کا ذکر مارچ ۱۹۱۳ء کے تمدن میں ہے۔

"یہ تمام مصیبت اس شخص پر گزری تھی جس کے دوست تو درکنار رہا پہچان بھی معدودے چند ہی تھے نظر غور سے دیکھا تو کچھ بے جا نہ تھا صورت انسان سے کوسوں دور بھاگنے والا وحشی اس سزا کا مستحق تھا۔ تعلقات کے محدود دائرہ نے نکلنے کے سب بل نکال دیئے، واقعات نے ثابت کر دیا کہ کامیاب وہی ہیں، جو

فضائے عالم میں شہرت کے پردوں سے اڑیں، جھوٹے سچے دوست اچھے برے معتقد جان کے ساتھ ہوں عمر کا بڑا حصہ ملاقاتوں میں بسر ہو، دل میں اور زبان پر نعرۂ مذہب نہ اصول ہے جو موجودہ عالم اسلام کو چشم زدن میں مسخر کرے، تفکرات کا سلسلہ کسی طرح منقطع نہ ہوتا تھا۔ کہ تمدن کا زرِ ضمانت جس کا افسوس آج اظہار ہوتا ہے، از قسم تمام قریب پہنچا، یہ مطالبہ ایسا سخت تھا جس نے امیدوں کا خاتمہ کر دیا۔ مگر زبان سے نکلے ہوئے الفاظ واپس نہ آئیں گے اور یہ داغ قبر تک ساتھ رہے گا، المختصر تمدن کی زندگی باقی تھی اور خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج اس کو امراض سے پاک اور نقائص سے دور پاتا ہوں۔ البتہ ناظرین تمدن یہ سن کر ضرور رنجیدہ ہوں گے کہ ایک ایسی عزیز شے جو بزرگوں کی نشانی تھی تمدن پر قربان ہو گئی۔ مگر دماغ جب تک کام کے قابل ہے اپنے خبط میں منہمک رہے گا اور اس سے پہلے کہ موت ان ارمانوں کو پورا کرے اگر کان یہ سن لیں گے کہ تمدن کی زیادتی نے ایک عورت کی سچی زندگی سنوار دی تو عمر بھر کی محنت ٹھکانے لگی اور وہ یادگار اجداد جو قربان ہو چکی وصول ہو گئی، کامیابی معلوم، مگر دل اس خیال سے باغ باغ ہے کہ ایک وقت ضرور آئے گا کہ یہ خون رنگ لائے یہ سعی بارآور ہو اور ہماری مظلوم بیویاں اپنے گھروں میں سچ مچ کی ملکہ ہوں۔"

ضمانت کے روپے ضبط ہونے اور مکانات کے فروخت ہونے کے بعد ہو سکتا تھا کہ تمدن میں پھر کوئی ایسا مضمون شائع نہ ہوتا جو انگریزی حکومت کو ذرا بھی کھٹکتا مگر ایسا نہیں ہوا، طرابلس سے

بعد جنگ بلقان شروع ہوئی اور یورپ کی چار عیسائی طاقتوں نے
مل کر سلطنتِ عثمانیہ پر حملہ کیا اور ترکوں عربوں پر بے پناہ مظالم
ڈھائے اس وقت ممکن نہ تھا کہ علامہ   کا دل جو اسلام کے درد
میں ڈوبا ہوا تھا متاثر نہ ہوتا" ایک عرب سیدانی روضۂ اطہر پر، ترکی ماما
دو آسمانی تحفے شہید طرابلس جیسے پُر تاثیر اور درد انگیز افسانے
اور مضامین تمدن میں شائع ہوئے اور سنہ ۱۹۱۳ء میں کتابی صورت
میں چھپی بعنوان شہید مغرب اور روضۂ اطہر پر کی چند سطریں ملاحظہ ہوں
"کشتیٔ اسلام کے ناخدا عیسائیوں کی متفقہ طاقت اسلام پر حملہ آور
ہے اور ترک صرف اس لئے روضۂ اطہر کے محافظ ہیں اپنی جانیں لڑا رہے
ہیں، اے وہ مقدس روح (روحی فداہ) جس نے اخلاق عیال اللہ کی
تلقین ڈنکے کی چوٹ دی۔ اے وہ پاک رسول جس نے بھرے
مجمع میں حاتم کی لڑکی کو اپنی چادر اڑھا کر نامحرم نظروں سے بچایا، آج
تیری امت کی بیاہی ہوئی عورتیں اور کنواری لڑکیاں برہنہ کی جاتی
ہیں، ظالم تلوار بلند پکار رہے ہیں کہ کعبۃ اللہ اور مدینہ منورہ تاراج
کرنے ہیں، مسیحی دنیا ان کے ارادوں پر مرحبا کہتی ہے اور اس وقت
کی منتظر ہے کہ اسلام روئے زمین سے نیست و نابود ہو جائے"
سنہ ۱۹۱۳ء سے تمدن کی اشاعت میں بے قاعدگی ہونے لگی
تھی اور ہر ماہ اس سے نقصان ہو رہا تھا، تمدن حقوق نسواں پر
زور دے رہا تھا اسی قدر اشاعت گر رہی تھی سنہ ۱۹۱۲ء میں خریدار سات
سو کے قریب تھے سنہ ۱۹۱۵ء میں تین سو سے بھی کم، سوا چار سال جاری
رہ کر تمدن بند کیا گیا بلکہ علامہ   نے اپنے بچپن کے دوست

قاری عباس حسین صاحب کو دیدیا، چنانچہ قاری صاحب نے نومبر ۱۹۱۵ء
کا پہلا نمبر شائع کیا۔ اور وہ کئی سال تک لکھنؤ سے شائع کرتے رہے
تمدن کو دیتے وقت علامہ نے فرمایا تھا۔

"تمدن پہلا پرچہ تھا جس نے حقوق نسواں کی حمایت میں آواز
بلند کی اس وقت کوئی مردانہ پرچہ حقوق نسواں کا حامی قوم میں موجود
نہ تھا اور مجھے یقین کامل ہے آئندہ بھی دس بیس برس تک موجود
نہ ہوگا۔"

یہ رسالہ لکھنؤ سے دہلی آگیا دسمبر ۱۹۲۴ء تک تو جناب قاری
محمد عباس حسین صاحب نکالتے رہے چنانچہ اس رسالے نے اردو کو
ترقی دینے کے لئے جو کتابیں چھپوائیں اس کا ذکر دسمبر ۱۹۲۴ء
کے پرچے میں ہے۔

"اس موقعہ پر یہ عرض کر دینا غالباً بے مناسب نہ ہوگا، کہ
سالِ گذشتہ تمدن کے ذریعہ جو اردو کی خدمت کی گئی اس کے علاوہ
دفتر رسالہ تمدن نے حسب ذیل کتب شائع کی ہیں۔

تصانیف جناب قاری محمد سرفراز حسین صاحب، شاہد رعنا
سعید، سعادت، سزائے عیش، انجام عیش، سراب عیش، انیس
الغربا، احیاء ملت، دل کا عجائب خانہ، لطف زندگی، اول الذکر
چھ کتابیں قاری صاحب کے وہ اخلاقی ناول ہیں جن کی تعریف ہندوستان
کے مشاہیر نے کی ہے جناب قاری صاحب کی تصنیف کے علاوہ دفتر
رسالہ تمدن نے اسی سال ملک کے مشہور مصنف مصور غم علامہ راشد الخیری
کی دو تصانیف کے جدید ایڈیشن شائع کئے یعنی نوحہ زندگی اور سیدہ کا لعل

تمدن ہی کے ذریعہ سے ایک قابل اہلِ قلم جناب ضیا بالو صاحب کا ادبی دنیا میں اضافہ ہوا ادارہ ہم نے آپ کے قلم سے تین کتابیں انجام زندگی، فریب زندگی اور سرابِ زندگی شائع کیں ۔"

تاریخِ اسلام

جولائی ۱۹۱۱ء کو سیالکوٹ سے یہ رسالہ جلوہ افروز ہوا ایڈیٹر منشی غلام قادر فصیح تھے۔ ۲۸ صفحات پر نکلتا تھا جو پندرہ روزہ تھا، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ کشمیری میگزین لاہور نے اپنے شمارے اگست ۱۹۱۱ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

"حضرت ثابت علی شاہ صاحب صوفی کی رائے سے تاریخ اسلام ایک پندرہ روزہ اسلامی رسالہ منشی غلام قادر فصیح کی ایڈیٹری میں سیالکوٹ سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کے دو ابتدائی نمبر حقیر کے ملاحظہ سے نکلے، تاریخ اسلام کے دلچسپ واقعات نہایت جوش کے ساتھ مؤثر پیرائے میں درج کئے گئے ہیں طرز بیان سے ایڈیٹر صاحب کی لیاقت اور تاریخ دانی کا پتہ چلتا ہے فی الواقع یہ رسالہ اگر سب طریقوں سے بہتر کیا جائے تو بہترین طریقوں میں سے ایک ضرور ہے۔ عبارت نہایت صاف ہے اگر ابتدائی طالب علم سے لے کر بڑے سے بڑے عالم تک اس سے یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ایڈیٹر صاحب کی محنت اور عرق ریزی قابل شکریہ ہے جنہوں نے موجودہ اسلامی دنیا میں یا کم از کم اسلامی ہندوستان میں ایک بڑی کمی کو پورا کر دیا ہے۔ غرض یہ رسالہ ہر پہلو سے قابل قدر ہے۔"

ادیب الاطفال محلہ دارالشفا حیدرآباد دکن سے اگست سنہ ۱۹۱۱ء کو یہ رسالہ وجود میں آیا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر مرزا محمد اللہ بیگ آغائی ابوالعلائی تھے مطبع اختر دکن افضل گنج میں طبع ہوتا تھا، سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنہ تھا، بچوں کے لئے یہ رسالہ جاری کیا گیا تھا۔

هندو لاہور سے ار ستمبر سنہ ۱۹۱۱ء میں یہ اخبار ہفتہ دار نمودار ہوا، ایڈیٹر پنڈت ہری لال نترما تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا صبح پریس میں چھپائی ہوتی تھی۔

اس اخبار کا پہلا پرچہ دو ہزار چھاپا گیا تھا اس کی سنہ ۱۹۱۲ء میں ڈھائی ہزار اشاعت تھی سنہ ۱۹۱۱ء میں ہی اس اخبار نے رام نمبر بڑی شان سے نکالا، ملک کے لائق و قابل ہندو مسلمانوں نے نثر و نظم میں مضامین لکھے، یہ نمبر ملک میں بے حد مقبول ہوا، سنہ ۱۹۱۲ء میں کرشن نمبر بھی شائع کیا جس میں کرشن جی کے حالات تھے لیکن رام نمبر مضامین کی عمدگی کی وجہ سے بہت بلند تھا۔

طالب دیدار گزری بازار میرٹھ سے یہ ماہنامہ گلدستہ نومبر سنہ ۱۹۱۱ء سے جلوہ افروز ہوا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا تھا، سرپرست جناب صوفی خواجہ منشی محمد اکبر خاں وارثی، ایڈیٹر و مالک جناب شمس الدین احمد صاحب شمس میرٹھی تھے، سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا مطبع شمس المطابع میرٹھ میں چھپتا تھا، اس رسالہ کے سرورق پر ایک اردو اور ایک فارسی کا شعر درج ہوتا تھا۔

کیا ضرور ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

حاجی بروکعبہ و من طالب دیدار
او خانہ ہمی جوید و من صاحب خانہ

جنوری ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں جن شعراء کی غزلیں شائع ہوئی ہیں
ان کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب صوفی منشی محمد اکبر خاں اکبر وارثی میرٹھی ثم البرٹھی ؒ

صدقہ آنکھوں کا جھکائے بیر سے خانہ ہمیں
رہے تیرے قرباں پیمانہ بہ پیمانہ ہمیں

تم نے بدلے میں وفاؤں کے جفائیں ہم پہ کیں
ہم نے پہچانا تمہیں، تم نے نہ پہچانا ہمیں

جب سے اکبر میں نشۂ الفقر فخری کے گدا
شال سے بہتر ہے یہ دلق فقیرانہ ہمیں

جناب منشی محمد رمضان صاحب اخگر برہانپوری تلمیذ جناب صابر برہانپوری ؒ

لخت دل کھاتے ہیں ہم خون جگر پیتے ہیں ہم
یہ غذائیں ملتی ہیں فرقت میں روزانہ ہمیں

ابتدائے عشق میں ہم کو ملا ہے یہ لقب
اس نے محفل میں پکارا کہہ کے دیوانہ ہمیں

داستان عشق اب اخگر سنائیں ان کو آپ
وہ جو کہتے ہیں سنا دے، کوئی افسانہ ہمیں

جناب منشی پیارے لال صاحب بیدار تلہری تلمیذ حضرت شجر شاہجہانپوری ؒ

اپنے غم کی خبر دیدے مرے خانہ ہمیں
ایک بوتل، ایک ساغر، ایک پیمانہ ہمیں
اپنے دیوانہ کو وہ بھی جانتے ہوں گے ضرور
اک زمانہ جانتا ہے ان کا دیوانہ ہمیں
عاشقی ہم سے نہ چھوٹے گی نہ چھوٹی ہے ندیر
شوق سے کہتے وہ کہتے ہیں جو دیوانہ ہمیں

جناب منشی شیخ عبدالقادر صاحب راقد انگیٹ پوری شاگرد حضرت خلیق ٹبالوی سے

ہم بتوں کے چاہنے والے ہیں اے شیخ حرم
تجھ کو کعبہ ہو مبارک اور بت خانہ ہمیں
جس سے دیوانے ہیں ایسی بھاگئی اس کی گلی
کوئی بستی ہی پسند آئی نہ ویرانہ ہمیں

جناب منشی سالک رام سالک شرد پاسی غازی پوری شاگرد حضرت شمشاد لکھنوی

کہتے ہیں وہ دل میں آکر ہم بسیں گے اسے
گھر بفضل ایزد یہ بہتر آیا یہ ویرانہ ہمیں
کیوں نہ سوئیں چین سے بعد فنا ہم گور میں
مل گیا راحت فزا کیا یہ کاشانہ ہمیں
عشق جاناں میں کبھی راحت نہیں آتی ہے راس
اب مصیبت ہی سے کرلینا ہے یارانہ ہمیں

نادر لسٹ | لاہور سے نومبر ۱۹۱۱ء کو یہ ماہانہ گلدستہ جاری ہوا
ایڈیٹر غلام قادر فصیح تھے، ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا

سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ کشمیری میگزین لاہور کے شمارے نومبر ۱۹۱۱ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔

"گلشن نظم و نثر کا یہ دلچسپ گلدستہ نومبر ۱۹۱۱ء سے ہر مہینے شائقین کے مشام جان کو معطر کیا کرتا ہے، چھوٹی چھوٹی سٹوریاں کہانیاں اور پر لطف نظمیں رسالہ کی دلچسپی و ہر دل عزیزی کا بین ثبوت ہیں ہر رسالہ میں تین چار مکمل کہانیوں کے علاوہ ایک مسلسل ناول بھی ہوتا ہے کاغذ لکھائی چھپائی دیدہ زیب ہے، غرض رسالہ ظاہری و باطنی شکل و صورت میں نہایت دل زیب ہے، قیمت سالانہ تین روپے ہے جو ایسے مفید اور فرح بخش لٹریچر مہیا کرنے والے رسالہ کے لئے ہرگز زیادہ نہیں ہے۔"

غلام قادر فصیح فصیح صاحب پرانے اخبار نویس اور بڑے شائق مترجم تھے، کچھ عرصہ امپیریل پیپر کے ایڈیٹر رہنے کے بعد انھوں نے سیالکوٹ سے پنجاب گزٹ نامی ایک اخبار نکالا۔ جو کئی سال تک جاری رہا، عرصہ تک ایک ماہوار رسالہ جرنلسٹ نکالتے رہے اب آخر میں "تاریخ الاسلام" کے نام سے ایک سلسلہ کتب شروع کیا ہے، پندرہ سال تک سیالکوٹ میونسپل کمیٹی کے ممبر رہے پبلک کے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے ۱۹۱۲ء (اپریل) میں فوت ہوئے[1]

اڈورڈ نومبر ۱۹۱۱ء کو مشو کانپور سے یہ ماہنامہ ظہور پذیر ہوا، ۳۰ صفحات پر مشتمل تھا، مرتب انبام سندر نگم

---

[1] ادیب، الہ آباد مئی ۱۹۱۲ء

تھے، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ اور ۲ آنے فی پرچہ قیمت تھی پی نگم پریس کانپور میں طبع ہوتا تھا۔

اردو — یہ ماہنامہ رسالہ دسمبر ۱۹۱۱ء کوٹ امیں جالندھر سے نمودار ہوا، مرتب و مالک فتح محمد خان جالندھری تھے ۶۰ صفحات پر نکلتا تھا، رود بازار اسٹیم پریس امرتسر میں چھپتا تھا، سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا ؎

مطبوع دل پیر و جواں ہے اردو
نور نظر اہل زباں ہے اردو
ہے ہند کی جاں لیکن از روئے عدد
کہہ سکتے ہیں ہم جانِ جہاں ہے اردو

مولانا حسرت موہانی نے رسالہ اردوئے معلّیٰ علی گڈھ جنوری ۱۹۱۲ء میں اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔

دسمبر ۱۹۱۱ء سے اردو زبان کا یہ ایک نیا اور مفید رسالہ شہر جالندھر سے نکلنا شروع ہوا ہے اس کے ایڈیٹر مولوی فتح محمد صاحب جالندھری کا نام مصنف مصباح القواعد اردو کی حیثیت سے دنیا کے ادب میں پہلے ہی مشہور ہے۔ اس رسالہ کے اجرا سے آپ کا مقصود ادب اردو کی ترقی و توسیع اور زبان کی تصحیح اور ملک میں صحیح علمی مذاق پیدا کرنا ہے۔

دربار — محلہ نولستہ لکھنؤ سے یہ ماہوار رسالہ ۱۲ دسمبر ۱۹۱۱ء کو نمودار ہوا، ۶۳ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر منشی رام سہائے تمنا لکھنوی تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا اودھ پریس

پیلی گنج لکھنؤ میں طبع ہوتا تھا۔
رسالہ کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا ؎

دربار ہے کہ بزم شان و وقار یہ ہے
باغ سخنوری کی تازہ بہار یہ ہے
قدر اس کی اے تمنا سو دل سے ہے مناسب
دربار نا جیونتی کی یادگار یہ ہے

یہ رسالہ طلباء کے لئے نکالا گیا تھا، جس میں تاریخی، ادبی، معلوماتی اور اخلاقی مضامین شائع ہوتے تھے، اودھ اخبار لکھنؤ کے پرچے یکم فروری ۱۹۱۰ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا ہے۔

" یہ ماہوار رسالہ محلہ نوبستہ لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا ہے اس کے ایڈیٹر منشی رام سہائے تمنا سابق ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہیں جو علاوہ صاحب تصانیف کثیرہ ہونے کے فن وقائع نگاری میں بھی شہرۂ آفاق ہیں ۔ اس رسالہ کے دو نمبر شائع ہو چکے ہیں اور دونوں عمدہ اور دل چسپ مضامین نظم و نثر کے لحاظ سے نہایت قابل قدر ہیں ۔ جنوری کا رسالہ اس وقت ہمارے زیر نظر ہے اس میں اکثر تاریخی اور اخلاقی مضامین ہیں جن سے طلباء خاص طور پر فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ہمارے خیال میں اردو علم و ادب میں یہ رسالہ ایک جدید اضافہ ہے ۔"

الحجاب بھوپال سے یہ پندرہ روزہ جریدہ ۱۹۱۱ء کو نمودار ہوا، بارہ صفحوں پر نکلتا تھا، سید محمد یوسف قیصر اس کے ایڈیٹر تھے، پانچ روپیہ سالانہ چندہ تھا، ادبی رنگ غالب تھا۔

افتخار جادرہ سے یہ رسالہ ۱۸×۲۲ سائز پر مارچ ۱۹۱۱ء کو وجود میں آیا۔ ایڈیٹر جناب بیدل تھے، لکھائی چھپائی عمدہ تھی، طرحی غزلیات زیادہ تر ہوتی تھیں۔

عروج خیال مدراس ماؤنٹ روڈ، کوچہ تولیت خاں عقب مسجد دالاجاہی مکان ۱۸ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۱ء کو ظہور پذیر ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا، منشی محمد احمد محی الدین شہرت دلوی ایڈیٹر منشی محمد اسعد اللہ صاحب دلوی مالک تھے، سالانہ چندہ دو روپیہ تھا

بہار بزم سہارنپور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۱ء میں جلوہ افروز ہوا، منشی محمد جعفر صاحب مہتمم تھے ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا، اس میں اخلاقی مضامین کے علاوہ غیر طرحی غزلیات و رباعیات چھپتی تھیں اور آخر کے چار صفحات پر بالاقساط ناول چھپتا تھا۔

ایڈورڈ گزٹ ایبٹ آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۱ء میں نمودار ہوا آٹھ صفحوں پر مشتمل تھا، منشی قلندر خاں ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

رسالہ کشمیری میگزین لاہور نے جون ۱۹۱۱ء کے پرچے میں اس پر ریویو کیا ہے۔

"اخباروں کا وجود درحقیقت کسی ملک یا قوم کے زندہ ہونے کی ایک علامت ہے۔ علاقہ سرحد شمال میں بھی اخبارات رفتہ رفتہ جاری ہو رہے ہیں ایڈورڈ گزٹ جو حال ہی میں جاری ہوا ہے ایک اچھا اور کار آمد اخبار رہے خصوصاً سرحد اور ضلع ایبٹ کے لیے تو

ایک نعمت ہے۔ ایڈیٹر منشی محمد قلندر خاں صاحب ہیں۔"

پرہیزگار لاہور ہارڈ منڈی سے ۱۹۱۱ء میں یہ رسالہ وجود میں آیا، ایڈیٹر مسٹر لشن سہائے آزاد تھے ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا مفید عام پریس لاہور میں چھپتا تھا، یہ رسالہ ٹمپرنس بینڈ آف ہوپ لاہور کا آرگن تھا۔

اس رسالہ پر کشنبری میگزین لاہور نے اپنے شمارے جون ۱۹۱۱ء کو یہ تبصرہ کیا ہے۔

" لاہور کا رسالہ آزاد دارد علم و ادب کے رسالوں میں بہت اچھا ہے اس کے ایڈیٹر مسٹر لشن سہائے آزاد نے ٹمپرنس سوسائٹی لاہور کی سرپرستی میں پرہیزگار کے نام سے ایک نیا رسالہ جاری کیا ہے جس میں اچھے اچھے مضامین نظم و نثر کے درج ہوتے ہیں اس رسالہ کا بہت بڑا مقصد ٹمپرنس پرچار ہے ہر شخص بلا کسی ظلم مذہب و ملت اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔"

نہال سخن بریلی، متصل کوتوالی سے یہ ماہانہ گلدستہ ۱۹۱۱ء کو وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا منشی مفتی عماد الحسن محو اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا، اس کے منیجر حکیم محمد فصیح الزماں اثر تھے

نومبر ۱۹۱۱ء کے شمارے کے شعراء کا منتخب کلام گوش گزار ہو

جناب احسن خاں صاحب احسن بچھراؤں ضلع مراد آباد

مٹ گئی رندوں پہ ساری پارسائی شیخ کی

رات مینا نے ملیں خم کے خم چڑھا کر رہ گیا

گور میں رکھ کر غرض آشنا رخصت ہوئے
آج میں تنہا کفن میں منہ چھپا کر رہ گیا

جناب سید بندہ علی صاحب آلم قصبہ اچھا ضلع تبریلی سے
یا الٰہی اس کے در سے مجھکو بھی کچھ ہاتھ آئے
ہاتھ اٹھا کر جس کے در پر ہر تونگر رہ گیا
تو نے اپنے رنگ میں یارب آلم کو یوں رنگا
سب کو چھوڑا اس نے وہ تیرا ہی ہو کر رہ گیا

جناب منشی نانک چند اوج بریلوی تلمیذ حضرت حسن مرحوم سے
کیا طلسم کارخانہ، آئینہ خانہ نہیں ہے
جو گیا وہ نقش بر دیوار ہو کر رہ گیا،
کیا بتاؤں آج کیا دیکھے دم دیدار یار
آنکھ حیران رہ گئی، دل سوختہ شدر رہ گیا

جناب قاضی حاجی حافظ خلیل الدین حسن حافظ آنریری مجسٹریٹ پیلی بھیت سے
کون سمجھ کا دید کا روضہ کے باہر رہ گیا
آپ کا پروردہ بندہ، بندہ پرور رہ گیا
جا کے روضہ میں خبر حافظ کی یوں دنیا صبا
آپ پر جو مر رہا تھا آج مر کر رہ گیا

جناب بابو بانکے لال صاحب عشرت بریلوی تلمیذ رائے گوری شنکر صاحب تسرت لکھنوی سے
آتے آتے میرے گھر پر وہ ماہ پیکر رہ گیا
میرا اقبال اے گردش چمک کر رہ گیا

یار کا جانا مرا دم توڑنا وقت سحر
جس نے دیکھا کہہ کے وہ اللہ اکبر رہ گیا

رسالہ شاہد سخن حیدر آباد دکن کے شمارے فروری ۱۹۱۲ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا ۔۔۔

"نہال سخن ایک ماہواری گلدستہ ہے جو شہر ریلی سے منشی مفتی عماد الحسن صاحب محو کی زیر ادارت شائع ہوتا ہے، اس میں ہندوستان کے مستند شعراء کا طرحی کلام قابل دید ہوتا ہے کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ، حجم موٹا ٹائٹل ۳۲ صفحے، چندہ سالانہ معہ محصول ڈاک اہل شہر سے ڈیڑھ روپیہ بیرونجات سے دو روپے،

تاجر | میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا، مولانا نذیر احمد نجندی اس کے ایڈیٹر و مالک تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

مخبر عالم مراد آباد کے ۱۵ اگست ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس اخبار کا یہ اشتہار شائع ہوا۔

"مفت حاصل کرو، اور ایک روپیہ کا انعام، کیونکر، صرف پانچ خریداروں سے سالانہ قیمت دفتر میں بھجوا دو، پھر کیا ہوگا اسلامی ڈکشنری قیمتی ایک شلنگ (۱۲ آنے) اکسیر الفنون قیمتی ۴ر اور اخبار تاجر سال بھر تک مفت ملے گا۔ کیا تاجر میں کوئی خاص بات ہے۔ ہاں مسلمانوں کے لئے ۔۔ وہ کیا ۔؟ مسلمان کو حلال روزی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ، تجارت کے فوائد، اصول و قواعد، انگریزی اور لطیف زبان میں تاجرانہ خبریں معلوم کرنا چاہیں تو تاجر ضرور خریدیں،

اگر مسلمان مذہبی اعتبار
سے دنیا میں اقتدار قائم کرنا چاہیں تو تاجر کے اسلامی آرٹیکل کو
بغور پڑھنا اور اس پر عمل کرنا لازم ہے، قیمت سالانہ صرف تین
روپے ہے۔

ایک دوسرا رعایتی اعلان ۲۳ اکتوبر ۱۹۱۲ء کے مخبر عالم مرادآباد میں
چھپا۔

"سال گذشتہ ہم نے ایک زبردست رعایت عید الفطر کے موقعہ پر
دی تھی، جس سے بہت سے لوگوں نے فائدہ اٹھایا، امسال یہ موقعہ
نہ پانے کے سبب سے بعض حضرات بتاکید و اصرار اس پر توجہ دلاتے ہیں
ہیں، اگرچہ اس میں دفتر کا نقصان مزید ہے۔ تاہم ناظرین کی
دلدہی کو مد نظر رکھکر عید الضحیٰ کے لئے حسب ذیل انعام تجویز کرتے ہیں
جمعہ ۱۵ نومبر ۱۹۱۲ء مطابق ۱۲ ذی الحجہ ۱۳۳۰ھ تک درخواست کرنے
والے اصحاب کو سال بھر کا مل اخبار تاجر بجائے تین روپے کے
نصف قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے پر ملے گا۔ ایسی درخواستیں صرف
دو سو کی تعداد میں لی جائیں گی۔"

میڈیکل ڈائرکٹر

امرتسر سے یہ پندرہ روزہ طبی رسالہ ۱۹۱۱ء
میں نمودار ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا
ایڈیٹر پروفیسر ایس پی نگم اسپیشلسٹ تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ
تھا۔ سناتن دھرم اسٹیم پریس امرتسر میں چھپتا تھا، سرورق پر یہ
شعر درج ہوتا تھا ۔ بظاہر دیکھنے میں گو بہت ہی بھولا بھالا ہوں
نگاہ غور سے دیکھیے تو میں سب سے نرالا ہوں

المبشر مراد آباد سے اکتوبر ۱۹۱۱ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ظہور پذیر ہوا۔ جس میں خبروں اور مضامین کے علاوہ مولانا اشرف علی صاحب کے فتاوی بھی درج ہوتے تھے۔

آفتاب اردو لدھیانہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۱ء کو جاری ہوا۔ مالک و ایڈیٹر مولانا احسان اللہ خاں تاجور نجیب آبادی تھے۔

مولانا احسان اللہ خاں تاجور مولانا نجیب آباد ضلع بجنور کے رہنے والے تھے درانی پٹھانوں کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، والد کا نام محبت اللہ خاں تھا ۱۸۹۰ء میں نینی تال میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دیوبند سے فارغ التحصیل ہوئے ۱۹۱۲ء میں لاہور آکر اورنٹیل کالج سے مولوی فاضل اور منشی فاضل کے امتحانات پاس کئے پہلے دیال سنگھ ہائی اسکول میں اورنٹیل ٹیچر لگے کچھ عرصہ کے بعد دیال سنگھ کالج میں پروفیسر ہو گئے۔

مولانا شاعر اور ادیب اور صحافی کی حیثیت سے بہت مشہور تھے ماہنامہ آفتاب نکالنے کے بعد ۱۹۱۷ء میں تاج الکلام نجیب آباد سے نکالا۔ اور پانچ سال تک مخزن کی ادارت کی ۱۹۲۲ء میں ہمایوں کے ایڈیٹر مقرر ہوئے کچھ عرصہ کے بعد بچوں کے لئے پریم جاری کیا ۱۹۲۹ء میں رسالہ ادبی دنیا نکالا ۱۹۳۴ء میں رسالہ شاہکار جاری کیا جو بڑا بلند پایہ رسالہ تھا میسرز عطر چند کپور اینڈ سنز کے تعاون سے اردو مرکز قائم کر کے اردو نظم ونثر

کا بہترین انتخاب تین جلدوں میں شائع کیا۔ انجمن ارباب علم نے سنہ ۱۹۱۲ء میں بلیغ الملک کا خطاب دیا گورنمنٹ نے علمی و ادبی خدمات کے صلہ میں سنہ ۱۹۲۰ء میں شمس العلماء کا خطاب عطا کیا علامہ کے لاہور میں آمد سے قبل آفتاب اردو اور تاج الکلام کے علاوہ رسالہ نالہ بلبل کے ایڈیٹر بھی رہ چکے تھے۔

علامہ نے پنجاب میں اردو شاعری، اردو انشاء پردازی کا کچھ اس شان سے صور پھونکا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے خوابیدہ جذبات بیدار ہو گئے۔ لکھنؤ اور دہلی میں ادیبوں کی تحریر کا جو رنگ تھا اس کے سانچے میں پنجاب کی ادیبوں کی تحریریں ڈھلنے لگیں، رسائل اور اخبارات کی زبان میں جو پھیکا پن تھا رفتہ رفتہ اس کی جگہ بانکپن نے لے لی، بیگمات اودھ کی ٹکسالی زبان کی چھاپ جب پنجاب کی اردو پر پڑی تو زبان کا لطف دوبالا ہو گیا۔

علامہ صاحب نے آخری زندگی درس و تدریس میں گزاری اور ۳۰ جنوری سنہ ۱۹۵۱ء کو لاہور میں فوت ہوئے۔

سوداگر یہ تجارتی ماہنامہ میرٹھ سے ۱۹۱۱ء میں ظہور پذیر ہوا۔ ۴۴ صفحات پر لکلتا تھا اس کے ایڈیٹر لالہ کیدار ناتھ تھے سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ مطبع رام نشین پریس میرٹھ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کے سر ورق پر یہ عبارت تحریر ہوتی تھی

"۔ اس کے اجرا کی غرض تجارت کو فروغ دینا ہے۔"

اس رسالہ کے ضوابط حسب ذیل تھے ۔

۱۔ ہر مہینہ کی ۱۵ تاریخ کو شائع ہوا کرے گا ۔

۲۔ حجم رسالہ ۳۲ صفحہ سے ۴۰ صفحہ تک بشرط ضرورت ہوا کریگا ۔

۳۔ سوا روپیہ سالانہ چندہ امداد کے واسطے رکھا ہے تاکہ عوام الناس اس سے مستفیض ہو سکیں ۔

۴۔ ہر خریدار رسالہ کو سوا روپے کی قیمتی کتب مفت نذر ہونگی ، ہر خریدار کو لازم ہے کہ فہرست کتب میں سے جو ماہ فروری کے رسالہ کے ہمراہ ہوگی سوا روپے کی کتابوں کے نام لکھ کر بھیجدیں تاکہ رسالہ کے وی ، پی کے ساتھ روانہ کر دی جائیں ۔

۵۔ جو صاحب رسالہ کے لئے عمدہ مضامین مرحمت فرمائیں گے ، وہ شکریہ کے ساتھ طبع کئے جائیں گے اور قابل مضمون نگاران کی خدمت میں بلاقیمت رسالہ بھیجا جایا کرے گا ، لہٰذا جو صاحب اپنے مضامین نظم و نثر روانہ کریں وہ اخلاقی یا صنعت و حرفت سے متعلق ہوں ۔

۶۔ جو صاحب اس کے پانچ خریدار بہم پہنچا کر پیشگی قیمت خریداروں سے بھجوا دیں گے ان کو ایکسال مفت رسالہ ملتا رہے گا ۔

رسالہ کی کتابت ، طباعت اور کاغذ عمدہ تھا ، مضامین بھی اچھے ہوتے تھے ۔

سنہ ۱۹۱۲ء

المعین

امرتسر سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۰ فروری ۱۹۱۲ء کو عالم وجود میں آیا۔ پہلے پندرہ روزہ تھا یکم جولائی ۱۹۱۲ء سے ہفتہ وار نکلنے لگا، سردار محمد اسلم خاں اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس اخبار کی پالیسی آزادانہ تھی خوشامد سے احتراز کرتا تھا اسلامی معاملات میں بیباکانہ رائے دیتا تھا۔ بحیثیت ہندوستانی ان کی خواہش تھی اور اخبار کی پالیسی تھی کہ ہندوستان کو آسٹریلیا اور کنیڈا کی طرح حکومت خود اختیاری حاصل ہو، اخبار کے مقاصد اور اسلم صاحب کے ارادے کیا تھے اس کے متعلق اسلم صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"اصل میں میرا مقصد بلوچی علاقہ جات، ملک بلوچستان و سندھ اور ضلع ڈیرہ غازی خاں وغیرہ میں بلوچی قوم کی تعلیمی و تمدنی ترقی

کے لیے متحدہ قومی ہائی اسکول اور ایک بلوچ کالج کے قائم کرنے کا ہے جس کے لیے پہلے یہ ضروری ہے کہ ایک بلوچ ایجوکیشنل کانفرنس قائم کی جائے اور اس مدعا کو مدنظر رکھکر میں اس وقت جبکہ جب منشا کوئی اسسٹنٹ ایڈیٹر مہیا کروں گا۔ بلوچی علاقہ جات میں قومی و تعلیمی تحریک کے لیے دورے کروں گا، اس کے علاوہ خاص اپنے گاؤں سوکڑ میں ایک بلوچی ہائی اسکول کی اسکیم تیار کی ہے اور ایک لاکھ روپے فراہم کرکے ملک میں ایک ڈپوٹیشن لے جاؤں گا۔ وہ خیالات ہیں جن کو میں اپنی بیاس لاکھ قوم کی اصلاح و ترقی کی خاطر مناسب حالات ہوتے ہی عملی صورت میں لانے والا ہوں۔ ڈپٹی کمشنر لاہور نے اخبار المعین سے ضمانت طلب کی جس کی خبر مسلمان لاہور مورخہ ۲۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء نے چھاپی اور اس کے ایڈیٹر مولوی ثناء اللہ نے اس اخبار کے فنڈ میں چندہ دینے کی اپیل کی۔

"۲۱ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ڈپٹی کمشنر لاہور نے المعین اخبار سے نیدرہ سو روپے کی ضمانت طلب کی اور تا ادخال ضمانت اخبار بند کر دیا اخبار مذکور جاری کرنے کو المعین کا امدادی فنڈ کھولا گیا۔ اگر المعین کو جاری رکھنا قومی پہلو سے مفید سمجھتے ہو تو دل کھول کر اس کی اعانت کریں۔ فنڈ کے اعلان سے پیشتر عملی طور پر مولوی ظفر علی خاں بی اے ایڈیٹر زمیندار نے پچاس روپے دے دیئے۔"

سردار محمد اکرم خاں[1] تمبدانی کے جد اعظم سردار ملک خاں کثیر الاولاد تھے جن کی علیحدہ علیحدہ شاخیں ملغانی اور شکانی کی مشہور ہیں۔ قوم ملغانی جو سردار کے بیٹے ملغے خاں کے نام سے

قائم ہے۔ سوکڑ ضلع ڈیرہ غازی خاں اور اس کے گرد و نواح میں
آباد ہے۔ اس علاقہ کی حکومت بھی ان ہی نتکانیوں کے قبضہ میں رہی
ہے۔ سکھوں کے عہد میں سردار محمد اسد خاں کی ظالمانہ حرکتوں سے
قوم برگشتہ ہو گئی تھی اور وہ قید ہو کر ملتان بھیج گیا۔ کچھ عرصہ کے
بعد انگریزوں اور سکھوں میں لڑائیاں شروع ہو گئیں۔ ان کے خاندان
نے انگریزوں کا ساتھ دیا۔ اور سکھوں کو اپنے علاقہ سے نکال دیا
لیکن قبیلہ بزدار جو کوہ سلیمان کی پہاڑیوں میں رہتی تھی وہ خود مختار رہی
اور انگریز کے خلاف غارت کرتی رہی ان کے دادا سردار محمد خاں تین سو
پیادہ اور ایک سو [illegible] ساتھ لے کر انگریزی فوج کے ساتھ گوشمالی
کے لئے روانہ ہو [illegible] جنگ کے بعد اس قبیلہ نے اطاعت قبول کر لی
۱۸۸۵ [illegible] محمد اسلم خاں پیدا ہوئے بارہ برس کی عمر میں
[illegible] کا [illegible] محمد خاں سے فارسی پڑھی ان تک پہاڑ کے
باہر اخبارات [illegible] کی وجہ سے ان کو اخبار بینی کا شوق پیدا
ہوا اور مذہبی اور تاریخی کتابوں کے مطالعہ سے ان کی [illegible] میں
اضافہ ہوا۔ ان کی قوم نتکانی کا اخلاق اچھا نہیں تھا ان کی اصلاح
کے لئے ایک سوسائٹی نتکانی رلیفارمر سوسائٹی قائم کی جس کے ماتحت
اسلامیہ بلوچی [illegible] سکول نابلد بلوچی کا نج، تعلیمی بلوچی کانفرنس زراعتی
بنک اور [illegible] قائم ہوا [illegible] انگریزوں نے اس سوسائٹی
کو اپنا مخالف سمجھا اور [illegible] ہو گیا مگر ان اداروں میں بلا تفرقہ کی تعلیم
دی جاتی ہے اور باغیانہ جلسے ہوتے ہیں اور سوکڑ انقلاب پسندوں کا
مرکز ہے حکام ضلع کی مخالفت کی وجہ سے ان کا حلقہ احباب

منتشر ہو گیا، اس کے بعد آپ نے اخبار المعین جاری کیا، آپ کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی اور اپنے قبیلہ کو بیدار کرنے کے لئے نظمیں کہتے تھے۔

تصور کوئی پیدا کر کوئی ارماں پیدا کر — تو اے بے حس بلوچی قوم کچھ ہیجان پیدا کر
ترے افراد اکثر ہوں مبتلائے فاقہ مستی میں — تو ان کو سیر کرنے کا کوئی ساماں پیدا کر
زبانِ حال سے کہتی ہے قدرت اہلِ ثروت کی — نئے اسباب پیدا کر، نئے ساماں پیدا کر
فلک پر مشتری رقصاں ہو زہرہ وجد میں آئے
سرودِ قومیت میں کوئی ایسی تان پیدا کر

اشاعت الحکمت نمبر ۱ نوال دروازہ لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ فروری ۱۹۱۲ء کو شائع ہوا۔ مرزا عبدالحمید بیگ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

کشمیری میگزین لاہور کے ... مارچ ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس رسالہ میں ریویو چھپا ہے۔

حکیم مرزا عبدالحمید بیگ ایک عرصہ کی خاموشی کے بعد اخباری میدان میں آتے ہیں آٹھ نو سال کا عرصہ ہوا کہ وہ رسالہ کامل اور ایک اور رسالہ کے ایڈیٹر تھے اب انہوں نے صرف طبابت کے متعلق ماہوار رسالہ جاری کیا ہے، فروری کا رسالہ پہلا رسالہ ہے بلحاظ مضمون وغیرہ ایک بہتر رسالہ ہے۔

الانسان امرتسر سے یہ رسالہ اپریل ۱۹۱۲ء کو جاری ہوا اس کے ایڈیٹر منشی غلام قادر فرخ تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ اس رسالہ کا مقصد اخلاقی، تاریخی اور علمی لٹریچر

شائع کر رہا تھا۔ اس کا پہلا پرچہ پانچ سو چھپا تھا جو زیادہ تر نمونہ کے طور پر بھیجا گیا ۱۹۱۲ء میں اس کی اشاعت تقریباً پانچ سو تھی۔

الہلال

مولانا ابوالکلام آزاد مصر سے ہندوستان آئے اور اپنے ساتھ انقلابی عہد کے زندہ تصورات لائے۔ وہاں انھوں نے سرزمین فراعنہ پر قومی آزادی کی دل فریب چہرہ کی جھلک دیکھ لی تھی اور وہ یہ بھی دیکھ آئے تھے کہ بعض اسلامی اور مشرقی ملکوں میں کس طرح اندھیری رات کے بعد آزادی حریت کا آفتاب طلوع ہو رہا ہے آپ نے مصری صحافت کے نمایاں رجحانات کا بھی جائزہ لیا تھا جس سے آپ متاثر ہوئے۔

۱۹۰۸ء کی وہ راتیں جو موسم سرما میں گزری تھیں انھیں امرتسر کے دوران قیام مولانا کی چشم بیداری نے یہ خواب دیکھا کہ ایک عظیم العہد کا اجرا تیرے ہاتھوں سے ہونا ہے۔ کامل چھ برس اس خواب کی جستجو میں صرف ہوئے۔ بہت خاکے بنائے، پروگرام بے امیدوں کی خلش اور دردِ نو دل کی سوزش نے ہمیشہ مضطرب رکھا یہاں تک کہ وہ مبارک ۱۹۱۲ء کا سال آیا جس میں اس خواب کی تعبیر ملی اور مصری صحافت کے جو نقشے دیکھے تھے اس کی تکمیل کے دن آئے۔

۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء کو الہلال ۷/۱۴ مکلوڈ اسٹریٹ کلکتہ سے ہفتہ وار جلوہ افروز ہوا پہلے سولہ صفحات پر نکلا لیکن اس کے بعد صفحات کی قید نہیں رہی ضرورت کے مطابق صفحات منتشر ہو جاتے تھے، سرورق کی ابتدا لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین کی آیت سے ہوتی تھی سرورق کے ۱/۲ حصہ پر

الہلال کا نام تحریر ہوتا تھا۔ اس کے نیچے دائیں طرف پہلے ٹیلیگراف ایڈریس ٹیلیفون ۶۸ نمبر میں مقام اشاعت ۷/۱ میکلارڈ اسٹریٹ کلکتہ، درمیان میں ایک ہفتہ وار مصور رسالہ مدیر مسئول و محرر خصوصی احمد المکی ابی الکلام الدھلوی اور آخر میں قیمت سالانہ آٹھ روپے اور ششماہی چار روپے بارہ آنے لکھے جاتے تھے، اس کے بعد لوحِ تاریخ، سنہ اور جلد تحریر ہوتی تھی، بقایا صفحہ پر کسی شخصیت کا فوٹو ہوتا تھا اور سب سے آخر میں قیمت فی پرچہ ساڑھے تین آنہ تحریر ہوتا تھا۔ دوسرے صفحہ پر اشتہارات چھپتے تھے اور تیسرے صفحہ پر ابتداء میں الہلال کا نام، مدیر کا نام، سالانہ چندہ اور تاریخ اشاعت چھپتا تھا، اس کے نیچے ایک طرف فہرست مضامین اور دوسری طرف مختصر سی خبریں شائع ہوتی تھیں۔

یوں تو اس زمانہ میں کافی اخبارات و رسائل نکلتے تھے، مولانا آزاد ان اخبارات سے علیحدہ ہو کر ایک نرالی وضع اور انوکھی شکل کا انتہائی اعلیٰ پایہ اور معیاری اخبار نکالنا چاہتے تھے عام طور پر اس زمانہ میں جو شخص اخبار جاری کرتا تھا وہ ایک کاٹھ کا دیسی پریس چار پیسے کر اور ایک سستے سے کاتب کی مدد سے اخبار نکالتا تھا لیکن مولانا آزاد پرانی لکیر کے فقیر نہیں تھے اس سلسلہ میں انہوں نے اپنی نئی راہ اختیار کی۔ انہوں نے الہلال کو ٹائپ میں چھاپا جس میں تصاویر بھی چھپ سکیں، جس کا معیار علمی و تاریخی ہو اور مقصد بھی عظیم ہو، اس راہ کو اختیار کرنے کے بعد مولانا آزاد کو کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑا ہوگا۔ وہ ذہی لوگ جانتے ہیں جو پرانی راہوں سے

علیحدہ ہوکر نئی راہ اختیار کرتے ہیں۔
الہلال میں مذہب، سیاست، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ
عمرانیات، سوانح، ادب اور حالات حاضرہ پر اعلیٰ معیار کے مضامین
ومقالے چھپتے تھے اور نئی کتابوں، رسالوں اور اخبارات پر تبصرے
بھی شائع ہوتے تھے۔

مولانا آزاد سیاست اور مذہب کو علیحدہ نہیں سمجھتے تھے۔ بلکہ
دونوں کو ایک جان دو قالب قرار دیتے تھے ان کا نظریہ تھا کہ نہ تو
گورنمنٹ پر اعتماد کیجیے اور نہ غیر اللہ کی اطاعت کیجیے۔ ان کے نزدیک
اسلام کے بتائے ہوئے اصول توحید پر ایمان، خیر الامم ہونے کا
احساس، عدل واعتدال، صلح وامن، نیکی کی حفاظت، فساد کی
روک تھام کے لئے سعی کرنی چاہیئے۔ اور شخصی اقتدار کو قطعاً تسلیم
کرنا نہیں چاہیئے وہ اعلاء کلمۃ الحق پر کاربند ہونے کی تلقین کرتے
تھے اور جبروتی و فرعونی طاقت وقوت کے سامنے جھکنے کو اسلام
کے خلاف سمجھتے تھے حق وصداقت کے لئے جہاد کرنا ظلم واستبداد
کے خلاف آواز اٹھانے کو عین اسلام قرار دیتے تھے اور اس کے لئے
علی الاعلان تبلیغ کرتے تھے اور مسلمانوں کی ہدایت کے لئے احکام
الٰہی کی اہمیت کو ذہن نشین کراتے تھے، مولانا آزاد ہر اس بات کی
مخالفت کرتے تھے جو ظالم وجابر حکومت کے زیر سایہ ہو، جو شخص
حکومت کی بے جا حمایت کرتا تھا اور ملک وملت کے مفاد کو اپنے
مفاد پر قربان کرتا تھا اس کو انسانیت مذہب اور قوم وملت
کا بدترین دشمن سمجھتے تھے، الہلال میں مولانا آزاد نے اپنے ان ہی

انقلابی خیالات کا اظہار کیا۔ الہلال کی ہر سطر اور ہر لفظ انقلاب کی دعوت دیتا ہے۔

ملتِ اسلامیہ کی روح غفلت میں سو رہی تھی الہلال کی تحریک و دعوت پر بالآخر جد و جہد کے میدان میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ جد و جہد ایسا سفر تھی جس کی بندش ہوئی منزلیں متعین تھیں، راہ رسم و راہ تھی، مولانا نے الہلال کے ذریعہ ملتِ اسلامیہ کو بے شمار رکاوٹوں کی نشاندہی کی اور ناگزیر مشکلات کے مقابلہ کی سکت اور برداشت کی توانائی پیدا کی۔ الہلال درحقیقت ناقوس تھا لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔

جن لوگوں نے الہلال کا مطالعہ کیا ہے وہ اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکے کہ انگریزوں کی عائد کردہ سنسر اور تمام پابندیوں کے باوجود ان کے چھپنے اخباروں میں تھا اور شاید اردو کا واحد اخبار تھا جس نے اپنے پڑھنے والوں کو بین الاقوامی سیاست اور خاص طور پر اسلامی ممالک کے ملکی حالات کی اونچ نیچ سے واقف کر دیا اور ان واقعات کو صحیح پس منظر میں پیش کیا۔

الہلال ہندوستان کی آزادی کا نقیب تھا۔ اس کے تمام بیرونی نامہ نگاروں کی رپورٹوں سے اندازہ ہوگا کہ کس طرح مختلف ملکوں سے آئی ہوئی رپورٹوں کو ایک لڑی میں پرو کر پیش کیا جاتا تھا تاکہ پڑھنے والوں کو اندازہ ہو کہ عالمگیر شہنشاہیت بساطِ عالم پر کون سی چال چل رہی ہے اور اس کا جواب دینے کے لئے اقوامِ عالم کیا قدم اٹھا رہی ہے مولانا آزاد کی اولالعزمی جب الہلال نے ہندوستان کے

عوام کو انگریزوں کے خلاف جدوجہد کی ہی دعوت نہیں دی تھی، بلکہ انھیں یہ بھی بتایا کہ انگریز سامراج کے خلاف ان کی جدوجہد تمام آزاد پسند اقوام کی جدوجہد کا ایک جزو ہے اس طرح الہلال نے ہندوستان کے مجاہدین آزادی کے ذہنی افق کو وسعت بخشی اور ان کے عزم اور ارادوں کو پختگی دی۔

الہلال، اس وقت جاری ہوا ہے جبکہ جنگ طرابلس وبلقان شروع ہو چکی تھی، اس نے ہندوستان میں سب سے پہلے ترکی سے جنگ کی خبریں براہ راست منگوائیں اس کا باب "شئون عثمانیہ" ترکی کے حالات جنگ کے صحیح واقعات معلوم کرنے کا مخصوص ذریعہ تھا" نامہ ران غزوہ طرابلس وبلقان" اس کی باتصویر سرخی تھی جس کے تحت وہ عجیب وغریب موثر اور خاص ذرائع سے معلومات حاصل کئے جانے تھے، مقالات، مذاکرہ علمیہ، حقائق ودقائق، المراسلہ والمناظرہ اور اسئلہ واجوبتہا اس کے دیگر عنوانات، مضامین تھے الہلال نے اپنے آپ کو اس جنگ کے لئے اس قدر وقف کردیا تھا کہ آٹھ روپیہ سالانہ چندہ میں ساڑھے سات روپے مظلوم وستم رسیدہ برادران ترکی کے فنڈ میں جمع کئے جاتے تھے اور آٹھ آنے الہلال کے اخراجات پر خرچ ہوتے تھے چنانچہ ۸ ار مئی ۱۹۱۳ء کے پرچے میں یہ اعلان شائع ہوا۔

" آج یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ دفتر الہلال، جلد نمبر ا الہلال کے پرچے ایک ایک سال کے لئے اس غرض سے پیش کرتا ہے آج کی تاریخ سے ۳۰ر جون تک جو صاحب آٹھ روپیہ قیمت سالانہ الہلال

کے دفتر میں بھیج دیں گے ان کے روپیہ میں سے صرف آٹھ آنے ضروری اخراجات خط و کتابت کے لئے وضع کر کے باقی ساڑھے سات روپے اس فنڈ میں داخل کر دیا جائے گا اور ایک سال کے لئے اخبار ان کے نام جاری کر دیا جائے گا، گویا ساڑھے سات روپے وہ اپنے مظلوم و ستم رسیدہ برادران عثمانیہ کو دیں گے، اس کا اجر عظیم اللہ سے حاصل کریں گے اور صرف آٹھ آنے میں سال بھر کے لئے الہلال بھی ان کے نام جاری ہو جائے گا۔ اس طرح چار ہزار خریداروں کی قیمت سے ۳۰ ہزار روپیہ فراہم ہو سکتا ہے اور دفتر الہلال اسے خود فائدہ اٹھانے کی جگہ اس کار خیر کے لئے وقف کر دیتا ہے۔"

الہلال نے جب ایک سال کی مدت پوری کر لی تو مولانا آزاد نے الہلال کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی اور ایک سال کی خدمات کا ذکر بھی ۲۰ رجولائی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں کیا۔

الہلال کو شائع ہوتے کامل ایک سال کا زمانہ گزر گیا، مگر آج تک اس کے "اغراض و مقاصد" کے عنوان سے کوئی مستقل مضمون نہیں لکھا گیا، نہ اس لئے کہ اس ضروری موضوع سے پہلو تہی کی گئی بلکہ اس لئے کہ آغاز اشاعت سے لے کر اس وقت تک اس کی ہر تحریر اور اس کا ہر چھوٹا سا نوٹ بھی اس طرح اس کے اغراض و مقاصد کا لسانِ حال اور ترجمان ضمیر تھا کہ کسی مستقل مضمون کی اس لئے ضرورت ہی نہیں ہوئی اس عرصہ میں تقریباً ہر موضوع اور ہر رنگ کے مضامین اس میں نکلے اس کے مخصوص طرز کے مضامین کے علاوہ تمام سیاسی حالات پر بحث کی گئی، واقعات و حوادث پر نظر ڈالی گئی۔ سوالات کے جوابات دئے

گئے، خالص دینی اور خالص ادبی مقالات بھی شائع ہوئے، شذرات کے کالم میں اس کا دائرہ بحث عام تھا۔ مقالات افتتاحیہ میں عموماً کوئی سیاسی یا دینی مضمون ہوتا تھا یا قرآن حکیم اور تعلیمات اسلامیہ کے متعلق کوئی بحث ہوتی تھی، مقالات کے تحت میں تراجم اور اقتباسات ہوتے تھے یا کوئی مستقل عنوان بحث کارزار طرابلس و بلقان میں پہنچ کر معرکہ قتال و جدال گرم ہوتا تھا اور جنگ کے کسی خاص منظر نئے دکھلانے کی کوشش کی جاتی تھی جو صدیوں سے عالم اسلام فراموش کرتا جاتا ہے، تذکرۂ علمیہ کا باب بہت کم رہا تاہم دو چار مضمون شائع ہو سکے اسئلہ و اجوبتہا اور مراسلہ و مناظرہ میں عام استفسارات کے جوابات ہوتے تھے اور یہ مختلف امور و مباحث سے تعلق رکھتے تھے، غور کیجئے تو ان میں سے ہر باب دوسرے باب سے اپنے موضوع و اطراف بحث میں مختلف ہوتا تھا اور مختلف قسم کی نظروں کی اس کے لئے ضرورت ہوتی تھی تاہم احباب کرام اس سے متفق ہوں گے کہ ان تمام مختلف خطہائے بحث و نظر میں الہلال کا مقصد خاص ہر جگہ موجود تھا اور اس کی دعوت حقیقی اپنی اصلی صورت کے ساتھ ہر صحبت میں بے نقاب ہوتی تھی خواہ کوئی میدان ہو لیکن اس نے اپنا ہاتھ جس دلیل راہ کے ہاتھوں میں دیدیا تھا اس سے وہ کبھی علحدہ نہیں ہوتا تھا، اس کا مقصد وحید ہر جگہ نمایاں تھا اس کی آواز ہر گوشہ سے اٹھ رہی تھی اس کی صورت کسی حجاب سے بھی مستور و محجوب نہیں ہو سکتی تھی وہ کوئی انسانی جمال عام و تفضل نہ تھا جس پر کوئی انسانی ہاتھ پردہ

ڈال سکتا، وہ تعلیم الٰہی کے زیر جس کا تجلی گاہ تھا اس لئے اس کی شعاعیں اپنی دیواروں سے بھی مستور نہیں ہو سکتی تھیں، اس نے روز اول ہی سے اپنے لئے صرف ایک راہ اختیار کر لی ہے پس اس کو اپنے اغراض و مقاصد کے لئے کسی لمبی چوڑی فہرست کی ضرورت نہ تھی جیسے کہ بہت سے لوگوں کو ہوا کرتی ہے وہ علمی، تمدنی، اخلاقی سیاسی، ادبی، اصلاحی وکذا وکذا کو اپنے لوح پر لکھوانے کی ضرورت نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے الہلال کی لوح کی جگہ صرف اپنے لوح دل پر ایک ہی مقصد لکھ لیا تھا یعنی "دعوۃ الی القرآن" یا امر بالمعروف ونہی عن المنکر" اور یہ ایک ایسا چراغ ہدایت اسے میسر آگیا تھا جس سے اصلاح و دعوت کی ہر شاخ کو وہ روشن کر سکتا تھا پس اس کے لئے "تمدن معاشرت" علم، اخلاق اور سیاست کے الفاظ بالکل بے کار تھے کیونکہ اس کے پاس وہ تھا جس سے وہ اپنے عقیدہ میں سب کچھ حاصل کر سکتا ہے پر جن کے پاس وہ نہیں ہے انھیں گھر گھر کی ٹھوکریں کھانی پڑیں اور دروازے دروازے دریوزہ گری کرنی پڑتی ہے۔ ومن لم يجعل الله له نورا فما له من نور،

جنگ طرابلس و بلقان زیادہ نہیں چل سکی، یورپ کی صلیبی طاقتیں اور حکومتیں ملکیا اسلامی حکومت ترکی کے خلاف پوری قوت کے ساتھ میدان میں اتر آئی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ترکی کو شکست ہوئی اس کے اسباب کیا تھے اور کیوں ترکی حکومت کو شکست ہوئی، اس سلسلہ میں جناب عثمانی نظامی پاشا مصر مصطفےٰ کامل سے نوفلس نے اخبار پانیر

ہے ایک اورڈ کو بیان دیا ہے اس سے پوری جنگ کی حقیقت اور بلقانی حکومتوں کی سازش و رنج معلوم ہوتی ہے، یہ بیان سوال و جواب کی شکل میں ۵ رفروری ۱۹۱۳ء کے الہلال میں چھپا ہے۔
رپورٹر لکھتا ہے۔

" عثمان پاشا اوسط عمر کے آدمی ہیں ان کا سن ۵۰ سے زیادہ نہیں انہوں نے ملٹری کالج سے نکل کر قسطنطنیہ کے اسٹاف کالج میں شرکت کی اور اس طرح بحیثیت لفٹنٹ کرنل اور سلطان کے اے ڈی کانگ کے فوج میں داخل ہوئے وہ مشرقی اور مغربی دونوں زبان یکساں فصاحت سے بولتے ہیں اور زبان انگریزی میں ان کو اسی قدر ملکہ ہے جس قدر ترکی میں ہے، ترکی وکلا کانفرنس میں صرف وہی انگریزی زبان سمجھتے ہیں میں نے ان کو کارلٹن ہوٹل میں خفیہ خطوط پڑھنے میں مشغول پایا لیکن مجھے پہچان کر انہوں نے فوراً اپنے کام سے ہاتھ اٹھا لیا اور جو کچھ خبریں وہ دے سکتے تھے بتلانے پر خوشی سے آمادہ ہو گئے قدرتہً میرا پہلا سوال یہ تھا کہ ترکی فوج اس طرح میدان میں کمزور کیوں ثابت ہوئی۔ اس کے جواب میں انہوں نے یہ بتایا۔

" افسوس! آپ ضرور اب دریافت کریں گے اور میں اس کے وجوہ جہاں تک جانتا ہوں عرض کروں گا، ہم جنگ کرنے کے مطلق طیار نہ تھے اور یہ لڑائی ہم پر نہایت بزدلانہ ترکیب سے ڈالدی گئی ہے گذشتہ سال ہم لوگ اپنی افواج کے ساتھ اپنے پشت پر اٹلی سے جنگ کر رہے تھے اپنی بحری طاقت کی خرابی سے ہم طرابلس میں کوئی کمک روانہ نہ کر سکے، تاہم کسی طور پر ہم نے ترکی سپاہیوں کی ایک

بڑی تعداد اور کئی ہزار بہترین جوان افسروں کو روانہ کر دیا تھا تاکہ عربوں
کو مردانہ حفاظت وطن کی جنگ میں تربیت و تنظیم کی مدد دیں اس
کے بعد میں یہ خبر معلوم ہوئی کہ سرویا اور بلغاریا اپنے اسلحۂ جنگ
درست کر رہے ہیں اور اس خبر کے موصول ہوتے ہی یہ ترہیب آمیز
جنگ شروع بھی ہو گئی اُنھوں نے ہم پر یہ تہمت لگا کر اس
کے انتقام کی صدا بلند کی کہ ہمارے فوج نے ان کے نواحات پر
حملے کئے ہیں، مانٹی نگرو نے بھی فوراً ان کی تقلید کی، ہم اپنی آئندہ
دقتوں کو سمجھ گئے اور اپنی افواج کو نقل و حرکت کا حکم دینا چاہا
مگر سر جرلڈ لوثر سفیر انگلستان متعینہ قسطنطنیہ اور دیگر سفراء
نے یہ استدعا کی کہ ہم لوگ کوئی ایسی حرکت نہ کریں جو اشتعال دینے
والی تصور کی جائے کیونکہ انھوں نے ہم کو صاف لفظوں میں
سمجھایا کہ دول یورپ اس پر متفق ہیں کہ جنگ ہرگز نہ ہونے دیں
اور اس وقت تک ترکوں کو کسی مخالفانہ حملہ کا اندیشہ کرنے کی ضرورت
نہیں جب تک خود ان کی طرف سے کوئی جنگی طیاری اور پیش قدمی نہ ہوگی
بہت خوب ہم لوگوں نے فوراً اپنی فوج کو ہٹ جانے کا حکم دیدیا، اور
کوئی انتظام شروع نہ کر سکے مگر بلقان لیگ کا مخالفانہ انداز روز بروز
بڑھتا گیا، یہانتک کہ خود دول یورپ نے عام طور پر اعلان کردیا کہ اگر
جنگ چھڑ گئی تو دونوں فریق میں سے کسی کو اجازت نہ ہوگی کہ اس جنگ
سے کوئی ملکی یا مالی نفع اٹھائے اس دھمکی کو یورپ کی پارلیمنٹوں نے
یوں مفید ٹھیرایا تھا کہ جب کسی فریق کو جنگ سے فائدہ کی امید نہ ہوگی
پھر یقینی بلقان لیگ کا ابلتا ہوا خون ٹھنڈا پڑ جائے گا لیکن دولِ

ٹڈی دل ایلڈیا پل " کی راہ میں مسدود کرنا چاہتا تھا، مختار پاشا
کو مجبوراً حملہ کرنا پڑا، اس حملہ میں وہ سپاہی شریک تھے جن کو
تین تین روز سے کوئی غذا نہیں ملی تھی۔ سب کے سب بالکل
کمزور ہو رہے تھے اور ان کے پاس سامانِ جنگ بھی نہ تھا۔ سڑکیں
اتنی خراب تھیں کہ گھوڑے کیچڑ میں پھنس پھنس جاتے تھے، اور
بندوقیں زمین میں گڑ جاتی تھیں دو دو ڈیکولے کر کے ہی ان کا
آگے بڑھانا ممکن معلوم ہوتا تھا اور پیدل سپاہی تو گرسنگی کی وجہ
سے اس قدر ضعیف ہو گئے تھے کہ ان سے کسی مدد کی امید بے کار
تھی۔ روٹی کی تلاش میں متعدد سپاہی منتشر ہو گئے۔ عین اسی حالت
میں دشمنوں کی فوجیں نمودار ہو گئیں اور ترکی سپاہیوں میں کھلبلی
مچ گئی۔ محمود مختار نے فوجوں کو مرتب کرنا چاہا اور اس کی کوشش
میں اپنے لوگوں کو گولی سے مار بھی ڈالا مگر بھوک کی شدت نے لوگوں
کو ہوش و حواس ہی میں کب رکھا تھا۔ کہ وہ حالت کی نزاکت محسوس
کرتے، نتیجہ یہ ہوا کہ مختار پاشا اپنی فوج کو اس وقت آراستہ
کر سکے جب اس جنگ بولی برغاس میں اپنے متعدد بہترین سپاہیوں
کو خود اپنے ہاتھ سے شہید کر چکے تھے۔

الہلال نے عثمان پاشا کے اس بیان پر تبصرہ کیا کہ کس طرح
تثلیثی حکومتوں نے دھوکہ دے کر ترکی پر جنگ مسلط کی۔

" ان اقتباسات کو پڑھو اور غور کرو، بلقان میں اسلحہ
فراہم کئے جاتے ہیں مگر کوئی نہیں روکتا، اس کے بعد ڈپلومیٹک
جنگ کا آغاز ہوتا ہے اس پر ترکی کو تنبیہ ہوتی ہے اور وہ بھی

بغرض حفظ ماتقدم جنگی تیاری کرنا چاہتی ہے مگر مرد بیمار (جیسا کہ ادعا کیا جاتا ہے) انگلستان، بلقانیوں کا طفل گستر روس اور مثلث کا عنصر اقلیع فرانس کے سفرا سفیر ترکی سے ملتے ہیں۔ بالخصوص انگلستان کا سفیر طفل تسلی دیتا ہے کہ جب تک وہ خود حملہ کی محرک نہ ہو گی اس وقت تک کسی علانیہ جنگ کا اسے خوف نہ کرنا چاہیے اور پھر اسی پر بس نہیں کیا گیا۔ بلکہ اس کو مجبور کیا جاتا ہے کہ تدابیر حفظ ماتقدم کو چھوڑ دے۔ ترکی کی ناعاقبت اندیش وزارت طرابلس کے تلخ تجربہ کے باوجود پھر بھی اعتماد دول کا شکار ہوتی ہے اور جنگی تیاری یک قلم موقوف کر دیتی ہے۔ خلوت میں منافقین سیاست کی طرف سے ایک طرف اٹلی کو ابھارا جاتا ہے کہ تمام قوانین جنگ و انسانیت کو بالائے طاق رکھ کر بیروت پر حملہ کر دے تاکہ ترکی مجبور ہو کر اپنی فوج کا اصلی حصہ قسطنطنیہ سے دور بھیج دے۔ دوسری طرف راست باز انگلستان کا راست باز سفیر جنگی تیاری سے روکتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ جنگ ہرگز شروع نہ ہو گی لیکن یکدفعۃً جنگ چھیڑ دی جاتی ہے۔ ترکی اپنے کو دیکھتا ہے تو فوج ہے نہ افسر سپاہی ہیں نہ سواری، سڑکیں خراب ہیں اور بدقسمتی سے سڑکوں کے ساتھ موسم بھی خراب ہے، تربیت یافتہ افسروں کی قلت کی تلافی ناممکن، قلت سواری کا تدارک ممکن مگر خزانہ خالی، مجبوراً سپاہیوں کی کمی رنگروٹوں سے پوری کی جاتی ہے جو بندوقوں کو بھرنا بھی نہیں جانتے۔ پھر یہ فوج ایک ایسی فوج سے معرکہ آرا ہوتی ہے، جو تیس برس سے تیاری کر رہی تھی اور یورپ کی بہترین اعانتوں سے فائدہ اٹھا کر میدان میں نکلی تھی

ایسی حالت میں ناکامی لازمی پیش آئی۔"

ان کمزوریوں کے باوجود مجاہدین ترکی نے دشمن سے بڑی بےجگری سے مقابلہ کیا الحمد کافی سے زیادہ۔ اس جنگ میں بہادرانہ کارنامہ انجام دیے جس میں کا ایک تاریخی کارنامہ عثمانی جنگی جہاز "باربروس" اور اس کے کپتان خیری بک کا تھا۔ دشمن چاہتا تھا کہ ڈلیڈان کی پہاڑیوں کو عبور کرکے مغربی جانب سے چیلجا لائن کے ابتدائی خطوط کو مسمار کر دے تاکہ ترکی قلعہ ساحل کی آبادی اور ساحلی بیڑے کو سخت نقصان پہنچے ان ناپاک ارادوں کو کس طرح سے ناکام کیا گیا اس کی تفصیل ۲۶ فروری ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں ہے۔

۲۸ نومبر کی رات برت رہالکت کی ایک عظیم الشان رات تھی، جو برقی سرعت سے چھوٹنے والی مشین گن کے گولوں، گولیوں کی پیہم بارش اور دس ہزار آہن پوش انسانوں کے فیصلہ کن عزم کے ساتھ گذر رہی تھی، یہ ایک بلغاری حملہ تھا جو ڈلیڈان کی پہاڑیوں کو عبور کرکے مغربی جانب سے چیلجا لائن کے ابتدائی خطوط کو مسمار کر دینا چاہتا تھا، یہ حملہ بالکل اچانک کیا گیا، بلغاری افسروں نے پورا عزم کر لیا تھا کہ کسی طرح چیلجا لائن کو ایک خفیف سا نقصان بھی پہنچا کر اپنی فتوحات کے جغرافیہ کو وسیع کریں مغربی پہاڑیوں تک دشمن کا پہنچ جانا بہت خطرناک تھا۔ زیادہ تر اس لیے کہ یہاں ساحل کے عثمانی بیڑے کی زد بہ آسانی نہیں پہنچ سکتی تھی لیکن ساحل کے لیے یہاں کے نشانے بہت خوفناک تھے، بلغاری حملے کے نمودار ہوتے ہی ترکی قلعہ کی برتری نے جواب دینا شروع کر دیا، مگر اب یہ موثر کارروائی نہ تھی، کیونکہ دشمن مغربی حصہ تک بڑھ آیا تھا

اور قلعہ کی توپ اس کے لئے صحیح ثابت نہ نہیں ہو سکتی تھی یقیناً یہ حالت
نازک تھی، دشمن آگے تو بڑھ نہیں سکتا تھا لیکن اگر وہاں زیادہ عرصہ
تک قائم و ثابت رہ جائے گا تو ترکی قلعہ، ساحل کی آبادی اور خود ساحلی
بیڑے کو سخت نقصان پہنچانا اس کے اختیار میں ہوگا وہ قلعہ، اور
سامنے کے پہاڑ کے درمیانی پل کا راستہ اپنی گولہ باری سے بند کر دیگا
جس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ ترکی فوج اپنے حملے کے ایک بہترین راستے کو کھو دیگی
وقت نازک اور فرصت قلیل تھی صرف ایک ہی علاج باقی رہ گیا تھا اور وہ
ساحل کے جنگی بیڑے کے پاس تھا۔ یعنی بغیر ایک لمحہ کے ضائع کئے
فوج کا ایک حصہ مع توپ خانہ کے ساحل پر اتار دیا جائے اور وہ پل کو
عبور کر کے دامنِ کوہ میں پہنچ جائے اس ترکیب سے دشمن کے گولوں کا
جواب ممکن ہو جائے گا مگر ایسا کیونکر ہو جنگ آگ اور دھوئیں کا کھیل
سہی لیکن سر پر جلتی ہوئی آگ میں کوئی انسان کود نہیں جاتا جو فوج، اور
ساحل پر اترے گی، اس کے سروں پر گولوں کی بارش ہوگی۔ جو
منٹوں گنے رفتار کے حساب سے چھوٹ رہے ہیں، چاروں طرف پھیلنے
والے گولوں کے مہلک آلات ہو رہے ہیں جو آگ اور دھوئیں کی فضا
کے اندر سمٹ سمٹ کر زندگی کی علامات زمین سے محروم کر رہے ہیں۔
ساحل کی زمین یکسر موت و ہلاکت ہے، پھر روح اور خون رکھنے والا کون
انسان ہے جو اپنے تئیں اس کی آغوش میں سپرد کر دے گا۔"

اس زمین کا ہر ذرہ اپنے طلب گار دل سے قربانی چاہتا ہے
عثمان اول کی نسل نے نہیں معلوم آٹھ سو برس کے اندر زندگی اور خون کی
کتنی قربانیاں کر کے ان ذروں کو خریدا ہے، آج بھی اس کی مٹی ہم

سے رہی مانگتی ہے جو ہمیشہ سے مانگتی رہی ہے۔ پھر کیا ہے کوئی اسلام کا فرزند جو اس کا جواب دے۔ یہ جوش اور خودرفتگی کا ایک شعلہ تھا جو لفظوں کی صورت میں بار بار بربروس کے کپتان خیری بک کی زبان سے نکلا تھا اور [illegible] کی فضا [illegible] قومی قربانی اور قومی فرض کی ایک نئی روشنی پیدا کر رہی تھی۔ وہ اس کے بالائی حصے پر کھڑا تھا جہاں کی تمام روشنی گل کر دی گئی تھی تاکہ دشمنوں کو ان کی نقل و حرکت معلوم نہ ہو سکے لیکن پھر بھی ساحل پر بسنے والے گاؤں سے روشنی پیدا ہو کر [illegible] سے [illegible] کو [illegible] کی [illegible] روشنی [illegible] کی [illegible] گولوں کے منہ سے آگ نکلتی تھی تو اس کا دل بھی ایک آتش کدہ تھا مگر جو شعلے اس کے منہ سے نکل رہے تھے [illegible] روشنی [illegible] اس نے پھر نظر [illegible] سپاہیوں کی صفیں خاموش کھڑی تھیں۔ اس نے کہا۔

"دشمن سامنے کی پہاڑیوں پر پہنچ چکا ہے۔ اگر دو گھنٹے اس کو اور مہلت دی گئی تو اس کے دن پوری طرح [illegible] ہو جائے گا وہاں اس کے توپ خانے قائم ہو جائیں گے اور پھر نہیں معلوم اس کو وہاں سے ہٹانے کے لئے کتنی بڑی قربانیوں کی ہمیں ضرورت ہو نہیں معلوم پھر کتنی ترک عورتوں کو بیوہ ہونا پڑے، کتنے شیر خوار بچوں کو داغ یتیمی سہنا پڑے، کتنی لاشیں بچھائی جائیں اور کتنے خون کے سیلاب بہیں؟ لیکن اس وقت صرف چند مقدس لاشوں کی ہمیں ضرورت ہے جو تم کو زندہ کرنے کے لئے مرنا گوارا کر لیں اور ایک سخت آنیوالی

ہاکف سے اپنے ساتھیوں کو محفوظ کردیں۔ صرف ایک توپ اور سو آدمی ہی چیز ہے جو آٹھ سو برس کی "تاریخ عثمانی" آج ہم سے مانگتی ہے۔ اگر ہم کسی طرح ساحل پر اتر کر ان کی توپوں کا جواب دینے لگیں تو یقین ہے کہ وہاں قائم نہ رہ سکیں گے اور شہر گلی کو کسی بڑے حملے کی بربادی ہماری فوج کی گوارا نہیں کرنی پڑے گی۔

سب سے پہلے میں خود اپنا نام پیش کرتا ہوں۔

"بکابک بار بروس" کہ ایک خفیف سی جنبش ہوئی اور فوراً کشتیاں سمندر میں ڈال دی گئیں۔ سو آدمیوں کی یہ ایک مختصر جماعت تھی جس نے ساحل کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ سامنے سے گولوں کی لگاتار بارش ہو رہی تھی اور پیچھے والے گولوں کی آتش فشانیوں سے تمام ساحل ایک فضائے آتشیں ہو رہا تھا مگر یہ کشتیاں بے خوف و خطر جا رہی تھیں۔ پھر کیا ان کشتیوں میں انسان نہیں تھے۔ انسان تو تھے مگر وہ انسان جن کو اپنی زندگی سے بڑھ کر قوم و ملت کی زندگی عزیز ہے پس وہ چاہتے تھے کہ خود مرجائیں لیکن اپنی قوم و ملت کی عزت کو زندہ کردیں۔ لیکن صرف تین کشتیاں ساحل تک پہنچیں اور ۷۵ سپاہیوں نے اتر کر پل کو مجبور کرنا چاہا ۱۵ راہ میں گولوں سے اڑ گئے اب صرف ساٹھ اشخاص باقی تھے، انھوں نے دامن کوہ کے قریب پہنچتے ہی ایک زلزلہ انگیز نعرۂ تکبیر بلند کیا اور بجلی کی سرعت سے پہاڑ پر چڑھنا شروع کردیا۔ الغازی اس خیال میں تھے کہ ترکوں کی ہوشیاری سے پہلے ہم اوپر پہنچ چکے ہیں اور اب ان کا باہر نکلنا محال ہے لیکن اس ناگہانی آواز نے ان کے ہوش و حواس پراگندہ کردیے اور ہر شخص

یہ سمجھ کر بے اختیار ہو گیا کہ ترکی فوج پہاڑ تک آ گئی ہے ۶۰ آدمیوں میں سے صرف ۱۷ آدمی اوپر تک پہونچ سکے انھوں نے تمام پہاڑیوں کو دشمنوں سے خالی پایا کیونکہ ان کے پہونچنے سے پہلے وہ رائفلیں چھوڑ کر بھاگ چکے تھے صبح کو خیری بک کو جیلی کے فوجی شفاخانے میں پہنچا دیا گیا کیونکہ اس کا تمام جسم زخموں سے چور تھا وہ زندہ رہا لیکن اگر وہ زندہ نہ رہتا جب بھی وہ زندہ تھا۔

اس جنگ کے بارے میں الہلال کا نقطہ یہ تھا کہ اس کی تمامتر ذمہ داری حکومت برطانیہ پر ہے جو دست نما دشمن ہی اسلام کو تباہ کرنے کے درپے ہے، اس سے خوشامدانہ لہجہ اختیار کرنا نہیں چاہیے۔ علی الاعلان اس کو تنبیہ کرنی چاہیے۔ چنانچہ ۲ اپریل ۱۹۱۳ء کے شمارے میں "انگلستان اور اسلام" کے عنوان سے شذرلنٹ کا ایک مضمون چھپا ہے اس کے آخری حصہ میں انگریزوں کی نقاب کشائی کی ہے اور انگریزوں سے کس انداز سے گفتگو کرنی چاہیے، اس کا طریقہ بتلایا ہے۔

"ہم ایجپٹ کے سلمان ناظرین سے خواہ وہ مصر میں ہوں، یا روم میں یا ہندوستان میں اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس امر کی نسبت دھوکا نہ کھائیں کہ اسلام کو جس خطرے کا اس وقت مقابلہ ہے اس کی حقیقت اور اس کی اصلیت کیا ہے، واقعہ یہ ہے کہ اسلام ہماری نام نہاد لبرل انگلش گورنمنٹ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو رہا ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ اس موقعہ پر جہاں ان کے مذہب کا تعلق ہو اور جس جگہ باقی ماندہ آزاد اسلامی حکومتوں کی بہبودی پیش نظر ہو لفظ "لبرلزم" آزاد خیالی سے

دھوکا نہ کھاتیں۔ آزاد خیال انگلستان کو مسلمانوں کی ترقی سے ذرہ بھر ہمدردی نہیں ہے۔ انگلستان ان کی ترقی سے خائف اور لرزاں ہے اور ضعف اُن کا سر کچلا کرتا ہے۔ پس مسلم انجمنوں کا اس وقت گورنمنٹ کے آگے منت سماجت کے ساتھ درخواست کرنا بھی سراسر بے سود ہے کیا جا سکتا ولیسے کے اشو گئے ہیں۔ انگریزی عدالت تحت کی بارہ بیٹ لیڈی کی دہائی سے بھی کوئی کام نہیں نکلے گا۔ اس قسم کی عبارتیں اور بھی تعلقوں کی جاتی ہیں، اور کچھ بھی وقعت نہیں رکھتیں۔ اگر انگریزوں کے دلوں پر جہاں تک مسلمانوں کے معاملات سے ان کا تعلق ہے کسی دلیل کا کوئی اثر ہو سکتا ہے تو وہ یہ ہے کہ ان ہی اقتدار کو صدمہ پہنچنے کا خوف دلایا جائے اور علی الاعلان صاف کہہ دیا جائے کہ جب وقت تک انگریزوں کی ترکی، فرانس، روس، اطالیہ اور دیگر اسلام کی دشمن سلطنتوں کی پاسداری میں جاری ہے اس وقت تک حکومت برطانیہ ہندوستان کے کروڑوں مسلمانوں کو اپنے دل سے وفادار رعایا شمار نہ کرے اور جب کبھی ہندوستان میں انگریزوں کے لئے مصیبت کا دن نمودار ہو تو ان کروڑوں میں سے ایک سے بھی دوستی یا امداد کی توقع نہ رکھے۔"

شیطانی، بربری اور خونخوار پالیسی ازل سے دنیا میں ہمیشہ رہی ہیں ۱۹۱۹ء کے رسوائے زمانہ میں ایک ذمہ دار افسر عوام کے خون سے ہولی کھیلنے کا ذمہ دار تھا۔ لیکن مسلم زعماء اور صلحاء اس کی چوکھٹ سے جبیں رگڑتے تھے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تھے دعوتیں کھاتے تھے اور گاندھی جی سے ... کی اچھائیاں

بیان کرتے تھے۔ یہی صورت مولانا آزاد کو پیش آئی، یونان کا بادشاہ جس نے ترکی کے خلاف جنگ میں اسلام کو مٹانے کے لئے نمایاں حصہ لیا تھا اور خلافتِ اسلامی کو مٹانے کے لئے سعی کی تھی، اور عین اس جنگ کے زمانہ میں مرا تھا، اس کے قتل کی خبر پر بعض مسلمان اخبارات نے تعزیت اور ماتم گذاری کے مضامین لکھے تھے ایسے اخبارات کے بارے میں مولانا آزاد سے معلوم کیا، اس کا جواب ۹ر اپریل ۱۹۱۳ء کے شمارے میں انہوں نے یہ تحریر کیا تھا۔

"آج جن لوگوں نے اسلامی آبادیوں پر حملے کئے ہیں، لاکھوں مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا ہے، عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کر دیا ہے اور تختِ اسلام کو الٹ دینے کے لئے اپنے تمام قوائے شیطانیہ کو کام میں لا رہے ہیں اور پھر اور جن قوموں اور حکومتوں نے ان کی کسی صورت میں بھی اعانت کی ہے یا اس کے برخلاف سازش میں شرکت کی ہے وہ سب بموجب ان نصوص قرآنیہ اور احکام شریعتِ حقہ، اسلام کے ایک لمحہ اور ایک دقیقہ کے لئے بھی اس کے مستحق نہیں ہیں کہ ہم ان کے ساتھ رسم و راہ دوستی اور طریق مودت و ولایت کو کام میں لائیں یا ان کے ساتھ نرمی و محبت اور شفقت و راحت کا سلوک کریں اور اگر کریں تو پھر اللہ اس کے ملائکہ مقربین اور رسل مبشرین و منذرین کی نظروں میں ہمارا شمار بھی ان ہی دشمنانِ خدا کے ساتھ ہے۔ جب اس بارے میں تعلیم اسلامی کا یہ حال ہے تو پھر آپ خود ہی فیصلہ کرلیں، کہ ان میں سے ایک خبیث ترین رکن اتحاد مسیحی اور ملعون ترین مجاہد صلیب پرستی

یعنی شاہ یونان کے قتل ہونے پر ہمارے بعض ایام جنگ میں صف تعزیت بچھانے اور مسیحی ماتم میں برادرانہ و عزیزانہ شرکت کرنے کے لئے کیا کم ہو سکتا ہے۔ شاہ یونان وہ شخص تھا جس کے اندر سب سے پہلے صلیب کے شیطان لعین نے حلول کر کے صدائے جہاد دی تھی۔ اور آغاز جنگ ہی میں اس جنگ کو اسلام کے برخلاف جنگ مقدس قرار دیا تھا پس میں تو ایک سیدھا سادھا مسلمان ہوں، اپنے دلی اعتقاد کے اخفا پر تیار نہیں، میں تو صاف صاف کہتا ہوں کہ اس شریر انسان کے قتل کے واقعہ پر میری زبان اس کے سوا اور کچھ نہیں کہہ سکتی کہ اس پر اس کے عاملوں پر اور شریکوں پر اور اس کی فوج و سامان لشکر پر اللہ کی، اس کے ملائکہ کی اور جمیع بنی نوع انسان کی اور دین الٰہی کی لعنت ہو۔ پھٹکار ہو اور ہر اس پر جو اس کے نقش قدم پر چلے اور اسلام کے برخلاف مسیحی جہاد کا اعلان کرے یا در پردہ اس کے ساتھ ساز باز رکھتا ہو أولئك يلعنهم الله ويلعنهم اللاعنون وذلك ماواهم جهنم ولا يجدون عنها محيصا۔ یہ ہیں جن کا آخری ٹھکانا دوزخ ہے اور وہاں سے پھر نکلنے کی ان کے لئے کوئی راہ نہیں۔

جنگ بلقان میں حکومت برطانیہ وغیرہ نے ترکی حکومت کی کمزور پوزیشن سے جہاں ناجائز فائدہ اٹھایا اور جنگ میں بچا لینا وہاں ان مخالف حکومتوں نے وزارت ترکیہ میں اپنا سازشی جال پھیلا رکھا تھا جس میں وزیر اعظم کامل پاشا دشمنان ترکی سے ساز باز رکھتا تھا، ترکی کے محبان وطن اس سازش سے عرصہ سے واقف تھے

اور دشمنوں نے دشمنوں کی سازش کو ناکام کرنے اور کامل پاشا کی وزارت کا خاتمہ کرنے کے لیے ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی جس کا نام انجمن اتحاد و ترقی تھا یہ انجمن اپنا کام خاموشی کے ساتھ انجام دے رہی تھی، کامل پاشا کو اس کا علم بھی تھا۔ وہ اس تنظیم کو کچلنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن اس جنگ کے دوران جبکہ دشمنوں نے ترکی حکومت کو بھی سازشی معاہدوں سے جنگی معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اس وقت یہ انجمن اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئی اور کامل پاشا کی وزارت کا تختہ پلٹ دیا اس انقلاب کی سرگزشت ۹ ار زوری ۱۹۱۳ء کے الہلال میں بھی ملاحظہ ہو۔

"گورنمنٹ کو افسروں کی طرف سے بار بار آگاہ کر دیا گیا تھا کہ فوج بلا کسی سوال کے جنگ کو دوبارہ جاری رکھنا چاہتی ہے اور وہ اس کے لئے سخت مضطرب ہے، نیز انجمن اتحاد و ترقی کے مدبرین بھی برابر اسی پر زور دے رہے ہیں مگر کامل پاشا اس کا سخت مخالف تھا اس کا خیال تھا کہ وہ خطرات جو دوسروں کو سامنے نظر آتے ہیں اس کے سامنے بالکل ہیچ ہیں، اس کو ناظم پاشا پر پورا بھروسہ تھا اور اس نے ان خطرات کی کچھ بھی پیش بندی نہیں کی گئی اس بدلے والے انقلاب کی صبح کو طلعت بک نے کامل پاشا سے ملاقات کی اور نہایت گفتگو میں صاف طور سے ظاہر کر دیا" یا تو باب عالی اس موقع پر دول کی یادداشت کو منظور کرنے سے انکار کر دے یا پھر ایک سخت خون ریزی کے لئے مستعد ہو جائے۔ اس مبارک دن کی دوپہر ڈھل چکی تھی، تین بجے کا وقت تھا خاموشی اور سکون کے

خلاف کوئی بات نہیں ہوئی تھی کہ یکایک آنے والے حادثہ کا پہلا نشان
ظاہر ہوا۔ امجد تک واسطے اندر ایک گھوڑے پر سوار نظر آئے جن کے ساتھ
پانچ سوار اور تھے، جوں ہی انھوں نے باب عالی کی طرف جانے کے لئے
اپنے گھوڑے کی لگام موڑی تو بارہ آدمیوں کی ایک جماعت قریب کے
قہوہ خانہ سے نکلتی ہوئی نظر آئی اور سڑک پر پہنچتے ہی انھوں نے بغل
سے سرخ و سفید رنگ کی جھنڈیاں نکالیں اور ان کو بلند کر کے کھول دیا۔
یہ عجیب پُراسرار جھنڈیاں تھیں، جن پر قرآن کریم کی آیات کارچوبی
کام سے لکھی ہوئی تھیں اور فضا میں ساکن فضا سے منتشر و متحرک و متلاطم
کرنے میں آتی نہ قابل فہم طلسمی اثر رکھتی تھیں، اس جماعت نے جارحانہ
قدم بڑھانا شروع کر دیا۔ یکایک ایک دوسری راہ سے ۱۲ جھنڈیاں نمودار
ہوئے ان کے پیچھے بھی ۱۲ یا ۱۵ آدمیوں سے زیادہ تعداد نہ تھی، چند
لمحوں کے بعد ایک دوسرے راستے سے ایسی ہی جماعت نکلی، اور
پھر تیسری چوتھی اور پانچویں غرضکہ پہلی جماعت اپنی سرخ و سفید
جھنڈیوں کو لئے ہوئے جوں جوں بڑھتی جاتی تھی، نئی نئی جماعتیں
پورے سکون اور خاموشی سے آ آ کر ملتی جاتی تھیں پندرہ بیس منٹ
کے اندر شہر کا کوئی راستہ جو باب عالی تک جاتا ہے پُراسرار
۱۲ والی جماعت سے خالی نہیں رہا اور بغیر کسی شور و شغب کے باب عالی
تک پہنچتے پہنچتے ایک بڑی جماعت فراہم ہو گئی۔ جوں ہی یہ گروہ باب عالی
کے بڑے پھاٹک پر پہنچا ایک جانب سب کی نگاہیں اٹھ گئیں
سب نے دیکھا کہ غازی انور بے ایک گھوڑے پر سوار چلے آ رہے
ہیں، اب ایک پوری باقاعدہ جماعت تھی جس کی تعداد سو کے قریب تھی

غازی انور بے کے بعد سب سے زیادہ قابلِ ذکر نیازی بک اور طلعت بے ہیں، جو سب سے آگے تھے، ان کے علاوہ انجمن اتحاد و ترقی کے رہنما اور فدائی ممبروں کی جماعت تھی جو صدر دروازے بڑھتے ہی جماعت نے سب سے پہلے نعرہ لگایا "حکومت سے دستبردار ہو جاؤ ہم ملک کو بچا ئیں گے"۔ اس نعرہ کے ساتھ ہی پوری جماعت نے باب عالی کے اندر داخل ہونا چاہا جو محافظ دستہ فوج وہاں موجود تھا اس نے کسی طرح کی مزاحمت نہیں کی، قومی جماعت کا باب عالی کے سامنے نمودار ہونا اور پھر یکا یک اندر داخل ہو جانا اس قدر جلد ظہور میں آیا کہ تمام واقعہ ایک طلسم معلوم ہوتا ہے لیکن دراصل اس واقعہ پر کچھ بھی تعجب نہیں کرنا چاہیے۔ تعجب کا اصل مرکز اتحاد و ترقی کے پُر اسرار اعمال ہیں جس نے یہ عجیب تماشہ دنیا کو دکھلایا جو یہ تھا، فی الحقیقت یہ ایک پوری مکمل اور باقاعدہ طے شدہ کارروائی تھی جس کے تمام اسباب و لوازم پیشتر سے فراہم کئے گئے تھے باب عالی کی محافظ فوج نے کچھ تعرض نہیں کیا لیکن کیوں کرتی جبکہ وہ خود اتحاد و ترقی کے جاں نثار محافظ دستے کی جگہ (اوتنک بلیش) کے سپاہی متعین کئے گئے تھے، یہ انجمن کی خاص مددگار جماعت تھی انجمن کو اس کارروائی کا موقع کیونکر ملا، نیز باب عالی کے محافظ فوج کیوں کر بدل دی گئی کہ اس کی اطلاع دفتر جنگ، وزراء اور پولیس کو نہیں ہوئی، یقیناً ایک معمہ ہے جس کا حل کرنا سردست مشکل ہے تاہم اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ انجمن اپنے اس سخت ترین دور مصیبت میں بھی کس قدر دنیا یقین کرتی تھی کہ اس کی زندگی کے آخری دن ہیں اپنے اندر کیسی عجیب

اور اعجوبہ خیز قوت انقلاب کتنی ہے اور اس کی تدابیر مخفیہ کس درجہ پختہ اور اس کے نشانے کس درجہ بے خطا ہیں۔ جماعت آگے بڑھ کے چند لمحوں کے لئے رکی اور خاموش سپاہیوں کے دستے کے سامنے نیازی بے بے باکانہ اس طرح جیسے کوئی شخص میں بارٹ کرتے ہوئے کہتا ہے چلا کر کہا: میں اپنے آبائی ملک کی عزت بچانے آیا ہوں جس نے حقیر و ذلیل کر دیا ہے۔ خدا نے اور ردنہ سے جو نے جب خائن گورنمنٹ نے کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا اگر تمہاری مرضی یہی ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں مجھ کو مار ڈالو اور سینے کو گولیوں سے چھلنی کر دو، میں اپنے ملک کی تذلیل و تحقیر نہیں دیکھوں گا زندگی جب یہ ہے تو مرنے تک ... بہتر ہے کہ زندگی کے لئے اب دنیا میں عزت نہیں یہ اب اس شخص کا آخری ایجنٹ باقی تھا۔ نیازی اور بے خلیل بے اور جہاں تک آگے بڑھے ان کے پیچھے طلعت بے عمر بے، نیازی بے اور مدحت بک تھے، یہ تمام لوگ وزارت اعظم کے دفتر میں جہاں اس وقت وزراء کی مجلس یادداشت کا جواب لکھنے کے لئے منعقد تھی اپنے معمولی لباس میں بے باکانہ داخل ہو گئے، اصلی نشست کے ہال کا دروازہ چند قدموں کے فاصلہ پر تھا کہ سب سے پہلے کامل پاشا کا اردلی کاتک نامذ بے نکلا اور ریوالور لئے ہوئے وسطِ راہ میں راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن معاً ایک گولی چلی اور وہ زمین پر ڈھیر تھا۔ اس کی شامت ناظم پاشا کے ایک خفیہ ایجنٹ اور اردلی کاتک توفیق بک نے کی۔ لیکن اس کو بھی مہلت نہیں ملی، سب کے آخر میں خود ناظم پاشا باہر نکلا اور انور بے کو دیکھ کر کہا کہ یہ کیا

گستاخی ہے، ایک پرانے افسر مصطفیٰ نجیب نے کہا گستاخی گستاخی
تم کر رہے ہو، ساتھ ہی فائر کر دیا اور متواتر تین گولیاں اس کے جسم
سے نکل گئیں، کامل پاشا کے مصاحب ناظم پاشا کے قاتل کو مار ڈالا
لیکن خود بھی نہ بچ سکا۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ کسی فدائی کی
گولی اس کے حصہ میں آئی بعض اس کے قاتل کو ایک فوجی افسر بتلاتے
ہیں، گولیوں کے چھوٹنے کی آواز سن کر، حفاظتی دستہ فوج میں
ایک ہیجان پیدا ہوگئی، ایک دو سپاہیوں نے انور بے کی طرف بندوق
کی نالی بھی کر دی۔ لیکن اس نے کسی بات پر توجہ نہیں کی، وہ
اپنے ارادوں میں سنجیدہ اور گویا کسی طے شدہ نقشے کے مطابق ایک کے
بعد ایک منزل سے گزر رہا تھا۔ وہ سیدھا ہال کے اندر چلا گیا۔ اور
کامل پاشا کے سر پر کھڑے ہو کر کہا "میں بغیر کسی تمہید کے کہتا
ہوں میں حکم دیتا ہوں کہ ... لڑائی جاری رکھنے کی قسم کھاؤ ورنہ یا
اس کرسی کو چھوڑ دو، اگر تم نے عذر پیش کیا تو یاد رکھو
کہ اسی وقت یہ تمام فضا خون آلود ہو جائے گی" کامل پاشا
جو اس وقت بالکل سرد پڑ گیا تھا ڈرتے ڈرتے جواب دیا
میرا خیال جنگ جاری رکھنے کے خلاف ہے میں استعفیٰ دیتا
ہوں۔ انور نے صرف اتنے ہی کو کافی نہیں سمجھا بلکہ اسی وقت استعفیٰ کا
مضمون کاغذ پر لکھ کر پیش کر دیا اور کامل پاشا نے بلا کسی وقفہ کے دستخط کر دئے
استعفیٰ جیب میں رکھ کر اس نے ہال کے چاروں طرف نظر ڈالی
اور تمام سابق وزراء سے کہا "براہِ عنایت آپ تمام حضرات اپنے
آپ کو نظر بند یقین کریں، یہاں تک کہ نئی وزارت قائم ہو جائے گی"

یہ لوگ رات کو دو بجے رہا کر دئیے گئے تھے، اس اثناء میں کیا
حکومت بالکل غائب رہی، نہیں، لیکن انجمن کے عہدیداروں نے سب کو
سلا دیا تھا اور اب بیدار کرنے کی وقتی کوشش بے فائدہ تھی باب
عالی کی محافظ فوج کا حال لکھ چکا ہوں اور پھر مزید یہ کہ اس کا افسر
غائب تھا اس پورے عرصہ میں سپاہیوں کو کوئی حکم نہیں دیا گیا،
کہ موجودہ حالات میں انھیں کیا کرنا چاہیے محافظ دستے کے افسر
نے ایسا ظاہر کرنے کی کوشش کی، گویا اتفاقاً اس کے آنے میں دیر
ہو گئی، لیکن درا صل ایک شریک انقلاب افسر اس پر مسلط کر دیا گیا تھا
کہ حرکت نہ کر سکے - خاص شہر کے حاکم کی سرگزشت نہایت عجیب ہے
اول تو اس کو بہت دیر میں اطلاع ملی، پھر سب سے نزدیک کے فوجی
بارک میں جا کر سپاہیوں کو جمع کرنا چاہا مگر معلوم ہوا کہ وہ تو سب کے سب
سازش میں شریک ہیں - [illegible] وہ دوڑا ہوا دوسری پلٹن میں گیا لیکن یہاں
افسر موجود نہ تھے، سپاہیوں کو حکم دیا کہ تیار ہوں مگر انھوں نے نہایت
[illegible] جواب دے کر ٹال دیا کہ افسروں کے معاملات میں
ہم دخل نہیں دے سکتے بالآخر نا امید ہو کر خاموش ہو گیا۔ لیکن یہ خاموشی
[illegible] خاموشی سے بھی عجیب تر تھی کیا یہ خود بھی شریک
[illegible] عجیب نہیں کیونکہ اب دنیا بدل گئی تھی اور ہر
[illegible] تھا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد غازی انور بے دوبارہ نمو
[illegible] کے ہاتھ میں فرمانِ سلطانی تھا، ہز ایکسیلنسی محمود شوکت
پاشا وزیر اعظم مقرر کیے گئے، اس خبر کے اعلان کے ساتھ ہی
پہلا کام یہ کیا کہ عوام میں سکون اور باقاعدگی پیدا کرنے کی انتہ

کوشش شروع کر لی۔ عین کے ہجوم اور ہنگامہ سے ایک محشر جوش و
خروش بپا تھا۔ کمیٹی کے ممبر جلد ہی میں یہ کام تقسیم کر دیا گیا کیونکہ
اب ان کی مہم پبلک کو کوئی خاموش نہیں کرا سکتا تھا اس کے ساتھ
ہی اتحاد و ترقی کے مخالفین و معاندین کی گرفتاریاں بھی شروع ہوگئیں
دول خارجیہ کے سفراء نے مفرورین کے لئے محفوظ مقامات مہیا
کئے اور اس طرح سعید پاشا لبرکامل پاشا مختار پاشا، لیبر شیخ الاسلام
اور محل کے ماتحت سکرٹری رسید پاشا نے فوراً بھاگ کر سفراء
کے یہاں پناہ لی، اب دیکھنا یہ ہے کہ انجمن کا سلوک اپنے دشمنوں کے
ساتھ کیسا رہتا ہے، وہ دشمن جن سے انتقام لینے کی اسے
پوری طاقت حاصل ہے، کیا انجمن ان کو سخت سزائیں دینا پسند
کرے گی۔ لہٰذا ہر سازش کنندوں کی تعداد بہت قلیل تھی وقت اور
فرصت اس سے بھی کم، تاہم انھوں نے جس مستعدی، چالاکی اور حیرت
انگیز سرعت کے ساتھ ایک عظیم الشان انقلاب پورا کر دیا۔ وہ ہمیشہ
ناقابل فراموش رہے گا۔ ٹیلی فون اور ٹیلیگراف کے وہ تمام تار کاٹ ڈالے
گئے تھے جو باب عالی محل سلطانی اور دفتر جنگ میں باہم مخابرہ کا ذریعہ
ہو سکتا تھا۔ اسماعیل آفندی آیلستامی اتحادی ہے جو کمیٹی کے ماتحت
خفیہ پولیس کا افسر تھا، اس کے ماتحت سپاہیوں کا ایک گروہ اور
خفیہ پولیس کے آدمی دیدیئے گئے تھے تاکہ تمام اخبارات کے دفاتر
کی نگرانی کریں، نیز ان کے دروازوں پر سخت پہرہ بٹھا دیا گیا
تھا کہ نہ تو کوئی شخص اندر سے نکل سکے اور نہ باہر کا کوئی شخص اندر
جا سکے۔ انقلاب کے ظہور کے ساتھ گورنمنٹ کے تمام ممبروں کی

گرفتاری میں بھی عجیب و غریب قوت کا اظہار کیا گیا صرف یہی لوگ نہیں بلکہ بعد میں اشخاص بھی گرفتار کر لئے گئے تھے جن سے انجمن کو کسی طرح کا خطرہ تھا۔ انطولیہ ریلوے کا ڈائرکٹر ایم گکمن جرمن، قنصل خانے کا مترجم ہرومیر اور ایک انگریز مسٹر ڈکنگم نامی، جو عثمانی بنک کا منیجر تھا، اسی وقت گرفتار کر لئے گئے تھے۔ اور پانچ بجے تک گرفتار رہے اگرچہ اور تمام وزارت کے ۴ بجے رہا کر دئے گئے۔ لیکن عبدالرحیم پاشا وزیر مال اور رشید پاشا وزیر داخلہ باب تک مقید ہیں۔۔"

ہندوستان میں ایسے بھی لوگ تھے جو مسلمان ہوتے ہوئے ترکی حکومت کی حمایت میں نہیں بلکہ انگریزوں اور مخالفوں کی موافقت میں انگریزوں سے جنگ کرنے کے خلاف بیان دے رہے تھے۔ جس میں سر آغا خاں پیش پیش تھے۔ ان کے اس خوشامدانہ بیان [illegible] ۹ [illegible] دری ۱۹۱۵ء کے شمارے میں تنقید کی ہے۔

" [illegible] ہز ہائینس سر آغا خاں بالقابہ الکبیرہ نے مسلمانان ہند کے نام ایک چٹھی ٹائمس میں شائع فرمائی ہے۔ اور اس کا خلاصہ [illegible] کے اسی دن تمام اخبارات کو باہتمام مخصوص بھیجا گیا ہے چٹھی نہایت دلچسپ ہے اور اس قابل ہے کہ بند بند صدر معارف [illegible] کو ہیش نظر رکھ کر اس کی اسٹڈی کی جائے چٹھی کا آغاز [illegible] کی [illegible] سوزانہ ہمدردی سے مگر خاتمہ ایک ہمدردانہ مشورہ پر کیا [illegible] ہے [illegible] اس کو بہت ضروری سمجھتے ہیں کہ مجرمین وبا جرمن قسمے [illegible] جائے لیکن اس پر خشمگیں ہیں کہ مسلمانان ہند اجرائے

جنگ کے لئے ترکی کو کیوں مشورہ دیتے ہیں ان کو کسی کی جنگ صلح سے کیا غرض، اپنی حکومت کی اس بخشی سے شاد کام رہیں ترکی کے لئے صلح ہی میں بہتری ہے۔ آخر میں ان کا مشورہ ہے کہ اسلام کو اب یورپین مقبوضات سے فوراً جلا وطن ہو جانا چاہیئے۔ صرف ایشیا ہی پر قناعت کر لی جائے۔ ایسا کرنے سے ایک نعمت گرانمایہ یعنی "دولتِ علیہ برطانیہ" کی سرپرستانہ اعانت اور اسلام نوازانہ مہرو نوازش کی دولت لازوال حاصل ہو جائے گی۔ یہ ایک ہالکری" کی نئی حکایت" یا گریزونی کا نغمۂ تازہ ہے جو مسٹر ہاتیس کے ساز وجود سے منتقل ہو کر سامعہ نواز بزم وانجمن ہوا ہے۔ بعض ظاہر بین بدمزہ ہو رہے ہیں کہ یہ آواز کچھ خوش آئند نہیں۔ لیکن باطن شناس ان حقیقت کہتے ہیں کہ ملامت بے فائدہ ہے تم ان تاروں کو دیکھیے جن سے آواز نکلتی ہے اور ہماری نگاہ ان انگلیوں پر ہے جو ان پر زیر و بالا پڑ رہی ہیں۔ مسٹر ہاتیس نے اس ایک چٹھی میں اپنے باطنی خیالات کے کتنے تجیسں بدلے ہیں آغاز تحریر میں ترکوں کی ہمدردی کرتے ہیں اپنے تئیں مسلمان ظاہر کرتے ہیں، کچھ دیر کے بعد ان کو اس خیال سے سخت پریشانی ہوتی ہے کہ "جنگ" دوبارہ جاری کر دی جائے۔ یہاں آکر وہ موجودہ مسیحی جہاد کے مقدس علم بردار شاہ فرڈیننڈ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کیونکہ صوفیا سے بعینہ یہی آرزو دہرائی گئی ہے۔ کہ ترکوں کو جنگ جاری کرنے کا مشورہ نہ دیا جائے آگے چل کر ان کا چہرہ زیادہ صاف نظر آتا ہے وہ بے تکان مشورہ دینے کے لئے بڑھتے

میں "اسلام کے لئے بہتر ہے کہ یورپ کو خالی کر دے" اب ان کا لباس ملغاری وضع کی جگہ ان کی اصلی انگریزی وضع اختیار کرلیتا ہے کیونکہ ان کے اس مذہب کو ابوالالباء مسٹر گلیڈ اسٹون نے بھی ۱۸۷۶ء میں یہی رائے ظاہر کی تھی "بس اب ترکوں کے لئے صرف ایک ہی کام باقی رہ گیا ہے یعنی فوراً اپنے مدیروں، بک باشیوں، قائم مقاموں اور باشی بزرقوں کو ساتھ لے کر اپنے لقیچے سمیت باسفورس کے پاس ایشیا میں چلی جائے" البتہ گلیڈ اسٹون کا منسوب ناسخ لندن اچھے لفظوں میں ہوا ہے۔"

آغا خان کی چٹھی سے مسلمانانِ ہند میں بے حد غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، جگہ جگہ ان کی چٹھی کے خلاف جلسے ہونے لگے۔ ۶ار فروری ۱۹۲۳ء کو کلکتہ میں ڈھائی بجے دن کے ٹاؤن ہال میں ایک جلسہ مسٹر مظہر الحق صاحب کی صدارت میں ہوا، اس کی روئیداد ۹ ار فروری ۱۹۲۳ء کے الہلال کے پرچہ میں شائع ہوئی ہے،

مسٹر مظہر الحق نے پہلے اردو میں اغراض و مقاصد مجلس کی تشریح کی اس کے بعد اپنا صدارتی انگریزی ایڈریس پڑھکر سنایا۔ جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

"مجھ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہماری جماعت میں لوگوں کا جوش بے انتہا بڑھا ہوا ہے۔ میں اس امر سے بھی واقف ہوں کہ یہاں کے اینگلو انڈین پریس کا رویہ ترکی کے متعلق سخت حملہ آورانہ ہے، تاہم میں آپ لوگوں سے استدعا کرتا ہوں کہ آپ بد زبانی کا جواب بدزبانی سے نہ دیں، جو وحشیانہ مظالم اس خوفناک جنگ میں مسلمانوں

پر کئے گئے ہیں، مشکل ہے کہ اس بیسویں صدی میں ان پر یقین کیا جائے میں نے اول اول جب ان مظالم کی خبریں سرگزشتول کو پڑھے تو مجھکو خیال ہوا کہ یہ صحیح نہیں ہیں، کاش میرا شبہ صحیح ہوتا۔ لیکن افسوس کہ بیانات اس قدر قوی اور راوی اس قدر صادق القول اور ثقہ ہیں کہ مجھکو مجبوراً ان پر یقین کرنا پڑا۔ مسلمانوں کو معلوم ہے کہ کس طرح مسٹر گلیڈسٹون نے آرمینیا کے فرضی مظالم کی داستان سرائی سے ترکوں کے خلاف جد و جہد کی تھی اور پھر کس طرح ترکی کے متعلق تمام یورپ میں غیظ و غضب پھیلا دیا تھا۔ اور سلطان عبدالحمید کو "قاتل اعظم" کے نام سے یاد کیا تھا۔

حضرات، میں افسوس کے ساتھ سر آغا خاں کی تحریک کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں جو حال میں بمبئی کے ایک اخبار میں شائع کی گئی ہے اور جس کی خبر تمام ہندوستان میں تار کے ذریعہ چھپوائی گئی ہے شخصاً میں ہز ہائینس کی اس قدر عزت اپنے دل میں رکھتا ہوں کہ نہیں سمجھتا اس کو کیونکر ظاہر کروں لیکن اگر میں ایک ملی مسئلہ کی نسبت ذاتی دوستی کی بنا پر خاموشی اختیار کر لوں تو اپنے اسلامی فرض کے ادا کرنے سے اپنے تئیں بالکل قاصر یقین کروں گا۔ میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ہز ہائینس نے جن خیالات کا اپنی اس تحریر میں اظہار کیا ہے اس سے مسلمانانِ ہند کی کسی قابلِ ذکر جماعت کو اتفاق نہیں ان کے خیالات اسلام کے خلاف ہیں اور اس ملک کے اہل اسلام ان کو نامنظور کرتے ہیں۔ یہ کہنا کہ "جو لوگ ترکوں کو جنگ کرنے کی ترغیب دینے میں وہ غیر ذمہ دار اشخاص ہیں اور

اپنی فتنہ انگیزی سے واقف نہیں ، مسلمانوں کے جذبات سے گویا چشم پوشی کرلی ہے۔ مسٹر بائنس کو چاہیئے کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے ملک کے اجوار کے لئے جو شور سے دیتے ہیں وہ اس وجہ سے ہیں کہ ترکوں پر ایک نہایت مشکل اور صعب موقعہ آپڑا ہے وہ چاہتے ہیں کہ اپنی غور ہتول سے ان کی ہمت بڑھائیں۔ یہ کہنا کہ ترکوں کو غیر ذمہ دار صلاح دی گئی ہے بالکل غلط فہمی پر مبنی ہے موجودہ واقعات نے بتلادیا ہے کہ جو صلاح دی گئی ہے وہ بہت صحیح تھی نے اور ترکوں نے جنگ جاری کردی۔ مسٹر بائنس فرماتے ہیں کہ ترکی کو صرف ایشیائی سلطنت ہونے پر قانع ہونا چاہیئے اور یورپ کے تمام صوبوں کو چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن میرے لئے تو اس کا باور کرنا ہی مشکل ہے کہ کوئی شخص مسلمانوں کا لیڈر ہو کر مسلمانوں کے خلاف ایسے الفاظ منہ سے نکال سکتا ہے۔"

" ابھی تقریر شروع ہی نہ ہوئی تھی کہ تمام جلسہ میں سر آغا خاں کے ذکر نے ایک سخت برہمی اور غصہ کی سوزش پیدا کردی تھی معلوم ہوتا تھا کہ اب پبلک اس نام کو سکون و اعتدال کے ساتھ سننے کے لئے بالکل طیار نہیں ہے اور اس نام سے اس درجہ متنافر اور متالم ہے کہ سننے کے ساتھ ہی اظہار غیظ و غضب کے لئے بے اختیار ہوجاتی ہے، جوں ہی مسٹر بائنس کا نام رزولیوشن میں آیا تھا انکار نفرین کی صدائیں ہر طرف سے اٹھنے لگیں، بہت سی آوازیں نہایت سخت و شدید الفاظ و القاب کے ساتھ مختلف سمتوں سے سننے میں آئی تھیں جن کا ذکر یہاں مناسب نہیں سمجھتا۔ اگر میرے بعض نیک گمان

جناب اجازت دیں تو بغیر ابہام، بلا تردد و تحسین کے کہہ سکتا ہوں کہ
اس سرزنش و تنبیہ میں (مولانا ابوالکلام آزاد) نے بھی حصہ
لیا تھا۔"

انگریزی حکومت ہو یا کانگریسی یا کوئی اور حکومت ہو ان کا عام
طور سے اپنے محکوموں کے ساتھ یہ سلوک ہوتا ہے کہ ان کی ہر چیز پر
قبضہ کر و اور ان کو ہر طرح سے ذلیل و خوار بنا دو۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ پر
جس طرح آج کل کانگریسی حکومت اپنا تسلط جمانا چاہتی ہے اور اس
کو طرح طرح سے بدنام کر کے یونیورسٹی کے ساتھ جو لفظ مسلم ہے اس کو
مٹانے اور اس کے مسلم کردار کو ختم کرنے کے لئے در پے ہے اسی طرح
انگریزی حکومت کا بھی منشا تھا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ساتھ جو لفظ
مسلم جڑا ہوا ہے اس کو مٹا دیا جائے اور اس پر سرکار کا پورا قبضہ ہو
یہ باتیں برداشت کے قابل نہیں ہوتیں، جس طرح موجودہ کانگریسی حکومت
کے ناپاک ارادوں کے خلاف جو اس نے مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے بارے
میں قائم کر رکھے ہیں مسلمان آواز اٹھا رہے ہیں انگریزی دور میں بھی
اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی مخالفت کے ساتھ ملک کا بچہ بچہ
مخالفت پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن انگریزی حکومت کی سربراہی کا جو
کے ذمہ دار لوگ کر رہے تھے مولانا آزاد نے اس کو پسند نہیں کیا، اور
انگریزی اقتدار کے خلاف الہلال کو وقف کر دیا تھا۔

۲۹؍ دسمبر ۱۹۱۲ء کو مسلم یونیورسٹی فونڈیشن کمیٹی کی میٹنگ
ہوئی اس میں فیصلہ ہوا کہ وائسرائے کے پاس ایک وفد بھیجا جائے، اس
وفد کے ارکان اس قماش کے ہوں جو حکومت کے ہاتھوں میں یونیورسٹی

کا استحکام سونپ دیں احساس کا پورا تسلط کرا دیں کمیٹی کے اس فیصلہ کے خلاف ملک بھر میں ایک ہیجان سا پیدا ہو گیا، مولانا ابوالکلام آزاد ان ننگوں میں شامل تھے اور ان کے سامنے یہ تماشا کس ڈرامہ کھیلا گیا تھا اس لئے انہوں نے خاموشی اختیار نہیں کی اور مسلم یونیورسٹی کے حکومت پرست طبقہ کی سازش کی نقاب کشائی کی اور الہلال میں کافی مقالے اس کے خلاف لکھے۔ چنانچہ ۵ مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے کے ایک آرٹیکل میں تحریر فرماتے ہیں۔ "

"دراصل اب فونڈیشن کمیٹی کی تمام بحث آکر اس پر ختم ہو گئی تھی کہ ڈاکٹر میجر سید حسن بلگرامی کا رزولیوشن منظور ہو یا غیر منظور، تمام دیگر مسائل محض بازیچہ تھے اور اصلی شئے جو ارباب کار کو حصول یونیورسٹی میں راہ میں نظر آتا تھا یہی رزولیوشن تھا، اس رزولیوشن کا مقصد فی الحقیقت کسی قومی یونیورسٹی کے لئے اصل سنگ اور بمنزلہ بنیاد کار کے تھا، یعنی گورنمنٹ کے اختیارات کا مسئلہ، رزولیوشن کے الفاظ یہ تھے کہ ڈائنس کالج کی دفعہ الم متن ۵ میں جو اختیارات اس وقت ٹرسٹیوں کو حاصل ہیں ان سے زیادہ اختیارات یونیورسٹی کی صورت میں ... ... کو ہرگز ہرگز نہ دئے جائیں۔"

... صاحب نے اس تجویز کو بعد از بڑی سعی و مجاہدات پیش کیا ... ... خیال طبقے نے جو قوم کو قومی یونیورسٹی کے دھوکے میں ایک گورنمنٹ یونیورسٹی خریدنے سے بچانا چاہتا تھا اور جس کی نسبت ... ... کا یہی ہاتھ سے جاتا تھا) ساتھ دیا اور آخر تک ساتھ ... کے لئے طیار تھا، اب جو وہ تشریف لائے تو اسٹیج پر آئے

ہی میں نے ان سے پوچھا، فرمائیے کیا ارادہ ہے کہا کہ مصلح کاری کے ساتھ کام کرنا بہتر ہے اور مجھ کو یقین دلایا گیا ہے کہ بحالت موجودہ میرا رزولیوشن پاس نہیں ہو سکتا (حالانکہ آخری خیال درست نہ تھا) میں نے اسی وقت "انا للہ" کا جو برسوں کی تمام کوششوں پر گزرا تھا اعادہ کیا۔ کہ اپنے قیاسات کی پوری تصدیق ہو گئی اب مصلح کی خواہش ہے کہ تمام یورپین ترکی ہاتھ سے جائے۔ میجر صاحب کانفرنس کی صدارت کے لئے تشریف لاتے تھے اور فی الحقیقت جس قابلیت اور صداقت کے ساتھ انھوں نے اپنا فرض ادا کیا وہ ان کی عظمت کے لئے بہت بڑی چیز ہے بس بہتر تھا کہ فونڈیشن کمیٹی کے اجلاس میں حصہ نہ لیتے اور اس رزولیوشن کو پیش ہی نہ کرتے، وہ نئے نئے قوم کے سامنے آئے اور آتے ہی اپنے تئیں آزمائش میں ڈال دیا۔ حالانکہ آزمائش کی راہ دوسری ہے، ۲۶ کی سہ پہر کو ہمیں خیال ہوا تھا کہ کہیں میجر صاحب کی "استقامت" ارباب حل وعقد سے مقابلہ میں مرعوب نہ ہو جائے۔ ہم نے خیال کیا تھا کہ اگر وہ اپنی تجویز میں ترمیم پسند کریں گے یا واپس لے لیں گے، تو معاً کوئی دوسرا شخص اس کو پھر پیش کر دے گا، لیکن افسوس کہ ۲۸، کی صبح کو حالت بدل گئی، باوجودیکہ مجلس "نیم شبی" کے قول و قرار مصلح سے دل مطمئن اور منصوبے قومی تھے لیکن پھر بھی جنگ کے اجار کا خوف دلوں میں باقی تھا، اس کے لئے علاوہ اور بہت سی تدابیر مختلفہ کے جو بارہ دری کے دروازہ اور خود اندر کی گئی تھیں ایک خاص تدبیر خود اسٹیج پر بھی ارادوں کی مخبری کرتی تھی دو قطاروں کی صفیں پلیٹ فارم پر پریسیڈنٹ کی کرسی اور میز کے

چاروں طرف فرش پر بٹھائی گئی تھیں اور نہیں معلوم اس ملنجاری محاصرہ کا ایلیہ یا ٹو مل کون تھا بعض اشخاص جو کل تک جلسوں میں اپنی تقریروں کے ذریعہ ممتاز تھے، ہم نے خاص طور پر دیکھا کہ آج کے پیش آنے والے واقعات سے متنبہ ہو کر ترکی ٹوپی کے یونیفارم سے لیس ہو کر آئے تھے۔ ہم نواب وقار الملک بہادر کے پیچھے ہی بیٹھے ہوئے تھے، ہم نے دیکھا کہ اس حالت کو بطور خود نواب صاحب قبلہ نے محسوس کیا اور ان لوگوں سے باصرار کہا کہ اس طرح نہ بیٹھیں غالباً یہ بھی فرمایا تھا کہ اس سے لوگوں کو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔ لیکن وہ نبرد آزمان جنگ جو آج اپنے دست و بازو کے جوہر دکھانے کے لئے جمع ہوئے تھے بھلا ان نصائح و احکام کی کب پرواہ کرنے والے تھے اس ہجوم و حصار سے ایک خاص مقصود نظاہر یہ نظر آتا تھا کہ اگر کوئی شخص مخالفت میں تقریر کرنے کے لئے آمادہ ہو تو اس کو بروقت اس کا موقع ہی نہ ملے کیونکہ اول تو مقرر کے لئے کھڑے رہنے کی کہیں جگہ ہی نہ تھی، دوسرے اس محاصرے کی صفوف کی وجہ سے راہ مرور اس طرح بند ہو گئی تھی کہ وہاں تک پہنچنے کے لئے منٹوں کی جدوجہد مطلوب تھی، خود ہم لوگ خواجہ غلام الثقلین اگر الفانی سے بالکل اسٹیج کے کنارے بیٹھے ہی سے بیٹھے ہوئے نہ ہوتے تو تقریر کرنے کا موقع ہی نہ ملا ہوتا، کیونکہ جتنی دیر میں مخالف اٹھ کر کنارے تک پہنچنے کی کوشش کرتا، اتنی دیر میں رزولیوشن پاس ہی کر دیا جاتا (جیسا کہ بعد میں بہ جبر کیا گیا) اور تدبیر خاص وہ تھی جس کے ذریعہ موافقت کے چیرز اور مخالفت کا شور و ہنگامہ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی تھی یعنی اسٹیج پر

بیٹھنے والی جماعت کا ایک طبقہ نیچے مجلس کی مختلف قطاروں میں منتشر ہو کر بیٹھ گیا تھا تاکہ وقت ضرورت مجمع کے ہر حصے سے ایک ایک صدا ئے موافق اٹھکر شور مچا دے اور معلوم ہو کہ ہر طرف سے صدائیں اٹھ رہی ہیں، اس انتظام کا سلسلہ آخر مجمع تک موجود رکھا گیا تھا، اسٹیج کے سامنے کی تمام کرسیوں پر بھی شریکان راز اشخاص بٹھا ئے گئے تھے تاکہ اگر کوئی مخالفت میں تقریر کرے تو معاً نیچے سے آوازیں اٹھنا شروع ہو جائیں اور اس کے ہنگامے میں مجمع کی مخالف صدائیں مدغم ہو کر مفقود ہو جائیں، چنانچہ جوں ہی آنریبل خواجہ غلام الثقلین نے ترمیم پیش کی گو وہ مخالفت میں نہ تھی بلکہ صرف ترمیم تھی تاہم شور و غل کی آوازیں معاً سنائی دینے لگیں۔"

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کی ایک اہم شخصیت نواب وقار الملک مشتاق حسین صاحب نے ۱۲ر فروری ۱۹۱۳ء کو اپنے بیان میں ان سازشوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا، یہ بیان ۱۲ر فروری ۱۹۱۳ء کے الہلال میں شائع ہوا ہے اسی کے ساتھ اس طوفان بدی ڈپوٹیشن کے خلاف صدائے احتجاج بلند ہونے لگی تھی، اس سلسلہ میں مقبول احمد صاحب سکریٹری پرلونشل کمیٹی دکنسٹر مسلم یونیورسٹی نے بھی اپنا ایک بیان اخبارات میں شائع کرایا جو الہلال ۵ر مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے میں چھپا، اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔

" جہاں یہ دیکھکر بے حد مسرت ہوتی ہے کہ ہندوستان کے مسلمان ترک بھائیوں کی مصیبت کو اپنی مصیبت ایرانیوں، مراکشیوں اور طرابلس کے بھائیوں کی تباہی کو اپنی تباہی سمجھکر ان کی امداد

مشکلات و مصائب میں اپنی گہری ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں وہاں یہ دیکھکر از حد رنج و افسوس ہوتا ہے کہ ہندوستان کے مسلمان اپنے خاص ہندوستانی معاملات کو نہایت بے پروائی کی نظر سے دیکھتے ہیں انھوں نے ایک ایسے قومی معاملہ (مسلم یونیورسٹی علیگڑھ) کی طرف سے جس کے متعلق اخبارات و پبلک جلسوں میں نہ صرف بہت ہی گرما گرم مباحثے ہو چکے ہیں بلکہ جس کو متفقہ طور پر مسلمانانِ ہندوستان کی قومی حیات و ممات کا مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ مطلقاً آنکھیں بند کرلی ہیں۔

تو پھر اے ہندوستان کے مسلمانو! کیا تم چاہتے ہو کہ تمہارا تمام سرمایہ، تمہاری تمام عمر کی پونجی، تمہارا تمام بنا بنایا کھیل یعنی مدرستہ العلوم علیگڑھ جس پر قوم کا بے شمار روپیہ خرچ ہو چکا ہے جس پر قوم کی نگاہیں اٹھتی ہیں اور جو قوم کی تمام امیدوں کا مرکز ہے، گورنمنٹ کے حوالے کر دیا جائے ہندوستان کے مسلمانو! کیا تم اس بات پر رضامند ہو کہ مدرستہ العلوم کی رہی سہی آزادی کا خاتمہ ہو جائے۔ اور کیا تم اس بات کے لئے تیار ہو کہ یونیورسٹی اگر تمہیں مل بھی جائے تو اس کا نام مسلم یونیورسٹی نہ ہو بلکہ گورنمنٹ کی غیر اسلامی اور محدود یونیورسٹی ہو اگر ان تمام باتوں کا جواب نفی میں ہے تو پھر اے مسلمانو، بر وقت کیوں کوشش نہیں کی جاتی کہ مسلمانوں کا کالج مسلمانوں ہی کا رہے۔ مسلمان گورنمنٹ سے نماز بخشوانے گئے تھے مگر وہاں تو چند جاہ طلبوں اور خود غرضوں کے طفیل اور ان قوم فروشوں کے صدقے لئے روزے بھی مسلمانوں کے گلے پڑ رہے ہیں، مسلم یونیورسٹی تو کیا ملے گی کالج بھی جاتا رہے گا اور جو تھوڑی بہت آزادی اس وقت مسلمانوں کو کالج میں حاصل ہے اس سے بھی

مسلمانوں کو ہاتھ دھونے پڑیں گے۔"

انگریز اسلامی ملکوں میں ہی نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی مسلمانوں کی بیخ کنی کرنے ان کی عبادت گاہوں اور مدرسوں وغیرہ کو اپنے قبضہ میں لینے یا ان کو مٹانے اور ان کی بے حرمتی کرنے پر تلا ہوا تھا اول تو ہندوستان کے مذہب و دھرم کو ختم کر کے ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتا تھا جب یہ نہ ہو سکا تو اس نے اسلامی مدارس پر قبضہ کرنے اور مسجدوں کی توہین و بے حرمتی کرنے پر کمر باندھی چنانچہ جون ۱۹۱۳ء کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ کانپور میں ایک نئی سڑک نکل رہی ہے جس کا نام اے، بی روڈ ہے یہ سڑک کلکس بازار اور مچھلی بازار سے ہوتی ہوئی مول گنج جائے گی مچھلی بازار میں ایک مسجد تھی جو اس سڑک میں آرہی تھی اس کے بارے میں امپرومنٹ ٹرسٹ کمیٹی نے یہ تجویز پاس کی کہ مسجد کا شرقی حصہ لے لیا جائے اور اس کے عوض میں مسلمانوں کو مسجد کے مغربی حصہ میں زمین کا ایک ٹکڑا دیدیا جائے۔ اس فیصلہ کے خلاف کانپور کے مسلمان ضلع مجسٹریٹ کے پاس گئے دیگر حکام سے بھی ملے انھوں نے کوئی توجہ نہیں کی تو اس اسٹیج پر مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے ایک طویل مقالہ افتتاحیہ ۱۱ر جون ۱۹۱۳ء کے شمارے میں تحریر فرمایا مسجد کے سلسلہ میں جو کچھ ہو چکا تھا اس پر روشنی ڈالنے کے بعد کانپور کے خواص سے نہیں بلکہ عوام کو حسب ذیل مشورہ دیا تھا۔

" عہد دمواعید، امید د توقع، سعی و سفارش، آہ وزاری غرض تمنا اور امروز و فردا تا ہکے ۔؟ اور غفلت و اہمال تا کجا؟

کچھ عجب نہیں کہ معاندین کا منصوبہ کامیاب ہو جائے اقبال، دولت اور گداگرانہ التماسات و معروضات سے فرصت نہ ملے اور اسلام کی ناموس و عزت کا جو کچھ فیصلہ ہونے والا ہے ہو جائے۔ ہمارا تنہا مطلب اس وقت کا تذکرہ منصوبہ سے نہیں بلکہ وہاں کی عام پبلک سے ہے مجھکو تازہ ترین حالات معلوم نہیں، لیکن آخری اطلاعات تک حالات بدستور تھے اگر اصحاب اپنی مسجد کا بھی وہی حال دیکھنا منظور نہیں، جو حال میں ان کے سامنے ایک مندر کا ہو چکا ہے تو خدارا آنے والے وقت کو محسوس کریں اپنی اور اپنی مسجد مقدس کی عزت کی حفاظت کو ارباب معلت و جاہ و رسوخ کے ہاتھوں میں بالکل چھوڑ دینے کی جگہ خود اپنے ہاتھوں میں لیں کچھ ضرور نہیں کہ قانون کی خلاف ورزی کی جائے، پورے امن اور پورے سکون کے ساتھ ہم اپنے ہر حق کے لئے اپنے جذبات اور ان کی قوت کا اظہار کر سکتے ہیں۔ عام باشندگان شہر کو فوراً عیدگاہ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کرنا چاہیے۔ شہر کے علماء اور بندگان دینی کا فرض اصلی ہے کہ اس معاملہ کو غیر متزلزل قوت اور محکم ثبات کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لیں اور تمام مسلمانان شہر کو اس جلسہ میں جمع کریں اس دن شہر کی دکانیں بند ہو جانی چاہئیں اور ہر کاروبار کو ان کو اپنے خدائے قدوس ذوالجلال کی عبادت گاہ کی عزت کے لئے ایک دن وقف راہ الٰہی کر دینا چاہیے جلسہ پورے سکون اور وقار کے ساتھ ہو مگر اس کی درو دیوار تک سے جوش ملی و جذبۂ اسلام پرستی کی گرمی کے شرارے نکلیں اس میں یہ صاف ظاہر کر دیا جائے کہ مسجد کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ

ہم مسلمان ہیں اور ہمارے جسموں سے زندہ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے
کٹی ہوئی رگوں اور ٹپکتے ہوئے خون کے ساتھ کاٹ لیے جا سکتے ہیں
مگر یہ محال قطعی ہے کہ مسجد کی زمین اس کی عمارت بلکہ اس کی چاردیواری
کے اندر کے کسی جز سے ایک انچ ایک انگل، ایک جو، برابر بھی کوئی ٹکڑا
الگ کیا جا سکے۔ تم اپنے اندر قوت پیدا کرو گے تو قوت بھی تمہارا ساتھ
دے گی۔ خدا تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی صرف اتنی ہی تعریف
نہیں کی کہ وہ اللہ کو پکارتے ہیں (ان الذین قالوا ربنا اللہ) بلکہ اس
کے ساتھ ہی یہ بھی کہا (ثم استقاموا) پھر اس پر صبر کلی کے
ساتھ جم بھی گئے ہیں، پس استقامت اصل کار اور تمام کامیابیوں
اور نصرت یابیوں کا سبب اصلی ہے، مسجدوں کی جب کبھی بحث
چھڑتی ہے تو یہ صرف چند عمارتوں کا سوال نہیں ہوتا بلکہ قومی عزت و
ذلت اور دینی تذلیل و تعظیم کا، ایک نظیر اگر آج قائم ہوتی ہے، تو
کل کے لیے اس کے دامن میں ہزاروں واقعات پنہاں ہوتے ہیں
اس وقت مسجد کے وضو خانے کا سوال ہے کس کو معلوم کہ کل محراب
و منبر کا نہ ہوگا؟ اگر مسجدیں ڈھا کر سڑکیں نکالی جا سکتی ہیں تو پھر
اقلیم ہند کے کسی شہر کی کسی مسجد کی زندگی بھی خطرے سے خالی نہیں"
(٣٩٥)

پروگرام کے مطابق کانپور کے انگریز آقاؤں نے یکم جولائی ۱۹۱۳ء
کو علی الصبح خانہ خدا کی دیوار بھی گرا دیں اور شرقی حصہ کو منہدم کر دیا
لوگ دوڑتے ہوئے سٹی مجسٹریٹ کے پاس پہنچے اسی کی سازش سے
یہ حرکت ہوئی تھی اس نے کوئی توجہ نہیں کی اور حکمران طبقہ بھی لاپرواہ

بنا رہا تو مسلمانان کانپور نے ایک ہفتے کے بعد ۳ اگست ۱۹۱۳ء کو صبح عیدگاہ میں ایک جلسہ کیا، اس میں کیا پاس ہوا اور اس کے بعد مسلمانوں نے کیا کیا اور حکمران طبقہ نے کیا وحشیانہ اور بہیمانہ حرکتیں کیں اور اس کے مختصر سے حالات انگریزی اخبارات میں شائع ہوئے جس کا ترجمہ الہلال کے ۲۰ اگست ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں چھپا۔

۳ اگست کو ۱۰ بجکے ۳۰ منٹ پر مچھلی بازار کانپور شہر کے متعلق ایک خوفناک بلوہ ہوا۔ مسلمانوں کا ایک بہت بڑا مجمع صبح کو عیدگاہ میں ہوا تھا جس کے لیے مسلمانوں نے اپنے تمام کاروبار بند کر دیے تھے اور بطور علامت حزن عیدگاہ کو گئے تھے۔ جلسہ کے بعد چار پانچ سو مسلمانوں کی جمعیت نے ایک سیاہ علم کے پیچھے مسجد مچھلی بازار کا رخ کیا، اور حصہ منہدمہ کی تجدید تعمیر کرنی چاہی، سب انسپکٹر نے بھیڑ کو منتشر کرنا چاہا۔ لیکن چند پتھر اور ڈھیلوں سے چوٹ کھانے کے بعد سب انسپکٹر اور اس کے ساتھ آدمی واپس پھرے، کچھ بلوائیوں نے چوک تک پیچھا کیا اور پولیس کی بعض چیزوں کو خفیف نقصان پہنچانے کے بعد مسجد واپس آئے۔ مسجد کے قریب ایک ہزار سے زیادہ آدمی جمع تھے جن میں بہت سے تماشائی تھے، مسٹر ٹائلر ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کچھ مسلح پیادے اور سواروں کے ساتھ موقع پر پہنچ گئے اور تنہا سوار ہو کر مجمع کو منتشر کرنے کے لیے بڑھے مجمع نے پتھر اور ڈھیلے جو پاس پڑے تھے، پھینکنا شروع کیا، مسٹر ٹائلر نے اپنے فوجی مددگاروں کو آواز دی، خالی کارتوس کے فائر نے کوئی اثر نہیں پیدا کیا اس بنا پر انھوں نے گر پسند اسے فائر کا حکم دیا، فائر سے جو ۱۰ منٹ تک رہا بھیڑ بالکل

نقشہ ہو گئی، متعدد آدمی مارے گئے اور ایک بڑی تعداد زخمی ہوئی
جس میں کچھ پولیس مین بھی شامل ہیں جو بُری طرح مجروح ہوئے کچھ
بلوائی پولیس مین کے ہاتھ بندوق سے مارے گئے، ایک پولیس مین
مر گیا جہاں تک معلوم ہو سکا بارہ آدمی مرے اور ۳۲ زخمی ہوئے، جو
ہسپتال میں پہنچائے گئے کچھ تماشائی جن میں ہندو بھی شامل تھے
سخت زخمی ہوئے، سپرنٹنڈنٹ پولیس کو بھی چوٹ آئی کچھ تعداد
گرفتار کی گئی ۔ (۹۸)

یہ تو نیم سرکاری اخبارات کی رپورٹ تھی لیکن غیر سرکاری لوگوں
نے مسجد اور ہسپتالوں میں جاکر دیکھا ان میں ایک آنریبل سید رضا علی
وکیل ہائیکورٹ الہ آباد بھی تھے انھوں نے مسجد میں جاکر اور ہسپتال
کے مریضوں کے معائنہ کے بعد ایک بیان پریس میں دیا تھا جو ۲۰ اگست
۱۹۱۳ء کے شمارے میں چھپا ۔

" کانپور سے میں ابھی واپس آیا ہوں، مجھے افسوس ہے کہ بلوائے
کانپور کے متعلق اکثر نہایت ضروری واقعات اخبارات میں نہیں آئے
درحقیقت اب تک جو کچھ شائع ہوا ہے اس کے پڑھنے سے ان ہیبتناک
واقعات کا صحیح اندازہ ہونا ممکن ہی نہیں جو ۳ اگست کو کانپور میں پیش
آئے مسجد میں داخل ہوتے ہی جو چیز پہلے نظر آتی ہے وہ محراب والی
یعنی مسجد کی پشت والی دیوار پر گولیوں کے نشانات ہیں یہ نشانات
اکثر چھت کی سطح زیریں پر بھی نظر آتے ہیں لیکن جو بات سب سے
زیادہ توجہ کے قابل ہے وہ یہ ہے کہ مسجد کے اندر بھی محراب مسجد سے
۶، ۷ فٹ کے فاصلے پر دونوں جانب گولیوں کے بے شمار نشان ہیں

بظاہر یہ کسی طرح ممکن نہیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ نشانات اسی صورت میں پڑ سکتے ہیں کہ پولیس نے اندھا دھند فیر کئے ہوں۔ خون کے نشانات اور بڑے بڑے چھینٹے بہت سے دیکھے گئے۔ مسجد میں داخل ہوتے ہوئے ممکن نہیں کہ اس خون آلودہ نشان اس امر کی شہادت ہے کہ خدا کے گھر میں تعدی و دخول بیجا کی گئی ہے، موقع پر مسلح پولیس کی خونریزی اس منظر کی ہیبت میں اور بھی اضافہ کرتی ہے۔ اگر مسٹر ٹائلر پہلے ہی احتیاط سے کام لیتے ہوئے اور مسجد کی طرف مسلح پولیس متعین کر دیتے ہوئے تو غالباً بلوہ ہی نہ ہوتا۔ آخری چیز جو مسجد میں مجھے دکھائی گئی ہے وہ چند دریاں تھیں جو ان مقتولین و مجروحین کے خون میں ڈوبی ہوئی ہیں، جن پر مجسٹریٹ کے حکم سے فیر کئے گئے، مسٹر ٹائلر کی عنایت سے میں جیل اور ہسپتال بھی گیا، میں نے مولانا آزاد سبحانی اور ان کے دوستوں کو جیل کی تکلیف دہ زندگی میں بے حد زندہ دل اور مطمئن و بشاش پایا، بہت دیر تک ان صاحبوں سے باتیں ہوتی رہیں، میری روانگی سے کچھ پہلے مولانا آزاد نے اپنے ہندوستانی ہم مذہبوں تک پہنچانے کے لئے مجھے ایک پیغام دیا۔ انھوں نے فرمایا "مہربانی کر کے مسلمان بھائیوں سے کہہ دیجئے کہ وہ ہماری رہائی کی فکر میں اپنے آپ کو پریشان نہ کریں بلکہ مسجد کی حفاظت کے لئے کوشش کریں۔"

کل ایک سو پانچ مسلمان اس جیل میں زیر حراست ہیں، جن پر مقدمہ چلایا جانے والا ہے۔ جیل سے میں ہسپتال گیا، جہاں عمارت کے ایک کمرے میں تین اگست کے زخمی پڑے ہوئے ہیں

۱۰ ارنارتیخ کو جب میں ان کو دیکھنے گیا ہوں ان کی تعداد ۲۵ تھی۔ ان میں سے دو اشفاق الہیٰ، نورالہیٰ بچے ہیں۔ ایک گیارہ سال کا ہے اور دوسرا ۱۳ برس کا ہے، اشفاق الہیٰ کے دماغ میں گولی لگی ہے جس کے صدمہ سے وہ بیہوش تھا، ڈاکٹر نے مجھ سے کہا کہ نورالہیٰ بھی چند گھنٹوں کا مہمان ہے۔ وہ بڑا دردناک منظر تھا جب میں نے ان دونوں بچوں کو برابر دو چارپائیوں پر پڑے ہوئے دیکھا اشفاق الہیٰ بالکل بے ہوش تھا۔ لیکن نورالہیٰ کی ہچکی ہوتی جانب سننے والوں کو یہ بات یاد دلاتی تھی کہ گورمنٹ برطانیہ کی تاریخ میں کبھی کسی جگہ پر خواہ یہی صورت واقع ہو جو کانپور میں پیش آئی یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو، اس طرح گولیاں نہیں چلائی گئیں، میں نے زخمیوں کے زخم دیکھے اور ان میں سے جو کوئی گفتگو کرسکتا تھا اس سے میں نے دریافت کیا کہ اس نے کیونکر اور کس صورت میں زخم کھایا ہے، بہت سے لوگ جن کے چہرے لگے تھے چھریاں کھاکر بھاگے پولس نے ان پر سختی سے حملہ کیا اور گرچوں، بھالوں اور سنگینوں سے کرتلوں اور بندوق کا استعمال نہایت آزادی کے ساتھ کیا گیا، چوتھی اور پانچویں اگست کو اپنے دوران قیام کانپور میں نے سنا ہے کہ مسٹر آزاد تین مرتبہ مبتلا گرے، مسٹر آزاد نے ذیل کے اشخاص کے زخموں کو بچشم خود دیکھا ہے۔

عبدالواحد، عبدالشکور، افضل خاں، محمد خاں، عطا حسین، عبداللہ اسیرالدین، علاءالدین، سخت علی، اور سلمان، کیا زخمیوں کی حالت اور زخموں کا محل وقوع، مسٹر آزاد کے افسروں کی اس نسبت کو ثابت کرتا ہے

اور کیا زخمیوں کے دیکھنے کے بعد نہیں کہا جا سکتا کہ پولیس نے اپنے جذبات انتقام کی عنان ڈھیلی نہیں چھوڑ دی۔ اگر ہم ایک شخص کو دیکھیں جس کے کمر میں سوراخ کی گئی ہوں، بندوقوں کے کندوں اور لاٹھیوں سے اس کو زخمی کیا گیا ہو حالانکہ وہ پہلے ہی بندوق کے چھروں سے گر چکا ہو تو اس سے پولیس کی انسانیت کا ثبوت تو کہیں نہیں ملتا۔ (۱۵۳)

حکومت برطانیہ نے اس تحریک کو دبانے کی بے حد کوشش کی جس مقام پر حکومت کے اس جبر و استبداد کے خلاف جلسوں کے پروگرام بنائے جاتے وہاں حکومت ان پر پابندی لگا دیتی اور جلسے نہیں ہونے دیتی تھی چنانچہ ستمبر ۱۹۱۳ء کو لکھنؤ میں اسی سلسلہ کا جلسہ ہونے والا تھا اور اس میں مولانا ابوالکلام آزاد کی خاص طور پر تقریر ہونے والی تھی اس جلسہ پر لکھنؤ کے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے پابندی لگا دی، اور جلسہ ہونے نہیں دیا۔ جبکہ پنڈال بھی بن گیا تھا۔

کانپور کی مسجد کے انہدام کے سلسلہ میں کافی قربانیاں دی گئیں اور عوام مزید قربانیاں دینے کے لئے تیار تھے کہ غلط رہنمائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان شریعت کے مطابق جو مطالبہ کر رہے تھے کہ مسجد کی ایک ایک انچ زمین سوائے خدائے واحد کی عبادت و بندگی کے کسی دوسری چیز کے لئے استعمال نہیں ہو سکتی۔" صلح پسند رہنماؤں نے اس کو پس پشت ڈال کر حکومت کی منشاء کے مطابق وائسرائے ہند سے فیصلہ کر لیا اس فیصلہ کی پوری روئیداد ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے الہلال میں شائع ہوئی ہے۔

مسلم ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۳ء کو نو بجکر ۳۵ منٹ پر ہز ایکسیلنسی وائسرائے

اسپیشل ٹرین سے کانپور پہنچے اسٹیشن پر مسٹر ڈی اسی بیلی قائمقام لفٹنٹ گورنر صوبجات متحدہ آنریبل سید علی امام اور دیگر سرکاری ارکان نے ہز اکسلنسی کا استقبال کیا، اسٹیشن سے دلبرائے نے مع سرکاری مختار کے مسجد مچھلی بازار کا رُخ کیا وہاں آنریبل سر راجہ محمود، مسٹر مظہر الحق مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور دیگر معززین موجود تھے انھوں نے جوتے نہیں اتارا، مگر ایک خاص قالین بچھا دیا گیا تھا۔ جس پر قدم رکھا، وہ تقریباً ۲۰ منٹ تک اندرون مسجد کا معائنہ کرتے رہے اس اثنا میں مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی سے نہایت بے تکلفی سے گفتگو فرمائی اور ان کی وساطت سے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ اب اس "واقعہ کو بالکل بھول جائیں ۔"
اس کے بعد دلبرائے مع جماعت سرکٹ ہاؤس تشریف لائے جہاں لوکل مسلمان رؤسا اور معززین خارجہ کا ایک وفد منتظر تھا۔ وفد نے مسٹر فضل الرحمان وکیل کا نپور نے حسب ذیل ایڈریس پڑھا اور نواب سید علی خاں صاحب نے دلبرائے کے سامنے پیش کیا۔

ہم مسلمانان کانپور نہایت فخر و مسرت کے ساتھ یاد کرتے ہیں کہ حضور کی آخری تشریف آوری اس وقت ہوئی تھی، جبکہ ہمارے مرد لعزیز محبوب بادشاہ سابق کنگ ایڈورڈ سابع کی یادگار کی بنیاد رکھی گئی تھی، جو نہایت صلح جو اور صلح پسند تھے، ہم نہایت متاسف ہیں کہ ہمارے شہر کا امن ۳ اگست کے واقعہ مچھلی بازار کی وجہ سے متزلزل ہو گیا ہے ۔ ہم نہایت زور سے ان لوگوں پر نفرین کرتے ہیں جن سے یہ غیر قانونی کام ظہور میں آیا کہ انھوں نے خلاف قانون پتھر پھینکے یا کسی دوسرے غیر قانونی طریق سے پیش آئے ۔ ہم لوگ حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم مسلمانان

کانپور اپنے شہنشاہ کے مطیع قانون اور وفادار رعایا ہیں۔ ہم لوگ اس
مشہور ہمدردی سے اچھی طرح واقف اور اس کے لئے ممنون ہیں، جو
بدقسمت مصیبت زدہ ان لوگوں کے ساتھ حضور کے دل میں جاگزیں
ہے، ہم حضور کی اس فیاضانہ اعانت مالی کے لئے نہایت شکرگزار ہیں
جو ان بیواؤں اور یتیموں کے لئے کی گئی ہے۔ جنہوں نے موجودہ مہلک
حادثے میں نقصان اٹھایا ہے۔ ہم لوگ حضور کو یقین دلاتے ہیں کہ
حضور کے انصاف و ہمدردی پر ہمیں کامل اعتماد ہے اور اسی جوش
سے ہم لوگ طیار ہیں کہ واقعات موجودہ کی بنا پر جو جدید سوالات درپیش
ہیں ان کا تصفیہ حضور کے ہاتھ میں دیدیں۔ حضور دل سے ہماری
قوم کے بہترین فوائد کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ ،،

ہز اکسیلنسی وائسرائے نے اس کا مفصل ذیل جواب دیا۔

،، حضرات! اس وقت جو اڈریس آپ نے پڑھا ہے، میرے
لئے نہایت تشفی بخش ہے کیونکہ اس میں نہ صرف میری ہمدردی و الطاف
پر اعتماد ظاہر کیا گیا ہے بلکہ اس چیز کو ظاہر کیا ہے جس کو میں نہایت
قیمتی سمجھتا ہوں یعنی شہنشاہ کی وفاداری اور جس کی نسبت میں یہ خیال
کرکے بہت خوش ہوتا ہوں کہ اس ملک کے مسلمانوں کی وہ خاص خصوصیت
ہے اگر مجھے خاص طور سے آپ کی قوم کی وفاداری کا یقین نہیں ہوتا تو آج
میں شملہ سے کانپور نہ آتا۔ مجھے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں اس یقین کا
اعادہ کروں جس کا اظہار میں نے ابھی کونسل میں کیا تھا کہ گورنمنٹ
کی پالیسی میں رعایا کے مذہبی جذبات و امور کی نسبت کوئی تغیر
نہیں ہوا، اور آپ جانتے ہیں کہ یہ کہنا بالکل صحیح ہے، ترقی و زمان

کی رفتار کے ساتھ ساتھ یہ ممکن ہے کہ سڑکوں ریلوے لائنوں اور نہروں کے بنانے کے وقت موجودہ عمارات مقدسہ و غیر مقدسہ سامنے آجائیں لیکن میں یقین دلاتا ہوں کہ گورنمنٹ نہایت غور و فکر کے ساتھ، اور لوگوں کے حقوق و فوائد کا لحاظ کرے گی، جن کو اس سے نقصانات پہنچنے کا اندیشہ ہے اور ہمیشہ کوشش کرے گی کہ اس قسم کے مسائل کو ایسے طریق سے حل کرے جس سے سب کو اطمینان ہو۔ یہ جان کر کہ آپ کے لفٹننٹ گورنر کے اخلاق رحمانہ اور فیاضانہ ہیں۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر آپ اس مسئلہ کے حل کرنے کی اسی قدر فکر کرتے ہیں جس قدر کہ میں نے کی ہے تو آپ مسئلہ مسجد کے حل میں اور نیز سر جیمس مسٹن کی خواہشوں کے پورا کرنے میں کامیاب ہوتے اگر ایسا ہوتا تو سہ اگست کا وہ غمناک و حسرت انگیز واقعہ پیش نہ آتا اور بیوہ عورتوں اور یتیموں کو اپنے شوہروں اور سرپرستوں کا غم نہ کرنا پڑتا یہ واقعات اب کہنہ تاریخ ماضی ہے جس کو میں اُمید کرتا ہوں کہ بھلا دیا جائے گا۔ میں شملہ سے صرف آپ لوگوں میں امن پھیلانے کے خیال سے آیا ہوں، آپ نے اپنے اڈریس میں یہ یقین کر کے کہ میں دل سے آپ کی قوم کی بہتری کا خواہاں ہوں کہا ہے کہ واقعات موجودہ کی بنا پر جو ساکھ پیدا ہو گئے ہیں ان کا فیصلہ آپ کے ہاتھ میں چھوڑ دیتے ہیں یہ بالکل سچ ہے اور میرے دل میں آپ کی قوم کی بہتری ملحوظ ہے، میں نے اس مسئلہ پر نہایت غور کیا ہے اور اس مشکل کی حل کرنے کی ایک شکل پیدا کی ہے میں نہایت غور و فکر کے بعد اس فیصلہ پر پہنچا ہوں کہ محلہ مچھلی بازار میں ۸ فٹ بلند

ایک چھت بنائی جائے جس پر دالان اسی طرح بنا دیا جائے جس طرح پہلا تھا لیکن اس سے کسی قدر بلندی پر اور نیچے کی زمین گزرگاہ کے لئے چھوڑ دی جائے۔ بغیر اس کے مسجد کے دالان کی ہیئت میں کوئی دست اندازی کی جائے۔ یہ خیال کرنا فضول ہے کہ یہ زمین جس کے اوپر دالان تعمیر ہوگا کس کی ملکیت ہوگی۔ لیکن یہ ضرور ہے کہ اس زمین کو بہ حیثیت گزرگاہ استعمال کرنے کی عام پبلک بھی اسی طرح مستحق ہوگی جس طرح وہ لوگ جو مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آئیں گے اب متولیوں کو چاہیے کہ اوپر کی چھت اور نیچے کی پختہ سطح میونسپلٹی کے نقشہ کے مطابق بنالیں۔ اب میں ان لوگوں کی نسبت چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں جن پر ۳ اگست کے بلوہ کا الزام قائم کیا گیا ہے میں تمہارا باپ ہوں اور تم میرے بچے ہو۔ بچے جب کوئی بے جا حرکت کرتے ہیں تو باپ کا فرض ہے کہ ان پر رحم کرکے ان کو سرزنش کرے تاکہ وہ عقل سیکھیں اور آئندہ غلطی نہ کریں۔ میں یہ باتیں اب لوگوں سے بالذات نہیں کہتا بلکہ ان لوگوں سے کہتا ہوں جن پر بلوے کا الزام ہے اور جو دس مہینے سے قید میں ہیں

۔ لوگ اگر جبر و ظلم کے مجرم ہیں تو انہوں نے صرف قانون حکومت کے خلاف کیا بلکہ اس عظیم الشان مذہب اسلام کے نہایت مشہور عالمگیر اور مسلمہ اصول کے بھی خلاف کیا جس کے یہ پیرو ہیں۔ گورنمنٹ کا فرض ہے کہ قانونی طاقت کو برقرار رکھے اور جب بحیثیت اعلیٰ افسر حکومت ہونے کے کہتا ہوں کہ وہ ہر حالت میں قائم رکھی جائیگی عام حالات کی رو سے گورنمنٹ کا یہ فرض تھا کہ وہ ان کو عدالت

کے سپرد کر کے سزا دلائے۔ لیکن گذشتہ ایام قید میں وہ کافی تکلیف اٹھا چکے ہیں اور میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ میں کانپور میں امن لے کر آیا ہوں پس میں رحم دکھانا چاہتا ہوں جو لوگ اس فتنہ کے بانی ہیں اور جن کی ترغیب سے یہ نقصان پہنچا ہے۔ ان کا بھی کچھ خیال نہ کرنا چاہیئے۔ چونکہ مسئلہ مسجد کے حل ہونے کی ایک صورت نکل آئی ہے اسلئے میں چاہتا ہوں کہ جن معاملات کا مسجد سے لوگوں کے جذبات کو اشتعال ہوا ہے اس کو وہ بالکل بھول جائیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اگر اس فتنہ کی تحریص و ترغیب دلانے والوں کو بھی معاف کیا جائے تو ان لوگوں کی بے اعتدالانہ تقریروں اور ناجائز صرف جوش و فصاحت سے، جو حسرتناک واقعات ظہور پذیر ہوئے وہ آئندہ ان کے لئے باعث تنبیہ ہوں گے۔ تاکہ آئندہ اس قسم کی بے اعتدالانہ تقریروں سے احتراز کریں، میری خواہش ہے کہ ملزمین بلوئی جن مصائب میں مبتلا ہیں اب ان سے انھیں نجات دی جائے۔ میں نے اسی وجہ سے سرجیمس مسٹن اور ریلی کے ساتھ متفق ہو کر لوکل گورنمنٹ کو فہمائش کی ہے کہ تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹ کی رو سے جن لوگوں پر مقدمہ سشن میں پیش تھا واپس لے لیا جائے۔ میں امید کرتا ہوں کہ معاملات مسجد اور مقدمہ بلوئی کے متعلق یہ تصفیہ نہ صرف کانپور میں بلکہ تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں امن و سکون پیدا کر دے گا۔ اور پھر کسی خاص شہر میں یا اور کہیں ایسا نہ کیا جائے جس سے یہ خاص واقعہ ہمیشہ کے لئے یادگار رہ جائے، نیز مجھے امید ہے کہ تمام مسلمان شہنشاہ کی وفاداری میں متحد رہیں گے اور اخلاص کے ساتھ قانونی حکام کے ساتھ مل کر

قانون وانتظام کے استقرار اور اس وسیع وخوبصورت سرزمین کی جس میں ہم رہتے ہیں صلح وخوشی اور ترقی میں کوشاں رہیں گے "
عدالت کے ایک اجلاس میں جس میں ایک کثیر مجمع موجود تھا، سرکاری وکیل نے کہا، لوکل گورنمنٹ نے مجھکو ہدایت کی ہے کہ قتلوں مقدمات میں جو اشخاص ماخوذ تھے ان پر سے مقدمات اٹھالئے جائیں اور ان کو رہا کردیا جائے " مسٹر مظہر الحق صاحب نے جواب میں کہا، میں بخوشی اس کو قبول کرتا ہوں ۔ ناظرین اسی وقت گاڑیوں میں بیٹھکر جو پہلے سے تیار تھیں ایک بڑے اجتماع کے ساتھ جس کو بالترتیب رکھنے میں پولس کو بڑی زحمت ہوئی اپنے اپنے گھروں کو واپس آئے " (۲۹۵)
یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وفد کے ارکان میں کون حضرات تھے ان کے اسمائے گرامی سے اندازہ ہوجاتا ہے کہ کس پایہ کے لوگ تھے حضور ... اپنے ... میں ان لوگوں کی مذمت کی جنہوں نے انشہ ... کی حفاظت کے لئے مجاہدانہ قدم اٹھائے تھے اور ... عادل ... تعمیل پر ... کر اللہ کی راہ میں پیش کیا تھا اور اس ک... ان میں اصل کی چار دیواری میں بند تھے ۔ ... نظر اس کے ... نے مسجد کے بارے میں کس قسم کا فیصلہ کیا تھا ۔ کہ ... اسم ... کو درست کہا جاسکتا ہے ۔ قطعاً نہیں ، بلکہ ... الوا ... کے بارے میں کیا جاسکتا ہے کہ وہ انتہا ... غیر منصفانہ ...

... اس خلاف شرع فیصلہ کو عوام نے تسلیم نہیں کیا

اور خود دار حریت پرست طبقہ نے بھی اس فیصلہ کو توہین آمیز سمجھا اور اس کے خلاف ملک کے کونے کونے سے آواز اٹھی تھی، چنانچہ عطا محمدؐ امرتسری صاحب کا ایک خط ۹ ر نومبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

اکتوبر ۱۹۱۳ء میں بعنوان "گم شدہ صلح کی واپسی" کے ذیل میں آپ نے اس اڈریس کی نقل دی جو ۱۴ ر اکتوبر کو مسلمانان کانپور کی ایک جماعت نے پیش کیا تھا۔ اور لارڈ ممدوح نے جواب اڈریس کا دیا اس کو بھی میں نے بغور مطالعہ کیا، میں نہیں سمجھ سکا کہ یہ اڈریس کل مسلمانان ہند کے قائم مقاموں یا نمائندوں کی تجویز اور منظوری سے مرتب ہوا یا فوری طور پر کانپور کے صرف برآوردہ اصحاب نے اپنی ذمہ داری پر مرتب کیا تھا، بہر نوع جب اڈریس میں یہ امر درج ہے کہ ہم نہایت زور سے ان لوگوں پر نفرین کرتے ہیں جن سے غیر قانونی کام ظہور میں آیا، نیز یہ کہ انھوں نے خلاف قانون ہتھیار سنبھالے یا کسی دوسری غیر قانونی طریق سے پیش آئے، تو اب اس بات کو ماننے میں کیا عذر ہو سکتا ہے کہ ۳ ر اگست کا مجمع خلاف قانون تھا، اور یہ اندراج اقبال جرم کا مساوی بلکہ صریح اقبال جرم ہے پس لارڈ ہارڈنگ کا اپنے جواب میں یہ فرمانا "کہ بچے جب کوئی بیجا حرکت کرتے ہیں تو باپ کا فرض ہے کہ ان پر رحم کر کے ان کو سرزنش کرے تاکہ وہ عقل سیکھیں اور آئندہ غلطی نہ کریں" اور بقول لارڈ موصوف عام حالات کی رو سے گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ ان کو عدالت کے سپرد کر کے سزا دلائے" لیکن گذشتہ ایام میں قید میں ملزم کافی

تکلیف اٹھا چکے ہیں، پس لارڈ صاحب نے اپنا رحم دکھلایا اور ان
ملزموں کے خلاف جو مقدمات پولیس عدالت میں دائر تھے ان کو
اٹھا لیا اور ملزموں کو عزت رہا فرما دیا۔ پس انجام دیکھکر جس
کا اعتراف لیڈر سب میں کیا گیا ہے، ہر شخص یہ کہنے کا حق رکھتا ہے
کہ آخر جب جرم کا اقبال ہی کرنا تھا تو اس قدر شور و شغف اور
آہ و فغاں کرنا محض بے سود تھا اور کوہ کندن کاہ برآوردن کا معاملہ
مسجد کے منہدم حصہ کا یہ فیصلہ کہ جس قدر مسجد کی زمین سڑک
میں ملا دی گئی ہے پبلک کی گزرگاہ کے لئے بدستور چھوڑ دی جاوے
اور اس پر ۸ فیٹ کی بلندی پر چھت ڈال کر منزل اسی طرح کا دالان
بنالیں جس طرح پر کہ وہ پہلے موجود تھا، نیز لارڈ صاحب کا یہ خیال کہ
اس کی ملکیت کا خیال فضول ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ کس قانون
کے مطابق ہے، شرع محمدی کی رو سے تو یقیناً یہ فیصلہ درست
نہیں ہے، لیکن اگر کسی انگلش قانون کے مطابق ہو تو اس کا مجھکو
علم نہیں، بموجب شرع محمدی کے جائداد موقوفہ کا کوئی مصرف
سوائے اس غرض کے جس کے لئے کوئی جائداد وقف ہوئی ہے
کوئی اور نہیں، اور نہ اس کا عارضی یا دائمی انتقال ہو سکتا ہے
اور نہ کوئی حصہ وقف سے خارج ہو سکتا ہے لارڈ صاحب کو چاہیئے
تھا کہ کم سے کم ہندوستان کے علماء اور فضلاء سے استفادہ فرمالیتے
کہ اس قسم کا فیصلہ مسلمانوں کی شرع میں کیا حیثیت رکھتا ہے لیکن
افسوس شاید تنگی وقت نے لارڈ صاحب کو ایسا کرنے نہیں دیا لیکن
اس کی اصلاح کے واسطے ہنوز وقت موجود ہے ابھی تک نہ تو سڑک

تیار ہو چکی ہے اور نہ دالان مسجد بن چکا ہے (۳۸۸)

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب بھی اس فیصلہ سے مطمئن نہیں تھے انھوں نے اس کے خلاف الہلال میں کئی مضامین لکھے مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محلی نے اس صلح کل فیصلہ کے حق میں جو دلائل دئے تھے اس کے جواب میں مولانا محمد رشید صاحب مدرس مدرسہ عالیہ کلکتہ کا ایک مضمون ۳ر دسمبر ۱۹۱۳ء کے الہلال میں شائع ہوا ہے، اس میں درمختار کے حوالوں سے اس فیصلہ کو خلاف شرع قرار دیا ہے اور مولانا عبدالباری صاحب کے دلائل کی تردید کی ہے اس مضمون کے پڑھنے کے بعد یقیناً یہ معلوم ہوتا ہے مولانا عبدالباری صاحب کے دلائل کمزور ہیں۔

جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کے خلاف جو ننگ آمیز سلوک کیا جارہا تھا اور ان کو ذلیل کرنے کے لئے قانون نافذ کئے جارہے تھے، گورے کالوں کا اپنی جوتیوں کی نوک پر نچانا چاہتے تھے، اس کے خلاف جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں نے جنوبی افریقہ میں ستیہ گرہ شروع کردیا تھا، ہر مقام سے ہندوستانی گرفتار ہورہے تھے اور کوشش جیل جاتے تھے چنانچہ مختلف مقامات سے ۸۰ ہزار کے قریب ہندوستانی گرفتار ہوچکے تھے۔ اس ستیہ گرہ سے ہندوستانیوں نے بھی ہمدردی کی گئی اور تقریباً ہندوستان کے ہر بڑے شہر میں ان کی موافقت میں جلسے ہوئے ہندوستانی اخبارات نے بھی ان کے مقاصد کی حمایت کی چنانچہ الہلال بھی کسی ہندوستانی اخبار سے پیچھے نہیں رہا اور ۱۸ر نومبر ۱۹۱۳ء کے شمارے

میں جنوبی افریقہ کی منزہ گرہ کی حمایت میں مقالہ افتتاحیہ لکھا۔ مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں۔

"میرا مقصود جنوبی افریقہ کے ہندوستانیوں کے تازہ مصائب ہیں۔ ہندوستانیوں کا کوئی جرم بجز اس کے نہیں کہ وہ وہاں بس گئے ہیں کاروبار کرتے ہیں اور چونکہ محنتی اور کفایت شعار ہیں اس لئے روپیہ پیدا کر لیتے ہیں۔ ان کی مرفہ الحالی وہاں کی گوری آبادی کو کھٹکتی ہے اور پسند نہیں کرتی کہ ان کی سرزمین میں باہر کا کوئی انسان روپیہ کمائے، بوجہ کم خرچ اور کفایت شعار ہونے کے ہندوستانی دکاندار کم نفع پر مال فروخت کرتے ہیں۔ بعض بازاروں میں گورے دکانداروں کو اس سے بھی نقصان ہوتا ہے یہ ان کی مزید برہمی کا سبب ہے انھوں نے اپنی گورنمنٹ کو آمادہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح ہندوستانیوں کو یہاں کے قیام سے روک دیا جائے۔ پس اس نے قوانین وضع کرنے شروع کئے اور جابرانہ قوانین کی لعنت بھی اس لعنت سے کم نہیں جو آگ تیز کئے ہوئے لوہے کی بلا کتوں سے نکلتی ہے بلکہ فی الحقیقت وہ اس سے بھی تندو تیز ہے ایک غیور انسان تلوار کی دھار اور آتشکدہ کے شعلوں سے نہیں ڈرتا مگر اس جبر سے ضرور ڈرتا ہے جو اس کے احترام اور شرف کی تحقیر کرے یہ قوانین عجیب و غریب ہیں اور گویا ایک ایسی جماعت کے لئے ہیں جو سرے سے انسان ہی نہیں ہے۔ سب سے پہلے قانون رجسٹریشن نافذ کیا گیا جس کو غالباً سات آٹھ سال کا زمانہ ہو گیا ہے اس کا منشا یہ تھا کہ ہر ہندوستانی جو جنوبی افریقہ میں رہنا چاہے اپنے تئیں

رجسٹری کرائے ۳ پاؤنڈ یعنی ۴۵ روپے ٹیکس دے اور رجسٹری فارم دستخط کی جگہ انگوٹھے کا نشان لگائے۔ پچھلے دنوں جب بزرگ محترم ملک آنریبل مسٹر گوکھلے جنوبی افریقہ تشریف لے گئے تھے تو ارکان حکومت نے وعدہ کیا تھا کہ ٹیکس فوراً موقوف کر دیں گے۔ چنانچہ انہوں نے اسی وقت اس کی اطلاع بذریعہ تار انگلستان و ہندوستان کے پریس کو دیدی تھی — لیکن اب جنرل بوتھا کہتا ہے کہ اس طرح کا کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا۔ اس کے بعد "قانون آبادی اہل ہند" نافذ کیا گیا جو کسی وحشی سے وحشی گروہ کے لئے بھی ناقابل تحمل ہے۔ اس قانون کی مدد سے ہندوستانیوں کے تمام حقوق مدنی و شہری غصب کر لئے گئے اور خدا کے ہزار ہا بندہ بندوں کو یکایک حکم دیا گیا کہ وہ موت سے بھی بدتر زندگی کے لئے تیار ہو جائیں۔

۱۔ ہندوستانی کسی شہری آبادی کے اندر نہیں رہ سکتے۔
۲۔ ان کی دکانیں شہر سے پورے دو میل کے فاصلہ پر ہوں۔
۳۔ جنوبی افریقہ کے اندر کسی ریل کے بہتر درجہ میں سفر نہیں کر سکتے۔
۴۔ شہر کی کسی شاہراہ پر سے گزر نہیں سکتے۔
۵۔ کسی شہر کے ہوٹل میں قیام نہیں کر سکتے
۶۔ کسی ریسٹوران (قہوہ خانے) میں بیٹھ نہیں سکتے۔
۷۔ ۳ پونڈ جزیہ ہر ۱۶ برس سے زیادہ عمر کا ہندوستانی مرد اور عورت ادا کرے۔

اس سے بھی بڑھکر یہ کہ قانون کی رُو سے ہندو مسلمانوں کے نکاح کو قانوناً ناجائز قرار دیا۔ اس لئے کہ یہ اس کا طریق ازدواج

ہے۔ جہاں ملک سے زیادہ بیویاں کی جاتی ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ جس قدر ہندوستانی وہاں موجود ہیں، سب کی بیویاں حقوق زوجیت سے محروم ہوگئیں، ان کی اولاد ناجائز قرار پائیں، اس سے بڑھکر کسی قوم کے ساتھ زیادہ سلوک کیا ہو سکتا ہے کہ اس کے مذہبی طریق کی علانیہ توہین کی جائے قانوناً اس کے طریق نکاح کو ناجائز تبلایا جائے اور اس کی جائز بیویوں کو داشتہ عورت قرار دیا جائے!

یہ سلوک ان لوگوں سے کیا جاتا ہے جو اب سے نصف صدی پہلے امپیریل گورنمنٹ کے حکم سے افریقہ بھیجے گئے تھے اور تقریباً سب کے سب مزدوری پیشہ لوگ تھے، اس وقت جنوبی افریقہ آج کا جنوبی افریقہ نہ تھا وہ ایک وحشت زار ویرانی تھا جہاں بڑے بڑے شہروں اور متمدن آبادیوں کی جگہ درندوں کے بھٹ اور صحرائی جانوروں کے مساکن تھے ان لوگوں نے اپنی جانوں کی قربانیاں کر کے شہر آباد کئے، عمارتیں تعمیر کیں، کارخانوں میں مشین کے پرزوں اور مشینریوں کی طرح کام کیا، اور اس طرح وہ عظیم الشان جنوبی افریقہ طیار ہو گیا جس کے متمدن بازاروں سے اب ان وحشیوں کو گذرنے کی اجازت نہیں، ابتدائی تیس سالوں کے اندر ہندوستانیوں سے سلوک برا نہ تھا، لیکن گذشتہ ۲۰، ۲۵ سال سے موجودہ مظالم کی ابتدا ہوئی، مشہور جنگ ٹرانسوال کے اصلی اسباب وبواعث خواہ کچھ ہی ہوں۔ لیکن بظاہر ایک سبب گورنمنٹ ہند کی یہ شکایت بھی تھی کہ ہندوستانیوں کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا جاتا یہی مسٹر گاندھی ہیں جنہوں نے جنگ کے چھڑتے ہی امپیریل گورنمنٹ

اطلاع دی تھی کہ وہ مع اپنی تمام جماعت کے برٹش گورنمنٹ
کی خدمت کے لئے طیار ہیں ۔ اس جنگ کے بعد ہی مصائب کا
سلسلہ دوبارہ شروع ہوا (جبکہ جنوبی افریقہ کی حکومت کو خود مختاری
حاصل ہو گئی) چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ء میں قانون رجسٹریشن نافذ کیا گیا
ہندوستانیوں نے اس حکم کو اپنے ملک کی توہین سمجھا اور اس کے
خلاف ایک خاموش مقابلہ شروع کر دیا ۔ یہ مقابلہ مسلسل سنہ ۱۹۱۴ء تک جاری
رہا ۔ اس اثنا میں ڈیڑھ سو آدمی قید ہوئے ایک سو کو جلا وطن
کیا گیا ، لاکھ روپے سے زیادہ کی ہندوستانی جائیداد ضائع
ہوئی ، کتنے ہی خاندان برباد ہو گئے ، کتنوں کے عزیز بچے
اس دارِ شر میں گم ہو گئے جن کا سراغ اب تک نہیں ملا ۔ لیکن
ظلم و سفاکی کا جس قوت سے حملہ ہوا معلوم ہوتا ہے کہ صبر و استقامت
کی بھی اتنی ہی طاقت کے ساتھ فرزندانِ ہند مقابلہ کے لئے
تیار ہو گئے ۔ تمام جنوبی افریقہ میں ہندوستانیوں کی آبادی
ڈیڑھ لاکھ کے قریب ہے ، جس میں ایک لاکھ بیس ہزار مزدور ہیں
سب سے پہلے چار ہزار ہندوستانیوں کی ایک جماعت نے مسٹر گاندھی
کے ماتحت عزت کی قربانی کے لئے اپنے تئیں پیش کیا ، انھوں نے
کاروبار بند کر دئے ، ٹرانسوال سے نٹال روانہ ہو گئے یہ اس لئے
کیا کہ ہندوستانیوں کے لئے ایک صوبہ سے دوسرے صوبہ میں جانا بھی
جرم ہے ، پس انھوں نے چاہا کہ اس قانون کی عملاً خلاف ورزی کر کے
اپنے تئیں سزا دلائیں اور اس طرح ظلم کے مقابلہ میں بظاہر جسمانی
شکست کھا کر حقیقت اخلاقی فتح حاصل کریں ، اس جماعت میں

مرد ہی نہیں بلکہ عورتیں بھی اور ان کے ساتھ معصوم بچے بھی ہیں بالآخر مسٹر گاندھی گرفتار کر لئے گئے اور انھوں نے جرمانہ کی جگہ قید خانہ میں جانا پسند کیا اور تمام ہندوستانی لیڈر بھی گرفتار کر لئے گئے۔ کانوں کے احاطوں کو بھی جیل خانہ بنا دیا گیا ہے، جبر و ظلم، خون ریزی و سفاکی اور تعذیب و عقوبت کی انتہا ہو گئی۔ جن مزدوروں نے کام چھوڑ دیا ہے ان کے لئے پستول اور کوڑے سے اپنی جلادی کے لئے مستعد ہیں عدالت حکم دیتی ہے کہ جو مزدور کام نہیں کرے گا، اس کو بھوکا رکھکر مار ا جائیگا دو ہندوستانی زخمی ہو چکے ہیں اور کوڑوں کی سزائیں جاری ہیں (۴۹)

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد صاحب آزادی تحریر و تقریر کے زبردست حامی تھے حکومت برطانیہ نے پریس پر جو پابندیاں عائد کر رکھی تھیں اور اخبارات کا قانونی شکنجہ کے ذریعہ پوری طرح گلا دبوچ رکھا تھا اس کی مخالفت میں پیش پیش تھے اور الہلال میں اس کی سخت مذمت کرتے تھے چنانچہ جب مولانا حسرت موہانی کے رسالہ اردوئے معلی اور پریس سے حکومت برطانیہ نے تین ہزار روپے کی ضمانت طلب کرلی۔ جس سے رسالہ اردوئے معلی بند ہو گیا اس ضمانت طلبی کے خلاف حضرت العلامہ مولانا ابو الکلام آزاد صاحب نے ایک تنقیدی مقالہ ۲۶ مئی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں تحریر فرمایا ہے۔

" سید فضل الحسن حسرت موہانی کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں موجودہ

اسلامی کی تحریکوں میں خاص طور پر حصہ لے رہے تھے، علی الخصوص علی گڑھ اور بعض دیگر مقامات میں اُن کی سعی مشکور سے ملکی صنعت و حرفت اور مصنوعات کی تحریک مسلمانوں میں جگہ پکڑ رہی تھی چونکہ یہ واقعہ نہ آنر کی اس شہنشاہانہ اور مطلق العنانہ تہدید کے خلاف تھا اس لئے اس کو رد کرنے کے لئے ضرور تھا کہ جابرانہ حکومت حرکت کرتا، چنانچہ رسالہ اردوئے معلی کے پریس سے یکایک تین ہزار روپیہ کی ضمانت طلب کی گئی ہے اور چونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس کا مفلس و بوریہ نشین مالک تین ہزار کی جگہ دس روپے کے تین نوٹ بھی ایک وقت میں نہیں دے سکتا اس لئے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ پریس بند ہو گیا، ہم کو اس واقعہ پر ذرا بھی تعجب نہیں اور نہ افسوس ہے۔ ہم نے خبر سنتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ ایڈیٹر اردوئے معلی کو تبریک و تہنیت کے طور پر ایک تار بھیجا، کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ صداقت و حریت کے لئے پوری ایک صدی کی زبانی اور قلمی جدوجہد بھی وہ کام نہیں کر سکتی جو ایک لمحہ کے جابرانہ احکام ایسے موقعوں پر کر جاتے ہیں اور ایسا ہونا دنیا کی گذشتہ تاریخ حریت کے لازمی اور قدرتی واقعات اور ہندوستان کے سفر حریت کے ناگزیر منازل ہیں۔ کوئی حکومت اس فاتح و مسلط حکومت سے بڑھ کر اپنے لئے مہلک اور ملک کے لئے حیات پرور نہیں ہے جو اس طرح کے احکام و اعمال مستبدہ کی عادی ہو اور درحقیقت جبر و قہر ہی کا پانی وہ آب حیات ہے جو آزادی کے بیج کو جادوگروں کے تماشے کی طرح منٹوں، اور لمحوں میں بار آور کر دیتا ہے پس یہ جسقدر زیادہ ہو بہتر ہے، اور

اس میں جس قدر زیادہ سختی ہو رحمت ہے، یہی چیز ہے جس نے ہمارے ہم وطنوں کو خوابِ غفلت سے چونکا دیا اور یہی نعمت ہے جس کے لئے ہم کو ترسنا چاہیئے کہ ہماری پیش آنے والی زندگی کے لئے، اگر وہ زندگی ہوگی تو اس جنسِ گرامی و محبوب کی سب سے زیادہ مانگ ہے ہم کو اس پر بھی کچھ تعجب نہیں ہوا کہ بغیر کسی قانونی گرفت کے اور بغیر کسی صریح استدلال پریس ایکٹ کے اب کیوں کیا گیا کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ پریس ایکٹ اس لئے عالم وجود میں نہیں آیا کہ وہ ایک زنجیر جو مجرموں کے پاؤں میں ڈالی جائے بلکہ صرف اس لئے تاکہ وہ ایک تیز آلہ ہو جو ناگہانی استبداد و ہلاکت کے لئے تلوار کا کام ثابت ہو، قانون رعایا کے ہاتھ میں بیشک وسیلۂ طلب انصاف ہے مگر جابر حکومتوں کے لئے تو ایک بہانۂ ظلم سے زیادہ نہیں ہے، اس کے نفاذ کے لئے جرم قانونی کی نہیں بلکہ جرم حق پرستی و صداقت کی ضرورت ہے جو لوگ اس طرح کے واقعات پر داد و فریاد کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ اور حق و انصاف کی بے سود دہائی دیتے ہیں، مجھکو سچ مچ ان پر ہنسی آتی ہے۔ ایک اخبار کے لئے درحقیقت اس جرم سے بڑھ کر اور کونسا سنگین جرم ہو سکتا ہے کہ وہ ظلم کی چوکھٹ کا پرستار نہیں ہے۔ اور حق و صداقت کا ساتھ دیتا ہے کیا یہ جرم طبعی طور پر بڑی سے بڑی سزا کے لئے کافی نہیں ہے کہ یہ نادان لوگ دوسرے جرموں کو تلاش کرتے اور پوچھتے ہیں۔

یہ واقعہ حسرت موہانی کا نہیں ہے بلکہ یہ صریح مسلمانوں کے جذبات کی پامالی کا ہے اور جذبۂ اسلامی تحریک کو مذبوح کرنا ہے حالانکہ

سر جیمس مسٹن حسرت موہانی کے پریس کو بند کر سکتے ہیں لیکن الحمد للہ کہ ان میں یا ان کے کسی ہم طریقت میں یہ قوت کبھی بھی آنے والی نہیں ہے کہ وہ سات کروڑ مسلمانوں کے دھڑکتے ہوئے دلوں کی حرکت کو بھی ان کا خدا سے مطلوب نہیں بلکہ قاہر و منتقم اور لا ایزال و لم یزل خدا نے توانا و برتر حرکت میں لا رہا ہے اپنی اس سعی باطل سے بند کر سکیں۔

مسٹر آرنلڈ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنی جگہ سے ہلنا نہیں چاہتے مگر الحمد للہ کہ ہم ہل چکے ہیں اور اب ہمارے قدموں کو وہ پیچھے نہیں ہٹا سکتا ان کی خوش قسمتی کا وہ زمانہ گیا جبکہ غریب حسرت موہانی کو اس قتیلِ حریت اور فدا کارِ آزادی کو، اس مجاہد حق و صداقت اور جانفروش راہ ملت پرستی کو اس امتحان گاہ حریت پرستی کے کوہ ثبات، اور اس رزمگاہ صداقت کے سربکف جاں نثار کو پکڑ کے قید کر دیا گیا تھا اور علیگڑھ کالج کے سکریٹری نے اس کے خلاف شہادت دی تھی پھر اس کا گھر بار لٹ گیا اس کی عزیز کتابوں کو مٹی کی ڈھیروں کی طرح نیلام کیا گیا، اس کی مسکین و صداقت پرست بیوی اور شیر خوار بچے کو طرح طرح کے جانفرسا مصائب جھیلنے پڑے وہ دو سال تک روزانہ ایک من گیہوں پیستا رہا، پر اس کی قوم اس کو بھولی رہی اور اس کی ذرا بھی خبر نہ لی اور اس طرح اس نے بدبختانہ اپنی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے ایک یادگار ذلت و نلامت کو اپنے ہاتھوں سے ثبت کر دیا۔"

ہاں مسٹر آرنلڈ کو معلوم نہیں تو یہ ان کی درد انگیز غلطی ہے، ہم ایک خیر خواہ مشیر کی طرح ان کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ زمانہ گیا اور وہ بدبختیہ کے گیا، اب مسلمان اب سے دس سال پیشتر کے وہ مسلمان نہیں ہیں جن

کو حکومت کے بعض سرکار ایجنٹوں نے از ریفیہ کے مرض القوم میں
گرفتار کر دیا تھا جن کا دین و ایمان قبلۂ حکومت کی طرف استقبال وجوہ
جن کا قرآن جو صحیفۂ استعباد و غلامی کی تلاوت اور جن کا ذکر و شغل
فساد استہلاک تو بید نعبد حکومت و ارباب حکومت تھا اور علی گڑھ کالج
کے ارکان طیار رہتے تھے کہ جب کبھی کوئی ضرورت مقامی کلکٹر
کو پیش آ جائے تو فوراً گواہی دے کر بحیثیت پرستش صاحبان اولوالامر
کا دوگانہ عبادت ادا کریں۔ اب مسلمانوں کی آنکھیں کھل گئی ہیں۔ خود
زمانے نے اور زمانے کی صدا و قبلیش نے اس عمل السو کا رد عمل کر دیا
اور اب وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور اپنے کانوں سے سنتے ہیں
اب ان کو معلوم ہو گیا ہے کہ حسرت موہانی کون ہے اور کیا ہے اور اس
کے کہ شنیدہ [illegible] ہے کو محض ہندوؤں کی تعریف کا ایک مسئلہ سمجھتا ان کی
کبھی [illegible] انگریز مسلم تھی۔ اب وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ حسرت موہانی اس
[illegible] میں [illegible] کرور مسلمان بستے ہیں اپنی حریت
[illegible] اپنی فروشی کے لحاظ سے تمام مسلمانوں میں ایک
[illegible] گراں مایہ وحید ہے وہ جس نے دنیوی آسائش
[illegible] پارانہ حق کی معیت کے مصائب و ہلاک کو ترجیح دی
[illegible] انانِ ہند میں ایک ہی خوش قسمت ہے جس کو راہ
[illegible] ثبات عزم و ثبات دینے کے لائق صد رشک و حسرت
[illegible] علی اور وہ جس کے مبارک پاؤں میں مقدس حرم
[illegible] کی پاداش میں زندان عقوبت کی زنجیریں ڈالی
[illegible] وہ زنجیر محبوب اور صد رشک و ہزار حسرت

اس ارزندان مقدس و مطلوب پر، جو سبیل حریت و عشق ملت میں درد
استحکام حق و صداقت کو نصیب ہوئے۔

یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ اس ضمانت کا سبب براہ راست اس سعی و جہد کے سوا کچھ نہیں ہے جو غریب حسرت نے حال میں اسلامی مصائب و جانکاہ سے متاثر ہو کر غیر ملکی مصنوعات کے مقابلہ میں کی تھی اور بائیکاٹ کے لئے اپنی عملی کوشش سے بعض کامیاب نتائج پیدا کر دیئے تھے علی الخصوص علی گڑھ میں کئی دکانیں کھل گئیں اور باوجود مرکز وحید استبداد و غلامی ہونے کے، ہلال احمر فنڈ اور جذبات صحیحہ اسلامیہ کے ابراز مظاہر میں وہ دیگر شہروں کے دوش بدوش رہا، یہ باتیں مہینوں سے کھٹک رہی تھیں اور کسی فرصت مناسب کا انتظار کیا جا رہا تھا۔ فرصت قانونی تو نہیں ملی، مگر اشتداد و ہیجان غیظ و غضب اس درجہ مستولی ہوا کہ وہ قوت ضبط تحمل جس کا دل زیب ظہور تقریروں اور سرکاری مواعظ میں ہوا کرتا ہے دلی جذبات کے آگے قائم نہ رہ سکا اور ضمانت کا فرمان نادری صادر ہو گیا پس افسوس اس شکست فاش پر، جو دماغ حکمرانی کو جذبات قلب انسانی کے مقابلے میں ملی اور ہزار افسوس اس غلطی پر جو انتہا درجہ نقصان ہلاکت پہنچانے کی جگہ ایک سرچشمۂ آب حیات ثابت ہوگی۔

تین ہزار روپے کی ضمانت پریس ایکٹ کی مقدار مقررہ انتہائی سے اللہ ضرور ہے لیکن عملاً پانچ سو یا ہزار روپے سے زیادہ طلب نہیں کی جاتی اور صرف ایک دو مثالیں دو ہزار کی سنی گئی ہیں پیر حرا آزر جیسے مشن کا دربار سلطنت و جلال نہیں معلوم اتنی بڑی سنگین رقم ضمانت

کے لئے کیا وجہ بیان کر سکتا ہے؟"

"گورنمنٹ اس سے بے خبر نہیں کہ اردو پریس اور اس کے مالک کی حالت کیا ہے حسرت موہانی جب قید سے رہا ہو کر آیا تو کوئی چیز اس دنیا میں ایسی باقی نہ تھی جو اس کے لئے ذریعہ تقویت مال ہوتی، ڈیڑھ روپے ماہوار کرایہ کا ایک جھونپڑا ہے جس کے اندر ایک چھوٹی سی صحنچی اور ایک کوٹھری ہے اور باہر بھی اتنی ہی سکانیت ہے۔ اندر وہ فقیر حریت مع اپنی کوہ عزم نشان بیوی کے محدود رہتا ہے اور باہر ایک کاٹھ کا دستی پریس اور دو چار پتھر ہیں بسا اوقات ایسا ہوا ہے کہ خود اسی نے اپنے ہاتھوں سے اردوئے معلیٰ کی کاپیاں لکھی ہیں خود ہی پتھر پر جمائی ہیں اور خود ہی پریس کو چلا کر چھاپا ہے، یہ کل کائنات اردو پریس اور اس کے مالک کی ہے کوئی دوسرا ذریعہ آمدنی نہیں ہے اور نہ اس کی طبع غیور کسی کی شرمندہ احسان ہونا پسند کرتی ہے۔ اردوئے معلیٰ کے دو چار سو خریدار ہیں اس کی قیمت سے شاید چند روپے مہینے میں بچ رہتے ہیں اور اسی سے دو وقت کی روٹی کھا کر کشتۂ آزادی کی بے نوری اور دولت لازوال حق وصداقت کی غذائے غیر فانی سے مست رہتا ہے۔

بایں ہمہ صوبجات متحدہ کی گورنمنٹ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ تین ہزار کی ضمانت ایک سچے خادم ملک وملت کے جد وجہد کو فنا کر دینے کے لئے کوئی کارگر آلہ نہیں ہے یہ ابھی چند لمحوں اور منٹوں کے اندر ہمارے اختیار میں ہے کہ اس تین ہزار کے لاکھوں پیسے اور دھیلے بنا کر ایک ایک مسلمان سے وصول کریں اور اس کا ڈھیر ہز آنر سر جیمس مسٹن کے

ہیبت و جلال قصرِ حکومت کی ڈیوڑھی پر لگا دیں تاکہ ان کو بھی معلوم ہو جائے کہ ان کے تختِ فرمانروائی پر قدم رنجہ فرمانے سے پہلے ہی پامال ہو چکی ہے اور اب جو کچھ حسرت موہانی سے مانگا جا رہا ہے حسرت موہانی سے نہیں بلکہ تمام مسلمانوں سے مانگا جا رہا ہے اور جو اس فقیرِ ملت کے ساتھ کیا جا رہا ہے وہ اس کی نہیں بلکہ اسلامی حیات کی پامالی ہے اور اس کی چوٹ ہر مسلمان کے دل پر براہِ راست پہنچی ہے۔ وہ وقت گیا جب قومی معاملات کو اشخاص کا معاملہ بنا کر مسلمانوں کو غافل کر دیا جاتا تھا اور حق و آزادی کو صرف ہندوؤں کے سر باہم بغاوت منسوب کر کے خود ہماری قوم ہی کی مفسد بن کر ہمارے سامنے کھڑا کر دیا جاتا ہے۔" (۳۴۸)

رسالہ اردوئے معلی سے جہاں ضمانت طلب کی گئی ہے، وہاں ۸ ستمبر ۱۹۱۳ء کو الہلال پریس سے بھی دو ہزار روپے کی ضمانت مانگی گئی۔ رسالہ اردوئے معلی اور اخبار الہلال کی مالی حالت میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ الہلال بہت آسانی کے ساتھ ضمانت دے سکتا تھا اس کے برعکس رسالہ اردوئے معلی کے لئے ضمانت داخل کرنا ناممکن تھا چنانچہ ہوا بھی یہی الہلال پریس کی ضمانت ۱۸ ستمبر ۱۳ء کو داخل کر دی گئی جبکہ اس کی ضمانت داخل کرنے کی آخری تاریخ ۲۳ ستمبر ۱۹۱۳ء تھی۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے الہلال سے ضمانت طلب کرنے کے بارے میں یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں ایک مقالہ افتتاحیہ لکھا۔

" الہلال پریس کی ضمانت کے واقعہ کو میں بوجوہ زیادہ اہمیت

دینا نہیں چاہتا تھا لو مجلہ کوئی ایسی غیر معمولی بات سمجھتا تھا جس کو بار بار لکھا جائے، میں نے ہمیشہ اپنے ان معاصرین کو نہایت سخت ملامت کی نظروں سے دیکھا ہے جو ایسے موقعہ پر شکوہ و شکایت کا دفتر کھول دیتے ہیں اپنی خدمات اور حسن نیت کا یقین دلاتے ہیں اور باور کرانا چاہتے ہیں کہ با این ہمہ ہم وفادار ہیں لیکن مجھے ان کی سعی لا حاصل پر ہمیشہ افسوس ہوتا ہے شکایت وہاں ہونی چاہیے جہاں توقع ہو لیکن جبکہ اصلیت معلوم اور مشکل لا علاج تو پھر کم از کم اپنی استطاعت کا وقار تو نہ کھوئے ۔

وہ اپنی خو نہ بدلیں گے، ہم اپنی وضع کیوں چھوڑیں
سبک سر ہو کے کیا پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

پریس کی سعی عدالت کے اندر کی حالت ہے اور اپنی وفاداری کا یقین وہاں دلائے ۔ جہاں صرف غیر وفاداری ہی جرم ہو لیکن پریس ایکٹ کا دیوتا صرف غذا چاہتا ہے اس کو غذا کی قسم سے بحث نہیں، اس کا اختیار غیر محدود، مرافعہ کا دروازہ مقفل اور وفاداری و بے وفائی امن پسندی و بغاوت، خیر خواہی و بد خواہی، حق گوئی و کذب پسندی کوئی حالت ہو ۔ اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو رد کرنے کے لئے کوئی پناہ نہیں، البتہ یہ ضرور تھا کہ الہلال کی حالت عام حالت سے مختلف ہے وہ کوئی سیاسی اخبار نہیں ہے ۔ بلکہ ایک دینی دعوت اصلاح کی تحریک ہے جو مسلمانوں کے اعمال میں مذہبی تبدیلی پیدا کرنا چاہتی ہے اس کا ایڈیٹر بھی صرف یہی ایک دینی حیثیت رکھتا ہے اور مقامی گورنمنٹ اس کی اس حیثیت سے بے خبر نہیں، بلا شبہ ملک کے بعض واقعات

حوادث کے متعلق اس میں اظہار رائے کیا جاتا ہے لیکن وہ بھی محض دینی اور اسلامی نظر سے اور ان ہی اصول کے ماتحت جو ایک متبع قرآن کے لئے اس کے فرائض دینیہ میں داخل ہے پس الہلال اور پریس ایکٹ کا سوال بالکل اسلام اور پریس ایکٹ کا سوال ہے اور اگر گورنمنٹ الہلال کے کاموں پر مطمئن نہیں تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ وہ اس دنیا کے عظیم الشان مذہب کی تعلیمات کی طرف سے غیر مطمئن اور مشتبہ ہے جس کے چالیس کروڑ پیرو اکناف عالم میں موجود ہیں اور ۸۰ ملین خود برٹش گورنمنٹ کے ماتحت ہندوستان کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔"

"الہلال اپنے ہر خیال کو خواہ وہ کسی موضوع سے تعلق رکھتا ہو محض اسلامی اصولوں کے تحت ظاہر کرتا ہے اور کوئی آواز ایسی بلند نہیں کرتا جو اسلام اور اس کے قانون و دستور العمل یعنی قرآن کریم سے ماخوذ نہ ہو اس کے عقیدے میں ہر وہ پالٹکس جو اسلامی تعلیم سے ماخوذ نہیں کفر ہے اور اس نے اپنی وفاداری و بغاوت کا سر رشتہ بھی نسل اپنے تمام سر رشتہ ہائے عمل کے، اسلام کے مقدس اور الٰہی احکام کے سپرد کر دیا ہے پس اگر وہ وفادار اور امن پسند ہے تو وہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہے اور اگر وہ جادۂ وفاداری سے منحرف ہے تو اس کے صاف معنا یہ ہیں کہ خود مذہب اسلام سرچشمہ بغاوت و بد امنی ہے پھر اگر الہلال پریس ایکٹ کی دفعات کے تحت میں آسکتا ہے تو ہم کو اس دن کا منتظر رہنا چاہیے جب پریس ایکٹ کی دفعہ ۱۲ کے بموجب "قرآن کریم نامی ایک کتاب کا بھی سوال پیدا ہو جائے گا اور برطانوی ممالک

کا یہ عجیب التفقت فرزند اپنے سامنے صرف الہلال کے دار الاشاعت ہی کو نہیں بلکہ چالیس کروڑ پیروان قرآن کو پائے گا جو اس کی ہر دفعہ کے بموجب مجرم ہوں گے اور ہر شخص کے ہاتھ میں ایک حکمنامہ ہوگا جس میں لکھا ہوگا کہ " سات دن کے اندر اندر دو ہزار روپیہ عدالت میں داخل کر دو " الہلال پریس کی مقامی گورنمنٹ اس مسئلہ سے ناواقف نہ تھی یہ ایک نیا مسئلہ تھا جو صرف الہلال ہی سے تعلق رکھتا تھا، اس لئے پریس ایکٹ کی مطلق اعتنان سے تو نہیں لیکن الہلال کی اس حیثیت خاص کی بنا پر اس کا سوال عام حالات سے بالکل مختلف تھا اور اسی لئے قابل غور ہو گیا تھا۔ اس کا مسئلہ کسی پریس کا مسئلہ نہ تھا جہاں اخبار چھپتا ہو بلکہ اسلامی تعلیم کی ایک تحریک دعوت کا سوال تھا اور پبلک دیکھنا چاہتی تھی کہ گورنمنٹ ہندوستان کے موجودہ عہد کے ایک مذہبی اور اسلامی رسالے کی نسبت کیا کرنا چاہتی ہے؟

پہلے دن جس قدر منی آرڈر ان رقوم کے آئے ان کو لٹا کر یہ تمام واپس کر دیا گیا۔ لیکن دوسرے دن جب پھر روپیہ پہنچا تو میں نے ایک دو ... ہی حالت اور ایک بالکل مختلف اثر کو سامنے پاکر مکرر غور ... کیا کیا جائے۔ ضمانت دی جا چکی ہے ادارہ الہلال ... کسی طرح بار اپنے لئے قوم پر ڈالنا نہیں چاہتا تاہم ... اور جوش اسلامی نے حسب الشفانی فی سبیل اللہ کی راہ ... ہے اور باوجود اس قدر شدید مخالفت و عراض کے احباب ... اپنے لطف و کرم سے باز نہیں آتے تو پھر مجھے کیا حق ... کو واپس کردوں جو حق پرستی اور نصرت صداقت

کے نام پر سچے دل اور پُرخلوص ہاتھوں نے پیش کی ہے۔"

جس وقت رسائل و اخبارات سے حکومت برطانیہ نے ضمانتیں طلب کرنا شروع کر دیں اور اخبارات و رسائل کو پریس ایکٹ کے شکنجوں میں کسنا شروع کیا تو اس سے مقابلہ کرنے کے لئے مولانا آزاد نے اخبارات و رسائل کا متحد ہونا ضروری سمجھا اس کے لئے انھوں نے مجلس دفاع مطابع و جرائد قائم کرنے کی سعی کی، چنانچہ اس کے قیام و تشکیل کے سلسلہ میں یکم اکتوبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں اعلان کیا۔

"انڈین پریس ایسوسی ایشن یعنی مجلسِ دفاع مطابع و جرائد کا قیام، جس کا مقصد ہندوستانی پریس کے حقوق کی حفاظت ہو۔ زمیندار اور الہلال کا اب "تذکرہ" ہی حاصل ہے، مرض عالمگیر اور سیلاب ہر طرف رواں ہے مجھے اپنے معاملات کی کچھ بھی فکر نہیں ہے، میں نے روز اول ہی سے اعلان کر دیا تھا کہ اگر میرے کاموں میں صداقت ہو گی تو اس کی قوت ہر حالت میں ناقابلِ تسخیر ہے اگر نیتوں میں کھوٹ ہو گا تو باطل اپنی تباہی کا بیج خود اپنے اندر رکھتا ہے اس کے لئے پریس ایکٹ کی ضرورت نہیں، لیکن مصیبت یہ ہے کہ اس مطلق العنان استبداد کی تیغ سے اب کسی شئے کو امان نہیں، جو حالات نظر آ رہے ہیں۔ ان کی پیش گوئی مستقبل کے متعلق موجودہ حالت سے بھی زیادہ مخدوش ہے جب روزانہ حبل المتین کلکتہ کو بھی پریس ایکٹ سے پناہ نہ ملی جس نے موجودہ اسلامی جوش و حرکت میں حصہ لینے کا کوئی جرم نہیں کیا محض واقعات و اخبار کی اس کے ذریعہ شہر میں اشاعت ہو جاتی تھی تو سمجھ ظاہر ہے کہ اوروں کو شکوہ و شکایت کا کیا موقع؟ پریس ایکٹ

کا جس وقت نفاذ ہوا تھا کہا گیا تھا۔ کہ صرف تین سال کے لئے رہے
ب وقت آگیا ہے کہ ملک کا تمام تعلیم یافتہ اور حق پسند طبقہ اپنی متحدہ
قوت سے اس کا قانوناً مقابلہ کرے اور استبداد و مطلق العنانی کے
اس دھبہ سے اپنی گورنمنٹ کا دامن پاک کر دے جس کے ساتھ ایک
لمحہ کے لئے بھی آئینی نظام حکومت جمع نہیں ہو سکتا، کامریڈ پریس کے
پچھلے مقدمہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت کے سب سے
بڑے جج نے جو رائیں دی ہیں۔ ان کے بعد بھی ملک کا اس طرف
متوجہ ہونا غفلت و نادانی کی ایک بدترین مثال ہوگی اگر ایک ایسی انجمن
قائم ہو گئی تو اس کے ذریعے ہندوستانی پریس کی ہر شاخ کو تقویت
پہنچ سکے گی اور پریس ایکٹ کے سوال کو اس زور و قوت کے ساتھ
اٹھایا جا سکے گا، جو یقیناً کسی آخری فیصلے تک ملک کی رہنمائی کریگا۔
"مجھکو نہایت خوشی ہوئی جب میں نے اپنا یہ خیال مقامی معاصرین
عظام کے آگے پیش کیا جن کا حلقہ فی الحقیقت ہندوستانی پریس کا
سب سے زیادہ وسیع حصہ ہے انھوں نے ہر طرح شرکت و اعانت کے
لئے فوری آمادگی ظاہر کی علی الخصوص مشہور آنریبل بابو سریندر ناتھ
بنرجی ایڈیٹر بنگالی بمجرد استماع مقصد، سرگرم کار بھی فرمائی
ہوگی اسی طرح بمبئی کے انگریزی و گجراتی اخبارات میں سے بعض اخبارات
نے تار کے جواب میں بذریعہ تار ہر طرح کی آمادگی ظاہر کی اب ضرورت
صرف اس کی ہے کہ اردو پریس کے تمام ارکان اس تحریک اہم کے
خیر مقدم کے لئے مستعد ہو جائیں اور اپنے اپنے صفحات کا ایک
بڑا حصہ اس پر غور و بحث و تشویق و ترغیب فراہمی اعانت کے لئے

وقف فرمادیں، آئندہ نمبر میں اس مجلس کے متعلق مزید تفصیل الہلال میں شائع کی جائے گی۔ (۲۵۶)

حضرت علامہ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے اپنے اس اعلان کے مطابق ۸ راکتوبر ۱۹۱۳ء کے الہلال میں "مجلس دفاع مطابع و جرائد ہند" کی تشکیل کا ابتدائی پروگرام شائع کیا۔

"پریس ایکٹ جیسے بے جا تشددات نے ملک میں کس درجہ بے چینی اور تشویش پیدا کر دی ہے اور مطابع و جرائد کا دماغ کا خیال کس قدر بروقت اور عام خواہش کے مطابق تھا کہ مجرد اعلان ہر طرف سے صداؤں نے اٹھ کر اس کا ساتھ دیا۔ میں نے سب سے پہلے یہ تجویز آنریبل بابو سریندر ناتھ بنرجی اور بابو موتی لال گھوش ایڈیٹر امرتا بازار پتریکا کے سامنے پیش کی، میں نہایت متشکر و ممنون ہوں ان دونوں بزرگان ملک اور مشہور اعیان مطابع کا جنہوں نے ہر طرح اعانت و شرکت کا وعدہ فرمایا، ہم کو ایک ایسی مجلس قائم کرنی ہے جو عام اور وسیع ہو، جس میں وہ بدبختانہ اور نامبارک تفریق نہ ہو جو ہندو مسلمانوں کے سوال کی صورت میں ہر جگہ پیدا کی جاتی ہے۔ جس میں ملک کے ہر حصہ سے ارباب مطابع و جرائد شریک ہوں اور کوئی حصہ ایسا باقی نہ رہے جہاں کے پریس کے قائم مقام اس میں نہ ہوں پھر اس کا ایک مرکزی مقام ہو اور اس کی شاخیں تمام صوبوں میں قائم ہو جائیں وہ بصورت آل انڈیا ایسوسی ایشن کے بھی ہو اور یہ صورت پروونشل جماعت کے بھی، اس کے لئے باہمی مشورہ و مبادلۂ آراء کی ضرورت ہے اور نہایت وسیع پیمانے پر تعاون

واشتراک عمل کی۔ پس ہم مجوزین نے اپنا فرض یہ سمجھا ہے کہ اپنی تجویز کو کاغذ کے صفحوں سے ایک وسیع اجتماع تک پہنچا دیں پھر تمام امور کا فیصلہ وہی اجتماع کرے گا۔ چنانچہ اسی غرض سے ۱۲ اکتوبر کو ددیجے ایک جلسہ انڈین ایسوسی ایشن کے ہال میں قرار پایا، اس کا اعلان گو الہلال سے کیا گیا مگر ایڈیٹر الہلال کے علاوہ چار دیگر وقیع ترین اخباروں کے بھی اس کے نیچے دستخط تھے بالاتفاق عام آنریبل سر سریندر ناتھ بنرجی صدر جلسہ منتخب ہوئے اور کافی غور و مباحثہ کے بعد طے پایا کہ پوجا کی بڑی تعطیل کے بعد آئندہ نومبر میں ایک عظیم الشان جلسہ کلکتہ میں منعقد کیا جائے اور وہ تمام امور مہمہ کے متعلق وسائل و ذرائع عمل اختیار کرے اس کے بعد اس جلسہ کے اہتمام و انتظام کے لئے حسب ذیل اشخاص کی ایک کمیٹی مقرر کی گئی۔

۱۔ آنریبل بابو سر سریندر ناتھ بنرجی ایڈیٹر بنگالی۔
۲۔ بابو کرشن کمار متر ایڈیٹر سنجیونی۔
۳۔ بابو موتی لال گھوش ایڈیٹر امرتا بازار پتریکا۔
۴۔ مولوی حبیب الرحمن ایڈیٹر سلطان۔
۵۔ مولوی محمد اکرم صاحب ایڈیٹر محمدی۔
۶۔ مولانا ابو الکلام آزاد ایڈیٹر الہلال

اگر پریس کی آزادی کا خاتمہ ہو گیا جیسا کہ ہو رہا ہے تو پھر نہ تو اصلاح و طلب حقوق کو قیام ہے نہ اظہار صداقت اور دعوت حق و حریت کی راہ باقی۔ نہ مصائب اسلامی پر رنج و غم کے آنسو بہا سکتے ہیں نہ فرزندان اسلام کی خانماں بربادی پر دلوں کو آہ و فغاں کی

جائز ہے۔ ملک کی تمام صنعتیں اور علاج اور ملکی فلاح و ترقی کے لئے حصول امن و آزادی خواب و خیال ، آج اسلام کے ماتم کدوں میں سب سے زیادہ ماتم و فغاں سنی مسجد کانپور اور اس کے شہداء مقدسین و محترمین کی قربانیوں پر ہے لیکن اگر پریس کے حقوق کا قانونی دفاع نہ کیا گیا تو پھر کون ساجد کی فریادوں کی ترجمانی کرے گا ، کون قہر و جبر کی دست درازیوں پر شکوہ سنج فریادی ہوگا۔ اور کیونکر ملک و قوم کو آلام و مصائب کے اظہار کا موقع ملے گا؟ پس فی الحقیقت مطبوعات و جرائد کے حقوق کا حفظ و دفاع اولین فرض ملک و ملت ہے اور اس کی اپیل سب سے زیادہ ہماری قوتوں کی اتفاق کی مستحق اور صرف دولت و مال کے احق ہے ہندوستانی پریس کا نظم و استحکام اور اتحاد و تعاون بھی اس کے ذریعہ ہو سکتا ہے یہ کیسے افسوس کی بات ہے کہ جس ملک میں حیوانات تک کے حقوق کی محافظت کے لئے انجمنیں قائم ہوں وہاں مطابع و جرائد کی حفاظت کے لئے چند نفوس و افراد کی ایک جمعیتہ بھی نہ ہو۔" (۲۷۲)

کوئی بھی انسان ہو اور خواہ کتنا ہی سنجیدہ و متین ہونے کا دعویٰ کرتا ہوا اپنے معاصرین کو بخشتا نہیں ، اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔ اور اس کی مخالفت کئے بغیر چین نہیں آتا۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اخبار کی ترقی کا شاید راز اپنے معاصرین کی مخالفت میں مضمر سمجھتا ہے یہی حالت اخبار الہلال کی تھی ، اس کی شانت و بردباری کو دیکھ کر یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ معاصرین کی مخالفت میں قلم کو جنبش دے گا لیکن اس نے بھی

: پیے معزز معاصر زمیندار کے خلاف مسجد کانپور کے سلسلہ میں لکھا اگرچہ ایڈیٹر کی قلم نہیں ملی لیکن ایک مراسلہ نگار نے اپنے خط میں ۲۶ / نومبر ۱۹۱۳ء کے شمارے میں اس کی خبر لی ہے ۔

" ایڈیٹر صاحب زمیندار کو اگر اطلاع تھی اور انھوں نے اس کو پسند کر لیا تھا۔ تو سخت تعجب ہے کہ اعلان مصالحت کے قبل تک وہ اپنے پیش کردہ شرائط کیوں اس سے علیحدہ رکھتے رہے ۔ ؟ ناظرین مجھے معاف رکھیے ۔ اگر میں یہ کہوں کہ اخبار زمیندار بھی ایک عجیب اخبار ہے جو عوام کے مذاق کے مطابق ہونے کے سبب سے بہت کثیر الاشاعت ہے ۔ لیکن اس کی کوئی مستقل پالیسی نہیں ہے اگر کسی کو مستقل پالیسی قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ پرانے لیڈروں کو گالیاں دینا ہے جس سے شاید ہی اس کا کوئی نمبر خالی ہوتا ہو وہ پہلے نہایت سختی سے جو شرائط پہلے پیش کرتا رہا ہے ان میں سب سے اہم مسجد کو بعینہ اصلی حالت میں لوٹا دینا قرار دیا ہے پھر اس مصالحت پر بے حد خوشی کا اظہار کرتا ہے ، مٹھائیاں بانٹتا ہے پھر گھبرا کر مسجد کے فیصلہ کو علماء کے حوالے کرتا ہے آخر میں خود مجتہد بن کر ہز ایکسیلنسی کے وعدہ عطیہ شاہانہ اور زمین کے نکل جانے پر لکھتا ہے " ہم تھوڑا کھو کر بہت زیادہ حاصل کریں گے"

(زمیندار ۲۳ / ذی قعدہ ۱۳۳۱ھ)

الہلال میں نثر کے ساتھ نظم کبھی کبھی شائع ہو جاتی تھی ، جس میں زیادہ تر کلام علامہ شبلی کا ، اس کے بعد کشاف ، فصاحت اور نقاد کے ناموں سے اور کبھی کبھار نیاز فتحپوری اور حسرت

اکبر الہ آبادی کی نظم شائع ہو جاتی تھی، علامہ شبلی، نیاز فتحپوری اور حضرت اکبر الہ آبادی کی نظمیں تاریخی اور ادبی طرز کی طنزیہ ہوتی تھیں، ک ش ف، وصاف اور نقاد کے ناموں سے غالباً مولانا آزاد اپنا کلام شائع کراتے تھے۔ طنز اس میں بھی ہوتا تھا لیکن سیاسی چاشنی لئے ہوئے چنانچہ آغا خان نے جو بیان جنگ بلقان کے سلسلہ میں ترکی کے خلاف دیا تھا اس پر ایک نظم بعنوان "ترکوں کو صلاحِ ترکِ یورپ) شناف کے نام سے ۲۶ مارچ ۱۹۱۳ء کو الہلال میں چھپی ہے ؎

نہیں کچھ اعتبارِ دوست دشمن اس زمانے میں
گرم رہا جنہیں سمجھے تھے، وہ نکلے ستم آراء
وہ آغا خاں جنہیں ہندوستاں کے سادہ دل مسلم
کہا کرتے تھے "کل تک" ناخدا ہے کشتی مارا
ہیں لکھتے آج ایک مضمون ٹائمس آف بمبئی میں
جسے پڑھ کر ہر ایک مسلم کا دل ہوتا ہے صد پارہ
وہ لکھتے ہیں کہ بہتر ہے کہ یورپ چھوڑ دے عثمانی
اٹھا لے جائے ارضِ ایشیا کو اپنا بستارا
یہ کیسی رائے ہے کیوں ہے نہ پوچھو اس معمہ کو
یہ ہیں اسرارِ پنہاں ان کے افشا کا نہیں یارا
مگر کہنا یہ ہے سنتے ہی یہ مضمون شرر افزا
بڑھا جوش و خروش ایسا کہ ہر ایک شخص بنکارا
جہاں دیکھا جسے دیکھا، مخالف ہی نظر آیا

طبیب دو چار ہم آہنگ تھا ہندوستاں سارا
بھری ایک سانس ٹھنڈی اور پڑھا یہ شعر حافظ کا
سنا جب حضرت شفاف نے یہ ماجرا سارا
من از آں حسن روز افزوں کہ یوسف داشت دانستم
کہ عشق از پردۂ عصمت برون آرد زلیخا را
کھلا عقدہ نہ آغا خاں کی اس تجدید طرازی کا
بہت ہم عقل دوڑا کے، ہر چند سر مارا
نظر آیا بالآخر ایک سیاحِ جہاں دیدہ
کہ حل کرد او بہ نیرو فیراست ایں معما را
کہا اس نے مداحِ ترک یورپ پر تعجب کیوں
گر ہست مذہبی دردی تو قوم و ملک آغا را
یہ ایمانی ہیں جو ہیں عاشقانِ خانہ بر انداز
ہے ان کا قول یہ با وصف عقیدِ شاہی دلرا
اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را
بخالِ ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے اجلاس لکھنؤ کے فیصلوں کے خلاف
حضرت ک ش ف نے ۱۵ مارچ ۱۹۱۲ء کے ستارے میں حسب ذیل خیالات
کا اظہار کیا ہے؎

یہ فیض ہے جماعتِ احرار کا ضرور
اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے
آزادئ خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر

یہ سب ان ہی کی فیض کا منت گزار ہے

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم یہ ترنگ
رہے دیر پا، کہ جوشِ جنوں بہار ہے

اب کے جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں
سچ پوچھئے تو معرکۂ روزگار ہے

دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوشۂ بساط
میدانِ رزم و عرصۂ گیر و دار ہے

غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آگیا
اب انتظارِ فوجِ یمین و یسار ہے

احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئیں
مجلس تمام عرصہ گہ کارزار ہے

اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح
گویا حریفِ رستم و اسفندیار ہے

ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علمِ فتح ہے بلند
چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے

ہر نوجوان ہے نشۂ آزادگی میں مست
جو ہے وہ حریت کا سرِ پُرخمار ہے

احرار کہہ رہے ہیں، نہ مانگیں گے ہم کبھی
ویٹو کا وائسرائے کو کیا اختیار ہے

اتفاق اگر نہیں ہے تو ہر سعی ہے عبث
مسلم کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے

جو والیانِ ملک کہ تھے زیبِ انجمن
سب دم بخود تھے کہ یہ کیا خلفشار ہے

یا صبح دم جو دیکھئے آ کر تو بزم میں
نے وہ خروش و جوش نہ وہ گیر و دار ہے
ٹوٹی ہوئی ہیں صفیں ہیں علم سرنگوں ہیں سب
بازو سے تیغ گیر، جو شعار رعشہ دار ہے
سازش کا اک جال بچھا یا ہے ہر طرف
ہر شخص اس کی فکر میں مصروف کار ہے
سرمستیاں ہیں دورِ قدح ہائے راز کی
ہر شخص "حکمتِ عملی" کا شکار ہے
جو بات کل تلک سببِ ننگ و عار تھی
وہ آج مایۂ شرف و افتخار ہے
جس بات پہ کہ نعرۂ لعنت ہیں بلند تھے
اب وہ قبولِ خاطرِ بزدی وقار ہے
کل کھو چکے ہیں کیا ہم یہ نہیں اب کسی کو یاد
اب نکتہ ہائے زیرلبی پر مدار ہے
خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہے گو شکست
کہتے ہیں پھر بھی یہ فتح مبیں یادگار ہے
حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ
یہ کیا دورنگیٔ چمن روزگار ہے

احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی
پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہے

الہلال کے معاصرین، الہلال کی طرز نگارش، ذہانت ذکاوت اور فصاحت و بلاغت کے قائل ہی نہیں تھے بلکہ حیرت زدہ تھے کہ صحافی دنیا میں کیسا انقلاب آیا ہے اور صحافیوں کا امام کس شان سے نمودار ہوا ہے۔ ہر شخص مولانا آزاد کی خداداد قابلیت کا مداح تھا چنانچہ رئیس الاحرار حضرت مولانا حسرت موہانی نے رسالہ اردوئے معلیٰ علیگڈھ کے جولائی، اگست ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اپنے ایک حریت پرست ساتھی کے اخبار الہلال پر تبصرہ فرمایا۔

"۱۳ جولائی ۱۹۱۲ء سے الہلال نام کا ایک بے مثل ہفتہ وار باتصویر اردو رسالہ کلکتہ سے شائع ہونے لگا ہے اس رسالہ کے مالک اور ایڈیٹر ملک کے مشہور انشاپرداز مولانا ابوالکلام آزاد ہیں جن کی جادو نگاری کا تذکرہ اردوئے معلیٰ میں ایک سے زیادہ مرتبہ آچکا ہے خوبی لٹریچر کے علاوہ مضامین کی تازگی، خیالات کی آزادی اور تصاویر کی دلپذیری غرض ہر اعتبار سے یہ پرچہ قابل قدر اور لائق ستائش ہے جس خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ یہ پرچہ جاری کیا گیا ہے اس کا اندازہ حضرت مدیر کی اس پر اثر التجا سے ہو سکتا ہے۔

" گر وہ نبوی میں سب ہی اور قوموں کی سرگرمی دیکھتا ہے اگر اس کی ملت مرحومہ اور اس کے کلمۂ حق کی خدمت کی کوئی تپش میرے دل میں موجود ہے اور اگر واقعی اس کی راہ میں فدویت اور خود فروشی کی ایک آگ ہے جس میں برسوں سے بغیر دھوئیں کے جل رہا ہوں۔

تو اپنے فضل و لطف سے مجھے اتنی مہلت عطا فرما کہ اپنے بعض مقاصد کے نتائج اپنے سامنے دیکھ سکوں لیکن اگر یہ میرے تمام کام محض ایک تماشا گاہِ کاروبار اور ایک دکانداری شغل ہیں جس میں تو کی خدمت اور ملت پرستی کے نام سے گرم بازاری پیدا کرنا چاہتا ہوں تو قبل اس کے کہ میں اپنی جگہ پر مشغول سکوں وہ میری عمر کا خاتمہ کر دے اور میرے تمام کاموں کو ایک دن بلکہ لمحہ کے لئے بھی کامیابی کی لذت چکھنے نہ دے۔ باغوں کے سرسبز و ثمر دار درختوں کی حفاظت کی جاتی ہے۔ مگر جنگل کے خشک درختوں کو جلانا ہی چاہئے جس دل میں خلوص اور صداقت کو جگہ نہیں ملی اس کو کامیابی کے لئے کیوں باقی رکھا جائے ام حسب الذین اجترحوا السیئات ان نجعلھم کالذین آمنوا وعملوا الصالحات سواء محیاھم ومماتھم ساء ما یحکمون "

امید ہے کہ ناظرین اردو ئے معلّی الہلال کی خریداری سے محروم نہ رہیں گے ۔"

مُرصّع | آگرہ سے جولائی ۱۹۱۸ء کو یہ ماہانہ گلدستہ جلوہ افروز ہوا۔ ہر انگریزی مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں شائع ہوتا تھا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا، مرتب تمام بابو نشیم سیماب اکبرآبادی مالک محمد فریدالدین خان گوہر تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا، قیمت فی پرچہ ۲ر آنے تھی۔ مطبع عشرتی آگرہ میں طبع ہوتا تھا ۔ اس رسالہ کی کتابت، طباعت بہت دل کش دیدہ زیب تھی کاغذ آرٹ پیپر تھا۔ ہر پرچہ میں دو تین غزلوں کی تصویر

چھپتی تھی۔ اجرتی غزل ۱۲؍ آنے فی شعر کے حساب سے درج ہوتی تھی جو صاحب اپنی تصویر چھپوانا چاہتے تھے وہ دو روپیہ فی صدی کے حساب سے اجرت دے کر چھپوا سکتے تھے، ابتدائی پرچوں میں سرورق پر شاہ دلگیر، سیماب اور شام بابو شام کی تصویریں چھپیں اور یہ رباعی بھی درج ہوتی تھی۔

محبت گل کاریاں کی ہیں طبع رنگیں نے
یہ گلدستہ حسینانِ معانی کا مرقع ہے
درخشاں نجم ہیں نقطے تو موتی لفظ ہیں اس کے
غزل جو زیب گلدستہ ہے سرتاپا مرصع ہے

ابتدائی دو پرچوں میں دلگیر، شام لال شیدا، اور سیماب اکبرآبادی کے نام شائع ہوئے ہیں۔ بعد میں صرف سیماب اکبرآبادی کا نام رہ گیا تھا۔
جولائی ۱۹۱۲ء کے شمارے کے شاعروں کی غزلوں کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب حکیم سید علی احمد صاحب آرمان تلمیذ جناب قطب الدین اشک جلیسری ؎

لے گئی نہ خاک مری کوئے یار تک
باد صبا کے دل میں تکدر ضرور تھا

اب بڑھ گئی ہیں حد سے سوا اضطرابیاں
قابو میں پہلے دل ناصبور تھا

رشک جہاں آباد تھا اور فخر لکھنؤ
افسوس اک زمانہ میں کیا اسپور تھا

جناب ولایت علی صاحب تبسم اکبرآبادی تلمیذ سیماب اکبرآبادی ؎

میں پرگناہ تھا کہ سراپا قصور تھا
اللہ تیرے رحم کے قابل ضرور تھا

وعدہ سے ان کے فائدہ کچھ بھی نہ تھا مگر
ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا ضرور تھا

یارب عزیز ہے جرم پہ تیار ہے شبہہ
لیکن یہ حکم تیری عنایت سے دور تھا

جناب محمد یعقوب علی خاں کوکب تلمیذ جناب عاشق اکبرآبادی ۵

کچھ تو خشیت سے کچھ اس کا سبب یہ ہے
ہم دور تھے شباب سے یہ ہم سے دور تھا
کیا قدر ہوتی گلشن ایجاد کی ہمیں
یہ گل سے رشم کے داغ دلِ ناصبور تھا
قسمت کو کیا کریں کہ وہ آکر پلٹ گئے
کوکب تری دعائیں اثر تو ضرور تھیں

۶۔ بھیو دیال شرما برجمو دیال عرف شام بابو آگرہ کے رہنے
والے تھے، ماسٹر شنکر دیال عاشق ایم
اے کے فرزند تھے، آپ کے والد ماجد آگرہ کے امراء میں ممتاز درجہ
رکھتے تھے، آگرہ کالج کے ٹرسٹی، آنریری مجسٹریٹ اور سربرآوردہ
لوگوں میں سے تھے، مرزا غالب کے شاگرد اور آگرہ کے خوش گو فارسی
شاعر تھے، کبھی کبھی اردو میں بھی فکر سخن کر لیا کرتے تھے۔
۱۹۰۳ء میں شام صاحب کی عمر ۵ سال کے قریب تھی پانچ سال
کی عمر میں مولانا نثار کے شاگرد ہوئے اور علوم رسمیہ کی تحصیل کی مولانا
کی صحبت فیض نے شام صاحب کے اس جذبہ شاعرانہ کو جو انھیں
قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا تھا بیدار کر دیا۔ ۱۲ سال کی عمر سے شعر گوئی کا ذوق
پیدا ہوا مولانا نثار سے ہی کلام کی اصلاح لی، تھوڑے عرصہ میں
مشق اور اصلاح کے بعد شام صاحب دنیائے ادب کے سامنے پیش ہو

نشام صاحب کی مشرقی تعلیم مولانا نثار کی نگرانی میں ہوئی لیکن انگریزی تعلیم آگرہ کالج میں پائی۔ ایف اے کا امتحان دیا۔ اس لحاظ سے مشرقی رنگ تغزل پر مغربی سادگی کی جلد کاری ہو جانے سے نشام صاحب کا رنگ سخن کچھ ایسا لطیف اور موثر ہو گیا کہ براہ راست جذبات سے اپیل کرتا ہے، آپ قدماء کے راستوں پر چلتے تھے مگر اس کے ساتھ اپنی شاہراہ بھی قائم کی سنہ ۱۹۱۲ء میں آپ نے رسالہ مرصع کی ادارت کی سنہ ۱۹۲۲ء میں آپ نے رسالہ پردین اپنی ایڈیٹری میں جاری کیا، جو چند ماہ جاری رہ کر بند ہو گیا سنہ ۱۹۲۷ء میں رسالہ فانوس خیال شہ کی تمام و کمال ترتیب آپ کے ہاتھ میں رہی، نظم و نثر دونوں لطیف پیرائے میں لکھتے ہیں ۔

سرگرم نظر یہاں عام ہے شوخی نگاہوں کی
مگر بجلی وہیں چمکی، جہاں عاشق کا مدفن تھا

نہ جانے کیا ہے تاثیر اثر اتنا سمجھتا ہوں
کہ تھوڑی دیر پہلے امتیاز جیب و دامن تھا

کس کو دکھانے کل جو وہ آ بنے حضور تھا
موسیٰ تھے اور نہ رشک سے جلنے کو طور تھا

لاؤ نہ تاب دیکھنے کی ہائے چشم شوق ،
جلوہ مری نگاہ سے تھوڑی ہی دور تھا

نیرنگیاں تھیں نشام فقط حسن و عشق کی
کوئی کلیم تھا نہ کوئی کوہ طور تھا

محمد فریدالدین گوہر

گوہر صاحب کے والد کا نام وزیرخاں تھا۔ گوہر صاحب بہت اچھے خوشنویس تھے۔ خط نستعلیق میں کمال رکھتے تھے۔ طغرا نویسی میں ان کا جواب نہیں تھا آگرہ میں مطبع عثمانی قائم کیا۔ اپنی اس خوشنویسی کا کمال دکھانے کے لئے دو مثق بہا تحفے ایک خریطہ جواہرات معروف بہ احسن القطعات، دوسرا مرقع گوہر، شائع کیا تھا، ان دونوں کے اشتہار رسالہ کے ہر شمارے میں شائع ہوتے تھے۔ ملاحظہ ہوں۔

خریطہ جواہرات معروف بہ احسن القطعات، یہ جوہرمیں قطعات اور رباعیات کا ایک انمول مجموعہ ہے جس میں فی صفحہ ایک ایک قطعہ مختلف مذاق کا نہایت آب وتاب کے ساتھ بذریعہ عکس بخط اسپیض نیلے رنگ سے ۱۲×۸ انچ کی تقطیع پر چھاپا گیا ہے جو دل آویز اور فطرت کی گل کاریاں اس کے ہر صفحہ پر کی گئی ہیں۔ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں، نقش ونگار کے علاوہ حسن کتابت سونے میں سہاگا ہے مکانات کے آراستہ کرنے اور نشست گاہوں کے سجانے کے لئے ان سے اچھے کتبے میسّر نہیں آسکتے۔

یہ مختلف فنون خوشنویسی کا قابل ناز سرمایہ ہے جو نہایت عرق ریزی اور جانفشانی سے تیار کیا گیا ہے اس میں بے مثل اور مقبول اشعار نصیحت خیز وعبرت انگیز ابیات علیحدہ علیحدہ ایک ایک صفحہ پر نظر دوز اور دل فریب نقش ونگار کے ساتھ، عجیب وغریب صنعتوں سے بذریعہ عکس ۱۲×۸ انچ کی تقطیع پر بخط اسپیض نیلے رنگ سے دبیز چکنے کاغذ پر چھاپے گئے ہیں، جن

کے دیکھنے سے آنکھوں کو تازگی اور دل کو فرحت ہوتی ہے، دیوان فانوں، امام باڑوں، مساجد اور معابد وغیرہ کی رونق کو دوبالا کرنے کے لئے ایک جلد ضرور منگانا ہے۔

گوہر صاحب ۱۹۳۶ء سے چند سال قبل فوت ہوئے، رسالہ مرصع میں پہلے صفحہ پر گوہر کی جس کی غزل چھپی تھی ہے

مدت کے بعد کل وہ ستمگر ملا مجھے
جس سے کبھی تعلق خاطر ضرور تھا

جس کو حسین جانتے تھے تاجدارِ حسن
دنیا میں تھا اگر تو وہی رشکِ حور تھا

ایماں کی تو حضرت گوہر یہ بات ہے
آیا جو میرے آگے وہ میرا غرور تھا

ایک تو ازعمر نا امید ہے دنیا غافل — جانتا ہے کہ آخر تجھے کیا ہو جاتا ہے
تیرا انجام ہے تنگ جو لئے موج دریا — تیرا انجام گرفتار قضا ہو جاتا ہے

الغرض کس کو ہے دنیا میں نباہ ناسے گوہر
حاصل ہستی کہ فانی ہے، فنا ہو جاتا ہے

مُرَقّع

ستمبر ۱۹۱۲ء کو شاہجہانپور سے یہ ماہانہ رسالہ جلوہ گر ہوا، ایڈیٹر مختار شاہجہانپوری مہتمم منشی دلی حسن فاضل الصفدی تھے، دو جز پر شائع ہوتا تھا، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

رسالہ اردوئے معلّیٰ علی گڑھ کے شمارے نومبر ۱۹۱۲ء میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا ہے۔

ستمبر ۱۹۱۱ء سے زیر اہتمام منشی ولی حسن صاحب فاضل انصاری
اس نام کا ایک ماہوار رسالہ شائع ہونے لگا ہے۔ حجم ۲ جز اور
قیمت عہ سالانہ مقرر ہے ابتدا میں دو ایک ادبی مضامین درمیان
میں جزئیات کا قید طرح چھپتی تھیں، ہمارے رائے میں یہ رسالہ شائقین
کی قدردانی کا مستحق ہے۔

رفیق دہلی سے یہ روزانہ اخبار اگست ۱۹۱۲ء کو طلوع پذیر
ہوا۔ چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ سید ارحسن [illegible] دہلوی
ایڈیٹر تھے بارہ روپیہ سالانہ چندہ ۵ تھا۔ اس اخبار پر [illegible] گزٹ [illegible]
کے ۸ ستمبر ۱۹۱۲ء کے شمارہ میں تبصرہ چھپا ہے۔
[illegible] یہ بدقسمتی ہے کہ [illegible] برکتیں ابھی سے ظاہر ہونے لگیں
اخبارات جو سب سے زیادہ تمدن اور ترقی کے ضامن ہیں دہلی ان کی
طرف سے بدنصیب ہے مگر الحمدللہ اب اعلیٰ درجہ کے اخبارات کی
اشاعت کا سلسلہ یہاں سے شروع ہو گیا ہے چنانچہ سب سے پہلے
اخبار رفیق نکالا گیا ہے اور یہ روزانہ ہے، دو بڑے ورق پر نکلتا ہے
اس کی سالانہ قیمت بارہ روپے ہے اب تک بیس پچیس پرچے نکل
چکے [illegible] ہونہار ہے اور امید ہے کہ یہ ترقی کرے گا سب سے
بڑی [illegible] جو اخبار کے ایڈیٹر میں ہونی چاہیے اس کا رنگ اس پرچہ
میں پایا جاتا ہے یعنی اخلاقی جرأت، راست گوئی، سچائی پر کسی معمولی
وجاہت کی پروا نہ کرنا، ایمانداری سے اپنے فرائض کے ادا کرنے میں
کچھ پس و پیش نہ کرنا، یہ صفات اس روزانہ رفیق میں کم و بیش موجود
ہیں ہم بڑی خوشی سے اپنے ہمعصر کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

اہلال کلکتہ مورخہ ۲۵ اگست ۱۹۱۱ء میں بھی اس اخبار پر ریویو کیا ہے۔

"یہ روزانہ اخبار جو دہلی سے نکلنا شروع ہوا ہے ڈیمائی سائز کے چار صفحوں پر چھپتا ہے کاغذ اور چھپائی اچھی ہے۔اس وقت تک ہم نے دو چار نمبر سرسری طور پر دیکھے، روزانہ تار برقیوں اور عام واقعات و اخبار کو اچھی طرح جمع کرتا ہے اور یہ حسب مجموعی لطف اور دلچسپ ہے۔"

ترقی سخن بمبئی سے اکتوبر ۱۹۱۱ء کو یہ ماہنامہ گلدستہ علیحدہ از روز ہوا، منشی محمد حسن متخلص بہ صاحب احسن کی سرپرستی میں ۱۶ صفحوں پر شائع ہوتا تھا، مرتب راوتی اجمیری سکرٹری انجمن ترقی سخن تھے، سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا، مطبع مرتضوی بمبئی میں چھپتا تھا، رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

حسن دعوی لطافت سے بوجہ احسن
بڑھتی دولت کی طرح سے ہو ترقی سخن

ہر انتخابی غزل یعنی غیر خورد ہ آنے کے حساب سے چھپ سکتی تھی، غیر طرح اجرتی کلام کی اجرت فی شعر ایک آنہ تھی، رسالہ کا کاغذ عمدہ اور لکھائی چھپائی بہترین تھی، زیادہ حصہ رسالہ کا منظوم ہوتا تھا نثر کے حصہ میں بالاقساط ناول چھپتا تھا۔

یہ رسالہ انجمن ترقی سخن بمبئی کا آرگن تھا اس کے سرپرست محمد حسن متخلص بہ احسن اور سکرٹری حافظ محمد عبداللطیف راوتی تھے اس انجمن کی طرف سے ہر مہینہ ایک مشاعرہ ہوتا تھا جس کی طرحی

غزلیں اس رسالہ میں چھپ جاتی تھیں اس انجمن و رسالہ کے
یہ اغراض تھے۔

۱۔ بمبئی میں اردو کو وہ ترقی نصیب ہو جو گجراتی اور مرہٹی کو حاصل ہے

۲۔ صلح کل پالیسی کے مطابق شعرائے بمبئی میں جو اختلافات ہیں ان
کو دور کیا جائے اور ان میں اتفاق و اتحاد پیدا کیا جائے۔

۳۔ اساتذہ و تلامذہ کی ایک مجلس ہو جو سامعین کی دلچسپی کا باعث
ہو اور نو مشق شعرا کو مشق کرائی جائے جس سے آداب مشاعرہ
کی پابندیاں، استادوں کی نشست و برخاست گفتگو اور
داد سخن وغیرہ کے طریقے سامعین کو بھی معلوم ہوں۔ تاکہ ان
کے اخلاق پر اچھا اثر پڑے۔

۴۔ ایک لائبریری قائم ہو۔ جس میں اردو کی تاریخی ادبی وغیرہ
کتابیں جمع کی جائیں۔

اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارے کے منتخب اشعار درج ہیں۔

جناب نظیر محمد صاحب ارشاد تلمذ حضرت منت ؎

اللہ رے وہ ظاہر و باطن رسول کا
دل آئینہ تھا اور صداقت سخن میں تھی

بیماری گناہ کا درماں بھی پاس تھا
خاک شفا بھی ساتھ ہمارے کفن میں تھی

ارشاد کیا بہار تھی روضہ کی جا نظر آ
کیا سیر خلد کو چہ شاہ زمن میں تھی

جناب شیخ غلام رسول صاحب اعظم امروآبادی تلمیذ حضرت منت ؎

وہ پھیل کر نسیم بہار جناں ہوئی

جو آپ کے پسینے کی بو پیرہن میں تھی

پوچھو نہ مجھ سے اہلِ مدینہ میں کیا کہوں

جو آتشِ فراقِ پیمبر وطن میں تھی

افصح ہے اک حدیث سے بھی خود ثنا بیاں

قرباں جاؤں کیا ہی فصاحت سخن میں تھی

جناب سید محمد فرقان صاحب سید مدنی دہلوی مدیر رسالہ ترقی سخن بمبئی سے

خوشبو جو عطرِ نعت کی میرے سخن میں تھی

صلوا علی الرسول کی دھوم انجمن میں تھی

جس انجمن میں رحمتِ عالم کا ذکر تھا

اک انجمن فرشتوں کی اس انجمن میں تھی

روضہ نبیؐ کا دیکھ کے سید تھا باغ باغ

پھر کیا کمی خوشی کی دلِ پُر محن میں تھی

جناب محمد صدیق صاحب کوثر مدنی نائب مہتمم مشاعرہ انجمن ترقی سخن بمبئی سے

اے جلوۂ رسولؐ مجھے چین آگیا

بے چین صرف تیرے لئے جان تن میں تھی

عشقِ نبیؐ میں دل ہے ہمیشہ سے داغ داغ

اب بھی ہے پہلے بھی یہ بہار اس چمن میں تھی

خو بو جو تھی رسولؐ میں کوثر وہ ہو بہو

آدھی حسینؓ میں تھی تو آدھی حسنؓ میں تھی

جناب محمد حسن صاحب مرحوم ممبر انجمن تلمیذ جناب ظرافت ۹

تن سے نکل کے سیدھی مدینے پہونچ گئی
بے چین روح ہجر رسولؐ زمن میں تھی

سوتے میں مجکو ہو گیا دیدارِ مصطفےٰ
حسرت نکل گئی جو دل پر محن میں تھی

مرحوم سن کے وجد فرشتوں کو آگیا
میری غزل جو وصفِ رسولِ زمن میں تھی

محمد حسن، احسن محمد حسن منقبہ کے والد ماجد شیخ احمد منقبہ تھے، محمد حسن صاحب کو اپنے دادا ابراہیم منقبہ کے ورثہ میں علم وادب خاندان سے ملا۔ احسن صاحب ۱۸۷۱ء کو بمبئی میں پیدا ہوئے۔ گھر پر تعلیم پائی اور اردو، فارسی، عربی، انگریزی کی اچھی استعداد بہم پہنچائی۔ آپ اردو، فارسی میں شعر کہتے تھے، ان کا کلام احسن الکلام عام معرفت، دیوانِ احسن اور غزلیات احسن کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اردو فارسی کے علاوہ اپنی مادری زبان کوکنی میں نعتیہ غزلیں کہی ہیں۔[1]

احسن صاحب نے انجمن ترقی سخن کے ساتھ انجمن تقریر و تحریر اور کوکنی کلب بھی قائم کی، احسن، آتش، ناسخ، مومن اور داغ کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔[۲]

مؤرخ مدراس سے نومبر ۱۹۱۱ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا

---

[۱] بمبئی میں اردو ص ۱۸۷

۸۴ صفحات پر مشتمل تھا مولوی محمد بدیع الدین فاروقی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

اس رسالہ پر اپریل ۱۹۱۳ء کے رسالہ ادیب الہ آباد میں تبصرہ چھپا تھا۔

"اردو کا ایک مذہبی، اخلاقی، تاریخی، سیاسی، علمی اور ادبی رسالہ ہے جو مدراس سے ہر مہینے شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولوی بدیع الدین فاروقی ہیں، رسالہ کے اسم بامسمیٰ ہونے میں کوئی شک نہیں، نومبر سے اس کی اشاعت شروع ہوئی ہے اب تک جس قدر مفید و بکار آمد مضامین شائع ہو چکے ہیں اس سے لائق ایڈیٹر کے مذاق صحیح، جانفشانی اور معلومات کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے زیادہ تر اس کے مضامین عربی رسائل سے اخذ کئے گئے ہیں یا ایڈیٹر صاحب جو لکھتے ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے اکثر مضامین مسلسل ہوتے ہیں جو ختم ہو جانے پر خود مستقل رسالے ہو جائیں گے غرض کہ اس میں ایسی خوبیاں بدرجہ احسن موجود ہیں جس سے رسالہ ہر دل عزیز ہو سکتا ہے۔"

آزاد کانپور سے ۲ اردسمبر ۱۹۱۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ گر ہوا۔ ہر منگل کے روز ۸ صفحات پر کبھی ۲۰ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر منشی دیا نرائن نگم تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ فی پرچہ ایک آنہ قیمت تھی، زمانہ پریس کانپور میں طبع ہوتا تھا۔

یہ پرچہ دربار قیصری کی سال گرہ کے دن جاری ہوا اعلیٰ مضامین

اور ایڈیٹوریل نوٹس کے علاوہ ہفتہ بھر کی خبریں درج کی جاتی تھیں
۱۳ جون ۱۹۱۳ء کے شمارے کے مضامین یہ تھے۔

ایڈیٹوریل نوٹ، نئے سال کے خطابات، حضور وائسرائے کی پالیسی، تین اہم سبق، پبلک سروس کمیشن، معاصر ہندوستان کی چہ میگوئیاں، کارٹون، بلقانیوں کا سلوک، ترکی کی موجودہ حالت، جنگ بلقان اور صلح کی تحریک، انڈین نیشنل کانگریس، بانکی پور کے چیئرمین کی تقریر، آنریبل مسٹر مدھولکر کی تقریر، ضمنی کانگریس بانکی پور، آل انڈیا مسلم لیگ کے جلسہ کی کیفیت، آل انڈیا محمڈن کانفرنس لکھنؤ کی کارروائی، ہندی لٹریری کانفرنس کی کارروائی، سیوگان کا آف انڈیا جلسہ، گوروکل ہندراین کے حالات؛

اس اخبار پر مسلم گزٹ لکھنؤ کے شمارے ۱۳ جنوری ۱۹۱۳ء میں تبصرہ چھپا ہے۔

کانپور کے مشہور رسالہ زمانہ کے ایڈیٹر مسٹر دیانرائن نگم بی اے کی ایڈیٹری میں ایک نیا اخبار کانپور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے اس اخبار کی پالیسی وہی ہے جو رسالہ زمانہ کی ہے اس لحاظ سے مجسٹریٹ نے اس کو پبلشر سے ضمانت لینا مناسب خیال نہیں کیا ہے اخبار کا سائز ۱۸×۲۲ ہے اور پورا اخبار سولہ صفحوں کا ہے، جنگ بلقان اور صلح بلقان کے متعلق پہلے پرچے میں دو دلچسپ کارٹون درج ہیں، آئندہ کی نسبت وعدہ کیا ہے کہ اخبار کا حجم بڑھا دیا جائے گا۔ پہلے پرچہ کے لیڈنگ آرٹیکل ایڈیٹوریل نوٹوں میں زیادہ تر اخبار کی پالیسی کی تشریح کی گئی ہے۔

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اپنے موقر جریدہ الہلال ۱۷ مئی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں اس اخبار پر ریویو فرمایا ہے۔

"رسالہ آزاد" کانپور اردو کے مشہور رسائل میں سے ہے اسی کے دفتر سے یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا ہے۔ صوبجات متحدہ میں بمقابلہ پنجاب کے اخبارات کم ہیں اور عمدہ اخبارات کی جگہ تو ہمارے صوبہ میں ابھی بہت کچھ خالی ہے، مسٹر نگم ایک مقبول رسالے کے ایڈیٹر ہیں اس لئے پبلک کے لئے ان کے اخبار کا مطالعہ پہلا تجربہ نہیں ہے۔ اس وقت تک ہم نے ایک دو نمبر جو اس کے دیکھے تو خبروں کے جمع کرتے وقت کے معاملات پر بحث کرنے اور حتی المقدور ہر طرح کی دلچسپی کا سامان مہیا کرنے میں ساعی پایا۔ ضخامت بھی پنجاب کے بعض اخبارات کی طرح غیر معمولی ہے اور چھپائی لکھائی عام حالت کے لحاظ سے بری نہیں، پولٹیکل امور میں شاید اس نے اپنی پالیسی ہندوستانی لکھنؤ کی تمثال دے کر واضح کی ہے اور میرا منشیہ یہ خیال ہے کہ ہندوستانی کی پالیسی بہت مفید، معتدل اور اسا تحاد و مالیف حکام کے ساتھ، مصالح ملکی کے تحفظ کے اصول پر بہت اچھی ہے البتہ اعتدال کے معنی درمیانی راہ اور توسط کے ہیں، نہ یہ معنی نہیں ہیں کہ انسان دونوں راہوں میں کسی ایک راہ سے اس قدر قریب ہو جائے کہ اگر بال برابر بھی اور بڑھے تو درمیانی حصہ کی جگہ سرحد کو عبور کر جائے۔"

تاج حیدرآباد دکن سے ۱۹۱۲ء مطابق ۱۳۳۱ھ کو یہ ماہنامہ رسالہ وجود میں آیا ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا

ایڈیٹر غلام محمد صاحب وفا حیدرآبادی تھے، سالانہ قیمت ایک روپیہ تھا، یہ رسالہ دو مرتبہ نکلا، لیکن زیادہ زندگی نہیں پاسکا اور نقصانات اٹھاکر بند ہوا۔

فانوس خیال سیالکوٹ مورخہ اگست ۱۹۱۴ء نے اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

یہ اردو علم وادب کا ماہوار رسالہ زیر ایڈیٹری جناب الوالوفا غلام محمد انصاری وفا دفتر کالی کمان حیدرآباد دکن سے نکلتا ہے مضامین اعلیٰ پایہ کے ہوتے ہیں، ایک تصویر بھی ہر ایک نمبر میں ہوتی ہے۔ کتابت، چھپائی کاغذ سب عمدہ پایہ ہمہ اوصاف قیمت ایک روپیہ سالانہ صرف،

غلام محمد وفا انصاری

وفا صاحب کے والد ماجد مولوی غلام محمود انصاری تھے آپ کے اجداد شاہان عادل شاہیہ کے متوسل تھے پہلے آپ کے دادا حیدرآباد میں آئے۔ اور تحصیل حیدرآباد سندی کے پاس نائب تحصیلدار مقرر ہوئے آپ کے والد اپنے دور کے نہایت اچھے خطاط تھے اس فن میں ان کے سینکڑوں شاگرد رہے۔

وفا انصاری صاحب حیدرآباد میں پیدا ہوئے اپنے والد سے عربی و فارسی کی کتابیں پڑھیں اور خطاطی سیکھی، بچپن سے شعر و سخن اور کتابت کا شوق تھا اس فن کو محمد علی صاحب کاتب مطبع مفید دکن اور مولوی سید احمد نوازش خوشنویس معتمدی مالی سے سیکھا اور مختلف پریسوں میں کام کرنے کے بعد اپنا ذاتی تاج پریس قائم کیا جو ۱۹۳۵ء

تک بھی جاری تھا۔ حیدرآباد میں فائن آرٹ پرنٹنگ اور لیتھو کی رنگین تصویروں کی ابتدا آپ ہی کے ہاتھوں ہوئی۔ بیدر گزٹ اور عثمان گزٹ کی ایڈیٹری بھی مدت تک کی اس کے بعد رسالہ تاج جاری کیا ۱۹۳۸ء میں دکنی محاورات کی لغات مرتب کر رہے تھے۔

شروع میں نظم کہتے تھے بعد میں غزل کی طرف توجہ دی، اس کے بعد باعیاں کہنے لگے۔ جملہ اصناف سخن میں عبور ہے، زندہ دل اور دوست نواز شاعر ہیں۔ ابتدا میں برتر غازی پوری کو کلام دکھایا۔ پھر ذہین صاحب سے اصلاح لینے لگے [۱] کلام میں پختگی اور روانی ہے ۔

ستمگر کو ثواب توفیق ایسی دے خداوندا
وہ مجھ پر رحم کرنے کے لئے مجبور ہو جائے

نظر جب بت پر جفا آگیا
مجھے یاد میرا خدا آگیا

عالم تھا جوانی کا بہت جا گے ہیں
ہم سب سے گناہوں میں بہت آگے ہیں
اب تھک گئے ہیں سنبھال ہم کو پیری
سو جائیں گے مل، رات بہت جاگے ہیں

دردِ دل چارہ ساز کیا جانیں
میری آہوں کا راز کیا جانیں
مرتبہ کیا ہے خاکسار دل کا
اس کو گردن فراز کیا جانیں

برباد شباب ہو چکا ہے ہونے دو
پیری نے تجھے لوٹ لیا رونے دو
اے ہچکیو، ستم جاؤ، قضا آتی ہے
کیوں مجھکو ستاتی ہے ذرا سونے دو

---

[۱] سخنوران دکن صفحہ ۳۲،

معارف حیدرآباد دکن سے ۱۹۱۲ء میں یہ روزآنہ اخبار جلوہ افروز ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر ملا عبدالباسط تھے سالانہ چندہ گیارہ روپے تھا۔

ہندوستانی یہ اخبار کنیڈا سے غالباً ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا، جو انگریزی کنیڈین اور اردو زبان میں نکلتا تھا

۱۹۱۶ء میں مقدمہ سازش لاہور کا فیصلہ سنایا گیا تو عدالت کے کمشنروں نے اپنے فیصلہ میں لکھا ہے۔

"ہمیں اس مقدمہ کی شہادتوں سے معلوم ہوا ہے کہ کس طرح کنیڈا میں انقلابی تحریک شروع ہوئی اور کس طرح اس نے ترقی پائی اور کس طرح کوماگاٹامارو جہاز" کے واقعہ سے کنیڈا کے کچھ ہندوستانیوں کو ہندوستان میں آکر بغاوت کرنے اور انگریزوں کو نکالنے کی تحریک ہوئی تھی، اس کے بعد کمشنروں نے کنیڈا کی مفویانہ تحریک کی مختصر تاریخ بیان کی ہے اور غدر اور ہندوستانی اخبارات جاری ہونے کا ذکر کرکے سکھوں نرنجن سنگھ اور بلونت سنگھ ملزمین کا حال بیان کیا ہے[۱]

المضمون مدراس سے ۱۹۱۲ء کو یہ رسالہ ماہانہ جلوہ افروز ہوا ایڈیٹر منشی محمد انصرالدین صاحب تھے خورد سائز ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

ادیب الہ آباد کے شمارے اپریل ۱۹۱۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ چھپا ہے۔

---

[۱] اخبار ہمدم لکھنؤ ۱۳ر جنوری ۱۹۱۷ء

اردو کا ایک علمی ادبی، تاریخی، مذہبی اور تمدنی رسالہ مدراس سے شائع ہوتا ہے اس کے ایڈیٹر منشی محمد ناصرالدین صاحب نے خود میں آپ ایک مشاق ایڈیٹر ہیں اور مذاق سلیم رکھتے ہیں۔ رسالہ کا مقصد اردو نثر کی ترقی اور مغربی و مشرقی خیالات کا تولد نہ ہے ۔

محمد ناصرالدین احمد بیخود | بیخود صاحب مدراس کے باشندے تھے جلال لکھنوی سے تلمذ حاصل تھا

ان سے خط و کتابت کے ذریعہ کلام کی اصلاح لیتے تھے استاد سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا تو لکھنؤ پہنچے اور کافی دن قیام کیا اور استاد سے فیض پایا۔ سفینۂ مدارس میں آپ کا کلام چھپتا تھا ؎

مجھے بھی دے کوئی مستِ شراب جام شراب
کہ ہے غذا مری شیخ! کباب اور جام شراب
جو عکس رخ سے ترے پائے آب جام شراب
بنے جھلک کے نہ کیوں، آفتاب جام شراب
غریق بحرِ غمِ عشق یار ہوں ساقی
مری نگاہ میں ہے ہر حباب جام شراب
جہاں کے میکدے میں آئے جن کے شرمِ عصیاں
پیے ازل میں جو تھے بے حساب جام شراب
یہ سے کشی اسی امید پر ہے پیری میں
کہ پھر دکھائے گا لطف شباب جام شراب

سلہ مدراس میں اردو صفحہ ۱۱

اتحاد بہار شریف سے ایک گلدستہ ۱۹۱۲ء کو وجود میں آیا
یہی اخبار ہے بانی بہار شریف کے ایک رئیس نور محمد
صاحب تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد اس گلدستہ نے ہفتہ وار اخبار کی شکل
اختیار کر لی سنہ ۱۹۱۳ء میں مسجد کانپور کے شہید ہونے پر تحریک مسجد کانپور
کی زبردست حمایت کی۔ پُر جوش اور ولولہ انگیز مضامین کی وجہ سے
حکومت نے اس کی ضمانت ضبط کر لی تو اخبار بند ہو گیا سنہ ۱۹۲۲ء میں
دوبارہ جاری ہوا۔ نور محمد صاحب سنہ ۱۹۲۸ء میں شفیع داؤدی صاحب
کے مشورہ سے اس کا دفتر بہار شریف سے پٹنہ میں لے آئے
یہاں مولوی اسماعیل ناصح، مولانا عبد الجبار صاحب حیدری راغب حسن
اور اسماعیل دہلوی جیسے معروف اور کہنہ مشق صحافی اس کے ادارہ
سے وابستہ ہوئے سنہ ۱۹۲۵ء میں اس کے ادارت کی ذمہ داری سلطان
احمد صاحب کو سونپی گئی انھوں نے شفیع داؤدی صاحب کے تعاون سے
اتحاد کو سہ روزہ کر دیا۔ شفیع داؤدی صاحب کے سیاست سے کنارہ
کش ہونے سے [illegible] اس اخبار کا سارا بار سلطان احمد صاحب پر پڑ گیا
انھوں نے ۱۹۳۰ء سے سنہ ۱۹۴۱ء تک اسے جاری رکھا یہ اخبار مسلمانوں
کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا تھا۔

قومی رپورٹ مدراس سے یہ اسلامی تحریکات اور مسلمانوں کی حمایت
کا دلچسپ آئینہ دار ماہانہ رسالہ سنہ ۱۹۱۲ء کو نمودار
ہوا اس کا ایک روزانہ ایڈیشن بھی چھپتا تھا۔

تعلیمی گزٹ امرتسر سے یہ تعلیمی رسالہ ماہانہ غالباً سنہ ۱۹۱۲ء کو
جاری ہوا، تعلیمی امور پر خوش اسلوبی کے ساتھ بحث

رہتا تھا بقول ایڈیٹر زمانہ کانپور ملک کو ایسے رسائل کی ضرورت ہے ۔[1]

انقلاب

مولوی برکت اللہ صاحب بھوپالی کے ساتھی ہندوستانی انقلابی فرانس میں بھی تھے جن کے قائد چودھری رحمت علی پنجابی تھے ان لوگوں نے فرانس میں اپنا ایک اخبار انقلاب ۱۹۱۲ء کو جاری کیا، جو فرنچ، انگریزی اور اردو زبانوں میں نکلتا تھا اگرچہ اس گروہ کا میابی تو حاصل نہیں ہوئی ۔ جو جاپان میں اسلامک فرٹرنٹی کو نصیب ہوئی تھی، فرانس کے انقلابیوں کو ایک جاندار رہنما کی ضرورت تھی۔ اس لئے انھوں نے مولوی برکت اللہ صاحب کو جاپان سے فرانس بلایا۔ تو آپ فرانس پہنچے، چونکہ آپ فرنچ زبان کے ماہر تھے لہٰذا بہت جلد فرانسیسی زبان میں اپنی عربی آمیز چاشنی سے اہل فرانس کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ جس طرح جاپان میں سیاسی کاموں کو چلانے کے لئے مختلف ذرائع اختیار کئے تھے۔ وہی طریقے فرانس میں مشن کے اخراجات کو ... کرنے ... استعمال کئے ... اپنے ساتھیوں کے ساتھ رنگ سپلائی کرنے کا کام شروع کر دیا تھا، جو ہندوستانی تاجروں کو بھی سپلائی کیا جاتا تھا۔ جس کے ذریعہ پیغام رسانی کا سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ اس آمدنی سے اخبار انقلاب کو بھی بہت سہارا ملا۔

فرانس سے نہ صرف یورپ کے دیگر ممالک اور افریقہ کے شمالی ساحلی علاقوں تک یہ پیغام پہنچا بلکہ امریکہ تک یہ سلسلہ جاری ہو گیا تھا۔ اخبار انقلاب بھی وہاں پہنچنے لگا تھا، فرانس میں یہ انقلابی لوگ زیادہ

---

[1] مخزن لاہور نومبر ۱۹۰۴ء ؂ برکت اللہ بھوپالی ص۱۰۳

نہیں ٹھہرے۔ اس لئے اخبار انقلاب کی عمر بھی زبونے کے برابر ہوئی۔

ادیب میرٹھ سے ۱۹۱۲ء کو ماہانہ ادبی رسالہ جلوہ الگن ہوا ۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا سالانہ چندہ ساڑھے چار روپیہ تھا ۔ بزم سخن لکھنؤ کے شمارے مارچ ۱۹۱۲ء میں اس کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا۔

مجھ کو دیکھو ہے اگر ذوق ادب
ہوں گے پورے ہونگے سب شوق ادب

" ادب کا جہان ۔ انشا پردازی کا اعلیٰ نمونہ ، اعلیٰ خیالات کا مجموعہ انسانی خدمات کی تصویر ، حالت زمانہ کا آئینہ شاعرانہ خیالات کا مخزن دیکھنا مقصد ہو تو منگا ادیب ، معیاری ادبی رسالہ سالانہ چندہ چار روپے آٹھ آنے ، نمونہ کا پرچہ ۶ "

عندلیب میرٹھ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۲ء کو ظہور پذیر ہوا ، اس کے ایڈیٹر شعیب احمد ندرت خلف مولانا شوکت علی میرٹھی تھے۔

اس رسالہ میں مشاہیر ہند کے علمی و ادبی مضامین نظم ونثر کے علاوہ مقامی شاعروں کی غزلوں کا انتخاب درج ہوتا تھا لیکن یہ رسالہ بعض مشکلات کی وجہ سے بند ہو گیا۔[1]

ناصر الاخبار میرٹھ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۲ء کو نمودار ہوا اس کے مالک و ایڈیٹر جناب عزیز احمد رفعت برادر

---

[1] میری حیات بے ثبات ص۲

مولانا شبیب احمد نادرؔ تھے، یہ پرچہ تصوف سے متعلق تھا اس لئے صوفیا کے حلقوں میں کافی مقبول ہوا

مبیشن نیوز مراد آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۲ء کو جلوہ افروز ہوا، جو صفحات پر نکلتا تھا سالانہ چندہ چار روپے تھا[1]

یہ اخبار صوبہ متحدہ کا مشہور و معروف اخبار تھا، تمام صوبے کے رؤسا و حکام اور عام لوگوں کے مطالعہ میں رہتا تھا۔

نالۂ بلبل لدھیانہ سے یہ گلدستہ ۱۹۱۲ء کو وجود میں آیا ۸ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر خواجہ غلام احمد لدھیانوی اور نگراں مولانا محمد احسان اللہ خاں صاحب تاجور نجیب آبادی تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا سول اینڈ ملٹری آرگن پریس لدھیانہ میں طبع ہوتا تھا سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

یہ ہم سے پوچھو اے صیاد کیا بلبل کے نالے میں
وہ نالے ہیں کہ نیوں کے گریباں پھاڑ ڈالے ہیں

رسالہ کے زیادہ حصہ میں نثر کا حصہ ہوتا تھا جس میں ادبی و اخلاقی و تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے کم حصہ میں طرحی و غیر طرحی کلام چھپتا تھا، چند شعرا کا کلام ملاحظہ ہو، جو مئی ۱۹۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے۔

جناب مولانا مولوی محمد ضیاء الرحمٰن صاحب شاعؔ تلمیذ حضرت داغؔ دہلوی

---

[1] شاہد سخن حیدر آباد دکن فروری ۱۹۱۳ء

صداقت میں خدا کی تم سے بڑھ کر کوئی کیا نکلے
جلوں میں جبیں ہو کر عجب نشان خدا نکلے
یہ بت کعبہ سے جو نکلے ہائے دل ہیں آ بیٹھے
رہے گھر میں خدا کے، کعبہ سے نکلے تو کیا نکلے
شعار ساختہ جاں ہم کیا نہ کریں اپنی قسمت کو
جنھیں ہم آشنا سمجھے تھے، وہ نا آشنا نکلے

جناب سید عزیز الحسن صاحب مدیر مہتمم گلدستہ الذکر قمر فرخ آباد

جو کی ہے مولد شکر عندلیب نے جانچ رندوں کی
کچھ ان میں متقی نکلے، کچھ ان میں پارسا نکلے
دعا ہے مبتدی کی تجھ سے یہی اے خالق اکبر
زبان سے مرتے دم، نام محمد مصطفیٰ نکلے

جناب نواب ناظم علی صاحب ہجر تخلص مسعودی ایڈیٹر رسالہ زبان اردو

یہ سمجھ کچھ آنا ہے آئے اور اشک جلد ئے
پھر چلے جانا۔ ندو شہرو، اگھڑی بھر اور بھی
دادخواہوں کے قیامت خیز نالے الاماں
ہو گیا محشر میں برپا ایک محشر اور بھی

دہلی سے یہ ہفتہ وار سنہ ۱۹۱۲ء کو جاری ہوا آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی کشن سروپ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

ہندو سبھا ایک

رسالہ ناظم دکن حیدرآباد دکن نے اپنے فروری سنہ ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس اخبار پر ریویو کیا تھا۔

ہندو سبھا یک دہلی کا ایک ہفت وار اخبار ہے جو منشی کشن سروپ کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے اس کے مضامین اور اس کی پالیسی کے لحاظ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہندو سبھا یک واقعی ہندوؤں کا سچا سہایک ہے۔ ہمیں امید ہے کہ اس کے وجود سے ہندو جاتی کو بہت کچھ فائدہ پہنچے گا۔ ہندو جاتی کے سدھار کے لئے ایسے ہی سستے اور مفید اخباروں کی ضرورت بھی تھی۔ ساتھ ہی ہمہ چندہ سالانہ دو روپے کم ہے چونکہ منشی کشن سروپ صاحب نے ہندو سبھا یک کے پرچار سے ہندوؤں کی سہاتیا کا بیڑا اٹھایا ہے اس لئے ہم امید کرتے ہیں کہ صاحب موصوف اپنے اخبار کے ذریعہ ان تمام پرانی رسموں کے ترک کرنے پر ہندوؤں کو آمادہ کریں گے جن کو ہم اس وقت فضول اور لغو ہی خیال نہیں کرتے بلکہ نقصان رساں پاتے ہیں۔

المدبر بانکی پور (مرادپور) پٹنہ سے سنہ ۱۹۲۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا۔ ہر دوشنبہ کو آٹھ صفحہ پر نکلتا تھا مہتمم عبدالحکیم صاحب بی اے بیرسٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔ مطبع احمدی پٹنہ میں طبع ہوتا تھا۔

احمدی خاتون قادیان سے سنہ ۱۹۱۰ء کو یہ ماہانہ لنسوانی پرچہ وجود میں آیا۔ یہ صفحات پر مشتمل تھا۔ شیخ یعقوب علی تراب احمدی ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ مطبع خادم الاسلام قادیان میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد عورتوں میں تعلیمی اور مذہبی مذاق اور بیداری کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کرنا تھا تاکہ وہ ایک

سچا وطن دوست بنے، اور شریف بیوی، اور سلیقہ شعار والدہ بننے کی قابلیت پیدا کر سکیں۔

درویش سیرہ پنجاب سے یہ مذہبی ماہنامہ ۱۹۱۲ء کو جاری ہوا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولانا مخدوم محمد اعظم صاحب اس رسالہ کے ایڈیٹر تھے۔ رسالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین مورخہ جنوری ۱۹۱۵ء میں اس رسالہ کا حسب ذیل اشتہار چھپا تھا۔

ہر ایک روحانی زندگی کا ماہوار رسالہ زیر ادارت قبلہ مولانا مخدوم محمد اعظم جو ایک نقراء کے خاندان سے ہیں) نہایت آب وتاب کے ساتھ سیرہ سے شائع ہوتا ہے۔ اس میں ہر قسم کے دردناک عبرت انگیز نصیحت آمیز مضامین درج ہوتے ہیں۔ رسالہ کیا ہے علمی، اخلاقی جواہرات کا خزینہ، نکات معرفت ہدایات طریقت، اسرار حقیقت کا مجموعہ اور چیدہ اشعار و نظموں کا گلدستہ صوفیائے کرام کی جان اور عاشقان رسول کی روح ہے۔ کاغذ سفید نفیس اور چھپائی قابل دید ہے۔ چندہ سالانہ دو روپے ہے۔ نمونہ کے لئے ... کا ٹکٹ بھیجیں۔ صوفی اللہ دتہ۔ منیجر درویش سیرہ پنجاب۔

سنہ ۱۹۱۳ء

انوار قمر

فرخ آباد سے جنوری سنہ ۱۹۱۳ء کو یہ گلدستہ منور ہوا ۲۸ صفحات پر مشتمل تھا، سرپرست جناب علی محمد صاحب عارف لکھنوی، ایڈیٹر و مرتب کنوری لال قمر لکھنوی تھے، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ فی پرچہ ڈھائی آنے قیمت تھی۔ حمیتان پریس فرخ آباد میں چھپتا تھا رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔ ؎

کھلی ہے چاندنی روشن منیروں کی ادھر دیکھو
اگر ہے شوق نظارہ تو انوار قمر دیکھو

مارچ سنہ ۱۹۱۳ء کے شمارے سے کے شعراء کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں

جناب منشی اکرام حسین صاحب اکرام رئیس و زمیندار موضع راجے پور سرائے میدہ ڈاک خانہ کمال گنج شاگرد جناب میر طاہر علی صاحب طاہر فرخ آبادی ؎

موسیٰ نہیں ہیں ہم جو طلب برق طور سے
شمع جمال یار سے ہم لو لگا گئے

کہاں تک نہ دم کا ہوں آنا ہو جلد آئیں
مرنے کے بعد دیکھیے کو کیا خاک آئیں گے
نالے کریں گے ہم جو کسی دن فراق میں
آرام ہم زمیں کو سر پر اٹھائیں گے

جناب ڈاکٹر مہاراج نرائن نگم ایل۔ ایم۔ اثر فرخ آبادی شاگرد جناب قمر لکھنوی سے

دیکھا جو غور سے نہیں کوئی کسی کا یاں
چھوڑیں گے سب کو دھیان خدا سے لگائیں گے
ہو جائیں گے کبھی نہ کبھی ہم بھی بہرہ یاب
جب روز ان کو ہجر کے قصے سنائیں گے
خواہاں ہوتے ہیں وصل کے دل دیکھیے کیوں کر ہیں
کوئی کہے گا ایک، اثر سو سنائیں گے

جناب منشی چتر بھج برق شاگرد جناب قمر لکھنوی

وعدے پہ اپنے آج اگر وہ نہ آئیں گے
نالے کسی کے عرش بریں کو ہلائیں گے
وہ بام پر نقاب جو رخ سے اٹھائیں گے
گردوں پہ مہر و ماہ نہیں سکتے میں آئیں گے
مقتل میں آگیا جو انھیں برق کا خیال
منہ سپر کردہ تیغ تبسم دکھائیں گے

جناب لالہ رام سروپ لال خورشید لکھنوی نبیرہ اکبر جناب بخت مکھن لال
صاحب مرحوم رئیس لکھنؤ۔

کہتے ہیں مجھ سے دیکھو جو ہم منہ پر آئیں گے
پامال بھی کریں گے، نشاں بھی مٹائیں گے
انساں ہیں بتو، کوئی پتھر نہیں ہیں ہم
دل میں کہاں تک آتش الفت چھپائیں گے

جناب مولوی محمد عبدالحیؔ صاحب شیدا بدایونی شاگرد اعتبارالملک جناب مضطر خیرآبادی ؎

کہتا ہے ان سے کون کہ ترک جفا کریں
اللہ کو بھی حشر کے دن منہ دکھائیں گے
کیا ہوگا تم کو دیکھ کے ہم سے پوچھ لو
اس پیاری پیاری شکل سے قرباں جائیں گے
شیدا بتوں کو چھوڑ کے یاد خدا کرو
یہ سنگدل ہیں، راہ پہ ہرگز نہ آئیں گے

اس گلدستہ میں نظم کا حصہ زیادہ اور نثر کا کم تھا، نقاد آگرہ کے شمارے مارچ ۱۹۱۳ء میں اس رسالہ کی ریویو کے ذریعہ خاص تحریک کی گئی تھی۔

• یہ ایک گلدستہ ہے جو آغاز سال سے جناب ثمر لکھنوی کی ایڈیٹری میں فرخ آباد سے شائع ہوا ہے اس کا پہلا نمبر ہم نے دیکھا ہے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے، کہ کتنی تام زنگی کا قور ہے، شاعری کے گلدستہ کے لئے یہ نام کسی طرح موزوں نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ جناب ثمر لکھنوی نے اپنی نازکی خیال کو چمکانے کے لئے صرف اپنے تخلص کی مناسبت سے یہ نام رکھ لیا اللہ بقول لسان العصر حضرت اکبر ؎

نام قوم اڈیٹر بنی ہے یا لیڈر
سبب یہ ہے کہ کوئی اور دل گی نہیں

مصرعہ طرح "سوتا ہوں ہاتھ گردنِ مینا میں ڈال کے" نہایت فرسودہ و پامال ہے اور اسی سے حضرت قمر بدایونی کا عمدہ غزل کے معمولی اور غیر معروف شعراء کے کلام درج کیا گیا ہے۔ جس کی اگر تنقید کی جائے تو نقادہ کے کئی صفحات ہوں۔ ہم انوار قمر پر زیادہ روشنی نہیں ڈالنا چاہتے اور اڈیٹر صاحب سے باادب عرض کرتے ہیں کہ وہ آئندہ گلدستہ کی ترتیب کے لئے بہتر سے بہتر اجزا فراہم کریں لکھائی صاف ہے مگر کاغذ معمولی اور مورد ہے قیمت زیادہ ہے سرورق بھی راونجات کی ارتقائی صورت نظر آتا ہے جو اس روشن زمانہ میں مناسب حال نہیں۔"

انصاف کی بات ہے کہ ہمارے پیش نظر انوار قمر کا مارچ ۱۹۱۳ء کا شمارہ ہے جس میں مذکورہ ریویو کا جواب پانچ صفحہ پر تحریر ہے، اس کے ضروری اقتباس ملاحظہ ہوں، جو ایک شعر سے شروع ہوا ہے۔

گرہ میں کچھ نہیں نقد ر تو بن کر نکل آئے
ادھوری ہیں مگر استاد تو بن کر نکل آئے

نقا.. نے کلکتے سی لوگوں کی داڑھی کی طرف ہاتھ بڑھایا، آنکھ کھولتے ہی دنیا کو اندھا کرنے کی کوشش کی، پیدا ہوتے ہی اوروں ... دانت گننا شروع کر دیئے، ماشاء اللہ ہونہار بردا کے چکنے چکنے ... پرسے ... پہ کو بگاڑ دنیا لوگوں کے بائیں ہاتھ کا کرتب سمجھا، ... تعاقب لگایا۔ اور پیٹھ ٹھونک دی، اب صاحبزادے زمین پر

پھول بہنے لگے، آب و ہوا گندی، مزاج ملنی، پھول کر فیل بے دم ہو گئے، نقاد کے مقاصد میں زینہ ادبیت فن تنقید کا نقشہ دیکھ کر تعجب تھا کہ الٰہی ولایت شاہ جی کو ورثہ میں ملی تھی، مگر علمیت بھی کیا سینہ بہ سینہ منتقل ہونے والی چیز ہے، شاہ جی اور تنقید خود مد کسی نے پھول رکھے یا ع "کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں"، جیسا مجلہ تنجر، دستور الصبیان، کم محدود، مطالعہ نثر کے ناولوں تک ختم، و تعریف، دولت خانہ کا نام بیوہ کوائی، اس وجہ سے ہے کہ وہاں کنجڑے آباد ہیں، تنجر یہ کہ ذرا ذرا سی باتوں کا سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے، طرّہ یہ کہ ... قراءت دے سکی نہیں پوچھیے خدا خیر ہی کرے یاروں نے تھپکی دے کر سامنے تو رکھ لیا ہے کہیں ہوا کا جھونکا اس مرحلہ کے تھپکے کی حقیقت نہ کھول دے ... انوارِ قمر کو دیکھ کر آگ بگولہ ہو گئے، خاکہ نہیں اڑایا۔ بلکہ چاند پہ خاک ڈالی، حضرت قمر ... تو غضب ہی کیا شاعری کے گلدستہ کا نام "انوارِ قمر" رکھ لیا۔ ... کو شاہ جی کسی طرح موزوں نہیں سمجھتے، انوارِ قمر کسی جنتری کا ... ہوتا یا کسی لالٹین کے کارخانہ کا نام ہوتا۔ شاہ جی نے صبر ضبط کیا، کام تو گالیوں کا تھا مگر برعکس نہند نام زنگی کافور ہی کہہ کے پیچھا چھوڑ دیا۔ رہا اس کا جواب کہ جناب قمر نے اپنی تاریکیٔ خیال کو چھپانے کے لئے ابھی تخلص کی مناسبت سے نام رکھا۔ آتش کا شعر ہے ؎

لگے منہ بھی چڑانے، دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی سو بگڑی تھی خبر لیجے، دہن بگڑا

بس اور کچھ نہ کیا جائے ورنہ ہم سے بگڑ جائے گی" سحر کا طرز نہایت فرسودہ اور پامال ہے۔ ہے تنگ ہے شاہ جی کے دیوان میں بھی اس طرح پسند غزل موجود ہے آمنہ سحر کی طرح شاہ جی سے تجویز کرایا جاتا ہے، کیا سمجھا ہے شاہ جی شاعر نہیں ہیں یا ان کا کلام مشہور نہیں، یہ دوسری بات ہے کہ دنیا میں مشہور نہ ہو، کسی نے نہ سنا، آج سے دور سے بھی شاہ صاحب کے فیض سخن سے اب تک نطقی محروم ہوں، عالم بالا پر ایک فرشتہ آپ کے دیوان کا حافظ ہے شاعر ہونے کا اولی ثبوت تو یہ ہے کہ دلگیر تخلص فرماتے ہیں دل گیر تخلص رکھ کر دل آزاری کرنے سے بھی شاعر ہو جاتا ہے۔

کشوری لال قمر لکھنوی

قمر صاحب لکھنؤ کے رہنے والے تھے اور معتقدین فرخ آباد نے ان کو مجبور کیا کہ آپ فرخ آباد میں مقیم ہوں اور اپنی ملکیت و ایڈیٹری میں گلدستہ انوار قمر نکالیں اور ہم لوگوں کا جو آپ کے شاگرد ہیں اور اپنا اس میں کلام شائع کیجئے۔ چنانچہ اس گلدستہ میں منشی شیخ عباد اللہ محشر حیدر ارشد مسندی، افتخار فرخ آبادی، ڈاکٹر راج زراتن نکہت از فرخ آبادی، منشی سید عزیز الحسن بدر فرخ آبادی، جناب منشی حیدر بیگ تسنیم منشی حافظ محمد صدیق حسن ثاقب راتے بریلوی، منشی رضا احمد صاحب رحمت بدایونی، سید سجاد علی شاد جناب منشی بھیمی نرائن گمبھیر فرخ آبادی، بابو بستری دیال خبیر فرخ آبادی اور پنڈت کانت لال ہلال فرخ آبادی وغیرہ قمر صاحب کے شاگرد تھے، ان کا اور قمر صاحب کا انوار قمر میں کلام چھپتا تھا چنانچہ قمر صاحب کا مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے میں

یہ کلام چھپا تھا۔

آئیں وہ شوق سے جو ستانے کو آئیں گے
ہم خود مٹے ہوئے ہیں ہمیں کیا مٹائیں گے

بیتاب ہو نہ سینے میں اے آہ شعلہ بار
دم لینے دے، سبھی کبھی آزمائیں گے

لو یہ بھی راز قیس کے جلنے سے کھل گیا
وہ بھی جلیں گے، دل جو کسی کا جلائیں گے

وہ ظلم آشنا ہیں، حسینانِ سنگ دل
جو ان پہ جان دے گا اسی کو مٹائیں گے

یہ بھی نظر سے دیکھ رہے ہیں جبینِ قمر
انجام یہ ہے کہ خاک میں تجھکو ملائیں گے

انوار الصوفیہ

لاہور سے انجمن خدام الصوفیہ کا یہ آرگن جنوری ۱۹۱۳ء کو جاری ہوا۔ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر و پبلشر منشی حسام الدین تھے۔ سالانہ چندہ سوا دو روپیہ تھا۔ رفیق عام سٹیم پریس لاہور میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا۔

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے
بلبل کی زباں گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا
جس پھول کو سونگھتا ہوں بو تیری ہے

مسلم گزٹ لکھنؤ سے جنوری ۱۹۱۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا ہے آٹھ صفحوں پر مشتمل تھا سید وحید الدین سلیم اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ مع محصول ڈاک ڈھائی روپے تھا۔ فروری ۱۹۱۲ء کے اردوئے معلی علی گڑھ میں اس اخبار پر تبصرہ ہوا ہے، مولانا حسرت موہانی لکھتے ہیں۔

"جنوری ۱۹۱۲ء سے اس نام کا ایک ہفتہ وار قومی سیاسی ادبی اور تمدنی اردو اخبار لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا ہے اس اخبار کی تقطیع ۲۰×۲۶ تمام موجودہ اردو اخباروں سے بڑی ہے اس لئے اس کے آٹھ صفحوں کا مضمون دوسرے اخباروں کے ۱۲ صفحوں سے بھی کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ مسلمان اخبار عموماً سرسید کی غلط ، پالیسی کے پیرو ہونے کے علاوہ پریس ایکٹ کی سختیوں سے اس درجہ خوف زدہ ہو گئے ہیں کہ ان کی تحریروں میں جدت خیال یا آزادی رائے کی تلاش ہمیشہ بے سود ثابت ہوا کرتی ہے، چنانچہ مسلم گزٹ کو بھی ہم اس نقص عام سے بری نہیں کہہ سکتے تاہم اتنا ضرور ہے کہ دیگر مسلمانی اخباروں کے مقابلہ میں اس کے مضامین نسبتاً زیادہ آزاد اور اس کی رائے زیادہ بے باک ہوتی ہے لٹریچر کے اعتبار سے غالباً صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ اس کے ایڈیٹر مولوی سید وحید الدین سلیم ہیں جن کے قلم کا زور معارف اور علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کے صفحوں پر بارہا [illegible] اہل نظر سے اپنے کمال کی داد حاصل کر چکا ہے۔"

۱۰ فروری ۱۹۱۲ء کے شمارے میں ایک عربی شاعر دریائے نیل کے کنارے پر بیٹھا ہے اور تمکین کی دوربین عینک آنکھوں پر

نگارِ طرابلس کے میدانِ جنگ پر نظر دوڑاتا ہے اس وقت جو خیالات اس کے دل میں موجزن ہوتے ہیں ان کو وہ عربی زبان کی فصاحت کے سانچے میں ڈھالتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے ۔

یورپ کی سیاست کا پردہ چاک ہو گیا ہے اس کے خونی ارادے اب روشن حروف میں پڑھے جاتے ہیں اے مشرق ! خواب غفلت سے بیدار ہو کر ایک آگ برسانے والا ہاتھ مغرب سے آپہنچا ہے اور قریب ہے کہ وہ تیری شاندار تاریخی عمارتوں کو جلا کر خاک کر دے ۔

سمندر کے کنارے پر جنگی جہاز کھڑے ہوتے ہیں اور توپوں سے آگ برساتے ہیں شرارِ لاسکان جل اٹھتے ہیں اور ان کے شعلے مسلمانانِ عالم کے دلوں تک پہنچتے ہیں خونریز اور بیداد ڈاکوؤں کی ایک فوج ساحل پر اترتی ہے اور بے گناہ مسلمانوں کے خون سے طرابلس کی زمین تر ہو جاتی ہے وہ مسلمانوں کو گرفتار کرتے ہیں، ان کی لاشوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالتے ہیں اور بیرحم وحشی عورتوں بوڑھوں اور بچوں پر رحم نہیں کھاتے ۔

یورپ کی جو نیت اسلامی ملکوں کی نسبت ہے اس کے چہرہ سے پردہ اٹھ گیا ہے، مشرق کے نیلگوں آسمان پر خونی حروف میں یہ سطر لکھی نظر آتی ہے کہ اب مغرب مشرق کو نگل جائے گا مگر شاہ اٹلی کو خبر دو کہ مسلمانوں کے دلوں میں ابھی تک وہ آگ دبی ہے جس کی چنگاریاں وسط یورپ کے دامن تک پہنچ چکی ہیں، اے طرابلس کے مسلمانو، تم پر ہزار آفریں ہے کہ تمہارے جنگی کارناموں نے ہماری قدیم شاندار تاریخ کو زندہ کر دیا ہے ۔ تم نے اپنے اسلاف کی طرح

قسم کھائی ہے کہ آخر دم تک اپنی آزادی کو محفوظ رکھو گے خدا تمہارے ہاتھوں میں برکت دے اور بازوؤں میں طاقت دے۔

تم عین اس وقت جبکہ تمہارے سروں پر آگ برستی ہے، اور دھوئیں کے بادل تم کو گھیرے ہوتے ہیں نہایت بے باکی اور دلیری سے آگے بڑھتے ہو اور دشمن کی توپوں کو خاموش کر دیتے ہو۔

تمہارے حریفوں نے اعلان کیا تھا کہ سارا ملک طرابلس ان کی سلطنت میں شامل کر لیا جائے مگر حالت یہ ہے کہ وہ سمندر کے ساحل سے ایک انچ آگے بڑھنے اور تمہاری تلواروں کے آگے سینہ سپر نہیں ہوتے۔

اے عالی ہمت اور جفاکش دلیرو! تمہاری غیرت کبھی اس کو قبول نہیں کرے گی کہ تم صلیب کی پرستش کرو گے ہرگز نہیں کرو گے عنقریب وہ وقت آتا ہے جبکہ تمہارے دشمن دانت پیستے اور غصہ سے پیچ و تاب کھاتے اس سرزمین سے بھاگ جائیں گے، دنیا بھر کے مسلمان تمہاری شجاعت دلیری پر جو بھروسہ کر رہے ہیں ان کو یقین ہے کہ تم ان امیدوں کو باطل نہیں کرو گے، کروڑوں دلوں کی آرزوئیں تمہارے ساتھ ہیں۔"

یہ اخبار آزاد خیال تھا، اس کی دو مرتبہ ضمانتیں لی گئیں، جس پر یکم جون ۱۹۱۲ء کے عصر جدید میں شعر نے تبصرہ کیا تھا۔

"ہم کو اس بات کے معلوم ہونے سے افسوس ہوا کہ مسلم گزٹ لکھنؤ جو ایک آزاد خیال اخبار تھا۔ دوبارہ بند ہو گیا اس اخبار کے بانی اور مالک اول سید وحید الدین صاحب ایک جوشیلے نوجوان اور

اردو کے معزز و تبقہ دار ہیں۔ ابتدا میں اخبار کی پالیسی زیادہ تر مولوی سید وحید الدین سلیم ایڈیٹر کے ہاتھ میں تھی اور جس زمانہ میں یہ اخبار شائع ہوا، اس وقت قوم میں عام جوش تھا۔ اس واسطے اخبار کی طرز عام طور پر پسند کی گئی اگرچہ مسلم گزٹ عامیانہ تحریروں سے بچتا تھا مگر لیڈروں کے سخت خلاف تھا۔ علاوہ اس کے ایڈیٹر ایک لائق پختہ کار انشا پرداز تھے، جن میں آزادی اور فصاحت کی روح کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اپنے نقطۂ نظر سے اور اصول کے لحاظ سے وہ بالکل ٹھیک لکھتے تھے لیکن اس بات کو انھوں نے نظر انداز کر دیا تھا کہ ایک ۵ ہزار کوس کی گورنمنٹ کو بھی اپنے مصالح پر نظر ڈالنا ضروری ہے۔ ایک پریس ایکٹ نہایت وسیع معنوں میں اخباروں کا نگراں ہے، بہرحال سید میر جان صاحب نے کسی نہ کسی وجہ سے لکھنؤ کے مقامی حکام سے معافی مانگ لی اور لائق ایڈیٹر کو علیحدہ کر دیا اور اس کے دو چار نمبروں کے بعد ہی ایک پرچہ نکالا۔ جس میں ایک سیاہ جنازے کی تصویر تھی اور اس کا نام "مسلم گزٹ" کا جنازہ رکھا اس کے بعد ۵، ۶ مہینے تک اخبار بند رہا۔

۴، ۵ مہینے کے بعد بغیر جدید ضمانت دیے ہمارے دوست سید شبیر حسن صاحب قتیل نے جو سید وزیر حسن صاحب سکرٹری مسلم لیگ کے چھوٹے بھائی ہیں۔ اس اخبار کو غالباً سید میر جان صاحب کی اجازت سے دوبارہ زندہ کیا، سید شبیر حسن قتیل میں گو مولانا سلیم کی سی قوت انشا پردازی نہ تھی لیکن کام کرنے کا شوق اور جوش اور آزادی کسی طرح کم نہ تھی، انھوں نے اعتراضات کرنے میں اپنے

سچائی سید نذیر حسن کا پاس کیا، نہ آنریبل راجہ صاحب محمود آباد کا۔ اور نہ مشہور حریت پسند اخباروں کا، مگر اخبار نے مسودہ قانون توہین عدالت پر غالب ہو جوال دھار مضامین لکھے جس سے پبلک کی خدمت گو انھوں نے ادا کی، لیکن اخبار سے دو ہزار کی ضمانت طلب کرلی گئی ۔ اس ضمانت کا ادا کرنا خطرے سے خالی نہ تھا اس لئے مسلم گزٹ کو بند کیا گیا۔

انوارِ عالم پلٹن بازار دہرہ دون سے جنوری ۱۹۱۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ افروز ہوا ۲۰×۲۶ سائز پر ۱۲ صفحوں پر یکم، ۸، ۱۵، ۲۳ کو نکلتا تھا، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

مخبرِ عالم مراد آباد کے شمارے ۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۳ء میں اس اخبار کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا۔

" یہ دہرہ دون کا اکیلا ہفتہ وار اخبار ہے جو اردو زبان میں ہر انگریزی مہینے کی یکم ۸، ۱۵ اور ۲۳ کو نہایت آب و تاب سے ۲۰×۲۶ کی تقطیع کے بارہ صفحوں پر شائع ہوتا ہے۔ اس اخبار میں ہر ہفتہ اخلاقی، تمدنی، علمی، ادبی نثر و نظم کے مضامین زبردست اہلِ قلم کے درج ہوتے ہیں۔ یکم ستمبر ۱۹۱۳ء سے ایک اخلاقی ناول کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے۔ انوار عالم میں ہر مسئلہ پر نہایت آزادانہ بحث کی جاتی ہے، قیمت سالانہ دو روپے "

لسانُ الہند والعجم حیدرآباد دکن سے جنوری ۱۹۱۳ء کو یہ علمی رسالہ جلوہ افروز ہوا ۳۲ صفحوں پر نکلتا تھا

شمس العلماء خاں بہادر نواب عزیز جنگ ولا اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ عزیز المطابع حیدرآباد دکن میں طبع ہوتا تھا اس رسالہ کا مقصد زبان فارسی کا مختصر کلام اور بعض قواعد فارسی اور ماخذ الفاظ کا بیان اور نیز زبان اردو کے ان الفاظ سے بحث کرنا جس کا استعمال دکن میں ہے اور دہلی و لکھنؤ میں نہیں پایا گیا۔ جس کے لئے اہل زبان کی توجہ درکار ہے۔

ادب

پٹیالہ سے جنوری ۱۹۱۲ء کو یہ ماہوار رسالہ عالم وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر مولوی مصطفیٰ خاں صاحب بی اے تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
اس رسالہ پر ادیب الہ آباد کے پرچے اپریل ۱۹۱۳ء میں یوں ریویو چھپا ہے۔

"اردو علم و ادب کا ایک ماہوار رسالہ جو شروع سال سے زیر ایڈیٹری مولوی مصطفیٰ خاں صاحب بی اے لاہور سے شائع ہونے لگا ہے، اس کے تین نمبر اس وقت ہمارے پیش نظر ہیں۔ انہی سے مضامین کی فہرست میں خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب مولانا حافظ تعشق حق صاحب آزاد عظیم آبادی وغیرہ کے نام نظر آرہے ہیں جس سے فاضل ایڈیٹر کی روشن خیالی اور جد و جہد کا صاف پتہ چلتا ہے، ایک نمبر سے دوسرا نمبر نکھرا ہوا ہے اور جو کمی سابق کے پرچوں میں رہ گئی ہے وہ دور ہوتی جاتی ہے نظمیں بھی اچھی ہوتی ہیں اس کے سلک میں سیاست بھی داخل ہے تیسرے نمبر میں ترکوں کی شکست کے اسباب پر بحث کی گئی ہے، رائے

سلجھی ہوئی ہے ہمیں بڑی مسرت ہے کہ اردو رسائل کی فہرست میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہو گیا ہے۔

شاہدِ سخن حیدرآباد دکن سے جنوری ۱۹۱۳ء کو یہ رسالہ نمودار ہوا ۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر و مالک گوبند پرشاد افسان تھے، سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا، فی پرچہ چار آنے قیمت تھی، انبکا پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ میں ادبی، اخلاقی، تاریخی اور تنقیدی مضامین شائع ہوتے تھے، اس کے مضمون نگار رضاں بہادر مرزا سلطان احمد، رحمت اللہ خاں، محمد عبد الرزاق بسمل، میر قادر علی خاں، طالب بنارسی بازع حیدرآبادی اور حضرت عشقی تھے۔

اودھ قمر فرخ آباد کے شمارے ۱۹۱۳ء میں اس رسالہ کا یہ اشتہار شائع ہوا تھا۔

" یہ گلدستہ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخوں میں جناب منشی گوبند پرشاد صاحب افسان کی ایڈیٹری میں حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا تھا جس میں علمی، ادبی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی، تاریخی، فلسفی مضامین و نئی لیاقت طرح و غیر طرح بھی نہایت دلچسپ و قابلِ دید ورنج ہوتے ہیں، کاغذ و چھپائی نفیس، ساخت ۱۸ × ۲۲ "

العلم کانپور انوار گنج سے جنوری ۱۹۱۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ علمیہ نکلنا ہوا ایڈیٹر حکیم ابو العلامہ احمد ناطق لکھنوی تھے ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا فلسفہ، تاریخ، تصوف پر مضامین لکھے جاتے تھے تنقید بھی کی جاتی تھی

اور ایک ناول بالاقساط چھپتا تھا۔ صرف و نحو اردو کے لئے آٹھ صفحے مقرر تھے، امیر اللغات کا حصہ بھی شائع ہوتا تھا۔

ادیب الہ آباد کے شمارے اپریل ۱۹۱۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

" ایک ماہوار رسالہ جو زیر ایڈیٹری حکیم ابوالعلامہ احمد ناطق لکھنوی کانپور سے شائع ہوتا ہے اس کی پہلی جلد کا اول حصہ ہمارے پاس ریویو کے لئے آیا ہے اور ذیل پر بحث کرنا اس کے مقاصد میں داخل ہے ۔/

امیر اللغات حصہ سوم حرف ب سے، تاریخ تصوف، ناول تنقید، نظم منتخب، فلسفہ حکمت، اعلیٰ شاعری کے نکات، اردو صرف ونحو وغیرہ، یہ مضامین حوصلہ افزا ہیں اور پہلے نمبر میں اس کا عملی ثبوت بھی دیا گیا ہے۔ اس نمبر میں ۸ مضامین ہیں اور سب کار آمد، / مضمون ۵ اپر عربی، ہندی اردو کی شاعرانہ تخیل میں لائق ایڈیٹر صاحب نے جو فرق دکھانے کی کوشش کی ہے واقعی دلچسپ ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ مضمون نا مکمل ہے مجموعی حیثیت سے رسالہ کے مفید ہونے میں کوئی کلام نہیں۔"

عثمان گزٹ حیدر آباد دکن چار مینار سے یہ ہفتہ وار اخبار یکم جنوری ۱۹۱۳ء کو ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحوں پر مشتمل تھا۔ محمد عبدالحی مہتمم تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس اخبار میں تازہ ترین خبریں، علمی، اخلاقی، تاریخی، معاشرتی تمدنی مضامین اور مفید معلومات کے علاوہ ترکی، انگریزی فارسی مرہٹی

گجراتی، اخبارات کے اعلیٰ دل چسپ تراجم شائع ہوتے تھے، اس اخبار کے جاری ہونے کا اشتہار اخبار مخبر عالم مرادآباد کے شمارے ۵ / دسمبر ۱۹۱۱ء میں شائع ہوا تھا۔

نقاد

آگرہ سے جنوری ۱۹۱۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا۔ ۵۲ صفحات پر مشتمل تھا، سید نظام الدین دلگیر اکبرآبادی ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ قیمت فی پرچہ چار آنے تھی، مطبع شمسی آگرہ میں چھپتا تھا۔

رسالہ کے سرورق پر یہ شعر نیاز فتحپوری کا درج ہوتا تھا۔

الٰہی سایہ دار و ثمر باد
نہال حضرت دلگیر نقاد
۱۹۱۳ء

رسالہ کے مقاصد یہ تھے ۔

۱۔ نقاد کا زمن اولین فن تنقید کا زندہ کرنا۔

۲۔ نقاد خالص ادبی، علمی اور تاریخی میگزین ہے پالٹکس اور مذہبی مناقشوں سے اس کو کچھ واسطہ نہ ہوگا۔

۳۔ نقاد کی اشاعت سے بڑی غرض یہ ہے کہ ملک میں پاکیزہ لٹریچر کا ذوق پیدا کیا جائے اور کوثر کی دعویٰ زبان اردو کی قدردانی کی طرف ابنائے وطن کو مائل کیا جائے۔

۴۔ نقاد کا معیار انشا پردازی اس پیمانہ پر رکھا گیا ہے کہ لٹریچر خود بتائے کہ لکھنے والے کس درجے کے ہیں۔

۵۔ نقاد اپنی زبان کو کلاسیکل بنانے کی ہر امکانی کوشش کرے گا۔

۶۔ نقاد کو معنوی حیثیت سے ایک نمونہ بنا کر پبلک کے سامنے پیش کیا جائے
۷۔ نقاد کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ادبی محاسن و کمالات کی پوری پوری داد دی جائے۔

جنوری ۱۹۶۱ء کے پہلے شمارے میں تنقید کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے، لکھتے ہیں۔

افسوس اس بے اعتدالی کے ہجوم میں پڑ کے فن تنقید بالکل مٹ گیا ہے جو ملک و قوم کا سب سے بڑا نقصان ہے اور ساری خرابیوں اور بدعنوانیوں کی جڑ یہی ہے۔ جب اس مہدروں کا سد باب ہو گیا کہ نہ کوئی ایسا ہے کہ صحیح راستہ چلنے میں ہماری حوصلہ افزائی کرے اور نہ کوئی اتنا کہ ہم کنویں میں گرتے یا آگ میں پھاندتے ہوں، اور ہمارا ہاتھ پکڑ لے تو پھر ہمیں اپنی فلاح و ترقی کی کیا امید ہو سکتی ہے اگر غور سے دیکھا جائے تو قوم کے بگڑنے کی اصل وجہ صرف ایک ہے اور وہ یہی فن تنقید کا باقی نہ رہنا یا باقی رہنا تو غلط اصول پر، اسی افسوسناک کمی کو دیکھ کے نقاد نکالا جاتا ہے جس کے ذریعے سے کوشش کی جائے گی۔ کہ جہاں تک بنے تنقید کا فن زندہ کیا جائے اور جن باکمالوں کو خدا نے بھی جانچ کرنے والی نظر دی ہے ان کے کمالات سے فائدہ اٹھایا جائے، ہم نے اوپر یہ نقشہ ظاہر کیا ہے کہ ایسا نہ ہو نقاد کا نام سن کر لوگ بھڑک جائیں بھڑکنے کی کوئی وجہ نہیں، نقاد کا کام جس طرح یہ ہو گا کہ لوگوں کے اصلی عیوب نکال کے ان کی نگاہ کے سامنے پیش کر دئے جائیں اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر یہ فرض بھی نقاد نے اپنے ذمہ لیا ہے کہ کمالات

اور محاسن کی داد دی جائے۔"

فروری ۱۹۱۴ء کے شمارے کے مضامین سے اس رسالہ کی پوزیشن کا پتہ کچھ نہ کچھ لگ سکتا ہے۔ ان کی فہرست یہ ہے:-

۱۔ ہندوستان میں مدینۃ الخلفا، قرطبہ کی ایک جھلک، از مولانا سعید احمد مارہروی۔
۲۔ تمدن، از خان بہادر مرزا سلطان احمد وزیر مال ریاست بہاولپور
۳۔ شباب کی چھیڑ چھاڑ، از مولوی نیاز احمد خاں صاحب نیاز فتحپوری۔
۴۔ قصر حسنی از مولانا ابوالکلام آزاد دہلوی ایڈیٹر الہلال
۵۔ میں کیا ہوں: از ڈاکٹر ضیائے عباس ہاشمی بدایونی۔
۶۔ گلاب کا پھول، از مولوی قمر الحسن صاحب قمر بدایونی

کشمیری میگزین لاہور نے اپنے شمارہ اکتوبر ۱۹۱۴ء میں اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔

"اردو علم و ادب کے بہت سے رسالے جاری ہوئے جیسے حیدرآباد دکن، تہذیب الاخلاق علی گڑھ، زمانہ، تبصرہ، صمدی آگرہ، یادگار، رجب علی کا پنجاب ریویو، ادیب الہ آباد، مخزن لاہور، الناظر لکھنؤ، نقاد آگرہ، العصر لکھنؤ پیچھے بعد دیگرے نکلے جن میں سے اب زمانہ، مخزن، الناظر اور نقاد جاری ہیں۔ ان میں ہر ایک علم و ادب کی مناسب خدمت کر رہا ہے، مگر ان رسائل میں سے نقاد آگرہ کو بہ حیثیت اس کی لٹریری خوبیوں اور اس کی اعلیٰ طرز انشا، کے خاص طور پر پبلک کے قدردانی کے قابل سمجھتے ہیں، حضرت ریاض اور حضرت اکبر الہ آبادی لسان العصر کا

بالالتزام نقاد میں چھپا کرتا ہے۔ یہ دونوں استاد فن سخن کسی تعریف کے محتاج نہیں ہیں، اس پر مولانا ظفر جو رسالے کے ایڈیٹر ہیں خود بھی نظم و نثر میں کمال رکھتے ہیں، اردو زبان کی زبانی تعریف کرنے والے تو بہت ہیں لیکن جب اردو زبان کے رسالوں کی اشاعت کی طرف دیکھا جاتا ہے تو افسوس ہوتا ہے، امید ہے کہ پبلک خصوصاً مسلم پبلک اردو کے اس نادر رسالے کی مزید قدردانی کرے گی۔"

ہمدرد مولانا محمد علی صاحب بڑودہ کی ملازمت کے زمانہ سے صحافی دنیا میں آنے کے لئے بے چین سے تھے ٹائمز آف انڈیا میں ان کے مضامین چھپنے شروع ہو گئے تھے یہ ابتدا تھی اخبار جاری کرنے کیلئے غور و فکر ہونا شروع ہو گیا تھا کہ اخبار نکالا جائے تو کس پایہ کا ہو، اس کے خاکے ذہن میں آتے لگے تھے اسی اثنا میں ایک واقف کار نے جو اخبار نکالنا چاہتا تھا، اخبار کے بارے میں مشورہ کیا جس کا جواب آپ نے دیا۔ اس کا خلاصہ و مفہوم یہ تھا۔

۱۔ اخبار کو ذاتیات سے بالاتر ہو کر نکالنا چاہیے نہ اس میں خوشامد ہو نہ بے تکی اور بھونڈی مخالفت، معقولیت کے ساتھ نکتہ چینی کرنی چاہیے۔

۲۔ جو کچھ تحریر کیا جائے، متانت سے ہو، عبارت آرائی سے کام نہ لیا جائے اور نہ لوگوں کے چٹکیاں لی جائیں۔

۳۔ اخبار کا مقصد اپنی قوم کو فائدہ پہنچانا چاہیے لیکن دوسری قوم کو نقصان نہ پہونچے، مذہبی بحثوں سے اخبار کو علیحدہ رکھنا چاہیے۔

۴۔ اخبار میں صحیح اور مصدقہ خبریں ہونی چاہئیں۔ جو انگریزی کے مستند اخبارات سے لی جائیں۔ اور زیادہ حصہ خبروں کا ہونا چاہئے۔

۵۔ مقالہ افتتاحیہ کسی اہم اور ضروری واقعہ و مسئلہ پر لکھا جائے جو وقتی کا نہ ہو۔ اور اس کے لکھنے کے لئے جانفشانی اور محنت کرنی چاہیئے۔

چنانچہ حضرت مولانا محمد علی ۱۹۱۰ء میں بڑودہ کی ملازمت سے اس لئے علیحدہ ہوئے کہ اس سے زیادہ وسیع دائرہ میں رہ کر ملک و ملت کی خدمت کریں۔ کامریڈ نکالنے کے لئے آپ کلکتہ گئے اس وقت ان کا خیال تھا کہ انگریزی ہفتہ وار اخبار حکومت کو حالات سے مطلع کرنے کے لئے اور ہندوستان کی دوسری قوموں کو بھی ملت اسلامیہ کے افکار و خیالات سے باخبر رکھنے اور بیرون ہند کی اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کو بھی آگاہ کرنے کے لئے نکالا جائے۔ اور باقی سلطان ہند کی خدمت کے لئے جو اس ملت مرحوم کا سواد اعظم ہیں ایک روزنامہ اردو میں شائع کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے کلکتہ سے کامریڈ نکالا۔ ایک سال کے بعد جب دہلی سے کامریڈ کا پہلا پرچہ شائع ہوا تو ترک جو ابھی جنگ طرابلس کی مصیبت سے نکلنے نہ پائے تھے کہ جنگ بلقان کی نئی مصیبت سے دوچار ہو گئے۔ اور در کی ٹائپ کی کمی کی وجہ سے ایک عرصہ تک ہمدرد نہ نکل سکا اور اس کا ایڈیٹوریل عملہ اس تمام عرصہ میں بیکار بیٹھا رہا اور تنخواہیں ان کو دی جاتی رہیں۔

اخبار ہمدرد جن امور کی تحت اور جس انداز و شان سے

مولانا نکالنا چاہتے تھے۔ اس کا ایک تصوری خاکہ ۲۱ر اپریل ۱۹۱۲ء
کے کامریڈ میں آپ نے تحریر فرمایا۔ انھوں نے بتایا کہ۔

" میں ایک ایسا اول درجہ کا اردو روزنامہ جاری کرنا
چاہتا ہوں جس میں سجاد حیدر یلدرم، عنایت اللہ، مولوی
عبدالحق، خواجہ غلام الثقلین، شیخ عبدالقادر، محفوظ علی
ملک، علامہ اقبال سبھی ارکان ادارہ ہوں۔ یہ اخبار
بڑے سائز پر آٹھ صفحے ہوں جن میں کم از کم چھ صفحے
پڑھنے کے مواد پر مشتمل ہوں۔ رائٹر اور ایسوسی
ایٹڈ پریس کی سروس لی جائے۔ اس کے علاوہ کئی
سفرنامہ نگار مقرر ہوں۔ جو ملک کے بعض علاقوں
میں گھوم پھر کر حالات کا مشاہدہ کریں اور وقتاً فوقتاً
ان علاقوں کے عوام کے حالات، ضروریات، شکایات
سیاسی، اقتصادی، صنعتی اور تعلیمی وغیرہ پر مکاتیب مسلسل
کریں۔ علاوہ ازیں ہفتہ کے مخصوص دن مقالات بڑے اہتمام
سے ایسے لوگوں سے لکھوائے جائیں جنھوں نے
متعلقہ موضوعات کا خاص مطالعہ کر رکھا ہے۔ عوام
کا نقطۂ نظر واضح کرنے کے لئے ان موضوعات پر
مقالات درج کئے جائیں۔"

۱۔ یورپ کی سیاسی فلسفیوں کے سیاسی نظریات
۲۔ ہندوستان میں حکومت کی تاریخ
۳۔ جدید رجحانات کے اسباب۔

۴۔ بین الاقوامی قانون کا ارتقاء اور موجودہ کیفیت۔
۵۔ دنیا کی افواج اور سمندری بیڑے۔
۶۔ یورپی قوتوں کے معاہدے اور گٹھ جوڑ اور ان کے اسباب۔
۷۔ مختلف دبستان ہائے معاشیات کے نظریات،
۸۔ مختلف ممالک کی تجارت اور صنعت و حرفت۔
۹۔ مختلف ملکوں کے بجٹ۔
۱۰۔ مختلف زبانوں میں ادب کا نشوونما وارتقاء،
۱۱۔ مختلف ممالک کے فنون۔
۱۲۔ اسلامی مملکتوں کے عروج و زوال کی داستانیں۔
۱۳۔ دنیا کی یونیورسٹیاں۔
۱۴۔ مختلف ممالک میں عورتوں کی حیثیت۔

ہمدرد اخبار کے نکلنے میں جتنی دیر لگی، مولانا کے احباب تقاضہ پر تقاضہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ ایک روز حکیم اجمل خان صاحب کامریڈ کے دفتر میں تشریف لائے اور دریافت کیا کہ ہمدرد کے اجراء میں کیا دیر ہے، مولانا محمد علی صاحب نے کہا ابھی پورے اخبار کے لئے ٹائپ نہیں آیا ہے۔ فرمانے لگے آج کل خبروں کی بہم رسانی کی سخت ضرورت ہے۔ اگر پورا اخبار نہ نکال سکے تو صفحہ دو صفحہ کا ہی نکال دیجئے آمدنی بھی ہوگی اور پبلک خدمت بھی [1]

چنانچہ مولانا محمد علی صاحب نے اس مشورہ پر فوراً عمل کیا۔

---

[1] سیرت محمد علی صفحہ ۲۳۲

ہمدرد ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء کو کوچہ چیلان دہلی سے روزانہ جاری ہوا ایک ورق یعنی دو صفحوں پر مشتمل تھا، ۲۰×۲۶ پر نکلتا تھا۔ ہمدرد پریس میں طبع ہوتا تھا، اس کی چھپائی لیتھو کی نہیں تھی بلکہ اردو ٹائپ میں ہوتی تھی۔

سرورق کے سر درج میں "واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً" تحریر تھا اس کے بعد جامع مسجد دہلی کی تصویر دی گئی تھی جس کے نیچے یہ عبارت لکھی ہوئی تھی "جنگ بلقان کی تازہ خبریں اور ان پر تنقید۔"

حضرت مولانا الطاف حسین صاحب حالی نے ایک رباعی ہمدرد اخبار کے اجراء کے سلسلہ میں کہی تھی، جس کی فرمائش مولانا محمد علی صاحب نے فرمائی تھی وہ رباعی حسب ذیل عبارت کے ساتھ پہلے صفحہ پر درج تھی۔

"مولانا حالی مدظلہ العالی نے باوجود ضعف پیرانی سالی، بیماری اور اتنی نہیں بلکہ سب کو مسترد نہیں فرمایا اور ہم کو اپنے گلستان نظم سے گوشہ چینی کر کے ایک ڈالی تیاری کرنے کی اجازت دی ہے، جو نہ صرف ناظرین کی قدردانی کو بڑھانے بلکہ رب العلمین کے محیط رحمت کو جوش میں لانے کے لئے آج پیش کی جاتی ہے۔

عزت کی تمنا، نہ خطابوں کی طلب
اک قوم کی خدمت کی ہے خواہش یارب
ہمدرد کو اسم اسمیٰ کیجیو ""
اس نام کی لاج ترے ہاتھ ہے اب

یہ اخبار جنگ بلقان کے خاتمہ کے وقت جاری ہوا، بلکہ ایک مہینے

کے بعد وسط مارچ میں ترکی کی صلح بھی ہوگئی تھی، اخبار کے ابتدائی پرچوں میں سوائے جنگ بلقان کی خبروں کے اور ان پر تبصروں کے یا ترکی حکومت کے قرضہ تمسکات کو دینے کے بارے میں اپیل کرنے کے اور کوئی ملکی وغیر ملکی خبریں شائع نہیں ہوتی تھیں۔

یہ اخبار کن واقعات سے مجبور ہوکر اور کن اغراض کے ساتھ مولانا محمد علی نے جاری کیا تھا، اس کا اظہار ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء کے پہلے شمارے کے افتتاحی مقالے میں کیا ہے۔ عنوان ہے "نقیب ہمدرد" "ہمدرد" جاری کرنے کا خیال ایک فی البدیہہ نتیجۂ فکر نہیں کہ وزن اور قافیہ کے قالب میں ڈھل کر ایک ذرا دیر میں احباب کی مجلس میں ہلچل ڈال دے۔ کسی گھبرائے ہوئے دل کا ایک عارضی جذبہ نہیں جسے قوت واہمہ پلک مارتے ہی صورت کا لباس پہنا کر موجود کر دے بلکہ یہ نتیجہ ہے اخباری دنیا میں عرصہ تک رہ نوردی کرنے، سنگ دل، ٹھوکریں کھانے اور بہت نشیب و فراز دیکھنے، بہت غور و خوض کے بعد قوم کی زندگی کا خلوت کدوں سے لے کر بازاروں تک بالاستیعاب مطالعہ کرنے کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ قوم کے لئے ایک ایسا رفیق سفر تیار کریں جو منزل مقصود کا راستہ دور ہی سے نہ دکھائے بلکہ گم گشتگان راہ کے ساتھ برہنہ پا ہو کر۔۔۔۔ ایسا قصہ پیدا کریں جو اصلی داستان کو خود اس کی زبان الف لیلیٰ کی طرح ہر روز سنا کر نا تمام چھوڑ دیا کرے اور جب تک قوم کی فلاکت لور نکبت ختم نہ ہو یہ داستان بھی تمام نہ ہو بلکہ ہر روز اس سے نئی شاخیں پھوٹتی رہیں اور نئے در وا ہوتے رہیں۔

زشرح قصہ من رفتہ خواب از چشم خواصاں را
شب آخر گشتہ داستانہ از افسانہ می خیزد

۱۷ اپریل ۱۹۱۰ء کے کامریڈ میں ہم نے ان ہی امور کو پیش نظر رکھکر ہمدرد کے مقصد اور سلیقے کے متعلق ایک مبسوط بحث کی تھی اور ان ہی خیالات کو دل میں لے کر دہلی کا ... سفر باندھا تھا۔ ہمدرد کے اجزاء ... طباعت کی ترتیب و ترکیب سے واقف کار جماعت فراہم کرنے میں جو تلخ تجربے ہمیں ہو رہے ہیں اگر ان کی تفصیل سے مندمل زخموں کے تازہ ہونے کا خوف نہ ہوتا تو آج ناظرین کے روبرو اس ایک پرت کے دستر خوان پر اسی لرزش مریح کی چٹنی کے سوا کچھ نہ ہوتا، البتہ کل ڈاکٹری مشورہ کے بعد بھرے ہوئے زخم کے ٹانکیں ٹوٹے جاتیں گے۔ اس وقت ہم ناظرین سے صرف اتنا ہی پوچھنے پر اکتفا کرتے ہیں ؎

زخم دل گر نظر نہیں آتا
بو بھی اے چارہ گر نہیں آتی

ہماری شرمساری اور مجبوری کا یہ عالم ہے کہ جلن سے پردہ کی نوبت پہنچائی جاتی ہے۔ تاہم خیریت یہ ہے کہ ہم سرد ہم چشم احباب کے شکووں میں ایک طرح کی تلخی شیرینی ہوتی ہے۔ یہ اگر جاری رہیں تو منہ آتا ہے اگر بند ہو جائیں تو یاد آتے ہیں مگر قوم کے بزرگ اور مخدوم کی شکایت سننے کا زہرہ نہیں ہم اپنے احباب کو طوعاً نہیں تو کرہاً راضی کر ہی لیتے ہیں لیکن جناب قبلہ و کعبہ نواب وقار الملک بہادر مدظلہ کا والا نامہ جو ابھی موصول ہوا ہے ایک ایسی زبردست

تحریک ہے جس نے صبر و شکیبائی کے آخر بند توڑ ڈالے اور ہمدرد کو بنیان اور شلوار ہی پہنے حکومت کدے سے ویسے ہی نکل کر برہنہ پا دوڑنا پڑا۔ لیکن برائے خدا اس ایک ورقہ کو ہمدرد نہ سمجھئے، ہمدرد وہی ہوگا، جس کا تعارف اس مضمون کے شروع میں مجملاً اور ۲۷/ اپریل کے کامریڈ میں مفصلاً کیا جا چکا ہے۔ البتہ یہ ہمدرد کا نقیب ہے یا اس کا حاجب ہے۔

یک ذرہ غ رنج ساقیت بجام افتادہ

ایک یہ وجہ بھی ہے کہ قسطنطنیہ اور میدانِ جنگ سے ہمیشہ دوسرے تیسرے روز تار آتے رہتے ہیں اور ہم نہیں جانتے کہ ان تاروں کو مسلمانانِ ہندوستان کے دلوں کے کھٹکے سے وہ کونسی اشتراکی نسبت ہے کہ ادھر دفتر میں تار پہنچا اور ادھر استفساری تار اور خطوط آنے شروع ہوئے۔ یہ کام اس قدر بڑھ گیا ہے کہ کئی محرر بھی ختم نہیں کرسکتے، دن بھر جوابات تحریر کرنے سے ہزار درجہ بہتر ہے کہ ہمدرد کا نقیب خود روزانہ ہر محدود بزرگ کے دروازہ پر حاضر ہو کر روز میدانِ کارزار کے حالات سنایا کرے۔"

یہ اخبار ۱۹۱۲ء کے آخری مہینوں میں شائع ہو جاتا لیکن اس کو لیتھو کے بجائے ٹائپ میں چھاپنے کا ارادہ تھا، اس لئے اس کے ٹائپ کے آنے میں کافی دیر لگی اور منتظمین کو کافی پریشان ہونا پڑا۔ اور کافی دیر کے بعد ٹائپ وصول ہوا، جس کی داستان مولانا محمد علی صاحب کے قلم سے ۲۴ و ۲۵ فروری ۱۹۱۳ء کے شماروں میں پڑھئے۔ عنوان ہے "آپ بیتی۔"

جو جسم میدانِ شہود سے بجلی یا بُری طرح گھر کر ایک دفعہ تو زیرِ زمین دفن ہو چکا ہے اس کو لحد سے نکالیے۔ ڈاکٹری قاعدہ سے اس کی تشریح کرنی اور احباب کو نشتر کھائی ہوئی رگیں دکھانے میں کچھ لذت نہیں۔ مگر ہم کل کے پرچے میں وعدہ کر چکے ہیں اس نئے رقصِ بسمل کا تماشا نہ سہی، لیکن اپنے خون چکاں کفن کے کورڈن بنا کر، انھیں ضرور دکھائیں گے اور ان ہی سے داد لیں گے"

اجراءِ اخبار کا تہیہ کرنے کے بعد ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ ٹائپ کی فراہمی ایک ایسے کارخانے کے سپرد کریں جو ایشیا بھر میں تو ضرور باعتبار وسعت و کاروبار سب سے بڑا ہو، اہلِ مطابع واقف ہیں کہ جان ڈکسن کمپنی کے کارکن سامان انطباع رسانی میں الٰہ دین چراغ والے موکلوں سے کسی طرح کم نہیں۔ اسی حسنِ ظن کی بنا پر ہم نے اس معاملہ کو ان سے رجوع کیا۔ ٹائپ کی جو اقسام ہم نے دیکھی تھیں ان میں خلیل سرکیس کا نمونہ سب سے زیادہ پسند آیا اور اسی کے منگانے کی جان ڈکسن کمپنی سے فرمائش کی، مارچ ۱۹۱۲ء میں ہم نے خلیل سرکیس سے دریافت کر لیا تھا کہ ہم ان کے یہاں سے ڈھلے ہوئے ٹائپ کی فرمائش بھیجیں تو وہ کتنے دن میں اس کی تعمیل کر سکیں گے، ان کے جواب آنے کے بعد اس اطمینان پر کہ تعمیلِ فرمائش ایک مہینہ میں ہو سکے گی، ہم نے جون میں ٹائپ کی فرمائش بھیجدی اور ہدایت کی کہ پارسل ڈاک کے ذریعہ سے بھیجکر تعمیلِ فرمائش کی اطلاع تار سے دیں۔ خلیل سرکیس نے اس کے جواب میں لکھا ہے کہ فرمائش کی تعمیل وسط اگست سے قبل نہیں ہو سکتی

اس لئے نہیں ہو سکتا کہ جب حسب الطلب محکمہ ہم نے ڈکس کمپنی کو لکھا کہ نایاب۔۔۔ جب بمبئی پہونچے تو وہاں سے دہلی کو بذریعہ پسنجر ٹرین روانہ کیا جائے۔ یہی نامعبر تھوم ریش کہ فیل سر ٹیبی نے ہمیں اطلاع دی کہ نایاب وسط اگست میں روانہ ہو گا۔ اس پر ستم یہ کیا کہ ہماری ہدایت کو نظر انداز کر کے نایاب کو بجائے ڈاک کے جہاز میں روانہ کیا، نایاب ۵ / اکتوبر کو بمبئی پہنچا اور ۱۲ / کو پسنجر ٹرین سے دہلی پہنچا

اس پر بھی ہم نے شکر کیا کہ ہماری پیرلت نی اور ہمدرد کے نادیدہ مشاقوں کے انتظار کی میعاد ختم ہوئی مگر معلوم ہوا کہ ہنوز

پائے ما لنگ است و منزل نا پدید

دست ما کوتاہ و خرما بر نخیل

نایاب دہلی کے اسٹیشن پر پہونچ گیا۔ مگر ریلوے کی رسید کا ہنوز پتہ نہیں، اس پریت نی میں سارا دن ختم ہو گیا پھر اتوار آ پڑا دوسرے دن اسٹیشن پر تفتیش و تفحص کے بعد معلوم ہوا کہ پارسل ہمارے نام نہیں بلکہ بنک کے نام ہے اور بنک ہی پارسل وصول کرنے کا مجاز ہے۔ چنانچہ بنک سے استمداد کی گئی۔ مگر معلوم ہوا کہ بنک بھیجنے کے لئے جو رسید تیار کی گئی تھی، وہ کمپنی کے ایجنٹ نے تلف کر دی تھی اور دوسری رسید تیار کر کے بھیجی تھی لیکن دسہرہ کی تعطیل کے باعث چند روز کے لئے بنک بند ہے اور رسید کا ملنا دشوار ہے ناچار بجز اس کے اختتام تعطیل کا انتظار کیا جائے چارہ کیا تھا۔ ستم پر ستم یہ کہ بنک کھلتا ہے تو پوری قیمت کا

مطالبہ کیا جاتا ہے اور جو نصف رقم پیشگی ادا کر چکے ہیں محرا کی و
محصول کا ذکر تذکرہ نہیں ۔ جان ڈکسن کمپنی کو تار دیا جاتا
ہے اور جب تک ان کی تحریر نہیں آ جاتی، نیک نصف رقم مہیا
نہیں کرنا ۔ مگر کیا داستان غم ختم ہو گئی، ہرگز نہیں ابھی تو
اکتوبر میں ہیں اور فروری تک راہ میں بہت سے مراحل طے کرنا
باقی ہیں ۔ ع

بہ پایاں آمد این دفتر حکایت ہم چناں باقی

۲۴ر فروری

اکتوبر کے ہندوستان آتے ہوئے اور پیٹرزین کے سفر کردہ
پارسل کو جب ۲۲ر اکتوبر کو خدا خدا کر کے کھولا جاتا ہے تو جن حروف
کی اردو میں زیادہ ضرورت رہتی ہے ان میں بعض ندارد ۔ اور بعض
بہت کم اور جن کی بہت کم ضرورت پڑتی ہے ان میں اکثر بہت
زیادہ، حالانکہ فرمائش کے ساتھ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ کی ایک
کاپی اسی غرض سے بھیجی گئی تھی کہ تناسب و تقسیم حروف کا اندازہ
اس سے اچھی طرح کر کے اسی نسبت سے حروف بھیجے جائیں، اس
ٹائپ کے ہم تک پہنچنے سے قبل ہی ہم نے ۱۶ر اکتوبر کو احتیاطاً
ٹائپ کی ایک مقدار کے لئے فرمائش بذریعہ تار بھیجدی تھی مگر اب
معلوم ہوا کہ ہمارے کرمفرماؤں کی فہرست میں محکمۂ تار کا نام
درج ہونا باقی رہ گیا تھا جو اب آ گیا ہے، جان ڈکسن کمپنی کو
جو تار دیا گیا اس کے الفاظ تھے کچھ اور، اور پڑھے گئے کچھ اور
اس کا علم ہوتے ہی ہم نے تصحیح کی ۔ مگر خاصہ بیرنی اس سے پہلے

ہی غلط پیغام خلیل سرکیس تک پہنچ چکا تھا اور جب اس غلطی کی تصحیح کی گئی تو وہ بھی تار کی عنایات سے غلط در غلط ہو گئی، ہاں یہ تو عرض کرنا ہی رہ گیا کہ ستمبر میں خلیل سرکیس نے کچھ باقی حروف کا پارسل بھی روانہ کیا تھا۔ اور احسان جتایا تھا کہ یہ ڈاک کے جہاز سے روانہ کیا جاتا ہے مگر خوبیٔ قسمت نے سمندر کی طغیانیں تھپیڑیں اور پارسل ارضِ ہند کی جگہ سرزمینِ آسٹریلیا میں پہنچا دیا گیا یہ پارسل ٹریسٹ سے واپس آکر جنوری میں ہمیں ملا۔ مگر اس میں وہی حروف نکلے جن کی مقدارِ کثیر یہاں پہلے ہی سے زینتِ طاقِ نسیاں تھی اب دسمبر کی بیسویں تاریخ آ گئی، اس تاریخ پر ہم نے ٹائپ کی موجودات اور مطلوبات کا جائزہ لے کر باقی مقدارِ ٹائپ جس کے بغیر ہمدرد کے آٹھ صفحات نکل ہی نہیں سکتے، ڈگلس کمپنی کی وساطت سے طلب کیا۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۲ء کے خط کا جواب ڈگلس کمپنی نے ۴ جنوری کو دیا جس میں لکھا کہ بڑے دن کی تعطیل کی وجہ سے فرمائش کی طرف توجہ نہ ہو سکی۔ یہ داستانِ غم تھی اب فسانۂ امید سنیے۔ حال ہی میں خلیل سرکیس کی طرف سے جواب آیا ہے کہ ۱۱ مارچ کو ٹائپ بذریعہ جہاز باربرداری روانہ کیا جائے گا، یہ اطلاع ملتے ہی ہم نے بذریعہ تار ان سے استدعا کی کہ اگر اس سے کسی قدر پہلے بعد ڈاک کے جہاز میں ٹائپ بھیج دیں تو بڑی مہربانی ہو گی، کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ ؎

نالہ جز حسنِ طلب اے ستم ایجاد نہیں
ہے تقاضائے جفا شکوۂ بیداد نہیں

ہم ابھی تک اس خوشگوار یا ناخوشگوار یک دگر کے گرداب میں پھنسے ہوتے ہیں ؎

کشوں چہ چارہ کہ در بحر غم بہ گردابی
فتادہ کشتی مہجرم ز باد ہاں فراق

۲۵ر فروری ۱۹۱۳ء

مولانا محمد علی صاحب نے اس زمانہ میں ہمدرد جاری کیا جب زمیندار اخبار کا طوطی بول رہا تھا۔ اس کے باوجود ہمدرد کی پالیسی زمیندار سے مختلف تھی، ہمدرد متین وسنجیدہ اور بردبار و متحمل اخبار تھا صحیح واقعات کی طرف خاص توجہ دیتا تھا۔ اس نے کبھی اس بات کا خیال نہیں کیا کہ کسی خاص طرز اختیار کرنے سے اشاعت بڑھے گی یا گھٹے گی، یہ حقیقت ہے کہ جہاں زمیندار نے ہردل عزیزی اور قبولیت عامہ کا راستہ اختیار کیا وہاں ہمدرد نے اعلیٰ اور بلند پایہ کی صحافت کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ ہمدرد نے بھی زمیندار کی طرح رائٹر اور ایسوسی ایٹڈ پریس کی باقاعدہ سروس حاصل کی۔

مولانا محمد علی نے ہمدرد کے پہلے دور میں اردو صحافت کو جو کچھ دیا وہ اس کی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اردو صحافت کو لیتھو کی چھپائی کے بجائے اردو ٹائپ کو استعمال کرکے ایک عملی قدم اٹھایا، یہ کام سرسید اور مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی کیا تھا۔ لیکن روزانہ اخبار میں ٹائپ کی طباعت رواج دینے کی ابتدا مولانا محمد علی سے ہوئی گرچہ اس مقصد میں ان کو کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور ان کو اردو ٹائپ

ترک کر کے لکھنؤ کا طریق طباعت اختیار کرنا پڑا۔

مولانا محمد علی مردم شناس انسان تھے، ہمدرد کے ادارہ میں آپ نے ایسے اشخاص کو منتخب کیا جو اپنے وقت کے بہت بڑے ادیب اور صحافی ثابت ہوئے۔

میر محفوظ علی، سید جالب دہلوی، سید ہاشمی فرید آبادی، قاضی عبدالغفار، مولوی عبدالحلیم شرر اور فاروقی دیوانہ، ادارہ کے زینت بنے، اس ادارہ میں ہر شخص کی رائے کو اہمیت حاصل تھی لکھنے سے پہلے باہمی مشورہ ہوتا تھا، قاضی عبدالغفار صاحب فرماتے ہیں۔

"میری زندگی وہ یادگار صبح تھی یعنی وہ پہلا دن جب بہ حیثیت استاد شاگرد میرے اور محمد علی کے مستقل تعلقات شروع ہوتے ہیں۔ اس زمانہ کو بھی بھول نہیں سکتا، کیا زمانہ تھا جب ہمدرد کامریڈ کے دفتر میں صبح اور شام تمام ممبران اسٹاف اخبار کے متعلق مشورے میں شریک ہوتے تھے، شوکت علی، محمد علی، سید محفوظ علی، راجہ غلام حسین، میں اور دو چار ہم سب زیر بحث مسائل پر بحث کرتے تھے اور محمد علی صاحب ایک ایک کو اس کے کام کے متعلق ہدایات دیتے تھے۔ ان کے دماغ کی ہمہ گیری کا یہ عالم تھا کہ جب ایک چھوٹا سا نوٹ لکھنے کے لئے بحث کے خاص خاص پہلو بتانا شروع کرتے تھے، جو اگر سب حیطہ تحریر میں لائی جاتی تو ہمدرد کے آٹھ دس کالم پر ہو جاتے ہمدرد کے دفتر کی آب و ہوا بھی کچھ عجیب تھی، وہ صحبتیں اور دل کی امنگوں کی خواہشیں،

اقبال کی نظمیں اور شوکت علی سجائی کا ترنم، غلام حسین مرحوم کے دھیمے مذاق، محفوظ علی بدایونی کی شیریں گفتاری کہ ہر لفظ جو وہاں سے نکلتا تھا گو ہاریک ہر کتنا، فلک سیر سے کم نہ ہوتا تھا۔

دورِ ثانی میں مولانا عارف ہسوی، ڈاکٹر سعید احمد، مولانا عبدالماجد دریابادی، محمد جعفری ایڈیٹر ملت دہلی اور مولانا ظفر الملک ایڈیٹر الناظر لکھنؤ جیسے ادیب کھنچ کھنچ کر ایک ہی حلقہ میں جمع ہو گئے تھے جو مولانا محمد علی کی سحر آفریں شخصیت کا نتیجہ تھا۔

دوسری مرتبہ جب اخبار نکلا تو اس کا پہلا جیسا معیار نہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ مولانا محمد علی صاحب کی غیر معمولی مصروفیات تھیں۔

آپ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کی صدارت کے فرائض انجام دیتے تھے یکسوئی کسی صورت میں نہ تھی، سیاسی زندگی کی وجہ سے پڑھنا لکھنا صرف دور رہ گیا تھا، ملنے جلنے سے فرصت کم تھی لیکن اس کے باوجود مولانا عبدالماجد دریابادی مولوی ظفر الملک علوی اور محمد جعفری وغیرہ نے ہمدرد کے ادارہ میں شرکت کی اور اخبار کے معیار کو قائم رکھنے کی کوشش کی خودداری کو قائم رکھا اخبار کی آن بان و شان میں کسی قسم کا فرق آنے نہیں دیا، اس لئے کسی کی خوشامد کسب زر کی کوشش نہیں کی اور نہ دریوزہ گری پیشہ بنایا۔ اور نہ لوگوں کی مخالفت کی، اپنی سنجیدہ روش پر چلا۔ پبلک کا مذاق بگڑ چکا تھا۔ پگڑی اچھالنا اور بھونڈی مخالفت پسند کی جاتی تھی وہ اخبار ہمدرد میں کہاں ممکن تھی،

اخبار میں قوم کو نصیحتوں کا سلسلہ جاری تھا، تلخ و شیریں اصلاح
بتاتے جاتے تھے جو عوام کی پسندیدہ چیزیں نہ تھیں اس لئے
پہلے جیسی بات پیدا نہ ہو سکی۔

مولانا محمد علی صاحب طامع اور لالچی نہیں تھے انہوں نے
اپنے اصول کے خلاف کوئی کام نہیں کیا، مولانا کی صحت کافی خراب
ہو گئی تھی۔ ہمدرد جبا لور سے آپ کے اچھے تعلقات تھے، اس
نے ایک معقول رقم دے کر علاج کرنے کے لئے انگلستان روانہ کیا
ہمدرد کی مالی حالت اس وقت کافی سے زیادہ خراب تھی، مولانا
اس کو بند کرنا چاہتے تھے لیکن ان کے مخلص دوستوں نے بند کرنے
نہیں دیا۔ مولانا عبدالماجد صاحب نے ادارت کی نگرانی کا بار خود
اٹھایا، مولانا عزالملک علوی نے انتظامی نکاتوں کو دور کرنے
کی ذمہ داری لی، محمد جعفری صاحب سب ایڈیٹر تھے، ایڈیٹر کے
فرائض انجام دینے لگے، مولانا کی ولایت سے واپسی پر بھی ان ہی
لوگوں کے ہاتھوں میں اخبار کا انتظام رہا۔ کافی عرصہ سے
رنگون کے لوگ مولانا محمد علی کو بلا رہے تھے اس لئے آپ رنگون
چلے گئے۔

اسی زمانہ میں تحریک کی گئی کہ الور کی جوبلی کے موقع پر ہمدرد
کا ایک اسپیشل نمبر نکالے اور اس کے مصارف کا بار ریاست
کے ذمہ ڈالا جائے، مولانا محمد علی صاحب سے جب رنگون
سے اس کے بارے میں رائے لی گئی تو آپ نے ریاست الور کی
مالی امداد قبول کرنے کے تعلقات کے باوجود صاف انکار کر دیا

کہ ہمدرد کا اس قسم کا اسپیشل نمبر آج تک نہیں نکلا، اس لئے معذور ہوں، ہاں ہمدرد پریس میں اگر ضرورت ہو تو ایک پمفلٹ چھپ سکتا ہے۔

اس اخبار کی پالیسی اور طرز نگارش اور اخباروں سے بالکل مختلف تھی۔ اس میں نہ سنسنی خیز سرخیاں دی جاتی تھیں اور نہ ایسی خبریں شائع ہوتی تھیں جو لوگوں کے جذبات کے لئے ہیجان انگیز ہوتیں۔ مولانا کا حکم قطعی حکم تھا کہ صرف معلومات زیادہ سے زیادہ شستہ اور شریفانہ انداز میں ناظرین تک پہنچائی جائے۔ اڈیٹوریل اسٹاف اس حکم کی تعمیل کرتا تھا۔ اخبار کا مدار کسی یا تجارت کے لئے نہیں نکالا گیا تھا بلکہ تبلیغ و تلقین اس کا مقصد تھا۔ پنجاب کے مشہور اخبار زمیندار اور انقلاب کے مالک اپنے نام کے ساتھ "ظفر الملت والدین" اور "سالک الملت والدین" اپنے اخباروں میں تحریر کرتے تھے، ہمدرد نے کبھی اس دور ان وقائع میں ایک مرتبہ بھی محمد الملت والدین اپنے اخباروں میں تحریر نہیں کیا۔ ہمدرد نے کبھی مولانا محمد علی کے نام کے ساتھ "حضرت" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ مولانا کو رئیس الاحرار کا خطاب عام ہو چکا تھا۔ اور اخبارات اس خطاب کو لکھ رہے تھے لیکن اخبار ہمدرد میں اس خطاب کو استعمال نہیں کیا گیا۔ اسٹاف کو تاکید کر دی گئی تھی کہ کوئی تعظیمی الفاظ و القاب اُن کی ذات کے لئے ہرگز استعمال نہ ہوں، صرف زیادہ سے زیادہ لفظ "مولانا" کی اجازت تھی۔ ہمدرد کوئی خشک اور واعظانہ رنگ کا اخبار نہ تھا۔ اس میں ادبیت کی چاشنی کافی حد تک تھی افسانے اس

میں چھپتے تھے، ادبی تبصرے برابر نکلتے تھے، مذہبی نوعیاں اس کے مقالۂ افتتاحیہ میں جھلکتی تھیں ظریفانہ کالم بھی تھے، حاجی بغلول صاحب اس کے "تجاہلِ عامیانہ" کے کالموں کو وقتاً فوقتاً مشرف کرتے رہے، شعر وسخن کے چرچے بھی اس کے صفحات میں اکثر جاری رہے، البتہ بازاریت، ابتذال اور سٹہ بازی اس میں اختیار نہیں کی گئی۔ اور نہ اس میں شراب، فحش کتابوں، فحش دواؤں، سنیما اور تھیٹر کے اشتہارات کسی اجرت پر بھی چھاپے جاتے تھے

مولانا محمد علی اور ہمدرد کو آخر کے چار ساڑھے چار سال کی زندگی میں اندرونی جھگڑوں میں کئی بار پوری قوت کے ساتھ حصہ لینا پڑا، ان میں تین جنگیں خاص طور پر ہوا [illegible] تلخ ہیں، پہلی جنگ تحریکِ سعودی جھگڑے کے سلسلہ میں خدام ا[illegible]ین کی عملی اور سارے مشائخ وصوفیا کے مقابلہ میں رہی، دوسری جنگ اسی سلسلہ میں اسی کے برعکس مولانا ثناء اللہ، مولانا ظفر علی خاں اور ساری جماعت اہلِ حدیث کے خلاف، تیسری جنگ کا رخ خواجہ حسن نظامی کے خلاف رہا، چوتھی جنگ ہمدرد کے بند ہونے کے بعد جمعیۃ العلماء اور نیشنلسٹ مسلمانوں سے ہوئی۔

ترکوں کا دشمن گرچہ بہت طاقتور تھا اور اس کو ہر طرح کی امداد غیر ملکوں سے مل رہی تھی مگر [illegible] ترک جبکہ کسی طاقت و قوت سے مرعوب نہیں ہوتے [illegible] جذبہ عملی کی طاقت نے اپنی سی چوگنی طاقت سے مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے۔ اس جنگ کی بھی یہی حالت تھی، ترکوں نے دشمن کی بڑی طاقت سے ٹکر لی اور کامیابی و کامرانی حاصل کی، چنانچہ

میدانِ جنگ کی خبریں ہمدرد اخبار میں چھپ رہی تھیں۔ ۲۰ مارچ ۱۹۱۳ء
کا اخبار لکھتا ہے۔

[illegible] ترکی سپاہیوں نے ملک روم کو اس قدر بے حوصلہ کر رکھا ہے
کہ جب ان میں تنہا مقابلہ [illegible] ہمت نہیں رہی تو عثمانی ارسلان
پر جب دھاوا [illegible] کی امداد کے لئے [illegible] بھیجی گئی
تو جب [illegible] شخصیں [illegible] مقرر تھا اور [illegible]
کی [illegible] گیا [illegible] فتنہ
[illegible] الفضا [illegible]
کتنے چھوٹے چھوٹے [illegible] کی تمام قلعوں
[illegible] کا جوش [illegible]
ان کی [illegible] کبھی [illegible] از نہیں ڈال
سکتی۔ [illegible] اخبار میں تاریخ
متعدد مرتبہ دیکھ چکی تھی۔ [illegible] تھا سے مگر مغلوب
ہو جانا پڑا۔ [illegible] کی کوشش بیکار نہیں
کامیابیوں نے اس کو سر [illegible] کے ساتھ بڑے بڑے
افسر گرفتار ہو گئے [illegible] سپاہی بھی بڑی [illegible]
عام سپاہیوں کی گرفتاری کا کوئی شمار نہ تھا۔ یانینہ کے استحکامات
میں یہ تاکید کا مستقر تھا۔ ترکوں نے اس پر بھی حملہ کیا اور چار گھنٹوں
کی گولہ باری میں ۲۳ جنوری ۱۹۱۳ء [illegible] ۱۹۱۳ء سے [illegible]
یانینہ خالی ہو گیا اور [illegible] ثابت کرنے کے لئے [illegible]
نے اس کو اپنا لشکرگاہ بنا لیا۔ [illegible] کو ناظم پاشا

مرحوم کی غفلت نے بہت ہی خفیف مقابلہ کے بعد بلقانی فتوحات کی
توثیق کر دیا تھا لیکن یہ خوارگی یوسف بن تاشفین کی اس خوارگی
سے زیادہ دیرپا نہ رہی جس میں ابن تاشفین کے مفتی ردوں نے طلیطلہ
پیرانز ٹولش (الفانسو) کا قبضہ کرا دیا تھا۔ مگر اس کی صدائے تکبیر کی
ہیبت ہی سے غاصبوں کے جی چھوٹ گئے اور قبضہ کی "منافع بخشہ"
برقراری" سلامت رکھنا ... گو ترجیح دینی پڑی مانتے ہیں کہ موکر سفا
تو ٹمن ہی کھنڈر کا، مگر اس کے زخم شاید کبھی بھی مندمل نہ ہو سکیں گے
ترکوں کی مسلسل شکستوں قدموں پر پسپائیوں نے ان کو جوش آگیا، متحدہ قومیں"
مانتے ہیں حملہ آور ہوئیں اور اس شان و داعیہ سے حملہ آور ہوئیں کہ
اب ترکوں کو یورپ کی زمین میں جگہ ہی نہ ملے گی، یورپ زمین کچھ گئی گزری
ہو تو ہو مگر شاہ شجاع قرہ ترولا ہے بے شیرازی کی تاریخی تقسیم نے یہ
صورت بھی اپنے مجاہد محمود کے لئے مخصوص کر رکھی تھی، یا توس کی بلند
منگیا نا تکبیر کی صدائیں دست دگر بیاباں ہو گئیں مگر یہ تصادم
جوڑتی ہی دیر تک قائم رہا اور آہنگ فرہنگ "فیصل غازی" کے
نغمے میں کچھ ایسا گم ہو گیا کہ یا تو متحدہ قومیں کھلے میدان میں دست
دگر بیاں نہیں ... صاف ہو گیا اور قلعہ میں نشاط آتش "بدیہ"
کی راتیں میں کچھ ایسی ہی دقت کی تھی، فرق اتنا تھا کہ وہاں صرف
ملعاروں کو ... کرنے پر اکتفا کی گئی تھی اور یہاں متحدہ قطعی
... ان سے خالی کر لئے۔"

اس قسم کی خبریں ۱۷ مارچ ۱۹۱۳ء کے اخبار میں درج تھیں
اور ... میں اس نوں کے سلطنت کے کارنامے بیان کئے ہیں

طرابلس کی معرکہ آرائیوں میں موثر کوئی فرق نہیں آیا۔ یہاں عرب بدستور مرنے مارنے پر آمادہ ہیں۔ تیغ و تفنگ کے مقابلہ میں اطالیوں کو کامیابی کی صورت نظر نہ آئی تو تالیف قلوب سے اس معرکہ کو سر کرنا چاہا، سقاطہ سے منہ موڑ لیا اور ملاطفت کی کارروائی شروع کر دی،

"عین مدینہ" پر مجاہدین کا قبضہ تھا۔ سپاہ اطالیہ اس کی واپسی لینے کے لئے بیتاب تھی، مگر بے بسی کچھ کرنے نہ دیتی تھی۔ جنگ کے انتظار عین عربوں کو دن دو بھر ہونے لگا۔ اکتائی ہوئی طبیعتوں نے خود ہی حملہ کی ٹھہرائی اور رات کی تاریکی میں اندھیر مچانے کو مچل کھڑے ہوئے اطالیوں کے استحکامات میں "زلزلہ غرابہ" کی ستھکی ضرب المثل تھی بلند ہمتوں نے اسی کی تاک لگائی۔ ابھی آفتاب کی کرنیں اچھی طرح پھوٹی بھی نہ تھیں کہ زمین خون سے رنگین نظر آنے لگی۔ یہ سماں پندرہ منٹ سے زیادہ نہ رہ سکا اور اتنے ہی سے وقفہ میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا، اطالیہ کا جھنڈا یا تو قلعہ پر لہرا رہا تھا یا عربوں کے ہاتھ میں نظر آیا، جسے وہ اپنے سروں پر اڑاتے ہوئے واپس چلے گئے اور سپاہ اطالیہ دیکھتی رہ گئی۔"

مولانا محمد علی مرحوم نے بھی ۳ مارچ ۱۹۱۳ء کے اخبار میں ترکی فتوحات کا اس انداز میں ذکر کیا ہے۔

"جنگ کے واقعات کچھ عجیب سے ہو رہے ہیں، رپوٹر ایجنسی کی سرگرمیاں تو برفباری نے ٹھنڈی کر دیں مگر مشترکہ عثمانیہ، مشترکہ سوریہ کا بیان ہے کہ سلسلۂ جنگ اب بھی جاری ہے اور ہر سمت سے جاری ہے چتالجہ کے بالمقابل لائنیں ملغاریوں سے خالی ہو گئیں

اطراف بو کے علاوہ ترکوں نے دوبارہ چھین لئے، جنوبی ادرنہ (ایڈریانوپل) کے حصوں پر ہلال کا جھنڈا لہرانے لگا ہے (جبل تکفور) کا پورا ضلع بلغاریوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ ترکی فوجیں ہر ایک جانب سے آگے بڑھ رہی ہیں بلغاری پسپا ہوتے جاتے ہیں ،، چار کوئی ،، پر بڑی معرکہ کا رن پڑا جس میں غنیم کو شکست اور نقصان اٹھا کر گریز پائی کی مشق تازہ کرنی پڑی۔ عثمانی جنگی بیڑہ سلوری کا ریگولی بمبار رہا ہے۔ بلغاری فوجیں مقابلہ سے ہٹ کر خاص خاص استحکامات میں پناہ گزیں ہیں، ،، ادرنہ میں غازی شکری پاشا کی بہادرانہ مدافعت سے بلغاریوں کا جی چھوٹ گیا اور اب خود صوفیہ کا نیم سرکاری اخبار جس کا اقتباس ۲۵ فروری ۱۹۱۳ء کے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شائع ہوا ہے صاف لفظوں میں اعلان کر رہا ہے کہ ادرنہ کے سوال کو اب زیادہ اہمیت نہیں دی جا سکتی گورنمنٹ کے لئے اس کا قبضہ نہ کچھ ایسا مفید ہے اور نہ سہل الحصول اب دوسرے مقامات کی تسخیر کے لئے کوشش کرنی چاہیئے ،،

گورنمنٹ بلغاریہ جنگ کی ناکامی کی تلافی اب جاسوسی کے ذریعہ کرنا چاہتی ہے، بیشتر جنگی مرکزوں میں اس کے جاسوس چھپے ہوئے ہیں جن میں اکثر گرفتار ہو گئے ہیں، خاص قسطنطنیہ میں کئی جاسوس قید ہو چکے ہیں، سراسیمگی کا یہ عالم ہے کہ مجلس ہلال احمر تک کو اجازت نہیں کہ مجروحان بلغار کی تیمارداری میں مصروف ہو سکے جرمنی کی انجمن ہلال احمر کو آخر واپس آنا پڑا، قیصر ولیم نے سفارش کی مگر پیش نہ گئی، ہر وقت یہی اندیشہ محیط ہے کہ ان تیمارداروں کے ذریعہ سے

نہ بھی کمزوریاں عالم آشکارا نہ ہو جائیں ۔

ناعاقبت اندیش اور غفلت شعار و غیر ذمہ دار لوگوں کے ہاتھوں میں اس وقت ترکی حکومت کی باگ ڈور تھی کچھ غدار عنصر بھی ان میں داخل تھا جس وقت ترکی نوج کی پوزیشن ہر محاذ پر مضبوط تھی اور ہر معرکہ میں دشمن کو نقصانات اٹھانا پڑ رہا تھا اور کافی مقامات دشمن سے خالی کرائے گئے تھے لیکن اس کے باوجود ترکی کے ناخداؤں نے دشمن سے صلح کی گفتگو کا سلسلہ جاری کر دیا تھا اور غیر مقبوضہ و غیر مفتوحہ علاقے بھی دینے کے لئے تیار ہو گئے تھے ، جب اس قسم کی خبریں ہندوستان میں پہنچیں تو یہاں کا مسلمان تڑپ اٹھا اور ہندوستان کی جماعتوں اور ذمہ دار لوگوں نے ترکی کے سلطان کو لا تعداد تار بھیجے تاروں کا تانتا بندھ گیا ۔ مضمون یہ تھا کہ صلح کر کے خدا ، رسول اور اسلام کی عزت ہاتھ سے نہ دیجئے ۔

ہندوستانی اخبارات نے بھی احتجاجی مقالے لکھے ، جیسا کہ مدینہ مورخہ ۱۹ مارچ ۱۹۱۳ء نے اس صلح کی بات چیت پر یہ تبصرہ کیا تھا ۔

" عرصہ ہوا کہ صلح کا طلسم ٹوٹ گیا ، مگر افسوس کہ ابھی تک باقی ہیں کہ لندن سے رپورٹر کے تار اس قسم کی خبریں دے رہے ہیں جن سے ترشح ہوتا ہے کہ ترکی سلاح خانہ میں قفل ڈال کر پھر اسی صلح خانہ کی طرف بڑھ رہا ہے ، کبھی تو بنق پاشا اور حقی پاشا کے لندن گر رے فارن آفس لندن میں جانے سے یہ نتیجہ نکالا جاتا ہے کہ یہ پیغام

میں لے گئے ہیں، کبھی کہا جاتا ہے کہ خبر ارتداد کے متعلق باب عالی کی بلا کیا کا انتظار ہے، میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ یہ سب افواہیں ہیں، محمود ترک پاشا اور انور بے سے ہم کو ہرگز توقع نہیں کہ آل عثمان اور آل غلامان کی آبرو کو ایسا سستا سمجھ لیں گے۔"

جب ترکی حکومت کو شکست ہوگئی اور مسلمان جنگ میں ناکام ہو گئے تو مولانا محمد علی صاحب نے ترکی فوج کی بہادری اور اولوالعزمی کی تعریف کرنے کے بعد شکست کی ایک وجہ گفتگوئے صلح کو قرار دیا تھا، چنانچہ آپ ۳۰ مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے میں لکھتے ہیں:

"آخر کار وہی ہوا جس کا عرصہ سے ایک طرف خوف اور دوسری طرف انتظار تھا، ایڈریانوپل کا قدیم اور تاریخی شہر جو بہ چند وجوہ صلح و جنگ کی بساط پر ایک نہایت اہم مہرہ بن گیا تھا، جو پانچ مہینے تک بلغاریوں اور سرویوں کی متفقہ افواج کا محاصرہ کی ضرباتِ پیہم اپنے سینے پر مردانہ وار لیتا رہا، جس پر قبضہ پانے کی خاطر بلغاریہ نے اپنا خون پانی کی طرح بہا دیا۔ جس پر قبضہ رکھنے کے لئے ترکوں نے جان و مال کی قربانی سے مطلق دریغ نہ کیا اور وہ شجاعانہ مقابلہ کیا جو حربی تاریخ میں اپنی نظیر آپ ہی رہے گا ایڈریانوپل آخر کار ۲۶ مارچ کو فتح ہو گیا اور اس کی فتح سے یورپ میں ترکی سلطنت کا گویا خاتمہ ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ایڈریانوپل ہاتھ سے نکل جانے کے بعد ترکی کو حربی و سیاسی اعتبار سے جو کچھ صدمہ پہنچا ہے اس کی وضاحت خواہ کتنے ہی زور دار الفاظ میں کی جائے بالکل خالی از مبالغہ ہوگی، جب

وقت تک ایڈریانوپل عثمانی قبضہ میں رہا، شہر لیس میں ترکوں کی فوجی حالت گرچہ بہت نا گفتہ بہ تھی لیکن مایوسی زا تعلق نہیں تھی یہی وجہ تھی کہ "ثالث بخیر دول" جو ترکی دار السلطنت کو استنبول سے یورپ کی دار الصلح کی علامت بنا چاہتی تھی بلغاریہ سے زیادہ اس امر کے متمنی و متشوق تھیں کہ جس قدر جلد ہو سکے ترکوں کا ایڈریانوپل سے اخراج ہو اور اس طرح "بزم مسیحیت" اغیار سے خالی ہو جائے ہم مانتے ہیں کہ ترکی کو شکست دی گئی مگر ہم جانتے ہیں کہ ترکی نے شکست کھانے سے پہلے کس قدر مردانہ وار جان توڑ مقابلہ کیا اور کس طرح حریفوں کے دانت کھٹے کر سکے اور لڑائی جاری رکھنے میں کس قدر بیش بہا قربانیاں کر کے اپنی غیرت کا ثبوت دیا۔ ہم جانتے ہیں کہ یورپ میں ترکی حکمرانی کو ناکامیاب کرنے کی کوشش میں کامیابی ہوگئی مگر جانتے ہیں کہ ترکی پر جو مصائب کا جو سلسلہ لاتناہی جاری ہے اس میں وہ خود کہاں تک ذمہ دار ہے اور یورپ ہمسایہ کس حد تک خطا وار، اس کی اصلاح کی راہ میں رکاوٹیں ڈالی گئیں۔ دوستانہ صلاح کے پردہ میں مخالفانہ دھمکیاں دی گئیں، طرابلس کی لڑائی ختم نہ ہونے پائی تھی کہ جنگ بلقان شروع ہوگئی، ایسی حالت میں جو کچھ ترکی سے ہو سکا اس نے کیا اور جو کچھ کیا مردانہ وار کیا، رہی شکست سو ہر باغیرت انسان کی نظر میں بہادری کی شکست بزدلی و مکاری کی فتح سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ اس میں شک نہیں جو کچھ ہوا اس کی بڑی ذمہ داری ان وزرائے سابق پر پڑے گی جنہوں نے اعلان جنگ بہ مشورا شوری اور بہ اتفاق رائے

صلح میں جس قدر بے دلی دکھائی اس وقت کامل پاشا کی وزارت کا خاتمہ ہوا، اس وقت محمود ان کی پارٹی کے جرائد ان کو الزام دے رہے تھے کہ نامردی کی صلح بلا وجہ قبول کی جا رہی ہے۔

ترکی حکومت نے اس جنگ میں مالی امداد لینے کے لئے قرضہ حسنہ کا اعلان کیا تھا جس کی اشاعت ہمدرد اخبار نے بھی کی بعد اس میں حصہ لینے کے لئے کئی آرٹیکل بھی لکھے، یہ قرضہ حسنہ کس صورت میں لیا جاتا تھا اور اس کی ادائیگی کس شکل میں کی جاتی تھی اور کس طریقے سے منافع ادا کیا جاتا تھا اس کی تفصیل ۲ جنوری ۱۹۱۳ کے ہمدرد روزنامہ میں شائع ہوئی ہے۔

۱۔ دولت ترکی کی طرف سے سلطنت عثمانیہ حسب ارادہ حضرت سلطان المعظم خلد اللہ ملکہ بذریعہ تمسکات خزانہ پچاس لاکھ پونڈ (ساڑھے سات کروڑ روپیہ) قرض لے رہی ہے۔

۲۔ ان تمسکات کی کفالت سلطنت نے خاص محصول اراضی سے کی ہے۔

۳۔ ان تمسکات کے خریدنے والوں کو پانچ فی صدی کے حساب سے سالانہ منافع دیا جاتا رہے گا، جو ۳۰ اکتوبر سے محسوب ہوگا۔

۴۔ تمام تمسکات کا روپیہ خزانہ عثمانیہ سے یا ممالک غیر کے ان بنکوں کی معرفت جن کے نام اخبارات میں شائع کئے جائیں گے پانچ برس میں ادا کر دیا جائے گا اور رقم واجب الادا میں سے محصول سرکاری کی منہائی نہ کی جائے گی، ہر سال دس لاکھ پونڈ (ڈیڑھ کروڑ روپیہ) کے تمسکوں کا روپیہ ادا کر دیا جائے گا، اور

اسی قسم کی پہلی قسط ۳۰ر نومبر ۱۹۱۳ء کو ادا کی جائے گی۔

۵۔ تمسک تین قسم کے ہوں گے یعنی پونڈ (ساڑھے سات روپے) ایک پونڈ (پندرہ روپیہ) اور پونڈ (تیس روپیہ)

۶۔ ہر ایک تمسک کے ساتھ دس چٹھیاں منسلک ہوں گی جن میں سے پانچ اصل رقم کی ادائیگی کے لئے اور پانچ منافع کی ادائیگی کے لئے ہوں گی، منافع کی ادائیگی کی چٹھیاں مملکت عثمانی میں سرکاری محصول کی ادائیگی میں زر نقد کی طرح قبول کی جائے گی۔

۷۔ سلطنت عثمانیہ اس حق کو محفوظ رکھتی ہے کہ پانچ سال کی میعاد منقضی ہونے سے قبل تمسکوں کی اصل رقم اور اس وقت تک کے واجب الادا منافع کو بیباق کر کے تمسک واپس لے لے۔

۸۔ اصل تمسک قسطنطنیہ سے آئیں گے۔

۹۔ ان تمسکات پر خریداروں کے نام درج نہ ہوں گے تاکہ بلا کسی اندراج سرکاری کے ان تمسکات کو خریدار ہر کسی کو فروخت کرنے کے مجاز ہوں اور تمسکات کسی کے منتقل نہیں ہوں۔ وہ ادائیگی کے وقت اصل رقم اور سال کے سال زر منافع بلا دقت وصول کر سکیں۔

۱۰۔ (الف) اس وقت تک حسب ذیل بنکوں نے خریداروں کے لئے یہ تمسک منگانا اس شرط پر قبول کیا ہے کہ بنکوں کو دو آنہ فیصدی کمیشن دیا جائے اور ہر معاملہ میں کمیشن کی رقم کم سے کم دو آنے دینا ہوگی۔

(ب) بنک آف بنگال اور بنک آف بمبئی کی دو آنہ فیصدی کمیشن

پہ ٹکٹ لگائیں گے، مگر ہر معاملہ میں کمیشن کی رقم کم سے کم ایک روپیہ ہوگی۔

۶۔ مذکورہ بالا بنکوں کی تمام شاخیں بھی مہدد بنک کی شرح کمیشن پر ٹکٹ لگائیں گی۔

۷۔ اور بنکوں سے بھی خط و کتابت کی جا رہی ہے مگر ہر خریدار کو مناسب ہے کہ جس سے چاہے خود اپنے طور پر شرح کمیشن طے کر لے اور یہی بہتر بھی ہوگا۔

جو خریدار چاہتے ہیں ان کا روپیہ فوراً قسطنطنیہ روانہ کر دیا جائے گا

بنکوں کو ہدایت کر دی گئی ہے کہ اس کا روپیہ فوراً قسطنطنیہ روانہ کر دیا جائے، اس کے عوض بنک اپنی رسیدیں انھیں دے دے گا تاکہ جب ٹکٹ قسطنطنیہ سے آ جائیں تو اپنی رسیدیں واپس کر کے ٹکٹ انھیں دیدے جائیں۔

مفتاح الاسرار جالندھر سے یہ طبی رسالہ اپریل ۱۹۱۲ء کو جاری ہوا۔ اور زیر مگزین کی فہرست کی یہی صحیح تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم محمد بخش ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ آریہ سلطین پریس میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

در طب است مفتاح کر کشائش نا امیداں را
بحمد اللہ از فضل حق سر بستہ کلید ایں جا

یہ رسالہ کیمیا سے قدیم و جدید کا منزلہ طب یونانی و ڈاکٹری اور صنعت و حرفت کا معاون تھا اس میں ہر قسم کی طبی اور دیگر معلومات دی جاتی تھی۔

توحید | میرٹھ سے ۱۵ اپریل ۱۹۱۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا جس کے آنریری چیف ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی اور ایڈیٹر ضیاء احسان تھے، آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

ادیب الہ آباد کے شمارے مئی ۱۹۱۳ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔

"توحید نامی ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو میرٹھ سے شائع ہونے لگا ہے، آنریری چیف ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی دہلوی ہیں اب تک اس کے چھ نمبر شائع ہو چکے ہیں، بڑی تقطیع کے چار اوراق کا نو اخبار ہے لیکن چار دانگ عالم کی قدر کتنی کرتا ہے اور کیوں نہ ہو جیسا نام ویسا کام، کیا تنگ تعریف کی جائے مختصر یہ ہے کہ اپنے رنگ میں لاثانی ہے"

توحید نے پانچ مہینے کی زندگی پائی اور بند ہو گیا لیکن اس کے مضامین مفید اور کار آمد تھے ان کو کتابی شکل میں انتخاب توحید کے نام سے چھاپا گیا اور اس کتاب کا اخبارات و رسالوں میں یہ اشتہار شائع ہوا

"اخبار توحید نے پانچ مہینے زندہ رہ کر دنیا سے منہ موڑ لیا۔ مگر اسلامی اور ہندوستانی کارگزاریوں کا ایک دفتر چھوڑ گیا، اس اخبار میں جس قدر عمدگی کے مضامین چھپے تھے دو سو صفحوں کی خوبصورت کتاب میں جمع کر دئے گئے ہیں، اتنی دنیا کی کوئی بات نہیں ہے جو اس نشیلی اردو کتاب میں درج نہ ہو حضرت مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کی باتیں سننا ہوں تو کتاب انتخاب توحید خرید کیجئے۔ خواجہ صاحب ہی پر کیا موقوف ہے اور بڑے بڑے مشہور انشاء پردازوں کی نگارشات توحید کے

غ کو سچا کرنے سے ، اس کتاب میں موجود ہیں۔"

حضرت خواجہ حسن نظامی اور جناب احسان کے مولانا ابوالکلام آزاد سے قریبی تعلقات تھے اسی بناء پر اخبار توحید کے اشتہارات الہلال میں چھپتے تھے اشتہارات انتہائی دلچسپ ہیں اس لئے ایک اشتہار ۹ / مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے میں بعد ازیں ۲ اپریل ۱۹۱۳ء کے شمارے سے نقل کئے جاتے ہیں۔"

" اشتہار کی سرخیاں ہیں ۔ مشائخ میں پولیٹیکل تحریک ، خانقاہ نشینوں کی جنبش، عبارت یہ تھی ۔"

" زمانہ وہ ہے کہ مشائخ صوفیہ اپنے خلوت کدوں سے باہر آئیں ، اور پالیٹکس و سیاست میں ہاتھ ڈالیں، مگر کونسی سیاست؟ سوڈا واٹر کی، وہ ڈنر خوری کی نہیں اپنے بزرگوں اور جبہ و عمامہ کی آبروریزی کی نہیں ، صرف حفاظت روحانیت کی سیاست ، نئی روشنی والوں کو خدا کا راستہ ان کی عقل اور سمجھ کے موافق بتانے کی سیاست لہذا توحید کے نام سے ایک اخبار نکالنے کی تجویز ہوئی ہے جو میرٹھ سے ہفتہ وار باتصویر ۵ / اپریل ۱۹۱۳ء سے جاری ہوگا یہ اخبار مشائخ کو کام کرنے کے طریقے بتائے گا یہ حلقہ نظام المشائخ کا سرپرست آرگن ہوگا ۔ جو حلقہ کے اغراض و مقاصد کو عمل میں لانے کی کوشش کرے گا ، یہ خانقاہ نشینوں میں جنبش پیدا کرے گا اس کے نگراں اور سرپرست مولانا خواجہ نظامی دہلوی ہوں گے قیمت سالانہ تین روپے ، نمونہ ایک آنے کے ٹکٹ آنے پر دیا جائیگا مفت نہیں ، (الہلال کا حوالہ ضروری ہے)

اخبار توحید شائع ہو گیا تو ۲۴ مارچ ۱۹۲۵ء کے شمارے میں یہ تبصرہ چھپا ہے۔

"خواجہ صاحب کے مضامین نہایت کثرت سے مختلف اخبارات و رسائل میں نکلتے رہتے ہیں۔ اس سے مزید تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔ [illegible] میرٹھ سے شائع ہوا ہے اور توحید جس کا نام ہے جو اخبار [illegible] تھا۔ ڈیمائی سائز کے [illegible] صفحات [illegible] اور [illegible] اتنی بڑی ہے جو صنعت دار اخبار [illegible] قیمت یقینا [illegible] سے میرٹھ [illegible] سے آج کل کوئی اخبار نہیں نکلتا۔ یہ بہت ضروری ہے [illegible] لیکن مدار اردو کے اخبار جلد جلد [illegible] امید ہے کہ [illegible] ترقی [illegible] کے وسائل بہم حاصل ہو جائیں گے۔"

خواجہ حسن نظامی صاحب اخبار توحید کے بند ہونے کی وجہ اپنی آپ بیتی میں لکھتے ہیں۔

"اخبار توحید میرٹھ سے نکلا اور پانچ مہینے کی زندگی میں جو مقبولیت اس نے حاصل کی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے، بلحاظ رائے زنی، جدت مضامین اور انشا پردازی کے اس کا ثانی ہندوستان میں کوئی اخبار نہ تھا، مگر افسوس کہ تکبیر والی نظم چھاپنے کے جرم میں مسٹر لفٹننٹ گورنر ممالک متحدہ کی گورنمنٹ نے اس کو جبراً بند کر دیا۔"

سجّیا احسان الحق

خان بہادر الٰہی بخش صاحب اور ان کے بھائی خان بہادر عبدالکریم سے آئی ای سے ہندوستان کے اکثر لوگ واقف تھے اُن کا تعلق میرٹھ کے مشہور خاندان سے تھا۔ اس خاندان کے بارے میں مشہور ہے کہ جامع مسجد واگزار کرانے اور فوجی قبضہ سے آزاد کرانے میں لاکھوں روپے خرچ کئے لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے۔ البتہ اس خاندان نے غربا پروری میں بڑا نام پیدا کیا۔ انگریزی حکمران طبقہ جہاں ان کی عزت کرتا تھا وہاں عوام بھی ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

سجیا احسان اسی خاندان کے فرد تھے۔ حافظ عبدالکریم صاحب کے حقیقی نواسے، خان بہادر وحیدالدین کے بھانجے، اور دلہا د تھے ان کے والد شیخ سبحان بخش تھے جو دہلی میں رہنے لگے تھے دہلی میونسپل کمیٹی کے ممبر اور آنریری مجسٹریٹ تھے۔

سجیا نے مشرقی و مذہبی علوم و فنون امرا اور رئیسوں کی اولاد کی طرح مقتدر علماء سے گھر پر تحصیل کئے اور درس نظامی کی تکمیل کی مغربی تعلیم کے لئے مدرسہ و کالج میں بھیجے گئے بی اے کا امتحان دے نہیں سکے سال ایف اے تک تعلیم پائی۔ انگریزی کا میں ان کی قابلیت بڑے سے بڑے گریجویٹ سے بدرجہا اچھی تھی ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا لہ کتب خانہ بھی شاندار تھا۔ جس میں اردو فارسی عربی

لہ مرے زمانہ کی دلی ص ۳۷۲

اور انگریزی کی ہزار ہا نایاب کتابیں تھیں مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب سے گہرے مراسم اور تعلقات تھے جوانی سے ہی خواجہ صاحب کی صحبت میں رہنے لگے تھے ان سے بیعت تو نہ تھے البتہ عقیدتمندی میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی۔

خواجہ صاحب سے انشاء پردازی میں ملکہ حاصل کیا نظام المشائخ کے خریداروں میں سب سے پہلا نام ان کا تھا ان میں انتہائی محبت واخلاص پایا جاتا تھا [1]

خواجہ صاحب کا ان کے بارے میں کہنا ہے۔

توحید اخبار کے زمانہ میں وہ لکھنے کا کچھ کام نہ کرتے تھے نہ ان کو مضامین لکھنے کی عادت تھی اور دماغی قابلیت اتنی تھی کہ مجھ کو لکھنے میں مشورہ دیتے تھے اور بعض خاص موضوع مضامین کے تجویز کرکے مجھ سے ان پر لکھواتے تھے، چنانچہ تخت کے بوز مضامین موت کے مضامین، بزرگوں کی قبروں کی توصیف ان ہی کے کہنے سے میں نے لکھیں اور کامیاب رہیں اس اعتبار سے وہ میرے معنوی استاد ہیں اور میں نے ان کو لکھنے کا طریقہ بتایا اور زور دے کر لکھوانا شروع کیا، اس لحاظ سے میں ان کا استاد ہوں، اب وہ مذہبی، اصلاحی اور تنقیدی رنگ کے بہت اچھے اور عمدہ مضامین لکھ لیتے ہیں۔ ان کی تحریر میں فلسفیانہ جدت اور بے مروتی و بے رعایتی ہوتی ہے، بے مروتی کا مطلب یہ ہے کہ وہ رائے زنی کرنے میں کسی

---

[1] آپ بیتی حضرت خواجہ حسن نظامی ص[illegible]

بزرگ یا دوست یا تعلق والے کی پاسداری نہیں کرتے تھے، بلاگ لکھتے ہیں، ان کی نظر کتاب یا زیر بحث چیز کے حسن و قبح پر ہوتی گہری جاتی ہے اور کبھی کھرے کھوٹے کے پرکھنے میں ناکامی نہیں ہوتی، وہ اردو زبان میں سب سے پہلے نقاد ہیں جنہوں نے تحریروں کے عیب و ہنر کو اصلیت کی شان سے دکھانا شروع کیا ورنہ پہلے صرف تعریف کے نام پر ریویو و تنقید تھا۔

رسالہ توحید کے بند ہونے کے بعد صبا نے میرٹھ سے ایک اور رسالہ اسوۂ حسنہ جاری کیا۔ اور خواجہ غلام الثقلین پرزور دے کر عصر جدید میں بھی جان ڈالی، اسوۂ حسنہ کی اشاعت تین ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

صبا احسان الحق صاحب اور ملا واحدی صاحب نے سردار دیوان سنگھ مفتون کا روزانہ اخبار ۱۹۱۸ء میں لیا اور اس کو چلایا، جس کی ایڈیٹری کی ذمہ داری نیاز فتحپوری پر ڈالی گئی، اس کے بعد دہلی سے ایک رسالہ دین و دنیا جاری کیا، اس کے بانی صبا احسان اور انوار ہاشمی صاحب تھے، چند سال کے بعد دین دنیا کے ایڈیٹر اور مالک مفتی شوکت فہمی ہو گئے اور اب تک یہ رسالہ ان کی ایڈیٹری میں اور ملکیت میں شاندار طریقے سے چل رہا ہے

صبا کے خاندان کا لباس صاحبزادہ سود بانہ ملتا جلتا بزرگوں کا رکھ رکھاؤ ایسی چیزیں تھیں جن کو اس خاندان کا ٹریڈ مارک کہنا چاہیے۔

جب صبا کے والد صاحب کا انتقال ہوا تو جائداد تقسیم ہوئی

تو ان کے حصّہ میں گاؤں بھٹیا حاجی پور (یوپی) کلاں محل اور اردو بازار کے مکان آئے۔

بھیا انتہائی وضعدار، خوددار انسان تھے، طمع و لالچ سے ان کو بیر تھا، قول اور معاملہ کے بڑے پکے تھے اور ان پر سختی کے ساتھ قائم رہتے تھے خواہ ان کو کتنا ہی بڑا نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔ اردو بازار میں جگجیت ناگر کے پاس بھیا کا ایک عالی شان مکان تھا جس کی حالت بہت ہی خستہ ہو گئی تھی اس کی مرمت کرنے کے لئے خواجہ حسن نظامی صاحب سے انھوں نے دو سال کے لئے بیس ہزار روپے قرض لئے۔

دو سال گزر گئے تاریخ وعدہ سر پر آ گئی لیکن جب وہ وعدہ کے مطابق روپیہ ادا نہ کر سکے تو اسی تاریخ کو رجسٹری آفس پہنچے اور اردو بازار والا مکان خواجہ حسن نظامی کے نام رجسٹری کرا یا اور دوسرے روز وہ قبالہ خواجہ صاحب کے حوالے کر دیا۔ خواجہ صاحب نے دیکھا تو بہت پریشان ہوئے خواجہ صاحب نے خود اور دوسرے لوگوں سے بے حد اس پر زور ڈلوایا کہ وہ مکان اپنے نام منتقل کر لیں لیکن وہ کسی صورت میں بھی تیار نہیں ہوتے اور اپنی بات پر اڑے رہے اس کے بعد خواجہ صاحب نے اصرار کیا کہ آپ یہ مکان چھوڑ کر نہ جائیں بلکہ اسی میں رہیں کرایہ بھی ادا نہ کریں۔ انھوں نے یہ بات تسلیم کی یا نہیں کی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد خواجہ صاحب سے کچھ کہے بغیر مکان خالی کر کے بھٹیا حاجی پور گاؤں چلے گئے اور وہیں پر رہنے لگے۔

بھیا احسان چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ تھے اس کا انھوں نے امتحان پاس کیا تھا حکیم عبدالحمید صاحب مالک ہمدرد دوا خانہ کو ایک دیانتدار اکاؤنٹنٹ کی ضرورت تھی ان کی دیانت داری کا جب ان کو علم ہوا تو بھیا کی حکیم صاحب سے ملاقات ہوئی۔ حکیم صاحب نے اپنی خواہش کا اظہار کیا تو بھیا نے حکیم صاحب کے سامنے تین شرطیں پیش کیں اول تو میں ملازم کی حیثیت سے کام نہیں کروں گا۔ دوسرے میرے لئے ایک مکان کا بندوبست ہونا چاہیے تیسرے یہ کہ تنخواہ میں خود مقرر کروں گا۔ حکیم صاحب نے ان کی تینوں شرطیں منظور کرلیں۔ ان کو بازار سیتارام میں ایک مکان دلوایا اور بھیا نے اپنی تنخواہ تین سو روپے ماہوار مقرر کی حکیم صاحب نے کہا کہ یہ تنخواہ کم ہے اس سے گزر اوقات نہ ہو سکے گی۔ لیکن آپ نے ایک پائی کا بھی اضافہ نہیں کیا۔ مہنگائی بڑھتی چلی گئی حالات بدلتے گئے تو آپ کی تنخواہ بھی پانچ سو روپے تک پہونچ گئی تھی یہ بھی ان کی مرضی اور مشورے کے مطابق تنخواہ میں اضافہ ہوتا تھا۔

۱۹۴۷ء کے ہنگامے کے چند مہینوں کے بعد بھیا کے صاحبزادے شبلی اور ان کی بیوی پاکستان چلے گئے دو سال بعد بھیا نے جب پاکستان جانے کا ارادہ کیا تو حکیم عبدالحمید صاحب نے کہا آپ کو کراچی پہنچکر پانچ سو روپیہ مہینہ ملنے لگیگا۔ اور آپ پر کام کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوگی۔ بھیا نے پانچ سو روپے لینے سے صاف انکار کر دیا۔ اور کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں کام نہ کروں اور پانچ سو روپیہ لیتا رہوں۔ دوستوں نے ان سے پوچھا آخر آپ چاہتے

کیا میں پاکستان میں پہنچتے ہی آپ کس طرح گزارہ کریں گے۔ انھوں نے
کہا کہ میں پانچ سو روپیہ مہینہ نہیں لینا چاہتا بلکہ یکمشت مجھکو چھ
ہزار روپے ملنے چاہئیں۔ جناب مفتی شوکت علی فہمی صاحب ایڈیٹر
رسالہ دین دنیا دہلی اور دوسرے دوستوں نے ان کو سمجھایا کہ چھ ہزار
روپے کی رقم کیا ہوتی ہے جاتے ہی خرچ ہو جائے گی۔ پانچ سو
روپے مہینے کا ایک مستقل سہارا تو ہوگا۔ لیکن یہ بات ان کی سمجھ
میں نہیں آئی اور وہ اپنی بات پر قائم رہے آخر حکیم صاحب کو ان
کی بات ماننی پڑی۔

بھیا بڑے گاندھی بھگت تھے کھدر پوشی مرتے دم تک
برقرار رہی۔ خواجہ صاحب سے ان کو بے حد حساب محبت تھی
لیکن کبھی عقیدتمند نہیں ہوئے خواجہ صاحب سے سیاسی مسلک میں
ہمیشہ اختلاف رہا لیکن تعلقات میں کبھی ذرہ برابر فرق نہیں آیا۔ خواجہ
صاحب کے نزدیک انتہائی قابل اعتماد اگر کوئی تھے تو بھیا احسان الحق اور
ملّا واحدی صاحب تھے ویسے وہ اپنے حلقہ کے ہر آدمی سے محبت
کرتے تھے۔

بھیا احسان نے دہلی میں رہائش اختیار کر لی تھی اور بازار سیتارام
کی ایک گلی میں رہنے لگے تھے، بھیا نے کئی کتابیں لکھی تھیں مگر ان
کے چھپنے کی نوبت نہیں آئی ۱۹۴۷ء کی دہلی کی تباہی میں ان
کو سجا سجایا گھر چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ جس نے ان کے گھر پر قبضہ
کیا تھا اس نے مطبوعہ کتابوں کو کوڑیوں میں فروخت کیا اور مسودوں
کو جلا دیا۔ بہت سے کتابوں کے مسودے جل جانے کے بعد

صہبائی   ادبی یادگاریں باقی نہیں رہیں۔

صہبا احسان ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے پاکستان چلے گئے کراچی میں مقیم ہوئے بعارضہ فالج ہو گئی تھی، کراچی میں انتقال ہوا، بحیثیت انسان صہبا کی شخصیت ایک مثالی شخصیت تھی، انتہائی نیک سیرت تھے اور معاملات میں مدعیان مذہب سے بڑھکر پابند مذہب تھے۔

صہبا کے اکلوتے لڑکے عرفان الحق شبلی تھے مسلم لیگ نیشنل گارڈ کے انتہائی جوشیلے کارکن تھے، تقسیم ملک کے بعد دہلی میں پکڑے گئے اور جیل میں بند کر دیا، جیل والوں نے انتہائی بے رحمانہ سختیاں کیں، کہ جیل سے باہر نکل کر بھی تندرست نہ ہو سکے، کراچی گئے تو اعصاب اس قدر کمزور ہو چکے تھے، کہ قائد اعظم محمد علی جناح کی انتقال کی خبر سن کر فوت ہو گئے لہ

خالصہ اخبار لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار اپریل ۱۹۱۳ء کو جلوہ نما ہوا۔ ہر جمعہ کو ۲۴ صفحوں پر شائع ہوتا تھا، مالک سردار ہرچند سنگھ تھے، چندہ سالانہ دو روپے آٹھ آنے تھا، یہ مفید عام اسٹیم پریس لاہور میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر یہ دوہا درج ہوتا تھا۔

نانک نام چڑھدی کلا
تیرے بھانے سربت دا بھلا

لہ میرے زمانے کی دلی ص

ظل السلطان بھوپال سے جولائی ۱۹۱۲ء میں یہ ماہانہ نسوانی رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ مرتب محمد امین زبیری صاحب تھے، سالانہ چندہ تین روپیہ اور قیمت فی پرچہ چار آنے تھی، حمیدیہ آرٹ پریس بھوپال میں چھپتا تھا۔

ہمارے سامنے ظل السلطان فروری ۱۹۲۳ء کی جلد اور نمبر ۲ ہے اس کے حساب سے یہ رسالہ ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا اور رسالہ مشعل حیات بھوپال کے مدھیہ پردیش نمبر اکتوبر ۱۹۶۲ء میں درج ہے کہ یہ رسالہ ۱۹۱۵ء میں نکلا، ان دونوں کے برعکس الہلال کلکتہ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۱۳ء میں ظل السلطان پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا ہے۔

اردو کا ایک کثیر الاشاعت ماہوار رسالہ ظل السلطان ہے جس کے اب تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں پہلے نمبر میں ظاہر کیا گیا ہے کہ سرکار عالیہ بھوپال اور بعض ارکان خاندان شاہی نے اس کی سرپرستی منظور فرمائی ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسالہ کی بنیاد مستحکم اور امید افزا ہے۔ رسالہ کا مقصد ہندوستانی خواتین میں اشاعت تعلیم اور ان کے لئے مفید معلومات بہم پہنچانا ہے میں نے ایک دو نمبر دیکھے اور رسالے کے مقصد اور مخاطبات کے لحاظ سے ان کو بہتر پایا اکثر مضامین خواتین بھوپال اور مدراس نسوانیہ ریاست کی معلمات وغیرہ کے قلم سے نکلتے ہیں۔ اور ایسے پرچے کے لئے یہ ضرور موزوں ہے کہ اس کا زیادہ تر حصہ خود خواتین کا مہیا کردہ ہو، لیکن تاہم کام بلند سے بلند تر ہونا چاہیے۔ صرف چند مضامین کا اکٹھا کر دینا ایسی بات نہیں کہ کسی

رسالہ کے لئے خصوصیت ہو، یہ بات بیشتر سے اور رسالوں میں بھی موجود ہے، ایک رسالہ جو ایک خاتون فرماں روا کے دار الحکومت سے نکلتا ہے ضرور ہے کہ کوئی امتیاز بھی رکھے ایڈیٹر (مولوی محمد امین صاحب زبیری) کو چاہئے کہ انگریزی رسائل پر نظر ڈالیں، تعلیم و تربیت نسواں کے صیغہ میں اب تک ہم نے کچھ نہیں کیا اور لٹریچر کی یہ شاخ بالکل خالی ہے، نہایت آسانی ملک کے ساتھ ہر ماہ ایسا مواد بہم پہنچایا جا سکتا ہے جو خاص طور پر تعلیم یافتہ عورتوں کے مذاق اور اخلاق کی اصلاح کرے اور ان کے لئے بلند درجہ کی مگر آسان اور سہل زبان میں توسیع معلومات کا ذریعہ ہو، اصلاح رسوم تعلیم مذہبی، تصحیح عقائد، تربیت اخلاق، مبادیات علوم، نتیجہ خیز قصص و حکایات، اور اس طرح کی صدہا چیزیں ہیں جو بغیر کسی کاوش و جہد تصنیف کے لکھی جا سکتی ہیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ تعلیم یافتہ عورتوں کی سطح ترقی آہستہ آہستہ بہ نہج صحیح (بہ تحفظ آداب و اخلاق) بلند کی جائے۔ محض چند مضامین کی اشاعت اس کے لئے کافی نہیں، خود ایڈیٹوریل کے حصے میں رسالہ کے نصف سے زیادہ صفحات صرف ہونا چاہئیں۔"

گویا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ظل السلطان جاری ہوا تو ۱۹۱۳ء میں لیکن بعد میں بند ہو گیا ہوگا اور پھر جاری ہوتا رہا۔ ظل السلطان جہاں ہندوستانی خواتین کی علمی دلچسپیوں کا ماہوار رسالہ تھا، وہاں اس میں علمی مضامین بھی شائع ہوتے تھے چنانچہ فروری ۱۹۲۳ء کے پرچے میں مناقب صحابیات از مولوی عبدالسلام ندوی، بی اے

کی ملکہ مولوی محمد حسین صاحب صاحب محوی صدیقی کے دو علمی مضامین چھپے ہیں جو اگرچہ بہت مختصر ہیں پہلا مضمون آٹھ صفحہ اور دوسرا تین صفحہ کا ہے اس کے بعد حفظ صحت از صاحبہ ضیاء الدین حسن، سوسائٹی میں لڑکیوں کے لئے خطرہ از ملنشی محمود الحسن صاحب صدیقی عالم نسواں از ایڈیٹر، جیسے مضامین درج ہیں۔

عالم نسواں میں جو معلومات دی گئی ہیں اور ہندوستان و غیر ممالک میں عورتوں میں جو زندگی پیدا ہونے لگی ہے وہ انتہائی دلچسپ ہے۔ اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

گذشتہ دو سال سے سیاسی جدوجہد کے میدان میں عورتوں نے پورے جوش کے ساتھ قدم بڑھایا ہے وہ سیاسی پلیٹ فارموں پر بڑی بلند آہنگی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کر رہی ہیں، وہ دورے کر کے ملک میں لیکچر دیتی ہیں اور ہر عملی کاموں میں حصہ لیتی ہیں اور ہر سال ان کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اب ان کی جدوجہد اس نوبت پر آگئی ہے کہ ان کی علیحدہ سیاسی سوسائٹیاں قائم ہونے لگی ہیں، وہ والنٹیر بنتی ہیں اور جیل خانوں کے حجروں کی طرف بھی ان کا قدم اٹھ گیا ہے۔ ہندوستان میں دسمبر کا آخری ہفتہ قومی سرگرمیوں کے لئے مخصوص ہے۔ مختلف اقوام ہند کی مختلف انجمنوں، کانفرنسوں اور کانگرسوں وغیرہ کے جلسے ہو رہے ہیں لیکن سیاسی امور پر مباحثہ ہوتا ہے کہیں خلافت اور مذہبی جدوجہد کے مناظر دکھائی دیتے ہیں کہیں تعلیم اور سوشل اصلاح کی تجاویز پر

سرگرم نظر آتی ہیں دسمبر ۱۹۲۲ء کا ہفتہ بھی اسی طرح ان کوششوں اور سرگرمیوں میں گزر گیا۔ جو صوبہ بہار میں ایک مشہور مقام ہے، ان سرگرمیوں کا خاص مرکز تھا۔ ان تمام جلسوں میں عورتوں نے بھی کافی حصہ لیا۔ صرف جمعیۃ العلماء کے اجلاس میں ان کے لئے مخصوص جگہ نہ تھی۔ ان کا کیمپ مردوں سے علیحدہ تھا۔ جہاں وہ آزادی اور آسائش کے ساتھ مقیم تھیں۔ بعض اہم سیاسی تجاویز پر چند خواتین نے نہایت پُرجوش اور عالمانہ تقریریں کیں۔ ان سب میں نہایت ممتاز شخصیت بی اماں، مسز نائیڈو، اور مسز حسرت کی تھی، اگرچہ یوں تو خواتین ہر اجلاس میں شریک ہوتی تھیں، لیکن ایک موقعہ پر جبکہ بی اماں کے پیچھے پیچھے کئی درجن عورتیں برقع اور نقاب میں ایک ساتھ داخل ہوئیں تو ایک عجیب استعجاب انگیز اور تحیر افزا نظارہ سامنے آگیا اس قومی ہفتہ میں اسی مقام پر ایک سوشل کانفرنس کا بھی انعقاد ہوا، جس نے صغر سنی کی شادی اور عورتوں کی تعلیم کے متعلق تجاویز پاس کیں، اسی سلسلہ میں ترک پردہ کی بھی تجویز پاس ہوئی تھی۔ اس کانفرنس میں مسلمان شریک نہ تھے اس لئے کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ افسوس ہے کہ تمام ہندوستان کو باوجودیکہ مغربی تہذیب و تمدن کے خراب نتائج کا مشاہدہ ہو رہا ہے لیکن پھر بھی پردہ کی مخالفت ترک نہیں کی جاتی۔ علی گڈھ کی تعلیمی کانفرنس میں عورتوں کا بس اتنا حصہ تھا کہ چند وقتی ریزولیوشن پاس ہو گئے قابل صدر اجلاس کے خطبہ صدارت تک میں ان کی تعلیم پر کوئی روشنی نہ ڈالی گئی البتہ مسلم یونیورسٹی کالو کیشن میں عورتیں بھی اسٹیج

ہال کی طرف چکوں کے پیچھے موجود تھیں۔ ابتداً منتظمین نے ان کی شرکت سے بے پروائی برتی تھی لیکن بعض خواتین کے اصرار سے مجبور ہو کر ان کی نشست کا انتظام کیا گیا ۔ ۱۳

ترکی کے موجودہ نظام اجتماعی میں جو جنگ عظیم کے بعد رونما ہوا ہے ترکی خواتین نے اپنی محنت اور بے نظیر ثابت قدمی سے ایسی اعلیٰ حیثیت حاصل کر لی ہے جس کا زمانہ ماضی میں خواب و خیال بھی نہ تھا ان تمام ممالک کی طرح جو شریک جنگ تھے ترکی میں کارخانے اور دیہات مزدوروں اور کسانوں سے بالکل خالی ہو گئے تھے۔ تا کہ میدان جنگ میں سپاہیوں کی قلت نہ رہے آخر ایک وقت ایسا بھی آگیا کہ جنگ میں جانے والے نوجوانوں کی جگہ بڈھے آدمی، اور چھوٹے لڑکے ہونے لگے۔ ترکی میں سب سے پہلا محکمہ ڈاک خانہ کا تھا جس نے اپنے دفاتر میں عورتوں کو ملازم رکھنے کی جرأت کی، پہلے پہل جب خواتین ترکی ڈاک خانہ میں کھڑکیوں میں بیٹھ کر ٹکٹ بیچنے لگیں تو ملک میں ایک سنسنی سی پھیل گئی۔ لیکن ان عورتوں نے اپنے فرائض کو ایسے پابندی وقت اور خوش اسلوبی سے ادا کیا کہ نکتہ چینوں کی زبانیں بہت جلد بند ہو گئیں، اور آئندہ کے لئے راستہ کھل گیا، بہت لوگ عورتوں کو بنکوں، بازاروں اور کالوں میں دیکھنے سننے کے عادی ہو گئے۔ اور اس طرح آزادیٔ نسواں نے، بااستدادِ کارکنانِ ملکی کی وساطت سے عملی صورت اختیار کر لی۔ ۱۱

تنویر یہ تمدنی، اخلاقی اور ادبی رسالہ تھا جو انبالہ سے اگست ۱۹۱۱ء میں جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر حکیم سید ذاکر حسین اختر تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ ہلالی اسٹیم پریس انبالہ میں باہتمام منشی کریم بخش صاحب چھپتا تھا۔
کتابت، طباعت اور کاغذ نفیس تھا۔ اس کے مضمون نگار دنتا عر حاجی احمد صاحب فخری پانی پتی، مولانا احمد شاکر صاحب لبسمل مولانا نامولوی وحید الدین پانی پتی ایڈیٹر مسلم گزٹ وغیرہ تھے۔

اُردو لاہور سے اکتوبر ۱۹۱۳ء کو یہ ماہوار رسالہ شائع ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
اس رسالے پر دلگداز لکھنؤ کے شمارے جنوری ۱۹۱۴ء میں تبصرہ چھپا ہے۔
" لاہور سے ایک اردو زبان کا نیا لٹریری رسالہ اکتوبر ۱۹۱۳ء سے شائع ہونا شروع ہوا ہے جس کے مالک و ایڈیٹر مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری ہیں، جنھوں نے اپنی تصانیف صرف نحو، اردو کے ذریعہ زبان اردو پر اپنے حقوق پیدا کر لئے ہیں اور جن کی ذات سے امید ہے کہ تہذیب و ترقی اردو کا سلسلہ خوش اسلوبی کے ساتھ جاری رکھ سکیں گے، لکھائی چھپائی اور کاغذ قابل اطمینان ہیں اس میں اردو کے شائقین کے لئے اچھا ذخیرہ ہے "

اخبار غدر

کیلی فورنیا سیکرامنٹو سے یکم نومبر ۱۹۱۳ء کو یہ انقلابی ہفتہ وار اخبار ظہور پذیر ہوا۔ اردو ہندی مراٹھی اور گورمکھی زبانوں میں نکلتا تھا، ایڈیٹر ہرنام چند اور معاون ڈاکٹر برکت اللہ تھے۔ یگانتر آشرم پریس میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار ہندی ایسوسی ایشن آف پیسفک کوسٹ کا آرگن تھا، اس ایسوسی ایشن کا ہیڈ کوارٹر کچھ عرصہ کے بعد سان فرانسسکو میں منتقل کر دیا گیا تھا لہذا اخبار کا دفتر بھی وہیں منتقل ہو گیا تھا اس ایسوسی ایشن کا دوسرا نام غدر پارٹی تھا جو اس قدر مشہور ہوا کہ لوگوں کے دلوں میں ایسوسی ایشن کا نام نکل گیا غدر پارٹی اور اخبار غدر کے بانی لالہ ہردیال تھے۔

یہ اخبار ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کی یاد میں نکالا گیا تھا جس طرح ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کا مقصد انگریزی حکومت کا خاتمہ کرنا تھا۔ اسی طرح اس اخبار کا مدعا بھی انگریزوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا اور بغاوت کی چنگاری لگانا تھا جس کے ذریعہ قتل و تشدد کی تلقین کی جاتی تھی اور غیر ممالک میں رہنے والے ہندوستانیوں کو ہندوستان بھیجنے کے مشورے دئے جاتے تھے تاکہ وہ وہاں پہنچ کر انگریزی حکومت کا خاتمہ کرنے کی سعی کریں۔

اس اخبار میں غدر پارٹی کے اغراض و مقاصد تحریر کئے جاتے تھے اور ہدایت کی جاتی تھی کہ خفیہ سوسائٹیاں قائم کرو اور ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف تشدد آمیز تحریکیں چلانے سے بھی گریز نہ کرو، یہ اخبار سان فرانسسکو میں رضاکارانہ طور پر بازاروں اور

سڑکوں پر فروخت کیا جاتا تھا۔ خفیہ طریقہ سے ہندوستان میں بھیجا جاتا تھا۔ امریکہ، کینیڈا، اور میکسیکو وغیرہ میں مقبولیت حاصل کرنے کے علاوہ ارجنٹائن، جاپان، جزائر فجی، فلپائن، آسٹریلیا ملایا۔ اور برما وغیرہ میں پھیل گیا تھا۔

اس اخبار نے سنہ ۱۹۱۴ء میں پہلی جنگ عظیم کے دوران تیزی کے ساتھ اس بات کی تبلیغ کرنی شروع کر دی تھی۔

"غیر ممالک میں رہنے والے ہندوستانیوں، تم فوراً ہندوستان جاؤ اور غدر مچا کر دہشت پھیلاؤ، انگریزوں کو قتل کرو اور ان کو اس قدر خوفزدہ کر دو کہ وہ بھاگ جائیں اور اس طرح ان کو ملک سے نکال کر ہندوستان کو برطانوی لعنت سے نجات دلاؤ۔ یہ صحیح اور ٹھیک وقت ہے، غدر مچانے کے لئے اپنے آپ کو منظم کر کے تیار ہو جاؤ ایسے میں جبکہ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اٹھو بہادرو جلدی کرو، یہ غدر مچانے کے لئے اپنے آپ کو منظم کر کے تیار ہو جاؤ ایسے میں جبکہ یورپ میں جنگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں یہ تمام ٹیکس دینا بند کرو، سارے ہندوستان میں غدر مچا دو ہمیں ایسے بہادر اور سرفروش مجاہدین چاہئیں جو ہندوستان میں غدر مچا سکیں اور ان کی

تنخواہ — موت   انعام۔ شہادت

پنشن، آزادی   — میدان جنگ — ہندوستان

اٹھو بیدار ہو جاؤ اور غدر مچانے کے لئے چندہ میں توڑے کے توڑے جمع کرو اور غدر مچانے کے لئے ہندوستان

روانہ ہو جاؤ۔ اور آزادی وطن کی خاطر اپنی جانیں قربان کر دو۔

۱۸ راگست ۱۹۱۴ء کے شمارے میں اخبار غدر نے اپنے سرگرم کارکنوں کو ہدایتیں دی تھیں۔

غدر لٹریچر کو تقسیم کریں۔ لوگوں کو عملی کارروائیوں پر اکسائیں۔ ریلوے لائن اکھاڑ پھینکیں، لوگوں پر زور دے کر اور اصرار کر کے بینکوں سے اپنا روپیہ نکالنے پر مجبور کریں دیسی فوجوں کے نام نوٹس جاری کریں کہ ان فرنگیوں کو تہ تیغ کر ڈالو۔

۲۵ رمارچ ۱۹۱۵ء کے پرچے میں سان فرانسسکو میں لالہ ہردیال کی گرفتاری کا حال بھی شائع ہوا تھا۔

اِفادہ

سول لائن آگرہ سے نومبر ۱۹۱۰ء کو یہ ماہنامہ رسالہ نمودار ہوا۔ ۲۴ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ ایڈیٹر و مالک نواب حاجی محمد اسماعیل صاحب تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا عزیزی پریس آگرہ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں پولیٹکل تعلیمی مسائل پر بحث کی جاتی تھی اور سوشل اخلاقی اور تاریخی مضامین درج ہوتے تھے کتابت طباعت بہت عمدہ تھی اور کاغذ بھی اچھا تھا۔

اس رسالہ میں تمام مضامین ایڈیٹر کے ہوتے تھے کسی دوسرے مضمون نگار کا کوئی مضمون نہیں چھپتا تھا۔ واقعات و حالات پر تبصرہ کیا جاتا تھا۔ یہ رسالہ برائے نام سیاسی تھا۔ حکومت کی جا و بے جا خوشامد اور چاپلوسی کرنا اس کا مسلک تھا جو بھی قدم حکومت کی مخالفت میں عوام میں اٹھاتے تھے یا کوئی اخبار حکومت پر نکتہ چینی کرتا تھا تو یہ اس کی

مخالفت کرنا تھا چنانچہ اس نے اپریل ۱۹۱۴ء کے شمارے میں پریس ایکٹ کی نفاذ کی حمایت کی۔

پریس ایکٹ کا شور و غل جاری ہی تھا کہ گورنمنٹ نے مجموعہ تعزیرات ہند میں دو اور دفعات کے اضافہ کا نوٹس دیا۔ جن کی وجہ سے اخبار والوں پر بہت ذمہ داری بڑھ جائے گی لیکن چونکہ تجربہ بتا رہا ہے کہ ایسا کرنا ضروری ہے۔ اس واسطے میں تو نہیں جانتا کہ نیک اخبار بھی تشویش کریں۔ مقصد ان دفعات کا یہ ہے کہ لوگوں پر جبکہ وہ کسی مقدمہ کے فیصلہ میں مصروف ہوں ناجائز دباؤ بذریعہ تحریر ڈالنے کو روکا جائے تاکہ انصاف میں خلل نہ پڑے اور میرے نزدیک یہ منشا ایسا ہے کہ جس کی تائید ہر ایک دانشمند شخص کو کرنا چاہئے۔"

اخبار زمیندار سے جب ضمانت طلب کی گئی اور پریس بھی ضبط کر لیا تو اس رسالہ نے [illegible] ضمانت لینے اور پریس ضبط کرنے کی تائید [illegible] ۱۹۱۳ء کے پرچے میں کی۔

[illegible] ہے کہ زمیندار اخبار لاہور کی دس ہزار روپیہ [illegible] ضبط ہو گئے۔ اگرچہ کارخانہ زمیندار کو نقصان [illegible] کرنا پڑا ہے لیکن گورنمنٹ کا یہ ضبطی کا حکم [illegible] بعض مرتبہ حیات انسانی کو بچانے [illegible] پڑتا ہے۔ علاوہ ازیں مضمر [illegible] کے انسداد کے بند کرنا ہر طرح گورنمنٹ [illegible] حقیقت میں فساد انگیز مضامین

شمس العلوم | یہ ماہانہ رسالہ ستمبر ۱۹۱۴ء کو بدایوں سے نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر جناب مولانا عبدالماجد بدایونی اور نائب مدیر مولوی حبیب الرحمٰن قادری تھے، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا مطبع قادری میں چھپتا تھا۔ یہ رسالہ مدرسہ شمس العلوم بدایوں کا آرگن تھا۔ اس میں نائب مدیر کی حیثیت سے محفوظ الحق علمی سہسوانی، ظہور الحق معتقدی بدایونی نے بھی کام کیا۔ اس رسالہ میں علمی مذہبی، فقہی، اخلاقی، تاریخی اور تصوف کے وقیع مضامین شائع ہوتے تھے، منظومات کا بھی حصہ اچھا خاصہ ہوتا تھا۔ زیادہ تر بدایونی شعراء کا نعتیہ اور منقبتی کلام چھپتا تھا۔ حضرت مولانا عبدالمقتدر بدایونی کی تفسیر و ترجمہ قرآن رسالہ کا مستقل عنوان تھا، مولانا عبدالمقتدر تفسیر ابن عباس کا اردو ترجمہ شائع فرماتے تھے ایک مستقل موضوع مذاکرہ علمیہ بھی ہوتا تھا جس میں کبھی علمی اور کبھی فقہی سوالات و جوابات چھپتے تھے، رسالہ میں مستقل طور سے فتاویٰ مع جوابات طبع ہوتے تھے، کبھی کبھی سیاسی موضوع پر بھی اس رسالہ میں اظہار خیال کیا جاتا تھا

اس رسالہ پر عصر جدید میرٹھ نے ۸ر اکتوبر ۱۹۱۴ء کے شمارے میں یہ ریویو کیا تھا۔

"یہ ایک ماہوار رسالہ ہے جو حال میں بدایوں سے شائع ہونا شروع ہوا ہے ایڈیٹر جناب عبدالماجد قادری اور نائب مدیر مولوی حبیب الرحمٰن قادری ہیں یہ رسالہ بدایوں کے مشہور سنی حنفی خاندان کے خیالات کی اشاعت کے لیے جاری ہوا ہے، پہلا پرچہ جو ہمارے سامنے ہے۔ اس کے ٹائیٹل پر یہ عبارت ہے علمی، مذہبی

ی، اصلاحی، تاریخی، صوفیانہ مذاق کا ماہوار رسالہ، مضامین
سپ ہیں، یہ رسالہ دو سال نکلنے کے بعد بند ہو گیا تھا۔

لانا عبدالماجد بدایونی | بدایوں کی سرزمین سے ہر دور میں علماء حکماء اور شعرا پیدا ہوتے ہیں جن میں مولانا الماجد کا بھی خاندان ہے۔ آپ کے جدامجد مولوی شیخ عبدالمجید یونی تھے جو شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی کے خلیفہ تھے ول نے بدایوں میں قادری خانقاہ قائم کی اور ان کے صاحبزادے جادہ نشین جناب مولانا شیخ فضل رسول بدایونی نے مدرسہ قادریہ کو چار چاند لگائے۔ مولانا فضل رسول اپنے دور میں عزت و وقعت نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، آپ حضرات مولانا فضل حق خیرآبادی حوم و مغفور کے معصر تھے۔

مولانا فضل رسول بدایونی کے بڑے فرزند ارجمند مولوی محی الدین تھے ان کے لڑکے مولوی حکیم عبدالقیوم صاحب تھے انھوں نے مدرسہ دریہ کے ساتھ جامع مسجد شمسی بدایوں میں ۱۱ صفر ۱۳۱۷ھ مطابق ۱۸۹۹ء ایک مدرسہ شمس العلوم قائم کیا۔ جس کا اہتمام وہ خود کرتے تھے حکیم عبدالقیوم صاحب مدرسہ کے قیام کے چند ماہ بعد رجب ۱۳۱۸ھ مطابق ۵ نومبر ۱۹۰۰ء کو پٹنہ میں ریل سے گر کر فوت ہو گئے جہاں وہ ایک جلسہ میں شرکت کے لئے گئے تھے ان کے فوت ہونے کے بعد ان کے جانشیں حضرت مولانا عبدالماجد بدایونی ہوئے جنھوں نے ملک کی قومی و ملی تحریکوں میں بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا، تحریک خدام کعبہ، تحریک خلافت، تحریک تبلیغ تنظیم، جمعیۃ علماء ہند اور مسلم لیگ کے

نامور اور معتقد رہنما تھے۔ جامع مسجد بیان خطیب دمقرر تھے۔

مدرسہ شمس العلوم کی بنیاد تو ان کے والد ماجد حکیم عبد القیوم صاحب نے رکھی تھی مگر اس کو پروان چڑھانے کا سہرا مولانا عبد الماجد بدایونی کے سر رہا۔ اسکول نے ملک کے کرتے کونے میں دورے کئے۔ نظام دکن سے امداد حاصل کی جو ۱۹۴۸ء تک برابر ملتی رہی تھی کی قریش برادری اور سیٹھ احمد حاجی صدیق کی گراں قدر رقوم نے مدرسہ کی تعمیر مکمل کرا دی۔ مدرسہ کا عالی شان دروازہ "ظہور گیٹ" مولوی ظہور حسین رئیس بدایوں نے تعمیر کرایا۔ حتی کہ عورتوں تک نے چندہ میں زیورات دیئے، مدرسہ کے لئے قطعہ اراضی اور سابقہ گورنمنٹ ہائی اسکول کے بورڈنگ ہاؤس کی تعمیر گورنر یوپی مسٹن اور کلکٹر بدایوں ینگرام کے ذریعہ حاصل ہوئی۔ مدرسہ کی عمارت کے نیچے کے حصہ میں دکانیں ہیں اور کتب خانہ مدرسہ ہے کتب خانے میں ہزاروں کتابیں ہیں۔

حضرت مولانا عبد الماجد کی کوششوں کی وجہ سے مدرسہ نے بہت جلد ملک میں ایک امتیازی مقام حاصل کر لیا تھا۔ اعلیٰ تعلیم کے ساتھ ساتھ قرأت اور حفظِ قرآن کا بھی مدرسہ میں معقول انتظام ہے، درس نظامی سے فارغ ہونے کے بعد بہت سے طلبا پنجاب یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی سے مولوی فاضل، مولوی عالم اور منشی فاضل کے امتحان دیتے تھے، چنانچہ اس مدرسہ سے بہت سے علماء فارغ التحصیل ہو کر نکلے اور مختلف حیثیتوں سے انہوں نے ملک وملت کی خدمات انجام دیں۔ فارغ التحصیل ہونے والوں میں قابل ذکر نام یہ

ہیں۔

مفتی عزیز احمد قادری (لاہور) ملا عبد الصمد مقتدری، مولانا عبد الواحد عثمانی بدایونی، مولوی سید حسن حسرت المعروف بہ علامہ حسرت بدایونی مولانا احمد یار خاں ادجھیانی اور مولوی خواجہ غلام نظام الدین بدایونی۔

مدرسہ شمس العلوم سے متعلق ایک مستقل دار التصنیف و دار الاشاعت بھی تھا۔ جس سے مولانا عبد الماجد کی مندرجہ ذیل کتابیں شائع ہوئیں۔

(۱) بار علم (۲) التمہید (مولانا ابو القاسم بنارسی کا جواب (۳) القول السدید (مولانا ابو القاسم بنارسی کا جواب) (۴) خلاصۃ المنطق (۵) خلاصۃ الحق ید (۶) خلاصۃ فلسفہ (۷) جواز عرس۔

اس دار الاشاعت سے مولانا عبد الماجد بدایونی کی تصانیف کے علاوہ دوسرے علماء کی تصانیف بھی شائع ہوئیں۔ تقسیم ملک کے بعد مدرسہ شمس العلوم کی اہمیت میں اور بھی اضافہ ہو گیا اور اس وقت یہ مدرسہ ملت اسلامیہ کی مفید مذہبی، معاشرتی، خدمات انجام دے رہا ہے بلکہ بدایوں میں یہ واحد مدرسہ ہے جو دینی و علمی مرکز کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ بدایوں کے مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ مدرسہ شمس العلوم کو ایک باعمل عالم مولانا مفتی محمد ابراھیم فریدی ابن مولانا جعفر علی بدایونی صدر مدرس اور شیخ الحدیث کی حیثیت سے مل گئے۔

مفتی محمد ابراھیم فریدی ۱۳۱۰ھ میں شمشی پور میں پیدا ہوئے اور ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ عربی کی ابتدا آغا شاہ منظور احمد پھلواری سے کی۔ ابتدائی کتب صرف و نحو کے بعد مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ

اور مدرسہ شمس الہدیٰ پٹنہ میں تحصیل کی، درس نظامی کی تکمیل کے بعد مدرسہ منظر الاسلام بریلی میں مولانا حامد رضا خاں صاحب بریلوی اور مولانا عبدالعزیز خاں سے صحاح ستہ کا دورہ مکمل کیا اور تفسیر بیضاوی کا درس لیا۔ سنہ ۱۳۵۰ھ میں ان کی دستار بندی ہوئی۔ ابتداءً مدرسہ منظر اسلام بریلی اور اس کے بعد مدرسہ قادریہ بدایوں میں تدریس کا سلسلہ رہا۔ سنہ ۱۹۴۲ء میں مدرسہ شمس العلوم بدایوں میں صدر مدرس اور شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور مفتی شہر کی بھی خدمت انجام دیتے ہیں[1]

معارف

پھلواری شریف ضلع پٹنہ سے ۱۹۱۳ء کو ماہانہ یہ رسالہ وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا مدیر و مالک سید محمد منظر الحق چشتی وحیبی اور نائب مدیر شاہ محمد قاسم فردوسی عثمانی سلوی تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

رسالہ بزم سخن لکھنؤ نے مارچ سنہ ۱۹۱۵ء کے شمارے میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے۔

" تصوف کا بیش بہا رسالہ ہے جس میں ہر قسم کے تصوفانہ، مذہبی، اخلاقی، تاریخی، علمی مضامین پر صوفیانہ مذاق میں بحث کی جاتی ہے۔ اس کے مدیر و پروپرائٹر سید محمد منظر الحق چشتی وحیبی ہیں، اہل اسلام کو خصوصاً اس رسالہ کی خریداری کرنی چاہئے۔ کاغذ، لکھائی چھپائی سب عمدہ ہے۔"

---

[1] مجلہ علم و آگہی کراچی کا خصوصی شمارہ سنہ ۱۹۷۴-۷۵ء ص ۹۷

شاہ محمد قاسم صاحب

شاہ صاحب کا سلسلہ نسب حضرت خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی سے ملتا ہے

آپ کے جدِ اعلیٰ حضرت مخدوم شاہ برہان الدین عرف خواجہ میاں دیوڑی تھے ان کے دادا حضرت شاہ احمد کبیر ابوالحسن شہید ربیری بن قطب العصر مولانا شاہ محمد علی تھے، ان کے صاحبزادے حکیم شاہ محمد مجیب الحق فردوسی عثمانی کمالی موضع سملہ علاقہ تھانہ رنبیع گنج ضلع گیا کے رہنے والے تھے اور وہاں کے پیرزادوں کے خاندان میں تھے جن کا انتقال ۷ ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ کو ہوا۔

کمال صاحب صاحبِ دیوان شاعر تھے وہاں صاحبِ تصنیف بھی تھے۔

صلوٰۃ الجبیلہ میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مطہرہ بیان کیا گیا ہے جو درود کی شکل میں ہے، یہ اہلِ دل لوگوں میں بہت مقبول ہوا اور بابرکت سمجھا جاتا ہے پہلی مرتبہ مطبع قیومی کانپور میں طبع ہوا۔ دوسری مرتبہ مطبع ستارہ ہند کلکتہ میں چھپا۔

نکاتِ سرمدی (معروف مکتوبِ محمدی) میں آپ کے جدِ امجد شاہ محمد علی صاحب دلبری کے مکتوبات ہیں جو ۱۳۱۲ھ کو مطبع احمدی پٹنہ میں طبع ہوئے۔

آپ شاعری میں حضرت بازگیادی تلمیذ مرزا غالب کے شاگرد تھے کمالی تخلص کرتے تھے ؎

ہے خرابِ بادہ ساقی، کمالی کی دعا
ختم مئے یا بوالحسن آباد مے خانہ ہے

شاہ محمد قاسم ۱۳۰۷ھ کو سملہ میں پیدا ہوئے اپنے والد صاحب کی وفات

کے بعد سجادہ نشین ہوئے۔ انھوں نے راہِ طریقت میں بہت سے لوگوں کی رہنمائی کی۔ خلافت اور دوسری سیاسی تحریکوں میں حصّہ لیا، رسالہ معارف کے نائب مدیر بھی رہے۔ نیاز رسول با تحفۂ مقبول ۹ اور آپ کے مکاتب کا مجموعہ "نقشِ دوام"، مرتبہ شاہ طیب سلوی ندوی آپ کی یادگار ہیں۔ ۱؎

نظام لدھیانہ سے ۱۹۱۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر جناب آزاد لدھیانوی تھے، مضامین نثر کے علاوہ طرحی و غیر طرحی غزلیں اور نظمیں وغیرہ درج ہوتی تھیں، لکھائی چھپائی معمولی تھی سالانہ چندہ ایک روپیہ چار آنہ تھا۔

دیپک ہندوستان کا ایک روزانہ ایڈیشن ۱۹۱۳ء میں لاہور سے شروع ہوا۔ لالہ دینا ناتھ مالک و ایڈیٹر تھے اس کی اشاعت ۱۹۱۵ء میں چار ہزار تھی، ہر دل عزیز اخبار تھا لیکن جب ۱۹۱۵ء میں ہندوستان کی ملکیت بدل گئی تو دیپک بھی بجھ گیا۔

بکم مئی ۱۹۱۵ء کے اخبار کا پور گزٹ میں دیپک پر یہ ریویو شائع ہوا تھا "ایک روزانہ اخبار نکلنا شروع ہوا ہے اس اخبار کے مالک شریمتی میرلا دیوی چودھرانی صاحبہ ہیں اور اس کے ایڈیٹر رام رچھپال سنگھ شیدا ہیں جو ایک قابل اخبار نویس ہیں جن کی تحریر متانت و سنجیدگی کے لئے مشہور ہے مضامین لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے اخبار

۱؎ مسلم شعرائے بہار حصہ چہارم ص ۲۶۵

ایک کا پہلا نمبر اردو کے دوسرے عام اخبارات پر فوق رکھتا ہے۔

مالوہ ریویو بھوپال سے یہ جریدہ ۱۹۱۲ء میں جلوہ افروز ہوا سہ روزہ تھا۔ آٹھ صفحوں پر بیس بارہ صفحات ریلکلٹ تھا، سید محمد یوسف قیصر اس کے پہلے ایڈیٹر تھے ان کے بعد کامدار عبدالمتین نے ادارت کی ذمہ داری سنبھالی

سلطنت دہلی سے ۱۹۱۳ء میں یہ اخبار جاری ہوا ۸ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر سید شبیر احمد علامگ تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا تاری پریس میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار اعلیٰ مضامین بہترین رسالوں کی نظموں، اہم خبروں اور دیسی ریاستوں کے تاریک اعمال ناموں کا مرقع، حیدرآباد دکن کے چار ہزار چھوٹے بڑے اسکولوں مدرسوں اور کالجوں کے لئے محکمہ تعلیم کا منظور شدہ مصور اخبار تھا۔

صادق لاہور سے ۱۹۱۳ء کو یہ ماہوار رسالہ جلوہ افروز ہوا ۸ صفحوں پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر مفتی محمد صادق صاحب تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

مفتی محمد صادق مفتی صاحب ۱۱ر فروری ۱۸۷۲ء کو بھیرہ ضلع شاہ پور میں پیدا ہوئے۔ قرآن، حدیث اور تفسیر کا درس مولوی حکیم نورالدین صاحب شاہی طبیب مہاراجہ کشمیر سے لیا، تعلیم سے فارغ ہو کر بھیرہ کے اسکول میں ملازم ہو گئے اس کے بعد جموں چلے گئے ۱۸۹۰ء میں لاہور پہنچے۔ انجمن حمایت الاسلام لاہور کے ہائی اسکول میں مدرس مقرر ہو گئے ۱۸۹۶ء میں ملازمت سے

علیحدہ ہو کر اکاؤنٹنٹ جنرل لاہور کے دفتر میں اڈیٹری پر مامور ہوئے جہاں عرصہ تک رہے۔ قادیان جانے کے بعد اخبار البدر کے مدیر مقرر ہوئے اس کے بعد صادق نکالا ۱۹۱۷ء میں اسلام کی تبلیغ کرنے کے لئے انگلینڈ گئے اور امریکہ فرانس اور انگلستان میں سات سال تک تبلیغ کی امریکہ میں آپ نے ایک تبلیغی رسالہ بھی نکالا تھا۔ وہاں سے واپس آنے کے بعد ہندوستان کے مختلف شہروں میں تبلیغ کرتے رہے، آپ سات، آٹھ زبانیں جانتے تھے نہایت نیک طبیعت انسان تھے ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد لاہور میں مقیم ہوئے ۲۵ر جنوری ۱۹۵۷ء کو لاہور میں فوت ہوئے صاحب تصنیف تھے، ذکر حبیب، بائیبل کی پیشن گوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق، تحقیق قبر مسیح، تحفہ بنارس اور صادق بیتی وغیرہ ان کی تصانیف تھیں [۱]

طبیب | دہلی سے ۱۹۱۳ء کو یہ ہفتہ وار مجلہ اخبار اجرا ہوا، ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا حکیم اجمل خاں صاحب کے ایما پر یہ اخبار جاری ہوا تھا۔ اور طبیبہ کانفرنس کا ترجمان تھا۔

اخبار اہل حدیث امرتسر کے شمارے ۲۲ر مئی ۱۹۱۴ء میں اس کا اشتہار شائع ہوا تھا۔

" دردناک حالت دیکھ کر رو دینا مردوں کا کام نہیں مقتضائے محبت یہ ہے کہ درد کا درماں سوچا جائے دیسی طریق علاج کی بیقدری

---

[۱] مضمون مولانا محمد اسماعیل پانی پتی نقوش لاہور نمبر صفحہ ۹۳۹

ایڈروں اور طبیبوں کی کس مپرسی کو انتہا کو پہنچ گئی ہو مگر حالت زار پر نسو بہانے کے زمانے لد گئے، اب وقت ہے علمی مستعدی اور ہوش مندی سے جو مشکلات کی چارہ سازی کی جائے، اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ آریو رویدک و یونانی طب کی مطلوبہ اصلاح و ترقی کے لئے کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونا چاہیے تو دارالسلطنت دہلی کے مشہور ہفتہ وار طبیب کی مستقل خریداری منظور فرمائیں، جس میں طب کے متعلق علمی بحثیں، ضرورت وقت کے اخبار کی مضامین، قیمتی قابل قدر رائیں، نامور اطباء کے نادر تجربات، پیچیدہ امراض کے متعلق استفسار و جوابات و طبی اطلاعات شائع ہوتی ہیں۔

جین پردیپ دیوبند ضلع سہارنپور سے ۱۹۱۳ء کو یہ مذہبی اخلاقی و قومی اخبار ظہور پذیر ہوا، پندرہ روزہ تھا۔ منشی جوتی پرشاد ایڈیٹر تھے سالانہ قیمت دو روپیہ تھی۔ اس اخبار کے مضامین و نظمیں اعلیٰ پایہ کی ہوتی تھیں لکھائی چھپائی عمدہ تھی اور کاغذ بھی نفیس تھا۔

کیلاش جوگا نواں ضلع فیروزپور سے ۱۹۱۳ء کو یہ رسالہ جاری ہوا ۲۴ صفحوں پر مشتمل تھا۔ جناب ناداں فیروزآبادی ایڈیٹر تھے، سالانہ قیمت ایک روپیہ تھی طرحی غزلوں کے ساتھ ہر قسم کی مضامین علمی، اخلاقی ظریفانہ اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے، ہر ایک نئے خریدار کو ہر آنے کی ایک کتاب روانہ کی جاتی تھی۔

مساوات الٰہ آباد سے ۱۹۱۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار وجود میں آیا، مولوی نذیر احمد صاحب علیگ اس کے ایڈیٹر تھے

سولہ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر ادیب الہ آباد نے مئی ۱۹۱۳ء کے شمارے میں تبصرہ کیا ہے۔

"سادات ایک جدید قومی اخبار ہے جو الہ آباد سے زیر ایڈیٹری مولوی نذیر احمد صاحب علیگ شائع ہونے لگا ہے، سیاسی اقتصادی تمدنی، تعلیمی مسائل پر آزادانہ بحث کرتا ہے اور صنعتی تجارتی و قانونی معلومات مفید کا ذخیرہ مہیا کرتا ہے اخبارات و رسائل تراجم و اقتباسات شائع کرتا رہتا ہے اور اس کے سلک میں داخل ہیں اور واقعی عملی ثبوت بھی دے رہا ہے کوئی ہفتہ ایسا نہیں ہوتا کہ اخبار دلچسپیوں سے خالی ہو۔ دارالسلطنت صوبہ متحدہ میں کسی اردو اخبار کا نہ ہونا ایک تعجب خیز بات ہے سادات نے اس کمی کو پورا کیا ہے۔ ہم لائق ایڈیٹر صاحب کی محنتوں کی داد دیتے ہیں"

اس اخبار کی معاصرین نے تعریف کی ہے۔ نقاد آگرہ بابت ماہ اگست ۱۹۱۳ء میں بھی اس پر ریویو چھپا ہے۔

"ہمارے صوبہ میں بہت کم اخبارات شائع ہوتے ہیں اور ان میں بھی چند اخبار ایسے ہیں جنھیں موضوع اخباری کے لحاظ سے اخبار کہا جا سکے۔ سادات الہ آباد سے نکلتا ہے اور اس کی اشاعت کو اب تیسرا سال ہے اس کے ایڈیٹر مسٹر نذیر احمد صاحب ہیں جو متانت و سنجیدگی سے اخبار مرتب فرماتے ہیں اور جب سے ان کے دفتر میں ہمارے لائق دوست حضرت مسعود مرزاپوری آ گئے ہیں اس وقت سے اس اخبار کی ادبی حیثیت اور بھی بڑھ گئی ہے عمدہ کاغذ پر صفحہ دار

شائع ہوتا ہے۔"

۲ ستمبر ۱۹۱۳ء کے الہلال کے شمارے میں مولانا ابوالکلام آزاد صاحب نے بھی اس اخبار پر تبصرہ کیا تھا۔

"یہ اخبار حال میں شائع ہوا ہے، صوبجات متحدہ میں اب تک علی گڑھ گزٹ اور البشیر وغیرہ کے سوا مسلمانوں کے ہاتھ میں بادقعت اخبارات بالکل نہ تھے، پچھلے دنوں لکھنؤ سے مسلم گزٹ نکلا اور اب خوشی کی بات ہے کہ اس طرف تعلیم یافتہ اصحاب کو توجہ ہونے لگی ہے، چنانچہ مساوات اسی سلسلہ میں قابلِ ذکر ہے، اس کا ایک پرچہ ریویو کی غرض سے ہم نے اٹھالیا ہے۔ ضخامت ۱۲ صفحہ کی ہے جو کافی ہے کاغذ عمدہ لگایا جاتا ہے اور غالباً اس لحاظ سے اپنے صوبہ کے تمام اخبارات میں ممتاز ہے۔ خبروں کے انتخاب اور اہم واقعات اور کونسل کے ضروری مباحث وغیرہ کے تراجم و تذکرے کا بالعموم اہتمام کیا جاتا ہے صوبجات متحدہ میں ابھی اردو اخبارات کی بہت کمی ہے اور پبلک میں روز بروز اخبار بینی کا مذاق بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے نئے اخبارات جس قدر شائع ہوں بہتر ہے، امید ہے کہ الہ آباد کے اس ننھے اردو اخبار کو جو صوبے کے دارالحکومت سے نکلتا ہے ترقی و کامیابی کے وسائل بہت جلد حاصل ہو جائیں گے۔"

اقبال لدھیانہ سے یہ علمی، ادبی، اخلاقی، تمدنی اور تاریخی رسالہ ۱۹۲۳ء میں نمودار ہوا، شاہزادہ محمد سابر صاحب درانی کے ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رائیس گزٹ غالباً ۱۹۱۳ء میں یہ رسالہ امرتسر سے جاری ہوا اس کا دار الاشاعت لاہور تھا۔

یہ پنجابی قوم آرائیں کا آرگن تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

دھرم ہیر لاہور سے یہ آریہ سماج کا آرگن ۱۹۱۳ء میں اشاعت پذیر ہوا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

ظریف دسمبر ۱۹۱۳ء کو راسو ر کنیڈی ہال سے یہ رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر پیرزادہ عبدالرشید تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔

رسالہ دلگداز لکھنؤ کے شمارے جنوری ۱۹۱۴ء میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

"یہ بھی ایک نیا اور رسالہ ہے جس کو زندہ دل اصحاب کا رسالہ ہونے کا دعویٰ ہے اور دسمبر ۱۹۱۳ء سے لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، ایڈیٹر پیرزادہ عبدالرشید صاحب ہیں اگر یہ رسالہ اپنے مذاقیہ لٹریچر کو اچھی طرح سنبھال کے نباہ کے لے گیا تو عام پسند ثابت ہوگا۔ لیکن یہ نہایت ہی مشکل کام ہے جس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ زبان جتنی عام ہوتی ہے اتنی عام ظرافت نہیں ہوتی، ہر مقام اور ہر سوسائٹی کی ظرافت اپنی خصوصیتوں کے لحاظ سے جدا ہوتی ہے۔ ظرافت کی بنیاد جن واقعول محاوروں اور خیالوں پر ہوتی ہے وہ اس قدر عام نہیں ہو سکتی جتنی کہ عام زبان ہوتی ہے اور ایسے لطیفے اور مضامین ظرافت جو تمام لوگوں کو یکساں لطف

دے جائیں، دشواری سے ہاتھ آ سکتے ہیں۔

کلام اردو ریاست بھرت پور سے ۱۹۱۳ء کو یہ گلدستہ نمودار ہوا، مرزا غضنفر حسین عروج اس کے ایڈیٹر تھے اور کچھ دنوں سید مولوی رضا صاحب شاد ایڈیٹر رہے اس میں بھرت پور کے شاعروں کا انتخاب چھپا کرتا تھا۔ بھرت پور کے سرکاری مطبع میں طبع ہوتا تھا ؎

اللہ اکبر دہلی میں محلہ سوجلہ پہاڑی سے یہ ہفتہ وار مذہبی اخبار ۱۹۱۳ء کو جاری ہوا۔ مولوی سید ممتاز علی ہاشمی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

۱۹۱۴ء میں اس اخبار نے عید نمبر شائع کرنے کا اعلان کیا جس کا اشتہار الہلال کلکتہ کے ۱۲ اگست ۱۹۱۴ء کے شمارے میں بھی شائع ہوا۔

"اللہ اکبر" اخبار کے واسطے برادران اسلام سے عموماً، اہل قلم حضرات جماعت علماء طلباء، شعراء سے خصوصاً گذارش ہے کہ اپنے بیش بہا مضامین مفید و دلچسپ اشعار و قلبی جذبات سے مطلع فرما کر اپنے پیارے اخبار اللہ اکبر کو زینت بخشیں، عید نمبر انشاءاللہ عید کے روز آپ کے پاس پہونچ جائے گا۔ رائل سائز ۲۰ انچ طول، ۱۲ انچ عرض پر ہوگا، ٹائٹل پیج نہایت خوبصورت

ؐ جائزہ زبان اردو صـ۱۷۲

ستھرے حروف، ولایتی چکنا کاغذ، نفیس خانہ کعبہ کے فوٹو سے مزین ہوگا۔ مضمون کے تے آٹھ صفحات چھوڑے جائیں گے، قیمت صرف ایک آنہ (عید نمبر)

صحیفۂ القمر یہ رسالہ دہلی سے ۱۹۱۳ء میں جاری ہوا ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ مولانا قمرالدین دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ نذرانہ ڈیڑھ روپے تھا۔

اس رسالہ کا حسب ذیل اشتہار رسالہ صوفی پنڈی بہاؤالدین مورخہ اپریل ۱۹۱۵ء میں شائع ہوا تھا۔

"وہ وقت آگیا جس کا نہایت بے قراری سے انتظار تھا، اگر آپ نے اب بھی اسلام کا حق ادا نہ کیا تو کس دن کیجئے گا سارے ہندوستان میں صحیفۃ القمر کی نرالی اور انوکھی باتوں کا غلغلہ پڑا ہوا ہے۔ احترام شریعت نبوی اس کا داہنا بازو ہے تو انصرام امور طریقت اس کا بایاں بازو ہے، یہ اخلاق و فلسفہ کا معدن ہے تو ادب لطیف اردو کے معلی کا مخزن ہے۔ ملک کے مشاہیر انشا پردازوں کے مضامین سے زینت عالم ہو کر نکلتا ہے، عوام و خواص دونوں کی دلچسپیوں کا ایک بہترین مشغلہ ہے سالانہ نذرانہ ڈیڑھ روپے ہے۔"

———

سنہ ۱۹۱۴ء

جوہر حسن | جے پور سے یکم جنوری ۱۹۱۴ء کو یہ ماہنامہ وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولوی سید نظر حسن سخا تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ یہ رسالہ بزم ادب جے پور کا آرگن تھا جو سال بھر سے پہلے بند ہو گیا تھا۔

مولوی سید نظر حسن سخا | نظر حسن صاحب کے والد ماجد مولوی سید غضنفر علی خاں اور جد امجد نواب افتخار سید نجف علی خاں تھے۔ آپ پرانے دہلی کے باشندے تھے۔ سخا صاحب ۱۸ فروری ۱۸۶۲ء مطابق ۱۸ شعبان ۱۲۷۸ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ دہلی میں ابتدائی کتابیں پڑھیں نو سال کی عمر میں لکھنؤ پہنچے وہاں تعلیم کی تکمیل کی وہاں سے بنارس، اجمیر شریف اور لکھنؤ تک گھومتے رہے۔ شادی کرنے کے آٹھ برس بعد اجمیر شریف میں قیام کیا

مشن ہائی اسکول میں ایک برس تک مدرس دوم رہے اس کے بعد صدر مدرس مقرر ہوئے، ترقی پاکر کالجیٹ ہائی اسکول ٹھبرآباد میں فارسی کے پروفیسر بنے ایک برس کے بعد حیدرآباد دکن گئے وہاں محکمۂ صرف خاص کے ایک شاخ کے محاسب مقرر ہوئے، ترقی پائی تو دار ڈ انسٹی ٹیوٹ کے عربی و فارسی کے صدر مدرسی پر مامور ہوئے اس جگہ سے ہائی اسکول چاندگھاٹ میں فارسی کی پروفیسری کی جگہ ملی۔ پانچ چھ سال یہاں گذارے، اسی اثنا میں مرزا داغ کی خدمت میں پہنچے اور کلام دکھانا شروع کیا۔ قانون پڑھکر امتحان دیا۔ ایک سال بمبئی جاکر — مطبع حیدری صفدری کے سفیر مقرر ہوئے تھوڑے دنوں میں نیو ایلیواٹڈ ٹیچرز نیکل کمپنی میں ڈرامانسٹ ہو گئے اخبار دعوت اسلام کی ایڈیٹری ملی۔ ذاتی پریس قائم کیا۔ کئی کلبوں اور انجمنوں کے سکریٹری اور میر مجلس منتخب ہوئے۔ تقریباً اکیس کتابیں تالیف کیں جس میں مذہبِ جدید نے خاص شہرت حاصل کی ۱۳۲۷ھ میں حج سے فارغ ہوئے تو اقربا کے اصرار پر جے پور میں سکونت اختیار کی اور وکالت شروع کر دی، وکالت میں پوری نہیں پڑی تو جے پور کے محکمۂ تعلیمات میں مدرسہ عربیہ کے ہیڈ مولوی بنائے گئے، جے پور سے حیدرآباد دکن گئے۔ اور وہیں ۸ فروری ۱۹۳۳ء کو فوت ہوئے[1] صاحب سخنورانِ دکن نے ان کو غلطی سے یوپی کا باشندہ لکھا ہے

---

[1] تذکرہ شعرائے جے پور صفحہ ۲۷۰

ابتداءً حیدرآباد آکر اخباروں سے وابستہ رہے، پھر دارالترجمہ جامعہ عثمانیہ میں ملازمت کی نہایت خوش مزاج عالم فاضل بزرگ تھے[1] نغز خوب کہتے تھے انگریزی سے واقف اور انگریزی شاعری کے دشمن تھے ۱۳۵۲ھ میں انتقال کیا۔

شیدائے قد و زلف شکن در شکن ہوا
میں کس خطا میں لائق دار و رسن ہوا

جب ہو چکی بہار خزاں کا وطن ہوا
کہتا ہے اب چمن بھی کہیں کیوں چمن ہوا

مجبور باں تھیں کچھ تو زمانہ کی ورنہ کیوں
کانٹوں سے پھول باغ میں انجمن ہوا

اشکوں کے ساتھ رہنے سے ہے آب تاب اور
ہر پارہ جگر مرا لعل یمن ہوا

"دورِ جدید" جدید شاعری کا مجموعہ ہے جس میں قطعات ہی ہیں ایک قطعہ گوش گزار کیجئے ؎

حقیقت یہ ہے قرآن مجید آیا تھا دنیا میں
عمل کرنے کی نیت سے فقط پڑھنے پڑھانے کو
مگر اب دنیا دار رکھتے ہیں حفاظت سے
اٹھانے کو، ہوا دینے کو اور قسمیں اٹھانے کو

تنہا صاحب نے حضرت علی کرم اللہ وجہٗ کی منقبت میں ایک نظم بھی

[1] سخنورانِ دکن صفحہ ۱۱۲

کیا تھا جو مرزا قاآنی کے قصیدے کے جواب میں تھا، اس کے چند اشعار یہ ہیں :-

گردوں تیرہ ابرے بامداداں برشد از دریا
جواہر ریزد جوہر بیزد، جوہر خیزد، جوہر زا
سحر از شرق سر بر زد درختاں سبزہ بیضا
فروغ انگیزد تابش ریزد تابش بیزد تابش زا
چو چشم عاشقاں پر خون چو خد بیوزناں گلگوں
چو قلب مضطر مجنوں، چو روئے انور لیلیٰ

ستھا صاحب کے کلام میں بلند پروازی، جدت طرازی اور استادانہ پختگی پائی جاتی ہے۔

جگر برشتہ و دل خستہ و سرشک رواں
میں آدمی نہ ہوا، سیخ کا کباب ہوا

جواں ہوتے ہی دنیا کی کچھ خبر نہ رہی
شباب کیا ہوا، کیفیت شراب ہوا

اڑ جاؤں ابھی آہ میں، بہ جاؤں بکا میں
پانی ہوں میں پانی میں ہوا ہوں میں ہوا میں

گئی دنیا تو جائے بھاڑ میں عاشق کو کیا پروا
غم آزادوں کو ہوتا ہی نہیں، ابھی کبھی غم کی

وہ صورت دیکھتے ہی بے تامل تھم گئے آنسو
ستم تعجب کی ہوتی ہے کہیں خورشید شبنم کی،

استاد

موگہ ضلع فیروزپور سے جنوری ۱۹۱۲ء کو یہ ماہانہ
رسالہ طلوع پذیر ہوا۔ ۳۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔
محمد ابراہیم بٹ شیر پرود مسلم ہائی اسکول کے مہتمم تھے، سالانہ چندہ
ڈیڑھ روپیہ اور فی پرچہ تین آنے قیمت تھی۔

یہ رسالہ مصور تھا۔ رنگین تصویریں بھی چھاپی جاتی تھیں،
لکھائی چھپائی اچھی تھی، اس کا کاغذ عمدہ اور دبیز لگایا جاتا تھا۔
اخبار مشیر قلم لاہور مورخہ ۷ فروری ۱۹۱۲ء میں اس کا اشتہار
طبع ہوا تھا۔

ارشاد

ربیع الاول ۱۳۳۰ھ مطابق فروری ۱۹۱۲ء کو
یہ اسلامی، فقہی علمی اور تاریخی ماہوار رسالہ سہارنپور
سے جاری ہوا۔ ہر قمری مہینے کی پہلی تاریخ کو ۳۲ صفحات پر نکلتا
تھا۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی، مولوی فاضل ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ
دو روپے چار آنے تھا۔ رشید المطابع سہارنپور میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ مذہب اسلام کی حمایت اور اتباع شریعت نبویہ کی
اشاعت کے لئے جاری کیا گیا تھا۔ جس میں پیش آنے والے ضروری
احکام، فقہ حنفی یعنی فتاوی درج ہوتے اور شبہات، شکوک رفع
کئے جاتے تھے جو غیر مذاہب کی طرف سے اسلام پر لگائے جاتے تھے
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی معتبر سوانح دلچسپ پیرایہ سے
ہدیہ ناظرین کی جاتی تھی، دل شکن و غیر مہذب الفاظ سے کلی احتراز
تھا اور مناظرہ مباحثہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب

مولانا میرٹھ کے مشہور کنبوہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں آپ محلّہ کوٹلہ میں رہتے تھے، مولانا عبدالمومن صاحب جو مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، مدرسہ اسلامیہ میرٹھ کے صدر مدرس تھے، آپ مسجد اونچی محلہ گذری کے حجرے میں سکونت رکھتے تھے یہ مسجد اور مدرسہ اسلامیہ کی عمارت سے ملحق ہے۔ مولانا عاشق الٰہی صاحب نے اسی مسجد کے حجرہ میں مولانا عبدالمومن صاحب سے کتب درسیہ کی تحصیل کی اس کے بعد مولانا خلیل احمدؒ صاحب ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور سے حدیث کی اجازت اور سند حاصل کی۔ آپ مولانا خلیل احمدؒ صاحب سے بیعت تھے، مولانا عاشق الٰہی صاحب نے تقریباً تین حج کئے، ایک حج مولانا خلیل احمدؒ صاحب کے ہمراہ کیا۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب کو حضرت مولانا خلیل احمدؒ صاحب سے عقیدت ہی نہیں بلکہ محبت تھی۔

ایک مرتبہ مولانا خلیل احمدؒ صاحب نے اپنے میرٹھ آنے کی اطلاع مولانا عاشق الٰہی صاحب کو دی۔ جس رات آپ آنے والے تھے، میرٹھ میں شدید بارش ہوئی، گھر سے نکلنا مشکل تھا۔ اسٹیشن جانے کا ارادہ کیا تو دوستوں نے منع کیا کہ یہ بارش دور دور ہو رہی ہے، اس لئے مولانا خلیل احمدؒ صاحب ایسی حالت میں سفر نہیں کریں گے، آپ کو مولانا کی عادت کا پتہ تھا کہ آپ اپنے وعدہ پر سختی کے ساتھ عمل کرتے تھے۔ چنانچہ آپ اسٹیشن

لیے تھے سہارنپور سے بھاگ کر کوئی سواری نہیں ملی تو پیدل ہی چلے گئے، پلیٹ فارم پہنچے جب گاڑی آئی تو حضرت نظر آئے۔ گھر کی سے منہ نکال کر جھانک رہے تھے گاڑی سے اترتے ہی آپ نے مولانا عاشق الٰہی کو سینہ سے لگالیا اور فرمایا تم نے کیوں تکلیف کی، سہارنپور میں بھی بارش شدید تھی تم کو اطلاع کرادی تھی اس لئے آنا ضروری تھا ورنہ تم کو تکلیف پہنچی ہے^۱

مولانا خلیل احمد صاحب کو بھی آپ سے بے حد لگاؤ تھا

مولانا عاشق الٰہی صاحب سنہ ۱۳۲۱ھ کو حج کے لئے حجاز مقدس پہنچے اس سال زیادہ شورش اور بدامنی پھیلی ہوئی تھی، ان حالات میں کافی دنوں تک آپ کا خط گھر نہیں پہنچا، گھر والے اور مولانا خلیل احمد صاحب بہت فکرمند تھے اور جب یہ خبر ملی کہ بدوی قافلہ کو بدو لوٹ رہے ہیں اور بہت حاجی مارے گئے ہیں، تو پریشانیوں میں اور اضافہ ہوا۔ آپ کے گھر والوں نے، مولانا خلیل احمد صاحب کو خط لکھا کہ آپ کے پاس خط ضرور آیا ہوگا، مولانا عاشق الٰہی صاحب کی خیریت سے مطلع فرمائیں۔ آپ نے جواب میں لکھا۔ میں خود انتہائی پریشان ہوں اور اس افواہ نے تو کمر توڑ دی، کچھ عرصہ کے بعد جب آپ کا خط حضرت کو اور گھر والوں کے پاس پہنچا تو ان کو اطمینان ہوا۔

---

۱ تذکرۃ الخلیل صفحہ ۱۲۲

جب مولانا عاشق الٰہی صاحب نے مولانا خلیل احمدؒ صاحب کو اپنے سہارنپور پہنچنے کی اطلاع دی تو آپ اسٹیشن پہنچے اور ان کا کھانا ساتھ لے گئے۔ جب مولانا عاشق الٰہی گاڑی سے اترے تو مولانا خلیل احمدؒ صاحب سے معانقہ کیا اور خوشی سے دونوں ہی آبدیدہ ہو گئے۔

مولانا عاشق الٰہی صاحب کافی عرصہ تک خیر المطابع میرٹھ کے مہتمم رہے تھے اور کافی علمی و دینی وغیرہ کتابیں آپ نے طبع کرائیں آپ کو نایاب و نادر کتابیں جمع کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ آپ نے تذکرۃ الخلیل میں ایک نایاب کتابیں حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے۔

" ۱۳۲۸ھ میں مصری ٹائپ خریدنے کے لئے میں جب مصر گیا اور واپسی براہ شام و عراق ہوئی تو دمشق میں مجھے پتہ لگا کہ سید بدر الدین محدث کے پاس فتح الفوائد کا قلمی نسخہ کامل تھا۔ اور ٹرکی و فرانس کی جنگ میں محدث کا مکان نذر آتش ہوا تو وہ نایاب نسخہ بھی جل گیا۔ مگر اس کی ایک نقل قریہ کفرسوسہ کے قدیم کتب خانہ میں جو دمشق سے ستر میل فاصلہ پر ہے شیخ محمود رشید کے پاس محفوظ ہے۔ مجھے شوق ہوا کہ اس کی حفاظت کا شرف ہندی مسلمانوں کو نصیب ہو، اس لئے مولانا محمود سے ملا۔ لہٰذا کتاب کو ہندوستان لا کر حضرت مولانا

۱؎ تذکرۃ الرشید جلد دوم

خلیل احمدؒ صاحب) کے سامنے پیش کیا۔ آپ نے بڑے شوق
اور غور سے اسے دیکھا اور بسر در ہو کر اس کے طبع ہو جانے کی
خواہش ظاہر فرمائی۔ کہ وہ جامع الاصول اور مجمع الزوائد کا مجموعہ
تھا جس میں علامہ محمد بن محمد روانی نے بخاری، مسلم، ترمذی،
ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، موطا امام مالک، مسند ابو یعلی موصلی
مسند ابو بکر بزار، مسند دارمی، اور طبرانی کی معجمات ثلاثہ کبیر
واوسط وصغیر چودہ کتابوں کی تمام حدیثوں کی حذف مکررات
وترک اسانید ایک عجیب ترتیب کے ساتھ جمع کیا ہے چنانچہ
آپ نے اس کی تخریج وتصحیح میں تین سال محنت اٹھا کر
مصری ٹائپ میں اس کو طبع کرایا۔"

مولانا عاشق الہیؒ نے اپنا کافی وقت تصنیف وتالیف
میں صرف کیا تھا۔ آپ کی حسب ذیل تصانیف ہیں۔
تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل، ترجمہ قرآن مجید، مکاتیب رشیدیہ
تاریخ الاسلام، یا اسلام عاشقی، الصلوٰۃ اور بہترین جہیز وغیرہ
مولانا عاشق الہیؒ صاحب نے اپنی ایک بیٹی کی شادی کے
موقع پر بیٹی کو وصیت کی تھی، جو کتابی شکل میں "بہترین جہیز"
کے نام سے شائع ہوئی، آپ شاعر نہیں تھے لیکن فکر رخصتی کے
قلق میں رات کو چند شعر کہے جو اس کتاب میں شائع ہوئے ہیں
اول وآخر کے پانچ شعر گوش گزار فرمائیں ؎

بیٹی ترے گلے میں نازوں کے ہار ہوں
چمپا کلی کے دانے صبام النہار ہوں

جھومر ہوں حسن خلق، گلوبند حب حق
سہرے کے پھول، منزل قرآن کے ہوں ورق
کانوں کی بالی، حلقۂ بگوشی خدا کی ہو
ہاتھوں کی چوڑی، دست نگری مصطفیٰ کی ہو
بس لو وصیت آخری، کہتا ہوں ایک بات
اسلام ہو لباس، عبادات، زیورات
دنیا دنی ہے ہیچ ہے سب مال کا مال و زر
اللہ بس ہے باقی ہوس، قصہ مختصر

شوق بازار حکیماں لاہور سے اپریل ۱۹۱۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ پچاس صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر شوق لاہوری تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا برہمن سٹیم پریس لاہور میں باہتمام پنڈت امین چند برنٹر چھپتا تھا۔

اس رسالہ کا مقصد اردو علم و ادب کی ترقی، اعلیٰ درجے کے علمی اخلاقی، تاریخی، ادبی، مجلسی مضامین اور جدید و قدیم طرز کی بہترین شاعری کے ذریعہ سے اردو داں پبلک میں معیاری مضامین، عمدہ اشعار، نظمیں اور افسانے لکھنے اور ان کا مطالعہ کرنے کا شوق پیدا کرنا تھا۔ ایڈیٹر صاحب کی تحریر کے مطابق رسالہ میں نزاعی اور پولٹیکل مضامین ہرگز درج نہ ہوں گے۔

اس رسالہ کے مضمون نگار مولوی محمد حسین نازش بدایونی جناب منشی محمد الدین فوق، منشی دنانک پرشاد طالب بنارسی، حافظ

محمد شاہد حسن صاحب شاہد، جناب ریاض خیرآبادی اور مولانا وحاجی منشی عبدالخالق صاحب خلیق دہلوی وغیرہ تھے۔

سنہ ۱۹۱۴ء میں بڑا خوفناک دہلک قحط پڑا تھا جس پر جناب منشی دوارکا پرشاد طالب بنارسی نے چند رباعیاں اور قطعات کہے تھے جو جون سنہ ۱۹۱۴ء کے شمارے میں طبع ہوئے

ڈالی ہے گرانی سے جو گھاٹے کی طرح
پیڑا کیا ہے قحط نے باٹے کی طرح
سڑتے تھے اسی دن کے لیے جو غلّہ
اینٹھے ہیں وہ اب ماش کے آٹے کی طرح

کیا دھو کے پکاتیں نا نبائی چاول
سیر سے کی گئی ہے اب تو سوا ئی چاول
ان کی بھی اس قحط میں کچھ دال گلی
جو لوگ پکاتے تھے ڈھائی چاول

فانوس خیال

پٹھان کوٹ سے جون سنہ ۱۹۱۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا۔ ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو شائع ہوتا تھا، ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ بیادگار جناب رسا مرحوم جاری ہوا تھا۔ ایڈیٹر ابو رشید عبدالمجید سالک بٹالوی تھے سالانہ چندہ تین روپے اور قیمت فی پرچہ ساڑھے تین آنے تھا مجددی پریس امرتسر میں باہتمام منشی نبی بخش چھپتا تھا سرورق پر یہ رباعی درج ہوتی تھی۔

اب وہ نہ نگاہ شوق کا بڑھ کے ہلال
پیدا ہوئے قوم میں اراکین کمال

پروانے ہوا ہیں شمع فن پر سالک ہے زینتِ بزم علم فانوس خیال

اس رسالہ کا قطعہ تاریخ اجرا جناب غالب بنارسی نے کہا۔

نکلا نیا رسالہ انداز خوبی کا سہرا ہوا،
علم و ہنر کے نور کا پرتو روشن جلوہ ماہ کمال
ہی روشنی کا نورانی ظہر درخشاں نجم ضیا
غالب نے تاریخ کہی "تنویر شمعِ فانوس خیال"

۱۹۱۴ء

رسالہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱۔ اعلیٰ درجہ کے مضامین، افسانوں، شگفتہ نظموں اور قدیم و جدید شاعری کے ذریعہ اردو علم و ادب کی ترقی میں مساعی رہنا۔

۲۔ اردو علم و ادب میں علمی اخلاقی، فلسفیانہ تاریخی، طبعی اور تمدنی محاسن پیدا کرنا۔

۳۔ دوسری زبانوں کی خوبیاں اردو علم و ادب میں جمع کرنا۔

۴۔ گورنمنٹ عالیہ کے احسانات کا شکرگزار رہنا اور ابنائے ملک کو وفاداری کی تعلیم دینا۔

جناب عبدالمجید خاں صاحب سالک بٹالوی نے پہلے شمارہ جون ۱۹۱۴ء میں مقدمۃ المدیری کے عنوان کے تحت مقالہ افتتاحیہ میں رسالہ کے خصوصی مقاصد پر روشنی ڈالی۔

"یورپ میں جب کسی نئے پرچے کی اشاعت کا نوٹس دیا جاتا ہے تو جب تک ۴۰ یا ۵۰ ہزار درخواستیں نہیں آجاتیں جاری نہیں ہوتا۔ اور پھر ایک ہی سال میں لاکھوں تک اشاعت ہوجاتی

ہے۔ اور سب سے پیشگی قیمت بدون طلب تقاضا وصول ہو جاتی ہے۔ وہاں مابعد قیمت کا رواج ہی نہیں، جیسی بازاری اشتہار ایسا ہی اخبار، تو نقد پہلے تاکہ تبرہ ادھار رہے سہ

کچھ دیر نہیں اندھیر نہیں انصاف اور عدل پرستی ہے
اس ہاتھ کر داس ہاتھ ملے یاں سودا دست بدستی ہے

ہندوستان میں کسی پرچے کی ہزار دو ہزار اشاعت بڑی دولت اور بیس تیس ہزار تو گویا معراج ہے، سیکڑوں پرچے نادہندی کے طوفان میں غرق ہو گئے۔ درختان خودرو یا سبزہ بیگانہ کی طرح اگے اور چند روز بعد کس مپرسی کی باد سموم کی بدولت مرجھا گئے۔

فرانس کے بعض اخبارات روزانہ دس لاکھ شائع ہوتے ہیں اخبار کا پریس خانہ تین میل کی وسعت میں ہے لندن ٹائمز کے ۷ نامہ نگار اور ایڈیٹر صرف لندن میں ہیں۔ کسی کی تنخواہ چار ہزار روپے سے کم نہیں، میدان جنگ میں سر سے کفن باندھ کر جو نامہ نگار جاتے ہیں ان کی تنخواہوں اور تار برقیوں میں لاکھوں روپے صرف ہو جاتے ہیں۔ ہندوستان میں اخبار ایک تلخ دوا ہے جو مریض کو دی جاتی ہے اور وہ منہ بناتا ہے یورپ میں اخبارات اور رسالے روحانی غذا ہیں جو صحیح العقول کے قوائے دماغی اور ادراکات و معلومات کو قوی کرتے ہیں۔"

حضرات! شاید آپ یہ خیال فرمائیں کہ آخر فانوس خیال کیا جنت دکھاتے گا میرے پاس اس کا کوئی جواب تو نہیں ہے البتہ پبلک کی قدر دانی اور رتبہ سنجی فانوس خیال کے صفحات میں خود

اس سوال کا عملی جواب دے سکتی ہے اور انشاء اللہ دے گی۔ میں تو فانوس خیال کا صرف خادم (ایڈیٹر) ہوں۔ تیل بتی ترتیب و مضامین) سے اس کو روشن کرنے والا۔ مالک نہیں ہوں۔ مالک تو پبلک ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ہر شئے کا خریدار ہی اس کا حقیقی مالک ہوتا ہے نہ کوئی کارندہ۔ پس میری ملکیت برائے نام اور مجازی ہے اور خریداروں کی ملکیت حقیقی پس میں تو کچھ نہیں ہوں سب کچھ آپ ہی ہیں اور فانوس خیال میں آپ کا ہی جلوہ ہوگا۔

حسنِ ازل گر تجھ میں نہ ہوتا کیونکر ہوتا میں عاشق
کیوں نہ کہوں اے شاہد یکتا میں بھی تو ہی اور تو بھی تو ہی

البتہ یہ وعدہ کیا جاتا ہے کہ پبلک کا دل ہاتھوں میں لینے اور ہر طرح خوش کرنے میں حتی الوسع کوتاہی نہ ہوگی ما رلڈ ریری نظم و نثر سے دولہن کی طرح آراستہ ہو کر فانوس خیال بالعموم ما ہوار جلوہ افروز ہوگا۔ جس قدر اشاعت میں ترقی ہوگی اس کے تیل بتی میں صرف کی جائے گی۔ مذہبی متعصبانہ مباحث اور سیاسیات سے بالکل پاک ہوگا۔ متصوفانہ مضامین البتہ شائع ہوں گے کیونکہ تصوف ہر مذہب کی جان ہے۔

اس رسالہ کی توسیع اشاعت میں حسب ذیل حضرات نے سعی حصہ لیا۔

منشی حاکم علی خاں خادم سیالکوٹ، منشی عبدالمجید صاحب حزیں کلانور، منشی علی احمد صاحب ترشی بلاغت امروہوی، منشی غلام فرید عالمیانوی، ابوالمعانی شیخ محمد عثمان شاد دیونوی، حکیم عبدالرزاق عجمی

رئیس قصبہ بیاور ضلع اجمیر، حضرت مجدد السنہ مشرقیہ مولانا شوکت میرٹھی ۔

اس رسالہ کے مضمون نگار ملک کے مشہور و معروف اہلِ قلم تھے جنوری ۱۹۱۵ء کے شمارے میں حسب ذیل مضامین ہیں ۔

شعرائے فارس کے کلام کا نمونہ، از حضرت مجدد السنۃ مشرقیہ مولانا شوکت میرٹھی ۔ عشق کا سودا، از سید ناصر نذیر فراق، دہلوی، حب، از مولوی قاضی احمد میاں صاحب اختر جوناگڈھی، پیغام حیات از سید محمد یوسف قیصر بھوپالی، مشکل اخوت از منشی دیا نک پرشاد صاحب طالب بنارسی، تمنائے عبدالغنی از حکیم عبدالرزاق صاحب مجمی ۔ کلام ساقی از منیشی جواہر ناتھ کول ساقی دہلوی سیاسنامہ ابوالمعانی شیخ محمد عثمان صاحب شاد بدایونی جناب عبدالمجید سالک صاحب کا مقالہ افتتاحیہ جنوری ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں چھپا ہے ۔ ایک معاصر کی تنقید و تبصرہ کا جواب انھوں نے دیا ہے ۔

حضرت مجدد السنۃ مشرقیہ مولانا سید احمد حسن صاحب شوکت میرٹھی مدظلہٗ نے جو حکیم مومن خاں صاحب مرحوم دہلوی کے چند نازک اشعار کی شرح فانوس خیال بابت اکتوبر ۱۹۱۴ء میں کرائی ہے منجملہ ان کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎

وصل کی شب شام سے میں سو گیا
جاگنا ہجراں کا بلا ہو گیا

حضرت مقتنم علیہ نے نفسِ مضمون کی تعریف یا تحسین نہیں کی، بلکہ

جو ذیل شرح کی ہے کیونکہ وہ ریختہ گو شعرا کی تک بندی کا کہ جس میں صرف ہجر و وصال وغیرہ کے عاشقانہ لغو خیالات ہوتے ہیں وہ پسند فرماتے ہیں اور اشعار ان رسالوں میں شائع کراتے اور دوسروں کو ہدایت کرتے ہیں کہ شستہ شعر لکھتے سلیقہ، فہم و فلسفی ہو اور بے سود شاعری سے کنارہ کش رہو۔ مگر افسوس ہے کہ اخبار پیغام صلح کے ایڈیٹر صاحب فاتر الخیال ہیں ریویو کرنے میں اور مندرجہ بالا شعر کی شرح کو حیا سوز اور غیر مہذب بتاتے ہیں اور بازاری محاورہ قرار دیتے ہیں اگر آپ کو شاعری اور لٹریچر کا کچھ بھی مذاق ہوتا تو ایسا نہ فرماتے، حضرت شگفتہ صاحب نے مذاق میں اس شعر کا خاکہ اڑایا ہے اور بعض کے طور پر شرح لکھی ہے مگر یہ کیا سمجھے، ہندوستان سے شعر گوئی کا زمانہ ہوا رخصت ہو چکا ہے، ایسے ایڈیٹر صاحب تا دمانی دربستہ لات محض ہوا ہوسی ہے پھر آپ دس پانچ اخباروں کے اور رسالوں کے سوا تمام اردو اخبارات رسالوں کے لٹریچر کو غلط اور غیر مہذب بتانے میں خدا کی شان کوہ کہسار کی تلہٹی کے غیب آباد کے رہنے والا اپنی پہاڑی بولی کو دہلی اور لکھنو وغیرہ کے بڑے بڑے شہروں کے مستند لٹریچر اور محاورات پر ترجیح دے، کیا زمانہ ہے سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔

مسئول جناب اس ریویو میں آپ نے مندرجہ ذیل فقرے و محاورات تو بہت ہی شریفانہ اور مہذب ہیں اور ان کا لٹریچر بھی نہایت صحیح و مستند ہے بازاری ایک بھی لفظ نہیں، آپ غور سے پڑھیں

تو یقین ہے کہ عرق ندامت کی ریلوں میں غرق ہو جائیں گے،
نہیں کیسی ندامت اور کس کا عرق اور حیا کا کیا اثر بقول حضرت
محمد عبد القادر بیدل سے

تک و پوئے بیہودہ یک نفس در انفعال ہوس نزد
بمحیط میرسدم شنا ورقے اگر بحیا رسد

طرح اطمینان رکھئے کہ جب ہوس کا اردو کلام نہ سمجھ سکے تو بیدل
کا نازک اور مضبوط فارسی کلام ہرگز نہ سمجھ سکیں گے نہ آپ کیا مشرب
جدید یا سفیدوں کا کوئی مشہور بوری سخن فہمی کا مرد میدان بن سکیگا۔
لہذا میں ہی اس شعر کا نازک اور دقیق مطلب سمجھاتا ہوں۔ حالانکہ
یہ شعر حضرت بیدل کے آسان ترین اشعار میں سے ہے، مشکل اور
ادق اشعار سے تو آپ حواس باختہ اور ہوش فاختہ ہو جائیں گے۔
حضرت بیدل فرماتے ہیں کہ میری بیہودہ ترکتازیوں نے بعد تعب
نے دم بھر کے لئے بھی ہوس کے شرمندہ کرنے کا دروازہ نہ
کھٹکھٹایا، یعنی ہوس کو شرمندہ نہ کیا۔ کہ تو کیا حکم مار رہی ہے
بلکہ یہاں تو ڈھٹائی اور بے حیائی کی یہ کیفیت ہے اگر حیا سے
عرق تھی آجاتے تو یوں سمجھوں کہ دریا میں شناوری کر رہا ہوں!!
علی ہذا جیسی ہو بیالیے کرناک کی لوک تھی ڈوبلی جائے تو یہ
سمجھنا سچا ہوگا کہ ریلوں کے پیرتر انسان میں جنم جنم کے پاپ دھل
رہے ہیں۔ آپ کا وہ تہذیب اور صحیح لٹریچر اور آپ کے مقدس
محاورات یہ ہیں اور طرز تحریر تو ذرا بھی دل شکن نہیں ہے
میرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب کے کتب خانہ

میں فانوس خیال کے آٹھ شمارے، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر نومبر، دسمبر ۱۹۱۴ء اور جنوری ۱۹۱۵ء میں، دسمبر اور جنوری کے شمارے مشترکہ شائع ہوئے۔ مولانا عبدالمجید سالک کے چار مضمون مقدمۃ المدیر، جون، دوماہا اگست، فانوس خیال کی قدردانی، سلسلہ مولانا حالی، نیچرل شاعری نومبر ۱۹۱۴ء اور شعوم را بمدرسہ کہ برد دسمبر ۱۹۱۴ء جنوری ۱۹۱۵ء میں چھپے ہیں اور دو نظمیں حال زار قوم، جولائی علیگڑھ مسلم ستمبر ۱۹۱۳ء میں شائع ہوئی ہیں

دو مضمون مقدمۃ المدیر اور فانوس خیال کی قدردانی، رسالہ فانوس خیال کے اجراء اور اس کی اشاعت بڑھانے کے سلسلے میں ہیں۔ بقایا مضمونوں میں صرف ایک آخری مضمون شعوم را بمدرسہ کہ برد خالص مضمون ہے۔ اس کی حیثیت یہ ہے کہ پیغام صلح میں مومن کے خیالات پر اعتراضات چھپے تھے اس میں مولانا سالک نے جوابات دیے ہیں۔

ان آٹھ شماروں میں تیرہ حسب ذیل مضمون ادبی ہیں۔

میرے جذبات کی تصویر از سیماب اکبرآبادی (جون ۱۹۱۴ء) اعلیٰ درجہ کے کلام کی خوبی مولانا شوکت میرٹھی، اردو لٹریچر جناب سید شعیب احمد ندرت میرٹھی، کسی کی تلاش، سید اصغر حسین نادر شیانوی زمرہ مضمون جولائی ۱۹۱۴ء فانوس خیال کی سرگزشتی، شیخ ضیاء الدین اثر شک علیگڑھ شہری اگست ۱۹۱۴ء فانوس خیال، مرزا اسمٰعیل احمد ستمبر ۱۹۱۴ء اردو زبان مولوی محمد شفیع الدین نیر، اردو کی اہمیت خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی ستمبر ۱۹۱۴ء کامیاب تمنا، نشتر سکندر آبادی

اردو زبان کے شعراء، نازک خیال، شوکت میرٹھی (اکتوبر ۱۹۱۱ء) الشعراء
ملا سید الرحمٰن، قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی، لطیفہ مولانا جامی، علم المجید
سالک شہ لوی (نومبر ۱۹۱۱ء) و شعراء فارس کے کلام کا نمونہ شوکت میرٹھی
اور اردو میں انگریزی منشی گلکنیر رپٹ و خلش ندروی (دسمبر ۱۹۱۲ء
جنوری ۱۹۱۳ء)

ان مضمون میں اردو لٹریچر، اردو زبان، اردو کی اہمیت، اردو زبان کے شعراء، الشعراء من ملا سید الرحمٰن یقیناً بہترین مضمون ہیں۔ اردو کی اہمیت والا مضمون ستمبر ۱۹۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے اس میں اردو کو ترقی دینے کے لئے حکومت سے مطالبے کئے ہیں۔

"موجودہ حالت کو دیکھ کر آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب کچہریوں کے کاغذات اردو سے انگریزی میں بدل گئے ہیں اور عدالت کی کارروائیاں انگریزی میں ہونے لگی ہیں اور جب سے کچہریوں میں انگریزی رائج ہو گئی ہے حکام کو اردو بولنے کا بہت کم موقع ملتا ہے وہ اردو کو غیر ضروری سمجھ کر اس کے حاصل کرنے کی چنداں پرواہ نہیں کرتے۔ گورنمنٹ نے ہم سے ہندوستان میں امن قائم رکھنے کا وعدہ کیا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ ہم ہر ایک وجہ پہلو کو گوش گزار کر دیں"

اس وقت ترقی دینے کی سب سے عمدہ صورت یہ ہے کہ کسی صوبہ میں ایک اسکول اردو قائم کیا جائے جس میں تین برس تک افسران سولین کو تعلیم دی جائے اور ان کا باضابطہ امتحان لیا جائے۔ کچہری کے

وہ تمام کاغذات جو آج سے پندرہ برس پیشتر اردو میں لکھے جاتے تھے اور اس درمیان میں انگریزی سے بدل گئے ہیں سب اردو میں بدل دیے جائیں، عدالت کی زبان اردو قرار دی جائے، حکام اپنے فیصلے اردو میں لکھیں، وکیل اردو میں بحث کریں حاکم ہندوستانی میں بات چیت کرے صوبجات کے تمام حکام کو جو اردو میں خط وکتابت نہیں کر سکتے رخصت دی جائے کہ وہ ہندوستانی زبان اچھی طرح حاصل کرنے کے بعد اپنی جگہ پر واپس آئیں اس صورت میں اردو کی اچھی خاصی ترقی ہو سکتی ہے۔

ان آٹھ شماروں میں تاریخی مضمون صرف دو مقبرہ جلال الدین اکبر، مرزا ضمیر الدین عرش گیاوی (جون ۱۹۱۴ء) اور مرقع دکن منشی قطب الدین زاہی سابق ایڈیٹر تحفہ دکن پونہ (اگست ۱۹۱۴ء) ہیں، دونوں مضمون محنت اور کاوش سے لکھے گئے ہیں۔

مشائخ اور اولیوں کے حالات پر تین مضمون، خواجہ سلام حیدر آبادی اور خواجہ فخر الدین فخر، حیدر آبادی جون ۱۹۱۴ء، خواجہ حافظ علیہ الرحمۃ از مولوی قاضی احمد میاں اختر جوناگڈھی ستمبر ۱۹۱۴ء) ببررضی، اختر جوناگڈھی (اکتوبر ۱۹۱۴ء) طبع ہوئے ہیں، سلام حیدر آبادی اور حافظ علیہ الرحمہ والے مضمون معقول ہیں۔

افسانے آٹھ کے قریب ہیں، سات سہیلیوں کا جھگڑا، ناظر نذیر فراق (جولائی ۱۹۱۴ء) بدنصیب کا لال، مولانا راشد الخیری جولائی ۱۹۱۴ء اندھا عشق، منشی دنانک پرشاد طالب بنارسی اگست ۱۹۱۴ء) ایمان پر ناپاسچہ سچی قربانی، طالب بنارسی ستمبر ۱۹۱۴ء کالی چوڑیاں، سید ناصر

مدیر فراق دہلوی، مرتب بید کا ترنگر لیسر، طالب بنارسی (اکتوبر ۱۹۱۴ء
عشق کا سودا، سید ناصر مدیر فراق دہلوی، حبیب اختر جوناگڑھی
(دسمبر ۱۹۱۴ء جنوری ۱۹۱۵ء)

ایک عجیب افسانے کو چھوڑ کر بقایا افسانے اپنی نوعیت کے بہترین افسانے ہیں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ افسانوں کی وجہ سے اس رسالہ میں جان پڑی ـ اور دوسرے قسم کے مضامین اتنے معیاری اور اچھے نہیں تھے لہذا یہ کہنا بھی غلط نہ ہوگا کہ رسالہ کے مالک صاحب نے اس رسالہ میں اپنے جوہر نہیں دکھلائے ان کے مضامین نہ ہونے کے برابر تھے، اس میں شعر و شاعری کا حصہ بھی تھا۔

رسالہ عصرِ جدید میرٹھ نے اپنے شمارے اکتوبر ۱۹۱۵ء میں نادرِ خیال پر ریویو کیا ہے۔

"یہ ایک ماہوار ادبی رسالہ ہے، جس میں کوئی خاص جدت نہیں ہے۔ آج کل اردو کے عام ادبی رسالوں میں جس قسم کے مضامین ہوتے ہیں، تقریباً ویسے ہی اس میں دیتے جاتے ہیں۔ منشی عبدالمجید خاں مالک بخاری ایڈیٹر ہیں، بہتر ہو اگر منشی صاحب نادرِ خیال میں لکھنؤ کے قابلِ قدر رسالہ معلومات کا رنگ پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ایسے معلومات شائع کریں جس سے اردو ادب کو باقاعدہ نفع پہونچ سکے، ورنہ اس ناقدری کے زمانہ میں یہی مناسب ہے کہ وہ ادبی خدمت سے کنارہ کش ہو کر دوسرے کاموں میں لگ جائیں۔"

مولانا عبدالمجید سالک

سالک کے پردادا کے والد مرحوم کوٹ رندھاوا ضلع گورداسپور کے رہنے والے تھے ان کی چھوٹی سی زمینداری تھی، اسی زمانے میں نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ ان کی زمینداری ختم ہو گئی۔ تو ان کے پردادا بٹالہ میں چلے گئے اور محلہ بلوان کے ایک چھوٹے سے مکان میں مقیم ہوئے اور ایک چھوٹا سا صابن سازی کا کارخانہ کھولا۔ یہ بہت متقی پرہیزگار اور تہجد گزار بزرگ تھے ان کے متعدد صاحبزادے ہوئے جن میں دین محمد، میاں محمد، میر محمد اور سلطان محمد زندہ رہے میاں میر محمد سالک صاحب کے دادا تھے، ان کے ہاں چار فرزند ہوئے۔ ایک بچپن میں فوت ہو گئے اور تین لڑکے عبدالعزیز، غلام قادر اور محمد فضل نے زندگی پائی اور ان کی اولادیں ہوئیں، غلام قادر صاحب سالک صاحب کے والد ماجد تھے ان کے دادا میاں میر محمد عالم تھے جن کی ساری عمر درس و تدریس میں گزری اور شعر بھی کہتے تھے لیکن ان کے والد عالم تو نہ تھے لیکن فارسی ادب میں معلومات تھی ان کو رسائل و اخبار نویسی کا شوق تھا۔ رسالہ مخزن، زمانہ، سررشتۂ پنجاب اور اخبار البدر ان کے ہاں آتے تھے اور ان کے مطالعہ میں رہتے تھے انجمن حمایت الاسلام سے گہرا تعلق تھا۔

سالک صاحب ۱۳؍ دسمبر ۱۸۹۳ء کو پیدا ہوئے ان کے دادا نے فارسی کی چند کتابیں اسکول کی تعلیم کے علاوہ پڑھا دیں گلستان، بوستان، اور انوار سہیلی اور شعر ظہوری کی تکمیل کی، اس کے بعد تاریخ فرشتہ بھی پڑھائی، اسی زمانے میں

اخبار، انتخاب لاجواب، شریف اور امرتسر وکیل پڑھتے تھے۔

پٹھان کوٹ کے مڈل اسکول سے ۱۹۰۸ء میں جبکہ ان کی عمر ۱۲ سال تھی، مڈل پاس کیا۔ اور انٹرنس کی تعلیم کے لئے بٹالہ کے مشن اسکول بیرون تیلی دروازہ میں داخل ہوئے اور ہوسٹل میں رہنے لگے۔ سالانہ امتحان کا سنٹر امرتسر میں تھا۔ وہاں امتحان دیا۔ ۲۲ جون ۱۹۱۰ء کو نتیجہ نکلا پاس ہوئے، اس کے بعد ان کے چچا نے ان کے والد سے کہا کہ سالک کو چند مہینے کے لئے میرے پاس وزیرستان بھیج دو، یہ وزیرستان پہنچے چچا کے پاس رہے۔ ۱۷ سال کی عمر میں ۱۰ اپریل ۱۹۱۲ء کو شادی ہوگئی۔ چند مہینے بے فکری کے گزارے اس کے بعد نوکری کی تلاش ہوئی، لاہور پہنچے، چند روز کی کوشش کے بعد ریلوے اکاؤنٹس آفس میں تیس روپے مہینہ کی ایک کلرکی ملی، سات مہینے ملازمت کی تھی کہ صحت خراب ہوگئی تو نوکری چھوڑ کر پٹھان کوٹ چلے گئے چند روز کے بعد وہاں کے ایک اسکول میں پچیس روپے تنخواہ پر مدرسی مل گئی۔

مدرسی کے زمانہ میں ایک ادبی ماہنامہ جاری کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ گورداسپور جا کر فانوس خیال کا ڈکلریشن داخل کیا ۱۹۱۲ء میں۔ پہلے رسالہ کے مضامین مرتب کر کے قادیان میں سید اصغر حسین ناظر کاتب کو بھیج دیے کہ اس کی کتابت کر کے پانچ سو کی تعداد میں چھپوا کر بھیج دے۔ یہ سلسلہ زیادہ دن نہیں چلا دس مہینے کے بعد رسالہ بند ہوگیا۔ اس رسالہ کے بند ہونے کے بعد سالک صاحب

کا دل پٹھانکوٹ سے اچاٹ ہوگیا۔ چنانچہ مدرسی سے استعفیٰ دے کر لاہور چلے گئے۔ چیمبرلین روڈ پر احاطہ عبدالستار میں اپنے ایک دوست چودھری دلاور خاں آدم پوری کے پاس پہنچے وہیں قیام کیا۔ اور مولوی ممتاز علی صاحب کے لٹریری اسسٹنٹ پھول و تہذیب نسواں کے معاون ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

مولوی سید ممتاز علی کے دارالاشاعت کی ملازمت کے بعد ان کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ مولوی صاحب کے لڑکے سید حمید علی اور سید امتیاز علی تاج ان سے بھائیوں جیسا سلوک کرنے لگے اور مولوی صاحب بھی بے انتہا شفقت فرماتے تھے۔ ان ہی دنوں شاہ دل گیر اکبر آبادی نے رسالہ نقاد دوبارہ جاری کیا، امتیاز علی صاحب کو اس میں مضامین لکھنے کا بے حد شوق تھا۔ انھوں نے نقاد میں مضامین اور افسانے لکھنے شروع کئے، سالک صاحب سے بھی فرمائش کی تو انھوں نے دو ایک افسانے اور غزلیں ان کو روانہ کیں، اس کے بعد تاج صاحب نے رسالہ کہکشاں ۱۹۱۸ء میں جاری کیا تو سالک صاحب نے اپنے نام سے نہیں بلکہ "گمنام" کے نام سے افسانے، مقالے اور نظمیں شائع کرائیں۔

سالک صاحب کو مضمون نگاری کے علاوہ اردو ترجمہ کرنے کا بھی شوق تھا۔ شیخ عبدالعزیز جو اس وقت پریس برانچ کے انچارج تھے۔ وہ ان کی قدر کرتے تھے

اوران کی ترجمہ کرنے کی صلاحیت سے بھی پوری طرح واقف تھے انہوں نے مانٹیگو چیمس فورڈ کا ریفارم رپورٹ اور رولٹ کمیشن رپورٹ کا اردو ترجمہ کرنے کے لئے ان کے پاس بھیج دی، سالک صاحب نے ایک مہینہ میں ترجمہ کر کے ان کو بھیج دیا اور ڈھائی سو روپے معاوضہ پایا۔

۱۹۱۸ء میں حکومت نے پولس کو انتہائی اختیارات دینے کے لئے رولٹ کمیشن رپورٹ پر رولٹ ایکٹ پارلیمنٹ میں پاس کیا، اس ایکٹ کی وجہ سے کسی ہندوستانی کی آزادی محفوظ نہیں تھی۔ ہندوستانی اخبارات اور سیاسی جماعتوں نے اس کے خلاف بہت شور مچایا اور کانگریس کی طرف سے ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کا دن ہڑتال کے لئے مقرر ہوا۔ اس روز ہندوستان میں مکمل ہڑتال ہوئی اور ہڑتال بھی ایسی ہوئی۔ جس کی مثال اس سے قبل ملک میں کبھی نہیں ملتی، اس احتجاج نے ملک میں انگریز کے خلاف آگ لگادی تھی۔ اور اس آزادی کی تحریک میں کوئی بھی باشعور آدمی نہ بچا تھا۔ جس نے اس میں حصہ نہ لیا ہو۔

اپریل ۱۹۲۰ء میں سالک صاحب اخبار زمیندار کے ایڈیٹر ہوئے، یہ وہ انقلابی اخبار ہے جس کا کوئی بھی ایڈیٹر اس زمانہ میں ایسا نہ تھا جو گرفتار نہ ہوا ہو اور جیل میں زندگی گزارنی نہ پڑی ہو، چنانچہ مئی ۱۹۲۰ء میں مولانا ظفر علی خاں گرفتار کرے گئے ان کے تین چار مہینے بعد ان کے فرزند اختر علی صاحب کی گرفتاری ہوئے ۱۹ نومبر ۱۹۲۱ء کو سالک صاحب کا بھی نمبر آگیا، یہ بھی اسیر فرنگ

ہوئے ان پر الزام تھا۔ کہ تم نے زمیندار کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ایسا مضمون لکھا جس سے ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں ہندو اور انگریزوں کے درمیان نفرت و حقارت پیدا ہوتی ہے ان کو شہزادہ صاحب کی عدالت سے ایک سال قید با مشقت کی سزا دی گئی چند روز کے بعد ان کو لاہور جیل سے گیارہ آدمیوں کے ساتھ راولپنڈی جیل منتقل کیا گیا۔ ان گیارہ آدمیوں میں سید عطاء اللہ شاہ بخاری، شفاعت اللہ غنی، اقبال احمد، اختر علی خاں، راجہ غلام قادر، نذیر احمد سیاب، سردار سردول سنگھ کبیشر، سردار منگل سنگھ، بیگی رام شرما وغیرہ تھے۔ اس وقت اس جیل میں عبدالعزیز، مولانا احمد سعید صاحب، سید حبیب ایڈیٹر سیاست، مولانا داؤد غزنوی بھی تھے۔

ایک دفعہ سر جان مینارڈ ہوم ممبر حکومت پنجاب سیالکوٹ کے دورہ پر آئے ہوئے تھے۔ یہ ہر ممتاز و نمایاں پوزیشن کے قیدی سے ایک بار دو بات ضرور کیا کرتے تھے۔ جب سالک صاحب کے پاس آئے اور ان کا تعارف ہوا تو انہوں نے دریافت کیا سالک صاحب زمیندار کا اصلی ایڈیٹر کون ہے۔ انہوں نے جواب دیا "کم از کم اصلی ہوں۔" وہ ہنس کر کہنے لگے، ہم آپ کو جانتے ہیں آپ مزاحاً کہتے ہیں لیکن زمیندار پر آج کل جس ایڈیٹر کا نام لکھا جاتا ہے وہ تو پان فروش ہے۔ انہوں نے کہا جب آپ اصلی ایڈیٹر کو تیزی سے گرفتار کر کے جیل بھیجتے رہیں گے تو لازماً پان فروش کو لانا پڑے گا تاکہ اصلی لکھنے والے محفوظ رہیں۔

سالک صاحب جب رہا ہوتے تو تحریک ختم ہو چکی تھی ان کی رہائی
کی خوشی میں سید احمد شاہ بخاری نے دہلی مسلم ہوٹل میں دعوت کی
احباب کے ساتھ حکیم احمد شجاع اور مولانا سہا حیدر آبادی بھی
شریک ہوئے، مولانا سہا قد و قامت میں ڈھائی فٹ تھے اور
ان میں یہ خوبی بھی تھی کہ بادی النظر میں نو دس سال کے لڑکے
معلوم ہوتے تھے حالانکہ اس وقت ان کی چالیس سے زیادہ
عمر تھی۔ مولانا سالک آگے آگے تھے وہ سمجھے کہ حکیم احمد شجاع کے
صاحبزادے ہیں۔ انہوں نے مولانا کے شانے کو تھپکا اور چمکار کر
کہا۔ بیٹے وہاں جا کر گاؤ تکیہ کے پاس بیٹھ جاؤ، مولانا نے اپنا
مختصر سا چہرہ اٹھا کر سالک صاحب کو بڑے غور سے دیکھا اور
حکیم صاحب نے فوراً کہا سالک صاحب ان سے ملئے، مولانا سہا
حیدر آبادی، نہایت بلند پایہ شاعر اور ادیب ہیں، سالک صاحب
بہت شرمندہ ہوئے جب تک دعوت کا سلسلہ جاری رہا ان پر ایک
قسم کی ندامت کی کیفیت طاری رہی۔

۱۹۲۴ء میں جب حجاز مقدس میں حکومت کی تبدیلی ہوئی
اور مقابر کے انہدام کے واقعات ہندوستان میں سنے گئے تو یہاں
کے مسلمانوں میں کافی بے چینی پھیلی جس کی معلومات کے لئے مرکزی
خلافت کمیٹی نے ایک وفد مولانا سید سلیمان ندوی، شعیب قریشی
محمد عمر خاں، مولانا ظفر علی خاں صاحب پر مشتمل کر کے حجاز مقدس
بھیجا تو اس کے ہمراہ مولانا غلام رسول مہر بھی تھے، مہر صاحب
سالک صاحب کے ساتھ زمیندار کے ادارہ میں شامل تھے، مہر صاحب

کے جانے کے بعد اخبار کی ذمہ داری تن تنہا سالک صاحب پر پڑی
جب دفعہ لاہور آیا تو سالک صاحب کے اعصاب نے بالکل ہی جواب
دیدیا تھا۔ انھوں نے مولانا ظفر علی خاں صاحب سے چند ماہ کی
رخصت طلب کی جس پر وہ بہت پریشان ہوئے لیکن لاچار ہو کر
رخصت منظور کی۔ ایک ہفتہ گزرا ہوگا کہ سید امتیاز علی تاج سالک
صاحب کے سر ہو گئے کہ دارالاشاعت کو اسکولوں کی لائبریریوں
کے لیے کتابوں کی ضرورت ہے، آپ آج کل خالی ہیں چھ سات
کتابیں لکھ دیجیے۔ آخر انھوں نے لکھنا منظور کر لیا اور انھوں نے
کاریگری، عجیب دانت، دانایان فرنگ، سیاحوں کی کہانیاں، قدیم
تہذیبیں، آئین حکومت ہند، اور امداد باہمی لکھ ڈالیں۔ مہر صاحب
جب دو مہینے کی چھٹی پر چلے گئے تو مولانا ظفر علی خاں نے ان کو
ایک رقعہ لکھا کہ آپ رخصت کا سلسلہ ختم کیجیے۔ آپ کو ساڑھے تین سو
روپے ماہوار تنخواہ ملے گی، اور مرتضیٰ احمد خاں میکش آپ کو ساڑھے
تین سو روپے ماہوار تنخواہ دیا کریگی اور مرتضیٰ احمد خاں میکش آپ کے
مددگار کی حیثیت سے کام کریں گے، سالک نے جواب میں لکھا کہ میری
رخصت کے چھ مہینے پورے ہو جانے دیجیے۔ اس کے بعد
آپ کی تجویز کے بارے میں رائے قائم کروں گا۔ اس جواب کے
چند روز بعد سالک صاحب اور مہر صاحب کو ڈاکٹر اقبال
نے خصوصیت کے ساتھ بلایا۔ یہ دونوں جب وہاں پہونچے
تو مولانا ظفر علی خاں اور مولانا عبدالقادر قصوری بھی موجود تھے

مولانا عبدالقادر قصوری نے کہا کہ مولانا محمد علی صاحب زسے واپس آگئے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابن سعود کے خلاف ہنگامہ آرائی کریں گے۔ مولانا ظفر علی خاں کو مختلف مقامات پر جلسوں میں شرکت کے لئے جانا پڑے گا۔ آپ لوگ اپنی رخصت ختم کیجئے۔ اور زمیندار میں بدستور کام شروع کر دیجئے۔ انھوں نے معذرت کی لیکن ڈاکٹر اقبال اور مولانا عبدالقادر قصوری نے زور ڈالا تو یہ دونوں کام کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ انھوں نے سلطان ابن سعود کی حمایت اور مولانا محمد علی کی مخالفانہ مہم کی مزاحمت بڑے زور شور سے کی، اس میں مولانا محمد علی سے قلمی جنگ کا سلسلہ جاری ہو گیا۔

زمیندار کی مالی حالت روز بروز خراب ہوتی جا رہی تھی۔ ۱۹۲۷ء کی ابتدا میں یہ کیفیت تھی کہ مالک صاحب اور مہر صاحب کو دو تین قسطوں میں ایک مہینہ کی تنخواہ ملتی تھی لیکن باقی عملہ تنخواہ نہ ملنے کی وجہ سے بہت پریشان رہتا تھا۔ مارچ کے مہینے میں رمضان آگیا۔ ملازمین نے تنخواہیں طلب کیں آخر تنگ آکر ہڑتال کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے اس خیال سے ملازمین کا ساتھ دیا کہ شاید ان کی اہمیت اور مسلسل خدمت ان کے لئے مفید ثابت ہوگی، مالک زمیندار کو نوٹس دیا گیا کہ اگر ۲۰ر مارچ کی شام تک عملہ کو دو ماہ کی تنخواہ نہ ملی تو ۲۱ر مارچ سے ہڑتال کر دی جائے گی۔

مقررہ وقت پر ملازموں کو تنخواہ نہیں ملی تو ۲۱ر مارچ کو ہڑتال

کردی گئی۔

ہڑتال کے دوران دو چار دن میں سالک اور مہر صاحب نے اخبار انقلاب کا ڈکلریشن لے لیا۔ دفتر کا بندوبست کیا فرنیچر اور اسٹیشنری خریدی، پریس اور کاغذ کا بندوبست ہو گیا۔ اشتہار بھی ڈھیر کئے۔ اور یہ سب کچھ اتنی عجلت کے ساتھ ہوا کہ اطہار چ کو اطبہ زمیندار سے علیحدہ ہوئے تھے کہ بارہ تیرہ روز کے اندر ۲ اپریل ۱۹۲۷ء کو ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ ہو کر انقلاب جاری ہو گیا۔

انقلاب کو جاری ہوئے دس ماہ نہیں گزرے تھے، کہ دفعتہ انقلاب اور زمیندار میں جنگ چھڑ گئی۔ اور مولانا ظفر علی خاں نے انقلاب اور ان کے ایڈیٹروں کے خلاف نظمیں شائع کرنی شروع کر دیں۔ سالک دکھیر بھی چوڑیاں پہنے ہوئے نہیں تھے'' افکار و حوادث میں انھوں نے بھی خوب لکھا دونوں طرف سے نظموں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ آخر دو ماہ کے بعد مولانا ظفر علی خاں صاحب نے ازراہ کرم ان ہر دو حضرات کو معاف کر دیا اور پھر نیازمندی اور بزرگی کے وہی تعلقات قائم ہو گئے۔ جو پہلے تھے اور آخر تک قائم رہے

دہلی ریڈیو پر سید احمد شاہ بخاری اور سید ذوالفقار علی بخاری کی کوششوں کی وجہ سے بے حد کامیاب اور ہر دل عزیز ہو رہا تھا اس وقت سالک صاحب کو بھی دہلی ریڈیو پر مدعو کیا گیا، سالک صاحب دہلی پہنچے اور احمد شاہ بخاری کے ہاں مقیم تھے۔ دہلی کے ادیبوں سے ملاقات کی خواجہ حسن نظامی صاحب کے ہاں گئے

خواجہ صاحب ان کو درگاہ دکھانے چلے تو خواجہ صاحب کے گھر میں ایک زینہ پر چڑھ کر صاحب دوسری طرف اترے تو ایک معمولی سا مکان تھا۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ "ایمان خانہ" ہے سالک صاحب نے کہا، اس پر کیا موقوف ہے اس کے قریب دیوار کے تو سبھی مکان "ایمان خانے" ہیں اور ہم جہاں سے اٹھکر آتے ہیں وہ بے ایمان خانہ ہے خواجہ صاحب بہت ہنسے اور کہنے لگے، آپ "انکار" لکھتے نہیں بولتے بھی ہیں۔ اس کے بعد چند طاق دکھائے جن میں سے کسی پر "مقام ابراہیم" کسی پر "مقام آدم" لکھا ہوا تھا۔ ایک طاق خالی تھا سالک صاحب نے کہا یہ کیا ہے۔ خواجہ صاحب نے کہا یہ طاق میں نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ انھوں نے کہا، اس پر "مقام مخصوص" لکھ دیجیے، خواجہ صاحب بے اختیار ہنس پڑے، درگاہ پر پہنچے، فاتحہ پڑھی، مرزا غالب کے مزار پر بھی حاضری دی اور فاتحہ پڑھکر واپس ہوئے۔

شام کو بنجارا صاحب کی کوٹھی پر سالک صاحب کے اعزاز میں ایک دعوت ہوئی، جس میں دہلی کے شعراء، ادیب اور سیاسی رہنما، مسٹر آصف علی۔ مرزا احمد سعید، خواجہ حسن نظامی مولانا مظہر الدین، ملا واحدی، جوش ملیح آبادی سردار دیوان سنگھ مفتون۔ شاہد، عبدالرزاق الخیری، جعفری (مدیر ملت)، ہلال احمد زبیری، شوکت علی فہمی اور دوسرے متعدد حضرات موجود تھے لطیفہ گوئی، اور بذلہ سنجی، کا سلسلہ شروع ہوا خواجہ حسن نظامی مولانا مظہر الدین کے درمیان سالک صاحب بیٹھے تھے کہ دفعتہ

جوش صاحب اپنی جگہ سے اٹھکر سالک صاحب کے پاس آبیٹھے جوش نے سالک صاحب کا بازو پکڑ کر اٹھایا اور کہا کہ آپ بھی کن لوگوں کے پاس آ بیٹھے ہیں جن سے کا فور وکفن کی بو آتی ہے، سالک صاحب نے کہا مشکل یہ ہے کہ آپ سے بھی بو آتی ہے

اس پر جوش نے یہ شعر کہا ؎

وہ چیز جس کے لئے ہم کو ہیں بہشت عزیز
سوائے بادۂ گلفام، مشکبو کیا ہے

جون، جولائی ۱۹۴۱ء کے مہینے انقلاب کے لئے بہت سخت تھے۔ اس لئے کہ انقلاب کی زندگی میں کبھی ایسا اتفاق نہ ہوا کہ کوئی معقول رقم بنک میں موجود نہ ہو۔ ہمیشہ پچیس تیس ہزار کی رقم رہتی تھی مہینے بھر میں زیادہ سے زیادہ دس ہزار روپیہ نکالا جاتا تھا۔ اگلے مہینے میں پھر وہی پچیس تیس ہزار روپے ہو جاتے تھے چونکہ مارچ سے جولائی تک پانچ مہینے فرقہ وارانہ فسادات ہی میں گزرے منی آرڈر اور وی پی مشکل سے وصول ہوتے تھے اور اس پانچ مہینے میں دو مرتبہ انقلاب کی اشاعت ایک ہفتہ اور دو ہفتوں تک ملتوی کرنی پڑی اور بالآخر اس علاقہ میں کرفیو بھی نافذ ہو گیا۔ یہ دن سالک صاحب اور مہر صاحب نے گھر پر گزارے جب فسادات کی آگ ٹھنڈی ہوئی تو شہر کی صورت بالکل بدلی ہوئی تھی۔ [1]

---

[1] مولانا سالک کے حالات سرگزشت سالک سے اخذ کئے

فسادات کے فرو ہونے کے بعد انقلاب پھر جاری ہوا۔ لیکن وہ بات پیدا نہ ہو سکی جو سنہ ۱۹۴۷ء سے قبل تھی، چنانچہ صرف دو سال اس نے اور عمر پائی اور چالیس سال کی عمر میں نومبر ۱۹۴۹ء میں بند ہو گیا۔ اور تقسیم ملک اس کو راس نہ آیا۔

سالک صاحب کی عمر سنہ ۱۹۰۵ء میں چودہ سال کی تھی، جب انھوں نے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ سیالکوٹ اور بٹالہ کے مشاعرہ میں غزلیں پڑھیں، آپ نے مولانا حالی کی خدمت میں تلمذ کے لئے لکھا۔ انھوں نے اپنی ضعیفی کا عذر پیش کر کے ڈاکٹر اقبال کا نام تجویز کیا، سالک صاحب نے اقبال صاحب کو ایک خط تحریر کیا۔ جس میں کلام دکھانے کی خواہش کا اظہار تھا۔ اور ایک غزل اصلاح کے لئے بھیجی، اقبال نے ان کو جواب دیا، آپ کے اشعار اچھے ہیں اگر شوق قائم رہا تو آپ بہت اچھے شاعر ہوں گے۔ یاد رکھئے طبیعت انسان کو آسمان سے ملتی ہے اور زبان زمین سے۔ اگر آپ کی طبیعت شاعرانہ ہے تو آپ خود بخود شعر کہنے پر مجبور ہوں گے۔ صفائی رہی زبان اس میں کوئی بزرگ ول استاد نہیں ہو سکتا، منشی حیات بخش رسا رامپوری یا سید محمود حسن مارہروی میں سے کسی سے رجوع کریں اس کے علاوہ مفید الشعراء اور رسالہ تذکیر و تانیث جلالی اور ایک آدھ کتاب عروض کی پڑھئے۔ اس کے بعد رسا صاحب کو خط لکھا۔ ان کی منظوری آنے کے بعد ان کو اصلاح کے لئے غزلیں روانہ کیں ڈیڑھ دو سال تک سالک صاحب رسا صاحب سے اصلاح لیتے رہے اس کے بعد انھوں نے

المعدیا: اب اصلاح کی ضرورت نہیں اور آپ جن اصنافِ سخن کا ذکر کر رہے ہیں ان میں اصلاح دینا میرا منصب نہیں ہے۔ میں تو حضرت غزل ہی کی حد تک جا سکتا تھا۔ ۱۹۲۲ء میں رسا صاحب فوت ہو گئے۔ سالک صاحب نے ۴۷ سال شاعری کی اور ۲۱ ستمبر ۱۹۵۹ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔ سالک صاحب کو پنجاب کے اردو شعراء میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔

نہ رہی شگفتگی دل کی / ہائے مرجھا گئی کلی دل کی
وہ کہ ناپید ہے نصیبہ اس کا / چرخ سے ہے کٹی ٹھنی دل کی
عشق تو جان میں ہو گیا رسوا / اب گئی پاک دامنی دل کی
حال کہہ کے بتا دیا دل کا / ساری دنیا ہے مدعی دل کی
جب کہا اس نے ظلم رہنے دو / سن کے جینے لگے خوشی دل کی
آنکھ میں صورت یہ لٹ گیا ہے / کیا ہی عادت ہے چلبلی دل کی
حاجتیں آ کے ہاتھ دو در تقدیر میں / ہائے افسوس دل لگی دل کی
تیری امید نے جواب دیا / نکل طاقت رہی سہی دل کی
راہِ الفت میں خضر خود گم ہے / کیا کریں گے وہ رہبری دل کی
آ گیا چشمِ مست ساقی پر / رنگ لائی ہے سرکشی دل کی
مہرباں کون دل کا مونس ہو / جب نہیں سنتے آپ ہی دل کی

عشق میں جان دے نہ اے سالک
شرم رکھ مرد آدمی دل کی

الرشید دیوبند سے رجب ۱۳۳۲ھ مطابق جون ۱۹۱۴ء کو یہ تاریخی، علمی، مذہبی، اخلاقی، ادبی رسالہ نمودار ہوا

۱۲۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ مدیر مولوی حبیب الرحمٰن عثمانی مدیر سراج
رشید ی تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ مطبع قاسمی دیوبند
میں چھپتا تھا۔ یہ رسالہ دارالعلوم دیوبند کا آرگن تھا۔

تذکرۃ الشعراء علی گڑھ سے جولائی ۱۹۱۳ء کو یہ سہ ماہی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ پہلا نمبر ۹۶ صفحے کا تھا۔
ایڈیٹر ... حضرت مولانا حسرت موہانی تھے۔ مطبع فیض
... علی گڑھ میں طبع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔
یہ سہ ماہی کس صورت میں چھپتا تھا۔ اس کا ذکر مولانا
حسرت موہانی صاحب نے اس کے پہلے شمارہ جولائی ۱۹۱۳ء
میں کیا ہے۔

... سن ۱۹۱۳ء میں جب حکومت نے اردو پریس سے تین ہزار روپے
کی ضمانت طلب کی ہے اور ادا نہیں کی گئی ہے اس لئے اردو پریس
کا خاتمہ ہو گیا اور اس کے ساتھ رسالہ اردوئے معلیٰ بھی بند
ہو گیا۔ سیاسی حیثیت سے اردوئے معلیٰ اپنا فرض ادا کر چکا چنانچہ
اس کا اظہار آخری رسالہ میں ہو بھی چکا۔ البتہ ادبی حیثیت سے
اس کے بہت سے مقاصد ناتمام رہ گئے جس کی تکمیل کے لئے
یہ تذکرہ کتابی صورت میں شائع کیا جاتا ہے۔ فی الحال اس کتاب
کا سالانہ ... کم سے کم ... صفحے شائع ہوا کریں گے
... ان کی پیشگی ... قیمت دو روپے مع محصول ڈاک
لی جائے گی۔ ہر جز میں کچھ حصہ تذکرۃ الشعراء کا ہوگا۔ باقی اوراق
میں کلام اساتذہ کا انتخاب ہوگا جس کا بیشتر حصہ اس وقت

کلمہ غیر مطبوعہ اور کمیاب ہے امید ہے کہ ناظرین اس تلاش اور کاوش کی داد دے کر ہماری ہمت افزائی فرمائیں گے۔

سلسلہ شاہ حاتم کے بہت سے شاعروں کا حال اردوے معلیٰ میں شائع ہو چکا ہے جتنے باقی ہیں ان کا تذکرہ اس کتاب میں شائع ہو گا۔ انتخاب دواوین کے سلسلہ میں مصحفی سے ابتدا کی جاتی ہے، چنانچہ پہلے جز میں اسیر، تنہا، شہیدی کے دیوان شائع کئے جاتے ہیں اور جز دوم میں مخمور، مسرور دہلوی شاگردان مصحفی کے دیوان چھاپے جائیں گے۔ تذکرہ شعرا انتخاب دواوین کے علاوہ اس کتاب میں کبھی کبھی ادبی مضامین تنقید کتب، اور موجودہ شعرا کے نام اور انکی اردو غزلیں بھی شائع ہوا کریں گی۔"

یہ رسالہ ضابطہ کے ساتھ سہ ماہی نہ تھا لیکن کتابی صورت میں سہ ماہی شائع ہوتا تھا۔ اس لئے اگر قانونی ضابطہ پورا کیا جاتا تو پریس ایکٹ کے مطابق پیشگی ضمانت داخل کرنی پڑتی تھی جس کی طاقت نہیں تھی۔ رسالہ مخزن لاہور مورخہ نومبر ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا۔

مولوی فیض الحسن صاحب حسرت موہانی بی اے ایڈیٹر اردوئے معلیٰ علی گڈھ نے زبان اردو کی جو کامیاب خدمتیں انجام دی ہیں وہ ہمیشہ روز گار ہیں، ممدوح نے حال میں ایک نیا رسالہ تذکرۃ الشعراء کے نام سے شائع کرنا شروع کیا ہے جس کا پہلا نمبر ۹۷ صفحات پر ختم ہوا ہے، قیمت سالانہ دو روپے ہے نیم

اس رسالہ کا دلی اخلاص سے خیر مقدم کرتے ہیں اور اس کی ترقی اشاعت کی توقع رکھتے ہیں۔

معلومات لکھنؤ سے جولائی ۱۹۱۲ء کو یہ ماہانہ رسالہ وجود میں آیا۔ ایڈیٹر عبدالوالی صاحب بی اے تھے ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ چندہ سالانہ پانچ روپے تھا، اور گداز پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

رسالہ نقاد آگرہ کے شمارہ اکتوبر ۱۹۱۲ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا ہے۔

" یہ ایک نیا رسالہ ہے جو جولائی ۱۹۱۲ء سے مسٹر عبدالوالی بی اے کی ایڈیٹری میں لکھنؤ سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس وقت اس کے تین نمبر ہماری نظر سے گزر چکے ہیں اس رسالہ کی ترتیب و تہذیب بالکل مغربی رسائل کی طرح ہے جو اب تک اردو رسالوں میں نہیں دیکھی گئی ہے۔ عام دل چسپی اور مفید معلومات کے مضامین عام فہم زبان میں پیش کرنا اس کی خصوصیت ہے اور سچ یہ ہے کہ جب تک علمی و فلسفیانہ مضامین آسان سلیس ہوئی زبان میں نہ لکھے جائیں گے پڑھنے والوں کو کوئی فائدہ نہیں ہوسکتا، زیر ریویو پرچہ میں (۱) پھولوں کی بہار، انگریزی شاعری میں (۲) عورت کی دنیا (۳) مصر کی پرانی زندگی (۴) امام اعظم کا خاندان (۵) فرقہ ہائے اسلام، نہایت عمدہ اور معقول نکلے ہیں جن پر ہم مدیر معلومات کو مبارک باد دیتے ہیں اگرچہ تعداد میں عمدہ نہیں ہو بلکہ نہ ہونے سے اچھی ہیں، ایک

وجہ وقت دیگر رسائل کے مقابلہ میں یہ تھی کہ اس کے زیادہ تر ایڈیٹر
علم اس کے مضامین کا ذمہ دار ہے جس سے معلومات کا نہ
کہیں سے بے گانہ نہیں ہونے دیتا۔ افسوس ہے کہ نظم کا حصہ
اس رسالہ میں بالکل نہیں ہوتا جس کی کمی کی طرف ہم توجہ دلانا
چاہتے ہیں اور اسی کے ساتھ ساتھ خصوصاً ضروری سمجھتے ہیں کہ
اعلیٰ ہوا نہ ہیا ہو۔ جیسے حیا سوز اور بے تکے مضامین سے اپنے
رسالہ کو محفوظ رکھیے۔ اس رسالہ میں ولایتی فیشن کا کاغذ
چاہتا ہے۔ [illegible] والکٹر پریس کی مشتمل ہے تقطیع ادب
[illegible] چار [illegible]

رسالت ماہنامہ ... کلکتہ سے جنوری ۱۹۱۲ء کو یہ
ظہور پذیر ہوا۔ مالک و مدیر ابوالقاسم رفیق
تھے مضامین پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا
رسالہ ... نے اپنے شمارہ ... اگست ۱۹۱۲ء
اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے۔

"یہ جدید الاشاعت رسالہ ہے اور اسی اس کا پہلا نمبر
نظر سے گزرا ہے۔ اہم مقصد توحید و رسالت کی اشاعت
پہلے نمبر میں اچھے مضمون ہیں اور ٹائپ بہت ہے
ابوالقاسم رفیق دلاور کی ملکیت و ادارت میں کلکتہ سے شائع
شروع ہوا ہے ۲۲x۱۸ کی تقطیع اور ... صفحات ہے

القاسم دیوبند سے شعبان ۱۳۳۲ھ مطابق جولائی
... یہ علمی مذہبی و اخلاقی و ادبی اور تاریخی ماہانہ

شروع ہوا۔ یہ مدرسہ دارالعلوم دیوبند کا آرگن تھا۔ ایڈیٹر مولوی حبیب الرحمٰن صاحب مہتمم مدرسہ اور مدیر سراج احمد صاحب تھے۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوتا تھا۔

اشاعتِ اسلام

یہ ماہانہ تبلیغی رسالہ لاہور سے جولائی ۱۹۱۳ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ خواجہ کمال الدین بی اے اور مولوی صدر الدین بی اے، بی ٹی، ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ وکٹوریہ پریس لاہور میں چھپتا تھا۔ خواجہ صاحب مرزا غلام احمد قادیانی کے معتقد تھے۔

اس رسالہ کا حسب ذیل اشتہار فروری ۱۹۱۵ء کے "قرآن" کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔

"اسلامک ریویو مطبوعہ لندن کا اردو ترجمہ اشاعت اسلام ہے اس رسالہ کی غرض و غایت یہ ہے کہ ایک تو مسلم برادران کو اسلامک ریویو کے انگریزی لٹریچر سے اردو ترجمہ کے ووکنگ مشن سے اطلاع ہوتی رہے۔ صرف ہم برادران اسلام کو یہ اطلاع دینا چاہتے ہیں کہ اس وقت اسی کے شائع پر انگلستان میں اسلامی مشن کے بہت حد تک چل رہے ہیں اس کا ہر ایک خریدار اب گویا مغرب میں اسلام کا خود مبلغ ہو جاتا ہے اگر برادران ملت کوشش کر کے انگریزی رسالہ کے پانچ ہزار اور اردو کے دس ہزار خریدار پیدا کریں تو اس کا منافع ہمارے ووکنگ اسلامی مشن کا کفیل ہو سکتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ انگریزی رسالہ کی مفت تک بلاد مغربیہ

میں مفت تقسیم ہوں، اگر کوئی تبلیغ اسلام کا شیدائی صاحب یا پانچ روپے سالانہ عطیہ دے تو ہم ان کی جگہ ایک انگریزی رسالہ یورپ میں مفت تقسیم کردیں گے۔ کیا ملت بیضا کی اشاعت عظیم نہ ہوگی بھی ہندوستان میں چھپتے

اس رسالہ میں انتہائی متین انداز میں سنجیدگی کے ساتھ عیسائیت کا رد اور اسلام کی حقانیت ثابت کی جاتی تھی اور اس میں انجمن اشاعت اسلامیہ کی رودادیں شائع ہوتی تھی۔

نومبر ۱۹۱۲ء کے رسالہ کے حسب مضامین تھے۔

۱۔ اسلام اور ترقی ساز مارمڈیوک پکتھال (۲) المنی۔ ایک انگریز نومسلم سلیٹے قلم سے (۳) اسلام میں عورت کی حیثیت، از شیخ ایچ، ایم، قدوائی بر بنفیلڈ لارڈ ہیڈلے

خواجہ کمال الدین خواجہ صاحب ووکنگ مشن لندن کے بانی اور امام تھے اور نہایت پُرجوش مبلغ اسلام ساری عمر آپ نے اشاعت اسلام کے کام میں وقف کردی، اور یورپ میں لاتعداد لکچر اسلام کی حقانیت اور سچائی پر دئیے بہت سی کتابیں اسلام کی تائید اور عیسائیت کی تردید میں لکھیں مسجد ووکنگ، لندن سے ۱۹۱۳ء میں ایک انگریزی تبلیغی رسالہ اسلامک ریویو جاری کیا، جو آج بھی بہت شان کے ساتھ جاری ہے اور جولائی ۱۹۱۲ء کو اردو میں رسالہ اشاعت اسلام لاہور سے نکالا

آپ نے انگریزی میں بہت سی کتابیں اسلام کی تائید اور ردعقائد میں لکھیں، ان کے علاوہ اردو میں بھی انھوں نے

دلفاری کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن کے نام یہ ہیں۔

لمعات انوارِ محمدیہ، ہدایتِ عالم کا مذہب، شیخ کی الوصیت پر ایک نظر، اسلام اور علوم جدیدہ، اسلام میں کوئی فرقہ نہیں، رازِ حیات، یا انجیل عمل، فہرستِ عمل، توحید فی الاسلام، سدھیانیا فی الاسلام، مطالعہ اسلام، ہستی باری تعالیٰ، مذہب محبت، سیرِ افکار، سلک مروارید، مقصدِ مذہب اور پیام اسلام اور سیرتِ نبوی وغیرہ وغیرہ،

خواجہ صاحب ۱۸۷۰ء میں پیدا ہوئے ۶۲ سال کی عمر میں ۱۹۳۲ء کو لاہور میں فوت ہوگئے۔

اسوہ حسنہ کوٹھی سعید منزل میرٹھ سے اگست ۱۹۱۴ء کو جاری ہوا۔ یہ ماہنامہ تھا ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ عصر جدید پریس میرٹھ میں طبع ہوتا تھا۔ مالی مشکلات کی وجہ سے مارچ ۱۹۱۵ء میں بند ہوگیا۔

فانوس خیال سیالکوٹ نومبر ۱۹۱۴ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"یہ لاجواب اسلامی رسالہ سعید منزل شہر میرٹھ سے نکلتا ہے مسلمانوں کی اخلاقی اور تمدنی اصلاح اس کا نصب العین ہے حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی پر عمل پیرا ہونا سکھاتا ہے بڑے بڑے مستند اہل قلم اور فاضل انشاء پردازوں کے مضامین اور نظمیں درج ہوتی ہیں۔ عورتوں اور بچوں کے لیے بھی چند صفحات مخصوص ہیں۔ جن میں زریں نصیحتیں اور عمدہ اقوال درج

کیے جاتے ہیں۔ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ ضخامت ۱۰۶ صفحے، ٹائٹل پیج پر روضۂ منورہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشہ آنکھوں کو نور بخشتا ہے۔ قیمت مع محصول صرف ایک روپیہ آٹھ آنے ہے۔

پہاڑی نیوز/ نشان ہورڈ ۲۶ راگست ۱۹۱۲ء کو نینی تال سے جاری ہوا۔ روزانہ اخبار تھا۔ جس میں صرف جنگی خبریں چھپتی تھیں، کبھی دو اور کبھی چار صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔

ایضاً ۱۱ مئی سے یکم جون ۱۹۱۲ء کو مذہبی اخبار وجود میں آیا ہفتہ وار تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ عصر جدید میرٹھ کے ۱۵ راکتوبر ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس رسالہ پر یہ ریویو شائع ہوا۔

"کیا آپ نے اس کا کوئی نمبر دیکھا ہے جس کی اشاعت قدیم مسلمانوں کی ایک علمی جماعت اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کے ایک روشن ضمیر طبقہ کی نگرانی میں یکم جون ۱۹۱۲ء سے ہو رہی ہے اس میں کیا ہوتا ہے (۱) اقوام کے عروج و زوال پر تبصرہ، تعلیم و تربیت۔ (۳) قرآن کی مقدس تعلیمات کی اشاعت (۴) حقیقی ترقی کے وسائل کیا ہیں (۵) اسلام کی زندگی کیسی تھی اور کیسی ہونی چاہیے (۶) اسلامی دنیا کی ترقی (۷) ملک اور قوم کے ہر قسم کے مسائل پر بحث و تنقید (۸) حاکم و محکوم کے تعلقات کو خوش گوار بنانا (۹) دنیا میں جہاں جہاں مسلمان آباد ہیں اور جس حال میں بھی ہیں ان کے صحیح حالات سے مسلمانان ہند کو اطلاع دینا اور یورپ و امریکہ و ایشیا کے اہم واقعات کو سدیرد لانا ــــــ"

جس میں مولانا عبداللہ العمادی، شمس العلماء علامہ شبلی نعمانی اور دوسرے مشہور و ممتاز اہل قلم کے مضامین عموماً شائع ہوتے تھے

بزم سخن ندوہ ضلع گیا سے اکتوبر ۱۹۱۲ء میں یہ گلدستہ جاری ہوا۔ جو ماہنامہ تھا۔ ہر انگریزی مہینہ کے آخری ہفتہ میں نکلتا تھا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ شگفتہ بہاری گلشنی نادری ایڈیٹر، منشی محمد علی مہتمم تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ مفید عام پریس یا نامی لکھنؤ میں چھپتا تھا۔ رسالہ کے سرورق پر شعر درج تھا ؎

جس طرح عنادل کو تعلق ہے چمن سے
رکھتے ہیں محبت فصحا بزم سخن سے

مارچ ۱۹۱۳ء کے شمارے سے شعراء کے منتخب اشعار درج کئے جاتے ہیں۔

جناب بابو رامادین پرشاد صاحب آتم جہاں سوئی بہاری شاگرد حضرت خلش سے ؎

یہ عیاری، یہ سفاکی، یہ بیدردی، یہ بیباکی
ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
یہاں بیٹھے، وہاں بیٹھے، ادھر ٹھہرے اُدھر ٹھہرے
مزا منزل کا آتم دوری منزل سے ملتا ہے

جناب حکیم شاہ محمد بدرالدین صاحب بدر داناپوری شاگرد جناب محسن داناپوری کا ؎

ہوا ہے دل لگا کر چین اب مشکل سے ملتا ہے
سنا کرتے تھے ہم آرام دل کو دل سے ملتا ہے

آخر ہو یا ہے احیا بدر بیشک اچھی صحبت کا وہ اک دن اہلِ دل ہوگا جو اہلِ دل کی ملا ہے

جناب مولوی عبدالرحیم صاحب رحیم واقع اسلام پیٹ نجو ارہ
شاگرد مرزا شوکت رئیس گلشن آباد

ای پہ ظلم کرتے ہو جو تم پر جان دیتا ہے
ملاتے ہو اسی کو خاک میں جو دل سے ملتا ہے
مدارات دن کرتے ہو کیوں تم ان حسینوں کی
تجھے کیا اے رحیم اس سعی لا حاصل سے ملتا ہے

جناب محمد عبداللہ صاحب عطا چشتی شاگرد ضیا دہلوی لنز ریاست
جرکھاری سے

ہجوم یاس اب ایسا ہوا ہے دائے ناکامی
پتہ امید کا دل میں بڑی مشکل سے ملتا ہے
میں وہ ناکام ہوں بادِ مخالف پھیر دیتی ہے
سفینہ میرا آکر جب کبھی ساحل سے ملتا ہے

جناب حسین عالم صاحب مستقر ناردی شاگرد جناب سوگ صاحب ناردی سے
حسین ایسا زمانے میں بڑی مشکل سے ملتا ہے
تمہارا چاند سا چہرا مہ کامل سے ملتا ہے
کسے دل دیں، لگائیں کس سے دل اب ہم زمانے میں
حسین باوفا قیصر بڑی مشکل سے ملتا ہے

جناب بابو بھیشم پرشاد سوگ وردانا ناردی شاگرد جناب نوح ناروی
ہمیں دشمن کے ملنے سے بہت کچھ فائدہ پہنچا
کسی کا راز دل ہم کو کسی کے دل سے ملتا ہے

نسبت ہے جو تیرے غم کو تیرے کی دنیا میں
جسے آرام کہتے ہیں، بڑی مشکل سے ملتا ہے

نالۂ جوش دہلی ہال سے کھوٹ سے شمارے نومبر سنہ ۱۹۱۵ء میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا ہے۔

یہ ارمغان شعر و سخن کا ماہوار گلدستہ ہے مقام ندرہ ضلع گیا سے منشی جگدیش پرشاد صاحب گلشن کی ایڈیٹری میں نکلنا شروع ہوا ہے اس کا پہلا نمبر اس وقت ہمارے سامنے ہے جس میں خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی کا ایک مفید ادبی مضمون بھی درج ہے طرحی غزلیات اچھی ہیں۔ انتخاب بھی مناسب ہے کاغذ لکھائی چھپائی، نفیس، چندہ سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے۔

جگدیش پرشاد گلشن گلشن صاحب رامپور ندرہ ضلع گیا کے باشندے تھے۔ ندرہ میں انھوں نے تعلیم پائی شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا۔ خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی سے اصلاح لیتے تھے، ندرہ میں ایک انجمن حشمیہ قائم کی جس کے سکریٹری گلشن صاحب اور خواجہ عبدالرؤف عشرت لکھنوی صدر تھے، اس کے ممبران میں جناب بابو درباری سنگھ شاطر، جناب محمد طاہر طاہر بھگوان پوری اور مولوی غلام عباس وغیرہ تھے ان کا استادوں میں شمار ہونے لگا تھا جناب ماتا دین پرشاد احمر جیند اسری بہاری وغیرہ ان کے شاگرد تھے، آپ شاہ احمرال احمد سے بیعت تھے۔ اور بابو ٹھاکر پرشاد وکیل کے موکل تھے۔[1]

---

[1] غم خانۂ جاوید سوم ص۲۱ [2] بزم سخن ندرہ گیا، مارچ سنہ ۱۹۱۶ء

مفتاح الحکمت یہ پندرہ روزہ طبی رسالہ لاہور سے ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا، ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر حکیم مفتاح الدین صاحب تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ رفیق طبیبان میگزین لاہور بابت ماہ ستمبر ۱۹۱۲ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

اس رسالہ کو بغور ملاحظہ کیا گیا۔ ہمارے خیال میں اس رسالہ کی اہل ملک کو قدر کرنی لازمی ہے اس میں علم طب پر نہایت ضروری اور بہترین مضامین تحریر ہوتے ہیں اور طب کے علاوہ علم حکمت یعنی طبیعات اور سائنس پر ایک سلسلہ مضامین ایسا شروع کیا گیا ہے جس کی ملک ہند کے باشندوں کو دل سے قدر کرنی چاہیے کہ آجکل ملک کی ترقی کا راز صرف سائنس ہی کی معلومات پر مبنی ہے مسلسل کے مضامین لاریب، دلچسپ اور مفید ہیں، فزیالوجی (افعال الاعضاء) اناٹومی (تشریح جدید) علم الادویہ، معالجات مجربات مختلف نبض سائل، اعضاء جسمانی اور انسانی بناوٹ کے تشریح اور طبی رنگ کی خبریں، پیڈیکل اسکیچ وغیرہ کے بڑے نتائج اور دیگر طبی ضروریات کے پورا کرنے کے لیے اس میں نہایت قابل قدر اور پُر مغز مضامین لکھے گئے ہیں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ یہ ملک کا سچا خادم، طبیبوں اور ویدوں کا بے نظیر ارگن، فن طب کا پاسبان طبی برادری میں اتحاد و یگانگت بڑھانے والا، اپنی خدا داد دلچسپی سے بہت جلد اہل ملک کے قلوب کو مسخر کرے گا۔

خدام الکعبہ بمبئی سے ۱۹۱۳ء میں یہ مذہبی ماہنامہ جلد ۱ (اردو) ملا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا مسٹر شوکت علی بی۔ اے معتمد انجمن خدام کعبہ اس کے بانی مالک و ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دو روپے چار آنہ تھا۔

رسالہ صوفی منڈی بہاء الدین مورخہ نومبر ۱۹۱۳ء میں رسالہ خدام الکعبہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا۔

"یہ خالص ایک مذہبی رسالہ ہے جس کے دو نمبر اب تک شائع ہو چکے ہیں، مسٹر شوکت علی صاحب بی۔ اے معتمد انجمن خدام کعبہ اس کے ایڈیٹر و مالک ہیں۔ جنھوں نے پچھلے دنوں بمبئی میں حجاج و زائرین کی بے لوث خدمات کی وجہ سے ایسا نام حاصل کیا ہے جو کسی تشریح کا محتاج نہیں، یہ رسالہ انجمن مذکور کی اغراض و مقاصد کی اشاعت کے لئے شائع کیا گیا ہے۔ سرورق پر کعبۃ اللہ کا ایک خوبصورت نقشہ ہوتا ہے۔ ترتیب مضامین قابل داد ہے لکھائی چھپائی اچھی ہے قیمت سالانہ صرف سوا دو روپے ہے۔"

خطیب دہلی کوچہ چیلان سے غالباً ۱۹۱۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نو دار ہوا، بارہ صفحوں پر مشتمل تھا۔ مالک و ایڈیٹر ملا واحدی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔ دردولتیہ پریس دہلی میں چھپتا تھا۔

یہ دینی، علمی اخبار ظاہری و معنوی اعتبار سے ہندوستان بھر میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، حضرت خواجہ حسن نظامی کے مضامین اکثر اسی میں چھپتے تھے، آپ نے اب تک نہ دیکھا ہو تو نمونہ مفت

منگا کر دیکھئے ۔ چونکہ کاغذ مہنگا ہو رہا ہے، خطیب کے بند ہو جانے کا اندیشہ ہے، اس لئے آپ اپنے حسب قدر چندہ جاری کرائینگے اچھا ہوگا۔ ''

واحدی صاحب اپنی تصنیف "میرے زمانہ کی دلی" میں خطیب کے بارے میں لکھتے ہیں۔

" میرا ہفتہ وار رسالہ خطیب ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا تھا اس کی نیاز صاحب قلمی مدد کیا کرتے تھے۔ عارف صاحب نے اس کے سیاسی مضامین کا باب اپنے ذمہ لے لیا۔ عارف صاحب بے حد تیز اور سخت لکھتے تھے۔ میں تیزی اور سختی کو سرد کر دیتا تھا۔ مسلسل الیسا ہوتا رہا کہ وہ لکھتے رہے اور میں خاموشی سے ان کے مضامین میں کمی کرتا رہا۔ میری خاموشی اور کچھ نہ کہنے سے متاثر ہو کر ایک دن عارف صاحب نے فرمایا۔ افسوس ہے، آپ پر ایک نیا بار پڑ گیا ہے مگر میں کیا کروں، مجبور ہوں، اپنے جذبات کو قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ مضامین کاٹنے، چھانٹنے کی مجھے ہرگز شکایت نہیں ہے میری بھڑاس بہرحال نکل جاتی ہے لیکن آپ کی تکلیف کے خیال سے اپنی مجبوری کا اظہار کر رہا ہوں۔" (۲۸۳)

اس کا ایک اشتہار انتہائی دلچسپ تھا جس کا عنوان تھا "میدان جنگ میں مانگ، خطیب دنظام المشائخ کی" یہ اشتہار جولائی ۱۹۱۵ء کے شمارے میں چھپا تھا۔

" جہاں تکڑوں اور گرزوں کا مینہ برستا ہے اور موت دخول کے باغ لہلہاتے ہیں، جہاں انسان اپنے ملک و بادشاہ کی عزت

پر جانیں قربان کرتے ہیں، جہاں آدمی زندگی کی توقعات سے ہاتھ اٹھا کر جاتے ہیں وہاں سوائے تیغ و تفنگ کے کوئی چیز یاد نہیں آتی۔ وہ ایسا مقام ہے جو ہر دل عزیز کو فراموش کر دیتا ہے مگر مذہب ہر آدم زاد کو ایسا پیارا ہے کہ وہ اس خونی کارزار میں بھی اس کو یاد کرتا ہے چنانچہ ہمارے پاس تمام جنگی میدانوں میں جہاں سے ہمارے ہندوستانی سپاہی جاں بحق ہو کر (؟) جدل میں مصروف ہیں خطیب و نظام المشائخ کی مانگ آرہی ہے۔

افسران و سپاہی لکھتے ہیں کہ اس خونخوار مقام پر ہمارا دل کسی اخبار و رسالہ میں نہیں لگتا، صرف اخبار خطیب و رسالہ نظام المشائخ کو پڑھنا چاہتے ہیں جن میں روحانی تسلی و تسکین کے پیام ہوتے ہیں وہ ہم کو خدا اور رسول کی یاد دلاتے رہتے ہیں۔

اس حالت میں خیر خواہان سرکار کا فرض ہے کہ وہ خطیب و نظام المشائخ کو زخمی سپاہیوں میں تقسیم فرمائیں، اس سے بڑھ کر سرکار اور اپنے دین کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔"

مرقع تصور فتحپور سے یہ عشرہ وار اخبار ۱۹۱۵ء کو وجود میں آیا آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، سالانہ چندہ دو روپے تھا مطبع شعاع نور فتحپور میں طبع ہوتا تھا۔ یہ اخبار صلح کن، ملک کا مشیر کار خیر خواہ سرکار، نامہ نگاروں کی جدت کا گلزار، گلہائے مضامین کا تختہ بہار، مذہبی و ملکی معاملات کا دستیاب دلدار تھا اور مصور تھا۔

جہان اسلام استنبول سے مئی ۱۹۱۳ء کو ایک انقلابی ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ جو عربی، ترکی اور اردو تینوں زبانوں

میں نکلتا تھا، اس کا اردو حصہ ایک پنجابی مسلمان ابو سعید تحریک کرتے تھے جو سلافلہء تک رنگون میں ایک اسکول کے ماسٹر رہ چکے تھے جس وقت ترکی اور اطالوی کی جنگ چھڑی۔ تو ملازمت ترک کر کے مصر چلے گئے۔ اس اخبار میں مولانا برکت اللہ بھوپالی اور لالہ ہردیال کے مضامین چھپتے تھے ان کے علاوہ مصر کے نیشنلسٹ لیڈر فرید بے اور سلیمان یشنبہ کے مضامین بھی کثرت سے شائع ہوتے تھے، جو برطانیہ کے خلاف بغاوت کی شریک چلانے کے سلسلہ میں ہوتے تھے یہ اخبار ہندوستان میں بھی آتا تھا۔ چنانچہ اس کا اشتہار الہلال کے ۱۹۱۳ء کے شمارہ میں چھپتا رہا۔

۸ جولائی ۱۹۱۳ء کے شمارے سے نقل کیا جاتا ہے۔

"یہ ایک ہفتہ وار رسالہ عربی، ترکی اور اردو تینوں زبانوں میں استنبول سے شائع ہوتا ہے، مذہبی سیاسی اور ادبی معلومات پر بحث کرتا ہے۔ چندہ سالانہ آٹھ روپے، ہندوستانی اور ترکوں سے رشتہ اتحاد پیدا کرنے کے لئے ایک ایسے اخبار کی سخت ضرورت ہے۔ اور اگر اس کی توسیع اشاعت میں کوشش کی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اخبار اس کمی کو پورا کر دے۔"

ملنے کا پتہ: ۔ ادارۃ الجریدہ فی السلطنۃ العثمانیہ جنیرلی طاش نمبرہ، صندوق البوستہ ۳، استنبول۔

۱۹۱۴ء کی دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد بحری قانون کسٹمز ایکٹ اگست ۱۹۱۴ء کے تحت اس اخبار پر ہندوستان آنے پر پابندی لگا دی گئی۔ اس اخبار کا مقصد انگریز سے خلاف

علم بغاوت بلند کرنا، اور جس مقام پر انگریزی حکومت تھی اس کا بعد
حکومت ہندوستان سے انگریزی حکومت کا خاتمہ کر دینے کا ترغیب
دیا تھا۔ چنانچہ ۲۰ دسمبر ۱۹۱۵ء کے عہد سے میں اہل ہند کی تقریر
شائع ہوئی۔ جس میں انھوں نے اور باتوں کے علاوہ یہ بھی کہا۔

ہندوؤں اور مسلمانو تم دونوں فوج کے سپاہی ہو۔ اور
آپس میں بھائی بھائی ہو۔ یہ وقت ہے کہ ہندوستان میں غدر کا
اعلان کر دیا جائے۔ انگریزی میگزین گولہ بارود کے ذخیرے
لوٹ لئے جائیں اور انھیں کے ہتھیار لوٹ کر انھیں کو قتل کر دیا
جائے، ۳۲ کروڑ ہندوستانی ہیں جبکہ انگریز مشکل سے صرف
دو لاکھ ہوں گے۔ ان کو قتل کر ڈالا جائے۔ اس وقت ان
کے پاس کوئی نہیں ہے۔ نہر سوئز کو بہت جلد ترک بند کر دینگے
لیکن جو شخص اپنی جان قربان کر کے اپنا وطن آزاد کراتے گا بہشت
ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا (ابد تا ابد) ہندوؤں اور مسلمانوں
تم دونوں فوج کے سپاہی ہو اور آپس میں بھائی بھائی ہو، اور
رذیل انگریز تمہارا دشمن ہے اعلان جہاد کرو، اور غازی مرد
بن جاؤ، اور اپنے بھائیوں کا [illegible] ساتھ دو انگریز کو
قتل کر دو، اور ہندوستان کو آزاد کرالو۔[1]

طریقت | لاہور سے ۱۹۱۴ء میں یہ رسالہ ماہانہ جلوہ افروز
ہوا، ایڈیٹر منشی محمد الدین فوق لاہوری تھے

---

[1] برکت اللہ بھوپالی ص ۱۰۱

سالانہ چندہ ایک روپیہ دس آنے تھا۔

اس رسالہ پر نقاد آگرہ نے اپنے شمارہ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں تبصرہ شائع کیا ہے۔

"منشی محمد الدین صاحب فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور نے جو ایک مشہور اور لائق اخبار نویس ہیں اور ہمارے مخلص دوست ہیں۔ حال ہی میں طریقت کے نام سے ایک مفید و دلچسپ صوفیانہ رسالہ نکالا ہے"

فانوس خیال سیالکوٹ نومبر ۱۹۱۲ء کے شمارے میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

"یہ سلوک و تصوف کا ماہوار رسالہ منشی محمد الدین فوق ایڈیٹر کشمیری میگزین لاہور کی ایڈیٹری میں نکلتا ہے اچھے اچھے مضمون نگاروں کے رشحات قلم سے زینت پاتا ہے لکھائی، چھپائی اچھی کاغذ معمولی ہے خریداروں کو چند کتابیں انعام میں دی جاتی ہیں۔

المسلم لدھیانہ سے یہ رسالہ ۱۹۱۳ء کو جاری ہوا غازی محمود (دھرمپال) ایڈیٹر تھے دو روپے سالانہ چندہ تھا۔ اس رسالہ پر اخبار اہل حدیث امرتسر نے ۲۸ مئی ۱۹۱۵ء کے شمارے میں ریویو کیا تھا۔

"ہمارے ناظرین غازی محمود (دھرمپال) کو جانتے ہیں آپ نے اپنے ماہواری رسالہ المسلم کا آئندہ پروگرام لکھا ہے کہ سوامی دیانند نے جو رگوید کی تفسیر لکھی ہے اور ناگری میں اس کا ترجمہ کیا ہے اس ناگری کا ملک کی عام فہم زبان اردو میں ترجمہ کریں گا۔ جس سے اردو داں پبلک

گرویدوں کے مضامین سے یہ رسالہ مستفیض ہو سکے گا۔

اخبار اہلحدیث امرتسر مورخہ ۹ اکتوبر ۱۹۱۲ء ضمانت طلب کئے جانے سے اس کے عارضی بند ہونے کی خبر شائع کرتا ہے۔

لدھیانہ کا رسالہ "المسلم" جو غازی محمود (دھرم پال) کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا بوجہ اس کے کہ پریس سے دو ہزار کی ضمانت طلب ہوئی۔ رسالہ تا اطلاع ثانی عارضی طور پر بند رہے گا۔

البلاغ مالیر کوٹلہ سے یہ علمی رسالہ غالباً ۱۹۱۰ء کو ظہور پذیر ہوا۔ یہ ماہانہ نکلتا تھا، ۴۶ صفحوں پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ رسالہ مخزن مورخہ نومبر ۱۹۱۱ء کے شمارے میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

اس رسالہ کا مدعا اسلامی علوم و حسن معاشرت و خصائل حسنہ کا زندہ کرنا ہے اور انہیں مقاصد کو پیش نظر رکھ کر دارالریاست مالیر کوٹلہ سے اس کی ماہانہ اشاعت ہوتی ہے مضامین دلچسپ ہیں۔

ترجمان لاہور سے غالباً ۱۹۱۲ء میں یہ رسالہ نمودار ہوا۔ چالیس صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر لالہ تیرتھ رام فیروز پوری تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے اعتبار سے اوسط درجہ کا رسالہ تھا۔

رسالہ نظارہ میرٹھ نے اپنے شمارہ ماہ مئی ۱۹۱۲ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے۔

"تمام مضامین نظم و نثر گو معیار العلوم کے نہیں ہیں، تاہم جذبات و خیالات کے اعتبار سے ایک حد تک قابل داد ہیں۔ لیکن

لٹریچر سب کا سب چھپا ہے جو غالباً ایڈیٹر صاحب کے زور قلم کا نتیجہ ہے، نہایت محتاج اصلاح ہے۔ اس کے ایک نوٹ پر تحریر ہے۔
مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوتی ہے کہ نہ صرف ان پرچوں نے جو ایک عرصہ سے دبے پڑے تھے از سر نو آثار زندگی ظاہر کرنے شروع کر دیے بلکہ اکناف ملک سے بعض نئے پرچے بھی غیر معمولی سرعت کے ساتھ شائع ہونے لگے ہیں۔"

"تحریر گو کتنی ہی مدھم پھیکی اور بے نمک ہو قابل اعتراض نہیں ہو سکتی لیکن محاورات کی غلطیوں پر مزید نظر پڑتی ہے" دبے پڑے تھے" دیہاتی اور غیر فصیح محاورہ ہے، زباں داں اہل [illegible] اس کو ہرگز نہیں برت سکتے۔ علاوہ اس کے "شائع ہونے لگے ہیں" یہ جملہ بھی تنافر سے خالی نہیں؟ ایک اور فقرہ ہے" میری اپنی رائے یہ ہے کہ اس حیثیت اور متانت کے ساتھ اس کے لئے کا لفظ اس سے بہتر استعمال کیا جا سکتا تھا" "اس" کا لفظ ایک مختصر سے فقرے میں تین جگہ صرف کیا گیا ہے حالانکہ محض لفظوں کی الٹ پلٹ سے یہ سقم دور ہو سکتا تھا، اسی طرح تمام مضمون قابل اصلاح ہے ایڈیٹر کا جلیل نشان ہے کیونکہ اس کی استعداد اور قابلیت پر مضمون نگار اعتماد کرتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہمارے مضامین کی جانچ اور دیکھ بھال کرنے والا ایک قابل اور معتبر شخص ہے بس اس صورت میں اگر رسالہ کا ایڈیٹر ہی کامل الفن، پرداز نہ ہوگا تو رسالہ کی کیا وقعت ہوگی — ہم ہمعصر ایڈیٹر ترجمان کی خدمت میں نہایت مؤدبانہ گزارش کرتے ہیں کہ اگر ترجمان کو ادبی دنیا میں شہرت دینا اور مقبول عام

بانا مقصود ہے تو اس کے لٹریچر کی اصلاح کریں اور اشاعت کے لئے
ت پیرایہ میں قوم کے مضامین بہم پہنچاتی تھی۔

الفضل — قادیان سے ۱۹۱۳ء کو یہ اخبار ہفتہ میں تین بار نکلنا شروع ہوا، آٹھ صفحات پر چھپتا تھا مولوی نورالدین اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔ مطبع ضیاء الاسلام قادیان میں طبع ہوتا تھا۔

اس اخبار کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

ظلمتیں کافور ہو جائیں گی اک دن دیکھنا
ہے چھپی اک نور ازلی چہرہ کے پیغام میں ہو ل

ٹمپرنس میگزین — کٹرہ حلوائیاں امرتسر سے ۱۹۱۳ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ افروز ہوا، ایڈیٹر ماسٹر سنت سنگھ تھے، سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔

اس رسالہ پر عصر جدید میرٹھ نے ۱۵ اکتوبر ۱۹۱۳ء کے پرچے میں تبصرہ کیا تھا۔

ہندوستان میں منشیات کا استعمال بڑھتا جاتا ہے جس سے ان کی دماغی اور جسمانی صحت پر بڑا اثر پڑ رہا ہے اور لاکھوں کروڑوں روپیہ شراب، افیون، کوکین، تمباکو، چرس اور بھنگ وغیرہ کے شوق میں غارت ہو جاتا ہے۔ ماسٹر سنت سنگھ نے ٹمپرنس میگزین نامی ایک ماہوار رسالہ جاری کر کے قوم و ملک پر احسان کیا ہے اس رسالہ میں منشی اشیاء کی استعمال کی مضرتیں عبرت خیز طریقہ پر بیان کی جاتی ہیں اور اس کے بد عادت کے ہولناک نتائج پر طبی، اقتصادی

لحاظ سے رنگینی ڈالی جاتی ہے۔

خالت بہار ہوشیارپور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۲ء کو طلوع ہوا، سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ ۲۰ اگست ۱۹۱۲ء کے عصر جدید میرٹھ میں اس کا اشتہار چھپا تھا۔

حکیم بہلول بہلوال، جے ڈی پنجاب سے یہ طبی رسالہ ۱۹۱۴ء کو نمودار ہوا۔ بھگوان سنگھ عاصف اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ چودہ آنے تھا، قیمت فی پرچہ تین آنے تھی۔



سنہ ۱۹۱۵ء

تجارت | شاہجہانپور سے یکم جنوری ۱۹۱۵ء کو یہ تجارتی پرچہ نمودار ہوا۔ پندرہ روزہ تھا یکم اور ۱۶ تاریخ کو شائع ہوتا تھا، ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ بانی اول اختر اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ سینٹر ڈسٹ پبلشنگ ہاؤس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

تجارت تمہارے روبرو موجودہ صورت ہے
اور سوا اسی کی کہ تمہیں زر کی ضرورت ہے

یہ پرچہ صنعتی، حرفتی، تجارتی و زراعتی معلومات کا مخزن کاریگروں دوکانداروں اور بے روزگاروں کا معاون تھا۔

جناب حکیم نور الٰہی صاحب ڈپٹی سکریٹری کلب سہسوان ضلع بدایوں نے ۶ مارچ ۱۹۱۵ء کے خط میں رسالہ تجارت کے متعلق "حسن قبول" کا اظہار کیا ہے، جو منظوم ہے۔

اے ہمارے مہرباں عاقل فہیم و نکتہ داں
قدر دانِ علم و ہنر اے ساکنِ ہندوستاں
گو نہ تھی تقدیر اپنی ایسی جو مہلت ہمیں
ایسا اخبارِ تجارت و صنعت و حرفت کی جاں
گم شدہ سارے دفینے اس نے ظاہر کر دیے
اس کو کہنا چاہیے دراصل راز ساحراں
اس نے ظاہر کر دیے ہیں سرِ اصولِ روزگار
اس نے وہ باتیں بتا دیں جب ہو گئے معجز بیاں
وہ اشیا آتی تھیں جو غیر ملکوں سے یہاں
ہم بنا سکتے ہیں اب گھر بیٹھ کر سب بے گماں
کون ایسا ہنر ہے جو نہ اس میں درج ہو
کون سی ترکیب ہے جس کا نہیں اس میں بیاں
لطف اس پر اور یہ ہم کو دیا ہے اختیار
پوچھ لیں ہم مفت ہی جب ہو کوئی رازِ نہاں
ہے ہمارا فرض کچھ ہم بھی مدد اس کی کریں
ہے ہمارا کام پہنچا دیں اسے کون و مکاں
لاؤ بانکے لال اختر سے کہیں ہم بزور
آپ روزانہ اسے کر دیجیے اے مہرباں
ڈیڑھ روپیہ بہت کم قیمت ہے جبکہ آجکل
دیکھتے ہیں دن بدن ہوتے ہوئے کاغذ گراں

ہر لیڈر اور شاعر جو کہ ہو گا آتا ہے
اس کو تغیروں کا ہیں اک نسخہ یہاں جگیاں

جبکہ تیار کیا میں نے ۲۴۴ صفحہ کا ہے زیچ
ورد کو حق ہے کہ اس فن انسانی کو یہاں
چاہیے سب کو اب کوشش کر یہاں کو وکیر
ہو مودار شاعر ہر ایک شہر ہندوستاں

آریہ پتر بریلی سے جنوری ۱۹۱۱ء کو یہ ماہنامہ مطلع افروز ہوا۔ یہ بریلی کی آریہ سماج کا آرگن تھا۔ مضامین کے علاوہ اس میں نظمیں وغیرہ درج ہوتی تھیں۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔

المیزان کلکتہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار یکم فروری [illegible] کو طلوع پذیر ہوا۔ خواجہ امیر علی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ یکم فروری ۱۹۱۵ء کے حبیب عالم مراد آباد میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔ اور اس میں لکھا تھا کہ اب تک جس قدر المیزان کے نمبر شائع ہوئے ہیں ان سے ایڈیٹر کی عمدہ قابلیت و کافی تجربہ کا پورا پورا ثبوت ملتا ہے۔

لیل و نہار سنبھل پور سے غالباً فروری مارچ ۱۹۱۵ء میں یہ اخبار طلوع پذیر ہوا۔ جو ہفتہ وار تھا آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی [illegible] صاحب وحشی اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

منشی سید ظہور احمد صاحب وحشی

وحشی صاحب شاہجہانپور کے رہنے والے تھے

سادات سے ان کا تعلق تھا۔ محلہ جھنڈا کلاں یا جھنڈا خورد میں رہتے تھے اس لیے ان محلوں میں سادات آباد ہیں۔ بچپن سے بڑے ذہین تھے، مختلف اساتذہ سے عربی و فارسی کی تحصیل کی ندوۃ العلماء میں مولانا علامہ سید سلیمان ندوی کے ہم درس تھے سنہ ۱۹[illegible]ء میں جب نواب محسن الملک نے دار العلوم کا معائنہ کیا تو علامہ سید سلیمان ندوی کے ساتھ انھیں بھی امتحاناً پیش کیا گیا۔

سنہ ۱۹۱۰ء سے پیسہ اخبار لاہور میں عربی کے ترجمے کے فرائض انجام دینے شروع کیے، عربی کے مشہور ادیب جرجی زیدان کے ناولوں کا ترجمہ کیا جن کو پیسہ اخبار والوں اور دوسرے پبلشروں نے چھاپا۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں وحشی صاحب دہلی آ گئے، سجاد احسان الحق میرٹھی نے سنہ ۱۹۲۱ء میں دہلی سے دین دنیا رسالہ جاری کیا، اس کے چیف ایڈیٹر وحشی صاحب مقرر ہوئے، نگرانی شمس العلماء مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی فرماتے تھے، پانچ سال دین دنیا میں کام کرنے کے بعد اس سے علیحدگی اختیار کی، جیل گیٹ کے ایک بالاخانہ پر سکونت رکھتے تھے، اسی محلہ میں انھوں نے سنہ ۱۹۲۶ء کو اپنا ذاتی رسالہ شبلی ماہنامہ جاری کیا۔ ایک سال کے بعد حکیم جمیل خاں صاحب کی اعانت سے شبلی پریس قائم کیا، اس میں ابتدا میں ہندوستانی دواخانہ کا کام چھپتا تھا۔ بعد میں متفرق لوگوں کے کام چھپنے لگے، پانچ سال تک رسالہ شبلی جاری رہا۔ رسالہ بند ہونے کے بعد آپ نے سوداگراں

لال کنواں میں سکونت اختیار کی، تو وہاں جبلی پریس قائم کیا۔ پریس
لے دس سال کی عمر پاکر ستر پریس لمبے سالہ سے سبکدوش ہونے کے
بعد تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے۔ کافی کتابیں تصنیف
کیں، جن میں اسلامی زندگی، فن شاعری، وسائل تجارت، فن دکانداری
فن اشتہار نویسی، عملیات، میاں بیوی اور بیوی کے فرائض کافی مشہور
ہوئیں۔ اور اب تک طبع ہو رہی ہیں۔ ان کی کل کتابیں جناب
مفتی شوکت فہمی صاحب ایڈیٹر رسالہ دین و دنیا دہلی نے شائع
کیں۔ اقتصادیات پر ان کو کافی عبور تھا۔ اس سلسلہ کی جو
کتابیں انھوں نے لکھیں ان سے عوام کو بہت فائدہ پہنچا۔

میاں بیوی کتاب میں زن و شوہر کے تمام تعلقات پر بحث
کی گئی ہے، یہاں تک کہ ان خاص تعلقات پر بھی روشنی ڈالی گئی
ہے جنھیں لوگ غلط طور پر خلاف تہذیب خیال کرتے ہیں۔

بیوی کے فرائض میں ایک طرف تو نہایت موثر پیرایہ میں
عورتوں کو ان کے فرائض بتائے گئے ہیں اور دوسری طرف وہ
طریقے سمجھائے گئے ہیں جن پر عمل کر کے عورتیں اپنے شوہروں کو
اپنا دالہ و شیدا بنا سکتی ہیں، آخر میں عورتوں کے متعلق نصیحت
آموز افسانے بھی درج ہیں۔

فن شاعری میں بغیر استاد کے شاعری کی تعلیم دی گئی ہے
جس کا کمال یہ ہے کہ کیسی ہی معمولی قابلیت کا آدمی کیوں نہ ہو اس کا
بغور مطالعہ کرنے کے بعد اپنے اندر شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیت
محسوس کرنے لگتا ہے اس میں علم عروض کو آسان طریقہ پر سمجھایا

گیا ہے۔)

منشی ظہیر احمد صاحب کو ظریفانہ شاعری سے بھی دلچسپی تھی۔ حکیم اجمل خاں صاحب ان کی شاعری کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم جمیل خاں صاحب نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی، ان کے احباب کا حلقہ بڑا وسیع تھا۔ یوں تو ان کے دوستوں میں جناب انوار ہاشمی صاحب، جناب شوکت فہمی صاحب، اکبر حیدر آبادی صاحب، سمیع آرٹسٹ، اور ملا واحدی صاحب وغیرہ تھے۔ لیکن ان کا انتہائی خصوصی تعلق دہلی کے مشہور خاندانی رئیس رائے بہادر پارس داس دہلوی سے تھا۔ یہ علم دوست انسان تھے، وہ منشی صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کی ہر ایک بات کا خیال رکھتے تھے۔

منشی ظہیر احمد صاحب دبلے، پتلے، درمیانہ قد کے تھے، داڑھی رکھتے تھے، شیروانی پہنتے تھے، بالوں دار ٹوپی اوڑھتے تھے، اور چشمہ لگاتے تھے، ظرافت پسند آدمی تھے، بہت خوش گفتار خوش ذوق، خوش مزاج تھے، لطیفہ گوئی میں کمال حاصل تھا بات بات میں لطیفے سناتے تھے۔ اردو کے مشہور شعراء کے اشعار بہت یاد تھے، حافظ شیرازی کے اشعار کثرت سے پڑھتے تھے کبھی کوئی پریشانی اور مشکل پیش آتی اور کسی معاملہ میں الجھ جاتے تو حافظ کے دیوان سے فال نکالتے تھے۔

سید صاحب کو اپنے سید ہونے پر بڑا فخر اور ناز تھا۔ مذاقیہ طور پر کچھ ملنے والے ان کے سید ہونے پر شک کا اظہار

لو بار رہے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ اس قسم کی بحث چھڑ گئی کہ اسلام محمد پر یہ بات منحصر ہے کہ جو اصل نسل سیدہ ہوتا ہے اس پر آگ اثر نہیں کرتی۔ چنانچہ بحث کے بعد ان وحشی صاحب نے جلتی ہوئی ہنی کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیا۔ معترضین بہت شرمندہ ہوئے۔ اور پھر کبھی ایسی گفتگو نہیں کی۔

وحشی صاحب کے دفتر کی نشست انتہائی دلچسپ تھی چاروں طرف دالان کتابیں پھیلی رہتی تھیں لہذا یہ کتابوں کے درمیان بیٹھے ہوئے کتابوں کے پڑھنے یا مضامین لکھنے میں مگن رہتے تھے، ان کا کتب خانہ کافی بڑا تھا۔ عربی، فارسی، انگریزی، اور اردو کی تاریخی کتابیں بھی تعداد میں تھیں اردو فارسی اور عربی شعراء کے دیوانوں کی بھی معقول تعداد تھی۔ نادر و نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں ان کے پاس ایک قلمی اور قدیمی دیوان حافظ بڑا خوشخط لکھا ہوا تھا۔ اس کتب خانہ کا کیا ہوا، اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

وحشی صاحب پابند صوم و صلوٰۃ تھے نماز عام طور پر جامع مسجد یا جیل گیٹ کی مسجد میں پڑھتے تھے، رمضان کی کبھی تراویح نہیں چھوڑی۔ پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے حج بیت اللہ کے لئے بیتاب رہا کرتے تھے بڑی خواہش تھی حج کرنے کی اور حضور کے روضہ اطہر پر حاضری دینے کی۔ لیکن وہ پوری نہ ہو سکی۔

ان کی پہلی شادی خاندان ہی میں ہوئی تھی جن سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوئیں، دوسری شادی جناب پیر جی عبدالصمد صاحب کی بھتیجی سے ہوئی، ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

وحشتی صاحب مسلم ادیب ہونے کے ساتھ قادر الکلام شاعر تھے
وحشتی تخلص تھا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے
کسی کے شاگرد نہیں تھے، دہلی کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے
صاحب دیوان تھے ؎

کیوں مجھ کو ستاتے ہو کیوں خواب میں آتے ہو
بھولا ہوا افسانہ، کیوں یاد دلاتے ہو
پھر کھا کے قسم جھوٹی پھر نام وفا لیکر
کیوں آگ لگاتے ہو، کیوں مجھکو جلاتے ہو
اظہار تاسف سے رورو کے تکلف سے
کیوں دل کو دکھاتے ہو کیوں مجھکو رلاتے ہو
پھر قدر ہوئی شاید وحشتی کی پس مردن
کیوں اشک بہاتے ہو کیوں رنج اٹھاتے ہو

کبھی اس کی نگاہ شرمگیں اٹھتے نہیں دیکھی
سکھایا کس نے یارب آسماں کو فتنہ گر ہونا
کوئی آیا ہے پھر دل میں ہزاروں حسرتیں لیکر
ذرا پھر برق خرمن سوز بنکر جلوہ گر ہونا
اگر اس پردۂ قدرت میں کوئی سننے والا ہے
تو وحشتی اک قیامت ہے دعا کا بے اثر ہونا

چنیں کریم و چناں مہربان خداوندی — اگر خطا نکند بندہ اش صواب کند
دعا بہ ہمتِ ترکِ دعا کنم وحشتی — بود کہ خالقِ کونین مستجاب کند

تیرے اس انداز کے میاں بسمل ہو گیا
اب نہ زحمت کر کہ میرا کام، قاتل ہو گیا

وہ نگاہِ سرمگیں الزام کے قابل نہیں،
یہ خدا جانے کہ میں کس طرح بسمل ہو گیا

اے دلِ بیمار اب سوزِ دروں کا کیا علاج
اب تو لب تک آہ کا آنا بھی مشکل ہو گیا

کچھ سمجھ کر آج جا نکلے تھے ہم سوئے چمن
یہ تماشا اور وجہِ کلفتِ دل ہو گیا

یہ نہ کچھ سوچا کہ ہوگا ضبط کیونکر حشر تک
تو دلِ ناعاقبت بیں کس پہ مائل ہو گیا

اب نہ وہ تو ہے، نہ وہ محوِ تماشا ہیں ترے
صبح ہوتے ہی یہ کیا اے شمعِ محفل ہو گیا

اے دلِ بے تاب کو کیا کہہ کے سمجھائے کوئی
آج تیرا امتحاں بھی جذب کامل ہو گیا

رہ گیا تھا ایک مرگِ ناگہانی کا مزا
یاس کے صدقے کہ وہ آج حاصل ہو گیا

آخری غزل وحشتؔ صاحب نے ۳/۴ جولائی سنہ ۱۹۱۰ء کے ہاپوڑ کے مشاعرہ میں سنائی تھی اور اس مشاعرہ کی پوری غزلیں رسالہ خیال ہاپوڑ مورخہ اگست سنہ ۱۹۱۰ء میں شائع ہوئی تھیں، جس میں وحشتؔ صاحب کی یہ غزل بھی تھی، حاشیہ پر رسالہ خیال کے ایڈیٹر نے یہ نوٹ لکھا تھا۔

افسوس ہے کہ جناب دہلوی صاحب نے اپنی پوری غزل عنایت نہ فرمائی۔ مشاعرہ میں غزل پڑھنے کے بعد جو غزل آپ نے عنایت کی اس میں مقطع بھی موجود نہ تھا۔ علاوہ ازیں جو شعر سب سے زیادہ مقبول خاص و عام ہوا وہ بھی اس میں نہ تھا۔ یعنی سہ

اس طرف کچھ سوچ کر رونے لگے تیمار دار
اس طرف بیمار غم کچھ کہہ کے غافل ہو گیا

مجبوراً یہ غزل کبھی درج کی گئی۔

الحاذق گلزاران بریلی سے یہ طبی رسالہ جون ۱۹۱۵ء کو جاری ہوا۔ ۵۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر حکیم سید فرید احمد عباسی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ مطبع نعیمی بریلی میں طبع ہوتا تھا۔

خیال ہاپوڑ ضلع میرٹھ سے جون ۱۹۱۵ء کو یہ ماہانہ گلدستہ وجود میں آیا۔ ۵۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ حکیم شاہ ابوالحسن شفیق حیدرآبادی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے ایک آنہ اور قیمت فی پرچہ تین آنے تھی۔ مطبع شمس الانوار میرٹھ میں طبع ہوتا تھا۔

اس گلدستہ میں مشہور شعرا کی غزلیں بطرح المطلب، اور تنقیدی و ادبی مضامین چھپتے تھے جو معیاری ہوتے تھے۔ عروضی بحثیں بھی چھڑتی تھیں اور عروضی اصولوں سے شعرا کا کلام جانچا جاتا تھا۔ اس رسالہ کا مقصد علمی مذاق پیدا کرنا پولیٹیکل معاملات اور مذہبی چھیڑ چھاڑ سے احتراز کرنا تھا۔

اس رسالہ میں ۲۴ صفحات نثر کے اور بارہ نظم کے ہوتے تھے گویا نثر کا حصہ زیادہ تھا۔ کتابت و طباعت بہترین تھی اور کاغذ بھی نفیس لگتا تھا۔

مارچ ۱۹۱۰ء کے شمارے سے غزلوں کے منتخب اشعار یہ ہیں ؎

جناب آثر مرادآبادی تلمیذ افضل لکھنوی ؎

سچ تو یہ ہے کہ رشید پیر سے کچھ کام نہیں
ان سے ملتے ہیں مگر میرے جلانے کے لئے
آبرو پائی یہ پانی نے، بنا آب حیات
آئے دریا پہ جو وہ آج نہانے کے لئے

جناب مسٹر محمد علی خان اوکسین ایڈیٹر کامریڈ دہلی ؎

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب سے سامانِ بقا میرے لئے ہے
یہ ڈر ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

منشی عبدالرؤف صاحب رؤف ناگپوری تلمیذ جناب حسن گلاؤٹھی ؎

اک میکدہ تھا دنیا میں سزاوار محبت
اس حرم نے بھی میرے ہی گنہگار کو دیکھا
ہم نے تو کہیں بے غرض الفت نہیں دیکھی
مطلب ہی کا دیکھا اسے جس یار کو دیکھا

جناب سیٹھ عبدالرزاق صاحب اجمل بنگلوری شاگرد رشید حضرت داغ مرحوم ؎

ز بسکہ معلوم یہ ہم کو کہ قسمت کیسی ہوتی ہے
شب غم ایسی ہوتی ہے مصیبت ایسی ہوتی ہے
حسینوں کے محلے میں ہزاروں جمع ہیں عاشق
کہیں جنت میں بھی زاہد جماعت ایسی ہوتی ہے

حکیم شاہ ابوالمحاسن، شفیق حیدرآبادی ایڈیٹر خیال ۵

اک در ہو کھلا، چار طرف سے رہیں در بند
کہتے ہیں دعائیں کہ نہ ہو باب اثر بند
ہو روح کو پرواز کی حسرت سوئے طیبہ
بلبل ہو قفس میں رہے پھر آنکھ پہ پر بند
کیوں نکہت گل دوڑ کے آئے گی قفس میں
گلشن کی ہوا بند ہے گلشن کی خبر بند
کیوں جرم ہے محفل میں زبانوں کا ہلانا
کیا سوختہ جانوں کے دہن میں ہے اثر بند
سو حسرتیں ہیں بعد اسیروں کا ہے ماتم
ارمان نظر بند، تمنا ہے نظر بند
سن سن کے غم قوم شفیق جگر افگار
روتا رہا پھر دل نہ ہوا دیدۂ تر بند

جناب منشی نارائن پرشاد صاحب ورما المتخلص قہر دہلوی
از گلزار سیار ۵

ہم تو اس غم میں پریشان نظر آتے ہیں
مرگ دشمن پہ مسرت ہو بھلا کیا مجھکو

پھر جلوے سے ہوئے غش تو کسی نے یہ کہا
تو لے اے دیکھنے والے ہم نے دیکھا تجھکو

رسالہ نظارہ میرٹھ کے پہلے شمارہ مئی ۱۹۱۷ء میں اصحاب میاں پر تبصرہ کیا ہے۔

اس نام کا ایک ماہوار رسالہ بادارہ جناب حکیم ابوالحسن شفیق حیدرآبادی بانپور ضلع میرٹھ سے شائع ہوتا ہے، اس کے دو حصے ہیں ایک میں نظم ہوتی ہے اور دوسرے میں نثر، لیکن طرحیہ کلام زیادہ درج کیا جاتا ہے اور یہ ظاہر بات ہے کہ طرح کا جو بھی انتخاب کرنے والوں کو رعایت کی جانب مائل کر دیتی ہے علاوہ اس کے ریختہ گو شعرائے ہندوستان میں بہ کثرت سے ہیں مگر چھاپنے والے معدود، اس طرح پر عوام کا کلام زیادہ دستیاب ہو جاتا ہے، شاید پابند ہو کر قلم نہیں اٹھاتے یہی وجہ ہے کہ کچھ خیال استادوں کے کلام سے محروم ہے ان کی مجبوریوں کو دیکھتے ہوئے خیال پیدا ہوتا ہے کہ خیال اگر طرحی غزلوں کا پابند نہ ہو اور نظم و نثر سے اعلیٰ مضامین بہم پہنچائے تو مقبول عام ہونا بہت آسان ہے۔ اگرچہ نثر کے مضامین اچھے ہوتے ہیں۔ لیکن نظم کا حصہ کمزور ہے، تاہم رسالہ بہت اچھا ہے

یہ رسالہ بانپور کے بجائے میرٹھ سے جون ۱۹۱۸ء سے شائع ہونے لگا تھا اور جناب شفیق حیدرآبادی کے بجائے سید عزیز احمد نیر ملنگ میرٹھی کی ملکیت میں آ گیا تھا ___ اور یہ اس رسالہ کے ایڈیٹر بھی تھے۔

دارالشفا: فیض آباد سے یہ طبی رسالہ ۱۹۱۵ء کو جاری ہوا ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر بابو بینی پرشاد سنگھ تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ میں حفظانِ صحت، تحفظِ صحت، مجرب نسخہ جات، صنعت و حرفت، دوا دارو، جدید علوم، المینک انڈکس جیسے پیشہ لوگوں کی معلومات کو بڑھانا اس رسالہ کے مقصد میں داخل تھا۔

نظارہ: اندرکرشن میرٹھ سے نومبر ۱۹۱۵ء کو یہ علمی و ادبی رسالہ جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر محمد عبدالحمید حمید میرٹھی عنبیک تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ اور قیمت فی پرچہ پانچ آنے تھی۔

اس رسالہ میں تاریخی، تمدنی، تنقیدی اور علمی مضامین چھپتے تھے اور ہندوستان کے مشہور و معروف شعراء کے کلام سے زینت پاتا تھا۔ شاعروں کی نو تہواروں کی اس میں چھپتی تھی۔ یہ رسالہ شعراء کی تنظیم بھی کرنا چاہتا تھا۔ اس کے مضمون نگاروں میں شوکت علی میرٹھی، خان بہادر مرزا سلطان احمد شہید اور لیتھری، مرزا راجہ حسین یاس عظیم آبادی، جناب سید عارف حسین ساغر کاکوروی، زکی قیصر رائی، شبیر محمد صاحب شبیر، مولانا اسلم جیراجپوری، نورالدین صاحب عنبر، خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت لکھنوی، باسط بسوانی، احسن مارہروی وغیرہ تھے۔

ہندوستان کے شاعروں کی تنظیم کے لیے شعراء کانفرنس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس کانفرنس کی غرض کیا تھی اس کی تشریح مئی ۱۹۱۷ء کے شمارے میں کی گئی ہے۔

"اکثر لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جس طرح موجودہ زمانے میں شاعری ایک بے سود اور لاحاصل فن ہے۔ اسی طرح شعراء کانفرنس بھی ایک دل خوش کن اور بیکار شئے ہے کیونکہ بظاہر اس کا مقصد اسی فن کو ترقی دینا ہے جو ایک بے فکروں کا مشغلہ اور آزاد لوگوں کی تفریح طبع کا سامان ہے، یہ خیال درحقیقت ان لوگوں کا ہے جو خود کو خود غرضی کی تیرہ و تاریک راہوں میں پھنس کر ترقی کی منزل سے کوسوں دور ہو گئے ہیں اور جن کو یہ بھی معلوم نہیں کہ دنیا کی ترقی و تنزلی کے اسباب کیا ہیں اور شاعری بھی ان سے تعلق ہے یا نہیں، البتہ جتنے صاحب دل اور صاحب درد افراد ہیں وہ قوم و ملک کے درد کو اپنا درد اور قوم و ملک کی آسائش کو اپنی آسائش خیال کرتے ہیں کیونکہ جس سے قوم اور ملک مراد لی گئی ہے وہ ایسے ہی افراد کا مجموعہ ہے۔ بصیرت کی عینک لگا کر شاعری کے سرمایہ پر نظر ڈالی جاتی ہے تو اس میں روحانی و اخلاقی اصلاح کے ہزاروں راز نظر آتے ہیں، حکمت، فلسفہ، سائنس، اخلاق معانی، غرض، تمام علوم کا سرمایہ اگر ملتا ہے تو شاعری ہی کی دنیا میں سعدی، خسرو، جامی، نظامی وغیرہ کی شاعری کو دیکھئے۔ کس اسلوب سے اخلاقی اور روحانی تعلیم کے وہ آئینے دکھاتے ہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی دل روشن ہو جاتا ہے"

شعراء کانفرنس کی تحریک تقریباً ایک سال سے ہو رہی ہے لیکن اتنے عرصہ میں اس کے قائم ہونے کی صورت پیدا ہو گئی ہے بمبئی کے اولوالعزم اور بیدار دل شعراء نے جن کو اردو زبان سے ہی نہیں بلکہ تمام ملک سے ہمدردی ہے، بمبئی میں پہلے اجلاس کا ہونا

اپنے لئے ایک نازش سمجھا اور بڑے جوش کے ساتھ مشورہ کانفرنس کو
دعوت دی۔ لیکن ان اطراف کے امرا و رؤسا، جہاں اردو مادری
زبان سمجھی جاتی ہے اب تک ایسے خاموش ہیں گویا جیسے کوئی بات
ہی نہیں، کیا اہل بمبئی کی اولوالعزمی ان کے لئے سبق آموز نہیں، خوبی
تو اس بات کی تھی کہ وہ سب سے پہلے اپنی پیاری زبان کی مدد کا بیڑا اٹھاتے
اور اس ہمدردی کا جو انہیں اپنی زبان اور اپنے ملک کے ساتھ ہونی
چاہیئے ثبوت دیتے اب وہ موقع تو غفلت سے نکل گیا لیکن یہ موقعہ
بھی کچھ بہتر ہے کیونکہ عالی ہمتی کا امتحان دینے کے لئے مقابلہ کی ضرورت
ہوتی ہے اور اتفاق سے ایسی نظیریں پیدا ہو گئی ہیں اور یہ معلوم
ہو گیا ہے کہ ملک کی مدد کیونکر کی جاتی ہے۔

ہاپوڑ کے عالی شان مشاعرہ کی مختصر روداد بھی اسی مئی سنہ ۱۹۱۷ء
کے پرچہ میں تحریر ہے۔

" یہ مشاعرہ ۵/۶ سال سے بہ حسن اہتمام و انتظام اہالیان و
رؤسا ہاپوڑ خصوصاً عالی جناب امیر اللہ خاں صاحب سکریٹری میونسپل
بورڈ و عالیجناب چودھری بھیم نرائن سنگھ صاحب رئیس و آنریری
مجسٹریٹ، لالہ دیبی سہائے صاحب ساہو و ممبر میونسپل بورڈ، جناب
حکیم ابوالمحاسن صاحب شفیق حیدرآبادی قائم ہے اس کے سبب
سے ہر سال ادبی دلچسپیوں میں ایک نیا اضافہ ہوتا ہے، گذشتہ
مشاعروں میں شعرا کی کثرت کی وجہ سے ترتیب وغیرہ میں دقت
واقع ہوتی تھی، لیکن امسال کسی شکایت کا موقع نہیں ملا اور مشاعرہ
ایک خاص اسلوب اور اہتمام کے ساتھ مہمانوں کے قیام و طعام

وغیرہ کا انتظام بہت اچھا تھا۔ دہلی، میرٹھ، لکھنؤ، رام پور، شاہجہانپور
بریلی، مراد آباد، آگرہ، گوالیار وغیرہ کے مخصوص شعراء شریک مشاعرہ
تھے، دس بجے شب کو عالی جناب لالہ دینی سہائے ساحر کی
صدارت میں جناب رنگین پنڈت کی کامیاب غزل سے مشاعرہ کی
ابتدا ہوئی۔ اور فہرست کے مطابق غزلوں کا سلسلہ شروع ہوا۔
جناب برقی، جناب مضطر، جناب رونق دہلوی، جناب صاحب زیرک
وغیرہ کی غزلیں کامیاب ہوئیں۔ تین بجے کے قریب مشاعرہ کا رنگ
بدلا، اور ان مکرم جناب ندرت میرٹھی کی غزل شروع ہوئی، یہ غزل
کیا تھی، مشاعرہ کی جان تھی، مطلع کا پڑھنا تھا کہ ہر در و دیوار سے
تحسین و آفریں کی صدائیں بلند ہوگئیں، ہر شعر پانچ پانچ چھ چھ
مرتبہ پڑھوایا جاتا تھا۔ اور سامعین کا شوق کم نہ ہوتا تھا، ہم نہیں کہہ
سکتے کہ ان اشعار میں کیا سوز و گداز تھا اور کس قسم کے جذبات تھے
ہر شخص پر ایک خاص اثر اور بے چینی کا عالم طاری تھا، حسن بندش
صفائی زبان، نوائے ترکیب، جدت مضامین، غرض ہر شعر تمام محاسن
صوری و معنوی سے پُر تھا، مطلع سے مقطع تک تمام غزل حد درجہ کامیاب
ہوئی بلکہ سامعین کو وہ نشہ ہوا کہ آخر مشاعرے تک نہ اترا اس کے
بعد حضرت نیر، حضرت شفا، حضرت جلیل بدایونی، حضرت اخلاق
حضرت ساحر دہلوی، حضرت ابرار رامپوری، حضرت نجم اکبرآبادی
اور حضرت مہر گوالیاری وغیرہ کی غزلیں بھی اچھی کامیاب ہوئیں حضرت
نازش سنبھلی کا قطعہ بھی خوب سرسبز ہوا، غرض صبح تک کی کیفیت رہی
نماز کے وقت کچھ دیر کے لئے مشاعرہ ملتوی ہوا اور چاء نوشی کے

جب مشاعرہ کا دوسرا دور شروع ہوا۔ اس دور میں حضرت قمر دہلوی حضرت اطہر ہاپوڑی، حضرت بزم اکبرآبادی اور حضرت بیخود موہانی وغیرہ کی غزلیں خوب کامیاب ہوئیں۔ حضرت نوح ناروی کی غزل بھی ایک خاص رنگ میں تھی خصوصاً یہ مطلع غزل کی جان تھا۔

مرے تلووں سے کانٹے نوک سر آلود نکلتے ہیں
جو نالہ کش دل میں چبھ جاتے ہیں وہ کیونکر نکلتے ہیں

اور اس ترکیب کا تو کیا کہنا۔

کبھی میرے نزار بان دل مضطر نکلتے تھے
کبھی میرے نزار بان دل مضطر نکلتے ہیں

آخر میں حضرت سائل دہلوی نے غزل پڑھی، اس غزل میں دہلی کی زبان کی شان اور غزلیت کا رنگ تھا جس سے تمام مجمع کو ایک خاص کیفیت حاصل ہوئی، اس طرح غزل کے بعد حضرت سائل نے غیر طرح دو غزلیں اور ایک غزل حضرت ندرت، حضرت بزم اور حضرت اطہر ہاپوڑی نے پڑھیں اور پوری پوری داد حاصل کی، اس کے بعد رئیس صاحب نے اپنی پُر مذاق غزل جو درحقیقت مشاعرے کی چٹنی تھی بڑے مزے لے لے کر پڑھی اور مشاعرہ ختم ہوا، اس کے بعد تمام شعراء کو بالترتیب بٹھا کر فوٹو لیا گیا اور کھانا وغیرہ کھلا کر بڑے اعزاز کے ساتھ رخصت کیا گیا۔

نومبر ۱۹۱۸ء کے شمارے میں جنرل مشاعرہ میرٹھ جو ۳۰ / ۳۱ اگست ۱۹۱۸ء کو منعقد ہوا تھا کی روئیداد طبع ہوئی ہے یہ روئیداد حمید میرٹھی صاحب کے نام سے چھپی تھی۔

"برسات کی وجہ سے خیال تھا کہ یہ مشاعرہ خاطر خواہ طور پر کامیاب نہ ہو، دور دراز سے منتخب شعراء کا تشریف لانا اور وہ بھی بارش کے موسم میں قدرے مشکل ہے۔ لیکن بارگاہ کوشش اور سعی بیکار نہ رہی جن احباب کرام نے مشاعرہ کے لئے تکلیف دی وہ بے تکلف تشریف لائے ۔۔ یہ اہل میرٹھ کی خوش نصیبی اور اطلاقی کوشش تھی کہ کم و بیش ۵۰۰ اشخاص بیرونجات کی شرکت سے مشاعرہ کامیاب ہوا۔ حسب ذیل قابل ذکر حضرات شریک مشاعرہ تھے۔ طوطیٔ ہندوستان جانشین داغ حضرت سائل دہلوی (صدر نشین مشاعرہ) حضرت بسمل شاہجہانپوری، حضرت یاس عظیم آبادی، حضرت بیخود موہانی، حضرت مرزا الہدی، حضرت نوح ناروی، حضرت بزم اکبر آبادی، حضرت شوق اکبر آبادی، حضرت عطا بدایونی، حضرت خلیل بدایونی، حضرت جامی بدایونی، حضرت قادر رامپوری، حضرت نجم اور حضرت نیر اکبر آبادی وغیرہ تھے۔

ان حضرات کے علاوہ اور بھی اچھے اچھے شعراء نے مشاعرہ کی رونق افزائی فرمائی، مشاعرہ ٹاؤن ہال کے وسیع اور پُر فضا میدان میں شب کو ۱۰ بجے حضرت سائل دہلوی صدر نشین مشاعرہ کی غزل سے شروع ہوا۔ اس وقت پُرشوق سامعین کی جمعیت ہزار ہا سے کسی طرح کم نہ تھی اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ مشاعرہ سے قبل ہم نے دس ہزار مشاعرہ کے پاس اپنے ہاتھ سے متعدد روز پہلے ہر شخص کو تقسیم کئے اس پر بھی پاسوں کی طلبی میں کمی نہ ہوئی، مجبوراً اس قید کو ہٹا دیا، اب

بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ مشاعرہ میں سامعین کا کس قدر مجمع ہوگا۔
حضرت سائل دہلوی کی غزل کے بعد حسب ترتیب فہرست غزلیں
پڑھی گئیں اور اکثر شعرائے میرٹھ و بیرون جات نے دادِ سخن حاصل
کی۔ بعض بعض شعر کو پانچ پانچ چھ چھ مرتبہ پڑھا گیا اور سخن فہم
سامعین برابر داد دیتے رہے، شعر پڑھتے وقت اس کثیر التعداد
مجمع کا سکوت حیرت میں ڈالتا تھا۔ اور شعر پڑھے جانے کے
بعد سامعین کی پُرجوش داد، شعراء کا دل ہاتھوں بڑھاتی تھی، غرض
اسی طرح صبح پانچ بجے تک مشاعرہ گرم رہا۔ اور جناب بسمل بدایونی
کی غزل پر بند کیا گیا، اس کے بعد تمام مہمانوں نے چائے نوشی
وغیرہ سے فراغت پا کر صبح نو بجے تک آرام کیا۔ پھر دس بجے
طعام وغیرہ سے فارغ ہو کر مشاعرے کی دوسری صحبت گرم ہوئی
اس نشست میں قریب قریب تمام غزلیں منتخب پڑھی گئیں
خصوصاً حضرت بیباک، حضرت قلبل، حضرت شوخ، حضرت مذاق
حضرت مجذوب، حضرت نوح، حضرت یاس، حضرت بیخود، حضرت
بزم اور حضرت حاذق وغیرہ کی غزلیں خوب خوب کامیاب ہوئیں۔
میری غزل گو کسی قابل نہ تھی۔ سخن سنج سامعین نے میری حوصلہ افزائی
میں بھی کچھ کمی نہیں کی، اس دوران میں دو مرتبہ خفیف ترشح بھی ہوا
لیکن سخن فہم سامعین اسی طرح جمے رہے، پانچ بجے کے قریب
موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ اور مجمع منتشر ہو گیا، یہ ارادہ تھا
کہ باقی ماندہ غزلیں ہال میں پڑھی جائیں لیکن یکایک نواب احمد سعید
خاں صاحب طالب دہلوی کے انتقال کی خبر پہنچی اور مشاعرہ ختم ہو گیا

حضرت سائل صدر نشین مشاعرہ کی دوسری غزل سننے کا سامعین کو از حد اشتیاق تھا۔ لیکن سائل صاحب یہ خبر قرار داد سن کر بغیر غزل پڑھے دہلی روانہ ہو گئے۔

عبدالحمید حمید میرٹھی حمید صاحب میرٹھ کے رہنے والے تھے اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے تعلیم پائی، شعر و شاعری کا شوق تھا۔ شعر کہنے شروع کئے میرٹھ کے مشہور شعراء میں شمار ہونے لگا، سید قسیب ندرت میرٹھی سے تعلقات تھے ان کی نگرانی میں زیر سرپرستی ۱۹۱۵ء کو رسالہ ندرت میرٹھ جاری کیا، مشاعروں میں شرکت کی، کلام مقبول ہوا تو ریاستوں میں مدعو کیا جانے لگا، چنانچہ ایک تقریب مہاراجہ سرمادھوراؤ سندھیا والی گوالیار کے فرزند کی ولادت کے سلسلہ میں گوالیار میں ہوئی، اس میں حضرت سائل دہلوی بزم اکبر آبادی، صفدر مرزا پوری، اطہر ہاپوڑی اور تسلیم لکھنو کے ساتھ حمید صاحب بھی مدعو کئے گئے۔ انھوں نے ایک تہنیت پندرہ بند کی کہی۔ جو بہت پسند کی گئی، پہلا بند ملاحظہ ہو ؎

فصل گل لائی نوید راحت افزائے نشاط
ہیں نواسنجان گلشن نغمہ پیرائے نشاط
چلتی ہے یوں جھوم کر باد دل آرائے نشاط
جس طرح کوئی پری ہو مست صہبائے نشاط
محو آرائش ہوئے گل بلبلوں کے سامنے
بلبلیں خوشیاں مناتی ہیں گلوں کے سامنے

میرٹھ کے ایک معرکۃ الآرا مشاعرہ میں شرکت کی جس میں ۲۳ شعر

کی ایک غزل پڑھی، اور خوب داد ملی۔ اس غزل کا مطلع اور مقطع یہ تھا

میں یہ کہتا ہوں کہ میں کیوں ہوں، مری جان کیوں ہے
وہ یہ کہتے ہیں کہ مشکل تری آسان کیوں ہو
دل ناداں نہ رہا، جب مرے کہنے میں حمید
ان سے کیا پوچھیں کہ میرا دل ناداں کیوں ہو

ذخیرہ نومبر ۱۹۱۵ء کو یہ ماہنامہ اندرون دروازہ چادر گھاٹ حیدر آباد دکن سے جاری ہوا، جو باتصویر ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا تھا۔ مالک وایڈیٹر سید ناظرالحسن ہوش بلگرامی تھے۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا، سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔ مطبع دکن پریس کالی کمان حیدر آباد میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں مذہبی سیاسی مضامین شائع نہیں ہوتے تھے بلکہ بہترین علمی، اخلاقی، تاریخی اور ادبی مضامین چھپتے تھے اس رسالہ کے معنون نگار نواب عماد الملک، مولوی سید علی اصغر بلگرامی، سرکشن پرشاد، شاد، مولانا سید علی حیدر نظم طباطبائی مولوی سید محمد کاظم شفیقہ کنتوری وغیرہ تھے۔

اس رسالہ کے پہلے شمارہ پر نیراعظم مرادآباد مورخہ ۲۲ نومبر ۱۹۱۵ء میں یہ ریویو ہوا تھا۔

سید ناظرالحسن ہوش بلگرامی نے اردو علم وادب کی دلچسپی کا رسالہ ماہوار حیدر آباد دکن سے شائع کیا ہے۔ نثر ونظم میں اعلیٰ درجہ کے مضامین ہیں، تقطیع رسالہ ادیب جیسی خوشنما ہے

لکھائی، چھپائی کا غرض سب سے اعلیٰ قسم کا ہے ایسے علمی رسالوں کی سخت ضرورت ہے، خدا پروان چڑھائے۔

سید ناظر الحسن ہوش سید صاحب سادات بلگرام سے تعلق رکھتے تھے۔ بلگرام میں ہی تعلیم حاصل کی، نواب عماد الملک کی صحبت میں رہے۔ معتمدی افواج سرکار کے مددگار بنے۔ ہوش جب مہاراجہ فن کے مقربین تھے اس وقت اسکول نے یہ رسالہ ذخیرہ نکالا۔ میر عثمان علی خاں کے مقربین خاص ہونے کی وجہ سے درباری زندگی میں بڑی اہمیت حاصل رہی [۱] ہوش صاحب نہایت باذوق، زندہ دل، مرنجاں مرنج، درست نواز، خلیق اور سادہ مزاج بزرگ تھے، آپ کی دو کتابیں، ہدیہ گوئی، اور عروس ادب کافی مشہور ہوئیں [۲] آپ شعر زیادہ نہیں کہتے تھے۔ لیکن جو کہتے تھے وہ اچھا کہتے تھے۔ انھوں نے اس عہد میں لکھنؤ کی طرز کی ایک طویل مثنوی لکھی، جو پرانے طرز سخن کا عمدہ نمونہ ہے [۱]

جو عاشقی میں محبت کا حق ادا نہ کرے
اسے وصال صنم بھی کبھی خدا نہ کرے
میں جانتا ہوں لڑیں ان کی خوبصورت ہے
گلے کا ہار بنائیں اگر دغا نہ کرے

---

[۱] داستان ادب حیدرآباد صفحہ ۱۹۱
[۲] سخنوران دکن صفحہ ۴۲

وہ قتل کر کے مجھے آج سب سے کہتے ہیں
کیا وہ کام ادا نے کہ جو قضا نہ کرے
لکھا خط میں یہ اس نے کہ جو مجھے چاہیے
جفا کی قدر کرے شکوۂ جفا نہ کرے
ہزار بار ستاؤ، مجھے نہیں پروا
کروں میں شکوۂ جور رقیب خدا نہ کرے
نکال پردے سے ظالم نہ دست نازک کو
کسی کا خون کرے ہاتھ کی حنا نہ کرے
وصال یار کی امید گر نہ ہو اے ہوش
تو ہجر میں کوئی مر مر کے پھر جیا نہ کرے

الحکیم یہ ماہنامہ نومبر ۱۸۸۱ء کو لاہور سے جاری ہوا جس کے ۲۸ صفحات تھے۔ ایڈیٹر حکیم محمد فیروز الدین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ رفیق الاطبا پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

حکیم محمد فیروز الدین صاحب نے اس کے جاری کرنے کی جو وجہ یا اغراض بتائے ہیں وہ یہ ہیں جو پہلے شمارہ میں شائع کئے ہیں۔

"ہم قدیم طریقہ ہائے علاج کے مطابق علاج معالجہ کرانے والے ہندوستانیوں میں بے شمار یعنی لکھوکھا کی تعداد میں موجود ہیں اور ان میں نصف کے قریب مالی حیثیت سے نہایت اچھی حالت میں ہیں اور باقی نصف میں سے بہت سے غریبانہ

زندگی بسر کر رہے ہیں اور انھیں اس امر کا بھی کم و بیش احساس ہو گیا ہے کہ ان کے فنون اور ان کی ذاتی پوزیشن نہایت خطرہ کی حالت میں ہے اور اگر انھوں نے اپنی اور اپنی طبوں کی حفاظت کے لئے کسی جائز اور مناسب کوشش اور جد و جہد سے کام نہ لیا تو یقیناً وہ اپنے ساتھ اپنے قدیم اور کار آمد فنون کو بھی برباد کر دیں گے۔ لیکن افسوس ہے کہ وہ نہیں جانتے کہ انھیں اپنی اور اپنی طبوں کی بہتری کیسے کیسے کیا جانا چاہیئے۔ اور وہ کونسی شاہراہ ہے جس پر وہ چل کر اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتے ہیں، اس لاعلمی کی وجہ زیادہ تر یہ ہے کہ وہ ان تمام واقعات سے بے علم ہیں جو اس وقت قدیم طبوں اور ان کے حامیوں کے برخلاف ہندوستان میں واقع ہو رہے ہیں اگر وہ ان تمام واقعات سے باخبر ہوتے رہیں اور اس کے ساتھ انھیں یہ معلوم ہوتا رہے کہ انھیں اپنی بہتری کے لئے کون راستہ اختیار کرنا چاہیئے تو عجب نہیں بلکہ یقین ہے کہ وہ اس میدان میں بہت کچھ کر کے دکھا دیں گے

یہ ہیں میرے وہ خیالات جو میں اپنے دوستوں کی نسبت رکھتا ہوں اگرچہ میں اپنے دوستوں سے مایوس ہو چکا تھا مگر مذکورہ بالا خیالات نے ہی مجھے پھر ایک کوشش کرنے پر مجبور کیا ہے اور اسی امر کا نتیجہ ہے کہ الحکیم کا یہ پہلا نمبر آپ کے ہاتھ میں ہے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اس رسالہ کو ہمیشہ باقاعدہ نکالا کروں اس کی یہی تقطیع رہے گی، اس کے مضامین کو ہمیشہ بہتر بنانے کے لئے کوشش کی جائے گی۔ مگر ان میں طبیبوں کی فائدہ کی باتوں کے ساتھ

غیر اطباء کے لئے بھی مفید باتیں ضرور ہوا کریں گی اس کے مضامین
کے لئے اس کے ۲۸ صفحات مقرر رہیں گے، ان میں تقریباً
اتنا میٹر آ جائے گا کہ کسی دوسرے تقطیع کے سوا اسی صفحہ کے
رسالہ میں بھی نہ آسکے۔ باوجود ان سب باتوں کے اس کی سالانہ
قیمت صرف سوا روپیہ سے زیادہ نہ ہوگی۔ تاکہ کسی صاحب کو اس
کی خریداری بوجھ معلوم نہ دے، حساب کرنے پر معلوم ہوا ہے کہ اگر
اس کے پانچ ہزار مستقل خریدار ہو جائیں تو جب بھی ڈیڑھ ہزار روپیہ
سالانہ کا نقصان اٹھانا پڑے گا۔ مگر اس نقصان کا بوجھ دواخانہ
ء حسینیہ صحت ، اور دار الکتب رفیق الاطباء پر ڈال دیا گیا ہے
جس کے معاوضہ میں ان کے اشتہارات اس میں شائع ہوا کریں گے
یہ رسالہ پانچ ہزار کی تعداد سے کبھی کم نہیں ہوگا۔

اس رسالہ میں حفظان صحت کے اصول، امراض کی نوعیت
دواؤں کی خاصیت، خوراک کی معلومات اور مجرب نسخے درج کئے
جاتے تھے تاکہ غیر طبیب بھی وقت پر اپنا علاج خود کرلے۔

البلاغ الہلال بند ہونے کے بعد مولانا ابوالکلام آزاد
صاحب نے ۱۲ نومبر ۱۹۱۵ء کو یہ اخبار کلکتہ سے
شائع کیا۔ ہفتہ وار تھا، لیکن پندرہ روزہ ہو کے نکلتا تھا اور دو شمارے
ایک ساتھ نکلتے تھے، صرف فروری ۱۹۱۶ء کے تین نمبر ہفتہ وار
شائع ہوئے اور آخری نمبر ۱۵، ۱۶، ۱۷، تینوں شمارے ۲۷ مارچ اور
۳ اپریل ۱۹۱۶ء ملا کے نکالے گئے۔

مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کو بنگال کی حدود سے نکلنے کا

یکم مارچ ۱۹۲۱ء میں علامہ آپ رانچی گئے اور وہاں نظر بند کر دیے
گئے۔ پروگرام یہ تھا کہ رانچی پہنچ کر انہی کی نگرانی میں کسی سے البلاغ
مرتب کراتے رہیں گے۔ چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی کو اس
مقصد کے لیے رانچی مدعو کیا۔ لیکن یہ پروگرام پایۂ تکمیل کو نہیں
پہنچا۔ اور البلاغ اس طرح ختم ہو گیا۔

پیام ادیب محمود آباد سیتاپور سے ستمبر ۱۹۱۸ء کو یہ ماہانہ رسالہ
جاری ہوا۔ جو ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر
حکیم اکبر علی آزاد، جنہیں قطعی سہا لکھنوی تھے، جو نیزی پریس آگرہ
میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں ادبی، علمی، تاریخی اور تنقیدی مضامین
چھپتے تھے اور شعراء کے کلام پر تنقید و تبصرے بھی شائع ہوتے
تھے۔ یہ رسالہ مرزا غالب کے مداحوں میں نہیں تھا۔ مئی ۱۹۱۹ء کے
شمارے میں ایک مضمون "آتش و غالب" مولفہ آرزو سیتاپوری چھپا ہے
اس میں مرزا غالب کے بارے میں ان خیالات کا اظہار کیا ہے۔
"موازنہ اس اعتبار سے کیا گیا ہے کہ میرزا آتش جو کچھ کہتے ہیں
ان کا انداز اتنا صاف اور سلجھا ہوا ہوتا ہے کہ ذہن سامع کو تکلیف
نہیں ہوتی بلکہ انبساط حاصل ہوتا ہے۔ [illegible] سے بلند اور پست سے پست
خیالات کو یہ بزرگوار اپنے زمانے کی مروجہ زبان میں ادا کرنے کے
قادر تھے برخلاف اس کے غالب [illegible] یہ بہت بڑا عیب ہے کہ وہ
خواہ مخواہ بھی انداز بیان میں الجھن پیدا کر کے زبان کی مٹی خراب کرتے
ہیں۔ اس وجہ سے مرزا یاس نے غالب کی زبان کو دیوانہ

کی زبان سے تعبیر کیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ آتش و غالب کی شاعری کا موازنہ انداز بیان کی صفائی اور نادرالکلامی کے اعتبار سے کیا گیا ہے نہ باعتبار تخیل۔ خواجہ آتش کی شاعری پر کسی نکتہ رس نے کیا خوب کہا ہے کہ دیوان آتش عاشق و عارف کے مطالعہ کے قابل ہے یعنی آتش کی شاعری کا سرچشمہ دل ہے۔ دماغی قوت اور علم و فضل کے زور سے تو نہیں پا سکتے۔ آتش و غالب کا موازنہ کیجئے۔ آتش کہتے ہیں ؎

بہار لالہ و گل سے لگی ہے آگ گلشن میں
گریباں سے جا کے جل بیٹھے صحرا کے دامن میں

خواجہ آتش علیہ الرحمۃ نے اس قیامت خیز مطلع میں جو وحشت انگیز سماں دکھایا ہے وہ بیان سے باہر ہے اس مطلع کو سن کر دل کو وجدانی کیفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کی شرح اگر کی جائے تو ہرگز وہ لطف حاصل نہیں ہو سکتا جو کہ نغمہ شعر کے سننے اور پڑھنے سے حاصل ہوتا ہے۔ برخلاف اس کے غالب کے اشعار اکثر جگہ تاویل کے محتاج ہیں، جب تک شرح نہ کی جائے شعر کے معنی تک سمجھ میں نہیں آتے لذت تو کجا (آتش کے مذکورہ شعر کے مقابلہ میں غالب کے شعر کا موازنہ کیا جائے) ؎

نہیں ہے زخم کوئی بخیہ کے درخور مرے تن میں
ہوا ہے تار اشک یاس رشتہ چشم سوزن میں

کوئی بھی صحیح المذاق اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ خواجہ صاحب کے مطلع کے سامنے غالب کا یہ مطلع کوہ کندن و کاہ برآوردن کا

مصداق ہے۔ رشتہ چشم سوزن میں تار انک پاس ہو گیا۔ یعنی سوئی کو زخم کی بخیہ گری کی طرف سے ایسی مایوسی ہوئی کہ اس کی (یعنی سوئی کی) آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ رونے کا ثبوت کہاں ہے تاگا جس کو تار انک پاس قرار دیا ہے۔ مگر کیا یہ تخیل اور یہ طرز بیان کسی دہلی شاعر کا طرز استدلال کہا جا سکتا ہے ہرگز نہیں محض مبالغہ آمیز خیال، اصلیت سے کوسوں دور جس سے کوئی نیا قلبی حاصل نہیں ہوتا، حصوصاً لفظ "درخور" بالکل دہقانی ہے "درخور" کی جگہ اگر لائق یا قابل کہتے تو فصاحت میں خلل نہ آتا مگر وہاں تو فارسیت غالب تھی۔

شعلہ دہلی محلہ چوڑیوالان سے نومبر ۱۹۱۵ء مطابق یکم محرم ۱۳۳۴ھ کو یہ ماہوار رسالہ شائع ہوا۔ ۱۸ صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولانا سید ناصر جلالی اور حافظ غلام احمد نور دہلوی منصرم تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا اس رسالہ میں اخلاقی، تمدنی، ادبی اور تاریخی مضامین چھپتے تھے۔ کاغذ، لکھائی اور چھپائی، عمدہ تھی، اس رسالہ پر رسالہ نظامہ میرٹھ کے شمارے جون ۱۹۱۶ء میں یہ ریویو چھپا ہے۔

" دہلی کا یہ ایک معزز رسالہ شعلہ ہے جو بادارۂ عالی جناب ابوالحسنات مولانا سید محمد ناصر دہلوی ہر عربی مہینے کی پہلی تاریخ کو کم و بیش پچاس صفحات کے حجم میں شائع ہوتا ہے اور لکھائی چھپائی کاغذ کے اعتبار سے اعلیٰ شان رکھتا ہے اس کے مضامین نگار بھی وہ مشہور اہل قلم ہیں جو اس زمانہ میں ملک کے مایہ ناز ہیں نظم و نثر دونوں قسم کے

مضامین نہایت دلچسپ، اور اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایڈیٹر کی ہر دلعزیزی اور اعلیٰ قابلیت کا ثبوت یہ ہے کہ رسالہ کی ترتیب میں ہر طبیعت کے مذاق کو جو فطرتاً جداگانہ ہے ملحوظ خاطر رکھا ہے، اخلاقی تمدنی ادبی مضامین کے علاوہ تصوف، توحید کے رنگ میں بھی مدلل اور نصیحانہ مضامین درج کئے ہیں، گویا کہ ایک خوان پر الوانِ اطعام کے کھانے سلیقے سے چنے ہیں جو لذت آشنایانِ علم کے کام و دہان کو مزا دے رہے ہیں۔ ہم ان محاسن پر نظر ڈالتے ہوئے علی الاعلان کہتے ہیں کہ شعلہ کو بھی درجہ امتیاز حاصل ہے اور وہ درحقیقت اپنے رنگ کا ایک ہی رسالہ ہے اگرچہ ابھی بھی ابتداء میں شائع ہوا ہے لیکن قرائن سے پتہ چلتا ہے کہ بہت جلد ترقی کرے گا ابھی شعلہ ہے لیکن پھر دلوں میں آفتاب ہوگا۔ اور ادبی دنیا میں اپنا نام روشن کرے گا۔ مضامین کے فراہم کرنے میں بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں لیکن شعلہ کے ایڈیٹر نے اپنے سعی اور بتائے سے تمام ادیبوں کو شعلہ کا پروانہ بنا لیا ہے اخلاقی کہربائی قوت کیسے دنیا کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔

مولانا محمد جلالی صاحب جلالی صاحب نجیب الطرفین سید تھے، آپ کے جد اعلیٰ حضرت جہانیاں جہاں گشت اور سید جلال الدین بخاری تھے، آپ کے والد ماجد، مولانا سید امیر حمزہ دہلی کے مشہور عالم و صوفی تھے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے بیعت تھے، اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے، آپ چند سال، سنہ کالج

کے پروفیسر رہے۔ اور کچھ عرصہ فرنگی محل میں درس و تدریس کا سلسلہ قائم رکھا تھا۔ آپ عربی، فارسی اور انگریزی داں ہونے کے علاوہ زہد و تقویٰ اور شرافتِ خاندانی کے اعتبار سے آپ کا شہرہ شاہیر دہلی میں کیا جاتا تھا۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ آپ کا کلام درد بھرا، اور تاثیر سے پُر اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا۔ جو لوگوں کی زبانوں پر چڑھا ہوا تھا۔ سخاوت کا یہ عالم تھا جیسے ہاتھ میں ٹکٹ تھا۔ ادھر ملا، ادھر دیا۔ آپ تکلیف اٹھاتے، مگر سائل کا سوال رد نہ کرتے، مختصر یہ کہ باخدا بزرگ تھے آپ کا ملی میں ۶۸ سال کی عمر میں پنجشنبہ کے روز ۱۴ ربیع الثانی سنہ ۱۲۵۰ھ کو عصر و مغرب کے درمیان انتقال ہوا[1]۔ آپ کا تخلص قیبا تھا

بلا سے گر نہ کچھ اقرار ہوتا
ذرا تکرار سے انکار ہوتا

نہ چلتے طور پر لن ترانی
جو واں یہ واشن دلدار ہوتا

مجھے پامال ہونے کا نہ تھا غم
جو سنگِ آستانِ یار ہوتا

نہ سوتا پہلوئے دشمن میں گر کاش
ہمارا طالع بیدار ہوتا

نہ سنیدا موں لیتا دردِ الفت
نہ یوں رسوا سر بازار ہوتا

---

[1] رسالہ الحسن ص۱۶

مولانا سید امیر حمزہ صاحب کے دو صاحبزادے مولانا ناصر جلالی صاحب اور مولانا حامد جلالی صاحب ہوئے، مولانا ناصر جلالی صاحب دہلی میں گلی حکیم جی والی محلہ چوڑی والان میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والدِ ماجد سے پائی کچھ دنوں مدرسہ فتحپوری دہلی میں مولانا محمد عمر صاحب سے پڑھا۔ اس کے بعد فرنگی محل لکھنؤ میں مولوی عظمت اللہ صاحب سے منطق، مولانا سلامت اللہ صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب سے حدیث پڑھی اور مدرسہ عبدالرب دہلی میں دورہ کیا اور سند حاصل کی ۔ آپ نے عرصہ تک مسجد مومن والی محلہ چوڑی والان دہلی میں وعظ کیا، وعظ اس انداز سے فرماتے تھے کہ جاہل و اجہل بھی مشکل مسئلہ کو سمجھ جاتا تھا۔ سیاسی تقریریں بلا کی ہوتی تھیں، مولانا ناصر جلالی صاحب بڑے وسیع القلب انسان تھے، دشمن کی بڑی سے بڑی زیادتی کو خندہ پیشانی سے معاف کر دیا کرتے تھے سنا گیا ۱۹۴۵ء کی بات ہے کہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے ایک شخص نے ان پر دہلی میں حویلی کلو خواص کے سامنے حملہ کر کے زخمی کیا۔ زخم کافی گہرا تھا جسکی وجہ سے عرصہ تک علاج ہوتا رہا۔ پولس نے مقدمہ درج کیا تو آپ سے حملہ آور کا نام پولس پوچھنے آئی ۔ آپ نے اس کا نام نہیں بتایا حالانکہ آپ کو اس کا نام معلوم تھا۔

پاکستان بننے سے قبل آپ کا کراچی اور حیدر آباد سندھ میں کافی آنا جانا رہتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہاں آپ کے مریدوں کا کافی وسیع حلقہ ہو گیا تھا۔ وہیں سے آپ نے اپنا سب سے پہلا اخبار "سلامت" نکالا

اس کے بعد زبانِ ہند ہفت وار اخبار جاری کیا۔ گجرات میں اخبار "انتخاب" شائع کیا ۱۹۱۰ء میں دربھنگہ میں "مسیحا" اخبار نکالا۔ اس کے بعد ۱۹۱۱ء میں محلہ چوڑیوالان دہلی سے ماہنامہ شعلہ جاری کیا ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد کراچی پہنچے تو رسالہ "اذان" کراچی سے اپنے بھائی مولانا عابد علی صاحب کی ادارت میں جاری کیا جس کے سرپرست آپ تھے۔ یہ رسالے اور اخبار اردو زبان میں نکلتے تھے۔

جب آپ اخبار مسیحا اور رسالہ شعلہ نکال رہے تھے تو اسی زمانہ میں آپ کی ایک نظم ایڈیٹر اخبار مسیحا و رسالہ شعلہ دہلی کی حیثیت سے ۲۴ مارچ ۱۹۱۷ء کے اخبار ہمدم لکھنؤ میں چھپی تھی جس کے چودہ شعر تھے۔ چند گوش گزار فرمائیں۔

ایک صاحب دل کو آیا کیا، خدا جانے خیال
مدرسہ میں آن بیٹھے خانقاہ کو چھوڑ کر
عالموں کی انجمن میں ہو گئے آ کر شریک
صوفیوں سے رشتۂ مہر و مروت توڑ کر
ایک مخلص نے ادب سے کہا ان سے سوال
مجھ گدا سے اس تغیر کا سبب فرمائیے
کیسے پڑھنے پڑھانے سے محبت ہو گئی
صوفیوں سے کیوں ہوا رنج و تعب فرمائیے
عالم و زاہد میں اس فرق کیا آیا نظر
کیوں دل نازک گروہ صوفیا سے پھر گیا

نہ عبادت وہ ریاضت بے سبب کیوں چھوڑ دی
عالموں سے اس قدر رغبت کا باعث کیا ہوا
موئی کامل نے سن کر یہ دیا اس کو جواب
توبہ توبہ مومنوں سے رنج ہو سکتا ہے کہیں
بلکہ اک دن فکر کرنے سے خیال آیا مجھے
بیٹھ رہنا دست و پا کو توڑ کر اچھا نہیں

مولانا ناصر جیلانی صاحب سنہ ۱۹۲۰ء میں کانگریس میں شامل ہوئے۔ خلافت کی تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا سنہ ۱۹۲۲ء تک دہلی شہر کے علاوہ دیہات میں بھی کانگریس کے اغراض و مقاصد کا پرچار کیا۔ ممبر بنائے، آپ سید اصغر علی قادری کے بعد دہلی کانگریس کی دیہاتی کمیٹی کے انچارج مقرر ہوئے غالباً سنہ ۱۹۲۶ء میں کانگریس سے علٰحدگی اختیار کی اس کے بعد مسلم لیگ میں شریک ہوئے، مسلم لیگ کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے آپ نے ہندوستان بھر کا دورہ کیا اور مختلف شہروں اور قصبوں میں مسلم لیگ کو مضبوط بنایا اور شاخیں قائم کیں۔

پاکستان بننے کے بعد آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے، وہاں آپ کے معتقدین کا پہلے ہی سے حلقہ تھا، مصیبت زدہ اور مہاجر ہونے کی وجہ سے مریدوں نے ہاتھوں ہاتھ لیا، پاکستان کے عوام و خواص اور سرکاری طبقہ میں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ریڈیو پر آپ کی تقریریں نشر ہوتی تھیں، اسلامی ملکوں میں سرکاری وفد کے ساتھ آپ کو بھی بھیجا گیا۔ کراچی کے علماء

میں نمایاں پوزیشن تھی، دولت و ثروت کے دلدادہ نہیں تھے، قانع طبیعت تھی۔ جو مل جاتا اسی پر قناعت کر لیتے۔ ہاتھ میں اپنے والد کی طرح لکنت نہیں تھا۔ ضرورتمند آیا۔ اس کی ضرورت پوری کی، اپنی ضرورت کی پرواہ نہیں کی۔ پھر دینے کے دینے تنگدست ہو گئے۔ اس طرح پوری زندگی بتائی۔ ۔ دولت کبھی جمع کرنے شادی کی تھی، ایک لڑکی ہوئی، بیوی کا انتقال ہوا تو دوسری شادی نہیں کی۔

کراچی میں پاک بنگلہ جہانگیر روڈ ۲ الیسبٹ میں مقیم تھے۔ ۲ ر رمضان المبارک مطابق ۱۳ دسمبر ۱۹۶۶ء کو بدھ کے روز بوقت ۹ بجے شب کراچی میں فوت ہو گئے۔

مولانا ناصر جلالی صاحب ایک جادو بیان مقرر ہی نہیں تھے بلکہ ہند و پاکستان کے مسلّم ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے، آپ کی نثر بڑی پچاس تصانیف ہیں، تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں آپ نے ایک حریت پرور نظم کہی تھی، جس کا عنوان ہمارا "نصب العین" تھا۔ اس کے چار شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

اٹھے نہ فرشتوں سے جو بار، وہ ہم لیں گے
سر دے کے محبت کی سرکار سے غم لیں گے
وہ فکر معیشت ہو یا تیری محبت ہو
بیٹھے ہوئے گھبرائے دنیا جسے، ہم لیں گے

۱؎ اس خاندان کے مفصل حالات اگر پڑھنا ہوں تو میری کتاب "روح صحافت" ملاحظہ فرمائیں۔

شمشیر جفا سے تم ٹکڑے نہ کرو، دل کے
خوش ہو کے جو ہاتھوں میں ہم تیغ قلم لیں گے
وہ وقت بھی آتا ہے ہم گوشہ نشینوں کے
شاہ جہاں ناظر آ، آ کے قدم لیں گے،

سہیلی محلہ چوڑیوالان نزد حبش گیٹ دہلی سے ستمبر ۱۹۱۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ علامہ راشد الخیری ایڈیٹر تھے مخزن پریس میں چھپتا تھا۔
یہ رسالہ لڑکیوں کے لئے نکالا گیا تھا۔ اس میں زیادہ تر مضامین علامہ صاحب کے ہوتے تھے جو مضامین عورتوں کے نام سے چھپتے تھے وہ کثرت کے ساتھ فرضی ناموں سے چھپتے تھے جس کو علامہ صاحب خود لکھتے تھے۔ پہلے تین مہینہ میں اس کے چار سو خریدار ہو گئے تھے، کچھ عرصہ کے بعد یہ پرچہ بند ہو گیا تھا دوبارہ ستمبر ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا، اس کے مضامین مختلف نہ ہوتے تھے یہ عصمت کا ہفتہ وار ایڈیشن تھا عصمت کے دگنے سائز پر شائع ہوتا تھا۔ چند مستقل عنوانات قائم کر کے مضامین کی ترتیب اور ڈھنگ سے رکھی گئی تھی۔"

اقدام کلکتہ سے ۸ دسمبر ۱۹۱۵ء کو یہ روزانہ اخبار جلوہ افروز ہوا۔ ۲۰×۲۶ سائز پر آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، مولوی محی الدین صاحب بی اے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔ اس کا پہلا پرچہ پانچ ہزار چھپا تھا۔
۱۲ دسمبر ۱۹۱۵ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس اخبار

پر تبصرہ کیا گیا تھا۔

کلکتہ کی سرزمین میں اردو روزانہ پرچوں کی پیدا کرنے کی کوئی خاص قابلیت موجود ہے جس کی وجہ سے رسالت اور ترجمان کے ہوتے ہوئے ایک تیسرا روزانہ حسب دیدہ اقدام بھی وہیں سے نکلنا شروع ہوا ہے ۸ دسمبر کو اس روزانہ جریدہ کا پہلا نمبر شائع ہوا ہے۔ ۲۰×۲۶ سائز کی بڑی تقطیع کے ۸ صفحے سفید چکنا کاغذ چندہ سالانہ بارہ روپے

اس اخبار کے ایڈیٹر مولوی محی الدین صاحب نظر بند کر دئے گئے تھے جن کی رہائی کی خبر ۲۴ جنوری ۱۹۱۹ء رہنما مرادآباد میں شائع ہوئی۔

قاضی عبد الغفار ایڈیٹر جمہور (کلکتہ) مولانا حسرت موہانی اور مولوی محی الدین صاحب بی اے ایڈیٹر اقدام اور مولوی انیس احمد صاحب بی اے (علیگ) وغیرہ پر تجویز نظر بندی اٹھا کر انھیں کامل آزادی دیدی گئی ہے۔

النظامیہ یہ مشہور علمی، مذہبی، تاریخی رسالہ فرنگی محل لکھنؤ سے ۱۹۱۵ء کو نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ محمد صبغت اللہ صاحب شہید انصاری فرنگی محلی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔ محمد علی کے مطبع مفید عام باٹا لہ لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں معیاری علمی دینی مضامین شائع ہوتے تھے اس کے مضمون نگار ملک کے معروف ادیب اور عالم مولانا فضل الحسن

حسرت موہانی، مرزا سلطان احمد، مولانا محمد شمس الدین، مولانا حافظ محمد شبیر، مولانا قطب الدین، مولانا شاہ بدر الرحمٰن، مولوی محمد شفیع، مولانا عبد الباری، مولانا سلیمان ندوی، مولانا عبد الماجد دریا آبادی اور مولوی نجیب اللہ شاہ وغیرہ تھے۔

دارالعلوم فیض آباد سے ۱۹۱۰ء کو ماہانہ وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر لکھتا تھا۔ ایڈیٹر بابو بنی پرشاد وسنگھ تھے سالانہ چندہ تین روپے قیمت فی پرچہ تین آنے تھی تعلقہ دار پریس رکاب گنج فیض آباد میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ میں علمی و ادبی اور طبی مضامین شائع ہوتے تھے شعراء کا کلام بھی چھپتا تھا۔

فریاد میرٹھ سے ۱۹۱۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ وجود میں آیا۔ بابو کشن مراری مختار کمشنر میرٹھ ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ علمی، اخلاقی اور تعلیمی وغیرہ مضامین چھپتے تھے۔

رسالہ دارالعلوم فیض آباد کے فروری ۱۹۱۶ء کے شمارے میں اس پر یہ ریویو چھپا تھا۔

یہ رسالہ فریاد میرٹھ ہی نہیں ملک فریاد سنیہ ہے کاش اس رسالہ کی صدا اہل ہنود خصوصاً اہل ہند عموماً بگوش ہوش سنیں، ہماری خفتہ قوم نے اسکی ہرگز پرواہ نہیں کیا کہ اس کے دامن میں بیوگان کی آہ سوزاں دھوئے دھیرے سلگ رہی ہے، ہماری قوم دودھ دینے والی چوپاؤں کی طرف سے ہماری سستی اور بے اعتنائی کی وجہ سے اتنی غافل ہے کہ اس نے ہماری غذاؤں کو نکما اور ناکارہ کردیا ہے ان دونوں اہم لعنہائے

ضروری اور لابدی مسئلوں پر یہ رسالہ بآواز بلند عوام کی توجہ مبذول کراتا ہے اور ان مشکلات کو آسان طریقہ پر حل کرنے کی طرز عمل پیش کرتا ہے۔"

القمر

دہلی سے یہ اسلامی رسالہ ۱۹۱۵ء میں ظہور میں آیا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب مولوی محمد عبدالعزیز صاحب جنیدی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا۔

رسالہ رعیت میگزین لاہور مورخہ مارچ ۱۹۱۵ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

"القمر نام کا ایک ماہوار رسالہ مارچ، دہلی سے جاری ہوا ہے۔ اس کے ایڈیٹر جناب مولوی عبدالعزیز صاحب جنیدی ہیں یہ رسالہ اسلامی، اخلاقی، ادبی، اور روحانی مضامین سے لبریز ہے اور بلند خیالی سے مرتب کیا جاتا ہے، معنی خیز اور مہذب مطائبات اور شد و سخن سے بھی خالی نہیں ہے۔ مشاہیر اہل قلم و سخندان ذی فہم کے مضامین بھی درج ہوتے ہیں، حسن ظاہری بھی دیدہ زیب و دلفریب ہے۔"

القبس

رونق منزل امرتسر سے ۱۹۱۵ء کو یہ قریش برادری کا آرگن جلوہ افروز ہوا۔ مہینے میں دو بار نکلتا تھا ایڈیٹر شیخ محمد علی صاحب رونق تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

رسالہ نظام میرٹھ مورخہ نومبر ۱۹۱۵ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا ہے۔

"یہ ایک اسلامی رسالہ ہے جو رونق منزل امرتسر سے مہینے میں دوبار شائع ہوتا ہے شیخ محمد علی صاحب رونق اس کے ایڈیٹر ہیں۔

جو انفرنس کو دلچسپ اور موثر بنانے میں سعی کرتے ہیں، یہ رسالہ بہت ہی دلکش اور کار آمد ہے۔ ہم رونق صاحب کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے بڑی بھاری ذمہ داری کا کام اپنے ذمہ لے کر کل مسلمانان عموماً اور قریشیہ خاندان کو خصوصاً فائدہ پہنچایا ہے۔

کسان لاہور سے یہ روزنامہ غالباً ۱۹۱۵ء کو وجود میں آیا۔ چھ صفحات پر مشتمل تھا ابوالمعانی قتیل لکھنوی ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

اس اخبار پر مخزن لاہور نے نومبر ۱۹۱۶ء کے شمارے میں ریویو کیا تھا۔

"لاہور کے روزانہ جرائد میں کسان ایک ممتاز اور وقیع اخبار ہے جس کی معقول پالیسی نے پبلک میں نہایت ہر دل عزیزی حاصل کی ہے یہ پرچہ ملکی فرائض کو انجام دینے کے ساتھ ہی ہندوستانی مسلمانوں کی آواز کو گورنمنٹ تک پہنچاتا ہے۔ آپ کو تازہ خبروں کا گنجینہ، سوشل خیالات کا خزینہ علمی اور تمدنی مضامین کا ہرا بھرا باغ، سائنس اور موجودہ ترقی کا تازہ گلدستہ دیکھنا منظور ہے تو اس اخبار کو شوق سے پڑھیے جس کی زبردست انشا پردازی نے ہندوستان کے ہر گوشہ میں کوس لمن الملک بجا کے اخبار نویسی کو شاہکار بنا دیا ہے۔ حضرت ابوالمعانی قتیل لکھنوی اس اخبار کو قابلیت سے ایڈٹ کرتے ہیں۔

وگیانی لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۶ء کو نمودار ہوا۔ یہ ۳۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ اس کی پالیسی اصلاحی تھی۔

چہار گزشت ہفتہ وار اخبار بنگلور سے ۱۹۱۸ء کو نمودار ہوا۔ یہ چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ جناب عبدالباسط برقؔ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

خُدا یہ مقدس نام کا رسالہ نکودر ضلع جالندھر سے ۱۹۱۶ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۲۴ صفحوں پر مشتمل تھا۔ پنڈت دیال سوامی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ راہنمائے میگزین لاہور بابت اکتوبر ۱۹۱۶ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو چھپا تھا۔

"یہ ماہوار رسالہ نکودر ضلع جالندھر سے بادارت پنڈت دیال سوامی پرمہنس شائع ہوتا ہے جس میں صوفیانہ رموز کوٹ کوٹ کر بھرے ہوتے ہیں۔ علم الٰہی کے [illegible] درج ہوتے ہیں اور غیر متعصبانہ اسپرٹ کا بہترین [illegible] اصول تشریح شذرات کے لئے بہترین تحفہ ہے [illegible] سالانہ چندہ دو روپے قیمت نمونہ [illegible] آنہ"

نیر حکیم مرلی دھر سے [illegible] کا پہلا نیوالا سائنس دھرم یہ چار صفحے کا [illegible] ۱۹۱۶ء کو نمودار ہوا۔ پنڈت [illegible] اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ ۴ صفحات پر نکلتا تھا۔

رسالہ راہنمائے میگزین لاہور بابت اگست ۱۹۱۶ء میں اس رسالہ

کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

دنیا میں شانتی و محبت پھیلانے والا ایک ماہواری رسالہ زیر اہتمام پنڈت رلیا رام شرما ایڈیٹر سناتن دھرم پرچارک چھپنا شروع ہوا ہے واقعی رسالہ پریم اسم بامسمیٰ ہے مضامین، نظموں نے رسالوں کی رونق دوبالا کر دی ہے۔ ہر مذہب کے لئے روحانی تعلیم دینے والا ہے لکھائی، چھپائی، کاغذ اعلیٰ قیمت سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ مع محصول نمونہ دو آنے۔

دلیش لالہ دینا ناتھ صاحب نے جب ہندوستان سے علیحدگی اختیار کی تو سنہ ۱۹۱۷ء میں دلیش کے نام سے ایک روزنامہ لاہور سے جاری کیا۔ شروع میں اس کے خریداروں کی تعداد گیارہ سو تھی سنہ ۱۹۱۸ء میں سوا دو ہزار ہو گئی۔ اور سنہ ۱۹۱۹ء میں کم ہو کے ساڑھے بارہ سو رہ گئی بالآخر سنہ ۱۹۲۴ء میں یہ اخبار بند ہو گیا۔

نور الاسلام کرت پور ضلع بجنور سے غالباً سنہ ۱۹۱۵ء کو یہ روزانہ، ہفتہ وار اور ہفتہ میں دو بار اخبار جلوہ افروز ہوا۔ مالک و ایڈیٹر نور الحسن صاحب ذہین کرتپوری تھے۔ ہفتہ وار اخبار کا چار روپیہ، ہفتہ میں دو بار کا سات روپے، اور روزانہ کا پندرہ روپے سالانہ چندہ تھا۔ اس اخبار کا یہ اشتہار خیال میرٹھ کے نومبر دسمبر سنہ ۱۹۱۷ء کے پرچہ میں چھپا تھا۔

"یہ روزنامہ اخباری اور علمی چھپے ہوئے مضامین کا جامع سیاست، تمدن اور اقتصاد کا ذخیرہ، دینی، مذہبی، اخلاقی خیالات کا مجموعہ، آسمان تاریخ و تصوف کا پر ضیا ستارہ، دریائے علوم قدیم جدیدہ

کا درخشندہ گوہر، نور صداقت سے مالا مال اور تحقیق نتائج کا تابندہ جوہر، یہی خبروں مفید آرٹیکل، مذاتی حیثیت سے سوداگران زنداں بہائی کا مینوفنیکچر مراسلات کارسپانڈنس اور لوکل کوالٹی کا خزینہ اہل ملک کی عام رائے کا آئینہ، گورنمنٹ اور رعایا کا خیراندیش، مشیر دلسی رئیس کا، عمدہ سفیر نہایت آب و تاب کے ساتھ کرتپور ضلع بجنور سے مشاہیر اہل قلم کی ادارت میں اردو صحافت میں شائع ہوتا ہے

ملاحظہ مولوی حکیم نورالحسن ذہین — ذہین صاحب کرتپور شمشور ضلع بجنور کی سادات رضوی سے تعلق رکھتے تھے، آپ کے والد ماجد مولانا محمد ظہور الحسن مشہور اور بے مثل عالم تھے۔

ذہین صاحب بچپن میں پانچ سال کی عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ اس کے باوجود انہوں نے قرآن مجید حفظ کیا۔ علوم دینی آپ نے اپنے والد ماجد سے تحصیل کئے تعلیم کی تکمیل کے بعد حکیم مولوی رحیم اللہ صاحب بجنوری سے طب کی کتابیں پڑھیں، عربی فارسی، اور اردو زبانوں میں نثر کے ساتھ نظم بھی لکھتے تھے، آپ نے کرتپور شمشور سے ۱۹۰۸ء میں نورالاسلام اخبار نکالا۔ اور کئی برس تک اس کی ایڈیٹری کی۔[1]

یہ وہ صحافی ہیں جو نابینا تھے اور انھوں نے صحافت میں نام پیدا کیا اور شاعری میں بھی کمال حاصل کیا۔[2]

---

[1] خم خانۂ جاوید جلد سوم صفحہ ۲۹۲

جمائی دم بدم لیتے ہیں وہ آنکھوں کو مل مل کے
اشارہ ہے مری جانب کہ آؤ سو رہیں چل کے
دل وجاں، دین وایماں اک ادا میں چھین لیتا ہے
کوئی دیکھے کرشمے اس بتِ کافر کی چھل بل کے

سیہ زار لس ترائی آج ہو لے دیکھیے
طور پر جو کل نہ دیکھا تھا وہ جلوہ دیکھیے
میرا رونا دیکھیے، اور ان کا ہنسنا دیکھیے
مینہ برسنا دیکھیے بجلی کا گرنا دیکھیے

فتنے پس پس گئے، دب دب گئے محشر کیا کیا
فتنۂ قامت جو مرے گھر سے خراماں نکلا
بعد مردن وہ عیادت کے لئے آتے ہیں
جان نکلی ہوئی آئی، مرا ارماں نکلا
تپِ فراق میں دریا بھی قتل کرتا ہے   دکھائی موجِ صبا نے حباب میں تلوار
فتنہ زا ہے تری دزدیدہ نگاہی کیسی
لاتی ہے مملکتِ دل پہ تباہی کیسی
جو سیہ بخت کا جب نام لکھا دفتر میں
پھیلی تقدیر کے دفتر میں سیاہی کیسی
حسرت و یاس و الم ساتھ چلے قبر میں بھی
دیکھنا میرے رفیقوں نے نباہی کیسی

کیا اسی رات سے ہے صبح قیامت کی نمود
شب فرقت میں ہے اللہ سیاہی کیسی

ترجمان

اخبار ذوالقرنین بدایوں مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں اس اخبار کا ذکر ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ اخبار ۱۹۱۵ء کے آخری مہینوں نومبر یا دسمبر ۱۹۱۵ء میں کلکتہ ہیرسن روڈ سے جاری ہوا تھا۔ اس کے ایڈیٹر قاضی عبدالغفار صاحب تھے جنہوں نے ہمدرد کے بند ہونے کے بعد یہ اخبار نکالا تھا۔ جس کا سالانہ چندہ دس روپیہ تھا۔

اخبار ذوالقرنین بدایوں نے ۷ فروری ۱۹۱۶ء کے شمارے میں ترجمان پر حسب ذیل ریویو کیا۔

"روزنامہ ترجمان کو جو محض قومی خدمت کے لئے جاری کیا گیا ہے آپ کے سامنے پیش کرنے کے لئے کسی تمہید کی ضرورت نہیں ہے ترجمان نے تھوڑی مدت عمر میں بہترین رنگ اختیار کر لیا ہے اور تیزی کے ساتھ عروج چلا جا رہا ہے۔"

اخبار ہمدرد جیسے حریت پسند اخبار کی ایڈیٹری کرنے کے بعد کوئی بھی شخص اپنی آزاد روش کو بدل نہیں سکتا، چنانچہ قاضی صاحب ترجمان جاری کرنے کے بعد اپنی روش پر قائم رہے۔ نتیجہ ظاہر تھا، ہمدرد طلب ضمانت ہوا۔ پریس ایکٹ نے اس کا بھی گلا دبوچ لیا۔ اور اس کی عمر سال، سوا سال سے زیادہ نہ بڑھ سکی۔ چنانچہ اخبار رہبر مرادآباد نے ۱۸ فروری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں پریس ایکٹ کے مقتولین میں ترجمان کو بھی شامل کیا۔ ایڈیٹر صاحب

یہ تحریر فرمائے ہیں۔ عنوان ہے "اسلامی اخبارات"

جس طرح اسلامی اخبارات کو یکے بعد دیگرے تباہ و برباد کیا گیا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آج تمام ہندوستان میں ایک بھی آزاد اخبار نہیں ہے۔ ہماری آواز ایک آہنی پنجہ سے دبا دی گئی ہے تاکہ وہ عامۃ الناس حکومت اور برطانوی جمہوریت تک نہ پہونچ سکے۔ جب کبھی اس ملا نوشن قانون مطابع کے ماتحت سے کوئی شکار نکل جاتا ہے تو فوراً قانون تحفظ ہند اس کی مدد کے لئے بروئے کار لایا جاتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ کس طرح زمیندار مسلم گزٹ، کامریڈ، ہمدرد، توحید، ترجمان، صداقت الہلال، البلاغ، نیو ایرا، اور جمہور جیسے بہت سے اسلامی اخبارات ان ہمہ گیر قوانین کی زد میں لائے گئے ہیں۔

قاضی عبدالغفار صاحب

قاضی عبدالغفار کا مراد آباد کے ایک مشہور خاندان میں جنم ہوا۔ ان کے والد ماجد قاضی ابرار احمد صاحب بڑے دبدبے کے بزرگ تھے۔ علی گڈھ یونیورسٹی سے بی، اے کیا۔ شادی سر محمد یعقوب کی بہن سے ہوئی جن کے بطن سے دو صاحبزادیاں ہوئیں۔ ابتدائی عمر سرکاری ملازمت میں گزاری، مولانا شوکت علی اس ملازمت سے استعفیٰ دلاکر دہلی لے آئے۔ اس وقت قاضی صاحب کی عمر ۴۲ سال کی تھی۔

جن دنوں مراد آباد میونسپل بورڈ کے چیرمین تھے۔ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک دن ایک انگریز صاحب بہادر کسی کام کے ضمن میں چیرمین سے ملنے آئے اور اپنے گورے چمڑے کے

لم میں سارے آداب کو بالائے طاق رکھکر اس انداز سے پیش آئے گویا کوئی معزز حاکم اپنے ماتحت سے بات چیت کر رہا ہو، قاضی صاحب ایک خود دار اور سچے ہندوستانی تھے، اس قدر طیش میں آئے کہ انھوں نے اپنے میز پر رکھی سیاہی کی دوات صاحب بہادر کے منھ پر دے ماری اور چپراسی کو حکم دیا کہ انھیں اجلاس سے باہر کر دیا جائے انگریز بڑبڑاتا ہوا باہر چلا گیا۔ گو بعد میں یہ واقعہ رنگ لایا۔ لیکن قاضی صاحب نے پرواہ نہیں کی، انفرادی حیثیت سے قطع نظر اس واقعہ کی قومی اہمیت بھی تھی۔

قاضی صاحب ان دنوں کانگرس کے سرگرم ممبر بنے ہوئے اپنے وطن میں کام کر رہے تھے انھیں دنوں ان کے برادر نسبتی محمد یعقوب صاحب (جو بعد میں نائٹ ہڈ کے نام سے سرفراز کئے گئے اور وائسرائے کونسل کے ممبر بنے) مسلم لیگ کا کام کرتے تھے۔ کانگرس اور لیگ میں جس وقت سخت اختلاف شروع ہو گیا تو ان دونوں کے سیاسی نقطہ نظر میں بھی اختلاف کی شدت پیدا ہو گئی۔ یہاں کانگرس کے جلسے ہوتے وہیں لیگ بھی اپنے اجلاس منعقد کیا کرتی ادھر قاضی صاحب کی زوردار تقریر ہوا کرتی۔ ادھر یعقوب صاحب لوگوں کو جوش میں لایا کرتے تھے جنھیں اس بات کی بڑی شکایت تھی کہ لوگ کثیر تعداد میں کانگرس کے جلسوں میں شریک ہوتے ہیں۔ اور لیگی جلسوں میں بہت کم۔ مگر جب گرمی کلام ختم ہو جاتی تو پھر دونوں سالے بہنوئی ایک ہو جاتے اور ایک ہی کار میں اپنی قیام گاہ کو روانہ ہو جاتے، آپس کے تعلقات کبھی سیاسی اختلافات کی وجہ سے متاثر نہیں ہوئے۔

اس زمانہ کی سیاسی زندگی میں یہ خصوصیت تھی کہ خلاف مذہب کے
محمد یعقوب بھی بڑی خوبیوں کے بزرگ تھے ، یو پی کے مشہور و ممتاز رہنما پنڈت
مدن موہن مالویہ قاضی صاحب کے کام سے بہت متاثر تھے اور ان کو بہت چاہتے
تھے ۔ ایک دن ایک کام سے شدید ضرورت پر قاضی صاحب پنڈت جی سے ملنے
گئے وہ اس وقت اپنے رسوئی گھر میں بھوجن کر رہے تھے انہی طرف قاضی صاحب
کو آتا دیکھ کر جھٹ پکار اٹھے ۔ دیکھنا چھوکرے یہاں چوکا ہے (اتر پردیش
کے ہندو گھرانوں میں چوکا وہ جگہ ہوتی ہے جہاں کھانا پکتا اور کھایا جاتا
ہے) دونوں ہنسنے لگے اور قاضی صاحب کو دور کھڑے ہو کر ہی اپنا کام
کی بات سنانی پڑی ۔ قاضی صاحب کہتے تھے مالویہ جی مذہبی طور پر کٹر ہونے
کے باوجود محبت بھرا دل رکھتے تھے اور سب کے ساتھ ان کا یکساں برتاؤ
ہوتا تھا ۔

شریمتی سروجنی نائیڈو سے قاضی صاحب کو بڑی عقیدت تھی ۔ اس
عقیدتمندانہ رشتہ کا آغاز اس وقت ہوا جب وہ علی گڈھ میں تعلیم پا رہے تھے
مسز نائیڈو کی شاعری اور اندازِ خطابت کے جوہر نے انھیں بہت متاثر کیا
جن کی اس زمانے میں بڑی دھوم تھی ۔ قاضی صاحب کہتے تھے کہ جب کبھی
ہمارے صوبہ میں سروجنی نائیڈو آتیں اور جہاں کہیں ان کی تقریر ہوتی لوگ
اتنی کثیر تعداد میں انھیں سننے آتے تھے کہ ٹرینوں کے کمپارٹمنٹ علی گڈھ
اور صوبے کے دوسرے حصوں کے نوجوانوں اور طالب علموں سے کھچاکھچ
بھرے ہوتے تھے اور جب ان کو سن کر ہم لوٹتے تو مہینے بھر ان ہی
کے چرچے ہوا کرتے تھے ، ان ہی کی آواز کانوں میں گونجتی تھی ۔ جب
قاضی صاحب حیدرآباد آگئے اور یہیں رہنے لگے ، تب ہم نے دیکھا کہ

مسز نائیڈو جب کبھی اپنے گھر آتیں تو قاضی صاحب سے ضرور ملنے آتیں یا انہیں اپنے گھر بلاتیں۔ اور بعد سے لے کر سیاست تک ہر موضوع پر بات چیت ہوتی۔

مسیح الملک حکیم اجمل خاں، مولانا محمد علی، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور آصف علی جیسے ارباب علم و فضل و محبان وطن کی صحبت میں قاضی صاحب کی زندگی کا بڑا حصہ گزرا اور ان کی زندگی اسی ماحول میں ڈھلی اور پروان چڑھی۔ دہلی، لکھنؤ، اور یوپی کے دوسرے مقامات پر بھی قاضی صاحب ایسے ہی واقف احباب رکھتے تھے نیز ہائی نس نواب حامد علی خاں بہادر والی رامپور کے شاہانہ الطاف بھی قاضی صاحب کے شامل حال رہے۔ حیدرآباد میں بھی ان کا ایک مخصوص حلقۂ احباب تھا جس میں زیادہ تر ادیب، صحافی، طنز نگار اور سوانح نویس تھے۔ قاضی عبدالغفار سے اردو کی دوسری دنیا روشناس تھی۔"

ان کی اثر پرورانی کے چند نمونے ملاحظہ کیجئے۔"

"تمہاری مسرت درحقیقت تمہارا غم ہی ہے جس کا نقاب اتار دیا گیا ہے۔"

وہ کنواں جس کے اندر تمہارے قہقہے کی آواز گونجتی ہے وہی تو ہے جس کے اندر تمہارے آنسو گرتے ہیں۔" اور اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے؟

"جس قدر زیادہ غم تمہارے اندر جاگزیں ہوتا ہے اتنی ہی زیادہ گنجائش مسرت کے لئے پیدا ہوتی ہے۔"

کیا وہ پیالہ جو تمہاری شراب سے لبریز ہے وہی پیالہ نہیں ہے

پر کمہار کے آوے میں جلایا گیا ہے جس کا مغز چاقو سے کھود کر نکالا گیا تھا اور جس کا سینہ چھری سے کریدا گیا تھا۔

جب تم مسرت سے معمور ہو تو اپنے دل کی گہرائی میں بغور دیکھو "تم پاؤ گے کہ وہی چیز تمہارے دل کو رنج دے رہی ہے جو تمہیں مسرور بھی کرتی ہے۔

جب تم مغموم ہو تو پھر اپنے ہی دل کے اندر دیکھو، تم دیکھو گے کہ تم درحقیقت اس چیز کے لئے رو رہے ہو جو تم کو مسرت عطا کرتی ہے۔

تم میں سے بعض کہتے ہیں کہ مسرت غم سے بہتر ہے ـــ میں تم سے کہتا ہوں کہ دونوں ناقابل تفریق ہیں ناقابل امتیاز ہیں۔ " ساتھ ہی ساتھ دونوں آتے ہیں اور جب ایک تمہارے دسترخوان پر موجود ہو تو یقین مانو کہ دوسرا تمہارے بستر میں سو رہا ہو گا۔" سچ یہ ہے کہ تم ترازو کی وہ ڈنڈی ہو جو ان دونوں پلڑوں کو اٹھائے رہتی ہو۔"

جب زندگی کا خزانہ دار ترازو کو ہاتھ میں لے کر اپنا سونا چاندی تولتا ہے تو دونوں پلڑے ہلتے ہیں اور ڈنڈی اس کے ہاتھ کے نیچے ہوتی ہے۔

قاضی صاحب کے مزاج میں بڑی نزاکت و نفاست تھی طبیعت میں سنجیدگی، ضبط و متانت کے ساتھ خوش مزاجی و بذلہ سنجی بھی تھی وقت اور وعدے کی پابندی بہت سختی سے کرتے تھے لکھنے پڑھنے سے وقت مل جاتا اور ادبی کاموں کے لئے ان کی خدمات

رری ہوتیں تو پھر اس میں پوری طرح ضم ہو جاتے۔ آخری زمانے میں مجلس ترقی اردو (ہند) کے معتمد بنے تو اس کے کاموں میں جی جان سے ٹ گئے۔ یہ انھیں کی ہمت کا کرشمہ تھا کہ اردو کے تعلق سے جو یادداشت صدر جمہوریہ کے پاس بھیجی گئی تھی اس پر لاکھوں دستخط ثبت ہوئے۔ ہماری زبان کی ادارت بھی انھیں کو تفویض تھی اس پندرہ روزہ اخبار کو انھوں نے اردو ٹائپ کا جامہ پہنایا۔ سنہ ۱۹۵۰ء میں جب میں نے اپنے ہفتہ وار نیا جیت کو بھی ٹائپ میں بدل دیا تو اس سے قاضی صاحب بہت خوش ہوئے اور انھوں نے لکھا، میں ٹائپ کے معاملہ میں ذرا سخت رائے رکھتا ہوں۔ میں تو کہتا ہوں ٹائپ عوام کو ناپسند ہو تب بھی ان کے حلق میں زبردستی ٹھونسنا چاہیے، قدامت پسند کبھی نئی چیز پسند نہیں کرتے لیکن انھیں مجبور کرنا پڑتا ہے۔

اکتوبر سنہ ۴۷ء میں قاضی صاحب حیدرآباد کو خدا حافظ کہہ کر چلے گئے۔ حیدرآباد کے شاہی دربار کی سازشی دنیا اور گندی سیاست میں ان کا دم گھٹنے لگا تھا۔ جب سیاست کاروں کی سیاست بے لگام ہو چکی تھی اور حکومت چند ناعاقبت اندیش لوگوں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنی ہوئی تھی اس وقت قاضی صاحب کو بھی گرفتار کر کے نظر بند کرنے کا منصوبہ بن چکا تھا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ ایک قوم پرست اور دیش بھگت مسلمان تھے اور اس بات کے حامی تھے کہ حیدرآباد کو انڈین یونین میں بہرحال شریک ہو جانا چاہیے لیکن وہ دور ہی کچھ ایسا تھا کہ جو آدمی سمجھداری کی بات کہہ دیتا غدار گردانا جاتا تھا۔ قاضی صاحب نے ٹھیک وقت پر حیدرآباد چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا، جاتے ہوئے

حضور نظام کی خدمت میں اپنا ایک ذاتی مکتوب بھیج کر انھیں آنے والے خطرات سے آگاہ کیا تھا۔ یہ قاضی صاحب کی اعلیٰ ظرفی تھی کہ پولیس ایکشن کے بعد کے ردعمل کے دور میں حیدرآباد آکر ناکردہ گناہوں کو بچانے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

حیدرآباد سے چلے جانے کے بعد قاضی صاحب مولانا ابوالکلام آزاد کے ایما پر چلائی جانے والی قوم پرست مسلمانوں کی کانفرنس کے انتظامات میں مصروف ہوگئے جو اسی سال کے آخر میں لکھنؤ میں ہوئی۔ پھر ہندوستانی کلچر سوسائٹی اور انجمن ترقی اردو کی ذمہ داریاں سنبھالیں، حیدرآباد سے روانگی کے بعد اپنی مصروفیات کا حال اس طرح لکھتے ہیں، میری زندگی میں قیام و قرار باقی نہیں رہا ہے اس لئے میں آگے آگے ہوتا ہوں اور احباب کے خطوط میرے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔ یعنی تال اس خیال سے گیا تھا کہ دو چار مہینے جم کر کچھ تصنیف و تالیف کا کام کروں گا، کتابوں کے دو بڑے بڑے بکس بھر کے لے گیا تھا۔ لیکن کہیں بھی سلسل پندرہ دن سے زیادہ نہ ٹھہر سکا۔ آج دہلی میں ہوں تو چار دن بعد علی گڑھ میں، دس دن بعد مرادآباد میں ہوں وہاں سے چلا تو لکھنؤ میں۔ پولیس ایکشن کے بعد تین مہینے تو ایسے گزرے گویا حیدرآباد ان کے کاندھوں پر سوار ہوگیا تھا۔ اور وہ پنڈت سندر لال جی کے ساتھ حیدرآباد آتے جاتے رہے ۱۹۵۱ء سے پہلے عام چناؤ کے لئے مولانا آزاد کی انتخابی مہم انھوں نے سر کی۔ غرض جس کام کو وہ ہاتھ میں لیتے پورا کر کے رہتے حیدرآباد میں جب تک رہے سماجی اور ادبی کاموں کے لئے بھی وقت

نکالتے ہیں۔ اطلاعات عامہ کی نظامت کے زمانہ میں آپ نے بڑی ستعدی اور خوبی کے ساتھ سرکاری فرائض انجام دیے ہیں۔
مصروفیت کا آخری زمانہ انجمن ترقی اردو کے تحت بانکلیہ رہا اور علی گڑھ میں مقیم رہے۔
مصروفیات کے تسلسل اور ادبی و قومی کاموں کی وجہ سے آپ کی صحت گرتی گئی جس کا ذکر آپ ایک خط میں اس طرح کرتے ہیں۔
"بس اب حالت یہ ہے کہ دو دن کبھی اچھا ہوا تو چار دن بیمار ہوا دھوپ چھاؤں کی حالت ہے آج دھوپ ہے تو کل ابر ہے۔"
اکبر الہ آبادی کے دو شعر بھی اس خط میں درج ہیں۔

گھٹتا جاتا ہے ضعف اپنا زور آہستہ آہستہ
لیے جاتی ہے پیری سوئے گور آہستہ آہستہ
کسی کی چارہ سازی سے تسکین کرتی نہیں مجھ کو
سمجھتا ہوں قدم رکھتا ہے چور آہستہ آہستہ

جنوری ۱۹۵۵ء میں قاضی صاحب آخری دفعہ علاج ہی کے سلسلہ میں حیدرآباد آئے اور اسی سال ستی کے مہینے میں بمبئی میں ان کا ایک بڑا آپریشن ہوا۔ دو سال پہلے اسی طرح کا ایک آپریشن ہو چکا تھا۔ قلب کے دورے پڑنے لگے اور آخر ۲۷ جنوری ۱۹۵۶ء کو اپنی جان، جان آفرین کے سپرد کر دی۔

ملک بھر کے ادبی حلقوں میں قاضی عبدالغفار صاحب کا ماتم منایا گیا جامعہ نگر دہلی کی انجمن ترقی پسند مصنفین نے ان لفظوں میں خراج عقیدت پیش کیا۔ "قاضی صاحب مرحوم نے اپنی عمر کا بڑا حصہ اردو ادب

کی خدمت میں صرف کیا، ان کی سیاست، ان کی صحافت، اور ان
کا مخصوص طرزِ نگارش ہر زمانے میں اردو ادب کے خزانوں کو مالا مال
کرتا رہا۔ آخری دنوں میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی نظامت اور اس
سلسلہ میں ان کی قابلِ قدر کوششیں نیز اردو کے بقاء و تحفظ کے لیے
طرح طرح کی جد و جہد کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی۔ گو وہ آج ہماری نظروں
کے سامنے نہیں رہے مگر ان کی خدمات اور ان کے کارنامے ہمیشہ
ہمارے سامنے رہیں گے، اسی طرح کی کئی ادبی علمی و ادبی انجمنوں نے بھی اردو
کے اس عظیم محسن کی خدمات کو سراہا۔

قاضی صاحب کیا گئے۔ ان کا حسین طرزِ نگارش، ان کی دلنواز
انشاء پردازی اور ان کی لطیف طنز نگاری سب کچھ گویا ان کے ساتھ رخصت
ہو گیا۔

اک دھوپ تھی کہ ساتھ گئی آفتاب کے

ہندوستان کی ادبی دنیا میں جب رابندر ناتھ ٹیگور کے آسمانی
گیت گھر گھر گائے جا رہے تھے۔ جب بلبلِ ہند سروجنی نائیڈو
کی نغمہ سنجیاں فضاؤں میں گونج رہی تھیں اور نیند کے ماتوں کو
جگا رہی تھیں، جب اقبال کا ترانہ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں
ہمارا، قوم میں صورِ حب الوطنی پھونک رہا تھا۔ جب ذات منشی پریم
چند کے زندگی سے معمور افسانوں کی دھوم مچ رہی تھی، محمد علی کا مرثیہ"
اپنی آتش نوائیوں کے سبب مشہور ہو رہا تھا۔ نیاز فتح پوری، عقلیت
کی روشنی پھیلا رہے تھے اور تیرتھ رام فیروز پوری کے ترجمے مقبول ہو
رہے تھے۔ اسی زمانے میں قاضی عبد الغفار کی لکھی ہوئی اور ضخیمند

ادبی بصیرت زندگی کی نئی راہوں کی متلاشی اور نئی منزلوں کی سمت گامزن تھی، اس ہندی نوجوان کی جدت طرازیاں اردو کو ایک نئے حسن کے سانچے میں ڈھال رہی تھیں اور ترقی پسند رجحانات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ رہی تھیں ۔

قاضی صاحب کے لکھنے کا ڈھنگ بالکل نیا تھا اور انیا تھا۔ جس سے اردو زبان کا حسن چمک اٹھا تھا، پڑھنے والوں کو اس کی حلاوت اور شیرینی اتنی پسند آئی کہ زبان چٹخارے کرنے لگی ان کے طرز کو بہت سوں نے اپنانا چاہا مگر کامیاب نہ ہو سکے جس طرز کو انھوں نے اپنایا تھا انھیں کے ساتھ وہ ختم بھی ہو گئی ۔

قاضی صاحب نے کئی کتابیں لکھیں جن میں لیلیٰ کے خطوط اور مجنوں کی ڈائری ۔ دونوں میں اتنی مقبول ہوئی کہ ان کے کئی کئی ایڈیشن نکلے اور ہاتھوں ہاتھ بک گئے ان تصانیف میں عام انسانی جذبات واحساسات کا فلسفیانہ تجزیہ دلچسپ مگر حقیقت افروز پیرائے میں کیا گیا ہے ۔ اور یہ دونوں کتابیں اردو ادب میں طنز نگاری کا بہترین نمونہ ہیں " لیلیٰ کے خطوط " پہلے پہل لاہور کے "نیرنگ خیال" میں چھپے ۔ اور پھر پورا مجموعہ کتابی شکل میں سامنے آیا۔ "مجنوں کی ڈائری" آندھرا پردیش حیدرآباد میں لکھی گئی مگر اشاعت دارالادب پنجاب سے ہی ہوئی ۔ اس ادارے سے قاضی صاحب کی اکثر تصانیف شائع ہوتی ہیں ۔

قاضی صاحب کی اور کتابوں میں " تین پیسے کی چھوکری " اور " اس نے کہا " ادب لطیف میں ایک بے بہا اضافہ ہے ان کی

تاریخی، سوانحی تصانیف میں "جمال الدین افغانی"، "آثار ابوالکلام آزاد"
اور "حیاتِ اجمل" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ جن کے پڑھنے
سے ایسا لگتا ہے کہ قاضی صاحب نے تاریخ کے اس دور میں
پہنچا دیا جہاں ماضی نظروں کے سامنے حال کی طرح پھرنے لگتا
ہے یہ ان کے قلم کا کمال تھا۔ حیاتِ اجمل کے تاریخی پس منظر میں
اندر پرست کا خاص انداز میں اس طرح ذکر کرتے ہیں۔

تین ہزار تین سو برس، اس سے بھی کچھ زیادہ، اتنے دن
گزرے جب جمنا کے کنارے اندر پرست آباد تھا، اس کے افسانے
رامائن کے صفحات پر بکھرے پڑے ہیں، حساب تو لگائیے
کہ اس دن سے آج تک جمنا کے دھارے پر کتنا پانی بہہ چکا ہو گا
اس بہتے ہوئے پانی میں اگر دو آنکھیں ہوتیں تو انھوں نے اندر
پرست کی پہاڑیوں پر انسانی آبادی کے کیا کیا تماشے دیکھے ہوتے
کلجگ کا سارا دھندا آنکھوں کے سامنے گزرا ہوتا۔

"نقشِ فرنگ" میں قاضی صاحب نے اپنے سفرِ یورپ
کے تاثرات معلومات آفریں اور دلکش انداز میں قلمبند کئے ہیں
ایک اور تصنیف "عجیب" نام کی بہت عجیب ہے جس کی عجیب
داستانیں پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ انگریزی کے نوبل پرائز
یافتہ ادیب گالزوردی کے شاہکار ناول "سیب کا درخت" کو اردو
کا جامہ پہنا کر قاضی صاحب نے اردو دنیا کو ایک نئی دنیا سے روشناس
کرایا۔ گالزوردی کے اس شاہکار میں ایک دیہاتی عورت کی لازوال محبت
اور ایک شہری مرد کی بے وفائی کی داستان، اس دلچسپ پیرائے میں،

بیان کی گئی ہے کہ کتاب پڑھنا شروع کیجئے تو ختم کئے بغیر چین نہیں آتا قاضی صاحب کی ادبی کاوشیں سدا بہار پھولوں کی مانند ہیں جن کی مہک اردو کے خوبصورت چمن میں ہمیشہ رہے گی۔

قاضی عبدالغفار جہاں ایک بلند پایہ انشا پرداز ادیب تھے، وہیں ایک اچھے شاعر بھی تھے جس کا اندازہ ان کے اشعار سے ہو سکتا ہے۔

اس نامراد دل کی عبارت کو کیا کروں
ہے بدنصیب اب بھی طلب گار آرزو
ملتفت یہ فنا سے یہ ناکام عشق پھر
مانگے ہے ایک ساغر سرشار آرزو
پروانہ اپنی منزل آخر پہ آ گیا
باقی ہے ایک شمع عزا دار آرزو
داغ جگر کا سوز نہ وجدان عشق کو
اب نور آرزو ہے نہ اب نار آرزو
شعلہ نہیں وہ جس سے عبارت ہے زندگی
لاؤں کہاں سے لذت آزار آرزو
ڈرتا ہوں میں کہ چشم فسوں گر کے سامنے
جھلکے گا آج سے غم سرشار آرزو

کہانی ملک کی آخر ایک شب یوں ختم ہو جائے
کہ جیسے طفل ناداں روتے روتے تھک کے سو جائے

زیبِ زندگی راہِ محبت سے نہ بھٹکا دے
متاعِ زخمِ دل اس کی امانت ہے نہ کھو جائے
کہیں سے ایک شب لے چشمِ گریاں مجھ کو تو لا دے
وہ ایک آنسو کہ نقشِ زندگی کو آ کے دھو جائے

اس زیبِ زندگی پر کیوں مٹے جاتے ہیں ہم عقلِ بے بنیاد کے بل بوتے پہ اتراتے ہیں ہم

ہم نوا تیری نظر مصروفِ سیر آب ہے
محو رقصِ موج ہے اور کس قدر بیتاب ہے
تو نہ سمجھے گا کہ یاں ہر قطرہ اک گرداب ہے
جنسِ عشرت اس تماشہ گاہ میں نایاب ہے

حکیم اجمل خاں مسیح الملک مرحوم کی شعر و سخن کی خاص صحبتوں میں قاضی صاحب اپنا کلام سنایا کرتے تھے اور حسبِ ضرورت اپنے کلام کی اصلاح بھی انھیں سے لیا کرتے تھے حکیم صاحب خود ایک خوش گو شاعر تھے اگر قاضی صاحب صرف شاعری کی طرف توجہ کرتے اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے تو بلاشبہ اپنے دور کے چوٹی کے شاعروں کی صف میں جگہ پاتے۔

قاضی عبدالغفار ایک اونچے درجے کے صحافی بھی تھے جنھوں نے صحافت کے اعلا معیار کو ہمیشہ قائم رکھا جس عنوان پر بھی وہ لکھنا چاہتے اس کا سیاست سے تعلق ہو یا دوسرے مسائل سے اس کی نسبت اپنی بے لاگ رائے کا اس انداز سے اظہار کرتے کہ ان کے

صحیح انداز فکر کا پتہ چلتا تھا۔ لوگ ان کے اداریوں اور مضامین کو پڑھتے تو ان میں سوچنے اور سمجھنے کا جذبہ صحیح ڈھنگ سے ابھر آتا۔ عام رائے کو ہموار کرنے اور لوگوں میں سیاسی اور ادبی شعور پیدا کرنے میں قاضی صاحب کو خوب مہارت تھی چنانچہ مختلف اخباروں اور رسالوں کے ہزاروں صفحات اس کے شاہد ہیں۔

قاضی صاحب کی اخبار نویسی کی زندگی مولانا محمد علی کے مشہور اخبار "ہمدرد" سے شروع ہوئی جو ۱۹۱۲ء میں جاری ہوا تھا۔ اپنی زندگی کے آغاز کی داستان خود قاضی صاحب سے سنیئے۔

" ہمدرد کے شعبۂ ادارت میں جب ایک ادنیٰ شاگرد بنکر مولانا محمد علی کے سامنے بیٹھا تب کہیں ان چنگاریوں کی گرمی محسوس کی جو کارہائے جوان سال اور بیباک ایڈیٹر کی شخصیت سے نکل کر ان کے نوجوان شاگردوں کو ادب کوش ہونے کی دعوت دیتی تھی، ۲۳ر فروری ۱۹۱۳ء کے بعد سے شعبہ ادارت کا پورا کام شروع ہوا اور میں نے پہلی دفعہ محمد علی کے مددگار کی حیثیت سے صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ ایک ادنیٰ شاگرد کی حیثیت سے میں نے ان کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا، اور جب تک ۱۹۱۴ء کی جنگ کا ہنگامہ شروع نہ ہوا اور محمد علی کی مدبرانہ حیثیت قومی قیادت کے کاموں میں منتقل نہ ہو گئی وہ ہمدرد کے شعبہ ادارت کی نگرانی کرتے رہے یہی وہ زمانہ تھا کہ ایک استاد کی طرح جو نیک وقت شفیق بھی تھا۔ اور سخت گیر بھی انھوں نے صحافت کے ابتدائی اصول اپنے نوجوان مددگاروں کو سمجھائے۔ طریقہ کار یہ تھا کہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مضامین ہی لکھوائے جاتے تھے، ہر روز شام

شعبۂ ادارت کے اراکین کی ایک مجلسِ مشاورت، چیف ایڈیٹر کے کمرے میں منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں مرحوم اپنے مددگار کے لئے ایک مضمون تجویز کرتے تھے۔ پھر اس مضمون کے متعلق کتابوں کی ایک فہرست لکھا دیتے، بہت سی کتابیں آپ کتب خانے سے نکال کر دیتے تھے ان کے خاص ابواب اور صفحات کی نشاندہی کرتے تھے اور بار بار اس اصول کو ذہن نشین کر دیا کرتے تھے کہ لکھنے سے پہلے لکھنے سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ دس بارہ کتابیں پڑھنے کے بعد ایک اداریہ لکھا ہوتا ہے۔ میرا پہلا اداریہ "ہمدرد" کی پہلی جلد کے آٹھویں پرچے میں ۱۰ر جون کو شائع ہوا تھا۔ اس کا عنوان "مصر" تھا۔ یہ اداریہ کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا۔ لیکن میں یہ بتاؤں کہ وہ لکھا کس طرح گیا تھا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ فن صحافت میں محمد علی کے شاگرد کس طرح تربیت حاصل کرتے تھے۔ دس بارہ کتابیں مجھے دی گئی تھیں تاکہ میں ان سب کو پڑھ لوں۔ کچھ نوٹ محمد علی نے لکھوا لئے تھے۔ آٹھ دس دن تک میں لکھنے کی تیاری کرتا رہا۔ پھر جب ایک حصہ لکھ لیا گیا تو مسودہ ان کے پاس لے گیا۔ مجھے یاد ہے کہ چند سطریں پڑھنے کے بعد انھوں نے منہ بنایا اور یہ کہہ کر مسودہ پھینک دیا کہ یہ کیا فضولیات گھسیٹ لائے ہو۔ میں کیا کہوں کہ اس دن ایک خام کار نوجوان کو کس قدر دل شکنی ہوئی جس کو اپنے خیال میں بڑا ناز تھا اس بات پر وہ "ہمدرد" کے ادارتی شعبے میں بغیر اپنی خواہش کے اصرار کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔ حالانکہ عمر اور تجربہ میں وہ محمد علی کے تمام دوسرے مددگاروں سے کم۔ اگر چیف ایڈیٹر کی رائے میں اس کے پہلے ہی مضمون کا مسودہ فضولیات

قرار پایا تو ظاہر ہے کہ اس نوجوان کی خود بینی کو جس قدر بھی صدمہ پہنچا ہو وہ کم ہے بڑی ذلت اور شرمندگی محسوس ہوئی، کچھ غصہ بھی آیا مگر اتنی جرات نہ تھی کہ غصہ کا ذرا بھی اظہار کیا جاتا۔ پھر ایک گھنٹہ تک ان کا لکچر سنا، پھر بہت کوشش کر کے ان کے خیالات کے مطابق از سر نو مضمون لکھا۔ لیکن وہ بھی ناپسند ہوا مگر اتنا نہیں جتنا کہ پہلی دفعہ، ہدایت ہوئی کہ ایک دفعہ پھر لکھو، رات بھر بیٹھ کر پھر لکھا اور صبح کو پیش کیا، پورا مضمون پڑھا، اور گلے سے لگا لیا۔ تعریفوں کے پل باندھ دیے۔ پہلے جس قدر ان کی تنقید سے شرمندہ ہوا تھا۔ اب ان کی توصیف سے شرمندہ ہو گیا معلوم ہوا کہ اس استاد کی تلخی میں شہد اور دودھ کی لبریز نہریں بھی بہا کرتی ہیں، مقبول میرے اس مضمون کی تعریف ہوتی رہی چنانچہ حوصلہ بڑھا اور خود اعتمادی پیدا ہوئی اب ان کی بات سمجھ میں آنے لگی" مولانا محمد علی کے ساتھ اس طرح قاضی صاحب کی رفاقت شروع ہوئی اور انھیں میدان صحافت میں لے آئی۔ ایک زمانہ بعد میں ایسا بھی آیا جب "ہمدرد" کی ذمہ داریاں بڑی حد تک قاضی صاحب پر آن پڑیں، محمد علی قومی مصروفیات میں منہمک ہو چکے تھے قاضی صاحب نے پھر کلکتہ سے "صداقت" اور "جمہور" روزنامہ نکالا۔ ۲۱ء میں وہاں ایک سیاسی تحریک کے سلسلہ میں انھیں شہر بدر کر کے نظر بند کر دیا گیا آٹھ مہینے تک وہ نظر بند رہے وہاں سے چھوٹ کر آئے تو دہلی سے روزنامہ "صباح" جاری کیا۔

سنہ ۱۹۳۴ء میں قاضی صاحب سر اکبر حیدرآبادی کی دعوت اور انجمن ترقی اردو کے معتمد مولوی عبدالحق کے اصرار پر حیدرآباد آئے اور بعد میں یہاں سے ایک روزنامہ "پیام" جاری کیا، کچھ مدت تک یہ اخبار

ایک لمیٹڈ کمپنی کے انتظام میں بھی چلا۔ مگر مینجنگ منسٹری کی بدانتظامی اور بدعنوانیوں کی وجہ سے کمپنی ٹوٹ گئی۔ اور پھر قاضی صاحب اس کو چلانے لگے۔ پہلی بار جب پیام منظر عام پر آیا تو ایک غیر ملکی کو قوم پرستانہ آزاد اور بیباک روش یہاں کے ماحول میں پسند نہیں کی گئی، اور اسی لئے مقامی صحافت کو بپاس خاطر سرکار سلامت روی کی معینہ ڈگر پر چلنا ہوتا تھا۔ ایسے زمانے میں "پیام" ایک نئی زندگی کا پیام لایا اور ملکی صحافت میں ایک انقلاب پیدا کر دیا۔ اس کے اداریوں میں لوگ نئے مسائل کو تلاش اور غور و فکر کے انداز کو دیکھنے لگے سر راہ کے طنز و مزاح میں انھیں کئی سبق ملے ہندوستانی خبروں میں دنیا کی وسعت کا عکس نظر آیا اور عالم اسلام کے مخصوص کالموں میں حیات اسلامی کے نقوش ملنے لگے مختلف مسائل پر مضامین عام معلومات کی تشنگی کو کم کرتے اور "دارالسلطنت" کا حال اس کے اصلی روپ میں نظر آتا کبھی کبھی شعر و سخن کی چاشنی منہ کو میٹھا کرتی اور "ہر روز کچھ" سوچنے کی صلاحیت اجاگر ہوتی

حاصل یہ کہ "پیام" اپنی ان معنوی خوبیوں کی وجہ سے عوام میں مقبول ہوتا گیا۔ کچھ مدت تک اس کے مراٹھی اور تلنگی ایڈیشن سنڈے پیام اور سنڈے ٹیم بھی نکلتے رہے۔ حیدرآباد کے دھندلے سے ماحول میں "پیام" گویا ایک روشنی کا مینار تھا۔ جو صحیح قومی راستہ کی طرف عوام کی رہنمائی کرتا رہا اور یہ رہنمائی مسلسل بارہ برس تک جاری رہی "پیام" ہی نے لوگوں کو سکھایا کہ حکومت کی خبر کس طرح لی جاتی ہے اور حکومت سے ٹکر لینے کا کون موقع ہوتا ہے، مزدوروں اور کسانوں کے حقوق "پیام" ہی نے جتائے اور جاگیرداری و زمینداری کے خاتمے کا نعرہ "پیام"

ہی نے شروع کیا اور حیدرآباد کی پہلی دفتریت کے خلاف "پیام" ہی نے آواز اٹھائی، مختصر یہ کہ قاضی صاحب نے اپنے اس اخبار کے ذریعہ اگر ایک مشن کی صورت میں حق خدمت ادا کیا تو دوسری طرف "انجمن صداقت اور "مجلس مدیران جرائد" کے ذریعہ فنی صحافتی زندگی کو سنوارنے اور اس کو وقت کے تقاضوں کے ساتھ معیاری بنانے میں نمایاں حصہ لیا، یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ حیدرآباد کی صحافت نو کے قاضی صاحب معمار اول تھے۔

۱۹۴۴ء کے آخری مہینہ میں جب کہ نئے سال کے لئے قاضی صاحب انجمن صحافت کے صدر منتخب ہوئے تب انھوں نے ایک بصیرت افروز تقریر کی اور ٹریڈ یونین کے اصول پر تنظیم کی ضرورت پر زور دیا۔ اور کہا کہ جب مالکان جرائد اپنے منافع اور خسارے کا لحاظ کرتے ہیں تو ان کو اپنے ملازمین اور ماتحتوں کی معاشی مشکلات کا بھی لحاظ کرنا چاہیئے۔ اس طرح قاضی صاحب نے پہلی بار مقامی صحافیوں کے لئے ٹریڈ یونین کا خیال پیش کیا۔ اپنے اس خطبہ میں انھوں نے یہ بھی کہا تھا کہ بعض بھائی ایسے بھی ہیں جو مجھ سے خوش نہیں ہیں لیکن اپنی برادری کے دائرے میں میرے اور ان کے درمیان کوئی خندق ایسی نہیں ہے جس کو عبور اور کوئی فاصلہ ایسا نہیں جس کو طے نہ کیا جاسکے ان کو اپنے سے قریب لانے کے لئے میں ہر ذاتی قربانی گوارا کروں گا میں اور وہ اس برادری کی حیثیت سے اس وقت تک اپنا اپنا ایک مقام رکھتے ہیں جب تک کہ ہم سب کو متحرک رکھیں۔"

قاضی صاحب کی ہمت دکاوش کا ہی نتیجہ تھا کہ انجمن صحافت"

اور مجلس مدیران جرائد" میں اتحاد و اتفاق کے ساتھ پوری ہم آہنگی نظر آئی اور حکومت اس کے وزن کو محسوس کرنے لگی ورنہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا کہ صحیفہ نگار کوتوالی میں طلب کئے جاتے تھے اور ذرا ذرا سی بات پران کو آنکھیں دکھائی جاتی تھیں، ایسا ہی ایک واقعہ قاضی صاحب کے ساتھ بھی پیش آیا تھا۔ راجہ بہادر وینکٹ راما ریڈی کی کوتوالی کے تھانے میں ان کی طلبی ہوئی کہ کسی مضمون یا خبر کے تعلق سے تنبیہہ مقصود تھی، قاضی صاحب؛ کوتوالی کے دفتر میں پہونچے تو ان کے ساتھ وہی برتاؤ کیا گیا، جو حکومت اپنے نیاز مندوں سے کرتی آرہی تھی لیکن قاضی صاحب کھڑے ہوکر جواب دہی کرنے کے بجائے ایک کرسی لے کر اس پر بیٹھ گئے اور انھوں نے کوتوال صاحب سے اس طرح پرسش پر سخت احتجاج کیا نہ صرف یہ کہ بلکہ انھوں نے حکومت کے ذمہ دار عہدیداروں کو بھی اس طریق کار کے خلاف احتجاجی لفظوں میں توجہ دلائی چنانچہ بعد میں صحافت کا تعلق ہوم آفس سے ہوگیا اور پھر محکمہ معلومات عامہ متعلقہ صحافت کا ذمہ دار ٹھہرایا گیا۔ بعد میں خود قاضی صاحب اس محکمہ کی نظامت پر مامور ہوئے اور صحافت و معلومات عامہ کے تعلقات میں بڑی خوش گوار استواری پیدا کی ۔

ذکر "پیام"، کا ہو رہا تھا۔ قاضی صاحب کا طرز نگارش اور ان کا انداز بیان   خواہ اداریوں کی شکل میں ہو یا مضامین کی شکل میں ہر صورت میں لوگ اس قدر پسند کرتے تھے کہ ایک بار پڑھنے کے بعد پھر پڑھنے کی آرزو باقی رہ جاتی ہے، ایڈیٹر، مہتمم اور منیجر کے ساتھ تنخے نے جب محبت کا راز دال قالب اختیار کیا۔ اور ملک

معظم نے تخت و تاج سے دست بردار ہونے کو ترجیح دی تو اس موضوع پر قاضی صاحب کے لکھے ہوئے اداریے کی اتنی دھوم ہوگئی کہ 'پیام' کے پچھلے پرچے جو اسٹاک میں رہ گئے تھے وہ بھی لوگ مول لے گئے۔ جب ایک پرچہ بھی باقی نہ رہا تو کچھ کالج کے طالب علموں نے دفتری فائل کے اخبار سے اس مضمون کی نقل کر لی۔ مولانا محمد علی پر قاضی صاحب کی حیدرآباد ریڈیو سے نشر کی ہوئی تقریر جب 'پیام' کے صفحات پر شائع ہوئی تب بھی پیام کی ساری کاپیاں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں دوسری بڑی جنگ کے دوران میں جب دنیا کا نقشہ بدل رہا تھا اور قاضی صاحب اس بدلتے ہوئے نقشہ پر اپنے بصیرت افروز تبصرے لکھ رہے تھے تب 'پیام' کے پڑھنے والوں نے محسوس کیا کہ اب جنگ پر چلی جانے والی چالوں کے بارے میں ان کے اندازے کس قدر سچے نکلتے تھے۔ ان کی میز کے سامنے ملک کے مختلف نقشے لگے ہوتے تھے اور اطراف میں کتابوں، اخباروں اور رسالوں کا ڈھیر ہوتا وہ صبح شام اپنی کثیر ڈاک آپ دیکھا کرتے اور اپنے اداریے اور مضامین خود اپنے قلم سے ہی لکھا کرتے۔ قاضی صاحب کی صحیفہ نگاری کی خصوصیت بھی وہی تھی جو محمد علی کی تھی جس کا ذکر قاضی صاحب اس طرح کرتے ہیں، ان کی صحیفہ نگاری کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر کسی عقیدہ کے اخبار نویسی محض دکانداری ہے اخبار کا کام رائے عامہ کی رہنمائی کرنا ہے وہ اس طریقہ کو معیوب سمجھتے تھے کہ اخبار کے کاروبار کی کامیابی کے لئے اور اخبار کو ہر دل عزیز بنانے کے لیے پڑھنے والوں کے خیالات کی تائید

کی جائے۔ اس اصول کی خاطر انھوں نے "ہمدرد" کی عام مقبولیت کو نقصان پہونچانا گوارا کیا لیکن اپنے عقاید کی انفرادیت کو متاثر کرکے کبھی اپنے اخبار کو کامیاب بنانا پسند نہیں کیا، وہ اس بات کے قائل تھے کہ اخبار میں اس کے مدیر کی شخصیت کا عکس پوری طرح نمایاں رہے شہرت کے پلے میں عوام کے مذاق اور خواہشات کو رکھکر اس پلے کو بھاری رکھنا وہ اپنی توہین قرار دیتے تھے۔

قاضی صاحب کا ہر مضمون اپنے رنگ میں ایک شاہکار معلوم ہوتا تھا۔ ان کے آخری دور کے مضامین میں "سردھنی دلوی" اور جواہرلال نہرو" اتنے پسند کیے گئے کہ ملک بھر کے کئی اردو اخبارات اور رسالوں نے ان مضامین کو نقل کیا۔ قاضی صاحب کا مطالعہ بہت وسیع تھا۔ ہر موضوع پر چاہے اس کا تعلق تاریخ سے ہو یا ادب سے سیاست سے ہو یا معاشیات سے یا انسانی اور قومی زندگی کے کسی پہلو سے ان کی معلومات بہت گہری تھیں، ان کی رات کا بیشتر حصہ لکھنے پڑھنے میں صرف ہوتا تھا۔

سنہ ۱۹۱۶

تصویرِ یار بمبئی سے جنوری سنہ ۱۹۱۶ء میں یہ گلدستہ ماہانہ نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا سرپرست سیٹھ عبدالکریم حاجی جعفر اور مرتب محمد ایوب صابر تھے قیمت سالانہ پیشگی ڈیڑھ روپیہ تھی وادڑی الیکٹرک پریس بمبئی میں چھپتا تھا۔ سرورق پر حسب ذیل شعر درج ہوتا تھا ؎

دل کے آئینے میں ہے تصویرِ یار
جب ذرا گردن اٹھائی دیکھ لی

... کے شمارہ میں سے چند شعرا کا منتخب کلام نقل کیا جاتا ہے

... علی صاحب ... نی سید دہلوی، مہتمم احسن الکلام

... جان سے میرے قالب میں نہ دل ہے میرے سینے میں
تنہا ... میں ہوں ساتھی ہیں نہ ... میں

در محبوب تک پہنچا ہوا ہم آوارہ گردوں کا
الٰہی گردشِ تقدیر لے جائے مدینے میں
وہ محو بےخودی ہوں میں کہ مجھ پر کچھ نہیں کھلتا
تصور میں مدینہ ہے کہ میں موجود ہوں مدینے میں
اتر جائیں گے سیدپار ہم طوفانِ عصیاں سے
بٹھالیں گے ہمیں حضرت شفاعت کے سفینے میں

جناب بلاغت امروہوی ایڈیٹر رسالہ زرّیں سخن بمبئی سے

دل کو خدا کی یاد سے بیگانہ کر دیا
تری خودی نے کعبے کو بتخانہ کر دیا
بادہ کشی نے تجھ سے یہ اچھا کیا سلوک
لبریز تیری عمر کا پیمانہ کر دیا
ماضی رضا پر اس کی بلاغت ہوں کیوں نہ ترک
ایسا نہ کر دیا مجھے ویسا نہ کر دیا

جناب مفتی جوہر صاحب بنارسی ڈرامسٹ بمبئی سے

تمہیں کیا کیا سکھائیں گے ہمیں تو نے سکھایا ہے
تڑپنا لوٹنا، بیتاب ہونا، بےخبر ہونا
شرابِ وصل کی جوہر یہ اک ادنیٰ کرامت ہے
نشہ ہونے سے پہلے آنکھ پر ظاہر اثر ہونا

جناب ایس ایم گلچور دہلوی، مہتمم رسالہ عشوہ یار دہلی سے

چل کے جب ناز قیامت کے دکھائے کوئی
کیوں نہ سوتے ہوئے فتنوں کو جگائے کوئی

ان گلوں میں نہیں کچھ بوئے وفا اے گلچور
باغ عالم میں کبھی دل نہ لگائے کوئی

جون [illegible] کے شمارہ بیرشہ میں اس رسالہ پر یہ ریویو چھپا۔
یہ کم و بیش ۲۴ صفحہ کا رسالہ ہے جو صابر صاحب کی ایڈیٹری میں بمبئی جیسے خوش سواد شہر سے ہر ماہ کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا ہے، اس میں نثر کے مضامین بہت کم ہوتے ہیں زیادہ تر غزلیں ہوتی ہیں جو باعتبار زبان اچھی ہوتی ہیں، چند ماہ سے تنقیدی مضامین بھی تصویر بہ میں پائے جاتے ہیں جن خصوصاً شعرائے بمبئی کے لئے مفید ہیں، ہم صابری صاحب کو مبارک باد دیتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ وہ بمبئی جیسے شہر میں جہاں اردو کا نام دفتاً ہی نہیں ادب اردو کی خدمت کے لئے کمر بستہ رہیں اور نو آموز شعرائے بمبئی کے ماہر فن بنا کر نکالیں، چھپائی کاغذ نفیس سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

محمد ایوب صابر

صابر صاحب بمبئی کے رئوسا میمن میں سے تھے ان کے دادا حاجی ہاشم اور ان کے والد حاجی محمد صدیق تھے۔ ان کے والد کو بھی شعر و شاعری کا شوق تھا اخلاص تخلص رکھتے تھے اور ان کو علم و ادب سے بھی دلچسپی تھی، گلدستہ منشور شعائے بمبئی کے مستقل لکھنے والوں میں سے تھے نقیر محمد فدا کو اپنا کلام دکھاتے تھے

خود بخود درد دوا کے دل جان ہوتا ہے | حکم رب جو سمجھے زمانہ ہوتا ہے
برخ خورشید دو عالم کا مکاں ہوتا ہے | صبح میلاد ... دکھاں ہوتا ہے
ایسا مشفق کوئی اخلاص کہاں ہوتا ہے | ... عاصی کے لئے رنج سہے

... انجمن ترقی سخن بمبئی کے زیر اہتمام ماہانہ کا جو سالانہ

شاعرہ ہوتا تھا اس کے مہتمم تھے ۱؎

قتل آنکھوں ہی سے یہ رشک قمر کرتے ہیں
مار رکھتے ہیں اسے جس پہ نظر کرتے ہیں
ایک ہم ہیں کہ بسر کرتے ہیں رو رو کر رات
اور اک وہ ہیں کہ سو سو کے سحر کرتے ہیں
ہجر میں صبر کچھ آساں نہیں ہے عیار
جو یہ کرتے ہیں وہ خون اپنا جگر کرتے ہیں

تاج الکلام نجیب آباد ضلع بجنور سے یہ ماہانہ رسالہ تھی ۱۹۱۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔
احسان اللہ خاں تاجور ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔
رسالہ خیال ہاپوڑ کے اگست ۱۹۱۶ء کے پرچہ میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

اس نام کا رسالہ جناب احسان اللہ خاں صاحب تاجور مولوی فاضل کی ایڈیٹری میں نجیب آباد ضلع بجنور سے نکلنا شروع ہوا ہے جس کا مقصد اردو علم و ادب کی ترقی ہے اس کے پہلے حصہ میں نثر کے مضامین میں شعراء عرب کے کلام بلاغت نظام کی شرح، الفاظ کی صحت، نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے لکھی گئی ہے دوسرے حصہ میں ہم طرح غزلیں ہیں جن میں نجیب آبادی شعراء کے سوا دیگر سخنوران کا کلام بھی درج ہوتا ہے۔

۱؎ بمبئی میں اردو صفحہ ۲۰۱

عبرت — نجیب آباد سے یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء کو نکلا، ۲۴ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ عبرت پر ذوالقرنین میرٹھ کے ۲۴ فروری کے شمارہ میں یہ ریویو ہوا تھا۔

"اس رسالہ کا خاص مقصد علم تاریخ کو ترقی دینا ہے ضمناً اصلاحی مذہبی اور تمدنی مضامین بھی شائع کرتا ہے۔ اب تک صرف دو نمبر شائع ہوتے ہیں دوسرے نمبر سے خاص نجیب آباد (جہاں سے یہ پرچہ ہوا شائع ہونا شروع ہوا ہے) کی تاریخ چھپنا شروع ہوئی ہے ملک میں ایسے رسالہ کی جو تاریخی مضامین کے لئے وقف ہے عرصہ سے ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔

آب حیات — میرٹھ سے یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء کو شائع ہوا ۴۸ صفحوں پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

۲۴ فروری ۱۹۱۶ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

"یہ ماہوار رسالہ جو میرٹھ سے شائع ہوتا ہے اس رسالہ نے مسلمانوں کو عملی طور پر مختلف قسم کے صنائع اور فنون سکھانے کا بیڑا اٹھایا ہے پہلے نمبر میں آئندہ کا پروگرام دیا گیا ہے، اس میں ۲۶ قسم کے ہنر درج ہیں جن کی تعلیم کے متعلق مسلسل مضمون اس رسالہ میں درج ہوا کریں گے اس رسالہ کا تعلق تجارتی یتیم خانہ میرٹھ سے ہے جہاں صنعت و حرفت سکھانے کا ایک مدرسہ بھی کھولا گیا ہے۔"

لمعات

لاہور سے جنوری ۱۹۱۶ء کو یہ روزانہ اخبار وجود میں آیا۔ مولانا اختر علی خاں فرزند ارجمند مولانا ظفر علی خاں چودھری غلام حیدر خاں اور مولانا عبداللہ العمادی نے جاری کیا تھا جو کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا۔

زراعت وحرفت

یہ ماہانہ رسالہ بدایوں سے ۱۹۱۶ء کو نمودار ہوا۔ خان بہادر امین الدین حمید شیخو پوری اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔ نظامی پریس بدایوں میں چھپتا تھا۔ دو سال نکلنے کے بعد بند ہو گیا

معارف

رمضان المبارک ۱۳۳۴ھ مطابق جولائی ۱۹۱۶ء کو یہ علمی و دینی رسالہ اعظم گڈھ سے دار المصنفین اعظم گڑھ کا ترجمان جاری ہوا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل ہے ایڈیٹر حضرت علامہ سید سلیمان ندوی تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ مطبع معارف اعظم گڑھ میں چھپتا تھا۔

شمارہ اول جولائی ۱۹۱۶ء میں رسالہ کے اغراض ومقاصد پر حسب ذیل روشنی ڈالی ہے۔

" ملک میں روز بروز خالص علمی چیزوں کی طرف سرد مہری پھیلتی جاتی ہے فرزندان تعلیم جدید جو ہماری آئندہ توقعات کی سنگ بنیاد تھے، وہ اتنے بودے نکلے کہ از سر نو ایک نئی عمارت کا بوجھ اٹھانے کے بجائے اپنی پرانی جھونپڑی کو بھی انہدام سے نہیں بچا سکتے، علمائے کرام سے امید تھی کہ وہ اس فرض کو سب سے بہتر ادا کر سکیں گے کہ ان کی تعلیم و طلب علم کا نصب العین دفاتر سرکاری اعزاز اور حکام دنیا کا اکتساب نہیں ہے۔ لیکن ان کو بھی

ردمختار کی جزئیات اور تاتارخانیہ کی نقادی سے فرصت کہاں؟ اسی بنا پر حضرت استاذ علامہ شبلی نعمانی مرحوم دارالمصنفین کے ساتھ ساتھ معارف نام کا ایک ماہوار علمی و دینی رسالہ کا تخیل بھی رکھتے تھے ؏

آں قدح بشکست وآں ساقی نماند

حاشیہ نشینان بارگاہِ شبلی نے اس محسن اعظم کی یادگار میں فیصلہ کر لیا تھا کہ اپنی بساط بھر ان کی تمام تحریکوں کو وہ زندہ رکھیں گے دو سال کی گذشتہ مدت دارالمصنفین کے قیام و تاسیس پر صرف ہوگئی اب جب ادھر سے اطمینان میسر آیا تو دوسرے فرائض یاد آئے۔ ان میں سے ایک معارف کا بھی اجراء تھا۔ ہم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ملک ایک خالص علمی رسالہ کی اعانت کے لئے کہاں تک تیار ہے۔ تاہم ہر شخص اپنے فرائض کا ذمہ دار ہے۔ ملک میں اس وقت علم و مذہب کے متعلق جو خیالات بھی پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ بالکل غیر معتدلانہ ہیں، کچھ ایسے اشخاص ہیں جو عقل پرستی کے غرور میں مذہب اور مذہبی علوم کے ساتھ جاہلانہ تمسخر سے نہیں شرماتے، دوسری طرف حامیان مذہب و علوم کا جمہور اعظم ہے جو عقل و علم، مصالح و حکم، فلسفہ و اسرار کی ضرورت سے منکر ہے ملک میں دونوں قسم کے مضامین اور تصنیفات ہر روز شائع ہوتی ہیں۔ ہماری جماعت صلح عام کی منادی ہے۔ وہ دونوں فریق کو مضامین . . . . . وہ جدید علوم تازہ خیالات، نئی تحقیقات کی بجان و دل خریدار ہے لیکن اس کے ساتھ ہی اپنے بزرگوں کا اندوختہ کھونا نہیں چاہتی ہے بہ ان نادانوں پر ہنستی ہے جو تمام سرمایہ عمر دے کر بازار فرنگ کی ہر چمکتی ہوئی چیز کے خریدار بنجاتے ہیں وہ ہر چیز کو خریدنے سے پہلے یہ جان لینا چاہتی ہے کہ کیا ہمارے

بزرگوں کے تاریک تہ خانوں، ویران خانوں میں اور مدفون خزانوں میں یہ موجود تو نہیں۔ اگر ہے تو وہ کون احمق ہو گا جو گھر میں ایک چیز کو چھوڑ کر اسی کی تلاش میں گلیوں اور بازاروں کی آوارہ گردی قبول کرے گا، دوسری طرف یہ بھی سچ ہے کہ زمانہ بدل گیا ہے لوگ اپنی وضع تبدیل کر رہے ہیں مذاق، تمدن، طرز معاشرت، طریق تجارت، اسلوب گفتگو، ہر چیز میں نمایاں انقلاب ہے اب اگر دلی کی پرانی وضع میں ایک تنگ و تاریک گلی کے اندر ایک چھوٹی سی دوکان میں بیٹھ کر دلی دکنی، اور مظہر جانجاناں کی زبان میں ہم اکسیر بھی بیچیں تو کون خریدنے آئے گا۔ ہمارے گذشتہ علوم و فنون کا بعینہ یہی حال ہے۔ ہم کو اسی سامان و متاع کو لے کر اب نئے ساز و سامان سے موجودہ طرز کی ایک بڑی شاندار سی بیٹھک شیشہ دار الماریوں میں اپنی دوکان سجانی چاہیئے۔"

اس رسالہ کا موضوع اور مقصد بخوبی سمجھنے کے لئے تھوڑی دیر کے واسطے یہ فرض کر لینا چاہیئے کہ زمانہ اپنی موجودہ تہذیبوں کے ساتھ قائم ہے لیکن موجودہ نسل کی بجائے ہمارے اسلاف کا علمی گروہ دوبارہ دنیا میں آگیا ہے، اس حالت میں اب غور کرو کہ اس گروہ کے کیا علمی مہمات ہوں گے۔"

" اس سوال کا جواب قیاسی اور فرضی نہیں بلکہ اصول تجربہ کے موافق دیا جا سکتا ہے۔"

گذشتہ بالا خیالات کے مطابق معارف سے جن خدمات کی توقعات رکھنی چاہئیں اور اس کے مقاصد میں جو نوعیت پیش نظر ہوگی وہ حسب ذیل ہے۔"

فلسفۂ حال کے اصول اور اس کا معتدبہ حصہ پبلک میں لایا جائے۔ عقائد اسلام کو دلائل عقلی سے ثابت کیا جائے۔ علوم قدیمہ کو جدید طرز پر از سر نو ترتیب دیا جائے۔ علوم اسلامی کی تاریخ لکھی جائے اور بتایا جائے کہ اصل حصہ کہاں تک تھا اور مسلمانوں نے اس پر کیا اضافہ کیا۔ علوم مذہبی کی تدوین اور اس کے بعد عہد بعہد کی ترقیوں کی تاریخ ترتیب دی جائے۔ اکابر سلف کی سوانح عمریاں لکھی جائیں جن میں زیادہ تر ان کے مجتہدات اور ایجادات سے بحث ہو۔ عربی زبان کی نادر الفن اور کمیاب کتابوں پر ریویو لکھا جائے اور دکھایا جائے کہ ان خزانوں میں ہمارے اسلاف نے کیا کیا زر و جواہر امانت رکھے ہیں اور سب سے آخر لیکن سب سے اول یہ ہے کہ قرآن مجید کے متعلق عقلی، ادبی، تاریخی، تمدنی اور اخلاقی مباحث جو پیدا ہو گئے ہیں ان پر محققانہ مضامین شائع کئے جائیں۔ اگر صرف ان ہی مقاصد پر قناعت کرلی جائے تو بھی ہمارے نزدیک بڑا کام ہے لیکن چونکہ یہ مضامین عموماً روکھے اور پھیکے اور مذاق عام میں بے مزہ ہوں گے اس لئے ادبیات، مباحث حاضرہ، مطبوعات جدیدہ، انتقاد و تقریظ کے عنوانات سے ان کی تلخی دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

ملک کے مشہور و معروف اہل قلم ادیب و مورخ و نقاد نشاعروں نے اس رسالہ میں اپنے مضامین و کلام شائع کرایا جن کے نام یہ ہیں مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا سعید احمد انصاری رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ، سید نصیر نواب علی ایم اے۔ شیخ عبدالقادر ایم اے پروفیسر الفنسٹن کالج بمبئی، مفتی انوارالحق ایم اے ڈائرکٹر تعلیمات ریاست بھوپال، مولوی محمد عباس ایم اے پروفیسر اسمٰعیل کالج بمبئی، مولانا الطاف حسین حالی

مولانا عبدالماجد دریا آبادی، بی، اے، مولوی اقبال احمد سہیل بی اے، حاجی عبدالرحمٰن حسرت، مولانا معین الدین بی اے، صدر دارالعلوم حیدرآباد دکن، مرزا احسان احمد، بی، اے، حاجی معین الدین ندوی رفیق دارالمصنفین اعظم گڑھ، مولانا حبیب الرحمٰن خاں حسرت شیروانی، مفتی معین الدین حسن بی، اے۔ آرزو منتوطن ناسک، مولانا محبوب الرحمٰن کلیم بی اے وکیل سدھف، جمال آرا، ایم مہدی حسن، الشیخ محمد اقبال، مولانا نیاز فتحپوری، ندوی مولوی الف دین صاحب نقیب وکیل کیمبل پور وغیرہ وغیرہ لہ

اس علمی و دینی رسالہ نے ابتدا میں جو اپنے اغراض و مقاصد بیان کئے تھے اس نے ان کو پورا ہی نہیں کیا بلکہ عدل سے بڑھ چڑھ کر کام کیا۔ آج تک یہ رسالہ بڑی آب و تاب سے جاری ہے اس کو جاری ہوئے ۶۷ سال ہو گئے یہ رسالہ علمی و دینی اور ادبی طبقہ میں بڑی وقعت و عزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اس کے وقیع علمی و تاریخی مضامین سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس رسالہ میں کتنا علمی و تاریخی خزانہ جمع ہے اور کس قدر اس نے اسلام کی خدمت انجام دی ہے۔

اس رسالہ نے جو سنجیدہ اور تحقیقی لٹریچر پیش کیا ہے اس سے اس رسالہ کی مقبولیت ہوئی۔ ڈاکٹر اقبال نے رسالہ معارف کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا تھا۔

"یہی ایک رسالہ ہے جس کے پڑھنے سے حرارت ایمانی میں ترقی ہوتی ہے"

لہ یہ اسماء گرامی شروع کے سالوں ۱۶۔۱۷ء کے رسائل سے دیئے گئے۔

حضرت مولانا محمد علی جوہر کو بھی اس رسالہ سے بڑا انس تھا وہ بھی اس رسالہ کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندوی کو لکھتے ہیں۔

"میرے متعدد انگریزی رسالوں کی جلدیں نہیں بندھی ہیں یہ شرف خاص معارف کو حاصل ہوگا کہ اس کی مجلدات تیار کرالی جائیں۔"

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے ایک خط میں رسالہ معارف کے متعلق علامہ سید سلیمان صاحب کو یہ تحریر فرمایا تھا۔

"معارف کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں صرف یہی ایک پرچہ ہے اور ہر طرف سناٹا ہے اور آپ کی صرف اس کے بدولت ایک ایسی جگہ بن گئی ہے جو خدمت علم و تصنیف کے لئے وقف ہے۔"

جناب مولانا عبدالمجید سالک نے رسالہ ماہ نو کراچی ماہ جنوری ۱۹۵۸ء میں رسالہ معارف کے متعلق ایک مضمون لکھا تھا۔ اس رسالہ کے بارے میں یہ رائے دی تھی۔

سنہ ۱۹۱۶ء میں دارالمصنفین کا مشہور و معروف رسالہ معارف جاری ہوا جو بلا مبالغہ دنیائے اسلام کا بہترین علمی و تحقیقی رسالہ ہے جس نے ہمارے تاریخ و تحقیق کے ذخیرے کو مالا مال کر دیا ہے۔

رسالہ معارف کی شہرت بیرون ہند میں بھی ہے چنانچہ ڈاکٹر نکلسن کیمبرج نے اس کے ناقدانہ مباحث، علمی مقالات، مستشرقانہ معلومات اور مشرقی و مغربی علوم و معارف کی آمیزش کی داد دی ہے، اور اس حیثیت سے ہندوستان کی علمی ترقی پر اپنی خوشی کا اظہار کیا ہے۔

ہمدم لکھنؤ، ۲۷ لاٹوش روڈ سے یکم اکتوبر ۱۹۱۶ء کو یہ روزانہ اخبار نمودار ہوا۔ یہ مضمون پر لکھتا تھا بہ تعالب دعوی ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ بارہ روپے تھا، نثر المطابع محلہ مولوی گنج میں طبع ہوتا تھا۔ سرورق پر جناب اکبر الہ آبادی کا یہ قطعہ درج ہوتا تھا ؎

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو
حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر
لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی خبروں کے ساتھ شذرات اور نوٹس بھی شائع ہوتے تھے اس کا اجرا ایسے پُرآشوب زمانہ میں ہوا جبکہ ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم کے اثرات تھے، ہندوستانی اخبارات کے لیے سخت قانون نافذ تھا، ذرا ذرا سی بات پر ضمانت ضبط کر لی جاتی تھی اور مقدمات دائر ہو جاتے تھے ایسے حالات میں اس اخبار نے اپنی آزادانہ پالیسی کو برقرار رکھا اور اپنے ضمیر کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں لکھا اور نہ ملکی و قومی مفاد کو نظر انداز کیا۔

اخبارات کو پریشان کرنے کی مختصر سی داستان ۸ فروری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں پڑھیے کس طرح اخبار کسان سے ضمانت طلب کی گئی "نہایت افسوس ہے کہ معاصر کسان" لاہور سے جس کو ہمارے مخدوم مولانا عبداللہ العمادی بڑی قابلیت و لیاقت کے ساتھ چلا رہے ہیں صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کی ہے

اور تاریخ مقررہ تک اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہ ہو سکنے کے باعث
منتظمین کو عارضی طور پر اخبار کی اشاعت روک دینی پڑی ہے
خدا کرے یہ خبر یہ تعطیل چند روز سے زیادہ کی ثابت نہ ہو، اور
اردو جرنلزم "کسان" جیسے لائق ہمعصر کی کمی ایک شدید نقصان ناشعفا
پڑے طلبی ضمانت کی وجہ کسان کو اس کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوئی ہے
کہ حال میں اس کی ملکیت سردار عبدالرحمٰن صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر نہر
سے سردار حبیب اللہ صاحب بیرسٹر لاہور اور مولوی غلام محی الدین بی اے
وکیل قصور پر منتقل ہوئی اور اس کی وجہ سے ڈکلریشن دینے کی نوبت
آئی وہ ڈکلریشن اگرچہ پہلے بلا طلبی ضمانت لے لیا گیا تھا لیکن اب
صاحب ضلع نے اسی نئے سلسلہ میں ایک ہزار روپیہ ضمانت داخل
کرنے کا حکم دیا۔ ملکی پریس ایکٹ کی رو سے صاحب ضلع کو اس کا
اختیار حاصل ہے کہ کسی نئے مطبع کو خواہ شروع میں ضمانت سے
مستثنیٰ کر دیں مگر بعد میں جب چاہیں اس سے ضمانت مانگ لیں لیکن
اس اختیار استعمال کرنے کے لئے کچھ وجوہ ضرور محرک ہونے چاہئیں
اور کسان لکھتا ہے کہ صاحب موصوف نے اس کے رویہ کی بابت
گورنمنٹ کو کوئی شکایت نہ ہونے کا اظہار کیا۔ پھر سمجھ میں نہیں
آتا کہ ضمانت مانگنے کی ضرورت کس بنا پر محسوس ہوئی، درحقیقت
پریس ایکٹ کی سخت ناگوار خصوصیت یہی ہے کہ وہ ارتکاب
قصور سے پہلے ہی لوگوں سے مجرمانہ ارادے منسوب کر دیتا ہے۔

اخبارات پر سختی کا یہ عالم تھا کہ نئے اخبارات جاری ہونے
بند ہو گئے تھے چنانچہ ۶ ار جنوری ۱۹۱۶ء کے شمارہ میں اسی سختی کا

یہ نقشہ کھینچا ہے۔

تھوڑے عرصہ قبل تک یہ بات نئے سال کی خوشگوار خصوصیات میں داخل سمجھی جاتی تھی کہ اس کے ساتھ ملک کے ورنیکلر پریس کی طاقت میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا تھا اور دو چار جدید یوقتت الشیوع پرچے عموماً ہر سال ماہ جنوری میں نکلتے تھے۔ جن میں سے بعض تو اپنی ہستی کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوتے تھے اور بعض اپنی خلعت کی کمزوری سے کافی نشوونما حاصل کرنے کا موقعہ نہ پاکر یا کسی حادثہ کا شکار ہوکر چند ہی ہفتے بعد ملک عدم کی راہ لیتے تھے۔ اور بے کھلے مرجھانے والے غنچوں کی حسرت انگیز قسمت یاد دلاتے تھے لیکن بہ حیثیت مجموعی ہر ایک نیا سال ملکی پریس کی حالت میں کچھ نہ کچھ ترقی و اصلاح ضرور کرتا تھا۔ اور اسی تناسب سے پبلک کو اپنے جذبات کی ترجمانی اور حقوق کی حمایت اور گورنمنٹ کو رعایا کی ضروریات سے آگاہی اور عوام کے خیالات سے واقفیت ہونے کا فائدہ پہنچتا تھا۔ لیکن آج کل ایک طرف پریس ایکٹ کی سہ گیری اور دوسری جانب کاغذ و سامان سطبع کی غیر معمولی گرانی نے خود پرانے اخباروں کی زندگی کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے پھر کوئی شخص نیا پرچہ نکالنے کی بھلا کیا جرأت کرسکتا ہے۔ چنانچہ آج نئے سال کا اول مہینہ نصف کے قریب ختم ہوچکا ہے۔ لیکن ابھی تک ایک ماہانہ مذہبی رسالہ العرفان کے سوا جنوبی ہند کے دور افتادہ مقام بنگلور سے نکلا ہے۔

آزادی کی تحریک کو دبانے کے لئے ہندوستانی رہنماؤں پر حکومت

برطانیہ نے بڑی زیادتیاں کیں ان پر غلط الزام لگا کر نظربند کیا
چنانچہ یہی سلوک مولانا ابوالکلام آزاد کے ساتھ کیا گیا جس پر اخبار
ہمدم نے ۲۲ فروری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں روشنی ڈالی ہے۔

"مولانا ابوالکلام آزاد ایڈیٹر البلاغ کی جو وقعت مسلمانان ہند
کے دلوں میں ہے ان سے گورنمنٹ بے خبر نہ ہوگی وہ علوم اسلامیہ
کے ایک جید فاضل اور اعلیٰ درجے کے انشاء پرداز و مفکر ہونے کے
علاوہ ایک نہایت بزرگ شیخ کے اکلوتے بیٹے اور جانشین ہیں مولانا ابوالکلام
کے والد ماجد مولانا خیرالدین احمد مرحوم ایک بڑے خدا رسیدہ بزرگ
تھے جن کے مریدین و معتقدین کی تعداد ہزاروں تک پہنچتی ہے اور وہ
تمام ہندوستان میں پھیلے ہوئے ہیں۔ مولانا ابوالکلام نے اپنے والد
کی زمانے کے بعد ان کی تمام خدمات اپنے سر لیں اور درس و
تدریس کے علاوہ سالکین کی مقصد برآری میں مشغول ہوئے کلکتہ میں
جہاں مولانا ابوالکلام کے والد اور خود ان کے مریدوں کی تعداد نسبتاً
زیادہ ہے اور ان کی کچھ جائداد بھی ہے ان کا سلسلہ درس و ہدایت
خاموشی سے جاری تھا۔ اور عام اہل اسلام کو فیض پہنچانے کے لئے
انھوں نے ایک مذہبی رنگ کا اخبار بھی نکال رکھا تھا کہ یکایک گورنمنٹ
بنگال کا ایک حکم ان کے نام پہنچا جس میں انھیں حدود بنگال سے
باہر چلے جانے کی ہدایت کی گئی، مولانا ابوالکلام نے اس حکم کی نہایت
خاموشی سے تعمیل کی اور اپنے مریدین و معتقدین کو صبر و ہدایت فرمائی
اور چھوٹا ناگپور کے دور افتادہ مقام رانچی میں جا کر مقیم ہو گئے لیکن
وہاں کی پولیس نے ان سے سمجھوتہ کیا تھا اس کی شرائط پر برابر

عمل کرتے رہے مسلمانان کلکتہ کو مولانا کے جانے سے بہت رنج ہوا اور ۶۰ ہزار مسلمانوں کے دستخطوں سے ایک میموریل گورنمنٹ بنگال کی خدمت میں بھیجا گیا، جس میں اس حکم پر نظر ثانی کی درخواست کی گئی تھی، اس کے بعد وہاں کے بعض مسلمان لیڈروں اور سرکاری عہدہ داروں میں جو گفتگو ہوئی اس سے پایا گیا کہ بنگال گورنمنٹ اپنے سابق حکم میں ترمیم کرا کے اور مولانا ابوالکلام آزاد کو کلکتہ واپس آنے کی اجازت دینے کے لئے آمادہ ہے لیکن اسی اثنا میں بہار اور اڑیسہ کی گورنمنٹ نے دفعتہ مولانا کی نظر بندی کا حکم صادر فرمایا۔ اور ایک سرکاری کمیونک میں جو اس کے بعد شائع ہوئی ظاہر کیا گیا کہ مولانا ابوالکلام گورنمنٹ کے دشمنوں سے سازشی خط و کتابت کرتے تھے اس پر مولانا نے ایک عرضداشت گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجی جس میں اس الزام سے اپنی کامل بریت ظاہر کی اور گورنمنٹ سے وہ وجوہ دریافت کیں جن کی بنا پر یہ الزام لگایا گیا ہے۔"

کلکتہ کے ایک ضعیف العمر رہنما نے بھی قربانی دینے سے گریز نہیں کیا ۲۸ر جولائی ۱۹۱۶ء کے شمارہ میں ان کی گرفتاری پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔

"جوان ہمت مولوی لیاقت حسین باوجود کبر سنی و ناتوانی کے برابر سودیشی کام میں مصروف ہیں اور چونکہ کلکتہ میں کئی سال سے متواتر ان کو تقریروں کی ممانعت کی جاری ہے اس لئے وہ دیگر مقامات میں جا کر اپنی سرگرمی کا اظہار کرتے ہیں سال گذشتہ مولوی صاحب موصوف نے بانکوڑہ کے قحط زدگان کی امداد کے لئے جن میں

ڑا حصہ میانوں کا تھا۔ کلکتہ سے معقول چندہ جمع کیا اور خود وہاں جاکر
پڑا اور غلہ تقسیم کرایا اب ڈھاکہ سے ان کے گرفتار ہونے کی خبر آئی
ہے اور غالباً یہ گرفتاری قانون تحفظ ہند کے ماتحت کی گئی ہے ہمیں
تعجب ہے کہ بوڑھے مولوی لیاقت حسین اپنی تقریروں سے ڈھاکہ میں
حفظ عامہ کے لئے کوئی "وجہ مضرت" پیدا کر سکتے ہیں جناب پسندیدہ
گورنر بنگال گاؤں میں چکر لگا کر غریبوں سے بہ نفس اتصال کر کے
لوگوں کا دل اپنے ہاتھ میں لے رہے ہیں یا کلکتہ سے ایک اور ہر دلعزیز
عالم مولوی امام الدین بھی اواخر ۱۹۱۵ء میں گرفتار کر کے دارجلنگ بھیجے
جا چکے ہیں اور ان کی بابت وقتاً فوقتاً کئی منحوس افواہیں اڑتی رہی
ہیں، جن کی خبریں غلط ثابت ہوئیں اور ان کے بخیریت ہونے کی
خبر ملی، کلکتہ میں مولوی لیاقت حسین کا طلبا پر اور مولوی امام الدین کا
ملوں کے مزدوروں پر غیر معمولی اثر ہے۔"

۱۰ر اگست ۱۹۱۷ء کے پرچہ میں مولوی لیاقت حسین کی
سزا یابی کی خبر چھپی ہے۔

" مولوی لیاقت حسین صاحب جن پر اس الزام پر مقدمہ چلایا
جا رہا تھا کہ انھوں نے لوگوں کو فوج میں بھرتی ہونے سے روکا
زد اقرار داد جرم لگا دی گئی اور قانون تحفظ ہند کی دفعہ ۲۳ کے تحت
دو سال کی قید بامشقت کی سزا دی گئی۔"

مولوی لیاقت حسین صاحب کی گرفتاری پر ۱۰ر اگست ۱۹۱۷ء
کے شمارہ میں ایک نوٹ لکھا گیا

" مونس ہمعصر بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار نے مولوی لیاقت حسین

کے جرم اور گرفتاری کی تفصیلات شائع کی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا نام بحیثیت ایک بہادر سودیشی لیڈر کے صوبہ بنگال کے بچہ بچہ کی زبان پر ہے، سودیشی تحریک کے بارے میں چار سال پیشتر بھی آپ سے اور گورنمنٹ بنگال سے مخالفت ہوچکی ہے مولوی صاحب ایک شریف مسلمان خاندان سے ہیں اور ان کی جرأت اور استقلال کا ثبوت اس سے بڑھکر نہیں ہوسکتا کہ باوجود ایک مرتبہ مصیبت اٹھا چکنے کے بھی آپ پبلک لائف سے علٰحدہ نہیں ہوئے اور پولس تو ایسے لوگوں کو کبھی قبول ہی نہیں کرسکتی۔ لیکن افسوس ہے کہ اس دفعہ تیرہ سال کے لئے اپنی آزادی سے محروم ہوچکے ہیں لیکن پھر بھی سودیشی کے متعلق ان کی تحریک روز بروز ترقی کررہی ہے"

اس اخبار میں محب وطن، انقلابی سینیرل، ادیبوں، شاعروں اور علماء کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا ان حضرات کی وفات پر تاریخی قطعے اور ان کے مختصر حالات بھی شائع ہوتے تھے، ۱۲ر اپریل ۱۹۱۱ء کے شمارے میں مرزا آوج کی خبر شائع ہوئی ہے۔

مرزا دبیر مغفور کے خلف الرشید و یادگار جناب مرزا محمد جعفر صاحب آوج کا رشتہ حیات پرسوں ۱۰ر اپریل ۱۹۱۱ء کو ۵ بجے شام کے منقطع کردیا، آپ کچھ عرصہ سے بعارضہ استسقاء علیل تھے۔ لیکن ان کے تلامذہ و احباب کو اس کا خیال تھا کہ دائمی مفارقت کا وقت قریب آگیا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ مرتے دم تک آپ کے حواس قائم رہے اور آپ عزیزوں کو وصیت و تلقین فرماتے رہے وصیت کے بموجب اسی روز شب کو باغ میں غسل دیا گیا اور اپنے حسب وصیت

گی مرزا دبیر مرحوم میں اپنے والد کی بغل میں مدفون ہوئے باوجود خبر نہ دیتے جانے کے سیکڑوں آدمی جنازہ کے ساتھ تھے اور دوسرے روز سے قبر پر فاتحہ خوانوں کا ہجوم رہتا ہے مرزا اوج مرحوم کا سن وفات کے وقت ۶۵ سال کا تھا اندازاً ۲۵ سال کی عمر تک اپنے اپنے والد ماجد مرزا دبیر مغفور سے فن مرثیہ گوئی سبب اکتساب کمال کیا تھا ان کی وفات کے بعد ان کے قدردان آپ سے رجوع لائے اور مثل برتح ہیں تب، اور مغفور اور حیدرآباد میں حضور نظام مرحوم نے خاص توجہ کے ساتھ آپ کو سنا۔ نواب امام باندی بیگم صاحبہ زینبیہ کی سرکار سے کئی ہزار سالانہ کا وظیفہ خاندان دبیر کے لئے نسلاً بعد نسل مقرر ہے اور ریاست رامپور اور بعض دوسری ریاستوں سے بھی اسی قسم کی مستقل قدردانی عمل میں آتی رہی لیکن مرزا اوج مرحوم اپنے والد مرحوم کی مانند بے حد غیور تھے ہمیشہ کمال سادگی کے ساتھ اپنی اوقات بسر کرتے تھے آپ بڑے پابند صوم و صلوٰۃ عقیدہ کے ایسے بے بدل مضبوط کہ ان کا مدحیہ و نعتیہ کلام سن کر ضعیف الاعتقاد کامل العقیدت ہو جائے اخلاق کی ایک مجسم تصویر تھے انکسار ہر وقت، تواضع و مدارات میں بے حد سیر چشم، خودداری و غیوری تو خاص و دعیت ہوئی تھی، ہزاروں کی پیش کش ضد کرکے واپس کردی، البتہ اتحاد و مراسم محبت کے ایسے مستقل کہ اگر دوست کے گھر میں علالت یا کسی حادثہ کے واقع ہونے کی خبر سن پاتے تھے تو اس کے ہاں مزاج پرسی کے لئے خود آجاتے تھے۔

۵ رمئی ۱۹۱۷ء کے پیسے میں مرزا اوج کی یہ تاریخ وفات شائع ہوئی ہے

افسوس جانشینِ دبیر آوجؔ اٹھ گئے
مدت سے تھا شکارِ مرضِ لاعلاج ہائے
اپریل کی تھی ہژدہم قبل وقت شام
واحسرتا بنا ہوا بگڑا مزاج ہائے
عشرتؔ نے سالِ فوت نکالا ہے عیسوی
منبر بغیر آوجؔ ہے بے رونق آج ہائے
۱۹۱۷

مولانا بدرالاسلام کیرانوی نبیرہ حضرت العلامہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے انتقال کی خبر ۲۸ ستمبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپی کئی رہنمائی کے چاند پہلے ہی نظروں سے غائب ہو چکے تھے آج ایک اور علم و فضل کا بدر قبر میں نہاں ہو گیا۔ یہ بدر تقریباً دو سال سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں طلبا کو اپنی علمی کرنوں کا فیض پہنچا رہا تھا امسال جب دار العلوم میں سالانہ تعطیل ہوئی تو وہ اپنے وطن کیرانہ میں جا کر درخشاں ہوا لیکن افسوس ہمیں معلوم نہ تھا کہ اب ہم اس کی روشنی سے فیض نہ اٹھا سکیں گے۔ آپ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی کے بھتیجے تھے بارہ سال کی عمر میں آپ مکہ معظمہ تشریف لے گئے اور وہاں صولتیہ مدرسہ میں تعلیم پائی جب ہر فن میں کامل ہو گئے تو اپنے وطن واپس آئے شادی کی یہاں کچھ مدت رہنے کے بعد پھر آپ قسطنطنیہ تشریف لے گئے اور سلطانی کتب خانہ میں پانچ سو روپے تنخواہ پر ایک عہدہ دار ہو گئے۔ وہاں آپ نے خوب کتب بینی کی۔ جب زمانے نے سلطان عبد الحمید خاں کے خلاف کروٹ بدلی تو آپ بھی استعفا دیکر

ہندوستان چلے آئے دو سال سے آپ انتہائی نفس کر کے ہم طلبار کو اپنے علمی سرچشمہ سے سیراب فرماتے رہے یہاں آپ فقیہ اول تھے مگر ہر علم وفن میں آپ کامل دستگاہ رکھتے تھے خاص کر علم، نقہ، ادب، سیرت جغرافیہ تاریخ میں منتہی درجوں کی قابلیت تھی نیز ترکی، بسنی، روسی، لاطینی یونانی اور انگریزی زبانوں سے واقف تھے آپ صرف علم ہی کا سرچشمہ نہ تھے بلکہ اخلاق کا بھی گنجینہ تھے۔ ایک اجنبی شخص کو آپ کا صحبت وخلوص کا برتاؤ فوراً گرویدہ کر لیتا تھا آپ نے ساٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔ (ضیائے دار العلوم ندوہ)

مولوی بشارت علی جاذب | میر بشارت علی صاحب غالب دہلی کے رہنے والے تھے، سید نقوی خاندان سے تعلق تھا، یہ خاندان ہندوستان آنے کے بعد مغلیہ بادشاہوں کے دربار سے وابستہ ہو گیا تھا اور معزز عہدوں پر سرفراز ہوا تھا، اس لئے جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے بعد اس خاندان کو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا اور جو تباہی و بربادی سے بچے رہے ان کا نہ کوئی ذریعہ معاش رہا تھا، نہ رہنے کے لئے کوئی ٹھکانا۔ غالب صاحب کے والد ماجد سید حبیب اللہ نے شال دوزی کو اپنے اور متعلقین کی شکم پروری کا ذریعہ بنایا۔

میر غالب ۱۸۷۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے، پیدا ہونے کے ڈیڑھ دو سال بعد خاندان کی مالی حالت انتہائی خراب ہو گئی تھی، اور عسرت و غربت نے گھیر لیا تھا لیکن تعلیم و تربیت کی یہ صورت نکل آئی کہ جناب صاحب عالم مرزا مغل صاحب خلف مرزا احمد بخش ولد مرزا محمد بخت ابن حضرت اکبر شاہ ثانی جو خاندانِ تیموریہ کے وظیفہ

خوار تھے ادران کے والد مونس دلم گ رتھے اور پیدائش کے وقت ہی سے ان کے حال پر التفات کرتے تھے اوران کی اہلیہ جن کو بہ استانی جی کہتے تھے جنھوں نے اولاد کی طرح پرورش وتربیت کا ذمہ لیا تھا ان کے ہاں دو سوا دو برس کی عمر میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے چلے گئے شاہزادوں کے ہاں کی پرورش وتربیت نے ان کی زبان واخلاق پر بہت بڑا اثر ڈالا اور قدامت کا ایک گہرا رنگ طبیعت پر چڑھ گیا۔

صاحب عالم بہادر نے قاعدہ بغدادی اور پارہ عم پڑھانے کے بعد ان کو اردو شروع کرائی، جس وقت انھوں نے پرانی اردو کی پہلی کتاب ختم کی اس وقت دوسری، تیسری اور نصف چوتھی اور تیسری کے وقت آخری نصف چوتھی اور تہائی باغ وبہار ان کو قریب قریب حفظ ہوگئی تھی۔ کیونکہ اسی گھر میں ان سے بڑی عمر کا لڑکا ان کتابوں کو پڑھتا تھا اور یہ اس کے سبق غور سے سننے کی وجہ سے ذہن ودماغ میں محفوظ کر لیتے تھے۔ صاحب عالم نے ان کو قدیم طریقہ سے فارسی شروع کرائی اور دستور الصبیان ختم کرا کے کے بعد پہلے ان کو عربی اسکول کی شاخ اور وہاں سے اٹھ جانے پر کلاں محل کے اسکول میں جہاں نارمل کے ساتھ میں ماڈل کلاسیں تھیں۔ پڑھنے بھیجا، اردو فارسی جانتے، اور تحریر کی مشق رکھنے کی وجہ سے ان کو ایک دم تیسری لوئر کلاس میں داخل کیا گیا اور آٹھ نو مہینے کی پڑھائی کے بعد انھوں نے تیسری جماعت کا امتحان پاس کر لیا، جس کے بعد یہ اینگلو عربک ہائی اسکول میں داخل ہوئے اور سال بہ سال

ترقی کرکے چودہ سال کی عمر میں انھوں نے پنجاب یونیورسٹی کا امتحان
مڈل جنوری ۱۸۹۸ء میں اور ۱۶ سال کی عمر میں انٹرنس کا امتحان
۱۹۰۱ء میں پاس کرلیا۔ یہ جماعتیں اسی وقت سے عربی اسکول
میں کھولی گئی تھیں۔ عربی تعلیم کے دوران ان کو جماعت اول مڈل سے
جماعت پنجم ہائی کلاس تک برابر وظیفہ ملتا رہا اور علاوہ دیگر استادوں
کے جناب شمس العلما مولانا الطاف حسین حالی، خان بہادر خواجہ
تصدق حسین صاحب جج عدالت عالیہ خفیفہ دہلی سے نہ صرف اسکول
میں بلکہ پرائیویٹ طور پر ان کے گھر پر جاکر پڑھنے کا بھی فخر حاصل ہوا۔ اسی
اثنا میں فارسی کی تعلیم پہلے صاحب عالم بہادر کے ہاں اور پھر جناب مولوی اشرف
علی صاحب خاندانی معلم شاہی بھوپال جاری رہی، جہاں قدیم درس کی انھوں
نے تمام کتابیں ان سے اور ان کی حسب ہدایت اہل کا لستہ استاد سے
پڑھیں اور عربی کی جناب مولوی محمد اسحٰق صاحب مدرس فلسفۂ الہیات
دارالعلوم مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے پائی۔ جس کا یہ اثر تھا
کہ سنٹ اسٹیفن مشن کالج دہلی میں داخل ہونے کے بعد ان کو فارسی پڑھنے
کی ضرورت نہ رہی اور سابقہ استعداد و قابلیت کی وجہ سے انھوں نے
یہ اسانی امتحان پاس کرلیا۔ مگر افسوس ہے کہ کالج میں ان کو اپنی تعلیم
مکمل کرنے اور گریجویٹ بننے کا موقعہ نہ ملا۔ اور ایف، اے تک تعلیم
پاکر کالج چھوڑنا پڑا۔ تعلیم پانے کے بعد کمشنری میرٹھ میں ملازم ہوگئے
یہ ملازمت زیادہ دن نہیں چلی علیحدگی اختیار کرلی۔

لٹریری لائن میں آنے کا سلسلہ نظم سے شروع ہوا اور بارہ تیرہ
سال کی ہی عمر میں ایک ہم جماعت کے مشورہ سے کچھ اشعار موزوں کرکے

حضرت مجروح کی خدمت میں گئے۔ دو سال بعد حضرت مجروح نے اپنی پیرانہ سالی کی وجہ سے اور ان کی طبیعت کا رنگ دیکھ کر ان کو حضرت داغ سے استفادہ کی صلاح دی۔ چونکہ خاندانِ شاہی کے تعلق کی وجہ سے استاد سے ان کے حال پر مہربان تھے اس لئے انھوں نے ان پر خاص توجہ دی جو حضرت داغ کی وفات کے وقت تک قائم رہی۔

شعر و شاعری کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک تقریب میں سید میر حسن رضوی مالک اخبار خیر خواہ عالم دہلی سے جناب صاحب کو نیاز حاصل ہوا وہاں سید نثار علی شہرت ایڈیٹر اخبار پنجاب نے ان کو مضمون نگاری پر مائل کیا۔ اور جناب حاذق الملک حکیم اجمل خاں صاحب نے غیر معمولی حوصلہ افزائی کر کے اکمل الاخبار ان کے سپرد کر دیا۔ اس کے تھوڑے عرصہ کے بعد انھوں نے اودھ اخبار لکھنؤ میں مضمون لکھنے شروع کئے اور جناب منشی نول کشور صاحب لارڈ صاحب کے ساتھ میرٹھ آئے کے بعد ان کو اپنے ہمراہ لکھنؤ لے گئے۔ اور آپ کا اخبار سے تعلق منشی نول کشور صاحب کی وفات کے وقت تک رہا۔ پھر آپ حیدرآباد دکن گئے۔ یہاں اخبار دکن گزٹ کی اسسٹنٹ ایڈیٹری پر مامور ہو۔ وہاں سے شیخ غلام محمد صاحب ایڈیٹر وکیل امرتسر نے آپ کو بلا کر ۱۸۹۶ء میں چھ سات مہینے تک اخبار پنجاب امرتسر کی ایڈیٹری اس امید و توقع پر کرتے رہے کہ اس کے مالک اس کو روزانہ کر دیں گے جب یہ امید پوری نہ ہوئی تو جناب محبوب عالم نے اپنا پیسہ اخبار روزانہ کر کے اس پر مقرر کیا۔ جب پیسہ اخبار روزانہ بند ہو گیا تو اس دوران میں تین سال برابر دہلی اور میرٹھ میں رہے اکتوبر ۱۹۰۷ء سے مارچ ۱۹

تک روزانہ اخبار شریف لاہور کو ایڈٹ کیا اور اکتوبر ۱۹۰۸ء سے اکتوبر ۱۹۱۰ء تک پھر سے دو سال اخبار وکیل امرتسر کی ایڈیٹری

بقول میر جالب

"اپنی زندگی میں مجھے سر سید مغفور، مولوی سمیع اللہ خاں مرحوم، شمس العلماء مولانا حافظ مولوی نذیر احمد مرحوم دہلوی، شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی مرحوم اور خاں بہادر شمس العلماء منشی محمد ذکاء اللہ دہلوی سے بھی تعلیم و استفادہ کا موقع ملا اور اس کا میری اخبار نویسی پر کچھ نہ کچھ اثر پڑا۔"

رئیس الاحرار حضرت مولانا محمد علی جوہر نے ۲۳ فروری ۱۹۱۳ء کو اخبار ہمدرد دہلی سے جاری کیا تو اس میں جالب کا کام نمایاں تھا ۱۹۱۵ء میں جب اخبار ہمدرد بند ہوا تو اس وقت جالب صاحب ہمدرد کے ایڈیٹر اور قاضی عبدالغفار اسسٹنٹ ایڈیٹر تھے چنانچہ ۸ ستمبر ۱۹۱۵ء کے مخبر عالم مراد آباد میں ہمدرد کے بند ہونے کی خبر شائع ہوئی تو اس میں ہر دو حضرات کا ذکر ہے۔

"ہمدرد دہلی ۰ ار اگست گذشتہ سے بند ہو کر اب تک نہیں نکلا۔ ہمدرد کا شائع ہونا قریباً ناممکن ہے یقیناً اب سید جالب کسی اور اخبار کی ایڈیٹری کریں گے اور منشی عبدالغفار صاحب اسسٹنٹ ایڈیٹر اپنے وطن مراد آباد واپس آگئے۔"

جالب صاحب کو پیسہ اخبار میں ساٹھ روپیہ مہینہ ملتا تھا۔ لیکن ہمدرد میں ڈھائی سو روپے ملنے لگا۔ ہمدرد سے علیحدہ ہونے کے بعد جالب صاحب نے اکتوبر ۱۹۱۶ء کو روزنامہ ہمدم لکھنؤ سے جاری

ہوا تو اس کی ایڈیٹری کی ذمہ داری جالب صاحب کو سونپی گئی، یہ اخبار مسلم لیگ کا آرگن تھا۔ لالہ مہاراجہ صاحب محمود آباد کی ملکیت میں تھا جنھوں نے اس کی نگرانی اور انتظام کے لئے مشہور و کامیاب تاجر خان بہادر سید احمد حسین صاحب رضوی کے سپرد کر دیا۔ خان بہادر صاحب نے اخبار کا چارج لیتے ہی اخبار کی پالیسی میں مداخلت شروع کر دی جس کو جالب صاحب برداشت نہیں کر سکے، آخر کار انھیں ہمدم کی ادارت سے ۱۹۲۸ء میں بادلِ ناخواستہ استعفیٰ دینا پڑا۔ اور نصراللہ خاں بی اے اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ جالب صاحب کی تبدیلی ایڈیٹری پر اخبار ہمدرد دہلی نے ۳۰ نومبر ۱۹۲۸ء کے شمارے میں تبصرہ کرنے کے بعد ان کی خدا داد قابلیت کا اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے پہلی جنگ عظیم کے دوران جبکہ پریس ایکٹ کی زد سے کوئی آزاد خیال اخبار بچ نہ سکا، ہمدم کا آزادانہ پالیسی کے ساتھ اس کے شکنجہ سے بچ جانا، جالب صاحب کی قابلیت اور پختہ کاری کی وجہ سے تھا۔ عنوان تھا: ''ہمدم کی ادارت''

سنہ ۱۹۱۶ء کا زمانہ ہندوستان میں صحافت کے لئے ایسا گزرا کہ پریس ایکٹ اور قانون تحفظ ہند کی وجہ سے بہت کم لوگوں کو ایک آزاد خیال اخبار نکالنے کی جرات ہوتی تھی یہ وہ زمانہ تھا جبکہ عوام میں اخبار بینی کا کافی سے زیادہ شوق پیدا ہو گیا تھا، ہمدرد کے بند ہو جانے کے بعد سے شمالی ہند میں مسلمانوں کا کوئی اخبار نہ تھا۔ کلکتہ اور الٰہ آباد سے صداقت ترجمان اور نئی روشنی کے نام سے روزانہ اخبار نکلے۔ لیکن حکومت کے جابرانہ قانون نے انھیں زیادہ عرصہ تک زندہ نہ رہنے دیا

ٹھیک اسی پُر آشوب زمانہ میں لکھنؤ سے ہمدم نکالا گیا اور سید جالب صاحب
نے اس کی عنانِ ادارت اپنے ہاتھ میں لی، جالب صاحب چونکہ
تقریباً بیس سال صحافت کا تجربہ رکھتے تھے اس لئے انہوں نے ہمدم
کو جس کامیابی سے نکالا، شاید اس زمانہ میں مشکل سے کسی اردو کو کامیابی
نصیب ہو سکتی تھی۔ یہ جالب صاحب کی پختہ کاری اور قابلیت کا نتیجہ تھا
کہ ہمدم نے جنگ کے ہیجان خیز زمانہ کو بغیر کسی ضمانت وغیرہ کے گزار دیا
اس کے بعد تحریک ترک تعاون کا انقلاب انگیز زمانہ آیا۔ تو اس میں
ہمدم کی گذشتہ ساڑھے بارہ سال کی زندگی اردو صحافت میں ایک
ایسی کامیاب زندگی ہے جو بہت کم اخباروں کو نصیب ہوئی ہے جس
پر سید جالب صاحب بجا طور پر مستحق مبارکباد ہیں۔ ہمدم کو اس
طرح سے کامیابی کے ساتھ چلانے کے بعد جالب صاحب کا اس کی ادارت
سے سبکدوش ہونا تعجب نہیں ہے کہ اس کی اشاعت پر بھی اثر پذیر ہو۔
لیکن ہمدرد کی دعا ہے کہ ہمدم جس طرح سے صوبجات متحدہ کے مسلمانوں
کی ضروریات کا عموماً اور باشندگان اودھ کے جذبات و حسیات کا خصوصاً
اندازہ کر کے اب تک قابلِ اطمینان طریقہ سے ان کی خدمت کرتا ہے
اب کرتا ہے اور نصر اللہ خاں صاحب بی اے (جامعہ) کے ہاتھوں ہمدم
میں وہ نئی روح پیدا ہو جس کی ہر نوجوان سے بجا طور پر توقع کی جا سکتی ہے

لکھنؤ کے قیام کے دوران جالب صاحب نے ادبی سوسائٹیاں
قائم کیں جس میں ایک مسلم اکاڈمی بھی تھی۔ اس کے بانیوں میں آپ کا
شمار تھا۔ جب آپ ہمدم سے مستعفی ہو گئے تو اس اکاڈمی کی طرف
سے رخصتی دعوت دی گئی۔ اس دعوت کی خبر ۹/ستمبر ۱۹۲۸ء کے

ہمدرد دہلی میں شائع ہوئی۔

گذشتہ ہر دسمبر کو ۴ بجے شام کو ڈاکٹر محمد عبدالرحمٰن صاحب ایم اے پی، ایچ ڈی پروفیسر لکھنؤ یونیورسٹی اور صدر مسلم اکادمی نے سید جالب صاحب دہلوی سابق ایڈیٹر ہمدم، کو اپنی کوٹھی واقع بادشاہ باغ میں ایک شاندار الوداعی ایٹ ہوم دیا جس میں مسلم اکادمی کے کل ارکان مدعو تھے چائے نوالکات انگریزی اور ہندوستانی مٹھائیوں اور اسی قسم کی دیگر لذیذ نمکین اور شیریں چیزوں سے مہمانوں کی بڑے پیمانہ پر تواضع کی گئی۔ مجمع بھی کافی تھا۔ اور بڑی دلچسپ صحبت تھی۔ مگر ہر شخص سید جالب صاحب کے لکھنؤ سے قطع تعلقات کو محسوس کر رہا تھا۔ چنانچہ بعد نماز مغرب مولوی صبغت اللہ صاحب شہید انصاری کی تحریک اور مولانا خلیل بن محمد عرب صاحب لکچرار لکھنؤ یونیورسٹی کی تائید سے حسب ذیل تجویز بالاتفاق منظور ہوئی

مسلم اکادمی کا یہ غیر معمولی جلسہ فاضل محترم جناب سید جالب صاحب اظہار کرتا ہے اور اس کا نہایت خلوص سے اعتراف کرتا ہے کہ سید جالب صاحب اکادمی کے ان بانیوں میں ہیں جن کے علمی فیوض سے اکادمی برابر مستفید ہوتی رہی ہے۔ ان کی اس جدائی کو یہ جلسہ لکھنؤ کے علمی اور ادبی حلقوں کے لئے ایک نقصان عظیم تصور کرتا ہے اور امید کرتا ہے کہ سید صاحب اپنی علمی کمالات سے نہ صرف قوم و ملک کو مستفید کرتے رہیں گے بلکہ اس ہنگامی جدائی کے باوجود اکادمی سے اپنے تعلقات بدستور قائم رکھیں گے۔

کل حاضرین سید جالب صاحب کے پھر لکھنؤ سے چلے جانے اور ان کے خلاف امید جدائی سے متاثر و متاسف تھے، جلسہ کے ان خاموش

خدمات کی ترجمانی اور جالب صاحب کی علمی ، ادبی ، اور قومی خدمات کا شہید صاحب اور مولانا خلیل عرب نے بالترتیب اپنی تحریک و تائید کی تقریروں میں تفصیلی ذکر کیا ۔ آخر میں سید جالب صاحب نے ایک مختصر مگر پُردرد تقریر میں ڈاکٹر ندال الرحمٰن صاحب کی میزبانی اور ارکان اکادمی کی ممنونت کا شکریہ ادا کیا اور یقین دلایا کہ تا امکان وہ ان خواہشوں کی تکمیل کی کوشش کریں گے ، سید جالب صاحب اپنا مضمون " جنگ سوم پانی پت " آئندہ جمعہ تاریخ ۴ ار دسمبر ۱۹۲۸ء کی شام کو ۶ بجے رنگی محل میں جناب مولانا عنایت اللہ صاحب کے یہاں پڑھیں گے ۔

نصراللہ خاں صاحب ہمدم کی ادارت سے ایک ہفتہ کے بعد ہی مستعفی ہو گئے تھے ان کے بعد محمد حامد حسرت کا تقرر ایڈیٹر مقرر ہوئے اخبار ہمدم سے علیحدگی کے صدمے کی تلافی کے لئے بعض احباب کی امداد اور مشوروں سے جالب صاحب نے ۱۴ مارچ ۱۹۳۰ء میں ایک روزنامہ " صحت " لکھنؤ سے جاری کر دیا تھا اور دوسرے دوستوں کے علاوہ جالب صاحب کے شاگرد رشید جناب انیس احمد عباسی ایڈیٹر حقیقت لکھنؤ نے اس نئے اخبار کے لئے سرمایہ کی فراہمی میں جہاں تک بن پڑا ان کی مدد کی ۔ جالب صاحب نے زندگی میں ہی اس اخبار کا انتظام اپنے صاحبزادے عشرت حسین کے سپرد کر دیا تھا ۔ جو جالب صاحب کے فوت ہونے کے بعد زیادہ دن نہیں چلا اور جلد بند ہو گیا تھا[۱]

---

[۱] سوغات نئی دہلی نئی ۱۹۵۵ء

میر صاحب کی معلومات کا ایڈیٹر اردو اخبارات کو اب تک اور کوئی میسر نہیں آیا، لکھنے والے میر صاحب سے بہتر آپ بنا سکتے ہیں، مگر صاحب معلومات میر صاحب جیسا نہیں بنا سکیں گے۔ میر صاحب صحیح معنوں میں اردو اخبار نویسی کے باوا آدم تھے۔ اور انتہائی سیدھے سادے، ہیر پھیر چھل سے پاک، سچی بات کہنے والے اور بے لاگ کہنے والا انسان تھے۔ لکھنے بیٹھتے تو لکھنے میں غرق ہو جاتے، شور و غل ان کے لکھنے میں خلل نہیں ڈالتا تھا۔ بولنا شروع کر دیتے تو انھیں خبر نہ رہتی کہ سنا بھی جا رہا ہے یا نہیں۔

رسالہ مولوی دہلی کے ایڈیٹر منشی عبدالحمید خاں ایک زمانہ میں ملّا واحدی صاحب کے مددگار تھے۔ ایک دن وہ کسی کام کے واسطے دفتر نظام المشائخ سے باہر گئے۔ میر صاحب اس وقت دفتر روزانہ ہمدرد جا رہے تھے۔ عبدالحمید صاحب نے ان سے کوئی سوال کیا کہ میر صاحب یہ بات کیوں کر ہے، بس دفتر کھل گیا، میر صاحب نے گردن نیچی کر کے نگاہ سڑک پر جمائی اور بولنا شروع کر دیا۔ دیر لگی تو منشی عبدالحمید صاحب جس کام کے واسطے نکلے تھے اسے کرنے چل دیے اور میر صاحب کو خبر نہیں ہوئی۔ واپس لوٹے تو میر صاحب کی تقریر جاری تھی۔ آخر عبدالحمید صاحب نے میر صاحب سے کہا میر صاحب تشریف لے جائیے میرا دفتر نظام المشائخ میں انتظار ہو رہا ہو گا اور آپ کا دفتر ہمدرد میں۔ امیر بخش صاحب کوچہ چیلان میں کاٹھ کباڑ کے ایک معمولی دکاندار تھے، میر صاحب کی اور ان کی بچپن کی دوستی تھی، میر صاحب دفتر ہمدرد جاتے ہوئے امیر بخش کے

ہاں لازماً پانچ منٹ کی ٹھیکی لیتے تھے لہ

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب جالب صاحب اخبار ہمدم کی ایڈیٹری لکھنؤ میں کر رہے تھے کہ ایک روز وہ کسی حلوائی کی دوکان پر کھڑے ہو گئے تھے، شوکت تھانوی پہنچ گئے۔ انھوں نے پوچھا کہ صاحب کیا خرید رہے ہیں۔ انھوں نے کہا حلوہ سوہن۔ اور وہ یہ کہکر گنانے لگے حلووں کے اقسام، انھوں نے حلووں کے اتنے اقسام بتائے کہ حلوائی دنگ ہوکر انکا منہ تکنے لگا اور لکھنؤ کے بے فکرے ان کے گرد جمع ہو گئے اور جب وہ اقسام گنا چکے تو یہ بتایا کہ حلوا سوہن کی ایجاد اس مقصد سے ہوئی تھی کہ اس کے جوڑ میں خالص گھی شہیر کر امرار کی ضیافت طبع کی جائے۔ اس کے بعد انھوں نے حلوہ سوہن کے موجد اور اس کے باپ دادا کے نام بتانا شروع کر دئے اور جب حلوہ سوہن کی تاریخ بتلا چکے تو بچپن سے لے کر آج تک کے تمام حلوہ سوہن بنانے والوں کے نام اور ان کی دکانوں کا محل وقوع بتا دیا۔ حلوائی دکان سے اتر پڑا۔ ان کے ہاتھ چومے اور کہا یہ حلوہ سوہن حضور کی نذر ہے میں دام نہیں لوں گا۔ اور گرد دپیش کے لوگ اس طرح داد دینے لگے کہ معلوم ہوا کہ مشاعرہ ہو رہا ہے۔

جوش ملیح آبادی صاحب کا کہنا ہے کہ ایک بار میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ سامنے سے ایک بلی گزری، بس یہ کہنا تھا کہ انھوں نے بلی نامہ شروع کر دیا۔ تمام دنیا کی بلیوں کے نام، اقسام اور ان کے مزاج وعلاج بتائے۔ دنیا میں سب سے پہلے کس نے بلی پالی اور اس کا نام بتایا اور بیان کرتے کرتے حضرت ابو ہریرہ تک آپہنچے لہ

لہ میرے زمانے کی دلی صفحہ ۴۸۹ لہ یادوں کی برات صفحہ ۱۴۱

میر صاحب صرف تحریر ہی میں کمال نہیں رکھتے تھے بلکہ تقریر میں بھی کمال رکھتے تھے اور بغیر کسی تیاری کے گھنٹوں بے تکان لکچر دے سکتے تھے[1]
پہلی جنگ عظیم ۱۹۱۴ء کے زمانے میں پریس ایکٹ نے اردو اخبارات کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ تقریباً کوئی اخبار اب نہ تھا کہ جس کی ضمانت ضبط نہ ہوئی ہو، ان پریشانیوں کے پیش نظر میر جالب صاحب نے آل انڈیا اردو پریس کانفرنس کی ۱۹۱۷ء میں بنیاد ڈالی صدر قاضی عبدالغفار صاحب اور سکرٹری میر جالب صاحب مقرر ہوئے اس کانفرنس میں آپ کی معرکۃ الآرا تقریریں ہوئیں، شعر کہنے کا آپ کو کم اتفاق ہوا۔ ایک مرتبہ ۱۹۰۸ء میں لاہور کے مشاعرہ انجمن اتحاد میں اپنی ایک غزل پڑھی تھی اخباری مصروفیتوں کی وجہ سے زیادہ نہیں کہہ سکے، انسان جب تفکرات اور پریشانیوں میں پھنس جاتا ہے تو وہ فطرتاً توہمات میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ہمت کے ادبار کے بعد ہی جالب صاحب کی پریشانیاں بڑھنے لگیں اپنے احباب سے ملتے تو اس کا اظہار کرتے کہ ان کے ستارے بہت خراب ہیں اسی زمانہ میں راجہ سلیم پور کے ایک بنگالی منیجر گھوش سے ان کی ملاقات ہوگئی جو علم نجوم اچھا جانتے تھے، جالب صاحب دو تین دفعہ ان کے مکان پر گئے گھوش صاحب کی بیوی مسلمان تھیں وہ میر صاحب کی بڑی خاطر تواضع کرتی تھیں گھوش صاحب خود بھی میر صاحب کی بڑی قدر کرتے تھے اپنی مالی مشکلات سے بہت پریشان ہو کر آپ نے مولانا قطب الدین

---

[1] اخبار نویسوں کے حالات صفحہ

عبدالوالی فرنگی محلی (قطب میاں) سے مشورہ کیا۔ اور ان کی تحریک پر حیدرآباد
دکن جاکر وہاں کے امراء اور روساء سے عطایا حاصل
کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ حیدرآباد میں ہمدم کے قدردان بہت تھے
میر صاحب کو پوری امید تھی کہ ان کا سفر بہت کامیاب رہے گا
چنانچہ مزید تسلی کے لئے آپ ایک دن علی الصباح اپنے دوست
مسٹر گھوش کے پاس گئے اور ان سے اپنے اس ارادہ کا اظہار
کرکے فرمائش کی وہ ان کا زائچہ بنا کر دیکھیں کہ یہ سفر ان کے مقصد
کے لئے کامیاب رہے گا یا نہیں، گھوش صاحب نے دو دن کی مہلت
مانگی، چوتھے دن شام کو جالب صاحب گھوش صاحب کے پاس گئے
اور زائچہ طلب کیا، گھوش صاحب بڑے صاف گو تھے زائچہ کے
متعلق تو انہوں نے اپنی عدیم الفرصتی یا بھول کا عذر کردیا۔ لیکن
حیدرآباد کے سفر کے متعلق صاف کہدیا کہ کامیابی بہت کم ہوگی۔
اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہدیا کہ آپ کے ستارے تو اتنے خراب ہیں
کہ آپ کا چھ ماہ زندہ رہ جانا بھی مشکل معلوم ہوتا ہے۔" خود جالب
صاحب نے اپنی آخری علالت کے دوران یہ واقعہ بیان کیا۔ اور
کہا کہ گھوش کی زبان سے یہ جملہ سن کر دماغ پر بالکل اندھیرا چھا گیا
حتیٰ کہ اسی بدحواسی میں اپنے گھر کا راستہ بھی یاد نہیں رہا حالانکہ
گھوش کا مکان جالب صاحب کی قیام گاہ سے ایک فرلانگ سے زیادہ
نہیں تھا۔ جالب نے دوران علالت دوستوں سے یہ بھی کہا گھوش کی زبان
سے اپنی عمر کے ختم ہوجانے کی پیش گوئی سن کر وہ ایسے بدحواس ہوئے
کہ راستہ سے بھٹکر اپنے مکان سے دور بہت دور نکل گئے اور دیر تک

گلیوں کے چکر کاٹ کر مکان پہنچ پائے۔

یہ واقعہ آخر کار جالب صاحب کے لئے مہلک ثابت ہوا کیونکہ اس کے بعد پھر کبھی ان کے چہرہ کو بشاش نہیں دیکھا گیا یہ واقعہ آخری جنوری سنہ ۱۹۳۰ء میں پیش آیا تھا۔ اور وسط فروری میں قطب میاں فرنگی محلی کے سمجھانے اور اطمینان دلانے پر جالب صاحب نے دکن کا سفر اختیار کیا جو بعد میں واقعی ان کے سفر آخرت کا پیش خیمہ ثابت ہوا، کیونکہ گھوش نے جو کچھ کہا تھا وہ ان کے دماغ پر نقش کا الحجر ہو گیا تھا جس کو انھوں نے کسی وقت بھی فراموش نہیں کیا۔ خود فرماتے تھے کہ گھوش کی زبان سے اپنی عمر کا خاتمہ کی پیش گوئی سننے کے بعد سے سوتے جاگتے ہر وقت موت سامنے کھڑی معلوم ہوتی ہے"

شروع مارچ سنہ ۱۹۳۰ء میں جالب صاحب حیدرآباد سے نامراد واپس آئے اور بجائے اس کے کہ اخبار کے لئے کوئی معقول رقم لاتے ایک ایسی بیماری لے کر آئے جس کی لکھنؤ کے بڑے بڑے اطبار اور ڈاکٹر آخر وقت تک تشخیص نہ کرسکے، بظاہر بہت معمولی بیماری معلوم ہوتی یعنی ریڑھ کی ہڈی میں درد پیدا ہو گیا تھا مگر وہ اتنی شدت کا تھا، کہ ناقابل برداشت تھا۔ اس پر یہ طرہ کہ یہ خیال ہر وقت دماغ پر چھایا رہتا تھا کہ گھوش کہہ چکے ہیں کہ چھ ماہ سے زیادہ زندگی کے دن نہیں ہیں۔ اس کا لقیانی اثر طبیب یا ڈاکٹر کے علاج سے یا کسی کے سمجھانے سے دور نہیں ہوسکتا تھا، اگرچہ جالب صاحب کے قدر دانوں نے ان کے علاج معالجہ میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا۔

آخر وقت معینہ آگیا، وسط جولائی سنہ ۱۹۳۰ء میں حالت نازک ہوگئی انھیں مشہور معالج ڈاکٹر عبدالحمید صاحب کے مشورہ سے ہسپتال لے جایا گیا۔ مگر یہاں کوئی افاقہ نہیں ہوا۔ جولائی کا آخر تھا۔ شاید ۲۲، ۲۳ تاریخ تھی دوپہر کو یہ اطلاع ملی کہ جالب صاحب پر چوبیس گھنٹے سے بے ہوشی طاری ہے سہ پہر کو انیس احمد عباسی اور جالب صاحب کے ایک اور مخلص دوست اور شاگرد سید شہنشاہ حسین رضوی ایڈوکیٹ بھی کچہری سے واپس ہوتے ہوئے ہسپتال میں جالب کو دیکھنے آئے ان پر نزاعی کیفیت طاری تھی اور وہ منظر اتنا بھیانک تھا کہ کوئی ان کے پاس بیٹھ نہیں سکتا تھا کمرہ کا دروازہ بند کردیا گیا اور ان دونوں حضرات نے مشورہ کر کے یورپین نرس سے پوچھا کہ اس حالت میں مریض کب تک زندہ رہے گا، اس نے بتایا بارہ گھنٹے سے یہی حالت ہے اور ابھی کم از کم بارہ ہی گھنٹے اور سانس چلتا رہے گا۔ جالب صاحب کے صاحبزادے عشرت حسین موجود تھے وہ بھی یہ کیفیت دیکھ کر بے قرار ہو رہے تھے چنانچہ انیس صاحب نے یورپین نرس سے کہا کہ کیا مریض کو کوئی آرام نہیں پہنچایا جاسکتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ان کے بیٹے اجازت دیں تو میں ڈاکٹر سے پوچھ کر دائمی آرام پہنچا سکتی ہوں یہ بھی کہا کہ مریض تو ختم ہو چکا ہے صرف سانس باقی ہے چنانچہ بالآخر تیمار داروں کی پریشانی دیکھ کر اس نے ڈاکٹر کے پاس جاکر اجازت لی اور وہاں سے واپس آکر مریض کے آخری انجکشن دیا اور چند منٹ کے اندر اردو کے نامور اور جلیل القدر صحافی نے ۲۵ جولائی سنہ ۱۹۳۰ء کو آخری سانس لیا اور اس کی روح پرواز

کر گئی ۱؎ اور عیش باغ لکھنؤ کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

حضرت جالب کے انتقال پر ہندوستان سے تقریباً ہر ایک اخبار اور رسالے اور ادبی سوسائٹیوں کے تعزیتی نوٹس لکھے اور تعزیتی جلسے کئے چنانچہ روزنامہ ملت دہلی نے ۱۱ر جولائی ۱۹۳۰ء کے شمارے میں یہ تعزیتی نوٹ لکھا۔

سید جالب دہلوی بانی و مالک اخبار ہمت لکھنؤ کا انتقال حقیقتاً اردو صحافت کے لئے ایسا سانحہ ہے جس کی کوئی تلافی نہیں ہو سکتی۔ سید صاحب مسلمان اخبار نویسوں میں اس وقت سب سے پرانے کہنہ مشق اخبار نویس تھے انھوں نے اپنی زندگی کے ۴۲ سال اسی پیشہ میں گزارے اور جس بلند معیار اور اعزاز کے ساتھ انھوں نے متعدد اخبارات کو چلایا ہے اردو صحافت کی تاریخ میں اس کا نمایاں تذکرہ رہے گا۔ باوجودیکہ وہ ایک ہر دلعزیز صحیفہ نگار تھے لیکن انھوں نے کبھی اس سے روپیہ پیدا نہیں کیا اور گذشتہ جن دقتوں کے ساتھ انھوں نے ہمت کو جاری کیا تھا اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ آخر وقت تک اس کے لئے پریشان تھے۔ انھیں ہمیشہ اردو صحافت کو ترقی دینے اور اسے انگریزی صحافت کے درجہ تک لانے کا ہی خیال رہتا تھا۔ گذشتہ وسط مارچ میں سید صاحب جب دہلی تشریف لائے تو اردو اخبار نویسوں کو ایک رشتہ میں منسلک کرنے کے متعلق راقم الحروف سے کئی دفعہ ذکر فرمایا تھا چنانچہ مسٹر فاضل ابراہیم

۱؎ رسالہ سوغات نئی دہلی۔ مئی ۱۹۵۷ء مضمون انیس احمد عباسی ایڈیٹر حقیقت لکھنؤ۔

رحمت اللہ کی تحریک پر مسلم پریس ایسوسی ایشن کے قیام کے لئے جو عارضی کمیٹی بنی تھی اس کی صدارت کو بھی قبول فرمالیا تھا۔ گو اس قسم کے عہدوں سے آپ علیحدہ ہی رہنے پر اصرار کرتے رہے ہے۔ آج جبکہ مسلمانوں میں لائق سمجھدار اور صاحب الرائے اخبار نویسوں کا قحط ہے سید صاحب کا انتقال ناقابل تلافی نقصان ہے۔ وہ لوگ جو سید صاحب مرحوم کی قومی اور صحافی خدمات کے معترف ہیں ان کا فرض ہے کہ ان کی سب سے بڑی یادگار ہمدم کو مستحکم کریں۔ ہمدم کا انتظام سید صاحب نے اپنی زندگی میں اپنے خورد برادر عشرت حسین صاحب کو سپرد کر دیا تھا۔ ہمیں امید ہے کہ وہ برابر چلاتے رہیں گے۔

ادیب

لاہور سے نومبر ۱۹۲۶ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ ۴۰ صفحوں پر نکلتا تھا۔ فخر الدین محمود اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ چارنج سٹیم پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں علمی، ادبی تاریخی مضامین چھپتے تھے جو بہت ادنی ہوتے تھے عوام کے مطلب کے مضمون کم چھپتے تھے اس کے مضمون نگار مولانا اسلم جیراجپوری، مولانا ظہیر الدین شیرکوٹی، نواب ذوالفقار علی خاں، عبدالمجید سالک، مولانا ظفر علی خاں، خلیفہ عبدالحکیم مولانا خواجہ عبدالحی فاروقی ایڈیٹر الصباح، مولانا حسرت موہانی علامہ سید سلیمان ندوی، مولانا عبداللہ العمادی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ تھے۔

نومبر ۱۹۲۶ء کے شمارہ میں حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی ایک

غزل بھی ہے ہے

کیوں اسیر گیسوئے خمدار قاتل ہوگیا
ہائے کیا بیٹھے بٹھائے تجھ کو اے دل ہوگیا
کوئی نالاں کوئی گریاں کوئی بسمل ہوگیا
اس کے اٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہوگیا
انتظار اس گل کا اس درجہ کیا گلزار میں
نور آخر دیدۂ نرگس کا زائل ہوگیا
اس نے تلواریں لگائیں ایسی کچھ اس انداز سے
دل کا ہر ارمان فدائے دست قاتل ہوگیا
قیس مجنوں کا تصور بڑھ گیا جب نجد میں
ہر بگولہ دشت کا لیلیٰ کا محمل ہوگیا
یہ بھی قیدی ہوگیا آخر کمند زلف کا
لے پیر دل میں ترے آزاد شامل ہوگیا

ستارۂ صبح کرم آباد سے ۸ راگست ۱۹۱۷ء کو یہ روزانہ اخبار وجود میں آیا آٹھ صفحوں پر نکلتا تھا ایڈیٹر جناب مولانا ظفر علی خاں صاحب تھے سالانہ چندہ پندرہ روپے تھا زمیندار سٹیم پریس میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ۔

من آں ستارۂ صبحم کہ در محلِ طلوع
ہمیشہ پیش روِ آفتاب می باشم

اسی اخبار کے ادارہ تحریر میں مسٹر اختر علی خاں و علامہ عبداللہ العمادی

سید وحید الدین سلیم پانی پتی، مولوی وجاہت حسین جھنجانوی مولوی خواجہ عبد الحیؒ، مرزا امان اللہ خاں بیگ، اور مرزا سعید بیگ شامل تھے۔

شارہ صبح علم و ادب کا ایک نادر مخزن تھا۔ اس اخبار کو اس اعتبار سے خصوصی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں مولانا نے جتنے اداریے اور مضمون تحریر کئے اتنے غالباً شروع کے زمانہ میں پوری ربع صدی میں نہ تحریر کئے ہوں۔

اس اخبار کے جاری ہونے سے قبل اس کا اشتہار اخبارات میں شائع ہو گیا تھا۔ جو ۱۶ جولائی ۱۹۱۷ء کے اخبار ہمدم لکھنؤ میں بھی شائع ہوا تھا۔

"حکومت نے مزید عنایت کی راہ سے خاکسار کو یہ اجازت بھی مرحمت فرمائی ہے کہ اپنے ہفتہ دار اخبار صبح شارہ کو ترقی دیکر ایک اعلیٰ پیمانہ کا روزنامہ کرے ان دوگونہ نوازشات کے لحاظ سے ہز آنر سیشل اڈوائر بالقابہ کا جس قدر شکریہ ادا کرے کم ہے، اب کہ ستارہ صبح نئی آب و تاب کے ساتھ ایک اچھوتی وضع کا روزنامہ بننے والا ہے، مناسب ہے کہ خاکسار پہلے سے اعلان کردے کہ اس کی روش کیا ہوگی"

(۱) یہ روزنامہ جس کے نظام اشاعت کا اعلان بعد میں کیا جائیگا ہر روز زمیندار کی تقطیع کے آٹھ صفحات پر شائع ہوا کرے گا اور اس کی سالانہ قیمت پندرہ روپے، ششماہی آٹھ روپے اور سہ ماہی ساڑھے چار روپے مع محصول ڈاک ہوگی "

(۲) اس کا اولین مقصد یہ ہوگا کہ رعایا کے دلوں میں راعی

کی طرف سے محبت اور عقیدت کے جذبات برانگیختہ کر کے تعلقات کو خوش گوار اور استوار بنائے اور اس عقیدے کی تلقین کرے کہ ہندوستان میں سلطنتِ برطانیہ کی بقا اہلِ ملک کے بہترین مفاد کی ضامن ہے۔"

(۳) سیاسیات کی وہ خوش کن مگر دور از کار مباحث سے اس روزنامہ کو تعلق نہ ہو گا۔ لیکن رعایا کی تمام وہ جائز خواہشیں اور آرزوئیں جو ان کی اقتصادی، اخلاقی اور عقلی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں نہایت ادب کے ساتھ حکومت کے گوش گزار کر دی جائے گی۔"

(۴) زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، تعلیم معاشرت اس کے خاص موضوع ہوں گے اور اس بارہ میں وہ اہلِ ملک کو بتائے گا کہ ملکی دولت کے بڑھانے کے کیا وسائل ہیں جن پر کاربند ہونے سے ہمارا ملک فراخی و فرخی اور فلاح و خوش حالی کے منطقہ (ا) اس پر پہنچ سکتا ہے۔"

(۵) احیاء علوم مشرقیہ میں اس کا خاص نصب العین ہو گا۔ حکمت اور شعر کے لطیف معارف سے اربابِ ذوقِ سلیم کی تواضع بدستور اسی طرح کی جایا کرے گی جیسے ہفتہ وار ستارہ صبح کے ذریعہ سے اب تک کی جاتی رہی ہے۔"

۶۔ رپورٹ کے غیر ملکی اور بیز ہندوستانی ناموں کے تراجم اور دوسری معتبر اور مصدقہ خبریں اس روزنامہ میں درج ہوا کریں گی۔"

اخبار ہمدم لکھنؤ کے شمارے ۲ر ستمبر ۱۹۱۷ء میں یہ ریویو اس اخبار پر شائع ہوا تھا۔

"مسٹر ظفر علی خاں سابق ایڈیٹر زمیندار کی مشروط آزادی اور ساتھ

ہی ان کے جدید اخبار ستارۂ صبح کے اجرا کی خبر پہلے ہی درج کر چکے ہیں لیکن اب تک ہم اس اخبار کی زیارت سے محروم تھے یہی وجہ تھی کہ ہم اس پر کوئی ریویو نہیں کر سکے اگرچہ ہمارے دیگر معاصرین نے جن کو ان کی خوش قسمتی ہم سے پہلے اخبار کی دنیا کے اس نوادر کا شرف زیارت حاصل ہو چکا تھا۔ انھوں نے اس کے متعلق جو را ئے قائم کی تھی اس سے اخبار کی پالیسی کا بہت کچھ پتہ چل گیا تھا۔ بہرحال کل اور آج کی ڈاک سے اس کے مذید پرچے موصول ہو گئے جن کے مضامین انشا پردازی کے لحاظ سے بہت کچھ زمیندار مرحوم سے ملتے جلتے ہیں۔ البتہ اخبار کی پالیسی کے لحاظ سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے بلکہ یہ شاید کہنا زیادہ موزوں ہوگا کہ زمیندار اور "ستارۂ صبح" کی پالیسی کا مقابلہ کرنے سے زمانہ کی نیرنگی کا نقشہ سامنے آجاتا کہ اول الذکر ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا حامی تھا اور پالٹکس میں آزاد رائے رکھتا تھا لیکن اس کے برخلاف ستارۂ صبح نہ صرف ان خصوصیات سے بالکل معرا ہے بلکہ ان میں ہندو مسلمانوں کے تعلقات کے متعلق زمیندار کی ابتدائی پالیسی اور معاملات سیاست میں بیسہ اخبار اور اسی قبیل کے دیگر معاصرین کی پالیسی کی صاف جھلک نظر آتی ہے مگر ابھی تک وہ اپنی پالیسی کو انشا پردازی کے پردے میں چھپانے کی کوشش کر رہا ہے جو پرچے ہمارے پیش نظر ہیں ان میں بعض مضامین تاریخی لحاظ سے ضرور قابل قدر کہے جا سکتے ہیں، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ ایڈیٹوریل مضامین کے متعلق ہم ایڈیٹر کو کوئی کریڈٹ نہیں دے سکتے بلکہ ایک حد تک وہ اخبار نویسی کی شان

سے گھرے ہوئے ہیں، مثلاً نتھوا اور خیرا کی چہ میگوئیاں، ممکن اودھ پنچ کے دستر خوان پر کچھ سزا دی جائیں۔ مولانا ظفر علی کی پالیسی میں جو انقلاب عظیم ہوا ہے اس کے آثار اگرچہ نتھو خیرا چہ میگوئیاں میں صاف دکھائی دیتے ہیں تاہم جب تک اپنے اخبار کے ذریعہ سے آپ اپنی پالیسی کا صاف صاف اعلان نہ کریں اس وقت تک یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ جماعت احرار سے علیٰحدہ ہو اب آپ استبدادیت کے کس درجہ پر فائز ہونے کے مستحق نہ ہیں۔ نیز سر مائیکل اوڈوائر کی نوازش خسروانہ کے اعتراف میں صرف ان ہی کی شان میں قصیدہ خوانی کا فرض ادا کرنے پر قناعت کی جائے تو بھی غنیمت ہے لیکن اگر میدان سیاست میں آپ قلم کی جولانیاں عام رائے کے خلاف ہوئیں تو سبب اندیشہ کہ ستارہ صبح کی ناقدردانی کی بدولت صحیح معنوں میں اس نے صبح ہی ثابت ہو اور جرنلزم کی دنیا میں اس کے ناظرین زیادہ تک اس کی روشنی سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ بہرحال ہم اس نئے معاصر کا تہ دل سے خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ خدشات اس کے متعلق لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو گئے ہیں بعد کو اس کی پالیسی سے غلط ثابت ہوں گے۔"

یہ اخبار ایک سال کی عمر پاکر ۱۹۱۸ء میں بند ہوگیا اخبار کی پالیسی چند مہینوں کے بعد بالکل آزادانہ اور حریت پر ہوگئی تھی ۔۔۔

پنجاب لاہور ریلوے روڈ سے یہ روزانہ اخبار ستمبر ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا، ابوالمعانی سید شبیر حسن قتیل ایڈیٹر، اور مرزا محمد سعید بیگ پبلشر تھے، سالانہ چندہ نو روپے آٹھ آنے تھا۔ یونین اسٹیم پریس لاہور میں چھپتا تھا اخبار کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا۔

ٹکڑے دل کے تر غرق خونناب میں ہیں
حاضر بادب خدمت احباب میں ہیں
صحت، جرات، بہادری، علم و عمل
پانچوں دریا رواں یہ پنجاب میں ہیں

اس قطعہ کے نیچے دائیں طرف چاند تارا اور بائیں جانب برطانوی تاج کا نشان ہے۔ چاند تارے کے نشان کے نیچے یہ شعر تحریر ہے

آسمانِ صدق و حریت کا یہ روشن ہلال
دیکھنا حاصل کرے گا ایک دن اوجِ کمال

برطانوی تاج کے نشان کے نیچے یہ شعر لکھا جاتا تھا ؎

جب تک فلک پہ مہر مبیں حکمراں رہے
قائم جہاں میں قیصرِ ہندوستاں رہے

یہ اخبار حریت پسند اخبار تھا، عوام کے جذبات کی صحیح ترجمانی کرتا تھا اور حکومتِ برطانیہ کی غلامی کے خلاف قلم کو جنبش دیتا تھا۔ "برقیات" اور "متفرقات" اس کے مستقل عنوان تھے، برقیات کے تحت غیر ملکی خبریں اور متفرقات کے نیچے ملکی خبریں درج ہوتی تھیں۔
انگریز ہندوستان مزدوروں کو اپنی نوآبادیوں میں بھیجتا اور

ان سے غلامانہ سلوک کرنا تھا اور غلاموں کی طرح مزدوری کرائی جاتی تھی ان طریقوں کے خلاف ہندوستانیوں میں بے حد ناراضگی پائی جاتی تھی، اس سلسلہ میں ایک وفد عورتوں کا وائسرائے ہند سے ملا اور مذکورہ شکایتیں پیش کیں، اس پر اخبار پنجابی نے ۲۹ر مارچ ۱۹۱۸ء کے شمارے میں مقالہ افتتاحیہ تحریر کیا۔ عنوان ہے "خواتین ہند کا وفد"

خواتین ہند کے ایک ممتاز وفد نے ۲۴ر مارچ ۱۹۱۸ء کی سہ پہر کو دہلی میں حضور وائسرائے ہند کی خدمت میں شرف باریابی حاصل کیا۔ جس میں مسز سروجنی نائیڈو، لیڈی ٹاٹا، مسز جہانگیر پیٹٹ، مسز سرور، دولت بیگم، مسز نہرو، مسز شنکر، مسز ... اور مسز رنگا سوامی آئنگر شریک ہوئیں، وفد نے وائسرائے کی خدمت میں ایک ایڈریس پیش کیا جس میں مختلف وجوہ بالخصوص خواتین ہند کے تحفظ عصمت وآبرو کے اعتبار سے اجارہ دار مزدوری کی دائمی منسوخی پر زور دیا وائسرائے نے حوصلہ افزا جواب دیا۔ کہ یہ یاد کرنا مشکل ہے کہ جو طریقہ حال میں منسوخ کیا گیا ہے اس سے مردہ کالبد میں از سر نو جان پڑ سکے گی انھوں نے یہ بھی فرمایا کہ اس کے بتانے کی ضرورت نہیں کہ وفد کی اغراض کے ساتھ مجھے ہر قسم کی ہمدردی ہے اور آپ نے اجارہ دار مزدوری سے تعلق رکھنے والی جن خرابیوں کا ایڈریس میں ذکر کیا ہے اس کی بابت میں اسی قدر اظہار تاسف کرتا ہوں جتنا کہ آپ کا وفد کر چکا ہے میں ایک طویل جواب کی طرح یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اب سے بیشتر ہی ایسی وجوہ ظہور میں آ چکی ہیں جنھوں نے دوران جنگ

اجارہ دار مزدوری کے طریقہ سفاکانہ کی مہر لگا دی ہے یہ خیال کرنا
مشکل ہے کہ یہ طریقہ ایک بار مسدود کئے جانے کے بعد از سر نو زندہ
کیا جا سکتا ہے یہ ممکن ہے کہ آئندہ ہندوستانی مزدور دور دراز آبادیوں
میں زیادہ معاوضہ کی خاطر جانے کی خواہش کریں لیکن اگر اس کی ضرورت
پیش آئی تو ہم یہ احتیاط کریں گے کہ اس کے حالات ان حالات سے
بالکل مختلف ہیں جن کا اجارہ دار مزدوری کے طریقہ سے تعلق ہے
اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اس صورت میں ہندوستانی مستورات
کی عزت و آبرو کے تحفظ کے لئے ضروری احتیاط عمل میں لائی جائیگی
میں تہ دل سے سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی صنائع کو ترقی ہونے
اور اس کی بدولت خود ہندوستان میں روزگار اور کاروبار کی توسیع
سے ہندوستان اس حالت کو پہنچ سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹوں اور
بیٹیوں کو اپنے ہی وطن میں رہنے پر قناعت کرنے کی ترغیب دے
سکے ۔"

وائسرائے ہند کا جواب بتایا ہے کہ اجارہ دار مزدوری کا طریقہ جسے
قانون تحفظ ہند کے ذریعہ سے مسدود کیا گیا ہے اس کا دوبارہ زندہ
ہونا سخت دشوار ہے اگر آئندہ کبھی ہندوستان کو زیادہ مالی منفعت
کے خیال سے بطانی آبادی میں جانے کی خواہش ہوئی تو اس کے لئے
اجارہ دار مزدوری سے کام نہیں لیا جائے گا ۔ اور ہندوستانی مستورات
کی عصمت اور آبرو کی حفاظت کی کارآمد تجاویز اختیار کی جائیں گی
یہ جواب اطمینان بخش ہے ۔ اور امید ہے کہ گورنمنٹ ہند اسے عملی
صورت دینے کے لئے ہمیشہ آمادہ پاتے گی "

اب رہا صنعت کی ترقی کی بدولت اہل ہند کا اپنے وطن ہی میں رہنے کا سوال، اس کے متعلق یہ کہنا بے محل نہ ہوگا، جس طرح گورنمنٹ عالیہ نے اجارہ دار مزدوری کی زندگی کا خاتمہ کر دیا ہے اسی طرح وہ ہندوستان کی صنعتی ترقی کے لئے بھی خاطر خواہ امداد عطا کرے تاکہ اس مبارک زمانہ کا جلد تر ظہور ہو جس کی پیشین گوئی والیسرائے ہند کی تقریر میں کی گئی ہے۔ اس میں کچھ بھی کلام نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کی صنعتی ترقی بہت بڑی حد تک گورنمنٹ ہند کی اخلاقی مالی اور مادی امداد کی محتاج ہے جس کے عطا کرنے کے راستہ میں کسی بخل یا مصلحت کو سدراہ نہیں ہونا چاہئیے"۔

عورتوں کے وفد کو والیسرائے ہند نے خوشکن بخش جواب دیا اس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے ۲۸ر مارچ ۱۹۱۷ء کو دہلی میں جلسہ ہوا اس جلسہ کی کارروائی ۲۹ر مارچ ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپی عنوان ہے "دہلی میں ایک عظیم الشان اجتماع" یہ کارروائی نقاد دہلوی نے شائع کرائی۔

"آج جبکہ ہمی قسمت ہند کے ہر گوشہ میں ہر انسان اپنے مخصوص احباب کی صحبت کو عظیم الشان جلسہ عظیم الشان مجلس لکھ کر پبلک کو ایک اطلسانہ دھوکہ دیتا ہے تو سخت میں حیران ہوں کہ اردو لٹریچر میں کل کی اس مجلس کے لئے کن الفاظ کو تلاش کروں جو در حقیقت بہجوم خلائق کی وجہ سے ایک عظیم الشان ملکی اجتماع تھا۔ اخبارات میں یہ خبر گشت لگا رہی تھی کہ نوآبادیوں کی زیادتیوں کو بند کرانے کے لئے مادر وطن کی دیویاں سر بکف کوشش کر رہی ہیں جن میں پیش پیش

سنہرسرد جنی نیند میں۔ ملک کی نصف آبادی نے جیسی مردانہ وار سعی کی ہے سعہ قابل تبریک و تہنیت ہے۔ اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ خواتین ہند کا ایک ڈیپوٹیشن وائسرائے کی خدمت میں حاضر ہوکر نوآبادیوں کے مظالم کے خلاف صدائے احتجاج ملند کرے گا کوئی توقع نہ تھی کہ نائب سلطنت فرزندان ہند کی ایک دیرینہ آرزو پورا کرینگے مگر اس کریم ذرہ نواز کی کارسازی دیکھئے کہ اس نے یہ عظیم الشان کام صنف نسواں کی سعی سے ایک حد تک پورا کردیا ہے۔ مرد، ایک مدت سے متعہدہ دوری کے خلاف صدائے احتجاج ملند کررہے تھے مگر اعضائے حکومت پہ سوائے اظہار ہمدردی کے کچھ اثر نہ پڑا، کیسی حیرت کی بات ہے کہ جب صنف لطیف نے کوشش کی، تو ان کی سعی بارآور ہوئی اور خواتین ہند کے اس معزز ڈیپوٹیشن سے ہزایکسلنسی لارڈ چیمسفورڈ نے تا اختتام جنگ نوآبادیوں کو ہندستان کے مزدور کا جانا بند کرنے کا اظہار کیا۔

دہلی کی پبلک درحقیقت کوئی سیاسی زندگی نہیں رکھتی وہ سیاسی مجالس کرتے ہوئے ڈرتی ہے۔ ضرورت ہے کہ دہلی کی پوزیشن کو ملحوظ رکھکر آئندہ سالانہ اجلاس انڈین نیشنل کانگریس دہلی میں منعقد کیا جائے دہلی کی پبلک کو بیدار کیا جائے، بزرگان دہلی کا جمود دیکھئے کہ آج تک ترضہ جنگ ملکی فوج وغیرہ جیسے ضروری اور اہم تحریکوں کو کامیاب بنانے کے لئے کوئی عام جلسہ نہیں کیا گیا، بزرگان دہلی کے لئے یہ شرم کا مقام ہے کہ وہ سیاست میں ہندوستان کے تمام ممالک سے بہت پیچھے ہیں۔

آج شام کو دہلی کے مشہور و معروف بنارسی کرشنا تھیٹر میں باشندگان
دہلی کا ایک عام جلسہ حضور ویسرائے کا شکریہ ادا کرنے کے لئے
منعقد ہوا، جلسہ کا اعلان تنگی وقت کی وجہ سے نہ ہو سکا مگر فرزندان
ہند کی روحانیت دیکھئے کہ باوجودیکہ کوئی اشتہار نہیں دیا گیا، اور
جلسہ کا وقت چھ بجے کا تھا۔ اور پانچ بجے تک بنارسی تھیٹر کی
وسیع عمارت جلسہ سے بھر گئی چھ بجے کے قریب عالی جناب
حاذق الملک بہادر کی صدارت میں جلسہ کا افتتاح ہوا حکیم صاحب
نے حاضرین جلسہ کے انعقاد کا مقصد نہایت وضاحت سے سمجھایا، اور
مسز سروجنی نیڈو اور مسٹر گاندھی پلیٹ فارم پر آئے حاضرین نے
چیرز سے ان کا استقبال کیا۔ حاضرین آپ کی صورت اور سادہ وضعی
سے نہایت متاثر ہوئے۔ مسٹر گاندھی نے فرمایا کہ میں آج اس شہر
میں تقریر کرنے کھڑا ہوا ہوں جہاں کے لوگ اردو کے بولنے والے
ہیں جہاں اردو نے نشوونما پائی اور دہلی کے بھائی بہت اچھی اردو
جانتے ہیں مگر افسوس میں صاف اردو نہیں بول سکتا بہت ممکن
ہے کہ میں انگریزی میں تقریر کروں، مگر میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے
بھائی اس کو نہ سمجھ سکیں گے ...... مگر آپ یقین رکھیں کہ ایک
وقت آئے گا کہ میں آپ کے سامنے صاف اردو بول سکوں گا (نعرہ
ہائے مسرت) اس کے بعد آپ نے نو آبادیوں کی زیادتیوں، اور
فرزندان ہند کی کوششوں کا تذکرہ کیا اور کہا کہ ہم کو شکرگزار ہونا چاہیئے
مسٹر اینڈروز کا جنہوں نے باوجود یورپین ہونے کے ہمارے ساتھ کام
کیا اور ہمارے رنج و راحت کے شریک ہوئے اور جزائر فجی اور جنوبی

ازلفقہ کاش صعوبت سفر گوارہ کر کے نوآبادیوں کے مظالم کی ایک رپورٹ مرتب کی۔ بلکہ میں کہوں گا کہ آپ کی کوششوں کو اس کا میابی تک خاص اظہار ہے۔ مسٹر اینڈریوز کے نام پر حاضرین نے اپنے سے اقتباس جوش کا اظہار کیا۔ اس کے بعد وسبرائے کا شکریہ ادا کیا کہ آپ کی ہمدردی سے ہم ایک حد تک اپنے مقاصد میں کامیاب ہوئے۔ نعرہ ہائے مسرت سنز گاندھی کے بعد سیندرت لنائی ہاتھ باز باعث فخر اور جلس لطیفہ۔ مسٹر سروجنی نائیڈو اٹھیں، آپ کے اٹھنے ہی حاضرین نے نہایت زور سے چیرز دیئے تقریباً کئے جو بہت دیر تک جاری رہے آپ نے اپنی شیریں اور مترنم آواز میں تقریر شروع کی آپ کی تقریر انگریزی میں تھی مگر حاضرین جن میں زیادہ تعداد انگریزی زبان نہ جاننے والوں کی تھی، نہایت خاموشی کے ساتھ آپ کی تقریر سن رہے تھے آپ نے بھی نوآبادیوں کے مظالم بیان کرکے اور فرمایا کہ دیکھو میں عورت ہوں مجھے یہ ذلت نہیں دیکھی گئی، کہ میری بہنوں اور بھائیوں کے ساتھ غلاموں سے بدتر سلوک ہوا اور میں اپنی زندگی آرام وراحت میں بسر کروں، تم مرد ہو تم کو مجھ سے زیادہ وطن کی خدمت کرنی چاہیے۔ آپ نے بھی وائسرائے کا شکریہ ادا کیا آپ کی تقریر کے دوران حاضرین نے بارہا چیرز دئے آپ تقریر کر رہی تھیں کہ مسٹر اینڈریوز جلسہ میں تشریف لے آئے، آپ کے تشریف لاتے ہی نہایت زور وشور سے چیرز دیے گئے مسز نائیڈو کے بعد مسٹر رودرا پرنسپل سینٹ سٹیفن کالج نے وائسرائے کے شکریہ کا ریزولیوشن بزبان انگریزی پیش کیا، جس کی تائید مسٹر حامد علی خاں بار ایٹ لاء نے کی، آپ کے بعد محترم ڈاکٹر انصاری پلیٹ فارم پر تشریف لائے

آپ نے نہایت مختصر الفاظ میں ریزولیوشن کی تائید کی، آپ کے بعد پنڈت مالوی جی نے حاذق الملک حکیم اجمل خاں کا شکریہ ادا کیا اور فرمایا ہم کو متحد ہو کر ایسے تمام خلاف انسانیت قوانین کا مقابلہ کرنا چاہیئے اور آرامادیوں کو بتا دینا چاہیئے کہ قانون بنانا تمہارا کام ہے اور اس کو توڑنا ہمارا کام ہے اگر مادرِ وطن کی گاڑی کہیں اٹکی ہوئی ہے تو ہمارا فرض ہے کہ اپنی تمام قوت سے اس کو نکالنے کی کوشش کریں، اور ہندوستان کی عزت قائم رکھنے کے لئے ہمیں اپنے سینوں کا زور لگانا چاہیئے اور ثابت کر دینا چاہیئے کہ ہم میں قوت ہے۔ آخر ہم بھی انسان ہیں ہم تم سے کسی طرح کم نہیں، تم ہمارے ساتھ وحشیانہ برتاؤ نہیں کر سکتے۔ اس کے بعد آپ نے معاہدہ کی تاریخ مختصر بیان کی لو، مسٹر گھوکھلے آنجہانی کی خدمات کی طرف اشارہ کیا، آپ نے فرمایا آج حضور وائسرائے نے فرمایا کہ ہندوستان کی تاریخ میں یہ پہلا موقعہ ہے کہ ملکی جدوجہد میں عورتوں نے حصہ لیا اور امید ہے آئندہ بھی خدمتِ وطن میں حصہ لیں گی، مسٹر گاندھی، مسٹر مالوی، ڈاکٹر انصاری، پروفیسر رودرا، مسٹر اینڈریوز اور حاذق الملک حکیم اجمل خاں وغیرہ خادمان ملک کے گلے میں ہار پہنائے گئے اور جلسہ نہایت خیر و خوبی سے ختم ہوا۔

صداقت یہ روزانہ اخبار کلکتہ سے ۱۹۱۶ء کے آخر میں جاری ہوا۔ چھ صفحات پر نکلتا تھا قاضی عبدالغفار صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

۲۸ نومبر ۱۹۱۶ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس اخبار کا ذکر ہے

غالباً یہ اکتوبر یا نومبر ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا ہوگا، اس کی عمر بھی سال ڈیڑھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی، مارچ ۱۹۱۸ء میں بند ہوگیا ہوگا۔ بند ہونے کی وجہ کیا ہوئی وہ ۸ راپریل ۱۹۱۸ء کے مخبرِ عالم مراد آباد نے بتائی ہے۔

" ترجمانِ گلشن کو جب قانونی مصلحت سے نیا جنم لینے کی ضرورت محسوس ہوئی تو صداقت کا جون اختیار کیا گیا پنجاب میں اس کی درآمد بند ہونے سے اب یہ بھی خدا کے گھر میں پہنچ گیا، تاہم مالک و ایڈیٹر صداقت اطمینان دلاتے ہیں کہ ایک ماہ کے بعد اصلی یا کسی اور رنگ میں قالب میں نمودار ہوگا ۔"

ہمالہ لالہ دینا ناتھ صاحب نے دلیش اخبار کے ساتھ لاہور سے آریہ سماج کی تحریک کو فروغ دینے کے لئے یہ ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ یہ اخبار عوام میں مقبول تھا۔ ۱۹۱۹ء میں اس کی اشاعت سات ہزار سے زیادہ تھی ۱۹۲۴ء میں جب کہ اخبار دلیش بند ہوگیا تو ہمالہ بھی بند ہوگیا۔

پیامِ یار لاہور سے ۱۹۱۶ء کو یہ ماہوار رسالہ شائع ہوا، ۴۸ صفحوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر صوفی پرتھی سنگھ صاحب تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے تھا۔

یہ رسالہ ادبی اخلاقی اور فلسفی مضامین کا مجموعہ تھا اس رسالہ پر رسالہ نظارہ میرٹھ نے نومبر ۱۹۱۶ء کے شمارے میں یہ تبصرہ کیا تھا

پنجاب میں لاہور علوم کا مرکز خیال کیا جاتا ہے اور واقعی

اس سرزمین میں ایسے ایسے لوگ آباد ہیں جو علمی دنیا میں اپنی نظیر نہیں رکھتے لیکن ہمیں اس سے سخت تعجب ہے کہ باوجود تمام خوبیوں کے لاہور جدید رسائل کے لئے جدید نام نہیں پیدا کرسکتا جب ہم نے نظارہ جاری کیا تو ایک صاحب نے چند روز کے بعد ایک نظارہ لاہور سے بھی شائع کردیا۔ ترجمان اخبار کلکتہ سے نکلتا تھا اب اس نام کا ایک رسالہ لاہور میں بھی موجود ہے۔ پیام یار مرحوم کو لکھنؤ کے دائرہ میں مدہ چھپائے ہوئے کم از کم پانچ چھ سال کا عرصہ ہوگیا۔ لیکن اب پیام یار لاہور سے برآمد ہوا ہے یہ بھی اچھی دل لگی ہے۔ موجودہ زمانہ جدت پسند ہے۔ رسائل جب تک نئے مضامین اور نئے خیالات نہ ہوں زمانہ قدر نہیں کرسکتا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ جن رسالوں کو نئے نام بھی نہیں ملتے ان کے مضامین میں کہاں تک جدت ہوگی۔"

البرید کانپور سے یہ ہفتہ وار ادبی سیاسی تمدنی اخبار ۱۹۱۱ء کو نمودار ہوا بارہ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کا اشتہار ار اپریل ۱۹۱۶ء کے شمارہ میں چھپا تھا۔

" صوبجات متحدہ کے سب سے بڑے تجارتی شہر کانپور سے نہایت آب وتاب کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ ہر ہفتہ اس میں مفصلہ ذیل مضامین ہوتے ہیں۔

حسن سخن عجائبات ولطائف معلومات وغیرہ وغیرہ، ولایتی ڈاک کی سیر کے زیر عنوان لندن کے مشہور اخبار ٹائمز وغیرہ البسٹ کے ایسے

بہترین تراجم ہر ہفتہ درج کئے جاتے ہیں جو کسی دوسرے اخبار میں نہیں ملیں گے۔ اخبار البرید قومی معاملات میں نہایت آزادی کے ساتھ بحث کرتا ہے۔ جنگ کی خبریں نہایت صحیح تمام اردو ہفتہ وار اخبارات سے قبل اپنے ناظرین کو پہنچاتا ہے چھ ماہ سے کم مدت کے لئے اخبار جاری نہیں ہو سکتا، نمونہ کا پرچہ آدھ آنے کے ٹکٹ آنے پر بھیجا جاتا ہے۔

مفید روزگار جالندھر سٹی سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۶ء میں جلوہ افروز ہوا ۸ صفحوں پر نکلتا تھا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار میں چین و جاپان، امریکہ یورپ کے دہ طریقے، صنعت و حرفت تجارت و دستکاری کے سکھائے جاتے تھے جن کو چند دنوں میں سیکھ کر ایک معمولی قصبہ میں بیٹھ کر سینکڑوں ہزاروں روپے کما سکتے تھے۔

ناصر الاخبار جونپور سے ۱۹۱۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ظہور پذیر ہوا ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا چار روپے سالانہ چندہ تھا اس کا مسلک مرزا غالب کے شعر کے مطابق تھا۔

آزاد ہوں، مسلک ذاتی ہے صلح کل
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

شیعہ کالج نیوز نشاط علی منزل سانڈرس روڈ لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۶ء میں جاری ہوا۔ ہر جمعہ کو بارہ صفحات پر نکلتا تھا سید حبیب حسن ایڈیٹر اور شمس الدین حسن منیجر

تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا، نول کشور پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا

افادہ | حیدرآباد دکن سے ۱۳۲۶ھ میں یہ ماہانہ رسالہ عالم وجود میں آیا، ۸۰ صفحوں پر نکلتا تھا، مرزا نظام شاہ لبیب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگار ملک کے مشہور و معروف اہل قلم تھے مضامین کے اعتبار سے بہترین رسالہ تھا۔ چند سال کے بعد شاہ لبیب صاحب کی مصروفیات کے باعث بند ہو گیا ہے

مرزا نظام شاہ لبیب | تیموری گھرانے کے بزرگ تھے خلیق، باوضع، ملنسار اور متواضع منکسر المزاج، پاک طینت اور زندہ دل شاعر تھے دار الترجمہ میں ملازم تھے شعر خوب کہتے تھے ؎

نہ جانے کیا خواب تھا جو دیکھا بدیدۂ نیم خواب تو نے
کہ جیسے کُھلتے ہی آنکھیں جو آنکھیں تو ڈالدی نقاب تو نے
نہ گُدگداؤ اوروں کو، نہ چھیڑ سوتی ہوئی حسن کو،
کہ سارے عالم میں ڈال رکھی ہے لرزش پیچ و تاب تو نے
شباب تو فیض بخش عالم ہے جاگتی جوت جسم و جاں کا
کہ حسن کو دل کشی عطا کی تو عشق کو اضطراب تو نے
عشق کے ادب سے ہے یار کی رضا جوئی
اپنا مدعا مت کہہ اس کا مدعا مت پوچھ
وہ جفا کئے جائیں کام ہے وفا اپنا
جان دے کے ان سے خوں بہا مت پوچھ

کمرشل اینڈ ٹکنیکل گائیڈ یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۶ء کو بنگلور سے جلوہ نما ہوا۔ چھ صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم محمد غوث گلاری اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے آٹھ آنے تھا۔

شاہراہ ترقی بنگلور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۶ء کو عالم وجود میں آیا ۴۸ صفحوں پر مشتمل تھا۔ ابو محمد عبداللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

المسلم بنگلور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۷ء کو جاری ہوا چار صفحوں پر نکلتا تھا قاضی شریف صابر، غلام محمد شوکت اور عبدالباسط برقی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اتحاد امرتسر سے ۱۹۱۸ء کو یہ ماہانہ پرچہ جلوہ افروز ہوا ۳۲ صفحوں پر نکلتا تھا۔ منیجر بابو باشی لال جینی ایڈیٹر منشی مولا بخش کشتہ تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اس علمی ادبی رسالہ میں نظم و نثر کے مضامین شائع ہوتے تھے لکھائی چھپائی معمولی تھی۔

اہل السنت والجماعت امرتسر سے یہ پندرہ روزہ اخبار غالباً ۱۹۱۸ء کو نمودار ہوا۔ مرزا حکیم ابو تراب محمد عبدالحق صاحب، مطب شفا خانہ امرتسر کی زیر ادارت نکلتا تھا۔ نمونہ کا پرچہ ایک آنہ اور سالانہ چندہ دو روپے چار آنہ تھا۔

اس اخبار کا اشتہار رہنما مراد آباد کے شمارہ ۱۷ فروری ۱۹۱۹ء میں

شائع ہوا۔

"یہ ایک مذہبی اور طبی اخبار ہے جو جناب مولانا حکیم ابوتراب محمد عبدالحق صاحب مالک شفا خانہ مقامی امرتسر کی زیر ادارت امرتسر سے پندرہ روزہ شائع ہوتا ہے۔ اس میں مذہبی مسائل اور فتاویٰ اور احکام آیات قرآنی اور احادیث نبوی و اقوال صحابہ تابعین و ائمہ مجتہدین و خیرالقرون کے درج ہوتے ہیں اور مخالفین اسلام کے منہ توڑ جواب دیے جاتے ہیں۔ اور مہذبانہ طریق پر ان کی تردید کی جاتی ہے اور علاوہ ازیں طبی حصہ میں امراض جزائیہ کی تشخیص اور مجرب علاج ہے اور طبی معلومات و صدری مجربات بڑی محنت سے درج کیے جاتے ہیں اور بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں علاج نبوی، حضرت محمد صلعم اور صحابہ تابعین و اہل بیت و دیگر بزرگان دین کے مجربات بھی لکھے جاتے ہیں اس کا ہر ایک نمبر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر شائع ہو رہا ہے ناظرین سے التماس ہے کہ وہ اخوۃ اسلامی کا ثبوت دیتے ہوئے اس کی خریداری قبول فرمائیں۔"

نئی روشنی الہ آباد ٹی لیبق سے روزانہ اخبار ۱۹۱۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ ۴ صفحات پر کلکتہ تھا اور مدیر بار خاں، بانی و ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔ کتابت اچھی اور طباعت و کاغذ گھٹیا تھا۔

اس اخبار کے مخصوص عنوان مختلف ہندوستانی خبریں، تازہ خبریں، مراسلات اور گزٹ ممالک متحدہ تھے۔ تازہ خبروں کے تحت نمبر ملکی خبریں چھپتی تھیں گزٹ ممالک متحدہ میں حکام کی رخصتی تقرریں

اور علیحدگی کی خبریں درج ہوتی تھیں۔

پہلے صفحہ پر ایک غزل و نظم، مختلف ملکی و غیر ملکی خبریں، دوسرے صفحہ پر مقالہ افتتاحیہ اور نوٹس، تیسرے اور چوتھے صفحہ پر تازہ خبریں مراسلات اور گوشہ مملکت متحدہ شائع ہوتے تھے اور پانچویں و چھٹے صفحہ پر اشتہارات چھپتے تھے۔

آزاد خیال اخبار تھا سنجیدگی اور متانت کے ساتھ حکومت پر نکتہ چینی کرتا تھا۔ تعلیمی معاملات میں دلچسپی لیتا تھا مدارس و کالج اور اسکولوں کی روداد چھاپتا تھا۔

انگریز ہندوستانیوں کو اختیارات دینا نہیں چاہتا تھا، ہر بڑے عہدے پر انگریز مسلط تھا انگریزی فوجی تمام اعزازات و اختیارات کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ ہندوستانی فوجیوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی اور برطانوی سپاہی اور دوسرے انگریزی حکام ہندوستانیوں کو نا اہل کہتے تھے۔ کوئی کلیدی عہدہ ہندوستانیوں کے پاس نہیں تھا۔ چنانچہ ایڈیٹر نئی روشنی نے ۱۹ر اپریل ۱۹۱۷ء کے شمارے میں ایک مقالہ افتتاحیہ بعنوان "اہل و نا اہل" تحریر کیا اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔

"انہیں کالموں میں ہم نے افواج تحفظ ہند کا پرجوش خیر مقدم کیا ہے اور ہم اب بھی کہتے ہیں کہ اگر ہندوستانیوں نے اس تحریک سے پورا فائدہ نہ اٹھایا ہے تو ان سے زیادہ بدقسمت کوئی دوسری قوم نہیں ہو سکتی، لیکن کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ہندوستانی فوجی خدمت کے ان حقوق و فوائد سے اب بھی محروم ہیں جن سے نہ صرف برطانیہ

بلکہ آسٹریلوی، کناڈی، افریقی اور غالباً مصری سپاہی متمتع ہوئے ہیں کیا ہندوستانیوں سے ایسی وفاداری کی توقع رکھنا کہ وہ فوجی خدمات کے لئے اتنے معاوضہ کی خواہشمند بھی نہ ہوں۔ جتنا خود اہل برطانیہ طلب کرتے ہیں صریح ناانصافی نہیں ہے، ایسی صورت انکے صفحات تاریخ میں صرف تابعداری اور غلامی کے ناموں سے موسوم ہوتی رہی ہے اور اگر اس کو ہندوستان کے لئے معیاری وفاداری سمجھا جاتا ہے تو ہندوستانیوں کی قسمت سے زیادہ ہمکو سمجھنے والوں کی عقل و فراست پر افسوس کرنا چاہئے۔"

ہز اکسلنسی فرماتے ہیں کہ کثرت تعداد کے لحاظ سے ہندوستانیوں کو ایک خاص قوت حاصل ہے جو کسی سلطنت کی خدمت میں استعمال نہیں کی گئی۔ اور اس کو استعمال کرنے کے لئے ایک نظام کی ضرورت ظاہر فرماتے ہیں لیکن ساتھ ہی یہ کہ آپ عطائے کمیشن کے متعلق کوئی اعلان نہیں کر سکتے۔ آخر اس پس و پیش کی وجہ کیا ہے خاص کر ایسی صورت میں جب کہ ہز اکسیلنسی کو ہندوستانی تمناؤں کے ساتھ دلی ہمدردی ہے۔

بیشک ہندوستان کو اپنی کثرت تعداد پر ناز ہے اور اس کے استعمال کا حق گورنمنٹ برطانیہ کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہے لیکن اگر باشندگان ہندوستان کو فوجی خدمت کا اہل سمجھا جاتا ہے تو ان میں ان مراعات کا نفاذ صرف اس لئے استعمال کیا کہ ہندوستان کی محرومی قسمت ایسی ان فوجی انضباطات کو حق کہنے کی اجازت نہیں دیتی ورنہ حقیقت یہ ہے کہ تمام مہذب قومیں ان کو اپنا حق سمجھتی ہیں اور تمام مہذب حکومتیں اس حق کو تسلیم کرتی ہیں۔"

بہر حال حکومت ارباب حکومت اور حاشیہ برداران حکومت اپنے قول و فعل سے ہندوستانیوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ خدمات کے اہل تو ہیں لیکن حقوق و مراعات کے اہل ہرگز نہیں ہیں اس لئے کہ انہیں بار بار نصیحت کی جاتی ہے کہ ”ہندوستان کیلئے مطمح العین سریع ترقی نہیں بلکہ باقاعدہ ترقی ہے۔ ہز ایکسلینسی خود فرماتے ہیں کہ اگر یقینی ترقی حاصل کرنی ہے تو وہ بتدریج حاصل ہو سکتی ہے۔ حالانکہ آج تک نہ صرف سریع ترقی کی کوئی صورت متعین کی گئی ہے نہ تدریجی ترقی کی، کاش یہی معلوم ہو جاتا کہ تدریجی ترقی کے لئے اس ڈیڑھ سو برس کے بعد ہندوستانیوں کو برطانیہ عظمیٰ کے سایہ عاطفت میں آئے ہوئے گزر چکے ہیں، تدریجی ارتقاء کے لئے ابھی کتنی مدت اور درکار ہے اور کونسی حالت ہوگی جس کے پیدا ہونے پر تدریجی ترقی کا لامتناہی سلسلہ مکمل سمجھا جائے گا۔“

تعلیمی معاملات میں یہ اخبار ترقی پسند تھا۔ جہاں مردوں کی تعلیم کو ضروری سمجھتا تھا۔ وہاں تعلیم نسواں پر بھی زور دیتا تھا لکھنؤ میں مسلم گرلز اسکول قائم ہونے کا تھا۔ چنانچہ اسی ۹ اپریل ۱۹۱۶ء کے شمارے میں اس گرلز اسکول کے ذکر میں تعلیم نسواں کے فوائد بھی بیان کئے ہیں۔

یہ فسانہ تعلیم اطفال کا ہے نسوانی تعلیم میں بھی ہمارا طرز عمل اسی طرح ہے، اس نوع پر نسوانی تعلیم کے فوائد اور ضروریات پر بحث کرنا بے سود ہے، چونکہ آج کل کی جدوجہد میں مرد کثیر الاشغال ہوتے جاتے ہیں اس وجہ سے انتظام خانہ داری اور بچوں کی پرورش و تربیت

کے لئے عورتوں کے ہاتھ بٹانے کی سخت ضرورت ہے مگر یہ مقصد حسب دل خواہ بلا تعلیم حاصل ہونا دشوار ہے ہم اپنی نیم وا آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس ضرورت کو اعدودوں نے محسوس کر کے عملی کوشش کرنا شروع کر دی ہے مگر باستثنائے چند افراد کے ہماری قوم خواب غفلت میں پڑی ہے خدا کرے کسی طرح کروٹ بدلے لفظ پیام امید کی خوش آیند و بیدار کن آواز " اٹھو اور آگے بڑھو " ان کے کانوں میں بھی پہنچ جائے تاکہ مستعد ہو کر عمل کی کوشش شروع کر دیں اب تاخیر کا موقع نہیں ہے۔ ہر والدین کا فرض ہے کہ جہاں اپنے لڑکوں کی تعلیم میں کوشاں ہیں وہاں اپنی لڑکیوں کی تعلیم و تربیت پر خاص توجہ مبذول کریں۔ اگر کسی اسکول میں بھیجنے کا موقعہ یا مصلحت نہ ہو تو اپنے گھر دل ہی میں لڑکیوں کو تعلیم دلائیں، جس شہر میں اسکول ہیں اور جہاں پردہ داری اور عفت و عصمت قائم رکھنے کا معقول انتظام ہے اپنی لڑکیوں کو ضرور داخل کریں، جیسے مسلم گرلز اسکول لکھنؤ جناب مولوی سید کرامت حسین صاحب و چند خواتین لکھنؤ کی خاص نگرانی میں چل رہا ہے جہاں انھوں نے ہماری قوم پر بہت بڑا احسان فرمایا ہے اپنی تمام زندگی کا سرمایہ نسوانی تعلیم کے لئے وقف کر دیا ہے اور خود نہایت سادگی سے بسر کر رہے ہیں یہ سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ لکھنؤ کی وہ خواتین جو انجمن مدرسہ کی رکن ہیں ہر ہفتہ میں ایک گھنٹہ اپنے اپنے فرقہ کی لڑکیوں کو وعظ دیتی ہیں یہ نہایت اچھا اور باعث اطمینان کام ہے، ایک شیعہ خاتون نے سنی لڑکی کو جو سالانہ امتحان دینیات میں اول آئیں گی انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے اور غالباً کوئی سنی خاتون بھی شیعہ لڑکیوں کو انعام

رہیں گی یہ اچھا طرز عمل اتحاد قائم رکھنے کا ہے۔

ہمدم لکھنؤ ۹ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء میں اس اخبار کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا ہے۔

"صوبہ متحدہ کے صدر مقام الہ آباد سے روزانہ ۲۲×۱۸ سائز کے چھ سفید صفحوں پر شائع ہوتا ہے جس میں تازہ ترین ہندوستانی خبریں، تار برقی کی خبریں اور ولایتی ڈاک کے اقتباسات تمام اور پرچوں سے زیادہ اور پہلے شائع ہوتے ہیں، ہر ملکی، قومی اور سیاسی معاملات پر نہایت آزادی کے ساتھ مدبرانہ طریقہ پر رائے زنی کی جاتی ہے، سہ ماہی خریدار کو ۹۶ صفحوں پر مشتمل ایک کتاب موسومہ "ارمغ تاج" جس کا کاغذ سفید ولایتی اور سرورق رنگین ہے، مفت نذر کی جاتی ہے۔"

چنانچہ اس اخبار کا ذکر "ذکر آزاد" میں بھی ہے اس کے مؤلف لکھتے ہیں۔

"روشنی روزانہ تھا، اور اس دور میں بہت اچھا اخبار سمجھا جاتا تھا۔ خود مولانا آزاد بھی اس کے مداح تھے۔"

سنہ ۱۹۱۷ء

رفیق التعلیم

لاہور سے جنوری ۱۹۱۷ء میں یہ تعلیمی ماہنامہ جاری ہوا، ہر ماہ کی ۲۰ تاریخ کو شائع ہوتا تھا۔ لالہ رگھوناتھ سہائے، بی اے ہیڈ ماسٹر دیال سنگھ ہائی اسکول لاہور اس کے ایڈیٹر تھے۔ محکمہ تعلیم پنجاب کی سرپرستی میں نکلتا تھا، قیمت سالانہ تین روپے طلباء کے لئے دو روپے تھی۔ مفید عام پریس لاہور میں لالہ موتی رام منیجر کے اہتمام میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں پنجاب کے کالج اور اسکولوں کی خبریں روئداد اور رپورٹیں طبع ہوتی تھیں، پنجاب کی تعلیم میں حصہ لینے والے، تعلیم کو پھیلانے یا سکھانے والوں کے حالات بھی شائع ہوتے تھے۔

راجہ نریندر ناتھ صاحب ایم اے کے جون ۱۹۱۷ء میں خاں صاحب خلیفہ عماد الدین سے نومبر ۱۹۱۷ء میں ماسٹر پیارے لال صاحب سابق

انسپکٹر مدارس کے اکتوبر ۱۹۱۷ء میں لعد پروفیسر جبارام صاحب کے اکتوبر ۱۹۱۸ء کے نتائج سے حالات سندگی ظاہر ہوئے۔

دیال سنگھ کالج لاہور کی ابتدائی تعلیمی حالت کیا تھی امتحانات کے نتائج کس درجے کے تھے اس کا ذکر جون ۱۹۱۸ء کے نتائج میں ہے۔

"اس کالج کی عمر صرف سات سال کی ہے لیکن اس نے ہر ایک لحاظ سے نمایاں ترقی کی ہے اس میں پانصد سے زیادہ طلباء تعلیم پاتے ہیں طلباء کے اخلاق کی ترقی کا خیال رکھا جاتا ہے۔ جب سے بابو ہیمنت چندر رائے ایم اے پرنسپل ہو کر آئے ہیں۔ کالج کے انتظام تعلیم اور اخلاق میں ایک نئی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے سال حال بی اے کے امتحان میں خاص کر اس کالج نے بہت نمایاں کامیابی حاصل کی ہے اس کا ایک طالب علم لالہ رشی کیش تمام صوبہ میں اول رہا ہے علاوہ ازیں اس کالج سے سب کالجوں سے زیادہ تعداد طلباء کی پاس ہوئی ہے یعنی ۹۴ طلباء پاس ہوئے ہیں بلحاظ اوسط فیصدی کے گورنمنٹ کالج لاہور کے ۷۵، ۶۰ فیصدی طلباء پاس ہوئے ہیں یعنی ۶۲/۱۱۱ دیال سنگھ کالج سے ۹۴/۱۷۰ یعنی ۵۵، ۲۹ فیصدی مشن کالج سے ۱۴/۲۹ یعنی ۲۹، ۴۷ فیصدی اور دیانند کالج ۴۴/۸۲ یعنی ۴۸، ۴۶ فیصدی ہم ان نہایت تسلی بخش نتائج پر جناب پرنسپل صاحب دیال سنگھ کالج اور ان کے قابل اسٹاف کو تہِ دل سے مبارک باد دیتے ہیں۔

شاید آپ خیال کریں گے کہ ٹیچر اور طالب علم موجودہ زمانے میں ہی اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ آج سے

۵۲ سال قبل بھی ۱۹۱۷ء میں ٹیچروں کے مطالبات تھے جن کو منوانے کی وہ کوشش کرتے تھے۔ لالہ مکند لال مدرس دیپال پور نے اپنے ایک طویل خط میں ٹیچروں کی پریشانیوں کا ذکر کیا ہے۔ خط اکتوبر ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

میری ناقص رائے میں مدرسین کو اتنی رعایتیں ضرور ملنی چاہئیں:

۱۔ مدرسین کے لڑکوں کی فیس کم از کم انٹرنس تک تو ضرور معاف ہونی چاہیئے۔

۲۔ اس محکمہ میں ملازم رکھتے وقت مدرسین کے لڑکوں کا حق بہ نسبت اور امیدواروں سے زیادہ سمجھا جائے۔

۳۔ مدرسین کے سکنڈ ڈویژن میں پاس شدہ لڑکوں کو دیگر امیدواروں فرسٹ ڈویژن پاس شدہ پر ترجیح دیکر کالجوں اور ٹریننگ کالجوں میں لیا جائے تاکہ مدرسین کی حوصلہ افزائی ہو۔

۴۔ مدرسین کے رہنے کے لئے مکان کا انتظام محکمہ تعلیم کی طرف سے ہونا چاہیئے۔

۵۔ نارمل پاس مدرسین کی شروع تنخواہ کم سے کم تیس روپے ماہوار ہو جو سالانہ ترقی کرتے کرتے ۵۰ روپے تک پہنچے اور ایس، وی معلمین کی تنخواہ چالیس روپے سے سو روپے تک مقرر کر دی جائے ایس وی ٹیچر کو کسی طرح جے، اے، وی سے کمتر نہ سمجھا جائے کیونکہ جہاں ایس، وی ٹیچر انگریزی نہیں جانتے وہاں ورنیکلر کی قابلیت تو جے، اے وی والوں سے زیادہ رکھتے ہیں۔

۶۔ مدرسین کو اول تو اپنے شہر کے سکولوں ورنہ بالکل نزدیک کے

مدرسوں میں جگہ ملنی چاہیئے کیونکہ وہاں کے لڑکوں سے مدرسین واقف ہوتے ہیں اس سے ان کے چال چلن وغیرہ کی پوری نگرانی کر سکتے ہیں دوسرے پردیس کی نسبت وطن میں خرچ بھی کم ہوتا ہے۔"

رسالہ مخزن لاہور مورخہ جون سنہ ۱۹۱۶ء نے رسالہ رفیق التعلیم لاہور پر یہ ریویو کیا تھا۔

"یہ علمی ادبی رسالہ زیر ادارت جناب لالہ رگھو ناتھ سہائے بی اے ہیڈ ماسٹر دیال سنگھ ہائی اسکول لاہور علمی دلچسپیوں کا ذخیرہ لے کر ماہوار شائع ہوتا ہے۔ ایڈیٹر رسالہ کے علمی افادات ملک میں قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں، سررشتہ تعلیم نے آپ کی کتاب پر آپ کو معقول انعام عنایت کیا تھا۔ آپ کے بعض اخلاقی رسالے پنجاب کے اسکولوں میں پڑھائے جاتے ہیں، رفیق التعلیم کی پانچ سو کاپیاں ٹیکسٹ بک کمیٹی نے خرید کر آپ کی ہمت افزائی فرمائی ہے رفیق تعلیم کے دو تین نمبر دیکھ کر ہمیں نے یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ رسالہ ملک کے لئے مفید ثابت ہوگا، اس کی لکھائی چھپائی نظر فریب ہے۔"

مغلیہ گزٹ لاہور ٹکسالی دروازہ کوچہ سبز شاہ شرقی دروازہ مدرسہ نعمانیہ سے یہ ماہانہ رسالہ جنوری سنہ ۱۹۱۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔ چالیس صفحات پر نکلتا تھا۔ مرزا محمد بیگ پبلشر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ گلزار محمدی سٹیم پریس لاہور میں باہتمام شیخ گلزار محمد پرنٹر کے چھپا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

۱۔ قوم کے افراد میں اخوت کے جذبات پیدا کرنا۔

۲۔ قوم میں دوسری قوموں کی طرح تعلیم کا چرچا پھیلانا۔

۳۔ قوم کے افراد کی امداد حصول روزگار میں سرگرمی کے ساتھ کرنا۔

۴۔ قوم کو صنعت حرفت تجارت و زراعت کی طرف متوجہ کرنا۔

۵۔ قوم میں رغبت دلائی جائے گروہ پیشہ کی طرح کوئی ملازمت اختیار کریں۔

۶۔ قوم کے سامنے بذریعہ مغلیہ گزٹ اپنے بھائیوں کے نام اور ان کے مقامات وغیرہ کی ہمیشہ فہرستیں پیش کی جاویں کہ بھائیوں سے تعلقات پیدا کریں۔

اس رسالہ کے مضمون نگار، مرزا نوازش بیگ مرزا سلطان احمد، سید یوسف علی شاہ، مرزا امیر بیگ مرزا اصغر علی بیگ، مرزا حبیب اللہ اور مرزا غلام عیسٰی وغیرہ تھے۔

اس رسالہ میں کوئی عاشقانہ غزل شائع نہیں ہوتی تھی صرف حمد و نعت یا نیچرل شاعری اور ناصحانہ اشعار درج ہوتے تھے اور تاریخی ادبی اور اصلاحی و مذہبی مضامین چھپتے تھے۔

مغلیہ گزٹ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ اکتوبر ۱۹۱۱ء میں حسب ذیل ریویو کیا تھا۔

مغلیہ گزٹ زقہ وارانہ انجمنوں اور رسالوں کا پنجاب میں جو زور ہے یہ رسالہ بھی اسی اثر کا نتیجہ ہے مغل قوم کا یہ نقیب اور ترجمان ہے زیادہ تر مضامین مغل قوم کی تاریخ و مفاخر اور اصطلاحات کے متعلق

ہیں۔ مثل تلوار کے یہ وصف نسیمؔ اب سخنورں نے قلم پکڑا ہے اس کے ۶ یا ۷ نمبر نظر سے گزرے ہیں لیکن نظم و نثر دونوں میں خامی اور نوآموزی کی جھلک نمایاں ہے رشید وستان کے متعلق اگر اس سے لکی رسائی میں کوشش کریں تو امید ہے کہ رفتہ رفتہ اس میدان میں بھی ز رسد قوت حاصل کریں گے، قیمت دو روپے ضخامت ۴۰ صفحے، پتہ کوچہ بیرن شاہ محال لاہور۔

گلشن لاہور سے جنوری ۱۹۱۷ء کو یہ ادبی رسالہ ظہور پذیر ہوا ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے تھی۔

اس رسالہ میں مشہور شعراء کے کلام کے ساتھ طرحی غزلیات، علمی ادبی، ظریفانہ مضامین طبع ہوتے تھے، نظم و نثر کا بہترین مخزن تھا ادبی ناول اور انگلش افسانوں اور ناولوں کے ترجمے چھپتے تھے، کیلب بہترین انگریزی ناول" سراغ رسان چور یا تین جسموں والا آدمی، بالالتزام شائع ہوتا رہا۔

العرفان بنگلور سے یہ رسالہ جنوری ۱۹۱۷ء کو نمودار ہوا، یہ ماہانہ رسالہ تھا۔ محمد اسحاق اس کے اڈیٹر تھے، مذہبی مضامین شائع ہوتے تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا

حیات اردو مراد آباد سے فروری ۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے اڈیٹر طفیلی اسحاق بیگ مراد آبادی تھے، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں طرحی غزلوں کے علاوہ نثری مضامین بھی

ہوتے تھے مگر مقامی شعرا کا طرحی کلام زیادہ چھپتا تھا۔ شعرا کے کلام کے انتخاب میں زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔

ذوالفقار ذوالفقار منزل لاہور سے فروری ۱۹۱۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ نما ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر سید احمد شاہ ہمشی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔ سیوک سٹیم پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

یہ شیعہ حضرات کا آرگن تھا جس میں اصلاحی علمی، اخلاقی تمدنی اور تاریخی مضامین چھپتے تھے اور مذہبی بحثیں بھی شائع کی جاتی تھیں۔

شمع انجمن مراد آباد محلہ چاہ کلال سے مارچ ۱۹۱۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ ۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب سید محمد ناصر صاحب کلیم رضوی ایچ پی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے ۱۰ آنے تھا۔

ہم طرح غزلوں کے علاوہ اس رسالہ میں دو ایک نثر کے مضمون بھی ہوتے تھے۔ طرحی غزلوں میں جناب بشیر کاکوری اور جناب کلیم رضوی کی غزلیں قابل داد ہوتی تھیں۔

الصباح لاہور سے یہ روزانہ اخبار اپریل ۱۹۱۷ء میں شائع ہوا، چھ صفحات پر مشتمل تھا۔ عبداللہ العمادی ایڈیٹر اور احمد دین پبلشر تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپے اور قیمت فی پرچہ دو پیسہ تھی۔ اسٹیم سیوک پریس لاہور میں چھپائی ہوتی تھی۔ کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ تھا، اس کے مخصوص عنوان بر قیات

ہندوستان کی خبریں، لاہور و پنجاب اور جنگ یورپ وغیرہ کے ملکی وغیر ملکی خبروں کے علاوہ سیاسی، مذہبی مسائل زیر بحث، اور نکتہ چینی کی جاتی تھی، جنگی خبروں کو نمایاں طور پر شائع کیا جاتا تھا اسلامی انجمنوں کی بدعنوانیوں پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ ان کے عیوب ونقائص کو منظر عام پر لایا جاتا تھا۔ چنانچہ ۲۸ مئی اور ۲۹ مئی ۱۹۱۷ء کے پرچوں میں انجمن اسلامیہ پنجاب کی بدعنوانیوں پر قسط وار مقالہ افتتاحیہ لکھا گیا۔ مدارس و اسکول و کالج کی ترقی کے لئے مشورے دئے جاتے تھے اور ان کی روئداد بھی شائع ہوتی تھی۔

۲۹ مئی ۱۹۱۷ء کے شمارے میں اسلامی اسکول جونپور کی ترقی دینی والی خبر چھاپی تھی:

جونپور اگرچہ مسلمانوں کا ضلع ہے جہاں ایک لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کی مردم شماری ہے اور اکثر شریف خاندان کے مسلمان رہتے ہیں، زیادہ زمانہ نہیں گزرا۔ جب تک جونپور علم و فضل کا مرکز تھا آج بھی کچھ نہ کچھ قدیمی علوم کی درسگاہیں موجود ہیں لیکن اچھی حالت میں نہیں ہیں، بہت سے اوقاف بھی ہیں اور سب سے بڑے وقف کے متولی آنریبل نواب عبدالمجید صاحب سی، آئی ہیں، ابھی تک ضلع میں مسلمان روسا کی تعداد بھی کافی ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے۔ شہر جونپور میں انجمن اسلامیہ کی جانب سے انگریزی کا ایک ابتدائی اسکول ہے جو درجہ چہارم تک ریگیا تر کا ہے اب انجمن نے ایک اعلان شائع

کیا ہے کہ جو لوگ کم مقدار میں روپیہ یعنی ساڑھے سات روپے سے بھی کم ترمنہ جنگ میں دینا چاہیں وہ انجمن کو روپیہ دیں اگر پچاس ہزار روپیہ اس طرح جمع ہو جائیں تو انجمن مسلمانان جونپور کی جانب سے پچاس ہزار روپے کے تمسک قرضہ جنگ کے خرید کرے گی۔ لیکن یہ روپیہ اور اس کا سود انجمن کے اسکول کی ترقی میں صرف ہوگا تاکہ اسکول کو ہائی اسکول تک پہنچایا جائے۔"

اسی ۲۹ مئی ۱۹۱۸ء کے شمارے میں علیگڈھ مسلم کالج کے ایک انگریز استاد کے فوت ہونے کی اطلاع شائع ہوئی۔

علیگڈھ مسلم کالج کے ایک سابق پروفیسر مسٹر گارڈنر براؤن کا بمقام اندور انتقال ہو گیا۔ وہ کالج کے اسٹاف میں ۱۸۹۹ء سے ۱۹۰۸ء تک شامل رہے تھے، علاوہ ایک کامیاب پروفیسر ہونے کے کالج کی علمی و سوشل زندگی میں بھی نمایاں حصہ لیتے تھے۔ کالج کی ریڈنگ سوسائٹی ان ہی کی قائم کردہ ہے جس کے وہ پہلے پریسیڈنٹ تھے۔ ۱۹۰۴ء سے ۱۹۰۸ء تک وہ ڈیوٹی کے ممبر رہے فٹ بال کلب کے پریسیڈنٹ تھے اور کالج کے ہاکی سسٹم کے بانیوں میں ان کا بھی نام ہے مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے کچھ عرصہ تک جوائنٹ سکرٹری رہے تھے ایک زمانہ میں انہوں نے ولایت لوٹتے ہوئے جامع ازہر (مصر) کو دیکھا اور علی گڑھ آکر اعلیٰ عربی تعلیم کی اسکیم پیش کی جس نے بہت رد و قدح کے بعد موجودہ پوسٹ گریجویٹ تعلیم کی شکل اختیار کی۔ علیگڈھ کالج سے جا کر وہ میور کالج الہ آباد میں رہے تھے اور آج کل اندور کالج کے پرنسپل ہیں۔

عبداللہ العمادی

عمادی صاحب کا سلسلۂ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، شیخ عماد صاحب فضل و کمال میں اس خاندان کے سرشتۂ اعلیٰ تھے۔ وہ آٹھویں صدی کے آخری برسوں میں ہندوستان آئے، اس زمانہ میں علمی قافلوں کی منزل پورب دیس تھا شیخ عماد اور ان کے خاندان کے لوگ علوم و فنون سے افادہ حاصل کرنے کے لئے جونپور پہنچے ابراہیم شرقی کے زمانے میں اس خاندان کے درس علوم کا شہرہ ہوا، [illegible] خاص و عام تھا اس نے ان کو بارہ گاؤں جاگیر عطا کئے۔ ان لوگوں نے ان دیہات کو درسگاہ بنا لیا۔ یہ دیہاتی درسگاہیں صحت مند تعلیم و تربیت کے علاوہ تبلیغ کا بھی واسطہ و ذریعہ تھیں، عمادی خاندان نے پورب کے مقامات پر تقریباً ساڑھے چار سو برس تعلیم کی مشعل جلائی۔ آخر زمانہ میں سوگھر پور میں شیخ عبدالقادر عمادی کی درسگاہ مرجع عام تھی جس میں یک وقت [illegible] درس و تدریس ہوتے تھے۔ بادشاہوں کی جاگیر اور حصہ کے ابتدائی عہد حکومت میں [illegible] آخر میں علم کی جاگیر جو ان کی ذات کی تھی ان کے زیر [illegible] ایک گاؤں تھا اس کی آمدنی سے [illegible] دونوں وقت کا کھانا عمادی صاحب کے ساتھ کھاتے تھے۔ عبدالقادر عمادی، علامہ عبداللہ العمادی کے پردادا تھے۔

عمادی صاحب نے اس ماحول میں آنکھ کھولی جب ان کے خاندان کی بول چال کی زبان عربی تھی، صرف و نحو اپنی دادی سے پڑھی اور گیارہ برس کی عمر میں اتنی استعداد حاصل کر لی تھی کہ وہ خود عربی کی الف لیلہ پڑھ لیتے تھے اور اس کے علاوہ مقامات

لغت کی مدد سے حل کر لیتے تھے۔ اسی کتاب نے عربی ادب کا ذوق
پیدا کیا۔ علوم و ادب اپنے والد اور دادا سے پڑھے دونوں بزرگ
صاحب علم و فضل تھے ادب کی کتابیں چھوڑ کر قرآن و حدیث کے
درس میں بہترین ادب عالیہ پڑھا دیا۔ نقلی و عقلی علوم میں ملا نظام الدین
کے اصول پر ترقی کی ایک ایک دو دو جامع و مستند کتابیں پڑھائیں
فقہ میں عام نصاب کے خلاف امام محمد شیبانی کی جامع صغیر و جامع
کبیر پر اکتفا کیا اور آخر میں امام رازی کی شرح اشارات پڑھائی
یہ درس نظامی میں اضافہ تھا۔ اس کے بعد خیرآبادی درسیات سے
فکر و نظر کی دستیں حاصل کرنے کے لئے مولوی ہدایت اللہ خاں رامپوری
کے درس میں داخلہ لیا۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد حکیم عبدالمجید خاں صاحب سے
دہلی جا کر طب کی مشہور کتاب القانون پڑھی۔ پھر رامپور میں عرب
محمد طیب سے فنون ادب کی تحصیل کی۔

اسی زمانہ میں مولوی عبدالعلی آسی نے لکھنؤ میں اصح المطابع
قائم کیا تھا جس میں حدیث فقہ خصوصاً عربی کی درسی کتابیں
تصحیح کے ساتھ چھاپتے تھے۔ اس کام کے لئے ایسے آدمی کی
تلاش تھی جو ادب اور مختلف علوم میں دستگاہ رکھتا ہو وہ ایسے
آدمی کی تلاش میں رامپور پہنچے طیب صاحب نے عمادی صاحب کا
تعارف کرایا۔ اور آسی صاحب تنے ساتھ عمادی صاحب کو لکھنؤ
بھیج دیا۔ پریس میں قلمی اور مطبوعہ نسخے تھے عمادی صاحب اول سے
آخر تک لفظ بہ لفظ ایک کتاب پڑھتے تھے اور کتابت کی

غلطیاں درست کرتے آسی صاحب کا بیان اور بیدف پڑھتے اصح المطابع کا نام مدی حلقوں میں صحت طباعت کی ضمانت سمجھا جاتا تھا۔ عمادی صاحب کہتے تھے کہ اس کام سے مجھے بڑا فائدہ پہنچا۔ غلطیوں کی تصحیح نے گھٹشکار در برکھ کی استعداد پیدا کردی اور غور سے پڑھنے کی وجہ سے مباحث ذہن نشیں ہو گئے، اور پوری کتابیں پڑھنے سے تفصیلہ اس کے مباحث سامنے آ گئے[1]

تصحیح کے کام سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے پہلے الریاض عربی کا ایک ماہنامہ جاری کیا، اس کے بعد عربی واردو میں لکھنؤ سے البیان رسالہ نکالا۔ عمادی صاحب کی اردو کی صحافتی زندگی کی ابتدا اخبار وکیل سے ہوئی، اس کی ایڈیٹری کرنے کے بعد الندوہ پران کا نام بہ ایڈیٹری میں نظر آیا، تہذیب الاخلاق کو بھی انھوں نے ایڈیٹ کیا۔ یہ رسالہ بھی وکیل لمٹیڈ کے زیر اہتمام نکلا تھا۔ عرصہ دراز تک لاہور میں زمیندار اور ستارہ ہند کی ایڈیٹری کی ۱۹۲۷ء میں لاہور سے ایک روزنامہ الصباح جاری کیا جس کے ایڈیٹر عمادی صاحب مقرر ہوتے تھے۔

سفیر کابل کو ۱۹۲۸ء سے تاریخ ابن خلدون کی فارسی میں ترجمہ کرنے کی فکر تھی۔ ایک دن حکیم اجمل خاں صاحب سے سفیر نے کہا کہ آپ کے ہندوستان میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو ابن خلدون کا فارسی میں ترجمہ کر دے مجھے ایسے

---

[1] نقوش لاہور کا شخصیات نمبر جلد دوم مضمون ابوالخیر مودودی ص۱۱۸

آدمی کی تین سال جستجو کرتے ہو گئے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے یہ کام عمادی صاحب کے سپرد کیا۔ انھوں نے دو سال میں بہترین ترجمہ کردیا۔

عمادی صاحب حیدرآباد دکن کے دار الترجمہ جامعہ عثمانیہ میں رکن مدرسی اور مبصر کی حیثیت سے ملازم ہوئے۔ مہاراجہ کی علمی محفل کے رکن رکین اور دمخدار عالم و شاعر تھے، مہاراجہ کا قصیدہ لکھتا ہے ؎

کدام جلوہ خورشید در ظلام نرفت
کدام تیغہ شمشیر در نیام نرفت
بہر کجا نگرم فیض شاد می بینم
نشاں ز نشہ کہ جمشید رفت و جام نرفت
لگام سلطنت افروخت روی ناموری
لیکن سلطنت از کام رفت و نام نرفت

حیدرآباد دکن کی تعریف میں ایک نظم لکھی تھی جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

اے دکن لطف رسول عربی یار تو باد
ہمت آل نبی تا فلک سالار تو باد
مے جدا نا شدہ ز انگور بہ پیمانہ تو
دور رہا نا شدہ از بہر مہ و دستار تو باد

؎ داستان ادب حیدرآباد دکن ۱۹۵۱ء

حجابی ورد تیہ دسجدہ بال خبیث کش تو
سندہ دعیّزال و جہن غاشیہ بردار تو باد
نو گلشن توحید ہوا دارئی تست
چشم بر نغمۂ گلشن کہ ہوا دار تو باد

بائیس سال حیدرآباد میں گزارے۔ دارالترجمہ میں وہ سب کچھ تھے مترجم، ناظم مذہبی، علمی مبصر، وضع اصطلاحات ان کو عربی فارسی کی قدیم و جدید منطقیات پر بڑا عبور تھا۔ اس لئے وہ ہر شعبہ کی مجلس مصطلحات کے مستقل رکن تھے اور ان کو ارکان مجلس میں بڑا اقتدار حاصل تھا۔ اس کے باوجود وہ علمی رہنمائی سے ایک قدم آگے نہیں بڑھتے تھے، اصطلاح وضع کرنے میں مدد دیتے اور اس بات سے غرض نہ رکھتے کہ ان کی مدد اور رہنمائی قبول کی گئی ہے یا نہیں۔ کتب خانہ آصفیہ کی مجلس مخطوطات میں وہ قلمی نسخوں کے مستند مبصر تھے اس کی علمی قدر جاننے میں ان کی نگاہ تیز تھی۔

عمادی صاحب اسلامی علوم نقلی و عقلی کے حافظ، وسیع النظر مورخ، عربی، فارسی اور اردو کے زبردست انشا پرداز تھے ان معاملات میں ان کا حافظہ بلا کا تھا۔ لیکن بیسیوں مرتبہ کے چلے ہوئے راستے کو بھول جاتے تھے اور بغیر رہنمائی کے اپنے گھر واپس نہیں پہنچ سکتے تھے مگر کتاب کوئی بھی ہو، فسانہ آزاد، طلسم ہوش ربا یا کوک شاستر، ایک دفعہ نظر سے گزر جانی شرط تھی از بر یاد ہو جاتی تھی بلکہ بعض جگہ کی عبارت اور فقرے لفظ بہ لفظ یاد رہتے تھے۔
علامہ عمادی میں اس قدر اچھا بیان اور خوبیاں تھیں

کہ آج ڈھونڈنے سے بھی کہیں نظر نہ آئیں گی، تکبر و نخوت تو چھو کر نہیں گئی۔ اپنے ملنے والوں کی بے حد عزت کرتے تھے اپنے سے چھوٹوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے گویا وہ ہر حیثیت میں ان سے چھوٹے نہیں اپنی کسی بات اور کسی طریقے سے ایک جاہل ہم نشیں کو اس بات کا خفیف سا بھی احساس نہیں ہونے دیتے تھے کہ وہ اپنے آپ کو کچھ سمجھتے ہیں۔ بچی اور مالی مدد کا جو سلسلہ ایک دفعہ انھوں نے شروع کر دیا۔ مرتے دم تک قائم رکھتے۔ ان کی تنخواہ میں مدد کی ایک مستقل رقم تھی۔ مدد اس طرح کرتے کہ اونچا ہاتھ نیچا رہتا اور نیچا ہاتھ اونچا۔ جیسے مرید عقیدتمند اپنے پیر روشن ضمیر کو اور سعادتمند شاگرد اپنے استاد کو نذر پیش کرتا ہے۔ عید و بقرعید پروفیسر کے چپراسیوں کا گروہ سلام کو آتا۔ حیدرآباد کا عام دستور تھا کہ چپراسیوں کا سلام لے لیا۔ اور انعام دلوا دیا۔ لیکن یہ سب سے مختلف کرتے ان کو بٹھاتے، خود ہر ایک کو عطر پان پیش کرتے اور عید کا انعام ٹھیک اسی طرح پیش کرتے جس طرح وہاں اعلیٰ حضرت نظام کو نذر پیش کی جاتی تھی۔

نوکروں کے ساتھ برابر کا سلوک تھا۔ ان کے صرف دو نوکر تھے لیکن ان کا سارا گھر ان کے دستر خوان میں برابر کا حصہ دار تھا جو خود کھاتے وہی ان کو کھلاتے۔ دکھ بیماری میں ان کی دیکھ بھال علاج معالجہ کرتے تھے اور ان کے بچوں کو اپنے بچوں کی طرح سمجھتے تھے۔ عزیز و اقارب سے بہت محبت سے پیش آتے تھے وطن جب جاتے عزیزوں اور دوستوں کے لئے سوغات لے جاتے تھے

بچوں کو تعلیم دیتے۔ خاندان کے متعدد بچوں کو ان کی مرضی و رجحان
کے مطابق تعلیم دلائی۔ ایک بھتیجے کو ادب کا اور ان کے لڑکے
کو سائنس کا شوق تھا۔ دونوں کو بلا اعتبار ایک ساتھ علی گڑھ میں
پڑھوایا۔

علامہ عمادی کو پڑھنے اور پڑھانے کا بے حد شوق تھا۔ یہ
ضروری نہ تھا کہ پڑھنے والا ان کے گھر پر پڑھنے کے لئے آئے
یہ بلا تکلف اس کے گھر پر پڑھانے چلے جاتے تھے چنانچہ ۱۹۳۵ء
کی بات ہے کہ مولانا ظفر علی خاں صاحب نے ابوالخیر مودودی صاحب
سے بیان کیا تھا کہ مجھ سے ڈاکٹر اقبال نے ذکر کیا کہ میں ابن عربی
کا فلسفہ سمجھنا چاہتا ہوں کوئی آدمی [illegible] بتاؤ جو مجھے ابن عربی کی
فصوص [illegible] فتوحات کے مباحث [illegible] فلسفہ سمجھائے۔ ابن سے
[illegible] کو تجویز کیا اور یہ حضرت خود جاکر پڑھانے اور سمجھانے
گئے

[illegible] اردو کے [illegible] اشعار چند ہزار ہر قسم کے
[illegible] متعدد [illegible] تھے اور ادبی، تاریخی اور فقہی لطیفوں کی
[illegible] چھوڑ گئے تھے۔

[illegible] اپنے معتقدات میں بے حد راسخ تھے لیکن اپنے
[illegible] سختی سے ٹھونسنا نہیں چاہتے تھے وہ ہر شخص کو وہ
[illegible] آزادی دیتے تھے ان سے ملنے والوں میں ہر عقیدہ
[illegible] کے لوگ تھے، جہاں غالی شیعہ تھے وہاں راسخ اسماعیلی
[illegible] ایک غالی شیعہ دوست نے سوال کیا کہ مولانا! اسلام نے

موسیقی کی سرپرستی کیوں نہیں کی ـ ؟ جواب دیا کہ آپ حسن کو موسیقی سمجھتے ہیں اس کی سرپرستی اسلام نے اس وجہ سے نہیں کی کہ وہ طبلچی اور سارنگیے پیدا کرنا نہیں چاہتا۔ خیبر شکن حیدری اثر پیدا کرنا چاہتا ہے[1]
آپ کا حیدرآباد دکن میں ۲۴ ستمبر ۱۹۳۸ء کو انتقال ہوا۔
عمادی صاحب فارسی میں زیادہ اور اردو میں شعر کم کہتے تھے
عہد شباب کی ایک غزل ہے ؎

چشم پرفن کا ہے گردش میں نظام اے ساقی
گردش ساغر و مینا کو سلام اے ساقی

سطوت جام کی ہے نفی رسم عالمگیری
اب کہاں دولت شرب مدام اے ساقی

تشنہ ہے منتظر سجدۂ خورشید ازل
سجدہ گاہ [illegible] ماہ تمام اے ساقی

کعبۂ دل میں نظر آتی ہے خدائی کی نمود
لب تک آتا ہے [illegible] کا نام اے ساقی

پرتو صبح بنا گوش سے ہوگی کیا نور
[illegible] گلزار کی شام اے ساقی

تیغ ابرو سے ہے آشام [illegible]
دم شمشیر سے رندوں کا [illegible] اے ساقی

ہے گل رنگ شہادت کا چلیے زمرہ میں درد
آ چلی ساعت افطار صیام اے ساقی

---

[1] نقوش کا لاہور نمبر دوم جلد دوم ص [illegible]

برطانیہ دہلی سے یہ مشترہ ولد اخبار اپریل ۱۹۱۸ء میں وجود میں آیا۔ ۲۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ دو روپے چندہ تھا۔

راجپوت گزٹ لاہور کے فنڈ سے ۱۴ر جولائی ۱۹۱۸ء میں اس سالہ پرچہ شائع ہوا ہے۔ اس نام کا ہفتہ میں تین بار شائع ہونے والا اخبار دہلی سے نکلتا تھا جس کے اس وقت تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں یہ پرچہ ہونہار معلوم ہوتا ہے اگر محنت کی جائے تو بہت کچھ مفید ہو سکتا ہے لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے جنم لیتے ہی اس بیماری کا شکار رہا جس میں کہ پنجاب کے اکثر اخبار مبتلا ہیں۔ اپنے ایک مقامی معاصر کے ساتھ تو تو میں میں شروع کر دی ہے لیکن یہ پالیسی درست نہیں ہے۔

مسیحا اپریل ۱۹۱۸ء کو لکھنؤ سے بتا حکمت اور شفاخانہ سے یہ ماہانہ طبی رسالہ نکلا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ لکھنؤ کے نامور اطبا اس کے بانی تھے اس سبب تازہ معلومات کا تذکرہ کیے جاتے تھے اور مریضوں کو مشورے بھی دیے جاتے تھے۔

ستارۂ ہند امین آباد پارک لکھنؤ سے مئی ۱۹۱۸ء کو یہ روزانہ اخبار منظر عام پر آیا۔ ۴ صفحوں پر نکلتا تھا۔ منشی نواب علی پرنٹر اور سید سجاد علی پبلشر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے اور قیمت فی پرچہ ایک پیسہ تھا۔ مطبع نادرن انڈیا پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طباعت ہوتی تھی۔ طباعت، کتابت اور کاغذ عمدہ تھا۔

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی خبروں کے علاوہ سبق آموز تاریخی واقعات اور تاریخی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے، یہ اخبار تنگ نظر نہیں تھا کانگریس کے جلسوں، اجلاسوں اور کانفرنسوں کی کارروائیاں چھپتی تھیں مسلمانوں کے حقوق پر بھی توجہ دلاتا تھا۔ اور مسلم لیگ کے مخالفوں میں نہیں تھا اس کے دو عنوان "آج کی تازہ برقی خبریں" اور "مختلف حالات و واقعات" تھے۔

ممالک متحدہ کی اسپیشل میٹنگ لکھنؤ میں پنڈت موتی لال نہرو کی صدارت میں ہوئی۔ اس کی مختصر روئداد ۱۲ اگست ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپی۔

"۱۰ اگست کو ممالک متحدہ کی اسپیشل پروونشل کانگریس کا اجلاس انجمن رفاہ عام ہال لکھنؤ میں منعقد ہوا۔ سات سو ڈیلیگیٹ موجود تھے قومی کتابوں کا ایک ذخیرہ فروخت کے لئے موجود تھا، انتظام اچھا تھا۔ پلیٹ فارم پر مسز اینی بسنٹ کی تصویر ایک نمایاں مقام پر آویزاں کی گئی تھی۔ اور اس کے دونوں کونوں پر پھولوں کے ہار چڑھائے گئے تھے، سرخ اور سبز جھنڈیاں تصویر کے نیچے نصب کی گئی تھیں، تصویر کے اوپر "ہوم رول" آویزاں کیا گیا تھا۔ "اچھی گورنمنٹ سلف گورنمنٹ کی قائم مقام نہیں ہو سکتی" جا بجا دیواروں پر حسب ذیل موٹو بھی نصب تھے: "ہندوستان ہر شخص سے اپنا فرض بجا لانے کی امید کرتا ہے" "قانون مطابع و منسوخ کرو" "اتفاق ہماری قیام کی وجہ ہے" "حق قوت ہے" "ایجی ٹیشن کرو، ایجی ٹیشن کرو" تقریب میں لیڈیاں موجود تھیں جن میں چار یورپین تھیں۔ ایک یورپین لیڈی ہندوستانی

پاس میں تھی، میٹنگ حسب اعلان گیارہ بجے منعقد ہونے والی تھی۔ مگر آنریبل پنڈت گوکرن ناتھ نے تقریباً بارہ بجے یہ اعلان کیا کہ رزولیوشن کے مرتب کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اس وجہ کمیٹی ایک بجے منعقد ہوگی۔

پنڈت برج نرائن چکبست لکھنوی نے اردو کی ایک پرجوش نظم پڑھی جس کی مجمع نے بہت تعریف کی، آنریبل پنڈت گگن نرائن نے بحیثیت چیرمین استقبالیہ کمیٹی اپنی تقریر کی۔ آنریبل راجہ محمود آباد کی تجویز سے آنریبل پنڈت موتی لال نہرو اس جلسہ کے صدر قرار پائے۔ صدر جلسہ نے اپنا طویل ایڈریس پڑھا جس میں گورنمنٹ کی پالیسی پر نکتہ چینی اور مسز اینی بیسنٹ اور ہوم رول کی حمایت کی گئی تھی صدر نشین جلسہ کی طرف سے مسٹر دادا بھائی نوروجی کی وفات پر اظہار تعزیت کا اول رزولیوشن پیش ہو کر بالاتفاق پاس ہوا اس کے بعد لارڈ ہارڈنگ سابق وائسرائے ہند کی نسبت عراق عرب کمیشن نے جو خیالات ظاہر کئے تھے اس کی تردید لارڈ صاحب کی نیک نیتی کی تائید اور ہمدردی کا رزولیوشن پاس ہوا، تیسرا رزولیوشن مسٹر عبدالرسول بیرسٹر کلکتہ کی وفات پر رنج و افسوس ظاہر کرنے کے متعلق پاس ہوا، چوتھا رزولیوشن اس مضمون کا مسٹر بومن جی بیرسٹر سہارنپور کی تحریک اور آنریبل ڈاکٹر تیج بہادر سپرو نواب ذوالقدر جنگ کی تائید سے پاس ہوا کہ مسٹر اینی بیسنٹ مسٹر ارنڈیل اور واڈیا کو ناواجب طور پر نظر بند کیا گیا ہے اور یہ کانگریس ان سے ہمدردی رکھتی ہے کیونکہ ان لوگوں نے ہندوستان کے مسئلہ قومیت میں نہایت

خدمات انجام دی ہیں ان لوگوں کو فوراً آزاد کر دیا جائے، پانچواں
رزولیوشن مسٹر محمد علی اور مسٹر شوکت علی کی نظر بندیوں پر اعتراض کرنے
اور ان کے رہا کر دیے جانے کے متعلق تھا، اس رزولیوشن کی تائید
ڈاکٹر رنجیت سنگھ نے اور مسٹر اے پی سین بیرسٹر نے کی چھٹے رزولیوشن
میں ہندوستان کو ہوم رول دیے جانے کے متعلق گورنمنٹ کی طرف
سے جس منافقانہ پالیسی کا اظہار ہوا ہے اس پر اعتراض کیا گیا ہے
اور یہ کہا گیا کہ جبکہ نو آبادیوں کو انگلستان سے مساوات کے حقوق روز
بروز دیتی جاتی ہے تو افسوس ہے کہ ہندوستان جس نے باوجود جنگ
میں قابل قدر قربانیاں کیں اور ہر طرح اظہار وفاداری کیا اس کو خیالات
ورائے کے ظاہر کرنے میں پوری آزادی نہیں دی جاتی اور اصلاحات
کے متعلق یا تو خاموشی اختیار کی جاتی ہے یا اس کے برخلاف کیا جاتا ہے
اور ساتھ ہی گورنمنٹ کے سرگرم حامیوں کو سزائیں دی جاتی ہیں۔ اس
رزولیوشن کی تحریک آنریبل مسٹر سمیع اللہ بیگ کی طرف سے ہوئی جس
کی تائید مسٹر یوسف علی خان اور بابو ایشور سرن نے کی اس کے بعد
ساتواں رزولیوشن اس مضمون کا پیش ہوا کہ سلف گورنمنٹ کے
حاصل کرنے میں آئینی جد و جہد جاری ہے اور اس کے حصول میں
جملہ قربانیاں خوشی سے منظور کی جائیں۔ آنریبل پنڈت مدن موہن
مالویہ نے اس رزولیوشن کی تحریک اردو زبان میں کی اور ایک مدلل تقریر
آنریبل راجہ صاحب محمود آباد نے اس رزولیوشن کی تائید میں کی
ڈاکٹر مختار احمد انصاری اس کے بعد تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے
آپ نے بیان کیا ہائے شہر دہلی میں اس بارہ میں کسی قسم کی میٹنگ

منعقد کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی۔ آپ کی تقریر شروع ہی ہوئی تھی کہ صدر جلسہ نے "مزاحمت کی اور ہیبڈ ریزولیوشن) پر تقریر کرنے سے روک دیا۔ اور کہا کہ اس کے متعلق کسی تقریر کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ آپ کے بیٹھ جانے پر مسٹر غلام حسین ایڈیٹر "نیوا یرا" اور مسز ایرا ماؤ وکیٹ و دیگر حاضرین جلسہ معترض ہوئے۔ پنڈت مدن موہن مالوی اور صدر جلسہ نے سمجھایا کہ اس ریزولیوشن پر تقریر کرنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد آنریبل پنڈت گوکرن ناتھ اور مسٹر ممتاز حسین نے تقریر کی، آخری ریزولیوشن یہ تھا کہ وزیر اعظم انگلستان اور سکرٹری آف اسٹیٹ کو اس مضمون کے تار بھیجے جائیں کہ آپ مداخلت کر کے ہندوستان کی ناراضامندی دور کریں اور وطن پرست نظربندار دے جائیں۔ ان کی رہائی کے احکام صادر کریں۔ اور آزادیٔ تقریر کی اجازت دیں اور فوراً اعلان کریں۔ کہ عنقریب سلف گورنمنٹ ہندوستان کو دی جائے گی۔ اس کے بعد کچھ اور تقریریں ہوئیں اور جلسہ برخاست ہوا۔ جلسہ میں جب کبھی لارڈ چیمسفورڈ کا نام آتا تھا۔ شیم شیم کہا جاتا تھا۔ اور مسٹر محمد علی مسٹر شوکت علی، مولانا حسرت موہانی مسٹر تلک اور مسز اینی بیسینٹ، مسٹر ودارتیا اور ارنڈیل کے ناموں پر بہت تالیاں بجائی جاتی تھیں۔"

بمبئی کے ایک رئیس و مخیر حاجی قاسم کی وفات پر ان کے حالات زندگی پر ۲۷ اگست ۱۹۱۷ء کے شمارے میں روشنی ڈالی گئی ہے وہ مسلمان جو کسی زمانے میں دنیا کے لئے نمونہ انسانیت تھے

آج ان کے طرزِ عمل پر دنیا آواز ے کستی ہے اور ان کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی گردش فلک اپنے کام میں مصروف ہے اور ہم سے ان لوگوں کو جدا کر رہی ہے جن میں با این ہمہ بزرگان سلف کے اب تک کچھ اخلاق و عادات پائے جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر بمبئی کی ملائی میمن قوم کے ممتاز فرد حاجی قاسم یوسف مرحوم کا نام نامی پیش کرتے ہیں جنھوں نے مخلوق خدا کی خدمت پر ہزار ہا روپیہ صرف کئے جن کے مزاج میں باوجود دولت و حشمت وہی انکساری و ملنساری تھی جو بزرگوں کی مایۂ ناز عادت رہی ہے ان کی سخاوت و دریا دلی بمبئی کا بچہ بچہ جانتا ہے کاش ہماری قوم میں ایسے بہت سے لوگ پیدا ہو جائیں جو حقیقتاً اجرالناس من ینفع الناس کا عملی نمونہ ہوں۔ کل بتاریخ ۵ شوال المکرم مصطفٰی آباد دوال میں مرحوم کے چہلم کی تقریب نیاز تھی شہر بھر میں عام دعوت دی گئی علاوہ ہزارہا امیر و غریب اہل شہر تقریباً آٹھ نو سو محتاج بھی شریک دعوت ہوئے۔ مرحوم کے بلند ہمت فرزند جناب علی سیٹھ اور ان کے احباب جناب سیٹھ ولی محمد صاحب نے بڑی سرگرمی اور مستعدی سے مہمانوں کی خاطر تواضع کی ۔

خورشید لکھنؤ سے جون ۱۹۱۶ء کو یہ ماہوار رسالہ وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر اختر لکھنوی تھے، سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

اس رسالہ میں ایڈیٹر صاحب کے شاگردوں کا کلام زیادہ شائع ہوتا تھا۔ جو مناسب نہیں تھا۔

سخن سنج کلو مرزا بیگ خاں لکھنؤ سے یہ ادبی سہ ماہی رسالہ اکتوبر ۱۹۱۵ء کو نمودار ہوا۔ ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ صرف نو آنے تھا۔

رسالہ خیال ہاپوڑ کے نومبر دسمبر ۱۹۱۵ء کے شمارے میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"لکھنؤ کا ایک ادبی سہ ماہی رسالہ جس میں نثر و نظم کے مضامین ہوا کرتے ہیں۔ اس کے حصہ نثر میں مولانا شرر کی لکھی ہوئی "خبریت رحبیں ملکۂ عجم" کی سوانح عمری ہے اور حصہ نظم میں مشاہیر زمانہ اور منتخب شعراء کی غزلیں ہیں"

المعالج حیدرآباد دکن سے ۱۹۱۷ء کو یہ طبی رسالہ نکلا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر حکیم بشیر احمد تھے سالانہ چندہ پونے دو روپے تھا۔

اس طبی رسالہ میں طب یونانی کے متعلق اچھے مضامین شائع ہوتے تھے، چند سال کے بعد جب ایڈیٹر صاحب کے مریضوں کی تعداد کافی ہو گئی تو انھوں نے رسالہ کی طرف توجہ دینی بند کر دی اس لئے رسالہ بھی بند ہو گیا۔

اتالیق حیدرآباد دکن سے یہ بچوں کا رسالہ ۱۹۱۷ء میں ظہور پذیر ہوا۔ ۴۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر عبدالرب صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ محکمہ تعلیمات کی طرف سے جاری ہوا تھا جو کئی سال تک نکلا اس میں اچھے مضامین چھپتے تھے۔

میونسپل ریویو یہ ہفتہ وار اخبار سلطان روڈ کانپور سے ۱۹۱۷ء شائع ہوا آٹھ صفحوں پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا جمہوری آزاد بے خوف اور متین اخبار تھا۔ حب قومی اخبار کے حامی اور محافظ تھے۔

پیکر خیال بنگلور سے یہ ماہوار رسالہ ۱۹۱۷ء کو جلوہ افروز ہوا ۳۲ صفحوں پر نکلتا تھا۔ عبدالباسط برق اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

مورخ لکھنؤ کرہ بزل بیگ خاں سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۷ء کو جاری ہوا۔ ۸۰ صفحوں پر مشتمل تھا ایڈیٹر محمد صدیق حسن صاحب تھے، سالانہ چندہ پانچ روپے چھ آنے تھا۔

یہ رسالہ خالص تاریخی تھا جس میں مختلف تاریخی مضامین اور ضخیم تاریخیں بالاقساط شائع ہوتی تھیں، ۴۸ صفحات پر مولانا شرر کی تاریخ عرب اور ۳۲ صفحوں پر کاؤنٹ کی تاریخ دولت ہسپانیہ عرب کا ترجمہ ۱۹۱۸ء کے پرچوں میں شائع ہوا۔

الخلیل یہ ہفتہ وار اخبار بجنور سے غالباً ۱۹۱۷ء میں نمودار ہوا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ اس اخبار کا ایک اشتہار بعنوان "کیا آپ نے نہیں دیکھا" رسالہ انتخاب بادرہ لکھنؤ ستمبر ۱۹۱۷ء میں طبع ہوا تھا۔

"الخلیل اخبار ہفتہ وار بجنور ہے جس کو نہایت شوق کے ساتھ لاکھوں سے کم ناظرین نہ دیکھتے ہوں گے۔ کیونکہ اس کا جواب دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے قیمت سالانہ عہ ششماہی ...

بزم تجارت دہلی سے یہ تجارتی رسالہ ۱۹۱۷ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۲۵ صفحات پر مشتمل تھا۔ صرف اس کا چندہ چار آنے ماہوار تھا۔ اس رسالہ کا اشتہار اخبار رہنما مراد آباد میں مورخہ ۸ دسمبر ۱۹۱۷ء میں چھپا تھا۔

"ایسے نوجوان جو روزگار یا تجارت پیشہ یا صنعت کے دلدادہ ہوں ہومیوپیتھک ڈاکٹر بننے کے شوقین اصحاب کی مدد سے جو تجارت شروع کریں، یا فروغ دینا چاہتے ہیں پانچ سو روپے بلا سود قرضہ لیکر احتیاط سے ادا کرنا چاہیں یا دیگر دستکاروں کے علاوہ صابن سازی یا ریشم سازی عملاً مفت سیکھنا چاہیں یا مفت تعلیم حاصل کر کے ہومیوپیتھک ڈاکٹری کا ڈپلومہ کسی کالج میں پرائیویٹ کا امتحان دے کر حاصل کرنا چاہیں یا اپنی تجارت کو وسیع کرنا ہو، شعر و سخن سے ذوق ہو، یا ہندو مسلم مذہبی اخلاقی ناول خوانی کا شوق ہو، دغابازوں کے ہتھکنڈوں سے بچنے کے لئے سراغرسانی سے بس ہو۔ غرض کہ یہ آپ سب باتیں مفت حاصل کرنا چاہتے ہیں تو فوراً بزم تجارت میں شامل ہوں۔ چندہ صرف چار آنے ماہوار ہے پہلے مہینہ کا چندہ۔ ٹکٹ یا پانچ آنے کی وی پی کی اجازت دے کر مفصل اور ۲۵ صفحات کا رسالہ بزم تجارت مفت منگوالو۔"

مذاق عروج بنگلور سے یہ ماہنامہ رسالہ ۱۹۱۸ء کو وجود میں آیا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ منشی عبدالعلی فائق ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ نو آنے تھا۔

تعلیم و تربیت لاہور سے یہ تعلیمی رسالہ ۱۹۱۷ء میں جاری ہوا اس رسالہ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ جولائی ۱۷ء نے حسب ذیل تبصرہ کیا ہے۔

"مارچ ۱۹۱۷ء سے اس نام کا ایک ماہوار رسالہ لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے رسالہ کا موضوع عنوان سے ظاہر ہے۔ اس قسم کے رسالوں کی ملک میں یقیناً ضرورت ہے لیکن معیار کی بلندی اس سے زیادہ ضروری شئے ہے۔ قیمت سالانہ دو روپے۔"

گلچیں سیتاپور سے یہ گلدستہ ۱۹۱۷ء میں ظہور پذیر ہوا ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ سید ریاض احمد ریاض اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس گلدستہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ مئی ۱۹۱۷ء میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

"اس نام سے پہلے منشی امیر احمد صاحب مرحوم مینائی ایک گلدستہ نکالتے تھے، اس زمانہ کے شعراء میں نہایت مقبول تھا منشی مرحوم کے تلامذہ میں جناب سید ریاض احمد ریاض کا نام محتاج تعارف نہیں اپنے استاد کی یادگار میں رسالہ کو اسی قدیم نام سے انہوں نے دوبارہ زندہ کیا ہے۔ ابتدا میں کچھ نثر کے مضامین اور آخر میں شعراء کی طرحی غزلیں ہوتی ہیں ضخامت ۳۲ صفحات طبع و کاغذ متوسط، قیمت سالانہ تین روپے۔ دفتر گلچیں، سیتاپور۔"

سنہ ۱۹۱۸ء

منظر

ماہانہ لکھنؤ سے جنوری ۱۹۱۸ء کو یہ ماہوار گلدستہ منظر عام پر آیا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا سرپرست افضل الدولہ افضل خلف اصغر حضرت امیر مالک محمد علی ایڈیٹر آزاد لکھنوی اور ابو الکمال لطف لکھنوی تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا منظر پریس لکھنؤ میں چھپتا تھا۔ رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

تا حشر آسماں پہ چمکے ہلال منظر
دیکھے نگاہ عالم اوج کمال منظر

رسالہ منظر کا نام پہلے لطیف تھا۔ کتابت طباعت اور کاغذ معمولی ہے۔ ہندوستان کے مشہور شعرا کا کلام درج ہوتا تھا۔ انتخاب میں اتنیہ نہیں برتا جاتا تھا۔ نو شعر سے زیادہ نہیں چھپتے تھے اور زیادہ کے لئے ۲ آنے فی شعر وصول کیا جاتا تھا۔

اگست ۱۹۲۲ء کے شمارہ کے شعرا کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب مرزا علی عباس شفقتؔ تلمیذ حضرت عزیزؔ لکھنوی ؎

ناصح مشفق ہمارہ زندگی ہی تھی محال
آپ نے تو کہدیا بس دل لگانا ہی نہ تھا

مورد آلام رنگا رنگ ہاے یہ دہر میں
مرے سینے میں تو یارب دل بنانا ہی نہ تھا

آج رونا تو نہ پڑتا لاشِ دل پر شفقتؔ
رسم ایسی بے مروت سے بڑھانا ہی نہ تھا

جناب سید باقر حسن شہرتؔ عرف اچھے میاں خلف جناب الطاف نبیرہ حضرت امانتؔ ؎

تو زمانے میں چل پھر کر جو آئی اے اجل
نامرادی کیا کہیں تیرا ٹھکانا ہی نہ تھا

گدگدایا درد کی ہوکوں نے اٹھکر بار بار
جز الم حسنت میں میری مسکرانا ہی نہ تھا

غرق اے شہرتؔ ہوئے محیط عشق میں
تم کہنے نا واقف قدم آ گے بڑھانا ہی نہ تھا

جناب منشی بال کرشن قمرؔ ہردیو تلمیذ حضرت امیرؔ مینائی مرحوم لکھنوی ؎

بدگماں سب ہو گئے بدنام ہم تم ہو گئے
وصل کے طعنے یہ تم کو حب جانا ہی نہ تھا

لٹ گیا جوبن، قبا سکی، اڑا چہرے کا رنگ

غیر کے گھر آپ کو مہمان جانا ہی نہ تھا

قیس ہو، فرہاد ہو، مجنوں ہو یا ہو وہ قمرؔ
جو محبت میں نہ تھا ناداں وہ دانا ہی نہ تھا

جناب ابوالکمال صاحب نطقؔ لکھنوی ایڈیٹر منتظر ؎

آشیاں صیاد گلشن میں جلانا ہی نہ تھا
عندلیب زار کے دل کو دکھانا ہی نہ تھا

کیوں دیا جھوٹا دلاسا، کیوں کیا امیدوار
جام مے کا جب مجھے ساقی پلانا ہی نہ تھا

ہو گیا رندوں کا دل خوش دیکھ کر لغزش دراز
میکدے میں شیخ کو اس وقت جانا ہی نہ تھا

جناب منشی صادق شیخ نعیم رضوی تلمیذ حضرت عزیزؔ لکھنوی ؎

حسن کی کیا داد دے جو اپنے عالم میں نہ ہو
طور پر اک دل جلے کو آزمانا ہی نہ تھا

توبہ کر کے مفت میں شرمندگی بھی مول لی
محفل رنداں میں زاہد تجھ کو جانا ہی نہ تھا

تم تو شیدا ہو کسی کی چشم مشکیں پر نعیمؔ
جام دنیا کا زباں پر نام آنا ہی نہ تھا

منشی محمد علی صاحب منشی صاحب کے والد ماجد داروغہ الٰہی بخش تھے، لکھنؤ کے باشندے تھے، عہد سلطنت واجد علی شاہ میں ایک معزز عہدے پر مامور تھے آپ کو فن سپہ گری میں اچھا دخل تھا۔ آپ کی طبیعت میں فیاضی تھی کنبہ پرور تھے

اعزہ اور احباب کی پرورش کو اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں آپ کی تمام جائداد ضبط ہو گئی۔ بعد کو انگریزی حکومت میں بھی ملازمت کی اور ۶۵ سال کی عمر میں فوت ہوئے۔ اسد اللہ الٰہی بخش نے تین لڑکے اور تین لڑکیاں چھوڑیں۔

باپ کے فوت ہونے کے بعد منشی محمد علی صاحب کی تعلیم کی طرف کسی عزیز و بزرگ نے توجہ نہیں کی جس کی وجہ سے مکمل تعلیم نہ پا سکے ہوش سنبھالا تو ایک مدرسہ کلام ربانی قائم کیا جس میں درسی کتابیں مفت دیتے تھے اس مدرسہ کی عمر زیادہ نہیں ہوئی غلط منتظموں کی وجہ سے چند سال میں ختم ہو گیا۔

جنوری ۱۸۹۶ء میں آپ نے سرمہ کا کارخانہ کھولا۔ اس کارخانہ کو کامیاب کرنے کے لئے متعدد کتابیں آپ نے تالیف کیں اسی اثنا میں آپ نے انجمن سنت الاسلام قائم کی جس کا مقصد صرف دین کی خدمت کرنا تھا اس کے جنبہ تاندار جلسے بھی ہوئے لیکن گردش زمانہ کی بدولت یہ بھی مٹ گئی۔ اس کے بعد ۱۹۰۰ء میں مطبع مفید عام قائم کیا جس میں لکھنؤ کے علاوہ دوسرے ضلعوں کی بھی کتابیں طبع ہوئیں۔ گلدستہ لطیف جاری کیا جو دس سال تک چلا اس کا نام بدل کر منتظر رکھا ۵

جمہور۔ کلکتہ اے کرو لوٹولہ سے یہ روزنامہ جنوری ۱۹۱۸ء کو جلوہ افگن ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا قاضی

---

۵ رسالہ منتظر لکھنؤ اگست ۱۹۲۲ء ص ۲۲ ملٹ

عبداللہ صاحب ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

جس مہینے یہ اخبار جاری ہوا۔ اسی مہینے اخبار ذوالقرنین، بدایوں نے ۲ فروری ۱۹۰۳ء کے شمارے میں اس اخبار کو روشناس کرایا۔

" یہ روزنامہ حال میں قاضی عبدالغفار صاحب کی ایڈیٹری میں شائع ہو رہا ہے۔ اسلامی پیام قاضی صاحب کی مرصع نگاری سے عربی واقفیت رکھتی ہے آپ نے ہمدرد، ہمدرد میں ایڈیٹری کی خدمات انجام دیتے ہوئے زور قلم کے جو جوہر دکھائے ہیں، وہ آج تک ان میں چٹکیاں لے رہے ہیں "

اور ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء کے ارشد وہلی میں اس اخبار پر حسب ذیل ریویو شائع ہوا۔

" آزاد اور خالص اسلامی اخبار ہے جو سیاسی، تمدنی، معاشرتی اور اقتصادی مسائل کے ہمدرد مرحوم کا ایک نقش ثانی ہے جمہور مقصد قوم کو سیاسیات اور قومی مسائل کی صحیح تعلیم دینا ہے سے قومی کی لازمی ہے باوجود راستہ کی مشکلات کے اس مسافر نے ہمت باندھی ہے قوم کی اعانت کے بغیر وہ اس سفر کو نہیں طے کر سکتا۔ اعانت کی صورت صرف یہی ہے کہ خرید کر خود اس کی ترقی اشاعت میں کوشش کریں۔"

اس اخبار کی عمر کے برابر ہوئی۔ نے اس اس کے ایڈیٹر کو حکومت نے نظر بند کر دیا۔ جس کی وجہ سے

ظر بند ہو گیا۔ نومبر ۱۹۱۹ء میں ان کی نظر بندی ختم ہو گئی تھی لیکن
کر کلکتہ میں داخلہ کی اجازت نہیں ملی۔ چنانچہ اس سلسلہ میں اخبار
ا مراد آباد نے ۱۴ر فروری ۱۹۱۹ء کے پرچے میں حسب ذیل
شائع کی۔

" یہ معلوم تھا کہ بنگال میں ۱۲۱۱ نظر بند تھے جن میں گذشتہ تین
ہ کے اندر ۱۲۱۴ نظر بند آزاد ہو چکے ہیں۔ پھر ہر صوبہ کے کچھ
کچھ نظر بندوں کی رہائی کی خبریں آ رہی ہیں۔ آج ہمارے مخلص
وست سید حبیب شاہ کے خط ۲۷ر جنوری سے یہ معلوم کر کے
نی ہوئی کہ وہ بھی آزاد ہو گئے ہیں۔ ہمارے مکرم قاضی عبد الغفار
احب ایڈیٹر جمہور کی نظر بندی کا اس سے قبل ۱۰ر نومبر ۱۹۱۸ء
ہی خاتمہ ہو گیا تھا لیکن بنگال گورنمنٹ کے اس طرز عمل پر
وس ہوتا ہے کہ ان دونوں صاحبوں کو بنگال بھیجنے کی
بت تک مخالفت ہے۔"

رشد دہلی سے ۵ر مارچ ۱۹۱۸ء مطابق ۲۱ر جمادی الثانی
۱۳۳۶ھ کو یہ ماہانہ رسالہ وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات
بلکلت تھا۔ چیف ایڈیٹر کاتب ناصر الفقرا ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی
تب ایڈیٹر و مالک شرف الدین صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے
تھا۔ محبوب المطابع جامع مسجد دہلی میں طبع ہوتا تھا۔

۵ر مارچ ۱۹۱۸ء کے پہلے شمارے میں خواجہ صاحب نے
س رسالہ کے اغراض و مقاصد یہ بیان کیے ہیں۔

" یہ کاغذی مرشد ہے اس میں دین دنیا کے عمل پر لنبری راز کی

ہے۔ اس زمانے نے کاغذ کی بھی ایک دنیا بسائی ہے۔ جس میں متعدد اخبارات رسالے، کتابیں، گذشتہ زمانے سے نرالی زندگی بسر کرتے ہیں اور دنیا کو اپنی راہ پر چلانا چاہتے ہیں، یہ رسالہ اپنے کاغذوں کا کاغذی مرشد ہادی ہے کوئی مانے یا نہ مانے، اس کاغذی مرشد کا طرز عمل، طرز تحریر، طرز ہدایت، خود بتا دے گا کہ ایسے رسالہ کی دنیا کو خاص کر ہندوستان، علی الخصوص مسلمانوں کو جو کاغذی شغل رکھتے ہیں از حد ضرورت ہے لہٰذا اس قسم کے پرچہ کا جاری ہونا بہت مفید ہوگا۔

" یہ رسالہ کسی فرقہ کی پالیسی کا پابند نہیں نہ یہ حزب الاحرار کا ساتھی ہے اس کو حزب استبداد سے کچھ سروکار ہے نہ حکام کا خوشامدی ہے نہ محکوموں کا دست نگر اور خیال پرست ہے یہ ہر طبقہ اور ہر خیال و عقیدہ کے حق و ناحق کو پرکھنے والا اور مناسب و صحیح نتیجہ نکالنے کی کوشش میں لگا رہنے والا ہے"

" وقت نے بتادیا اور دکھا دیا کہ جن پرچوں نے ایک جماعت، یا ایک خیال کی تائید کی اور پالیسی بنائی ہے وہ عموماً بے دیانت اور ہٹ دھرم ہو جاتے ہیں یعنی اگر اپنے مقررہ خیال و پالیسی کے خلاف کسی دوسرے فرقہ میں کوئی اچھی اور حق بات بھی معلوم ہوتی ہے تو آنکھیں بند کر کے ضمیر کا گلا گھونٹ کر اس سچائی پر سیاہی مل دیتے ہیں اول تو اس کا ذکر ہی اپنے کاغذستان میں نہیں آنے دیتے اور لکھنے میں تو توڑ مروڑ کر اصلیت کا چہرہ غلط صورت میں بنا کر، اس ہندوستان میں تو سب ہی رسالے اخبار اس سراپا عصیان کے راستہ پر چل رہے ہیں، یورپ و امریکہ اور باہر کی دنیا کا حال زیادہ معلوم نہیں۔ لیکن

معلوم کرنے کی کوشش کی بھی جائے تو فیصدی ۹۵ ناحق شناس اور ہٹ دھرم نکلیں گے۔"

"انگریزی اخبارات ہوں یا ہندوستانی اخبار و رسائل ہوں ان کی بھی یہی حالت ہے۔ ہندو اخبار اپنے قومی اصول کے سامنے مسلمانوں کے جائز اور حق بجانب مطالبات کی پرواہ نہیں کرتے اور مسلمان اخبار اپنی قومی مطالبات کی رد میں ہندو حقوق سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔"

"پس اس اعتبار سے اور اس لحاظ سے مرشد کی بالکل بے غیر جانبدار و ناطرفدار اور آئینہ حق نما کی سی ہے جس کسی کے چہرے پر داغ دھبہ ہوگا۔ دکھا دیا جائے گا۔ کوئی برا مانے حبشی کی طرح اس آئینہ کو ہاتھ سے پھینک دے تو اس کو اختیار ہے۔ مرشد اپنا کام کرتا رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ کبھی نہیں بکے گا۔"

اس رسالہ کی زندگی جیسے تیسے ... ہوئی آخری پرچہ اگست ۱۹۵۰ء کا شائع ہوا۔ ساحر صاحب نے اس کے بند ہونے کے بارے میں یہ تحریر کیا۔

"آخر طے کرلیا کہ رسالہ مرشد کی اشاعت ملتوی کی جائے جب تک جاری ہے اور جب تک ہندو پاکستان کا ساکن رد کرنے والا قانون قائم ہے۔ اس وقت تک مرشد بند رہے گا۔ کیونکہ دونوں باتیں اس رسالہ کو ملتوی کرنے کا باعث ہوئی ہیں۔"

میرٹھ کے شہید اخبار توحید کے بعد مرشد نے بھی سارے ہندوستان کے اردو پڑھنے والوں کے دل میں جگہ بنا لی تھی اخبار

توحید صرف پانچ مہینے زندہ رہا تھا۔ اور مرشد بھی چھ مہینے جاری رہا
اتنی تھوڑی سی مدت میں ہندوستان جیسے دیر آشنا ملک میں
اتنی جلدی عام ہر دلعزیزی حاصل کر لینا آسان بات نہیں ہے
اور یہ خدا کا فضل ہے کہ اس نے مرشد کے مضامین میں قبولیت
کا اتنا اثر دیا۔

اخبار توحید حکومت کی نظروں میں خار بنا رہا اور یہی وجہ اس
کے شہید ہونے کی ہوئی مگر مرشد کے مضامین سے حکام نے فائدہ
اٹھایا۔ انہوں نے ان تلخ تحریروں سے برا ماننے کے بجائے نصیحت حاصل
کی کیونکہ ان کو تجربہ ہو گیا تھا کہ مرشد کے مضامین میں بدنیتی
اور بدخواہی نہیں ہوتی وہ راجہ اور پرجا کے باہمی اتحاد و مفاد کے لئے
آزادانہ دنیا کا نقشہ سامنے رکھتا ہے، اس کو نہ سلطنت سے عداوت
ہے، نہ رعایا کی بے جا رعایت، مرشد میں بعض مضامین ایسے زرّیں
و درشت نکلے ہیں جن پر غور آ جاتا تو باغیانہ روش کا فتویٰ لگ سکتا تھا
مگر حکام نے کسی قسم کی باز پرس یا تنبیہ نہیں کی کیونکہ وہ جانتے تھے
کہ یہ نیک نیتی سے لکھے گئے ہیں اور ان کا مقصد حکام کی آگاہی ہے۔

سعید بیجا جک کانپور سے ۵ / مارچ ۱۹۱۵ء کو یہ اخبار
وجود میں آیا۔ یہ بچوں کا اخبار تھا۔ تقطیع ربع سولہ
صفحوں پر مشتمل تھا۔ اس کا ٹائٹل پیج انتہائی خوبصورت تھا۔
ایڈیٹر حامد حسن قادری تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔
یہ اخبار بچوں کے لئے دلچسپ اور مفید تھا۔ اس میں بچوں کی تعلیم و
ترقی کے لئے دلچسپ کہانیاں، مزیدار لطیفے، عمدہ نظمیں، عجیب

باتیں اور مفید خبریں چھپتی تھیں۔

دستکاری دہلی سے جون ۱۹۱۸ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا اس رسالہ کا اشتہار تجارت شاہجہانپور کے ۱۵ جنوری ۱۹۱۹ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

" اگر بے کار ہیں یا موجودہ کاروبار سے غیر مطمئن ہیں تو فوراً رسالہ دستکاری منگا لیجئے۔ کاروبار کے واسطے سالانہ خریداروں کو سرمایہ بھی دیا جاتا ہے۔ دستکاریاں انعام میں سکھائی جاتی ہیں اور ہمارے رسالہ میں اشتہار بھی ان کے کارخانہ کا مفت چھاپا جاتا ہے جمنا داس ٹبالہ ضلع گوردا سپور تصدیق فرماتے ہیں کہ میں نے رسالہ دستکاری دہلی کے دفتر میں پہنچ کر تائٹ اینل بلیک بنانا سیکھا ہے۔ جو صرف دو آنے پونڈ تیار ہوتا ہے اور بازار میں دو روپے پونڈ فروخت ہوتا ہے اور بڑھ سلوشن کے مانند اور چمڑے کے بٹن بھی بنانے سیکھے جو بارہ درجن چھ پیسے میں تیار ہوتے ہیں اور تین روپے میں فروخت ہوتے ہیں اور نور روپے کے روزانہ تیار ہو سکتے ہیں۔ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ ہندوستانی ان کاموں کو ضرور سیکھ کر میری طرح فائدہ اٹھائیں۔

ناظرین یہ ایک مختصر سرٹیفکٹ کا اقتباس ہے۔ سینکڑوں بیکار اصحاب کام سیکھ کر باکار ہو گئے۔ دیگر بیسیوں یورپ امریکہ جاپان کی قیمتی دستکاریاں سیکھنے کا حال اور دستکاریوں کے نام بطور نمونہ ماہوار رسالہ دستکاری کے پچھلے چار نمبر جو ستمبر ۱۹۱۸ء تک شائع ہو چکے ہیں، بہت تھوڑی تعداد میں باقی ہیں سوا روپے میں منگوا کر مذکورہ

مالا دستکاریاں نیز دیگر سینکڑوں دستکاریاں نیز دیگر دستکاریاں علاوہ خریداروں کو مفت انعام میں سکھائی جاتی ہیں۔

کہکشاں

لاہور سے ستمبر ۱۹۱۹ء کو یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر امتیاز علی تاج تھے، یونیورسل پریس لاہور میں باہتمام غلام نادر سیمی طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد پہلے شمارے ستمبر ۱۹۱۹ء میں یہ تحریر کئے تھے۔

"ہمارا مقصد وہی ہے جو اور بہت سے صحف و جرائد کا ہوگا یعنی اردو زبان کو اعلیٰ ترقی پر پہنچانے کے لئے سعی بلیغ کرنا اور اس باب میں کامیابی کے موثر ذرائع و وسائل بہم پہنچانا، موجودہ رسائل کے ایڈیٹروں میں سے اکثر اردو کی ترقی میں کچھ بھی مدد نہیں دے رہے ہیں بلکہ بعض ناتجربہ کار اسے غلط راہوں پر ڈال کر گمراہ اور اس کی ترقی کو مسدود کر دینا چاہتے ہیں جو کچھ انہیں لکھنا چاہئے وہ تو لکھتے نہیں، ہاں محض انہیں جو میسر ہے وہ ناظرین کی ضیافت طبع کے لئے حاضر کر دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اردو زبان کی رفتار بے انتہا دھیمی ہو گئی ہے۔ اگر خدانخواستہ چندے یہی حال رہا اور اردو کی روانی بالکل رک گئی تو اس کا حال کھڑے پانی کا سا ہوگا جو ایک جگہ رک رہنے سے سڑ کر گندا ہو جاتا ہے۔

اس کے پہلے شمارے میں حسب ذیل مضمون چھپے تھے۔

فیثا غورث، مولانا عبدالحلیم شرر / تاریخ صقلیہ کا ایک تاریخی ورق

مولانا خلیل الرحمٰن صاحب، تصوف کیا ہے۔ علامہ عمادی، شاہجہاں عہد کے ایک فارسی شاعر (گمنام) مولانا عبدالمجید سالک، جلال الدین خوارزم شاہ، سجاد حیدر یلدرم، ستاروں کی کھر حسن، خواجہ حسن نظامی ماہ عجم، راشد الخیری، زنجیر ہوس منشی پریم چند، آفتاب رکی ملکہ (خاموش) قاضی عبدالغفار ہے۔

حصہ نظم میں علامہ اقبال، حسرت موہانی، بیدل شاہجہانپوری یاس عظیم آبادی، تاجور نجیب آبادی، فانی جالسی کا کلام درج ہے کہکشاں اپنے ہمعصروں میں امتیازی درجہ رکھتا تھا اس کی ظاہری وضع سادہ لیکن پروقار تھی، صوری اور معنوی حیثیت سے یقیناً اس نے ایک نیا معیار قائم کیا تھا۔ کتابت وطباعت اچھی تھی ہے۔

اس رسالہ کی ادبی وعلمی نظموں کے علاوہ سیاسی جھلک بھی نظر آتی تھی، جولائی ۱۹۱۹ء کا شمارہ چھپا تو اس کی فہرست میں نظموں کا ذکر تھا۔ لیکن اندر کے حصہ میں نظموں کا نام ونشان تک نہ تھا اور اس کی جگہ یہ معذرت شائع ہوئی تھی۔

" اس پرچہ کہکشاں کی فہرست مضامین میں حصہ نظم کے عنوان اور شعرائے نامدار کے اسمائے گرامی تو مندرج ہیں لیکن حصہ نظم مفقود ہے یہ بوالعجبی دیکھ کر ناظرین کرام بہت متعجب ہوں گے۔ اس بے قاعدگی کی وجہ بھی سن لیجئے۔ اس پرچہ میں دو نظمیں داستانِ حسرت اور کرشن کنھیا کی مرلی نہایت لطیف دلبند، سرتا پا حب وطن کے جذبات وصادقہ میں ڈوبی ہوئی

درج کی گئی تھیں، جہاں تک ہمارا خیال ہے ان میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو کسی طرح قانون مطبوعات کی گرفت میں آسکتی یا جس سے سرکار انگریزی کے متعلق کسی قسم کی نفرت وحقارت پھیلنے کا احتمال ہوتا۔ لیکن ہمارے بے انتہا محتاط پرنٹر بابو غلام قادر فصیحی مالک یونیورسل پریس لاہور نے رسالہ چھاپنے سے قطعی انکار کردیا اور فرمایا جب تک یہ دونوں نظمیں نکال نہ دی جائیں گی میں اپنے پریس میں رسالہ نہ چھاپوں گا۔ یہی دو نظمیں حصہ نظم کی جان تھیں اور رسالے کی اشاعت پہلے ہی معرض تعویق میں آچکی تھی، اس لئے ہم نے یہی مناسب سمجھا کہ حصہ نظم کاٹ دیا جائے اور اس دفعہ یوں ہی رسالہ شائع کردیا جائے۔ اگر آئندہ موقع ملا تو ہم یہ کسر نکال دیں گے۔ کیا کیا جائے کہ انتہائی مجبوری ہے اب ہماری معصوم شاعری کو بھی مجلہ دماغ سے باہر آنے میں سینکڑوں ٹھوکریں اور ہزاروں رکاوٹیں پیش آنے لگیں۔ ؎

یہ دستور زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

یہ دونوں نظمیں داستان حسرت (گمنام) مولانا عبدالمجید سالک اور کرشن کنھیا کی مرلی دیوان آتما نند شرر کی تھیں، داستان حسرت کے بارے میں یہ کہنا کچھ زیادتی تھی کہ اس میں محض حب وطن کا بیان حقیقت یہ ہے کہ مارشل لاء کا دور تھا، برطانوی سامراج کے مظالم شباب پر تھے، آزادی وحریت کو کچل دیا گیا تھا۔ لاتعداد سیاسی کارکن جیلوں میں بند تھے اور خوف وہراس چھایا ہوا تھا

ان حالات کو سالک صاحب نے داستانِ حسرت میں بیان کیا ہے۔ نظم
نظم طویل تھی۔ چند شعر گوش گزار ہوں۔

کچھ ایسا چھایا ہے خوفِ صیاد اپنے گلشن کی انجمن پر
خموش بیٹھے ہیں ہم نوا سب، کسی کو تابِ سخن نہیں ہے
جو زینتِ انجمن کبھی تھے ہیں زنداں میں پابجولاں
جو زینتِ انجمن نہیں ہیں، تو زینتِ انجمن نہیں ہے
دراز زلفِ کفر سے بھی فزوں ہے طولِ شبِ اسیری
جو اپنے سودا کو تیز کرتا وہ گیسوئے پُرشکن نہیں ہے
ملی ہے تعزیر جس قدر بھی، بڑھا ہے ذوقِ گناہ اس سے
دل ایسے بیباک ہو چکے ہیں کہ خوفِ دار و رسن نہیں ہے

اس رسالے سے ملک کے نامور اور بڑے بڑے ادیبوں نے تعاون کیا، اس کے مضمون نگاروں میں نیاز فتحپوری، مولانا عبدالحکیم شرر، مولانا حسرت موہانی، علامہ عمادی، مولوی ممتاز علی، خواجہ حسن نظامی، علامہ راشد الخیری، مولانا عاصی ہسوی، حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی، مولانا عبدالمجید سالک، قاضی عبدالغفار، میر باقر علی داستان گو، حکیم احمد شجاع، خلیفہ دہلوی، سیلا رام وفا، علامہ اقبال، منشی پریم چند، سید احمد شاہ بخاری، بیدل شاہجہانپوری، ندرت میرٹھی، اور دیوان آنند سنتر وغیرہ تھے۔

اس رسالہ کی زندگی بہت مختصر رہی۔ وہ ڈھائی سال تک
تک جاری رہا۔

صبح امید

لکھنؤ سے اکتوبر ۱۹۱۸ء کو یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ جاری ہوا۔ ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم پنڈت کشن پرشاد کول منیجر ہندوستانی پریس اور ایڈیٹر پنڈت برج نرائن چکبست تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے اور قیمت فی پرچہ ۶ آنے تھی۔ ہندوستانی پریس لکھنؤ میں طبع ہوتا تھا۔

یہ رسالہ سرونٹس آف سوسائٹی کا آرگن تھا۔ اس رسالہ کے مضمون نگار منشی محمد علی شوق قدوائی، سید اکبر حسین اکبر آبادی، مولانا حسرت موہانی، علامہ سلیمان ندوی، سر تیج بہادر سپرو، سید سجاد حیدر، لالہ سری رام مؤلف خمخانۂ جاوید اور مولانا عبدالماجد دریابادی وغیرہ تھے۔

۲۸ نومبر ۱۹۱۸ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

لکھنؤ سے پنڈت کشن پرشاد کول منیجر ہندوستانی پریس کے اہتمام سے اور مسٹر چکبست اردو کے مشہور اور نامور انشا پرداز کی ایڈیٹری میں شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اس کے دو نمبر ہماری نظر سے گزر چکے ہیں۔ کاغذ اچھا ہے چھپائی بھی اخبار ہندوستانی کی چھپائی سے بہتر ہے۔ [illegible] کی کوشش کی گئی ہے لیکن ضرورت ہے کہ اس میں اور زیادہ [illegible] پیدا کی جائے، رفتار قوم کا عنوان ایڈیٹر کے زور قلم کا نتیجہ ہے نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر میں اردو شاعری کے مضمون میں قدیم اسٹائل شاعری کی واجبی حمایت کی گئی ہے موجودہ نیچرل شاعری میں اردو ادب کے لحاظ سے جو کمی پائی جاتی ہے اس پر خاص نظر ڈالی گئی ہے "ہمارے معاصرین" کے عنوان میں

موجودہ اردو صحافت پر تنقید کی جاتی ہے ضرورت ہے کہ اس عنوان کو زیادہ وسیع کیا جائے اور اخلاقی جرات سے کام لے کر موجودہ اخبار نویسی کی طرز پر نکتہ چینی کر کے بجائے جرنلزم کے معیار کو بلند کرنے کی کوشش کی جائے، بہرحال موجودہ اردو رسائل میں "صبح امید" ایک ایسا رسالہ ہے کہ تعلیم یافتہ اردو داں اصحاب اس کو شوق سے پڑھیں گے۔ خدا ترقی عطا کرے۔

پنڈت برج نرائن چکبست چکبست صاحب قوم کے کشمیری برہمن تھے ان کے والد کا نام پنڈت اودت نرائن تھا۔ ۱۸۸۲ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ اوائل عمر میں اپنے اصلی وطن لکھنؤ میں آ گئے ابتدائی تعلیم بھی یہاں کی ۱۹۰۸ء میں وکالت کا امتحان پاس کیا۔ آپ کا شمار کالج کے ذہین طلبا میں ہوتا تھا تعلیم حاصل کرنے کے بعد لکھنؤ میں وکالت شروع کی اور شہرت حاصل کر لی [1]

چکبست صاحب کو شاعری کا بچپن سے بہت شوق تھا نو برس کی عمر میں انہوں نے غزل کہی۔ کالج کے ایام میں اکثر مشاعروں میں تمغے اور انعامات حاصل کئے۔ تخلص کوئی اختیار نہیں کیا ضرورت کے وقت اپنے خاندانی نام چکبست کو ہی تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے، تخلص کا ممنون احسان نہ ہونے پر اپنے ایک شعر میں ذکر کیا ہے سہ

---

[1] ہندو دور میں اردو صفحہ ۲۹۲ [2] اردو کے چاند تارے صفحہ ۱۱۱

ذکر کیوں کر آئے گا بزم شعراء میں
میں تخلص کا بھی دنیا میں گنہگار نہیں

حکمت شروع میں صرف غزلیں کہا کرتے تھے مگر کچھ عرصہ کے بعد قومی، سیاسی، سوشل اور نیچرل نظمیں لکھنے لگے تھے۔ مسدس کہنے کا بہت شوق تھا، درحقیقت بہت عمدہ کہتے تھے تخلص کے ساتھ انھوں نے استادی و شاگردی کے قدیم سلسلہ کو بھی خیرباد کہہ دیا تھا۔ قدیم اساتذہ میں غالب، انیس اور ناسخ، آتش وغیرہ کے کلام کو پڑھتے [illegible] رکھتے ہوئے طبع آزمائی کرتے تھے اور نثر میں مولانا محمد حسین آزاد کے [illegible] تھے۔

حکمت کا مطمح نظر بہت وسیع تھا۔ ان کی کوشش تھی کہ زمانے رنگ کو [illegible] زیادہ اختیار نہ کیا جائے بلکہ نیا مسلک اور نیا ہی رنگ [illegible] ہو، چنانچہ فرماتے ہیں ؎

نیا مسلک، نیا رنگ سخن ایجاد کرتے ہیں
عروض شعر کو ہم قافیہ سے آزاد کرتے ہیں

[illegible] زیادہ مصروف رہنے کی وجہ سے حکمت زیادہ [illegible] کی طرف توجہ نہ دے سکے، اسی وجہ سے ان کا کلام [illegible] ان کے کلام کا مجموعہ انڈین پریس نے طبع کرایا تھا جس پر [illegible] تیج بہادر سپرو نے مقدمہ لکھا تھا ان کی تصدیق اور [illegible] مضامین بھی اسی پریس میں چھپے ۱۹۱۸ء میں حکمت

[illegible]

[illegible] اردو ص ۱۵۸

نے سرونٹ آف انڈیا سوسائٹی کی طرف سے "صبح امید" رسالہ نکالا تھا اس میں اکثر سیاسی رنگ کے مضامین لکھتے تھے۔ اور غالب و آتش وغیرہ کے کلام کا انتخاب "عطر سخن" کے عنوان سے شائع کرتے تھے۔

چکبست کی ذات سے اردو ادب کو بڑی امیدیں تھیں لیکن افسوس ان کی قابل قدر زندگی کا بہت حسرتناک طریقے سے قبل از وقت خاتمہ ہو گیا۔ ۱۹۲۶ء میں رائے بریلی سے کسی مقدمہ کی پیروی کر کے واپس اسٹیشن پر آئے وہیں ان پر فالج کا شدید دورہ پڑا۔ تمام جسم بے حس و حرکت اور زبان بند ہو گئی۔ اسی دن شام کو اسٹیشن پر ۱۲ فروری ۱۹۲۶ء کو انتقال ہوا۔ یہ پریشان کن خبر سن کر ان کے بڑے بھائی رائے بہادر پنڈت مہاراج نرائن چکبست فوراً اسٹیشن پہنچے اور ان کی نعش موٹر میں رکھ کر لکھنؤ لائے۔ پورے ہندوستان کی ادبی حلقہ کو بہت صدمہ ہوا لکھنؤ کی عدالتیں بند کر دی گئیں، تعزیت کے جلسے ہوئے مختلف شعراء نے اس ناگہانی موت پر دردناک نظمیں لکھیں۔ اور ادیبوں نے تعزیت کے مضامین قلمبند کئے۔ چکبست نے غزل پر زیادہ توجہ نہیں دی۔ نظم کی طرف زیادہ رجحان رہا۔ ان کی نظمیں پانچ قسم کی ہیں (۱) مراثی، قومی و سیاسی (۳) سوشل (۴) مذہبی (۵) نیچرل مرثیوں سے مراد واقعات کربلا سے نہیں ملک کے جانباز لیڈروں کی وفات پر جو مرثیے لکھے ہیں وہ ہے۔ قومی و سیاسی نظموں میں وطن کے راگ گائے ہیں، سوشل نظموں میں اصلاحی مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے چنانچہ ۱۹۱۷ء میں ازدواج بیوہ پر "برق اصلاح" کے عنوان سے ایک عمدہ نظم کہی۔ مذہبی نظموں میں سری رام چندر کا بن باس، کشن

کنھیا اور گائے پر پُر اثر نظمیں لکھی ہیں، نیچرل نظمیں بہت کم کہی ہیں لیکن پھول، کشمیر اور جلوہ صبح وغیرہ پر جو نظمیں لکھی ہیں وہ اعلیٰ تخیل سے لبریز ہیں۔

مثنوی گلزار نسیم کے سلسلہ میں مولانا شرر سے جو ادبی معرکہ ہوا وہ علمی و ادبی اعتبار سے انتہائی دلچسپ ہے چکبست کا مجموعۂ کلام "صبحِ وطن" کے نام سے شائع ہوا ہے۔

ان کی غزلوں میں عاشقانہ رنگ کے بجائے متین اور اخلاقی نکتے اور قومی جذبات کی جھلک ملتی ہے زبان کی روانی اور بیان کی پاکیزگی کے لحاظ سے لکھنؤ کے کم شاعر چکبست کا مقابلہ کر سکتے ہیں[1]

فنا کا ہوش آنا زندگی کا دردِ سر جانا
اجل کیا ہے خمارِ بادۂ ہستی اتر جانا
وہی قطرہ لہو کا اشک بن کر گیا رسوا
جسے ہم نے نمک پروردۂ زخم جگر جانا

خود پرستی مٹ گئی، قدرِ محبت بڑھ گئی ماتمِ احباب ہے تعلیمِ روحانی مجھے

جس کی قفس میں آنکھ کھلی ہو مری طرح
اس کے لئے چمن کی خزاں کیا بہار کیا

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہورِ ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

لطف ساقی کی عنایت نہ ہمیں یاد رہے
ساقیا جاتے ہیں محفل تری آباد رہے

---

[1] اردو کے چاند تارے ص۲۱۱

نہ کوئی دوست دشمن ہو شریک درد و غم میرا
سلامت میری گردن پر رہے بار الم میرا
لکھا یہ داور محشر نے میری فرد عصیاں پر
یہ وہ بندہ ہے جس پر ناز کرتا ہے کرم میرا

ناشاد رہے، ناکام رہے تقدیر ہی اپنی پھوٹ گئی
جس شاخ پہ ہم نے ہاتھ دھرا وہ شاخ وہیں سے ٹوٹ گئی
اب چین کہاں، آرام کہاں، امید کہاں، آرام کہاں
آئی ہاتھی الم کی فوج گراں وہ دل کی بستی لوٹ گئی

روشنی لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ نومبر ۱۹۱۸ء سے ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ فور پروموٹنگ نالج سوسائٹی کا یہ آرگن تھا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر لالہ کنور سین ایم اے پرنسپل لا کالج لاہور و پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور و پرائیویٹ سکرٹری مہاراجہ بیکانیر تھے۔ اس کے بعد پروفیسر مظفر الدین ایم ایس، سی وٹتنہ ریشادندا بی اے ایڈیٹر مقرر ہوئے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ یہ سائنس اسٹیم پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں سائنس کے کمالات، خبریں اور اس کے متعلق مضامین چھپتے تھے اس کے سرورق پر "میکلے کا یہ مقولہ درج تھا۔

" سائنس پر خدا کی رحمت ہو کیونکہ اس نے اس وقت اگر ہماری پاسبانی کی جب کہ زمین سال خوردہ ہو چکی تھی، ایمان جب

ذرات داخل ہو گئے تھے اور ہماری قوت دلیل متزلزل ہو گئی تھی ۔
سالمیت ۔ ہمیں یہ خیال آیا کہ دنیا بدستور بالغ ہے اور اس نے اہل دنیا
کو ایک نئی زبان سکھائی !!!

رہنما مراد آباد محلہ مفتی ٹولہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۹۱۸ء
کو شائع ہوا ۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا ۔ ایڈیٹر
محمد اشفاق حسین صدیقی مراد آبادی تھے ۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا
صدیقی پریس مراد آباد میں چھپتا تھا ۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج
ہوتا تھا ؎

بنوں یا رب ضیا بخش زمانہ پر ضیا ہو کر
دکھاؤں راستہ اہل جہاں کو رہنما ہو کر

اس اخبار میں مذہبی سیاسی تمدنی، تاریخی، علمی اور دلکش و منتخب
مضامین چھپتے تھے اور حسب ذیل مستقل عنوانات تھے ۔
لطف سخن (نظمیں) تفریح طبع (لطائف) مجلس احباب
معلومات عجائبات، جواہر ریزے مذہب، قصص و حکایات
اصلاح تمدن و معاشرت، حسن و ادب، تاریخ، عالم نسواں، تجارت
صنعت و حرفت، حفظان صحت، اقتباسات وغیرہ ۔

کچھ عرصہ کے بعد یہ اخبار ہفتہ وار ہو گیا تھا ۔ خبریں بھی چھپتی
تھیں، ملکی کم اور غیر ملکی زیادہ ہوتی تھیں (خضر ۲ مئی ۱۹۲۸ء) تھا ۔ یہ
وہ دور تھا جبکہ انگریز پہلی جنگ عظیم سے نمٹ چکا تھا اور ملک و قوم
میں غیر ملکی حکمراں طبقہ انگریزوں کے خلاف نفرت شباب پر تھی
جس کو انگریز دبانے اور ہندوستانیوں کو خوف زدہ کرنے کے لئے

قانون کا استعمال کر رہا تھا۔ تحریر و تقریر پر سخت پابندیاں عائد کر دی تھیں، محب وطن لوگوں کی حرکتوں پر کڑی نگاہ تھی اخبارات پر معمولی سی معمولی بات پر مقدمات چلائے جا رہے تھے اور جیلوں میں بھیجا جا رہا تھا۔ لیکن عوام ان سختیوں سے مرعوب نہیں ہو رہے تھے مرد میدان بنے ہوئے تھے اس آزادی کی جدوجہد میں مراد آباد کے لوگوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ چنانچہ جب ڈاکٹر انصاری کے اس خطبہ کو جو انھوں نے دہلی کے آل انڈیا اجلاس منعقدہ دسمبر ۱۹۱۸ء میں استقبالیہ کمیٹی کی صدر کی حیثیت سے پڑھا تھا۔ اسکو حکومت نے ضبط کر لیا تو مراد آباد کے عوام نے جامع مسجد میں ۷ فروری ۱۹۱۹ء کو جلسہ کیا جسکی کارروائی ۱۷ فروری ۱۹۱۹ء کے شمارے میں چھپی۔

مسلمانان مراد آباد کا ایک عام جلسہ بتاریخ ۷ فروری ۱۹۱۹ء یوم جمعہ بعد نماز جمعہ جامع مسجد مراد آباد میں بصدارت عالی جناب مولانا مولوی حافظ حکیم سید دائم علی صاحب مدظلہٗ امام شہر مراد آباد اس غرض سے منعقد ہوا۔ کہ مقامات مقدسہ اسلامی دار الخلافت اسلامیہ قسطنطنیہ اور خلافت اسلامیہ کے بارے میں مسلمانان مراد آباد کے حقیقی جذبات کا اظہار کیا جائے اور یہ کہ ان تجاویز کی تائید کی جائے جو آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے سالانہ اجلاس منعقدہ دہلی خلافت اسلامیہ مقامات مقدسہ اسلامی اور ممالک اسلامیہ کے متعلق منظور کی ہیں، چنانچہ وقت مقررہ پر ہر طبقہ کے ہزاروں مسلمان جلسہ میں نہایت جوش کے ساتھ شریک ہوئے۔

سب سے پہلے مسٹر مسعود الحسن صاحب بیرسٹر نے جلسہ کے اغراض

و مقاصد واضح طور پر بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا حکیم سید دائم علی صاحب کی صدارت کی تحریک پیش کی جو بالاتفاق منظور ہوئی ۔
حافظ سید محمد اکرام علی صاحب نے تلاوت کلام اللہ شریف نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کی تلاوت کلام پاک کے بعد منشی محمد مطیعن صاحب نشون چھراؤں نے ایک با موقع اور موزوں نظم نہایت خوش الحانی سے سنائی ۔

اس کے بعد پہلا ریزولیوشن جو نہایت اہم تھا۔ مسلمانان مراد آباد کے معتدر رئیس حضرت مولانا مولوی حکیم سید محمد مرتضیٰ صاحب مدظلہ نے پیش فرمایا۔ جس کے الفاظ حسب ذیل ہیں ۔

ریزولیوشن نمبر ۱ یہ جلسہ مسلمانان مراد آباد کا ان تمام تجاویز کی جو آل انڈیا مسلم لیگ نے اپنے گذشتہ سالانہ جلسہ منعقدہ دہلی میں دربارہ مقامات مقدسہ مسئلہ خلافت و انتقار حکومتہائے اسلامی منظور کی ہیں ۔ نہایت زور کے ساتھ تائید کرتا ہے اور خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ کانفرنس صلح میں یہ تمام مسائل زیر بحث لائے جا رہے ہیں اپنا فرض سمجھتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کو توجہ دلائے ۔

(الف) کہ گورنمنٹ اپنے گذشتہ وعدوں اور مسلمانان ہند کے جذبات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جزیرۃ العرب کا الحاق جس میں مکہ معظمہ و مدینہ منورہ ، بیت المقدس ، کربلا معلی، نجف اشرف و بغداد شریف جیسے متبرک مقامات ہیں سلطان روم خلیفۃ المسلمین خادم حرمین شریفین کی سلطنت سے برقرار رکھے ۔

(ب) اور چونکہ خلافت کے معاملہ میں جو کہ محض مذہبی مسئلہ

ہے مسلمان کسی طاقت کی دست اندازی و مداخلت کو ہرگز گوارا و قبول نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ جلسہ گورنمنٹ سے امید کرتا ہے کہ وہ اس معاملہ میں اپنے گذشتہ اعلان پالیسی کی بنا پر کسی قسم کی مداخلت کرنا پسند نہ کرے گی اور نہ کسی دوسری طاقت کو ایسا کرنے کا موقع دے گی۔

محرک۔ حضرت مولانا مولوی حکیم سید محمد مرتضیٰ حسن صاحب مدظلہ العالی

موید:۔ مولوی عبدالسلام رئیس

رزولیوشن نمبر ۲:۔ یہ جلسہ مسلمانانِ مراد آباد کا بوجہ اخوت اسلامی جو مسلمانانِ ہند کو اپنے دیگر ممالک کے ہم مذہبوں کے ساتھ بموجب احکام الٰہی ہے نیز اس وجہ سے کہ دائمی امن قائم رہے لازمی سمجھتا ہے کہ اسلامی ممالک اقوام پر غیر مسلم حکومت کو کسی طرح حکومت کا موقع نہ دیا جائے اور ان کی آزادی اور حکومت کو بدستور قائم برقرار رکھا جائے

محرک:۔ مسٹر مسعود الحسن صاحب بیرسٹر

موید:۔ مرزا اسحاق بیگ

رزولیوشن ۳ مولوی حکیم ظہیر الدین صاحب نے ایک عمدہ جامع اور دل نشیں تقریر کے ساتھ پیش کیا۔

یہ جلسہ ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری کے اس خطبہ کو جو ڈاکٹر صاحب موصوف نے بحیثیت صدر استقبالیہ کمیٹی مسلم لیگ گذشتہ جلسہ میں بمقام دہلی پڑھا اور جس میں کہ انہ قرآن پاک و حدیث شریف مسائل خلافت اور مقامات مقدسہ پر روشنی ڈالی تھی نہایت پسندیدہ نظر سے دیکھتا ہے اور پنجاب گورنمنٹ کے غیر دانشمندانہ حکم پر جو

اس کی ضلعی کے بارے میں صادر کیا گیا ہے۔ اظہار ناخوشی اور صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ اور گورنمنٹ ہند کو توجہ دلاتا ہے کہ اس قسم کی کارروائیوں کو مسلمان اپنے مذہب میں مداخلت بے جا تصور کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ گورنمنٹ ہند پنجاب گورنمنٹ کے حکم کو منسوخ فرما کر مسلمانانِ ہند کو شکوری کا موقع دے گی۔

محرک، حکیم مولوی ظہیر الدین صاحب

مؤید:۔ محمد یٰسین صاحب صدیقی بی۔ اے وکیل

رولٹ بل کے خلاف تمام ہندوستان میں آواز اٹھائی گئی اور ہر مقام و شہر میں اس کے خلاف جلسے ہوئے۔ چنانچہ مراد آباد میں بھی جلسہ ہوا۔ جس کی کارروائی ۸ار فروری ۱۹۱۹ء کے اخبار میں شائع ہوئی۔

"رولٹ بل یا نئے قانون بغاوت کے خلاف جو حضور والسرائے کی کونسل میں بغرض منظوری پیش ہے تمام ملک میں ہلچل پڑ گیا ہے اور تمام حصص ملک میں اس کے خلاف جلسے منعقد ہو رہے ہیں ہمارے شہر مراد آباد میں بھی اس نئے قانونی شکنجہ کے خلاف ہندو مسلمانوں کا ایک نہایت شاندار جلسہ بتاریخ ۵ ار فروری ۱۹۱۹ء بوقت شام ٹاؤن ہال میں زیر صدارت جناب مولوی محمد یعقوب صاحب وکیل و چیئرمین میونسپل بورڈ مراد آباد منعقد ہوا۔ جلسہ میں ہر طبقہ کے ہندو مسلمان باشندگان مراد آباد کثرت سے شریک تھے۔ حاضرین کی کثرت کا یہ عالم تھا۔ کہ تمام ہال اور اس کے ملحقہ کمرے بھر جانے کے بعد بہت سے لوگ باہر کھڑے تھے۔ قابل صدر جلسہ نے ایک پرزور دلائل افتتاحی تقریر میں ا

قانون کی ہولناک ہمہ گیری اور نقصانات اور عدم ضرورت کا پُر زور طریقہ پر اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔ اس کے بعد پہلا ریزولیوشن بابو برج ناتھ صاحب نے ایک مفصل تقریر کے ساتھ پیش کیا جس میں اس قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی گئی تھی اور اس کا اس وقت نافذ کرنا بالکل بے کار ثابت کیا گیا تھا۔ اور اس کے نقائص نہایت صفائی۔ آزادی کے ساتھ پیش کئے۔ قاضی عبد الغفار صاحب ایڈیٹر جمہور کی دوران تقریر نماز مغرب کا وقت قریب آنے پر نماز کے لئے جلسہ برخاست ہو گیا۔ مسلمانوں نے متعلقہ مسجدوں اور ٹاؤن ہال کے میدان میں نماز مغرب ادا کی۔ اس کے بعد جلسہ پھر منعقد ہوا قاضی عبد الغفار صاحب نے پھر اپنی پر جوش تقریر جو جذبات عالیہ اور خودداری سے مملو تھی مکمل فرمائی۔

دوسرا ریزولیوشن جس میں امپیریل کونسل کے ہندوستانی ممبروں کا سخت گیر قوانین سے اختلاف کرنے پر شکریہ ادا کیا گیا تھا پیش ہوا اور پاس ہوا"

ملک میں انگریزوں کی غلامی کے خلاف بے پناہ نفرت پیدا ہو گئی تھی اور ہندوستانی بغاوت پر اتر آئے تھے انگریزوں کی کوئی حرکت ان کو پسند نہیں آتی تھی اور ہر انگریز کو قابل نفرت و ملامت سمجھتے تھے چنانچہ جب ہندوستان میں پرنس آف ویلز آئے تو لاہور میونسپل کمیٹی نے ان کے استقبال کے بائیکاٹ کی تجویز پاس کی جو ۱۶ اگست ۱۹۲۱ء کے مشاعرے کی زینت بنی۔

۱۴ اگست کو میونسپل کمیٹی لاہور کا ایک جلسہ منعقد ہوا جس میں مسٹر

سنت رام نے ایک ریزولیوشن اس مفہوم کا پیش کیا تھا کہ جب تک پنجاب کے مظالم کا ازالہ نہ ہو جائے اور سوراج نہ حاصل ہو جائے اس وقت تک گورنمنٹ کی طرف سے پرنس آف ویلز کو بلانا مناسب نہیں ہے۔ اگر اس مجوزہ آمد پر اصرار کیا گیا تو باشندگان لاہور اس بات پر آمادہ ہیں کہ پرنس کا خیر مقدم نہ کریں گے اور نہ کسی سرکاری تقریب میں شرکت کریں گے اور نہ اس غرض پر کچھ صرف کریں گے ایک شخص نے ریزولیوشن کی مخالفت کی، مخالفت کے بعد بحث و مباحثہ ہوا جب ووٹ لیا گیا تو ریزولیوشن کی مخالفت میں صرف دو آدمیوں نے ووٹ دئے اس طرح صرف دو ممبروں کی مخالفت سے پرنس کے بائیکاٹ کا ریزولیوشن پاس ہو گیا۔

جب حکومت برطانیہ کو جرمنی اور ترکی میں فتح حاصل ہو گئی تو ہندوستان میں اس نے فتح کا جشن منانے کا اعلان کیا جس کا خلافت کمیٹی اور کانگریس نے بائیکاٹ کا اعلان کیا اور اس کے خلاف فتویٰ کا ایک پوسٹر شائع کیا جو ہندوستان کے کونہ کونہ میں بھیجا گیا انگریزوں کو اس جشن کے بائیکاٹ سے پریشانی ہوئی تو انہوں نے اس جشن کی پوزیشن صاف کرنے کے لئے ہر شہر میں یہ سرکلر جاری کیا کہ یہ جشن فتح ترکی کی فتح کے سلسلہ میں نہیں بلکہ جرمنی کی جنگ کی فتح کے بارے میں منایا جا رہا ہے لیکن اس اعلان کے باوجود ہندوستان نے اس جشن کا بائیکاٹ کیا جس کی مختصر سی کیفیت [illegible] دسمبر ۱۹۱۹ء کے رسالہ میں چھپی تھی۔

"اس ہفتہ خلافت کانفرنس کا پوسٹر جس کا عنوان

مولانا عبدالباری کا فتویٰ ہے اور جس میں مسلمانوں کے لئے موجودہ حالات میں جشن فتح کی شرکت حرام اور ہندوؤں کے لئے جشن فتح میں شرکت جرم بتلائی گئی ہے۔ شہر کے نمایاں موقعوں پر چسپاں کیا گیا ہے اور انتظامیہ کمیٹی ڈسٹرکٹ مسلم لیگ مرادآباد کی جانب سے ایک اشتہار جس کا عنوان "جشن فتح میں شرکت حرام ہے" بکثرت شائع کیا گیا ہے۔ اس میں مولانا عبدالباری فرنگی محلی کا فتویٰ جو جشن فتح کے خلاف ہے اور جس پر دوسرے علماء کے بھی دستخط ہیں درج کیا گیا ہے اور مسلمانان مرادآباد کو اس فتویٰ پر عمل کرنے اور جشن صلح میں شریک نہ ہونے کی تلقین کی گئی ہے۔ غالباً ان ہی حالات کو مدنظر رکھکر مسٹر جے۔ ایف سیل صاحب کلکٹر مجسٹریٹ مرادآباد نے ایک پبلک اطلاع شائع کی ہے اور ہمیں بھی بغرض اشاعت بھیجی گئی ہے جو درج ذیل کی جاتی ہے:۔

بغرض اطلاع عام مشتہر کیا جاتا ہے کہ جو جشن صلح ۱۳ دسمبر لغایت ۱۶ دسمبر ۱۹۱۹ء منایا جائے گا وہ محض اسبابات کا جشن ہے کہ شہنشاہ معظم ملک کو سلطنت جرمن پر اس لڑائی میں جس کو کہ جرمنی نے خواہ مخواہ چھیڑ کر لاکھوں عورتوں کو بیوہ اور بچوں کو یتیم کرایا فتحیابی حاصل ہوئی اور خدا تعالیٰ کا جو کہ قادر مطلق ہے شکریہ ادا کیا جائے گا۔ کہ اس نے اپنے رحم سے دنیا کو اس کشت و خون سے جو کہ ۱۹۱۴ء سے برابر جاری تھا۔ پناہ دی۔ علاوہ اس کے اور کسی بات کی خوشی نہیں منائی جائے گی اور اس جشن سے شرائط صلح سے تعلق نہیں ہے لہٰذا یہ نوٹس اس غلط فہمی کو دفع کرنے کی غرض

بے شک کیا جاتا ہے جو کہ مسلمانان مراد آباد کو اس موقعہ پر پیدا ہو گئی ہے اور وہ یہ خیال کرتے ہوں گے کہ اس جشن کا تعلق ترکیہ سلطنت پر فتحیابی اور شرائط صلح سے ہے اور اس جشن سے مسلمانوں کی آزردہ دلی مقصود ہے یہ خیال اگر کسی شخص کے دل میں پیدا ہو گیا ہو تو اس کو چاہیے کہ اس کے پڑھنے کے بعد نکال دیں اس موقعہ پر بھی ظاہر کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کے جذبات دلی کو گورنمنٹ ہند سکریٹری آف اسٹیٹ بہادر ہز میجسٹی اور بہت سے گورنروں اور لفٹننٹ گورنروں نے جو ہندوستان میں حکومت کر چکے ہیں و نیز مقتدر مسلمانوں نے مسٹر بالفورس اور وزیر اعظم انگلستان تک پہنچا دیا ہے اور پہنچا رہے ہیں اور اس کوشش میں ہیں کہ شرائط صلح میں جو کہ ٹرکی کے ساتھ ہوں ان میں مسلمانان ہند کے مذہبی عقائد کا حتی المقدور خیال رکھا جائے خلافت کے مسئلہ میں جو کہ محض مسلمانوں سے تعلق رکھتا ہے گورنمنٹ کوئی دست اندازی نہیں کر سکتی میں اپنی جانب سے اس بات کا اطمینان مسلمانان باشندگان مراد آباد کو دلاتا ہوں کہ ان کے جذبات دلی کو حکام بالا تک پہنچا دوں گا۔ پس ایسی حالت میں امید کی جاتی ہے کہ کوئی فرد وفادار رعایا ملک معظم اس جشن صلح میں جو کہ محض اور یورپ ان مقاصد سے تعلق رکھتا ہے شرکت کرنے سے کسی غلط فہمی کی بنا پر گریز نہ کرے گا۔"

انگریزوں کی مخالفت پر ہندوستانی عوام اس حد تک اتر آئے تھے کہ ان کو اپنے جان و مال کی بھی پرواہ نہیں تھی۔ بلکہ

کی آزادی کے لئے جان نچھاور کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

چنانچہ دہلی میں ایک زبردست ہڑتال ہوئی جس میں انگریزوں کی گولیوں سے بیس پچیس آدمیوں نے شہادت کا جام نوش کیا۔ اس خبر کا دوسرا عنوان ہے۔ "لوگوں پر گولیاں چلائی گئیں۔ اندازاً بیس پچیس آدمی زخمی ہوئے اور مارے گئے۔"

۳۰ مارچ کو کانگریس کے پروگرام کے مطابق دہلی میں ماتم اور دعا کا دن منایا گیا۔ شہر کے کل بازار، چاندنی چوک چاوڑی بازار صدر بازار، اناج منڈی، کپڑا منڈی، پوچڑ خانہ، سبزی منڈی، بند تھی۔ کسی ہندو مسلمان کی دکان نہیں کھلی تھی۔ کالے قانون کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کے لئے تمام کاروبار موقوف کر دیا گیا تھا۔ تانگہ و گاڑی والوں نے بھی ہڑتال کر دی تھی۔ ٹریم گاڑی اگرچہ صبح دس بجے تک چلتی رہیں لیکن جب لوگوں نے ٹریم میں چڑھنے سے انکار کر دیا۔ تو مجبوراً کمپنی کو ٹریم بھی بند کر لینی پڑی۔ مل والوں نے مل بند کرنے پس و پیش کی تھی، لیکن مزدوروں نے کام کرنے سے انکار کر دیا۔ مجبوراً مل والوں کو کام ملے کر کے رکھنا پڑا۔ تقریباً پچاس ہزار ہندو مسلمانوں نے اس روز برت اور روزہ رکھا۔ صبح سے بارہ بجے تک سکون رہا۔ بارہ بجے کے قریب ایک خوفناک واقعہ پیش آیا۔ جس کا آغاز اس طرح ہوا کہ ڈیڑھ یا تین بجے شہر کے آدمی ریلوے اسٹیشن کے مسافر خانے میں پہنچے اور مسافرخانہ کی دوکانداروں سے درخواست کی کہ تمام شہر میں ہڑتال ہے

بہتر ہے کہ آپ لوگ بھی شہر والوں کے ماتم میں شریک ہوں اور دکانیں بند رکھیں۔ دکاندار رضامند تھے اتنے میں اسٹیشن ماسٹر سے چند انگریز سپاہیوں کے موقع پر آ نمودار ہوئے۔ اسٹیشن ماسٹر نے دکانداروں کو دکان بند کرنے سے روکا اور ان دو باتین شہریوں کو حوالات میں دے دیا۔ جب اس کی خبر شہر میں آئی تو خلقت گروہ در گروہ اسٹیشن کی طرف میں کھڑی ہوئی اور اسٹیشن ماسٹر سے ان دو باتین شہریوں کی رہائی کے لیے ملتجی ہوئی اور اس نے ان کی رہائی کے وقت اسٹیشن سے جانے سے انکار کیا۔ اس پر پولس اور فوج مع مشین گن کے طلب کی گئی۔ لوگوں کو پولس سواروں نے ملکہ کے باغ کے اندر دھکیل دیا۔ جب اس طرح سے لوگوں کو متواتر سہرا کا پا گیا اور حیرت رہے ان کو مشتعل کیا گیا تو لوگوں نے باغ کے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ چند لوگوں نے اینٹیں بھی پھینکیں جس پر فوج نے گولی چلائی جس سے کئی آدمی زخمی ہوئے اور کئی مارے گئے ان میں نوجوان لڑکے بھی تھے۔ جب فوج نے لوگوں کو ملکہ کے باغ سے نکال دیا تو تمام باغ کا محاصرہ کر لیا اور لوگوں کو باغ میں سے گزر کر اسٹیشن جانے سے روکا اور گھنٹہ گھر کے نزدیک لوگوں پر پھر گولی چلائی۔ جس سے دوبارہ بہت سے لوگ زخمی ہوئے اور بہت سے مارے گئے۔

ہندوستان کی جنگ آزادی میں ۱۹۰۷ء کا سال بڑا تاریخی اور اہم سال ہے انگریزوں نے اس سال ہندوستانیوں پر خوب ظلم و ستم ڈھائے اور ہندوستانیوں نے پروانوں کی طرح شمع آزادی پر

بے دھڑک اپنے آپ کو قربان کیا۔ اور اس سال جو آگ کی چنگاری ملک میں پھیلی۔ اس نے اپنا زور رس رنگ دکھایا۔ اسی سال انگریزوں نے امرتسر میں جلیانوالہ باغ میں خون ریز ڈرامہ کھیلا ... تقریباً پنجاب کے تمام بڑے شہروں میں مارشل لا کا نفاذ کیا۔ ... کی مختصر سی روئیداد ۱۹۱۹ء کے رہنما فائل میں ہے۔

لاہور میں مارشل لا ... کے نفاذ کا اعلان کیا گیا اور جو پابندیاں ہندوستانی عوام پر لگائی گئیں وہ ۲۵ اپریل ۱۹۱۹ء کے شمارے میں چھپی ہیں۔

لاہور میں جنگی قانون جاری ہونے کے بعد کرنیل فرینک جانسن نے بحیثیت کمانڈر سول رقبہ لاہور کی کمان اپنے ہاتھ میں لے لی ہے۔ کمانیر نے جنگی قانون کے ماتحت آٹھ احکام شائع کئے ہیں۔ جن میں اول میں سول رقبہ لاہور کی حدود متعین کی گئی ہیں، جن کے اندر جنگی قانون کا نفاذ ہوگا۔ اور حکم دیا گیا ہے کہ آٹھ بجے شب سے لے کر جبکہ قلعہ سے ایک توپ بغرض آگاہی عوام سر کی جائے گی ۵ بجے صبح تک اگر کوئی شخص جو یورپین نہ ہو بلا پروانہ اجازت حکام فوجی اپنے گھر سے باہر نکلے گا اور سڑکوں پر پایا جائے گا تو وہ گرفتار کر لیا جائے گا۔ اور اگر ایسی گرفتاری میں مزاحمت کرے گا تو اس کو گولی مار دی جائے گی، آخر میں دھمکی بھی دی گئی ہے کہ برقی روشنی اور نل کے پانی کی بہم رسانی کا جاری رہنا، عام باشندگان لاہور کے عمدہ برتاؤ پر منحصر ہے دیگر احکام کے ماتحت تانگوں، ٹمٹموں اور موٹر گاڑیوں کو فوجی حکام کے حوالہ کرنے کا

حکم سے۔ ریلوے تیسرے درجہ اور درمیانہ درجہ کے ٹکٹوں کا دینا
بند کر دیا گیا ہے۔ لنگر کی دکانیں جن میں پکا ہوا کھانا بکتا تھا۔ بند
کر دی گئی ہیں۔ اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ وہ دکانیں مجالس خلاف
قانون کے لئے استعمال ہوتی ہیں وکیلوں کے مشیروں ایجنٹوں دلالوں
اور [illegible] کو جن کی نسبت معاندانہ تحریکیں پھیلانے کا یقین کیا جاتا
ہے بلا پروانہ اجازت حدود لاہور کے باہر جانے سے روک گیا ہے بعض
طلباء دیال سنگھ کالج کی نسبت معاندانہ تحریکیں پھیلانے کا یقین ہے اس لئے
تمام طلباء کالج مذکور کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ روزانہ صبح ۷ بجے سے
تا گیارہ بجے اور تین بجے دن سے اور ۵½ بجے شام کے پریڈ گرا
ؤنڈ میں آ کر اپنی حاضری [illegible] سپاہ کرائیں۔ دیگر [illegible] فوجی احکام کے
خلاف [illegible] حفاظت کا [illegible]۔ [illegible] جا [illegible]
[illegible] دیا گیا ہے۔"

دیگر بزرگوں نے ان احکامات کے جاری کرنے کے بعد بے پناہ
مظالم ڈھانے شروع کئے جس پر عوام میں بھی جوش پیدا ہوا
اور انہوں نے امرتسر اور لاہور میں باغیانہ حرکتیں کرنی شروع کر دیں
جن کا ذکر ۱۸ اپریل ۱۹۱۹ء کے شمارے میں ہے۔

لاہور ۱۸ اپریل کا تار مشتہر ہے کہ امرتسر سے بھی سخت فساد
کی اطلاعیں پہنچی ہیں کہا جاتا ہے ڈاکٹر سیف الدین کچلو بیرسٹر
اور ڈاکٹر ستیہ پال آج ۲½ بجے دن کے گرفتار کر کے کسی نامعلوم
مقام پر پہنچائے گئے۔ جس پر لوگوں نے دکانیں بند کر کے مظاہرے
کئے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کئی آدمیوں پر فوج والوں نے گولیاں چلائیں

جھائے گئے یا زخمی ہوئے۔ خبر ملی ہے کہ ریلوے کا گودام، ڈاکخانہ اور تار گھر جلا دئے گئے ہیں"۔

"دو یورپین منیجران الائنس بنک قتل کر ڈالے گئے۔ امرتسر میں ٹاؤن ہال، تار گھر اور نیشنل بنک کی عمارتوں کو بالکل توڑ ڈالا گیا۔ اور اس کے ایجنٹ مسٹر ٹامسن کو بھی مار ڈالا گیا۔ امرتسر لاہور کے درمیان ۳ بجے سے ۴ بجے تک اور سہ پہر چھ بجے شام کے قریب تھوڑی دور تک تار کے توڑنے کا سلسلہ جاری رہا۔ لاہور سے ۱۱ اپریل کا تار ہے۔ آئندہ عوام ریلوے اسٹیشن کی طرف گیا اور وہاں ایک یورپین گارڈ بنام رابنسن پر جو مال گودام میں کام کرتا تھا ضربات سے اس کو ہلاک کر ڈالا۔ لوگوں نے باہر کے گودام میں آگ لگا دی رہبروں نے تار کاٹے، جالندھر اور پٹھان کوٹ دونوں طرف کی ریل پٹڑیوں کے سلیپر جلا کر منقطع کرنے کی کوشش کی"۔

جب پنجاب کے حکمران طبقہ نے عوام میں بے چینی دیکھی اور بغاوت کی راہ پر آتا ہوا پایا تو اس نے مارشل کے قانون کو اور سخت کر دیا۔ اور ہندوستانیوں کو ذلیل کرنے اور تکلیف پہنچانے کے لئے نئے ڈھنگ سے جاری کئے ہیں کا ذکر ۱۱ مئی ۱۹۱۹ء کے اخبار میں ہے۔

سڑکوں پر تازیانے مارے گئے پہلے تو پنجاب میں بڑے زور شور سے تازیانے مارے گئے، جس کی وجہ سے ایک یا دو شخص تازیانے لگائے جانے کے باعث جاں بحق ہو گئے، تین یا چار روز تازیانے لگائے جانے کے بعد

کرنل جانسن نے ہدایات شائع کیں کہ لوگوں کے معاشرتی معیار کا لحاظ رکھا جائے گا اور بچے بوڑھے تازیانے کی سزا سے مستثنیٰ کر دئے جائیں گے بیان کیا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو تازیانے مارے گئے ہیں ان میں طالب علم دکاندار اور معزز گھرانوں کے لڑکے شامل ہیں جس مقام پر تازیانے لگائے جاتے ہیں۔ وہ میونسپل مارکیٹ کے متصل انارکلی اور مال روڈ کے جنکشن پر واقع ہے۔

بیرسٹروں کو ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں

گوجرانوالہ میں قریب ۲ معزز اشخاص کہ جن میں پانچ یا چھ بیرسٹر اور وکیل بھی شامل ہیں ہتھکڑیاں پہنا دی گئیں۔ اور بعضوں کو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کرنل اوبرائن کے احکام کے ماتحت شہر مذکور میں ایک قطار میں نکال دیا گیا۔ ایک مسلمان بیرسٹر محسن شاہ کو ڈپٹی کمشنر لاہور نے بار روم سے طلب کیا۔ جب وہ آئے تو ان سے کچھ دیر تک بحث کی گئی اس کے بعد اسی موقعہ پر ان کے ہتھکڑیاں ڈالدی گئیں۔ اور گھر سے جیل تک لے گئے۔

فوجی افسر کو سلام کرنا لازمی

حکم ہے کہ فوجی افسروں کو ضرور سلام کیا جائے ایک معزز شخص کو جو مال روڈ کی جانب جا رہا تھا ایک فوجی افسر نے روک دیا، اور اس سے جبریہ سلام کرایا۔ ایک مرتبہ ایک فوجی افسر انارکلی کی طرف سے گزر رہا تھا اس کے آگے آگے دو سپاہی تھے وہ تمام دکانداروں سے بزور کہتے جاتے تھے کہ صاحب آ رہے ہیں اٹھ کر سلام کرو، بعض دکاندار جو سہواً یا عمداً سلام نہ کر سکے ان کو اسی جگہ بید لگائے گئے۔"

ہندوستانیوں کو ننگے سر نکلنے کی ممانعت کی گئی ان کے واسطے
لازمی قرار دیا گیا کہ وہ ٹوپی پہن کر نکلیں جو لوگ ایسا نہیں کرتے تھے
ان کو پولیس حراست میں لے لیتی۔ ایک بنگالی افسر کے نوکر اور ایک
بنگالی نے جو کسی قسم کی ٹوپی پہننے کے عادی نہیں تھے ایک شب
اس جرم کی سزا میں قید گزاری ۔"

جنرل ڈائر جس نے جلیانوالہ باغ امرتسر کے جلسہ کے ہزاروں
شریک ہونے والوں پر بیدردی کے ساتھ گولیاں چلوائی تھیں اس
کا بیان سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے ہوا، جو ظلم اس نے کئے
ڈھٹائی کے ساتھ اس کا اقرار کیا۔ اس کا یہ بیان ۱۴ دسمبر ۱۹۱۹ء
کے شمارے میں درج ہے۔

"۹ نومبر کو حسب معمول ۱۰ ۱/۲ بجے صبح کو ٹاؤن ہال لاہور میں تحقیقاتی
کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت لارڈ ہنٹر شروع ہوا۔ جنرل ڈائر نے
لارڈ ہنٹر کے سوالات پر بیان کیا۔

۱۱ اپریل کو ۲ بجے مجھے جالندھر میں امرتسر سے تار پہنچا کہ فوراً
آؤ، میں امرتسر میں گیا اور مسٹر مائلز ارونگ اور مسٹر پلومر سے ملاقات
کی مسٹر ارونگ نے مجھے بتایا کہ امرتسر میں صورت معاملات نہایت نازک
ہے قانون اجازت دیتا ہے کہ اگر سول حکام کسی علاقہ کا انتظام
کرنے سے قاصر ہوں تو وہ اس علاقہ کو فوجی انتظام میں دیدیں۔
ہم نے امرتسر میں ہوائی جہاز استعمال نہیں کئے البتہ لاہور سے ہوائی جہاز
وقتاً فوقتاً امرتسر میں آکر پرواز کرتے تھے، پولیس نے فوج کی مدد سے
شہر میں کئی گرفتاریاں کیں۔ میں نے شہر میں حکم دیا تھا کہ جلسے نہ کئے جائیں

اگر جلسے کئے جائیں گے تو ان کو بذریعہ اسلحہ منتشر کر دیا جائے گا۔ مجھے معلوم ہوا کہ لوگ اس حکم کے خلاف کرنے پر تلے ہوئے ہیں میری رائے میں لوگ اس بات کے لئے لوٹ مار کرنے پر آمادہ تھے۔

۵ ہزار سے زیادہ آدمیوں کے مجمع پر فائر

لارڈ ہنٹر نے پوچھا آپ نے امتناعی حکم جو جاری کیا تھا اگر ضرورت ہو تو جلسہ بزور اسلحہ منتشر کیا جائے گا یہاں ضرورت ہو سکے مشروط الفاظ کا کیا مطلب ہے

جنرل ڈائر: جب میں نے [illegible] کہ کوئی جلسہ نہ ہو لیکن لوگ حکم عدولی پر تلے ہوئے تھے جب مجھے اطلاع ملی کہ جلیانوالہ باغ میں لوگ جمع ہیں تو میں ۲۵ فوجی دستے کے ہمراہ باغ میں گیا۔ راستے میں بعض مقامات پر فوجی دستے تعینات کئے گئے۔ ساڑھے پانچ بجے میں باغ میں پہنچا۔ میں نے پچیس پچیس سپاہیوں کے دو دستے دائیں بائیں تعینات کر دئے اور ان کو فوراً فائر کرنے کا حکم دیدیا۔ میں نے اپنے دل میں اس معاملہ پر غور کر لیا تھا۔ جلسہ کا نزدیک ترین آدمی ہم سے ۱۰۰ گز کے فاصلہ پر تھا۔ اس وقت ایک شخص جلسہ میں تقریر کر رہا تھا۔ مجمع پانچ ہزار سے زیادہ اشخاص کا تھا۔

لارڈ ہنٹر نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ایسے آدمی بھی جلسے میں تھے جن کو جلسہ سے حکم امتناعی کا علم نہ تھا۔

(ج) حکم کافی مشتہر ہو چکا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض آدمیوں کو اس کا علم نہ ہو۔

ابھی تک امرتسر میں مارشل لاء جاری نہیں ہوا تھا کیا آپ نے

ہندوستانیوں کو ننگے سر نکلنے کی ممانعت کی گئی ان کے واسطے لازمی قرار دیا گیا کہ وہ ٹوپی پہن کر نکلیں جو لوگ اب نہیں کرتے تھے ان کو پولیس حراست میں لے لیتی۔ ایک بنگالی افسر کے نوکر اور ایک بنگالی نے جو کسی قسم کی ٹوپی پہننے کے عادی نہیں تھے ایک ہفتہ اس جرم کی سزا میں قید گزاری ۔۔۔

جنرل ڈائر جس نے جلیانوالہ باغ امرتسر کے جلسہ کے ہزاروں شریک ہونے والوں پر بیدردی کے ساتھ گولیاں چلوائی تھیں اس کا بیان سرکاری تحقیقاتی کمیٹی کے سامنے ہوا، جو مظالم اس نے کئے ڈھٹائی کے ساتھ اس کا اقرار کیا۔ اس کا یہ بیان ۱۴ر دسمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں درج ہے۔

"۹ر نومبر کو حسب معمول ۱۰ بجے صبح کو ٹاؤن ہال لاہور میں تحقیقاتی کمیٹی کا اجلاس زیر صدارت لارڈ ہنٹر شروع ہوا۔ جنرل ڈائر نے لارڈ ہنٹر کے سوالات پر بیان کیا۔

۱۱ر اپریل کو ۲ بجے مجھے جالندھر میں امرتسر سے تار پہنچا کہ فوراً آؤ، میں امرتسر چلا گیا اور مسٹر مائلز اروِنگ اور مسٹر پلومر سے ملاقات کی مسٹر اروِنگ نے مجھے بتایا کہ امرتسر میں صورت معاملات نہایت نازک ہے قانون اجازت دیتا ہے کہ اگر سول حکام کسی علاقہ کا انتظام کرنے سے قاصر ہوں تو وہ اس علاقہ کو فوجی انتظام میں دیدیں۔ ہم نے امرتسر میں ہوائی جہاز استعمال نہیں کئے البتہ لاہور سے ہوائی جہاز وقتاً فوقتاً امرتسر میں آکر پرواز کرتے تھے، پولیس نے فوج کی مدد سے شہر میں کئی گرفتاریاں کیں۔ میں نے شہر میں حکم دیا تھا کہ جلسے نہ کئے جائیں

اگر جلسے کئے جائیں گے تو ان کو بذریعہ اسلحہ منتشر کر دیا جائے گا۔ مجھے معلوم
ہوا کہ لوگ اس حکم کی خلاف ورزی کرنے پر تلے ہوئے ہیں میری رائے
میں لوگ حکومت کے خلاف لوٹ مار کرنے پر آمادہ تھے۔

۵ ہزار سے زیادہ آدمیوں کے مجمع پر فائر

لارڈ ہنٹر نے پوچھا آپ نے اعلامی حکم
جاری کیا تھا اگر ضرورت ہو تو جلسہ بذریعہ اسلحہ منتشر کیا جائے گا یہاں ضرورت
ہونے کے تشریح طلب الفاظ کا کیا مطلب ہے

جنرل ڈائر: میں اس سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ کوئی جلسہ نہ ہو۔ لیکن لوگ
عدول حکمی پر تلے ہوئے تھے جب مجھے اطلاع ملی کہ جلیانوالہ باغ میں
لوگ جمع ہو رہے ہیں تو میں فوجی دستہ کے ہمراہ باغ میں گیا۔ راستہ میں
مختلف مقامات پر فوجی دستے تعینات کئے گئے۔ ساڑھے پانچ بجے میں
وہاں پہنچا۔ میں نے پچیس پچیس سپاہیوں کے دو دستے دائیں
بائیں تعینات کر دئے اور ان کو فوراً فائر کرنے کا حکم دیدیا۔ میں
نے اپنے دل میں اس معاملہ پر غور کر لیا تھا۔ جلسہ کا نزدیک ترین آدمی
ہم سے ۹۰ گز کے فاصلہ پر تھا۔ اس وقت ایک شخص جلسہ میں تقریر
کر رہا تھا۔ مجمع پانچ ہزار سے زیادہ اشخاص کا تھا۔

لارڈ ہنٹر نے پوچھا کہ آپ کے خیال میں ایسے آدمی بھی جلسے میں
تھے جن کو جلسہ کے عدم انعقاد کا علم نہ تھا۔

ج: حکم کافی مشتہر ہو چکا تھا۔ لیکن ممکن ہے کہ بعض آدمیوں کو
اس کا علم نہ ہو۔

ابھی تک امرتسر میں مارشل لاء جاری نہیں ہوا تھا کیا آپ نے

مناسب سمجھا کہ ڈپٹی کمشنر کے مشورہ کے بغیر لوگوں پر فائر کرنے کا حکم دیا جائے، کیا فائر کرنے سے پیشتر جلسہ میں شامل ہونے والوں کو منتشر ہونے کا حکم دیا گیا تھا۔

۲۰۔ میں نے فائر کرنے کے متعلق کسی سے مشورہ نہیں کیا میرے حکم کا مضحکہ اڑایا گیا تھا میرے لئے ضروری تھا کہ جلسہ کو بزور اسلحہ منتشر کر دوں میں نے فائر کرنے سے قبل لوگوں کو منتشر ہونے کا حکم نہیں دیا تھا۔

منتشر ہونے پر فائر بند کیوں نہ کئے گئے

سوال جب فائر کیا گیا تو اس وقت حاضرین جلسہ کی کیفیت کیا تھی؟

(جواب) وہ منتشر ہو گئے۔

سوال، کیا فوراً،

جواب، ہاں فوراً

سوال۔ پھر آپ نے فائر بند کیوں نہ کیا۔؟

جواب، میں نے اپنا فرض سمجھا کہ جب تک حاضرین تتر بتر نہ ہو جائیں، تب تک فائر جاری رکھوں۔ قریب دس منٹ تک فائر کا سلسلہ جاری رہا۔

جنرل ڈائر نے آگے چل کر کہا کہ امرتسر میں امن اور ضابطہ قائم کرنے کے لئے فائر کرنا ضروری تھا۔ ہلاک شدگان کی تعداد میرے خیال میں چار پانچ سو کے درمیان تھی، رات کو میں نے شہر میں گشت لگایا، شہر بالکل خاموشی کی حالت میں تھا، میں نے ۱۴ اپریل کو سنا، شہر والے دربار صاحب میں ایک جلسہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ میں نے سردار سندر سنگھ مجیٹھیہ سے کہا کہ آپ جلسہ بند کرائیں، میں نے ان سے یہ کہا کہ اگر اس مطلب کے لئے فوجی مدد کی ضرورت ہو تو وہ حاضر ہے

سوال۔ شورش کے ایام میں عام لوگوں کا رویہ کیسا تھا۔

جواب:۔ میرے خیال میں ان کے اندر لوٹ مار کرنے کا جذبہ موجزن تھا۔ بالکل بے بنیاد اور شر انگیز افواہیں پھیلائی جا رہی تھیں۔ میں نے فوجی دستے تعینات کر دئے جو مضافات میں گشت لگاتے تھے۔ میں نے کئی مجالس منعقد کیں جن میں لوگوں پر حقیقت ظاہر کی جاتی تھی۔ مجھے یہ بھی اطلاع ملی کہ فوج میں شورش یا یہ جذبات پھیلانے کی تحریک برپا تھی۔

رینگ کر چلنے کا حکم کیسے منسوخ ہوا

مس شیروڈ جہاں مجروح ہوئی تھی وہاں چار اشخاص کو سزائے تازیانہ دی گئی۔ اس کوچہ میں جانے والے سب اشخاص کو حکم تھا کہ وہ رینگ کر چلیں، اس میں ایک خاتون کی بے حرمتی ہوئی تھی اور عورت ایک مقدس ہستی ہے اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ بے حرمتی کی تلافی کے طور پر لوگوں کو مجبور کیا جائے کہ وہ اس کوچہ سے جھک کر گزریں۔ یہ حکم ۱۹ اپریل سے ۲۵ اپریل تک رہا۔ حکام بالادست کا حکم آنے پر میں نے یہ حکم منسوخ کر دیا۔

فائر کن حالات میں ہوئے

جج رینکن صاحب کے سوال پر کہا کہ ۱۳ تاریخ کو جب شہر کا انتظام مجھ کو دیا گیا تو شہر بغاوت کی حالت میں تھا۔ امتناعی جلسوں کا حکم میں نے دیا تھا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ اس حکم کی تشریح اردو میں کی گئی یا نہیں کی گئی۔ مجھے ایک بجے معلوم ہوا کہ لوگ جلیانوالہ باغ میں جلسہ کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں، میرے لئے ناممکن تھا کہ لوگوں کے

آنے والے اجتماع کو فوجی دستوں کی مدد سے روک سکتا میں رام باغ سے سید ھا جلیانوالہ باغ میں گیا۔ میں نے دل میں فائر کا فیصلہ کر لیا تھا۔ میں نے اس امر کو پیش نظر نہیں رکھا تھا کہ لوگ میرے فوجی دستے پر حملہ کرتے ہیں یا نہیں میرے اس فائر کرنے کے فیصلہ کی بنا لوگوں کی حکم عدولی تھی۔ میں نے نتیجہ نکالا تھا کہ سرکشی کی حالت پنجاب کی حالت کا عکس ہے پس میں نے اپنے فیصلہ میں معاملات کو مجموعی حیثیت سے دیکھا تھا۔ لوگ اس وقت بھی سمجھتے تھے کہ بس انگریزی راج کا خاتمہ ہو گیا ہے۔"

فائر کرنا رحم انگیز کارروائی تھی

س۔ کیا فائر کرنا دہشت ناک کارروائی نہ تھی

ج:۔ میرا حکم دراصل رحم پر مبنی تھا۔ میں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اگر فائر کرنا ضروری امر ہے تو صرف ایک دفعہ ہی ایسا فائر ہونا چاہیئے جو موثر ہو۔ خفیف فائر سے فائر نہ کرنا بہتر ہوتا ہے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس وقت انتظام قائم کرنے کے لئے اس وقت فائر کا ہونا ضروری تھا آگے چل کر کہا کہ یہ درست ہے کہ جو اشخاص مس شیروڈ پر حملہ کرنے کے الزام میں گرفتار تھے ان میں سے چار کو سزائے تازیانہ دی گئی تھی ان ملزموں کو جبکہ یہ قلعہ میں نظر بند تھے وہاں کے قواعد کی خلاف ورزی کی تھی اور اس کی پاداش میں ہر ایک ملزم کے ۳۰ تازیانے لگائے گئے تھے جہاں مس شیروڈ پر حملہ ہوا تھا۔ اس اخبار میں سرکاری غزلیں بھی شائع ہوتی تھیں چند

/

شعراء کے منتخب اشعار نقل کئے جاتے ہیں۔

جناب حکیم علی الاکرم صاحب قسطاس نظامی مرادآبادی ؎

حبذا فیض نگاہ چشم مست مے فروش
ذرہ کو خورشید اور قطرہ کو دریا کر دیا

تو سمجھتا ہی رہا اے شوخ اپنے آپ کو
مری عریانی نے تیرا فاش پردہ کر دیا

قتل کر کے مجھکو اس رشک مسیحا نے کہا
کیا برا میں نے کیا بیمار اچھا کر دیا

ڈوب کر دریائے وحدت میں مٹا کر نام و ننگ
آخر میں قسطاس تو نے پار بیڑا کر دیا

(۴ر جنوری سنہ ۱۹۱۹ء)

جناب منشی سید طاہر علی صاحب ستر مرادآبادی ؎

عشاق کی آہوں میں ہے تاثیر بلا کی
اب حسن سے پردے میں کوئی رہ نہیں سکتا

صیاد اسیری مری قسمت میں لکھی ہے
آزاد رہا ہو کے بھی میں رہ نہیں سکتا

کہنے کو تو کہہ جاتا ہوں سب کچھ ترے آگے
مطلب کی جو ہے بات وہ میں کہہ نہیں سکتا

مجبور یہاں تک ہے ستر عشق میں ان کے
فریاد کے پردے میں بھی کچھ کہہ نہیں سکتا

۴ر جنوری سنہ ۱۹۱۹ء

منشی اشفاق حسین

منشی صاحب کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے، یہ مراد آباد کے باشندے تھے۔ ان کا خاندان مراد آباد کے تاجروں میں اچھی حیثیت کا مالک تھا۔ ان کے والد بھی مراد آباد میں تجارت کرتے تھے۔

منشی صاحب مراد آباد میں ۱۸۸۲ء کو پیدا ہوئے مدرسہ شاہی مراد آباد میں اردو فارسی اور عربی کی تعلیم پائی۔ ان کے بڑے بھائی فضل حسین صاحب کا صحافت اور ادب سے تعلق تھا۔ رسالہ عیار (؟) اسلام انھوں نے مراد آباد سے جاری کیا تھا۔ ان کو ان کی صحبت میں ادبی و صحافتی ذوق پیدا ہوا۔ اور انھوں نے ۱۹۱۸ء میں اخبار رہنما نکالا جس کو ۱۹۴۵ء میں مولوی عبدالسلام بانی مدرسہ سلام گرلز سکول مراد آباد کے ہاتھ پانچ سو روپے میں فروخت کیا جو پانچ چھ مہینے چلا اور اس کے بعد بند ہو گیا۔

آپ کو کتب بینی کا بے حد شوق تھا۔ کافی وقت کتب بینی میں صرف کرتے تھے اچھے ادیب اور اہل قلم تھے، مراد آباد کے علمی اور سرکاری طبقہ میں اچھا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ اخبار کو کافی سرکاری اور عدالتی اشتہار ملتے تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ منشی صاحب ایک غیر معمولی قابلیت کے آدمی تھے قلم میں متانت اور سنجیدگی تھی۔

ذریعہ معاش اخبار کے علاوہ رہنما بک ڈپو بھی تھا انھوں نے رہنما بک ڈپو کی ایک فہرست چھاپی تھی، اخبار بھی پروپیگنڈہ

کا ذریعہ تھا جس کی وجہ سے کتابوں کی اچھی نکاسی ہوجاتی تھی اور بس میں وی، پی کے پارسل روزانہ نکلتے رہتے تھے۔

طب میں بھی ان کو پورا عبور حاصل تھا۔ فاضل طب تھے ۱۹۴۵ء میں جبکہ انھوں نے اخبار رہنما فروخت کردیا تھا اس کے بعد رہنما کے دفتر میں طبی دواخانہ کھولا، چونکہ خود طبیب تھے اس لئے دواؤں میں صحیح اجزا ڈالتے تھے جس کی وجہ سے دواخانہ کی کافی شہرت ہوئی اور دواخانہ بھی ایک معقول آمدنی کا ذریعہ بن گیا۔

منشی صاحب انتہائی مخلص آدمی تھے اور خدمت خلق کا جذبہ رکھتے تھے حکام بھی ان کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کی بات پر توجہ دیتے تھے۔ جس کام کے بارے میں یہ کہہ دیتے تھے وہ کام ان کا ہو جاتا تھا۔

۱۹۵۲ء میں مع خاندان کے پاکستان چلے گئے تھے راولپنڈی میں سکونت اختیار کی تھی اور دس سال کے بعد راولپنڈی میں ستر برس کی عمر میں آخر اکتوبر ۱۹۶۲ء کو فوت ہوئے۔

انھوں نے تین صاحبزادے جناب الطاف حسین سحر مرادآبادی شاگرد رشید جگر مرادآبادی ابرار حسین صدیقی اور گوہر، اور ایک صاحبزادی چھوڑی۔

ہدایت الاسلام انجمن ہدایت الاسلام دہلی کا یہ آرگن دو ماہیہ ۱۹۱۶ء میں نکلا تھا۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا، مولوی عبدالمجید صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے چار آنہ تھا

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ اکتوبر ۱۹۱۸ء نے حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

"ہدایت الاسلام مولانا حقانی مرحوم کی زیر ادارت یہ رسالہ پہلے بھی انجمن ہدایت الاسلام دہلی کی طرف سے شائع ہوتا تھا ان کی وفات سے پہلے ہی یہ مر گیا تھا۔ اب پھر اسی پرانے نام سے زندہ ہوا ہے لیکن معنوی زندگی ابھی قوت نہیں پائی ہے، یہ ہدایت الاسلام کا دستور ترجمان ہے پہلے صرف مناظرات اور مذہبی مضامین ہوتے تھے۔ جو قابلیت سے لکھے جاتے تھے اب اس مضمون میں گو وسعت ہو گئی ہے لیکن تحقیق و تلاش میں کمی آ گئی ہے انجمن کے قدرشناس اس کی اعانت فرمائیں گے تو امید ہے کہ رفتہ رفتہ یہ اپنی پہلی سطح پھر حاصل کر لیگا۔ لکھائی، چھپائی اور کاغذ متوسط قیمت تین روپے چار آنے، ضخامت ۱۸ صفحہ پتہ دفتر ہدایت الاسلام بلیماران دہلی۔

کانفرنس گزٹ

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا یہ آرگن تھا ۱۹۱۸ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی طرف سے ایک ماہوار علمی و تعلیمی رسالہ شائع ہوا ہے۔ رسالہ تین حصوں میں منقسم ہے حصہ اول میں کانفرنس کے حالات اور اس کی شاخوں کی روئداد میں شائع ہوں گی دوسرے حصہ میں تعلیمی مضامین ہوں گے اور تیسرے حصہ میں مختلف علمی مضامین ہوں گے۔ پیش نظر نمبر اسی اصول پر مرتب ہوا ہے۔ تیسرے حصہ میں میکل کے مقالے کا ئنات کا بھی ترجمہ

شروع کیا گیا ہے۔ ضخامت ۸ صفحہ چھپائی اعلیٰ، کاغذ متوسط، قیمت سالانہ تین روپے، پتہ دفتر کالفرنس سلطان جہاں منزل علی گڑھ ہے۔

الفقہ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ الفقیہ پریس میں چھپتا تھا۔

۱۔ اس اسارہ مقصد اہل اسلام کی عموماً اور احناف کی خصوصاً حمایت کرنا۔

۲۔ فرقہائے ضالہ جدیدہ کے اعتراضات کا دندان شکن جواب دینا

۳۔ اسلامی دینی شعروں کی اشاعت کرنا۔

۴۔ گورنمنٹ اور رعایا کے باہمی حقوق کی نگہداشت کرنا۔

شوکت الاسلام حیدرآباد دکن بازار عیسیٰ میاں سے ۱۹۱۶ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا۔ اس کے مہتمم حاجی کرنال محمد بشیر احمد قادری تھے۔ نمونہ کے پرچہ کی قیمت ایک آنہ تھی سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

المعالج امرتسر سے یہ ماہانہ طبی رسالہ ۱۹۱۶ء میں نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر حکیم غلیم الدین صاحب تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ رسالہ المعالج کے ہر ایک خریدار کو کتاب اسرار مجربات قیمتی بارہ آنے مفت نذر کی جاتی تھی اس میں حفظان صحت کے اعلیٰ اصول، مفرد بوٹیوں کے خواص و اثرات اور بناتات اور ان کے مرکبات ہر قسم کے کشتہ جات، نامی حکماء کے یونانی ویدک ڈاکٹری سریع الاثر مجربات اور رسالہ کے خریداروں کے ہر قسم کے سوال

جواب درنج کئے جانے کے علاوہ کمزوری دشتی اور نامردی جیسی خطرناک بیماری کی نسبت خصوصیت کے ساتھ بحث کی جاتی ہے۔

طبی گزٹ لال کنواں دہلی سے یہ ماہانہ طبی رسالہ جنوری ۱۹۱۶ء سے ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر خواجہ شریف الحسن انچارج شفاخانہ لال کنواں تھے، سالانہ چندہ ۲ میں روپے تھا۔

اخبار اہل حدیث امرتسر نے ۱۲ اپریل ۱۹۱۶ء کے پرچہ میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

"ہمارے لائق دوست ڈاکٹر خواجہ شریف حسن انچارج شفاخانہ لال کنواں دہلی نے ماہوار رسالہ طبی گزٹ جاری کیا ہے۔ ڈاکٹری طبی قوانین اور معلومات ملک اس میں شائع ہوں گے جس طرح الہ آباد میں گنگا جمنا میں جمع ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کی کوشش سے دہلی میں ان دونوں علموں کے دریا یک جا نظر آنے کی امید ہے تعجب نہیں کہ قابل ایڈیٹر طبی گزٹ توجہ سے قدیم طب جو بقول لعداء قریب المرگ ہے، ڈاکٹر صاحب کے اثر صحبت سے زندہ ہو جائے۔ دو نمبر اس دفتر میں آئے ہیں"

حق لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۵ء میں بذریعہ اردو زیر ہوا۔ یہ اخبار پبلسٹی بورڈ، پنجاب لاہور کا آرگن تھا۔ جنگ کے متعلق خبریں اور مضامین شائع کرنے کے لئے جاری ہوا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبدالعزیز جوائنٹ سکرٹری پبلسٹی بورڈ تھے۔

۸ ستمبر [illegible]ء کے اخبار اہلحدیث میں اس اخبار کا پبلسٹی بورڈ کے جوائنٹ سکرٹری پبلسٹی بورڈ کی جانب سے اشتہار شائع ہوا ہے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ کو علم ہوگا کہ اخبار حق کی اشاعت دس ہزار سے ترقی کر کے ۲۵ ہزار تک جا پہنچی ہے، اب فیصلہ کیا گیا ہے کہ اہلحدیث بہ حق کا ایک خاص نمبر جو تصاویر، کارٹون، نقشوں اور بہترین مضامین نظم و نثر سے مزین ہوگا ایک لاکھ کی تعداد میں شائع کیا جائے گا۔

یثرب بجنور سے غالباً ۱۹۱۸ء میں بہ سہ روزہ اخبار جاری ہوا، مالک و مدیر منشی محمد مجید حسن خاں صاحب بجنوری تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

اس اخبار، اخبار اہل حدیث امرتسر ۱۵ اگست ۱۹۱۸ء میں حسب ذیل ریویو شائع کیا تھا۔

ہفتہ میں دوبار نہایت آب و تاب کے ساتھ مذہبی، اخلاقی، اصلاحی سیاسی و تمدنی و معاشرتی مضامین نہایت اعلیٰ درجہ کے ساتھ شائع ہوتے ہیں ولایتی اور ملکی اخباروں سے تازہ ترین خبریں شائع کرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ ملک بھر کے بہترین دل و دماغ کے اس اخبار کی خوبی اور عمدگی کے ضامن ہیں، اسلام قوم اور ملک کا سچا خادم پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ کرنے والا اللہ تعالیٰ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے جذبات بڑھانے والا اخبار ہے۔

شعلہ

حیدرآباد دکن سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۱۸ء کو وجود میں آیا۔ ۳۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر جناب سید نوازش علی لمعہ حیدرآبادی تھے سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔

اس رسالہ کی وجہ سے جناب لمعہ صاحب کی شہرت میں چار چاند لگے۔ لیکن یہ رسالہ معمولی سی بھی زندگی نہ پا سکا بلکہ بہت جلد موت کا لقمہ بن گیا اور بند ہو گیا [1]

سید نوازش علی لمعہ

سید نوازش علی صاحب جناب میرزا ظفر علی شعلہ کے صاحبزادے تصدیر احمد علی بیگ دہلوی کے پوتے تھے [2] ۱۲۸۶ھ میں حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے عربی فارسی اور انگریزی کے ماہر تھے طب کی بھی تعلیم حاصل کی تھی

شروع شاعری کا آپ کو شوق تھا۔ پہلے آپ نے اپنے والد سے اصلاح لی اس کے بعد نظم طباطبائی کو کلام دکھایا۔ آپ نے کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ایک کتاب اخلاقی شاعری کے اصول پر لکھی ہے آپ کے کلام میں اخلاقی اقدار زیادہ ہیں کلام صاف ہے اور شاعری کے عیوب سے پاک ہے [3]

الغیب اس ورز سے مشق سخن سے

نہ تھی جب ابتدا گوئی و تکلم کی

زمیں کوچہ کو جب مسکن بنایا

زیارت کر چکے دیر و حرم کی

---

[1] دکن میں اردو ۶۸۵ [2] سخنوران دکن ۲۴۲ [3] مبصرین اردو جلد ۲

[illegible] شعلے سوز کے چشمِ سوزاں میں
ہے [illegible] نسو تو ردعمل پڑ گیا سود چراغاں میں
[illegible] پر [illegible] جس نے بیچ یار کی سورش
[illegible] ان رہ گئی ہے اس نمکداں میں
[illegible] گل رنگ لو کے گر آ کر
[illegible] سبق عبرت کا پڑھتے ہیں گلستاں میں

[illegible] علمین [illegible] حیدرآباد دکن سے ۱۹۰۸ء کو یہ زرا تھی [illegible] رسالہ [illegible] جدید ہوا ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا [illegible] صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ [illegible] میں [illegible] [illegible] گا [illegible] ناظر زر عنقا کی سعد نسبت [illegible]

ثمرۂ [illegible] [illegible] دکن سے ۱۹۰۹ء کو یہ رسالہ جلوہ افروز [illegible] عبد الواسع صاحب [illegible] تھا۔ [illegible] العلوم کا آرگن تھا۔ اس میں اساتذہ [illegible] اس رسالہ کے منیجر اور ایڈیٹر [illegible] عربیہ اردو تھے۔ بقول ان [illegible] یہ رسالہ بند ہو گیا۔

شوکت [illegible] [illegible] اخبار [illegible] ۱۹۰۵ء کو شائع ہوا [illegible] مولوی عبد الرحمن صاحب

نیفی ایڈیٹر و مالک تھے۔ آٹھ روپے سالانہ چندہ تھا۔

یہ اخبار تاممکن کی یادگار میں جاری ہوا تھا۔ تقریباً بارہ سال اس نے عمر پائی۔ اس اخبار کو سارے جنوبی ہند بلکہ تمام دنیائے اردو میں وہی اہمیت حاصل تھی جو رہبر دکن کو حاصل ہے۔ اس اخبار میں ہندوستان بیرون ہندوستان کی تازہ ترین برقی خبریں دلکش اقتباسات، دلچسپ مضامین اور لطیفے شائع ہوتے تھے۔ ہر شمارے میں حیدرآباد کی خبروں کی اشاعت کا خاص انتظام تھا۔ حکومت آصفیہ شاہی فرامین اور اہم خبریں براہ راست ایڈیٹر کے پاس بھیجتی تھی۔

الفقیہہ کڑہ باگھ سنگھ امرتسر سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۶ء میں نمودار ہوا۔ ۱۲ صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر حکیم ابوالراجی سراج الدین احمد تھے۔



سنہ ۱۹۱۹ء

فتح — گورداسپور سے جنوری ۱۹۱۹ء کو یہ ماہنامہ جاری ہوا۔ ۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ سردار گنڈا سنگھ بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ یہ رسالہ گورداسپور کی ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن کا آرگن تھا۔ حکومت برطانیہ کا وفادار رہا تھا۔ نظم و نثر میں صاحبانِ انگریز کی تعریف بیان کرتا تھا۔

ضرورت — امرتسر سے یہ ماہوار رسالہ جنوری ۱۹۱۹ء کو جاری ہوا سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔ فی پرچہ دو آنے قیمت تھی، رسالہ انتخاب جاوید کے ستمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس رسالہ پر حسب ذیل ریویو شائع ہوا ہے۔

یہ اپ ٹو ڈیٹ ماہوار رسالہ جنوری ۱۹۱۹ء سے باقاعدہ جاری ہے، اس میں علمی، طبی، تجارتی، کاروباری اور مفید مضامین

شائع ہوئے ہیں [illegible] ہے کہ [illegible] کے اشتہارات حسب موقع و محل [illegible] لگا [illegible] جاتا ہے۔

نظام

فروری ۱۹۱۹ء [illegible] لاہور سے [illegible] ماہنامہ وجود میں آیا [illegible] [illegible] ۲ روز [illegible] سو پچاس صفحات [illegible] شائع ہوتا تھا [illegible] احمد [illegible] تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا [illegible] فی پرچہ [illegible] آنے [illegible] پریس لاہور میں طبع ہوتا تھا۔

اس [illegible] سے اس کے مضمون [illegible] [illegible] شائع [illegible] [illegible] کی یا [illegible] جاری ہوا تھا۔

نقیب

[illegible] آیا [illegible] مشتمل [illegible] وحید احمد [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] نکلتا تھا۔

[illegible] تقریب تھی
[illegible] نقیب کا

مارچ ۱۹۱۹ء [illegible] بدایوں [illegible] اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"[illegible] وحید احمد صاحب کے [illegible] اور ہمت کی بدولت بدایوں

[illegible] فخر حاصل ہوا ہے کہ ایک علمی و ادبی پرچہ کو اپنے آغوش میں لے
اس رسالہ کے [illegible] اس وقت تک نہایت آب و تاب سے
شائع ہو چکے ہیں۔

[illegible] پٹھان کوٹ [illegible] لاہور کے شمارے اپریل ۱۹۱۰ء میں بھی
[illegible] چھپا تھا۔

[illegible] رسالہ [illegible] حمید احمد کی ادارت میں بدایوں سے جاری
ہوا ہے، اب تک اس کے دو پرچے فروری اور مارچ نکل چکے ہیں
اور دونوں ہمارے پیش نظر ہیں۔ فروری کے پہلے پرچہ میں ایڈیٹر
صاحب کا انشائیہ "مضمون بات سو پچاس" اچھا ہے۔ ایک جگہ
کیا خوب لکھتے ہیں " کاغذ کی گرانی اور چاندی کی ارزانی تاریخ عالم
میں یادگار رہے [illegible] صاحب نے اعلان کیا تھا کہ اب ہر تعریف اور
[illegible] کے مضامین درج کیا کرے گا۔

[illegible] اردو رسالہ تھا۔ تین چار سال میں بند ہو گیا تھا۔

دالی

دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ فروری ۱۹۱۶ء کو نمودار
ہوا [illegible] صفحات پر نکلتا تھا۔ سلطان جہاں بیگم
[illegible] اس کی [illegible] ایڈیٹر تھیں۔ چندہ سالانہ دو روپے تھا۔
[illegible] ریویو و تبصرہ اور تنقید ۱۶ فروری ۱۹۱۶ء
[illegible] لندن [illegible] میں شائع ہوئی تھی۔

تاجر

دہلی سے فروری ۱۹۱۶ء میں یہ پندرہ روزہ اخبار
جاری ہوا جس میں تجارت صنعت و حرفت، اور
[illegible] متعلق مضامین شائع ہوتے تھے دہلی کے بازار کا

تاجرانہ نرخ بھی درج کیا جاتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

انقلاب دہلی میں شیخ منگلو حیدر دیوانان سے یہ ہفتہ وار اخبار فروری ۱۹۱۹ء کو رونما ہوا۔ ۳۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر مولانا عارف ہسوی، مالک ملا واحدی صاحب اور پبلشر اساعیم حسن تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ فی پرچہ ایک آنہ قیمت تھی۔ انقلاب پریس میں طبع ہوتا تھا۔

انقلاب کا دستور العمل یہ آیات ربانی تھیں " پریشان نہ ہو مت ڈرو، انجام کار تم سربلند ہو گے" اور نعرہ یہ تھا " انقلاب کی طرف بڑھو، انقلاب تمھیں بڑھائے گا "

۴ مارچ ۱۹۱۹ء کے رہنما مراد آباد کے شمارے میں اس اخبار پر تبصرہ ہوا تھا۔

" یہ جدید ہفتہ وار اسلامی اخبار دہلی سے جاری ہوا ہے جس کے تین پرچے شائع ہوئے ہیں۔ مضامین و پالیسی کے لحاظ سے آزاد اور صاف گو اسلامی جریدہ ہے۔ مضامین میں حریت اور اسلامی آزاد خیالی کی خاص روح ہوتی ہے۔ دہلی کی آب و ہوا اسلامی اخبارات کے لئے خصوصیت سے موافق نہیں رہی ہے۔ اس لئے ہم دعا کرتے ہیں کہ خدا اس سچے اسلامی ترجمان کو حوادث زمانہ سے محفوظ رکھے "

جو خدشہ ایڈیٹر رہنما کو اس اخبار کے بارے میں تھا وہ پورا ہوا اور یہ اخبار تین مہینے سے زیادہ جاری نہ رہ سکا۔ ملا واحدی صاحب نے اپنے ایک مضمون میں جو اخبار جنگ کراچی شائع ہوا تھا۔ اس اخبار

کے جاری ہونے اور بند ہونے کی وجوہات لکھی ہیں۔
عارف صاحب نے خود قلم سنبھالا اور مولانا ابوالکلام سے آگے بڑھ گئے۔ میں نے عارف صاحب سے ایک لفظ نہیں کہا عرصہ دراز تک صرف کاٹ چھانٹ کرتا رہا عارف صاحب ہمیشہ انتہا پر جاتے رہے میں ان کی تحریروں کو سموتا رہا۔ غرض یوں ہی کئی سال گزر گئے اور میں نے عارف صاحب سے ان کی انتہا پسندی کی بابت بات نہ کی تو آخر ایک روز خود ہی بولے کہ آپ نے مجھے اپنے آرام کا خیال کر کے کام پر لگایا تھا مگر میری انتہا پسندی آرام کی بجائے آپ کو تکلیف دے رہی ہے اس کا بڑا دکھ ہے۔ لیکن کیا کروں قلم روکے نہیں رکتا ضمیر کے مطابق لکھنے پر مجبور ہوں آپ کی کانٹ چھانٹ کا مجھ کو احساس تھا۔ لکھنے کے بعد میں ہلکا ہو جاتا ہوں پھر پروا نہیں کرتا کہ کیا چھپا اور کیا نہیں چھپا، البتہ آپ جو یہ کاٹ چھانٹ کی تکلیف اٹھاتے ہیں اس سے شرمندہ اور محجوب ہوں، مجھ پر ان کے اس فقرہ کا اچھا اثر ہوا کہ ضمیر کے خلاف لکھوں گا نہیں، میں نے کہا عارف صاحب آپ کے چھوٹے بھائی ابراہیم حسن خواجہ حسن نظامی صاحب کے دفتر میں موجود ہیں ان سے ایک اور ہفتہ وار اخبار کا ڈکلیریشن دلوا دیجیے، انقلاب اس کا نام ہو اور اپنا نام بحیثیت ایڈیٹر اس پر لکھوائیے اور دل کھول کر پھر اس کو نکالیے میں انقلاب کی ضمانت کی رقم دیدوں گا اور انقلاب پریس الگ قائم کر دوں گا حافظ عزیز حسن بقائی کبھی جیل جانے کے مشتاق ہیں وہ انقلاب پریس کے منتظم ہوں گے میں روپیہ لگانے کے سوا کوئی قانونی واسطہ اخبار

نقلاب سے نہیں رکھوں گا ـــــ چنانچہ اپنے مکان سے دور حیدر
شیخ منگلو میں انقلاب کا پریس اور دفتر قائم کیا گیا اور بقائی صاحب
یہاں جا بیٹھے۔ اور عارف صاحب نے سر سے کفن باندھ لیا۔ عارف صاحب
مقرر اچھے نہیں تھے۔ لیکن لکھنے میں بڑا زور تھا۔ تین مہینے میں انقلاب
کے ساڑھے چار ہزار خریدار ہو گئے تھے پونے دو ہزار پنجاب میں
اور پونے تین ہزار باقی ہندوستان میں سنہ ۱۹۱۸ء میں پنجاب سیاسی
ہنگاموں کا مرکز تھا۔ پنجاب گورنمنٹ نے انقلاب کا داخلہ بند کر دیا۔
اور انقلاب کی اشاعت لگ بھگ آدھی رہ گئی ایک دن میرے ہم محلہ اور
خیر خواہ بابو عبدالقیوم آئے، بابو صاحب ڈپٹی کمشنر دہلی کے اردو
دفتر کے میر منشی تھے۔ انھوں نے کہا انقلاب کی دو ہزار روپے کی ضمانت
ہفتہ عشرہ میں ضبط ہونے والی ہے، آپ اسے فوراً واپس لے
لیجئے، میں نے عارف صاحب سے ذکر کیا وہ بادل ناخواستہ انقلاب
بند کرنے پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے بھائی ابراہیم احسن پبلشر انقلاب
نے دو ہزار روپے واپس لے کر بٹ دیدیئے اور انقلاب بند ہو گیا۔"

مولانا عارف حسن ہسوی

مولانا عارف فتحپور ہسوے کے رہنے والے تھے، آپ ہسوے کے مشہور
خاندان کے فرد ہیں۔ آپ کے اکثر خاندان کے لوگ نظام آباد سے متعلق
ہیں اور مولانا عارف کو بھی حیدرآباد دکن کے ملکی حقوق حاصل تھے۔

مولانا عارف کے والد ماجد ہسوہ کے رئیسوں میں شمار تھا
آپ ایک صوفی منش بزرگ تھے۔ مولانا شاہ عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ
جو حضرت شاہ ابوسعید و شاہ احمد سعید مجددی دہلوی کے خلفا میں تھے

ان سے بیعت تھے اور ان سے خلیفہ بھی تھے۔ آخر عمر میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی سے بھی استفادہ کیا تھا۔ تصوف کا غلبہ زیادہ تھا۔ والدہ کہتی تھیں کہ اسی رعایت کی وجہ سے انھوں نے عارف نام رکھا۔ سب سے پہلے جو اولاد ان کی پیدا ہوئیں ان کا نام یکے بعد دیگرے […] مگر ان میں سے کوئی بھی زندہ نہ بچا بلکہ ان سے پہلے دو بیٹے […] کے نام یکے بعد دیگرے عارف رکھے گئے مگر کسی نے زندگی نہیں پائی ۔

عام طور پر […] استغفار کی […] ہیں چنانچہ جب عارف صاحب پیدا ہوئے تو ان کی والدہ کو خیال ہوا کہ یہ نام منحوس ہے […] رکھا جاتا ہے وہ زندہ نہیں رہتا اس لئے […] اپنے […] نام […] رکھنے کی مگر ان کے والد مستحکم عقیدہ کے بزرگ تھے انھوں نے اس بات پر کوئی توجہ نہیں کی اور ان […] ان سے پہلے جا چکے تھے نام پر ان کا نام عارف ہی رکھا ۔ […] ان کو زندگی بخشی ۔

عارف صاحب بھی […] تصوف کی طرف مائل تھے ان کے ذوق و شوق کے عادات اس بات کے متقاضی تھے مگر ان پر والد کے انتقال کے بعد مولویت کا رنگ غالب آگیا اور جب تعلیم سے علیحدہ ہو گئے تو مختلف قسم کی […] میسر آئیں تو مولویت ہی کا رنگ رہا نہ تصوف کا بلکہ ایک رند بن گئے [1] منقول مولانا عارف ہسوی ،

---

[1] مضمون مولانا عارف ہسوی رسالہ نظام المشائخ دہلی رجب ۱۳۲۵ھ مطابق [illegible]

" اسی رندانہ زندگی کا اثر ہے کہ سوزش آباد سیاست میں پڑ گیا گو صدق و خلوص کا نام نہیں ہے اور محض ہوسِ جاہ کام کر رہی ہے تاہم خدا کا شکر ادا کرتا ہوں۔ عالم آشکارانہ پیشگی اور آزادہ روشی کی پُر معصیت زندگی سے یہ حالت بہتر ہے اس لئے کہ باعتبار نتائج کے بہر حال مفید ہے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ کبھی نہ کبھی صدق و خلوص بھی عطا فرمائے گا اور نمود و نمائش کی آلودگی سے نجات دے گا۔"

عارف صاحب نوجوانی میں غالباً ۱۹۱۳ء کے وسط میں دہلی آ گئے تھے، اسی زمانہ میں حکیم اجمل خاں صاحب کو خیال ہوا، کہ اپنے اکلوتے لڑکے جمیل خاں صاحب کی انگریزی کا کچھ بندوبست کریں۔ حکیم صاحب کے خاندان کا کوئی لڑکا اس زمانے تک انگریزی مدرسوں میں داخل نہیں کیا گیا تھا۔ حکیم صاحب نے بھی یہ وضع باقی رکھی اور اپنے بیٹے خاندان کے لوگوں کے لئے ایک مدرسہ کھول دیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد صاحب کے مشورہ سے نیاز فتحپوری اس مدرسہ کے کرتا دھرتا بنائے گئے۔ ملا واحدی صاحب سے بھی نیاز صاحب کے تعلقات تھے۔ وہ مدرسہ کا کام انجام دے کر باقی وقت ان کے ساتھ گزارتے اور شام کی نشست تو ان کے یہاں ضروری تھی۔ ملا واحدی صاحب کے مکان کے قریب ہی اسکول نے اپنے رہنے کے لئے مکان لے لیا تھا مولانا عارف نیاز صاحب کے بیوی بچوں کو پہنچانے دہلی آئے ملا واحدی صاحب اس وقت اپنے دفتر میں تھے عارف صاحب وہاں آئے اور کہا میرا نام عارف ہے نیاز صاحب کے بیوی بچے باہر تانگے میں ہیں کسی سے کہئے۔ نیاز صاحب کا گھر بتا دے۔

نیاز صاحب کی شام کی نشست ملا واحدی صاحب کے گھر پر ہوتی تھی۔ عارف صاحب بھی نیاز صاحب کے ساتھ اس نشست میں شامل ہونے لگے اور کبھی تنہا بھی واحدی صاحب سے ملنے آجاتے تھے عارف صاحب نیاز کے خاص دوستوں میں تھے۔ عارف صاحب کو نیاز صاحب سے جیسا کہ والہانہ لگاؤ تھا ویسا شاید ہی کسی کو ہو۔ نیاز صاحب کا بیان ہے۔

" میرے قیام فتحپور کے زمانے میں عارف صاحب ہمہ وقت رہتے تھے، میرے پاس فتحپور زیادہ رہتے تھے، اس وقت وہ اپنی نئی زندگی کے انتہائی تنزلی دور سے گزر رہے تھے۔ نیاز اور میر ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئے تھے، پان کھانا اور امیر کے ایک ایک شعر پر گھنٹوں سر دھننا ان کے دو مشغلے تھے۔ انھیں فتح پور چھوڑ کر دہلی آجانا مجھ پر بہت شاق تھا۔"

کچھ مہینے کے بعد نیاز صاحب کو ریاست بھوپال کی نوکری مل گئی۔ بھوپال جانے کے وقت نیاز صاحب نے عارف صاحب سے معلوم کیا کہ بھوپال چلنے کا ارادہ ہے یا دہلی میں رہنے کا تو عارف صاحب کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ دہلی میں قیام کا انتظام ہو گیا ہے تو دہلی مجھے بھا گئی ہے۔

ملا واحدی صاحب نے عارف کو اپنا ایک کمرہ نذر کر دیا تھا اور یہ دہلی میں رہنے لگے۔

۔ اخبار ہمدرد

میں بھی کچھ عرصہ وابستہ رہے۔ لالہ شنکر لال صاحب کے ساتھ

اخبار کانگریس جاری کیا۔ یہ تینوں اخبار حریت پسند و انقلابی تھے حکومت کی نظر عتاب کے نذر ہو گئے۔ اور زیادہ زندگی نہیں پائی۔ اخبار کانگریس بند ہوا تو دوسرا اخبار بند ہوا تو تیسرا اخبار وجود میں آیا۔ المختصر آج اس اخبار میں تو کل اس اخبار میں ادیٹری کی۔

چنانچہ ۱۹۲۱ء میں اخبار حریت دہلی سے جاری ہوا اس کی ادارت کی ذمہ داری بھی مولانا عارف کو سونپی گئی۔ یہ اخبار نام کا نہیں بلکہ عملی طور پر حریت پسند تھا۔ اس نے حکمراں طبقہ کی کوئی حمایت نہیں کی اور نہ ہی جنگ کے لئے فوج میں بھرتی ہونے کی حمایت کی گئی۔ حکومت برطانیہ کی پولیس محسوس حکومت یہ بھی برداشت نہیں کر سکی آٹھ، نو مہینے کے بعد ضمانت طلب کر لی گئی۔ حریت کا دیوانہ کب باز آنے والا تھا۔ ضمانت کی مدت ختم نہیں ہوئی تھی اس اثنا میں سامراج پرست حکومت کی دلبری کے ساتھ پردے چاک کئے حکومت نے مدتِ ضمانت ختم ہونے سے پہلے ہی اخبار بند کرنے کا حکم دیدیا۔ یہ اخبار بمشکل تمام دو ڈھائی سال چلا۔

جب اس اخبار سے ضمانت طلب کی گئی تو اس کی یہ خبر یکم مئی ۱۹۲۲ء کے مخبر عالم مراد آباد میں شائع ہوئی۔

"جدید دہلوی معاصر حریت جس نے اپنی آزاد نگاری اور صاف بیانی سے ایک عام شہرت حاصل کر لی تھی اور اب وقت وہ آیا تھا کہ ہم عصر کو فائدہ پہنچتا تو اس سے ایسے زمانے میں دو ہزار روپے نقد ضمانت طلب کی گئی۔ گو دیگر مطابع کی ضمانتیں واپس ہو رہی ہیں مگر یقیناً ناظرین حریت اس خبر کو سن کر ضرور خوش ہوں گے کہ اس کے قابل ایڈیٹر

مولانا عارف ہسوی نے امید ظاہر کی ہے کہ جلد سے جلد ضمانت مطلوبہ عدالت داخل ہو جائے گی اور حریت کی اشاعت میں کوئی رخنہ نہیں پڑے گا۔

اخبار حریت بند ہوا تو ۱۹۲۵ء میں اخبار استقلال ہند دہلی سے ایک ڈمی ایڈیٹر موہن سنگھ کا نام ڈال کے جاری کیا۔ چنانچہ اس اخبار کی تعریف مدینہ بجنور کے ۲۸ جنوری ۱۹۲۶ء کے شمارے میں کی گئی۔

یہ ہفت روزہ اخبار دہلی سے جاری ہوا ہے اس کی پیشانی پر موہن سنگھ کا نام ایڈیٹر کے طور پر لکھا ہے۔ لیکن ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اخبار کی پالیسی اور تحریر کے فرائض لالہ شنکر لال دہلی کے مشہور کانگریسی اور مولوی عارف ہسوی انجام دیتے ہیں، یہ دونوں بزرگ قوم پرستی کے میدان کے پرانے شاہسوار اور تجربہ کار ہیں۔ استقلال ہند کی پالیسی ٹھوس قوم پرستی پر مبنی ہے جو اخبار ان بزرگوں کی رہنمائی میں نکلے گا۔ اس کی روش سے کیا خدشہ ہو سکتا ہے، ترتیب مضامین بھی عمدہ ہے دلچسپ ہے اور سبق آموز، سالانہ چندہ چار روپے فی پرچہ ایک آنہ قیمت

جس رسالے سے وہ آخر تک وابستہ رہے وہ رسالہ مولوی تھا اس رسالہ کی علمی مدد مولانا عارف ہسوی نے کافی سے زیادہ کی اس رسالہ کی ایڈیٹری میں کبھی نام نہیں دیا۔ لیکن ایڈیٹری کے فرائض بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیے، جس وقت تک عارف صاحب زندہ رہے رسالہ مولوی کو انگریز کا دشمن، قوم و ملت کا خادم، وطن پرست اور خیرخواہ ملک و ملت بنائے رکھا۔[1]

---

[1] ملخص از اداریہ اخبار الجمعیۃ دہلی ستمبر ۱۹[illegible]ء

منشی عبدالحمید صاحب مالک دلہا پبلشر مولوی عبدالحمید صاحب کے مولانا عارف ہسوی خاص مقربین میں تھے۔ عارف صاحب کا یہ بہت خیال کرتے تھے

سنہ ۱۹۱۵ء سے ہی مولانا عارف نے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ چنانچہ دسمبر سنہ ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے کانگریس کے اجلاس میں جبکہ لالہ بپائے لال مرڈرا لے اور رائے بہادر سلطان سنگھ ہوم رول لیگ کے نمائندے بنکر گئے تو اس وقت لکھنؤ کانگریس کے اجلاس کے ساتھ اردو کانفرنس بھی ہو رہی تھی اس میں ہوم رول لیگ کی جانب سے مولانا عارف ہسوی نمائندہ بناکر بھیجے گئے۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں خلافت کمیٹی قائم ہوئی تو آپ اس کے جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔ اسی سال خلافت کی سول نافرمانی میں جیل بھیجدئے گئے۔ اور چھ مہینے کی سزا ہوئی۔

سنہ ۱۹۱۹ء سنہ ۱۹۲۰ء اور سنہ ۱۹۲۱ء میں ہندو مسلمانوں میں اس قدر محبت و یک جہتی اور میل ملاپ تھا کہ مسلمان ہندوں کا اور ہندو مسلمانوں کا خیال رکھتا تھا یہی وہ اتحاد کا زمانہ تھا۔ کہ جب سوامی شردھانند جی نے جامع مسجد کے پلیٹ فارم سے تقریر کی تھی اور مسلمانوں نے ان کا شاندار استقبال کیا تھا۔ اس طرح ہندو مسلمانوں نے مذکورہ سالوں میں بقرعید کے موقعہ پر گائے کی بہت کم قربانی کی تھی اس پیار و محبت بڑھانے میں لالہ شنکر لال، مولانا عارف ہسوی مولانا عبداللہ ۳ ہے ورا سے لعد حکیم اجمل خاں، ڈاکٹر انصاری کا بڑا ہاتھ تھا۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ خطابات اور سرکاری ملازمتیں وکالت اور کالج و اسکول چھوڑے جا رہے تھے خلافت کی تحریک زوروں پر تھی۔ اس وقت ۱۷ دسمبر سنہ ۱۹۲۰ء مطابق ۶ ربیع الاول سنہ ۱۳۳۹ھ جمعرات کو شب کے وقت مولوی عبدالاحد صاحب کا انتقال ہوا[1] ان کے بارے میں یہ خیال کیا گیا کہ انھوں نے خلافت تحریک کی مخالفت میں حصہ لیا اور اپنا خطاب واپس نہیں کیا۔ ان کے انتقال کے بعد ان کے مکان پر لوگ جمع ہو گئے اور نعش کو اٹھانے نہیں دیا اس معاملہ میں مولانا عارف ہسوی۔ مولانا عبداللہ آنبے والے اور حافظ عمر رحمہ اللہ تعالیٰ پیش پیش تھے ان تینوں حضرات کو پولس نے گرفتار کر لیا۔

مقدمہ چل رہا تھا کہ یہ خبر اڑائی گئی کہ جامع مسجد کے امام سید احمد صاحب جو دہلی کے مشہور سرکار پرست اور وفادار کہلاتے تھے۔ وہ مولوی عبدالاحد کے مقدمہ میں سرکار کی طرف سے شہادت دینے گئے تھے جامع مسجد میں جمعہ کی نماز کے وقت عوام کا جم غفیر پہنچ گیا اور اس نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہم اس امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھیں گے۔ فوراً تمام صفیں ٹوٹ گئیں۔ عوام نے امام صاحب کو نماز پڑھانے نہیں دی، بہت مشکل سے امام صاحب عوام سے بچتے بچاتے مسجد کے حجرے میں پہنچے اور وہاں جا کر اماں لی۔ لیکن پبلک نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ حجرے کو جا گھیرا اور اس کے

---

[1] مولانا محمد احسن نانوتوی صفحہ ۱۶۷

دروازے توڑنے لگے۔ اس عرصہ میں نماز شروع ہو گئی مجمع حجرے کے سامنے سے ہٹا اور نماز پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔ موقع پا کر امام صاحب کے صاحبزادے سید حمید صاحب نے حکیم اجمل خان اور مسٹر آصف علی کو اطلاع دی انھوں نے آکر ان کو حجرے کی قید سے نکالا۔

اس مقدمہ میں مولانا عارف ہسوی صاحب نے آخری دم تک ضمانت دینا خودداری کی شان کے خلاف سمجھا۔ اور ضمانت نہیں دی جیل میں رہے۔ اس مقدمہ کے ملزموں کو تین تین ماہ کی سزا ہوئی۔ چونکہ مولانا عارف حوالات میں چار مہینے گزار چکے تھے، مجسٹریٹ نے اسی مدت کو سزا کی مدت قرار دیا۔

اس سزا کے بھگتنے کے بعد ۱۹۲۱ء کی عدم تعاون کی تحریک کے سلسلہ میں آگرہ کی ایک باغیانہ تحریک کی بنا پر جبکہ مولانا احمد سعید صاحب اور عبدالعزیز انصاری بھی گرفتار کئے جا چکے تھے حکومت نے مولانا عارف ہسوی کو بھی گرفتار کر لیا۔ مولانا عارف ہسوی کو دو سال اور مولانا احمد سعید صاحب اور عبدالعزیز انصاری کو ایک ایک سال کی سزا ہوئی۔

آگرہ جیل چونکہ دور تھا اس لئے دہلی کی ملاقاتی جلد ملاقات نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن دیر سویر ملنے والے پہنچ ہی جاتے تھے چنانچہ منشی عبدالقدیر کے بھائی جناب ضیاء الدین احمد برنی کا ان دنوں آگرہ جانے کا اتفاق ہو گیا وہ عارف صاحب سے جیل پر ملنے کے لئے گئے۔ جیلر اور سپرنٹنڈنٹ سے ملاقات کی جو انگریز تھا

اس سے ملاقات کی اجازت مانگی تو کہنے لگا "تم سرکاری ملازم ہو کر
عدم تعاون کرنے والے کانگریسیوں سے ملتے ہو" بسنی صاحب نے کہا
ہماری دوستی سیاسی نوعیت کی نہیں ہے بلکہ یہ چیز مشترک ہے، وہ ادبی
مشاغل ہیں اور یہی چنانچہ اس نے فوراً پندرہ منٹ کے لئے اجازت
دیدی مگر ان کی ملاقات مسلسل دو گھنٹے تک جاری رہی جیلر نے اسسٹنٹ
جیلر ان کے ساتھ کر دیا تھا۔ جیل میں ان کو عارف صاحب نے اپنے
دوستوں سے ملوایا۔ پھر کہا خدا کا شکر ہے کہ آج اتنے عرصہ کے بعد
ایک دوست کی صورت نظر آئی۔ انھوں نے بتایا بڑی آرام سے
وقت کٹ رہا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو مقررہ رقم مل جاتی ہے
ہم خود اپنے کھانے پینے کا انتظام کر لیتے ہیں۔

واحدی صاحب کی بیٹی زاہدہ کی پیدائش عارف صاحب
کے سامنے دہلی میں ہوئی تھی۔ عارف صاحب کے کوئی اولاد نہیں تھی
وہ اس سے اپنی بیٹی کی طرح محبت کرتے تھے اور زاہدہ بھی ان سے
ہل گئی تھیں کہ ان کی گود سے اترتی نہیں تھیں۔ واحدی صاحب
کو انھوں نے آگرہ جیل سے لکھا زاہدہ کے دیکھنے کو جی چاہتا ہے
واحدی صاحب قاری عباس حسین صاحب کے ساتھ زاہدہ کو لے کر
آگرہ جیل پہنچے۔ ملاقات ہوئی تو عارف صاحب پائدان آگے رکھے
پلنگ پر براجمان تھے۔ عارف صاحب کے ساتھیوں نے سنا
کہ عارف صاحب کی منہ بولی بیٹی آئی ہے تو پانچ چار گھنٹے کے اندر
اندر اتنے کھلونے اور اتنے پھل منگا کر اس کے آگے ڈال دئے
کہ ان کا دہلی لانا خاصہ بوجھ ہو گیا۔

عارف صاحب اپنے اخلاص اور اپنی بردباری، کم گوئی اور بے
لوثی کے باعث سیاسی تبدیلیوں میں دوسرے مفتی کفایت اللہ
مانے جاتے تھے۔ مفتی صاحب بھی نہایت مخلص، بردبار، کم گو
اور بے لوث بزرگ تھے۔ عارف صاحب کو مفتی صاحب جتنی
بھی پیسے کی احتیاج نہیں تھی۔ اکیلے تھے جیل میں رہے تو گورنمنٹ
نے خرچ اٹھایا۔ باہر رہے تو تلہ لکھا کرا تنا کما یا کہ کپڑے صاف
ستھرے پہن لیے۔ بے لوثی اور بے نیازی خالی نہیں جاتی،
تول تول کر سوچتے اور تول تول کر بولنے کی عادت تھی، بہت
جلد آل انڈیا لیڈروں میں شمار ہونے لگا اور دہلی صوبہ کانگریس
کے صدر منتخب کر لئے گئے۔

مولانا عارف اپریل ۱۹۲۳ء آگرہ جیل سے رہا ہو کر آئے
تو اس وقت سوراجیہ پارٹی حکیم اجمل خان صاحب بنا چکے تھے
اور تمام ہندوستان میں اس کی شاخیں بن رہی تھیں ۷ مئی ۱۹۲۳ء
کو سردار نانک سنگھ کی صدارت میں ایک جلسہ کانگریس کمیٹی کے
دفتر میں ہوا۔ جس میں سوراجیہ پارٹی کی شاخ قائم ہوئی حکیم اجمل
خان پارٹی کے صدر اور مولانا عارف ہسوی جنرل سکریٹری منتخب
ہوئے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو رات کے گیارہ بجے لاہور کانگریس
کے اجلاس میں ہندوستان کے آزاد ہونے کی تجویز منظور
ہوئی، اس میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو
تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور گھر گھر میں

ہندوستان کی مکمل آزادی ہونے کی خبر پہنچا دی جائے۔

اس فیصلہ کے مطابق تمام ہندوستان میں ۲۶ جنوری کو یوم آزادی منایا گیا اس میں دہلی کے لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ صبح آٹھ بجے کمپنی باغ میں پہلی مرتبہ جھنڈے کی سلامی ہوئی۔ اور کانگریس کے سکرٹری مولانا عارف ہسوی نے قومی جھنڈا لہرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے اس وقت ایک تقریر کی، بہن ستیہ وتی اور کماری کوشلیا دیوی وغیرہ نے لال دھوتی پہنے ہوئے جھنڈے سلامی کے وقت قومی گیت گایا۔ جس سے عوام میں بہت جوش وخروش پیدا ہوا۔ جھنڈا سلامی کے بعد ایک ستیہ گرہ کرنے والوں کو وداع کیا۔ جو کانگریس کے دفتر سے ہوتا ہوا راج گھاٹ پہنچا۔ اور وہاں پر ستیہ گرہیوں نے اپنا خیمہ لگایا۔ کئی روز کے بعد یہ جتھہ شاہدرے گیا اور وہاں کی دھرم شالہ میں ٹھہرا۔ جو نمک قانون توڑنا چاہتا تھا۔ آخری دنوں میں اس جتھے نے سلیم پور میں شاہ باغ کے پاس دہلی اور شاہدرے کے راستہ میں ایک کیمپ گاڑ دیا۔ جس کی وجہ سے کیمپ کے پاس ایک میلہ سا لگ گیا ہزاروں آدمی اس کو دیکھنے کے لئے شہروں اور دیہاتوں سے آتے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۶ اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کو یہ جتھا گرفتار کر لیا گیا اور نمک بنانے والے برتنوں کو ضبط کر لیا۔ پہلے جتھے کی گرفتاری کے بعد دوسرا جتھا جب پہنچا تو اس کو بھی گرفتار کر لیا لیکن چند منٹ کے بعد تمام ستیہ گرہیوں کو پولس نے رہا کر دیا۔ ۶ اپریل کی گرفتاریوں کے وقت جب پولس نے ستیہ گرہوں سے برتن چھینے تھے

عارف صاحب اپنے اخلاص اور اپنی بُردباری، کم گوئی اور بے لوثی کے باعث سیاسی تبدیلیوں میں دوسرے مفتی کفایت اللہ مانے جاتے تھے۔ مفتی صاحب بھی نہایت مخلص، بردبار، کم گو اور بے لوث بزرگ تھے۔ عارف صاحب کو مفتی صاحب جتنی بھی پیسے کی احتیاج نہیں تھی۔ اکیلے تھے جیل میں رہے تو گورنمنٹ نے خرچ اٹھایا۔ باہر رہے تو لکھ لکھا کر اتنا کما یا کہ کپڑے صاف ستھرے پہن لئے۔ بے لوثی اور بے نیازی خالی نہیں جاتی، تول تول کر سوچتے اور تول تول کر بولنے کی عادت تھی، بہت جلد آل انڈیا لیڈروں میں شمار ہونے لگا اور دہلی صوبہ کانگریس کے صدر منتخب کر لئے گئے۔

مولانا عارف اپریل ۱۹۲۳ء آگرہ جیل سے رہا ہو کر آئے تو اس وقت سوراجیہ پارٹی حکیم اجمل خاں صاحب بنا چکے تھے اور تمام ہندوستان میں اس کی شاخیں پھیل چکی تھیں ۷ مئی ۱۹۲۳ء کو سردار نانک سنگھ کی صدارت میں ایک جلسہ کانگریس کمیٹی کے دفتر میں ہوا۔ جس میں سوراجیہ پارٹی کی شاخ قائم ہوئی حکیم اجمل خاں پارٹی کے صدر اور مولانا عارف ہسوی جنرل سکریٹری منتخب ہوئے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۲۹ء کو رات کے گیارہ بجے لاہور کانگریس کے اجلاس میں ہندوستان کے آزاد ہونے کی تجویز منظور ہوئی، اس میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ ۲۶ جنوری ۱۹۳۰ء کو تمام ہندوستان کے شہروں، قصبوں، دیہاتوں اور گھر گھر میں

ہندوستان کی مکمل آزادی ہونے کی خبر پہنچادی جائے۔

اس فیصلہ کے مطابق تمام ہندوستان میں ۲۶ جنوری کو یوم آزادی منایا گیا اس میں دہلی کے لوگوں نے بھی حصہ لیا۔ صبح آٹھ بجے کمپنی باغ میں پہلی مرتبہ جھنڈے کی سلامی ہوئی۔ اور کانگرس کے سکریٹری مولانا عارف ہسوی نے قومی جھنڈا لہرایا۔ ڈاکٹر انصاری نے اس وقت ایک تقریر کی، بہن ستیہ وتی اور کماری کوشلیا دیوی وغیرہ نے لال دھوتی پہنے ہوئے جھنڈے سلامی کے وقت قومی گیت گایا۔ جس سے عوام میں بہت جوش وخروش پیدا ہوا۔ جھنڈا سلامی کے بعد ایک ستیہ گرہ کرنے والوں کو وداع کیا۔ جو کانگرس کے دفتر سے ہوتا ہوا راج گھاٹ پہنچا۔ اور وہاں پر ستیہ گرہیوں نے اپنا خیمہ لگایا۔ کئی روز کے بعد یہ جتھہ شاہدرے گیا اور وہاں کا دھرم شالہ میں ٹھہرا۔ جو نمک قانون توڑنا چاہتا تھا۔ آخری دنوں میں اس جتھے نے سلیم پور میں شاہ باغ کے پاس دہلی اور شاہدرے کے راستہ میں ایک کیمپ گاڑ دیا۔ جس کی وجہ سے کیمپ کے پاس ایک میلہ سا لگ گیا ہزاروں آدمی اس کو دیکھنے کے لئے شہر دہلی اور دیہاتوں سے آتے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ۶ر اپریل سنہ ۱۹۳۰ء کو یہ جتھا گرفتار کرلیا گیا اور نمک بنانے والے برتنوں کو ضبط کرلیا۔ پہلے جتھے کی گرفتاری کے بعد دوسرا جتھا جب پہنچا تو اس کو بھی گرفتار کرلیا لیکن چند منٹ کے بعد تمام ستیہ گرہیوں کو پولیس نے رہا کردیا۔ ۶ر اپریل کی گرفتاریوں کے وقت جب پولیس نے ستیہ گرہیوں سے برتن چھینے تھے

کچھ ستیہ گرہی زخمی ہو گئے تھے ان کو چارپائی پر ڈال کر شہر میں
لایا گیا۔ اور شام کو عوام ان زخمیوں کو چارپائی پر لے کر کمپنی باغ
پہنچے۔ جہاں ایک میٹنگ ہوئی۔ جس میں دیوداس گاندھی، رادھا
رمن اور لالہ دیش بندھو گپتا نے اس سانحہ کے چشم دید واقعات
بیان کئے۔ دوسرے دن کانگریس کارکنوں، ہمدردوں اور تماش
بینوں کا ایک بڑا میلہ لگایا گیا اور شام تک نمک بنایا گیا کوئی گرفتاری
نہیں ہوئی تو نمک قانون کی ارتھی بنا کر وہاں سے روانہ ہوئی۔ ابھی
یہ جلوس جمنا پل تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ دو سو کے قریب پولس کے
سپاہی لاریوں میں بھر کر پہنچ گئے۔ اور ارتھی لے جانے والوں کو
روک کر دیوداس گاندھی، لالہ شنکر لال، مسٹر فرید الحق انصاری،
مولانا عارف ہسوی، لالہ دیش بندھو گپتا، لالہ پھول چند جین، لالہ اودلکا
ناتھ، مسٹر رادھا رمن، ددو دیال، اختم چند، مہابیر پرشاد تواری،
دودھیا رتن، ایودھیا پرشاد، لالہ ننھے مل اور لالہ درگا داس کو گرفتار
کر کے شاہدرہ کے تھانے میں لے جایا گیا۔ جب تمام جمنا پل پر
سے گزر گئے تو انھیں دہلی کی کوتوالی میں لایا گیا۔ یہاں پہنچتے ہی لالہ
ننھے مل اور لالہ ایودھیا پرشاد کو رہا کر دیا اور بقایا چودہ کارکنوں
کو کوتوالی کی حوالات میں بند کر دیا۔ دوسرے روز دوپہر کو مسٹر
فرید الحق انصاری کو بری کر دیا۔ اور بقایا کارکنوں کو ایک ہفتہ
کا ریمانڈ دے کر جیل بھیج دیا گیا اور ۷ اپریل ۱۹۳۰ء کو ان تمام
کارکنوں کو دفعہ ۱۷ اے ماتحت نمک بنانے کے الزام میں تین تین
ماہ کی سزا دی۔

تین مہینے کی سزا پوری کرنے کے بعد ۲۰ جون ۱۹۳۲ء کو مولانا عارف ہسوی کے ساتھ لالہ دیش بندھو گپتا لالہ شنکر لال صاحب لالہ پھول چند جین، مسٹر حکم چند وغیرہ گجرات جیل سے رہا ہو کر واپس آ گئے تو پھر انھوں نے تحریک میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۳۲ء کو ستیہ گرہ آشرم اور کانگریس کمیٹی خلاف قانون قرار دیدی گئیں۔ اور آشرم سے ۱۶ کارکن گرفتار کر لئے گئے اور ان کا تمام سامان ضبط کر لیا۔ ۳ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے صدر گپتا جی دہلی آئے۔ ان کا شاندار استقبال ہوا اور شاندار جلوس بھی نکلا۔ اس دن ان کی تقریر کے لئے شام کو جلسہ ہوا۔ انھوں نے انگریزی میں تقریر کی اور اس کا ترجمہ چرنجی لال پالیوال نے کیا۔ اس وقت لالہ نرنجن دت اور مولانا عارف ہسوی گرفتار ہوئے[1] اور مولانا عارف ہسوی کو ایک سال کی سزا ہوئی۔

عارف صاحب نحیف جثہ تھے ان کی زندگی کا بہت بڑا حصہ جیل میں گزرا۔ جیلوں میں رسیاں بٹیں۔ چکیاں پیسیں۔ اور گندی و تاریک کوٹھریوں میں راتیں بسر کیں۔ نہرو رپورٹ نے مجلس الاحرار حضرت مولانا محمد علی کو کانگریس سے بیزار و متنفر کر دیا تھا۔ اور مسلمانوں کی اکثریت کانگریس کی ہمنوا نہیں رہی تھی مگر عارف صاحب نے کانگریس سے قطع تعلق نہیں کیا تھا۔ تا دم

---

[1] آزاد ہندوستان دہلی فروری ۱۹۵۰ء ص ۱۲

آخر کانگریس کے ساتھ رہے۔ لیکن اس کے باوجود مولانا محمد علیؒ نے عارف صاحب کی نیت کے خلوص کا ہمیشہ اقرار فرمایا۔ مولانا محمد علی عارف صاحب کی رائے کو غلط کہنے سے تھے۔ نیت کو خراب نہیں کہتے تھے۔

مولانا محمد علی صاحب کے کانگریس سے الگ ہو جانے کے بعد جو مسلمان لیڈر کانگریس میں رہے تھے مسلمانوں کی نظر میں گر گئے تھے۔ عارف صاحب کی بھی یہی پوزیشن تھی۔ مسلمانوں میں ان کا اثر مطلق نہیں رہا تھا۔ اور عارف صاحب اس سے واقف تھے۔

عارف صاحب پان کثرت سے کھاتے تھے۔ پان رات دن کلے میں دبا رہتا تھا۔ زردہ چونے کی زیادتی سے ان کا منہ ہمیشہ مجروح رہتا تھا۔ آخر میں ان کے منہ میں کینسر ہو گیا تھا۔ قرول باغ دہلی کے مشہور و معروف سرجن ڈاکٹر جوشی نے اپنے عظیم الشان ہسپتال میں ان کا آپریشن کیا تھا۔ اور بہترین کمرے میں انھیں مہینوں رکھا تھا واحدی صاحب ڈاکٹر جوشی کے ہسپتال میں دیکھنے جاتے تھے تو واحدی صاحب کو اپنا کلام دیدیا کرتے تھے جو بڑا عارفانہ کلام تھا ایک دن ان کی اپنی مناجاتیں دیں۔ جو بیماری کے زمانے میں لکھی تھیں لیکن افسوس وہ تمام کلام ۱۹۴۷ء کے پر آشوب زمانہ کی بھینٹ چڑھ گیا۔

ایک دن ہسپتال میں واحدی صاحب سے کہنے لگے۔ کانگریس سے مولانا محمد علی کے الگ ہو جانے کا مسلمانوں پر اتنا خراب اثر پڑا ہے کہ وہ مجھ تک کو مسلمان نہیں سمجھتے۔ میں آپ کو گواہ کرکے

کہتا ہوں کہ میں مسلمان مررہا ہوں لا الٰہ الا اللہ محمد الرسول اللہ[1] کلمہ پڑھتا ہوں میرے معتقد اور میری اسلام سے وابستگی میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں پڑا۔

عارف صاحب ۱۹۳۱ء تک واحدی صاحب کے کمرہ میں رہے اس کے بعد منشی عبدالحمید صاحب کے ساتھ رہنے لگے۔ جو منشی صاحب کے سپتال میں اسی مکان سے گئے تھے۔ سپتال کے آنے سے کچھ روز قبل عارف صاحب نے واحدی صاحب سے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے کہ میں اس کرہ میں مروں جس میں پہلے روز آپ سے ملاقات ہوئی تھی، چنانچہ ان کی خواہش پوری کی گئی اور ان کو سپتال سے واحدی صاحب کے کمرے میں لایا گیا، مکان کی زیریں منزل ان کے حوالے کردی گئی۔ مسٹر اردنا آصف علی نے ضروریات کا سامان مہیا کیا اور لالہ دیش بندھو گپتا ایڈیٹر تیج دہلی نے علاج اور دیکھ بھال کی ذمہ داری لی عارف صاحب کی والدہ ان کی اہلیہ اور کچھ ان کے عزیز ہوسوے سے دہلی پہنچ گئے تھے ان کے بھائی مولانا ابراھیم حسن دہلی میں تھے کینسر کی وجہ سے لوگوں سے لکھ کر بات چیت کرتے تھے۔ وفات سے ڈیڑھ مہینے پہلے جب وہ زندگی سے مایوس ہو گئے انھوں نے اپنے قریبی دوست جناب ضیاءالدین برنی کو ۱۹ نومبر ۱۹۳۵ء کو یہ خط لکھا[2]

برادر ڈاکٹروں کے تمام قیاسات غلط نکلے پہلے آپریشن

---

[1] میرے زمانہ کی دلی ص ۲۸۵ [2] عظمت رفتہ

کے بعد کچھ عرصہ تک حالت ٹھیک رہی اس کے بعد مرض نے پھر حملہ کیا، چنانچہ پھر آپریشن ہوا، اور اب میں ایک ماہ سے ہسپتال میں ہی پڑا ہوں۔ گو دو ایک روز کے بعد شہر جانے والا ہوں، مرض برابر بڑھ رہا ہے۔ اور ضرورت ہے اس کی کہ خدا تعالیٰ اپنا فضل فرمائے بظاہر چند ہفتوں یا چند مہینوں کا قصہ اور رہ گیا ہے کیونکہ اب تک علاج کا اثر نہیں ہوا۔ امید ہے کہ تم میرے لئے دعا کرو گے کہ اگر صحت میری قسمت میں نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ مرض کے آلام اور اس کی کرب و تکلیف برداشت کرنے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے اور خاتمہ بخیر کرے۔"

شروع میں آپ نے اس مرض کا علاج پٹنہ جاکر ریڈیم کے ذریعہ کرایا تھا۔ آخر وہ وقت ان کے لئے بھی آگیا جو ہر انسان کے لئے آتا ہے وہ ۱۲ر جنوری ۱۹۳۶ء کو شام کے پانچ بجے انتقال فرما گئے [1] یہ وہ مہینہ ہے جس کی ۲۸ر تاریخ کو میرے والد ماجد حضرت العلامہ مولانا شرف الحق صاحب نے بھی انتقال فرمایا تھا۔

عارف صاحب کے جنازہ کے ساتھ مرحوم کے رفقاء و احباب کا کثیر مجمع تھا دہلی دروازہ کے باہر حضرت العلامہ مفتی محمد کفایت اللہ صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی، اور رات کو ساڑھے دس بجے کوٹلہ فیروز شاہ کے قریب قبرستان میں دفن کیا گیا تھا جنازہ

---

[1] الجمعیۃ دہلی ۱۲ر جنوری ۱۹۳۶ء

ہیں جو حضرات شریک تھے قابلِ ذکر نام یہ ہیں۔
مولانا احمد سعید صاحب، مسٹر آصف علی بیرسٹر، شیخ محمد تقی
ایڈووکیٹ، منشی عبدالمجید صاحب ایڈیٹر رسالہ مولوی دہلی۔ ملا واحدی
لالہ شنکر لال، لالہ دیش بندھو گپتا، مولانا امداد صابری، میر
محمد حسین صاحب، سیر انوار احمد صاحب، شیخ انوار الحق صاحب، حکیم
امتیاز الحق صاحب، ڈاکٹر یدھ ویر سنگھ، پروفیسر اندر، خواجہ حسن
نظامی، مسٹر جگل کشور کھنہ، لالہ برج کشن چاندی والے، مسٹر
رسنگھم، مسٹر محمو بندن سرن، نواب ممتاز حسن خاں، مسٹر
بلال احمد زبیری، خواجہ عطاء اللہ بیرسٹر، حبیب احسان الحق۔
عارف صاحب بہت لکھا کرتے تھے لیکن ان کی تحریریں زیادہ
تر منجانب ایڈیٹر ہوتی تھیں، البتہ خصوصی مقالات پران کا نام
چھپتا تھا۔ ان کی تحریر میں شگفتگی تھی اور کافی زور دار ہوتی
تھیں بقول واحدی صاحب "عارف صاحب اور مولانا ابوالکلام
آزاد میں خاصی مشابہت تھی"۔

نیاز فتحپوری صاحب ان کے ادبی ذوق کے معترف تھے
چنانچہ نیاز صاحب لکھتے ہیں "عارف صاحب کا ادبی ذوق نہایت
پاکیزہ تھا۔ فارسی اور اردو کے اشعار خوب سمجھتے تھے اور نقد و تبصرہ
کی ماہرانہ قابلیت ان میں تھی۔" عارف صاحب کی سیاسی و ادبی
زندگی دونوں حیثیتوں سے کامیاب گزری ایک طرف انہوں نے احباب

---

۵ مضامین خطیب صفحہ ۳۲

کی رنگین صحبتوں کا لطف اٹھا یا دوسری طرف سیاست کی بے آب ورنگ وادی بہا دری کے ساتھ طے کی۔ دلی کو انھوں نے اپنا وطن بنا رکھا تھا اور دلی کی ہر ادا پر جان دیتے تھے۔ شعر کافی کہے نہ ان کا کوئی دیوان ہے اور نہ کوئی تصنیف ہے ان کی ایک غزل بمشکل تمام دستیاب ہوئی ہے ؎

نہ پوچھ کہ کیوں ایسا بے قرار رہا
کہوں میں کیسے، مجھے تیرا انتظار رہا
علاج اے دلِ شوریدہ کیا کریں تیرا
جب ان کے پاس بھی رہ کر تو بیقرار رہا
کبھی نہ آیا نظر تیرا مبتلا سرور
جو پائی رونے سے فرصت تو سوگوار رہا
نہ ہوگا مجھ سے بھی ناکام باغِ عالم میں
کہ میں سدا یوں ہی حسرت کشِ بہار رہا
مجھے سرورِ نشاطِ زمانہ سے کیا کام
کہ میں رہینِ تمنائے روزگار رہا
نہ جانے کیا وہ خلش تھی کہ آج تک نہ گئی
کہوں میں کس سے کہ کیوں اتنا بیقرار رہا
عطا ہو اب تو سکونِ دل کو مرے اے اللہ
یہ بدنصیب بہت دن تو بیقرار رہا
نہ پوچھ اے ہمنشیں اس دل کا حالِ رعنائی
جو ساری عمر حسینوں کا جلوہ زار رہا

عجب حال تھا اللہ بخشے عارف کا
جیا غریب وہ جب تک بس اشکبار رہا

نقاد آگرہ کے نمبر ۱۲ ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں مولانا عارف کی ایک غزل چھپی ہے

آہ اے محرومیٔ ذوقِ نشاط — دیکھ کر اسبابِ شادی رو دیئے
اف رے اپنے مدعا کی بے کسی — اس نے پوچھا حالِ دل ہم رو دیئے
کس قدر تھی غم فزا صورت مری — دیکھ کر احباب اکثر رو دیئے
اپنی سعیِ نارسا سے ہیں خجل — داغِ ناکامی پہ اپنے رو دیئے
ان کی صورت دیکھ کر ہیں رو پڑے — میری حالت دیکھ کر وہ رو دیئے
سن کے میری داستاں، ان کا بھی آج — جی بھر آیا، سر جھکا کر کچھ رو دیئے

عارفِ خستہ کی حالت دیکھ کر
ان کے بھی آنسو بھر آئے رو دیئے

اخوت

لکھنؤ امین آباد سے مارچ ۱۹۱۹ء کو یہ روزانہ اخبار وجود میں آیا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا مولانا فضل الرحمٰن صاحب ایڈیٹر اور نواب ذوالقدر جنگ مالک تھے، سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔

ایک ہفتہ قبل سے ہی اس پرچہ کی دھوم مچنے لگی تھی، اخبار رہنما مراد آباد کے ۱۷ فروری ۱۹۱۹ء کے پرچے میں اس کے جاری ہونے کا اشتہار چھپا، دعویٰ یہ تھا۔

روزانہ اخوت قومی شیرازہ بندی کے لئے جاری کیا جا رہا ہے۔ نامور ہمدردانِ قوم سنجیدہ اہلِ قلم نے بیڑہ اٹھایا ہے کہ اس کو

مسلمانوں کا بہترین پرچہ بنا دیں گے ۔ مسلمانوں میں قومی اسپرٹ پیدا کرنا
وہ مساوات اور اخوت پھیلانا جو ہمارے مذہب کی پاک تعلیم ہے
شاہ و گدا کو ایک پلیٹ فارم پر لانا قومی جذبات اور خیالات کی
سچی ترجمانی کرنا ، ان کو اصول تجارت سکھانا ، ممالک اسلامیہ
کی خبریں پہنچانا اور تمام ملکی و سیاسی معاملات پر آزادی سے
بحث کرنا اس کا نصب العین ہے "

چنانچہ اس رسالہ کے ابتدا ہی میں جبکہ اس کے بیس پرچے
شائع ہو چکے تھے اس کی آزاد خیالی کی تائید ان کے معاصرین نے
کرنی شروع کر دی تھی ۔ اور اخبار رہنما مراد آباد نے اپنے شمارے ۲۵
مارچ ۱۹۱۶ء میں اس اخبار پر یہ ریویو کیا ۔

" اخوت کے اب تک بیس پرچے ہماری نظر سے گزرے اور
حقیقت یہ ہے کہ اخوت میں جس آزادی و بلند آہنگی سے
قومی و ملکی مسائل پر بحث کی جاتی وہ پریس ایکٹ کے اس مہلک
زمانے میں عدیم المثال ہے ۔ اخوت کے مضامین اور خصوصاً
عنوانات میں لکھنؤ کی دلچسپ و شستہ زبان و شاعرانہ کا خاص
رنگ غالب ہوتا ہے لکھائی چھپائی عمدہ اور کاغذ عام روزانہ
پرچوں سے اچھا سفید و نفیس لگایا جاتا ہے ۔ غرض ہر حیثیت
سے قابل قدر اور لائق دید اخبار ہے ۔"

مہلک پریس ایکٹ نے آخر اپنا رنگ دکھایا حضرت مولانا عبدالباری
فرنگی محلی کا ایک مراسلہ جس میں انگریزوں پر نکتہ چینی کی گئی تھی
وہ اخوت میں شائع ہو گیا تھا ۔ جس کی وجہ سے اس اخبار سے

ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب ہوئی [1]

مہلک پریس ایکٹ کی موجودگی میں آزادخیالی سوائے نقصان پہنچانے کے فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ چنانچہ اس اخبار میں سرکار کے خادموں کے خلاف لکھا گیا جو رولٹ ایکٹ کی حمایت میں جلسہ کرنے والے تھے۔ ان لوگوں نے اس اخبار کے ایڈیٹر و پرنٹر پبلشر کے خلاف ہتک عزت کا مقدمہ دائر کیا مجسٹریٹ بھلا ان کو کیسے بخشتا۔ اس نے ان لوگوں کو سزا دی۔ یہ خبر اخبار رہنما مراد آباد مورخہ ۱۴ر جون ۱۹۱۹ء کے شمارے میں چھپی۔

روزنامہ اخوت میں لکھنؤ کے ایک جلسہ کے متعلق جو وہاں کے رؤسا، تعلقہ داروں کی جانب سے رولٹ بل کی حمایت میں ہونے والا تھا۔ ایک پر لطف مضمون جو اودھ پنچ میں درج ہونے کے قابل تھا شائع ہوا تھا جس پر اعیان جلسہ نے مشتعل ہو کر ازالہ حیثیت عرفی کا دعویٰ کر دیا۔ عدالت سٹی مجسٹریٹ لکھنؤ نے بیانات لینے کے بعد ۳۱ر مئی ۱۹۱۹ء کو جو فیصلہ دیا ہے وہ بہت افسوسناک ہے۔ مقدمہ کی رپورٹ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعا علیہم کو مقدمہ کی پیروی سے دست برداری دیدی دوسرے وکلا کر کی فراہمی کا موقع بھی نہیں دیا گیا۔ مدعا علیہم میں مولوی فضل الرحمٰن صاحب کرہن کا یہ مضمون لکھا ہوا تھا۔ اور جو غالباً اس وقت اخوت کے ایڈیٹر تھے، دس ماہ قید کی سزا دی گئی اور مولوی

---

[1] اخبار رہنما مراد آباد ۱۴ر مئی ۱۹۱۹ء صلا

فخرالدین صاحب کو جو اخبار مذکور کے پرنٹر پبلشر تھے ۶ ماہ کی قید سزا دی گئی۔ ابتداءً قید سخت کا حکم سنایا گیا تھا مگر چونکہ دفعہ ۵۰۰ کی مد سے سزا دی گئی ہے اس میں قید سخت نہیں ہے، اس لئے مکرر مار علیہم کو طلب کر کے قید محض کا حکم سنایا گیا ہے۔ چودھری رحم علی صاحب ہاشمی سب ایڈیٹر اخوت رہا ہو گئے۔

اعجاز القرآن امرتسر سے یہ مذہبی دینی ماہنامہ مارچ ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا مولوی اعجاز احمد اس کے مدیر تھے۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ اپریل ۱۹۱۹ء میں یہ ریویو شائع کیا تھا۔

اعجاز القرآن امرتسر سے شائع ہوا ہے اس کا مقصد محض دینی خدمت اور تعلیمات قرآنی کی تبلیغ و اشاعت ہے ابھی پہلا پرچہ شائع ہوا ہے جس میں کوئی خاص قابل ذکر مضمون نہیں اس کے مضامین کی نسبت ابھی کوئی رائے نہیں ظاہر کی جا سکتی لکھائی چھپائی کاغذ ہر چیز محتاج توجہ و اصلاح ہے۔ قیمت سالانہ دو روپے۔ دفتر اعجاز القرآن، حکیم روڈ، امرتسر (پنجاب)

الواعظ حیدرآباد دکن سے یہ ماہنامہ مارچ ۱۹۱۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے مدیر مولوی عبدالحق صاحب تھے ۴۸ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ تین روپے چار آنے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڈھ بابت ماہ اپریل ۱۹۱۹ء نے محبت کا مختصر سا حسب ذیل تبصرہ ہوا ہے۔

"الواعظ حیدرآباد دکن سے ایک نیا مذہبی رسالہ نکلا ہے۔ مضامین نظم و نثر دلچسپ ہوتے ہیں قیمت سالانہ تین روپے پتہ دفتر الواعظ شاہ علی بنڈہ حیدرآباد دکن۔"

محقق

اس رسالہ کے بارے میں رسالہ معارف اعظم گڈھ بابت مارچ ۱۹۱۹ء میں صرف اتنا ارشاد فرمایا ہے۔

"محقق دہلی کے متعدد جدید رسائل میں ایک نیا رسالہ ہے۔ جس کا دعوی ہے کہ وہ مذہب کو عقل و نظر سے تولے گا پہلا پرچہ ہمارے پاس پہنچا ہے ع سالے کہ نکوست از بہارش پیداست"

پرتاب

۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء کو لاہور سے یہ روزانہ اخبار جاری ہوا۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ مہاشہ کرشن اس کے ایڈیٹر تھے۔ جس وقت پرتاب جاری ہوا پنجاب میں سیاسی بے چینی کا دور دورہ تھا۔ پرتاب بھی قومی نظریہ کی حمایت کرنے لگا تھا۔ اس کو نکلے ہوئے چند دن ہوئے تھے کہ ۸ اپریل ۱۹۱۹ء کو مہاشہ کرشن گرفتار کر لئے گئے۔ مہاشہ کرشن چند ہی دنوں میں پہلی شخصیت تھے جنہوں نے اداریہ نگاری میں کمال پیدا کیا۔ اور نہایت مدلل اداریے لکھے۔

مہاشہ کرشن جی کی گرفتاری کے بعد پرتاب بھی بند ہو گیا مہاشہ جی سنہ ۱۹۲۰ء میں رہا ہوئے تو پرتاب بھی دوبارہ جاری ہوا اور دو مہینے کے بعد اخبار پرتاب کی ضمانت ضبط کر لی گئی۔

مہاشے کرشن آریہ سماجوں کے راہ نماؤں سے اور سوامی شردھانند کے دست راست، مہاشے جی کو مسلمانوں سے بغض للہی تھا۔ مسلمانوں کے خلاف خوب زہر اگلتے تھے۔ پاکستان بننے کے بعد پرتاب لاہور سے دہلی چلا آیا۔ مہاشے کرشن بھی دہلی تشریف لے آئے مسلمان دشمنی یہاں بھی نہیں چھوڑی ان کے انتقال کے بعد، ان کے صاحبزادے نریندر نے اخبار پرتاپ کی اڈیٹری کی ذمہ داری سنبھالی اور اپنے والد کے سچے جانشین ثابت ہوئے مسلمانوں کے خلاف یہ بھی دل کھول کر آگ کے شعلے برساتے ہیں۔

البتہ ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے اخبار میں کافی مسلمان اڈیٹوریل اسٹاف میں ملازم ہیں۔ کاتب بھی ان کے ہاں کتابت کرتے ہیں اس کے برعکس ملاپ جو قوم پرستی کا دعویٰ کرتا ہے اس کے ہاں مسلمان ملازم نظر نہیں آتے۔ مسلمان ملازموں کا کہنا یہ ہے کہ ان کا اخلاق اچھا ہے۔

سیاست یہ روزانہ اخبار ۱۹۱۹ء میں لاہور سے جلوہ گر ہوا چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے بانی و اڈیٹر مولانا سید حبیب تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

یہ اخبار اس زمانہ میں جاری ہوا۔ جب ملک میں انگریزوں کے خلاف تحریک شروع ہو گئی تھی۔ اور تحریک خلافت، اور ترک موالات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ اخبار سیاست تحریک خلافت اور ترک موالات کا زبردست حامی تھا۔ اور اس سے پہلے رولٹ ایکٹ ایجی ٹیشن اور جلیانوالہ باغ کے سانحہ کے

سلسلہ میں قومی پالیسی کا حامل تھا۔ اس کی وجہ سے اس پر حکومت کی طرف سے عتاب ہوا اور اس پر جو مقدمہ لگا تو اس کے بیٹے اس کا ایک سب ایڈیٹر غلط ترجمہ کی پاداش میں گرفتار کر لیا گیا۔ اس اخبار سے ضمانتیں بھی طلب ہوتی رہیں اور ۱۹۲۱ء میں مولانا سید حبیب تحریک خلافت میں گرفتار ہوئے اور تین سال کی قید با مشقت کی سزا دی گئی۔ مولانا جیلوں میں کئی بار گئے۔

مولانا سید حبیب اور اخبار سیاست نے ابن سعود کے مسئلہ میں مسلمانوں کے اس گروہ کا ساتھ دیا۔ جس نے ابن سعود کے خلاف ملک بھر میں زبردست مہم چلائی تھی۔ اس لئے اس کو احناف، صوفیا، اور مشائخ کا تعاون حاصل ہو گیا تھا۔ مولانا سید حبیب اس وقت مقبول صحافی اور مشہور قومی کارکن و رہنما بھی تھے۔ مولانا جس تحریک میں شامل ہوتے اخبار بھی اس کی حمایت کرتا تھا۔ خطبہ الٰہ آباد سے پہلے لاہور میں علامہ اقبال کی تحریک میں شامل ہوئے۔ مغل پورہ ایجی ٹیشن تحریک کشمیر، تحریک مسجد شہید گنج وغیرہ میں نمایاں حصہ لیا۔ اس طرح اخبار سیاست مسلم راستے عامہ کا ہمنوا بن گیا۔ تحفظ حقوق کے سلسلہ میں بھی مسلمانوں نے جو آواز اٹھائی سیاست نے اس کے حق میں پے در پے مقالات تحریر کئے۔ اس وقت بھی سیاست کی وقتاً فوقتاً ضمانتیں طلب ہوئیں ۱۹۳۰ء ۱۹۳۲ء میں دو بار ایسے مواقع پیش آئے۔ جب مالی مشکلات کی وجہ سے ضمانتیں جمع نہ ہو سکیں۔ اور سیاست کو کچھ عرصہ بند رہنا پڑا۔ جب صوبائی خود مختاری کا آغاز ہوا۔ اور سکندر حیات خاں وزیر اعظم بنائے

گئے۔ تو مولانا سید حبیب ان سے بھڑ گئے۔ جس سے مولانا سید حبیب صاحب نے اخبار سیاست میں "کاٹھ کا الو عرف وزیر اعظم" کے زیر عنوان مقالات کا سلسلہ شروع کیا۔ اس پر حکومت پنجاب نے سات ہزار روپے کی ضمانت طلب کی یہ رقم سرکاری خزانہ میں جمع نہ ہو سکی تو سیاست بند ہو گیا۔

مولانا سید حبیب ایک جری و نڈر و بیباک رہنما تھے جس بات کو حق و سچ سمجھتے تھے اس کا اظہار برملا کر دیا کرتے تھے ان کے سامنے حکومت کی بڑی سی بڑی طاقت و قوت ہیچ تھی اس کو مولانا سید حبیب کچھ گردانتے نہیں تھے بڑے سے بڑے حاکم وقت کے خلاف اخبار سیاست میں آزادانہ طور پر لکھا جاتا تھا۔

اخبار سیاست کو "حق گو" اخبار کہا جاتا تھا۔ اس لئے عوام و خواص میں مقبول تھا۔ اس کے دیکھنے اور پڑھنے کے انتظار میں لوگ رہتے تھے کہ دیکھئے کہ اب کس حاکم کے بخئے ادھیڑے جاتے ہیں۔

مولانا سید حبیب ایک تجربہ کار صحافی تھے ان کے مقالات میں زور تھا۔ دلائل سے پر ہوتے تھے ادبی چاشنی بھی ہوتی تھی جو عوام کے صحیح جذبات کے ترجمان ہوتے تھے۔

جناب عبدالسلام خورشید صاحب نے اپنے مقالات والی کتاب صحافت پاکستان و ہند میں حضرت مولانا سید حبیب پر حسب ذیل دو جگہ نازک و نشتر نما کچھ جملے کئے ہیں۔

۱۔ چونکہ مولانا ادیب نہیں تھے اس لئے زمیندار کی سی رونق سیاست میں نہ پیدا ہو سکتی تھی نہ اس کی توقع کی جا سکتی تھی۔ مقالہ نگاری

اور ادارہ نگاری کے سلسلہ میں بھی اس اخبار کی کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں تھی (۴۵۸)

(۲) سیاست صحافتی نقطہ نگاہ سے ایک معمولی اخبار تھا نہ اداریوں میں جان ہوتی تھی، نہ خبروں کی فراہمی کا معقول بندوبست تھا نہ اس کی ترتیب میں حسن ہوتا تھا۔ سید حبیب نہ خود ادیب تھے، نہ ان کے اخبار میں کام کرنے والے سوائے نازش رضوی کے کسی خاص ادبی رتبہ کے مالک تھے، اس لئے ادبیت بھی عنقا تھی (۴۵۹)

معلوم خورشید صاحب نے یہ ناپاک حملے مولانا سید حبیب صاحب پر کس بنیاد پہ کئے تھے۔ کیا سید صاحب نے ان کے کسی بزرگ کی مخالفت کی تھی اور کیا مولانا سید حبیب صاحب نے خورشید صاحب کو نقصان پہنچایا تھا۔

مولانا سید حبیب صاحب ملک کے نامور و معروف و مشہور سید جالب کے شاگرد ہونے کے ساتھ اخبار سیاست کے جاری کرنے سے پہلے بقول خورشید صاحب " ۱۹۱۵ء کے آخر میں منشی محمد دین فوق کے اخبار کشمیری میں کام شروع کیا ۱۹۱۶ء میں کلکتہ پہنچے وہاں ایک چھوٹے سے اخبار " ترمذی " کی ایڈیٹری کرنے لگے۔ اس زمانہ میں پنجاب کے اخبار بند ہو چکے تھے۔ اور باہر کے اخبار پنجاب میں دل چسپی سے پڑھے جاتے تھے۔ چنانچہ ترمذی لاہور میں بکنے لگا۔ جب اس کا داخلہ بند کر دیا گیا تو مولانا سید حبیب نے ایک اخبار " رہبر " کے نام سے نکالا۔ دو تین ماہ بعد اس کا داخلہ بھی پنجاب میں ممنوع قرار پایا۔ اس کے بعد آپ نے نقاش جاری کیا اور دو ماہ بعد اس کا

داخلہ بھی بند ہو گیا۔ خاتمہ جنگ پر جب آزادی تحریک کسی قدر بحال ہوئی
تو مولانا سید حبیب نے لاہور سے سیاست جاری کیا۔ (۱۹۱۵)
سید عالب دہلوی لکھتا ہے منشی محمد دین فوق کم درجے کے صحافی تھے
کیا سید عالب کی شاگردی اور منشی محمد دین فوق کے اخبار میں کام کرنے
والا ادیب نہیں ہوگا۔ اور پانچ اخبار میں کام کرنے کے بعد وہ چھٹا
اخبار جاری کرے تو اس کا مقالہ بے جان و بے مزہ ہوگا اور اس
کے اخبار کی ترتیب میں حسن بھی نہ ہوگا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔
مولانا سید حبیب کے مقالوں سے حکمران طبقہ کے ایوانوں
میں زلزلہ پیدا ہو جاتا تھا۔ ان کو اپنی حکومت کے لئے خطرناک
سمجھتی تھی، اس کے پاداش میں ان پر مقدمات دائر کرتی تھی
ضمانتوں پر ضمانتیں طلب کرتی تھی اور اس کی خواہش ہوتی تھی کہ
یہ اخبار جاری نہ رہے اور اس کا ایڈیٹر مقدمات میں پھنسا رہے۔ اور
جیلوں میں زندگی بتائے۔ مولانا کے مقالات کے زورِ قلم کی وجہ سے
مولانا صحافی و علمی و ادبی حلقوں میں بے حد مقبول تھے اور قدر و منزلت
کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر وہ آل انڈیا مسلم
کانفرنس کی مجلسِ استقبالیہ کے سکریٹری بھی بنائے گئے۔
اخبار سیاست بھی معمولی اخبار نہیں تھا۔ اس کے مطالعہ سے
پتہ چلتا ہے کہ وہ ہر اعتبار سے معیاری اور قابلِ وقعت تھا۔ مولانا
سید حبیب انتہائی حق گو تھے اور صحافی تھے اور اپنے دور کے بڑے
نڈر اور بے خوف مجاہد تھے۔ خورشید صاحب نے جو نازیبا حملے
کئے وہ درست نہیں ہے۔ چاند پر تھوکا حلق میں آتا ہے

کے مصداق خورشید صاحب کو سمجھنا چاہیئے۔ چاند پر تھوکنے سے چاند کی حیثیت کم نہیں ہوتی۔ چاند ہمیشہ چمکتا رہے گا اور دنیا اس سے فیض حاصل کرتی رہے گی۔ یہی صورت مولانا سید حبیب کی ہے ان کا حق گو صحافیوں میں شمار ہوگا۔ ان کا اخبار اعلائے کلمۃ الحق کا ترجمان سمجھا جائے گا۔ ان کی ادبی حیثیت مسلمہ ہے انکار کرنے والا جھک مارتا ہے۔

مولانا سید حبیب صاحب

فدائے ملت مولانا سید حبیب
مدیر و مالک روزنامہ "سیاست"

لاہور کے جدِ امجد مظفر آباد (موجودہ آزاد کشمیر) سے بہ سلسلہ معاش ہری پور ہزارہ تشریف لائے۔ آپ کے دادا کے وفات کے بعد آپ کے والد سید سعد اللہ شاہ صاحب مرحوم، معہ اپنے بڑے بھائی سید رحمت اللہ شاہ صاحب ہنون نقل مکانی کر گئے۔ آپ کے والد ماجد ہنون میں داروغہ جیل تھے، آپ کے والد کی شادی جلال پور جٹاں ضلع گجرات میں ہوئی۔ اور یہیں اسلام کا یہ مایہ ناز فرزند جلیل سیادت و صحافت کا نڈر اور بیباک سپاہی انگریز کا ازلی دشمن آزادی وطن کا دیوانہ قوم کا محسن و غمگسار۔ خاندان ہاشمی (پنجاب) کا چشم و چراغ ۱۹۱۸ء کو پیدا ہوا۔ آپ دو بھائی تھے۔ والدین نے نام حبیب اللہ رکھا لیکن بعد میں سید حبیب کے نام سے مشہور ہوئے چھوٹے بھائی کا اسم گرامی سید عنایت اللہ تھا۔ آپ نے ۲۸ مارچ ۱۹۱۹ء کو سیاست اخبار لاہور سے نکالا ایڈیٹر کے فرائض آپ خود انجام دیتے تھے اور چھوٹے بھائی دفتر میں بحیثیت منیجر

کام کرتے تھے اور یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہا جب تک سیاست کو حکومت نے بند نہ کر دیا۔

تعلیم

آپ نے ۱۴ سال کی عمر میں سکاچ مشن ہائی اسکول وزیر آباد سے میٹرک کا امتحان پاس کیا ۱۹۰۸ء میں آپ کی شادی ہوئی۔ اور پھر تلاش معاش میں اپنے ماموں سید محمد شاہ آف جلال پور جٹاں جو اپنے زمانہ میں ضلع گجرات کے بے تاج بادشاہ تھے کے ساتھ جموں تشریف لے گئے وہاں سکاچ مشن سکول میں ٹیچر ہوگئے غرضیکہ جتنا عرصہ آپ کے ماموں وہاں رہے یہ بھی ملازمت کرتے رہے۔ پھر جب وہ واپس جلال پور تشریف لائے تو شاہ صاحب کو بھی ساتھ لائے۔ شاہ صاحب نے بہت زور دیا کہ جموں میں ہی رہ جاؤ، لیکن سید محمد شاہ صاحب ان کی تیز طبع سے واقف تھے، ان کو واپس جلال پور لے جانے ہی میں خیریت سمجھی۔ اور صاف کہہ دیا۔ بیٹا، میں تم کو زندان میں دیکھنا نہیں چاہتا۔ سید محمد شاہ ایک با اثر شخصیت تھے اور یہی ڈھال ان کی ہر بات میں مددگار اور معاون ثابت ہوتی رہی۔ کیونکہ حکام وقت اس ڈھال کے سامنے اپنے آپ کو بے بس پاتے تھے۔ انگریز کے تو ازلی دشمن تھے۔ بچپن میں ہی گورنمنٹ کے خلاف تقریریں کرتے تھے جموں سے واپسی پر چند مہینے تو جلال پور میں ہی رہے پھر معلوم نہیں دل میں کیا سمائی کہ پھر ہوکر بائیک کا ٹکٹ چلے گئے لیکن نوکری راس نہ آئی۔ اور راس آتی بھی کیسے دماغ انگریز کے خلاف تقاریر کرنے سے چوکتے نہیں تھے، استعفیٰ دیا اور کلکتہ پہنچ گئے

جہاز سے اترتے ہی سی۔ آئی۔ ڈی نے حراست میں لے لیا، اور
جلال پور لاکر نظر بند کر دیا۔ جب رہائی نصیب ہوگئی تو اپنے استاد
جانب دھوپ کی وساطت سے کلکتہ وارد ہوئے وہاں ایک
اخبار میں کام کرنا شروع کیا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی وہاں ایک اخبار صداقت
خرید لیا۔ یہ ایک تجارتی اخبار تھا مگر آپ نے اپنی افتاد طبع کے باعث
اسے سیاسی رنگ دیا لیکن بات نہ بن سکی۔ لہٰذا آپ نے اس کو چھوڑ
نقاش کا ڈیکلریشن لیا اور باقاعدہ ایک سیاسی اخبار نکالنے لگے
انہی دنوں میں کانپور مچھلی بازار میں مسجد کا ہنگامہ ہوا۔ انگریزوں نے
مسجد کو شہید کیا۔ نقاش نے بڑھ چڑھ کر
حصہ لیا جس کی وجہ سے نقاش مقبول ہوا کہ سارے ہندوستان
میں نقاش کی دھوم مچ گئی۔ انگریز نے سب صوبوں میں اس کا داخلہ
ممنوع قرار دیا۔ اور برٹش گورنمنٹ کی تمام مشینری اس کو بند کرنے پر
تل گئی شاہ صاحب نے بھی رخ بدلا۔ نقاش کو چھوڑ کر "رہبر"
کا ڈیکلریشن لے لیا اور وہ کام جو نقاش کر رہا تھا وہی کام رہبر نے
سارے ملک میں کرنا شروع کر دیا۔ اب حکومت مجبور ہوگئی۔ چھاپہ مارا،
اخبار ضبط کر لیا گیا۔ اور شاہ صاحب کو دوبارہ پھر سی آئی
ڈی کی حراست میں جلال پور نظر بند کر دیا گیا۔ تھوڑے عرصہ کے
بعد یہ نظر بندی ختم ہوگئی۔ آپ لاہور تشریف لے آئے اور لاہور
چھاؤنی کے کسی سکول میں بطور ٹیچر ملازمت کر لی بعد میں کشمیری میگزین میں
بطور اسسٹنٹ ایڈیٹر کام کرنا شروع کیا کچھ عرصہ بطور ایڈیٹر
بھی اسی اخبار میں کام کرتے رہے آخر فروری ۱۹۱۹ء کو اس نظر بندی

سے بھی رہائی ہوئی لیکن بنگال جانے کی ممانعت کردی گئی (ملاحظہ ہو ہفت روزہ اخبار کشمیری میگزین لاہور، ۲۸ر فروری ۱۹۱۹ء ایڈیٹر محمد دین فوق مرحوم) میر شاہ صاحب نے کافی مالی مصائب اٹھانے کے بعد سیاست کا ڈیکلریشن لے لیا۔ ۱۹ر مارچ ۱۹۱۹ء کو سیاست کا اشتہار شائع ہوا۔ اور پہلا پرچہ ۲۰ر مارچ ۱۹۱۹ء کو شائع ہوا۔ ہفت روزہ اخبار کشمیری میگزین، ۷ر اپریل ۱۹۱۹ء) مسلمان قوم کا یہ جریدہ بڑے جوش و خروش اور آب و تاب سے چلتا رہا اور اس اسلامی جریدہ نے وہ وہ خدمات اور قربانیاں پیش کیں جو شاید ہی کسی اسلامی جریدہ کے حصہ میں آئی ہوں۔

تحریک شدھی اور سیاست

ہندوؤں نے ایک تحریک شروع کی جس کا مقصد مسلمانوں کو ہندو بنانا تھا کچھ مسلمان طبقہ ایسا بھی تھا جو تھے تو مسلمان لیکن ان کی حرکات اور رسومات اور نام وغیرہ سب ہندوانہ تھے، مثال کے طور پر مہارانا ناہر سنگھ جی بہادر والی ریاست امود ملک گجرات، جو تھے تو مسلمان لیکن نام ہندوانہ تھا بعد میں ان کا نام مسلمان طریقہ پر نواب نصر اللہ خاں رکھا گیا، ان کی لاہور آمد پر زندہ دلان لاہور نے ایک لاکھ کا جلوس ۱۴ر اپریل ۱۹۲۷ء کو نکالا۔ جس میں خواجہ حسن نظامی علیہ الرحمہ صاحب اور دوسرے بزرگ بھی شامل تھے۔ جب یہ جلوس دفتر سیاست کے پاس پہنچا تو جلوس میں شامل بزرگوں کی چائے پانی سے تواضع کی گئی اور اس جلوس کا استقبال جناب شاہ صاحب اور آپ کے برادر اصغر سید عنایت شاہ صاحب نے خود کیا، یہ اخوت اسلامی کا

جذبہ منہدم خیالات کو ایک آنکھ نہ بھایا۔ کیونکہ ان کے نزدیک شدھی
کی تحریک پر ایک زبردست چوٹ کا تھا۔ اسی دوران بندے ماترم
کے نامہ نگار نے شاہ صاحب سے تین چار سوال کئے جس کا جواب
شاہ صاحب نے دیا لیکن بندے ماترم نے وہ جواب تو اخبار میں شائع
نہ کئے البتہ اپنی طرف سے کچھ شاہ صاحب سے منسوب کر دیا جس
کے نتیجہ میں شاہ صاحب نے خود سیاست کے ذریعہ ایسے دندان
شکن اور ایسے تابڑ توڑ حملے کئے کہ پھر کسی
اخبار کو مد مقابل آنے کی جرأت نہ ہوئی (ملاحظہ ہو بندے ماترم سیاست
۱۲ مئی سنہ ۱۹۲۶ء)

سفر حجاز

ابن سعود والئ حجاز برسر اقتدار آئے تو انہوں نے
مقبروں کو مسمار کرنا شروع کر دیا۔ ان کی اس حرکت
سے تمام عالم اسلام میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ اسی دوران میں ایک
جماعت خدام الحرمین بنی جس کا اجلاس بمبئی میں ہوا اس کمیٹی نے
شاہ صاحب کو منتخب کیا اور وفد کا لیڈر بنا کر حجاز روانہ کیا تاکہ قوم صحیح
حالات سے آگاہ ہو۔ سعودی گورنمنٹ نے آپ کو ہر طرح اپنا ہم
ہموار کرنے کی بہت کوشش کی۔ لیکن یہ اللہ کا بندہ نہ جھکنا تھا اور نہ جھکا
حتیٰ کہ ابن سعود نے آپ کو فوراً ۲۴ گھنٹے کے اندر اندر ملک سے
نکل جانے کے لئے کہا جس کے جواب میں آپ نے کہا کہ میں یہ ملک
ایک لمحہ میں چھوڑ سکتا ہوں لیکن شریعت کے خلاف کوئی چیز نہیں دیکھ
سکتا۔ یہاں آ کر پبلک کے سامنے بذریعہ سیاست صحیح رپورٹ پیش
کی، جو اصل واقعات تھے پیش کئے جو سعودی حکومت کے سراسر

خلاف تھے۔ اور اس رپورٹ کے بھی خلاف تھے جو مولانا ظفر علی خاں ان سے پہلے بذریعہ زمیندار اپنے سفرِ حجاز کی واپسی پر ۱۹۲۶ء میں پیش کر چکے تھے۔ دراصل مولانا نے بھی اصل واقعات کو پبلک تک نہیں لائے تھے۔ آپ نے شیخ سنوسی کے ہاتھ پر بیعت لی تھی اور ہندوستان کی خلافت بھی آپ کو مرحمت ہوتی تھی لیکن یہاں آکر آپ نے سلسلہ پیری مریدی اختیار نہیں کیا۔

قوتِ ایمانی

ایک دفعہ آپ کو گرفتار کر کے بذریعہ کار منٹگمری لے جایا جا رہا تھا۔ کہ راستے میں عصر کا وقت ہو گیا آپ نے نماز ادا کرنے کے لئے ہمراہ ڈیوٹی افسر سے کہا کہ گاڑی چند منٹ کے لئے روک لی جائے تاکہ نماز ادا کر لوں۔ لیکن پولیس افسر نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں حکم ہے کہ مغرب سے پہلے پہلے منٹگمری پہنچا دیا جائے۔ آپ نے اپنے ایک دوست کو بتایا کہ میں نے دل میں اپنے رب سے کہا کہ میں نماز ادا کرنا چاہتا ہوں لیکن تو دیکھ رہا ہے کہ یہ ظالم راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں کہنے لگے کہ جوں ہی یہ خیال میرے دل میں گزرا۔ کار ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی میں نے فوراً اتر کر نماز کی نیت کر لی اور جب آرام سے نماز ادا کر چکا تو موٹر بھی ٹھیک ہو گئی۔

ڈر

ایک دن ایک صاحب سے ڈر پر بحث ہو رہی تھی۔ کہنے لگے لو، سنو میں ڈر کے متعلق آپ کو بتاتا ہوں، فرمانے لگے میں تقسیم ملک کے بعد منٹگمری گیا۔ مسعود صاحب امرتسر کے پاس سے گزر رہا تھا کہ نماز ظہر کا

وقت ہو گیا۔ ہر طرف سکھ ہی سکھ تھے عقل اور دل کی تکرار شروع ہو گئی۔ عقل نے کہا کہ یہاں نماز نہ پڑھو، کہیں سکھ تمہیں نہ قتل کر دے دل نے کہا کہ آج تک تو کسی سے نہیں ڈرا اب کیوں ڈرتا ہے خدا کے سامنے کیا جواب دے گا۔ حفاظت کرنے والا وہ رب ہے یا تیری یہ عقل۔ جوں ہی یہ خیال دل میں گزرا، میں نے دربار صاحب کے تھوڑے پر نماز پڑھی نیت باندھ لی اور اطمینانِ قلب سے پڑھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ جتنا مزہ اور لطف مجھے اس نماز میں آیا وہ پھر کبھی میسر نہیں ہوا سکھ مجھے دیکھتے تھے اور چپ رہتے، ڈر کو ڈر سمجھو تو پھر تو وہ آپ پر حاوی ہو جائے گا، اور ایسی سواری کرے گا کہ آپ کا اس سے چھٹکارا ہو گا ہی نہیں اور اگر آپ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دیں گے تو پھر وہ ایسا غائب ہو گا کہ جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔

دوستی کا معیار

آپ مرزا بشیر الدین محمود مرحوم امیر جماعت قادیانی کے خاص دوستوں میں سے تھے یہ اکثر آپ کی مالی امداد بھی کرتے تھے جس کا اعتراف خود موصوف نے اپنی تصنیف (تحریک قادیان) میں کیا۔ فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اصل میں یوں لکھی گئی کہ میری عمر حاضری میں کسی صاحب نے قادیانیوں کے خلاف سیاست نیں مضمون شائع کر دیا جس کا مجھے افسوس ہوا لیکن میں ابھی اس سلسلہ کو بند کرنے اور بازپرس میں ہی تھا کہ ایک قادیانی دوست میرے پاس آئے اور قادیانی جماعت میں داخل ہونے کی دعوت دی، میں مسکرا دیا اور کہا تو پاگل ہو گیا ہے۔

مذہب اور وہ بھی اسلام کبھی نہیں چھوٹ سکتا، دوستی ایک علیحدہ چیز ہے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بہت ارفع ہے اب تو تم نے اسلام کے بارے میں گفتگو کی ہے آئندہ کبھی بات نہ کرنا یہ تو ہمارا ایمانی بات تھی جس نے دوستی پر ایمان کو ترجیح دی، دنیا دار اور جاہ پرست انسان کیا کچھ نہیں کرتا۔

لاہور جیل اور نماز عید

آپ کے ایک دوست نے بتایا میں کہ خاکسار تحریک کے دوران میں بھی جیل کی چار دیواری میں بند کر دیا گیا۔ عید آئی سب خاکسار دوستوں نے مشورہ کیا کہ عید کی نماز باجماعت ادا کی جائے۔ امام کی ضرورت درپیش تھی، خوش قسمتی سے شاہ صاحبان دونوں لاہور جیل میں ہی تھے۔ میں چند ساتھیوں کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مدعا بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ آپ خاکسار ہیں اور میں کانگریس سے تعلق رکھتا ہوں اور کچھ سوچ رہے تھے، اچھا میں کوشش کرتا ہوں اتنے میں داروغہ جیل آگیا، آپ نے اس سے کہا کہ ہم باجماعت نماز ادا کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے جب شاہ صاحب کی مرضی دیکھی اور خوشی سے اجازت دے دی، شاید ہندوستان کی تاریخ میں گورنمنٹ برطانیہ کے عہد کی یہی ایک نماز عید ہے جو جیل کے اندر باجماعت ادا کی گئی۔ یہی وہ نماز عید ہے جس کو غالباً "حسرت موہانی مرحوم نے نظم کیا تھا،

عطاء اللہ شاہ بخاری رو رہے تھے

جس سال انگریزوں نے تیل نکالنے کا معاہدہ سعودی گورنمنٹ سے کیا اور جب یہ خبر لاہور پہنچی تو عطاء اللہ شاہ بخاری نے زار زار رونا شروع کر دیا۔ بس روتے جا رہے تھے لیکن بتاتے کچھ نہ تھے

اسی اثنا میں شاہ صاحب بھی وہاں آ گئے اور پوچھنے لگے، بخاری
یوں رو رہے ہو۔ لیکن بخاری صاحب کی ہچکی بندھی ہوئی تھی جب
شاہ صاحب نے دوبارہ استفسار کیا تو بخاری صاحب نے روتے
ہوئے کہا کہ انگریزوں نے سعودی گورنمنٹ سے تیل نکالنے کا معاہدہ
کر لیا ہے۔ شاہ صاحب نے کہا کہ اس میں رونے کی کیا بات ہے
کہنے لگے ارے بھائی یہ اس بہانے حجاز میں داخل ہو گئے ہیں
مجھے ڈر ہے کہ کہیں حضور صلعم کے جسم مبارک کو چوری نہ کر لیں جیسا کہ
یہودیوں نے کیا تھا۔ کتنا عشق تھا بخاری کو حضور صلعم سے یہ سنا
تھا کہ شاہ صاحب نے فوراً کہا، بخاری مجھے تیرا ایمان کمزور معلوم
ہوتا ہے تو اس کا علاج کروا۔ بندہ خدا، وہ حبیب خدا ہیں۔ ان
کی حفاظت خود رب جلیل کرے گا۔ نہ تو کر سکتا ہے نہ ملک اور نہ کوئی
اور بخاری روتے ہوئے فوراً چپ ہو گئے اور کہنے لگے صاحب
تو سچ کہتا ہے ان کی حفاظت خود رب کعبہ کرے گا آج کے
مسلمان ذرا دیکھو ان دونوں بزرگوں کو رسول ہاشمی سے کتنی عقیدت
تھی اور دونوں کا ایمان اپنی اپنی جگہ کتنا مضبوط تھا۔

خدمت قرآن

آپ کو قرآن مجید فرقان حمید سے عشق تھا آپ نے
بذریعہ سیاست مورخہ ۱۲ر ذی الحجہ ۱۳۲۸ھ
انجمن حمایت الاسلام سے مطالبہ کیا کہ ایک صحیح قرآن صحت کے ساتھ
شائع کریں۔ چنانچہ آپ کے اس پرزور مطالبہ کے پیش نظر انجمن حمایت
اسلام نے وہ قرآن ۱۳۴۵ھ میں شائع کیا اور ساتھ ہی یہ اعلان
کیا کہ جو کوئی اس میں غلطی نکالے گا فی غلطی ایک اشرفی انعام

دیا جائے گا۔ لہٰذا ۱۴۲ زیر دار کی غلطیاں نکلیں یہ آپ کے جذبۂ عشق قرآن کا ثبوت ہے جس نے انجمن کو ایسے قرآن کریم شائع کرنے پر مجبور کیا جو صحت کے لحاظ سے ہر طرح ٹھیک تھا۔ آپ نے جتنے بھی سیاسی اخبار نکالے سب میں روزانہ قرآن کریم کی ایک آیت کریمہ کا ترجمہ مع ایک عدد حدیثِ رسولؐ کے ساتھ زیر عنوان (پیارے خدا کی پیاری باتیں) شائع ہوتا رہا۔

مذہبی علمیت جہاں تک مذہبی علمیت کا تعلق تھا آپ کا مقام اس میں بھی بہت بلند اور اعلیٰ پائے کا تھا۔ ۱۴ فروری ۱۹۳۴ء کو بریلوی اور دیوبندی حضرات کے درمیان مناظرہ ہونا قرار پایا۔ دیوبندی حضرات کی طرف سے مولانا اشرف علی تھانوی نے شرکت کی تھی اور بریلوی حضرات کی نمائندگی مولانا احمد رضا خاں کے بیٹے مولانا حامد رضا خاں نے کرنی تھی۔ ہر دو حضرات نے شاہ صاحب کو اپنا منصف ٹھہرایا۔ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس کو بریلوی اور دیوبندی حضرات منصف ٹھہرائیں وہ خود کتنی علمیت کا مالک ہوگا۔ کیونکہ فیصلہ تو وہی ہے جو خود صاحب علم کریں۔

نوکر اور مالک مسجد شہید گنج کے جھگڑے کے دوران شاہ صاحب اور مولانا ظفر علی خاں گورنر ہاؤس گئے جاتے ہی گورنر ایمرسن اور مولانا سید حبیب کی گفتگو ہوگئی رمضان کا مہینہ تھا جب افطار کا وقت قریب آیا تو شاہ صاحب نے کہا۔ ایمرسن افطار کا بندوبست کرو، گورنر پہلے ہی غصہ میں بھرا بیٹھا تھا کہنے لگا وہ ملکہ لگا ہے روزہ افطار کر لو، شاہ صاحب نے

غصہ میں کہا "یہ انڈر شمنٹ الاؤنس کہاں" ۔ یہ اس پر امرسن لال پیلا ہوا۔ اور کہنے لگا کہ تم کون ہو پوچھنے والے۔ شاہ صاحب نے بے خطر کہا کہ میں قوم کا لیڈر ہوں اور تم محض ہمارے نوکر ہو، روپیہ ہمارا ہے ملک ہمارا ہے اور ہم منتخب لیڈر اور مالک ہیں۔ جب نوکر سے حساب پوچھ سکتا ہوں۔ شاید بات اور بڑھ جاتی لیکن مولانا ظفر علی خاں نے یہ رنگ دیکھا تو موقع کی نزاکت کو سمجھ گئے فوراً اٹھے اور شاہ صاحب کو زبردستی پکڑ کر باہر لے آئے۔ یہ تھی جرأت فدائے ملت مولانا حبیب کی جس کو ان کے بدترین دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ اب معلوم ہوتا ہے کہ یاروں نے ایسے بے باک صحافیوں کو جنم دینا ہی بند کر دیا ہے۔ کاش موجودہ صحافی سبق سیکھیں اور حق بات کہنے سے گریز نہ کریں۔ غرضیکہ گورنر نے کہا کہ میں کوئی جواب دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ مولانا ظفر علی خاں نے بہت کہا کہ شاہ جی جانے دیں معاملہ کو لیکن شاہ صاحب کہاں ماننے والے تھے۔ گورنر اٹھ کر چلا گیا۔ یہ بھی واپس لوٹ آئے۔ دفتر آکر شاہ صاحب نے اسی وقت واقعہ کو پوری تفصیل سے سیاست میں شائع کیا جس پر صوبائی حکومت نے ایک اعلامیہ شائع کیا اور اس واقعہ کو دوسرے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ یہ اعلامیہ آیا تو شاہ صاحب نے اس کی تردید کی خبر شائع کی جس کا عنوان تھا "گورنر نے جھوٹ بولا" اگلے دن پھر ایک پریس نوٹ جاری ہوا۔ شاہ صاحب نے اس خبر کا عنوان دیا "گورنر نے پھر جھوٹ بولا"۔ اس کے بعد جو ہوا وہ کسی سے مخفی نہیں اور نہ ہی بتانے کی ضرورت ہے۔

جذبۂ خدمت خلق ۱۹۵۰ء کی بات ہے آپ کا نوکر آپ کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک شخص آیا اور کہنے لگا کہ فلاں افسر نے مجھے بہت تنگ کر رکھا ہے خدارا میری مدد کریں اسے کہنے لگے بڈھا دفتر جاؤ میں دس بجے وہاں پہنچ جاؤں گا جب وہ شخص چلا گیا۔ تو نوکر نے کہا شاہ صاحب آپ یہ پوچھتے ہی نہیں کہ تم کون ہو کہاں سے آئے ہو بس ہر ایک کے ساتھ چل دیتے ہیں۔ مسکرا کر کہنے لگے بیٹا میرا کام پوچھنا نہیں بلکہ میرا کام ساتھ چلنا ہے۔ کام تو خدا نے کرنا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ شخص جو یہ امید لے کر میرے پاس آیا ہے کہ شاہ صاحب یہ کام کروا سکتے ہیں میں اسے مایوس لوٹا دوں۔ میں خدا کے سوال سے ڈرتا ہوں کہ میرا بندہ تیرے پاس گیا کہ تجھ سے امداد حاصل کرے لیکن تو نے تکبر کیا اور اس کے ساتھ نہ گیا۔ سو بیٹا کام تو خدا نے کرنا ہے میں تو اس سوال سے بچنے کے لئے جاتا ہوں۔ اگر میری وجہ سے کوئی فائدہ اٹھا سکتا ہے تو اٹھا لے۔ آہ، اب ایسی شخصیتیں تو چراغ لے کر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتیں۔ مولانا سالک مرحوم اگرچہ آپ کے سیاسی حریف تھے اور شاہ صاحب کی وفات کے بعد ہی ان کی تذلیل کرنے سے باز نہیں رہے۔ بہادر دشمن مرنے کے بعد جھگڑا ختم کر دیتا ہے۔ لیکن سالک صاحب نے اپنی کتاب یاران کہن میں باوجود شاہ صاحب کے خلاف لکھنے کے یہ لکھنے سے باز نہ رہ سکے، اب بھی بہت سے گورنمنٹ سرونٹ ایسے ہیں جو سید حبیب کی مدد سے دفتروں میں نظر آ رہے ہیں۔ شاہ صاحب عوام میں سے تھے اور عوام ہی

کے تھے۔ جو کوئی ان کے پاس آ گیا، اس نے شاہ صاحب کو امداد پر کمربستہ پایا۔ چاہے وہ تانگہ کا کوچوان ہی کیوں نہ ہو۔ سالک صاحب نے یہ تذکرہ لکھ کر اپنی ساری تحریر پر خود ہی پانی پھیر دیا۔ جو صاف ظاہر کرتا ہے کہ شاہ صاحب ایک مخلص انسان تھے لالچ طمع اور حرص سے بالاتر۔

سیاست کی موت میں سرسکندر کا حصہ

سردار سرسکندر حیات مرحوم اور شاہ صاحب دونوں بزرگوں کے درمیان اچھی خاصی دوستی تھی اس دوستی کی بنا پر سردار صاحب نے شاہ صاحب سے پنجاب اسمبلی کے لئے کھڑا ہونے کو کہا۔ شاہ صاحب بطور امیدوار کھڑے ہو گئے۔ مدمقابل ڈاکٹر عالم تھے، وہ شاہ صاحب کے پاس آئے اور نام واپس لینے کی درخواست کی۔ شاہ صاحب نے کہا کہ سردار صاحب کے ایماء پر کھڑا ہوا ہوں اگر وہ مجھے کہدیں تو میں نام واپس لے لوں گا۔ ڈاکٹر عالم سردار صاحب سے بھی ملاقی ہوئے اور صورت حال سے آگاہ کیا۔ اس پر سردار صاحب خود مصیبت میں پھنس گئے۔ خیر دوستی میں سب کچھ روا ہے۔ اگر جرأت سے کام لیتے تو شاہ صاحب کو دوستی کی آڑ میں اپنی بات منوا سکتے تھے۔ لیکن سردار صاحب خود تو شاہ صاحب کو نام واپس لینے کے بارے میں نہ کہ سکے شاید شدہ خلاقی اور سید صاحب سے خوف لیا۔ البتہ الیکشن میں کسی سیاسی مسئلہ کی بنا پر ڈاکٹر عالم مرحوم کی مدد کرنے کا وعدہ کر لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام گورنمنٹ کی مشنری ڈاکٹر عالم کی پشت پناہ پر آ گئی۔

اور وہ کامیاب ہو گئے۔ اس وعدہ خلافی کا ثبوت رولپنڈی کے ایک ہندو ڈی سی، ایس پی نے شاہ صاحب کو فراہم کیا۔ یہ وعدہ خلافی شاہ صاحب کے نزدیک غداری اور ایک ناقابل معافی جرم تھا۔ اور اس معاملہ میں وہ حق بجانب تھے۔ وہ سردار صاحب کو کیونکر بخش دیتے۔ سیاست میں سردار صاحب کے خلاف دھڑا دھڑ آرٹیکل لکھنے شروع کئے۔ یہ حملے کچھ اس نوعیت کے تھے کہ سردار صاحب کے لئے بھی ناقابلِ برداشت تھے۔ چنانچہ سردار صاحب نے مولانا ظفر علی خاں (زمیندار) جو ان دنوں سرکاری ایم ایل اے بھی تھے اور عبدالمجید سالک (انقلاب) بالمقابل کے خلاف میدانِ کارزار میں لائے۔ لیکن یہ دونوں حضرات بھی سیاست کی تلوار بے نیام کے مقابلے پر نہ پڑ سکے اور جلد ہی گھٹنے ٹیک گئے۔ شاہ صاحب کے قلم کو اگر میں شدید طغیانی سے تشبیہ دوں تو زیادہ موزوں ہو گا جب لکھنے بیٹھتے تو جس طرح شدید طغیانی جو کچھ سامنے آئے بہا کر لے جاتی ہے۔ اسی طرح شاہ صاحب کا قلم جو بھی سامنے آیا ایسے رگڑے دیتے تھے کہ دوبارہ اسے اٹھنے کی ہمت ہی نہ ہوتی۔ ابھی یہ جنگ جاری تھی کہ سرہند کے نواب اسماعیل مرحوم اور پنڈی کے مسٹر قطب الدین مرحوم اور چند اور بزرگوں نے

مل کر سردار صاحب اور شاہ صاحب کی، شاہ صاحب کے مکان پر صلح کرائی۔ لیکن دیر پا ثابت نہ ہو سکی

ذاتی چپقلش جو دونوں بزرگوں کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی پھر عود کر آئی جس کا نتیجہ یہ نکلا، سردار صاحب کے پاس سیاست کے

جواب تو تھے ہی نہیں اور اگر سردار صاحب شاہ صاحب پر مقدمہ کرنے
تیار صاف تھی۔ لہٰذا انھوں نے اس موازنہ کے جھگڑے کو ختم کرنے
کے لئے طاقت کا استعمال کیا اور شاہ صاحب سے دس ہزار روپے
کی ضمانت طلب کر لی جو شاہ صاحب ادا نہ کر سکے۔ اور یہ اسلامی جریدہ
جس نے بڑے بڑے معرکے سر کئے تھے ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا
گویا دوسرے لفظوں میں سیاست کی موت واقع ہو گئی کیونکہ
یہ اسلامی جریدہ بند ہونے کے بعد دوبارہ نکل نہ سکا۔
اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ شاید وہ [illegible] کے بارے میں کسی شاعر
نے کہا ہے ؎ باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم

سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

شاہ صاحب اس شعر کی تفسیر تھے اور یہی شعر سیاست کے سرورق پر
کندہ ہوتا تھا۔ شاید ہی کوئی ماں کا لال ایسا ہو گا جس نے اصول کی
خاطر بیک وقت صوبہ کے اعلیٰ ترین ہستیوں سے جنگ کی۔ شاہ صاحب
حقیقت بانکنے کے عادی تھے۔ گورنر ایرسن کو لکھتے ہیں گورنر
نے جھوٹ بولا۔ جب وہ تردید کرتا ہے تو کہتے ہیں کہ گورنر نے
پھر جھوٹ بولا۔ سر سکندر کو مسٹر الیگزینڈر یا کاٹھ کا الو، اور
ذات کے جاٹ کا نام دیتے ہیں اور چیف جسٹس جی ایم ینگ کو نا انصاف
ٹھہراتے ہیں اور اس کے خلاف آرٹیکل نکالا جس کا عنوان تھا
پنجابی انصاف کے لئے کہاں جائے۔ ان تینوں اعلیٰ ہستیوں سے
بیک وقت جنگ کرنا انہی کا دل گردہ اور انہی کا حصہ تھا، یہ
جانتے ہوئے بھی کہ اس جنگ میں سراسر نقصان ہے اور شکست

لازمی ہے پھر بھی جنگ جاری رکھی۔ لیکن دلائل کے ساتھ جس کو دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں، دنیا میں ایسے بہت کم حق گو ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے اصول کی خاطر جنگ کی اور تباہی و بربادی کو لبیک کہا۔ اور رہتی دنیا تک اپنی شان ہمیشہ کے۔ رر چھوڑ گئے۔

دارا و سکندر سے وہ مرد فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی
آئین جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

خراج دلی

آج اگر کسی کا کوئی سیاسی حریف مرجائے تو دوسری پارٹی خوشی مناتی ہے لیکن جب سکندر حیات مرحوم فوت ہوئے۔ لوگوں نے شاہ صاحب سے کہا کہ سر سکندر حیات فوت ہو گئے ہیں، فرمانے لگے اس کے فوت ہونے کی مجھے کوئی خوشی نہیں کیونکہ مرنا مجھکو بھی ہے البتہ مجھے افسوس ہے کہ اب میں لڑوں گا کس سے، کیونکہ اب وہ ایسی جگہ چلے گئے ہیں جہاں سے کبھی کوئی لوٹ کر نہیں آتا۔ لہٰذا ہماری آج سے ان کے بارے میں تلخی جنگ بند سمجھو اور پھر اپنے اصول کو مرتے دم تک نبھایا سیاست کے بعد پیغام چلایا اور غازی نکالا۔ لیکن سیاست جیسا رنگ نہ آیا۔ آپ کا آخری اخبار غازی جو مرتے دم تک نکالتے رہے۔ آپ خود بھی صحافت کے غازی تھے اور غازی کا دوسرا مقام شہادت ہے، سو آپ نے بھی یہ شہادت ۲۲ فروری ۱۹۵۴ء کو رات کے تین بجے قبول کرلی، خدا کا یہ نیک بندہ

جو ساری زندگی حق کی خاطر لڑتا رہا اور جبر کے پہ جبر کے کھاتا رہا لیکن
دل پر ملال نہ لایا خاص کر طرار کا موقعہ وغیرہ تو ۲۷ فروری ۱۹۵۶ء
کو تہجد کی نماز کے لیے اٹھے، دل پر درد اٹھا، ایک چکر آیا اور اپنے
محبوب حقیقی سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جا ملا۔ اس فانی دنیا میں ۶۲
سال عمر پائی جس میں ۱۹ سال جیل کے ہیں جناب پیر غلام دستگیر نامی
مرحوم نے تاریخ وفات یوں کہی۔

جہان فانی سے چل دئے ہیں — چو شیخ حبیب لبیب سید
کہو زروئے جمیل یہ نامی — مدبر غازی حبیب سید

۳ — ۱۳۷۱ھ

دیگر۔ نتیجہ تار سے عرصہ سیاست حبیب ۱۳۷۱ھ

اوگلوی اور سید حبیب

مسٹر اوگلوی کو گورنمنٹ نے خاص طور
پر لاہور کا ڈپٹی کمشنر تعینات کیا
تھا۔ مقصد صرف شاہ صاحب کو نیچا دکھانا تھا۔ آئرش ہونے کی وجہ
سے وہ ضرورت سے زیادہ ضدی واقع ہوئے تھے۔ انہوں نے
آتے ہی شاہ صاحب پر ۱۵۳، الف ۱۲۴، الف کے تحت مقدمہ
قائم کیا۔ اور اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ شاہ صاحب کو نیچا دکھائیں
لیکن آرزو کہ خاک شدہ، شاہ صاحب بھی روزانہ جیل جاتے
تھے اور دوسرے دن ضمانت پر باہر ہوتے تھے نہ جھکنا تھا
نہ جھکے۔ اوگلوی صاحب اپنے مقاصد میں ناکام ہوئے آئرشیا
لوگوں میں تہذیب کم اور ضد زیادہ ہوتی ہے لیکن بے چارہ اوگلوی کیا
کرتا۔ یہاں مقابلہ سید حبیب سے تھا جو جھکنا نہیں جھکانا جانتا تھا

جب گورنمنٹ نے دیکھا کام نہیں بنتا تو مجبوراً ادگوی کو وہاں سے تبدیل کر دیا۔

آخری جیل

آخری بار آپ کو جولائی ۱۹۴۲ء میں ۲۶ ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ ۹ / مئی ۱۹۴۴ء کی صبح کو ڈسٹرکٹ جیل گوجرانوالہ سے رہا کیا گیا۔ الفقیہ امرتسر کے ایڈیٹر حکیم مولانا احمد ابوالریاض) اس قصبہ کے مدیران جب بغرض علاج ۱۲ / مارچ ۱۹۴۲ء کو سیو ہسپتال میں آئے تو آپ کے انگریز دوست مسٹر کنفر ڈکنگ ایم اے، آئی سی ایس کمشنر لاہور ڈویژن نے آپ کو پھولوں کے گلدستے پہنچوائے۔ جہاں تو وہ صاحب انگریزوں کے دشمن تھے وہاں انگریز دوست بھی رکھتے تھے

سیو ہسپتال میں علاج کے دوران یہ ڈاکٹر صاحبان آپ پر مقرر ہوئے اور انہوں نے نہایت توجہ سے آپ کا علاج کیا۔

۱۔ ڈاکٹر بشیر احمد آنکھوں کے لئے

۲۔ میجر شبیر، جگر

۳۔ کرنل مرا جگر۔ ڈاکٹر کنج لال ڈاکٹر دیرای مدن برائے بواسیر، زیر ملاقات ہوئیں سرجن ڈاکٹر اللہ بخش ڈاکٹر پورن سنگھ، ڈاکٹر رام جی داس اور ڈاکٹر عبدالحق میڈیکل سپرنٹنڈنٹ

آپ کی تصنیفات

مثنوی جپ جی سراس میں شاہ صاحب نے سکھوں کی پنجابی کتاب کا اردو اشعار میں ترجمہ کیا۔ باوا نانک کے بارے میں لکھتے ہیں کہ میں قرآن کو سمجھ ہی نہیں سکا

شاہ صاحب نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ بابا نانک صاحب نے "قرآن کو
سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ ورنہ وہ ایسا نہ کہتے یہ کتاب بالکل
ہی بہت تفصیل ہے۔ (۲) حدیث جانباز بہادر (ناول) اس میں
دکن کے مشہور رومان کو بیان کیا گیا ہے (۳) کل الینصاف، یہ ڈرامہ
ہے جو ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا یہ آپ کی سب سے پہلی تصنیف ہے اس
میں ہندو اور دارا کے حالات ہیں۔ (۴) الیوم المنشور (ناول) اس میں
ترکوں پر جو جو ظلم ہوئے ہیں بیان کئے ہیں یہ ۱۹۱۳ء کی تصنیف ہے
(۵) مقدمات بدعقیدہ، اس میں سب مقدمات درج ہیں جو آپ
پر ہوئے (۶) تحریک قادیان، اس میں قادیانی فرقہ کے متعلق
تفصیل سے لکھا گیا ہے۔ (۷) آپ نے ہندوؤں کی کتاب بھگوت
گیتا کا منظوم ترجمہ کیا ہے جو ہندوؤں میں بہت مقبول ہوا۔
(۸) آپ نے ایک کتاب نورتن لکھی جس میں پچیس مسلمان عورتوں کے
حالات تھے۔ انجمن حمایت الاسلام نے اس کو شائع کرنے کا وعدہ
کیا تھا۔ لیکن وہ آج تک تشنۂ تکمیل ہی رہا اور وہ
اب ہمیشہ کے لئے تشنۂ تکمیل ہی رہے گا کیونکہ اب تو اصل نسخہ
کا ملنا گویا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔
(۹) آپ نے قرآن کی تفسیر لکھنی شروع کی لیکن بیماری اور مصائب
نے ان کو نہ چھوڑا کہ اس کو مکمل کر لیتے۔ آپ کی اور بھی بہت سی
تصنیفات ہیں۔ اگر ان کا سراغ ملا تو ان کو بھی منظر عام پر لایا جائے گا
آپ کی تصنیفات زیادہ جیل کی مرہون منت ہیں کیونکہ فرصت اور
تصنیف کے لمحات وہاں ہی میسر آتے تھے۔ باہر آکر تو اس قدر

مصروف رہتے تھے کہ پتہ نہیں سوتے کس وقت تھے۔

اقبال مراد آباد سے یہ ہفتہ وار اخبار اپریل ۱۹۱۹ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ہر سہ شنبہ کو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا، مرزا اسحاق بیگ اس کے مالک تھے، سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔ لکھائی چھپائی عمدہ تھی۔

اخبار اہل حدیث امرتسر نے ۳ / اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس اخبار پر ریویو کیا تھا۔

"قومی و ملکی معاملات پر عمدہ بحث کرتا ہے اور ہندو مسلم اتحاد کا حامی ہے۔ اخبار میں کسی مشہور محب ملک و ہمدرد قوم کی سبق آموز سوانح عمری اسلامی تاریخ سے ماخوذ دلچسپ مقالات، انگریزی اخبارات کے منتخب مضامین اور رپورٹ کی تازہ خبریں درج ہوتی تھیں"

کانگریس دہلی سے یہ روزنامہ اخبار ستی ۱۹۱۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولانا نا عارف ہسوی و مہتمم لالہ شنکر لال تھے سالانہ چندہ تیرہ روپے تھا۔ کانگریس پریس میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار دہلی کی صوبہ کانگریس کمیٹی کا آرگن تھا۔ آزادی اور بیباکی کے ساتھ نکلتا تھا جون ۱۹۲۰ء میں سنسر کی نگرانی کے علاوہ اس سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی ہے جس کی وجہ سے بند ہو گیا۔

یہ اخبار دوبارہ نومبر ۱۹۲۰ء میں جاری ہوا۔ جس پر اخبار رہنما مراد آباد نے ۸ / نومبر ۱۹۲۰ء کے شمارے میں ریویو کیا۔

روزانہ کانگریس دہلی گذشتہ ہنگاموں کے سلسلہ میں بند ہونے کے بعد اب دوبارہ جاری ہو گیا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا عارف ہسوی سابق ایڈیٹر انقلاب ہیں، اس میں پولٹیکل معاملات پر بلند آہنگی سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی آزاد تحریر سے اس قسم کے مستقبل کے متعلق ہمیں اندیشہ ہوتا ہے۔ خدا چشم بد سے محفوظ رکھے جو اندیشہ تھا پورا ہوا۔ چشم بد لگی اور اس اخبار کی زندگی زیادہ نہیں ہوئی۔ جلد بند ہو گیا۔

دستور — حسب رپورٹ ضلع بجنور سے جولائی ۱۹۱۹ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ فگن ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا مولوی مظہرالدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلافت کی تحریک اور دوسری جنگ عظیم نے ملک میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اس وقت مولانا مظہرالدین صاحب کی بیباک قلم چوکی نہیں اور دھڑلے سے نکتہ چینی کی، مولانا کو حکومت نے اپنے رعب اور دبدبہ میں دبانا چاہا مگر مولانا کب استبدادی حکومت سے مرعوب ہو سکتے تھے قلم برابر چلتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار کی ضمانت حکومت نے ضبط کی اور اخبار دستور بند ہو گیا۔

۲۸ جون ۱۹۱۹ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس اخبار کے جاری ہونے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔

مولوی مظہرالدین سابق ایڈیٹر مدینہ ورسالت واسسٹنٹ ایڈیٹر جمہور کی ایڈیٹری میں اول جولائی ۱۹۱۹ء سے بڑی تقطیع کے

مصروف رہتے تھے کہ پتہ نہیں سوتے کس وقت تھے۔

اقبال مرادآباد سے یہ ہفتہ وار اخبار اپریل ۱۹۱۹ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ہر سہ شنبہ کو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا، مرزا اسحاق بیگ اس کے مالک تھے، سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔ لکھائی چھپائی عمدہ تھی۔

اخبار اہلحدیث امرتسر نے ۳ / اکتوبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس اخبار پر ریویو کیا تھا۔

"قومی و ملکی معاملات پر عمدہ بحث کرتا ہے اور ہندو مسلم اتحاد کا حامی ہے۔ اخبار میں کسی مشہور محب ملک و ہمدرد قوم کی سبق آموز سوانح عمری اسلامی تاریخ سے ماخوذ دلچسپ مقالات، انگریزی اخبارات سے منتخب مضامین اور یورپ کی تازہ خبریں درج ہوتی تھیں

کانگریس دہلی سے یہ روزنامہ اخبار ستمبر ۱۹۱۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر مولانا تاجور عارف سوری و مہتمم لالہ شنکر لال تھے سالانہ چندہ تیرہ روپے تھا۔ کانگریس پریس میں چھپتا تھا۔

یہ اخبار دہلی کی صوبہ کانگریس کمیٹی کا آرگن تھا۔ آزادی اور بلیا کی کے ساتھ نکلتا تھا جون ۱۹۲۰ء میں سنسر کی نگرانی کے علاوہ اس سے دو ہزار روپے کی ضمانت طلب کی گئی ہے جس کی وجہ سے بند ہوگیا۔

یہ اخبار دوبارہ نومبر ۱۹۲۰ء میں جاری ہوا۔ جس پر اخبار رہنما مرادآباد نے ۸ / نومبر ۱۹۲۰ء کے شمارے میں ریویو کیا۔

روزانہ کانگریس دہلی گذشتہ ہنگاموں کے سلسلہ میں بند ہونے کے بعد اب دوبارہ جاری ہوگیا ہے۔ اس کے ایڈیٹر مولانا عارف ہسوی سابق ایڈیٹر انقلاب ہیں، اس میں پولیٹیکل معاملات پر بلند آہنگی سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کی آزاد تحریر سے اس کے مستقبل کے متعلق ہمیں اندیشہ ہوتا ہے۔ خدا چشم بد سے محفوظ رکھے

جو اندیشہ تھا پورا ہوا۔ چشم بد بھی لگی اور اس اخبار کی زندگی زیادہ نہیں ہوئی۔ جلد بند ہوگیا۔

دستور

شیر کوٹ ضلع بجنور سے جولائی ۱۹۱۹ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جلوہ فگن ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا مولوی مظہر الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ خلافت کی تحریک اور دوسری جنگ عظیم نے ملک میں تلاطم پیدا کر دیا تھا۔ اس وقت مولانا مظہر الدین صاحب کی بیباک قلم جھکی نہیں اور دھڑلے سے نکتہ چینی کی، مولانا کو حکومت نے اپنے رعب داب دبدبہ میں دبانا چاہا مگر مولانا کب استبدادی حکومت سے مرعوب ہو سکتے تھے قلم برابر چلتا رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار کی ضمانت حکومت نے ضبط کی اور اخبار دستور بند ہوگیا۔

۲۸ جون ۱۹۱۹ء کے ذوالقرنین بدایوں میں اس اخبار کے جاری ہونے کی اطلاع شائع ہوئی تھی۔

مولوی مظہر الدین سابق ایڈیٹر مدینہ و رسالت و اسسٹنٹ ایڈیٹر جمہور کی ایڈیٹری میں اول جولائی ۱۹۱۹ء سے بڑی تقطیع کے

آٹھ صفحوں پر یہ مہینے میں دو بار شائع ہونا شروع ہوگا۔ سالانہ چندہ چھ روپے۔ حکیم مولوی انتظار النبی ہتیجر اخبار دستور شیرکوٹ بجنور سے نکلتا ہے۔"

مولانا مظہر الدین صاحب آپ شیرکوٹ ضلع بجنور کے رہنے والے تھے آپ کے آباد اجداد قصبے کے معروف ومشہور اہل علم خاندان سے تعلق رکھتے تھے، آپ نے ابتدائی تعلیم قصبہ کے سرکردہ اساتذوں سے پائی اس کے بعد آپ دیوبند چلے گئے اور مدرسہ دارالعلوم میں داخلہ لیا۔ اور وہاں سے فارغ التحصیل ہوئے آپ حضرت الشیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے آپ نے اس خیال سے کہ علمی قابلیت بڑھے اور لیاقت وقابلیت میں اضافہ ہو کانپور اور علی گڑھ کے مسلم الثبوت اساتذہ مثلاً حضرت العلامہ مولانا محمد حسن صاحب کانپوری اور دیگر شہرۂ آفاق علماء سے مزید تعلیم حاصل کی۔

آپ کی علمی استعداد اور خداداد قابلیت کو دیکھکر مدرسہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم نے مدرسہ میں درس وتدریس دینے کے لئے مقرر کیا جہاں آپ کئی عرصہ تک تعلیم دی اس کے بعد کانپور کے مدرسہ الہیات میں مدرسی پر مامور ہوئے۔

مولانا مظہر الدین صاحب کا بچپن سے ہی خدمت خلق، اور اسلامی ہمدردی کا جذبہ تھا۔ اس لئے انھوں نے درس وتدریس سے علحدگی اختیار کی اور صحافت کے میدان میں کود پڑے آپ کا تقرر اخبار الہلال کلکتہ میں معاون مدیر کی حیثیت سے ہوا، آپ نے

عرصہ تک لکھنؤ کے مشہور و معروف حریت پسند اخبار جمہور میں بھی کام کیا جس کی ادارت قاضی عبدالغفار صاحب کرتے تھے اخبار مدینہ بجنور کے مالک مولوی مجید حسن خاں صاحب نے مولانا کی ذہانت اور کارکردگی کی تعریف سنی تو آپ کو اخبار مدینہ کی ایڈیٹری کے لئے بلوا لیا اس زمانہ میں اخبار مدینہ کو جو شہرت و مقبولیت حاصل ہوئی وہ مولانا کی زور قلم کا نتیجہ تھی۔

مولانا مظہر الدین صاحب نے بجنور سے ۱۹۱۹ء میں اخبار دستور جاری کیا۔ اس کے بعد نگینہ گئے اور منشی عنبر احمد صاحب رئیس نگینہ کے مشورے سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالنے کی تجویز ہوئی، اخبار کے جاری کرنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان کو فراہم کرنے میں منشی صاحب نے حسب حیثیت مدد کی، اخبار کا نام شاہ امان اللہ خاں صاحب سابق والی افغانستان کے نام کی مناسبت سے اخبار الامان رکھا جو ۱۹۲۱ء میں وجود میں آیا۔ اس اخبار کے شائع ہونے سے جہاں اخباری دنیا میں ایک باوقار اخبار کا اضافہ ہوا وہاں عوام میں بھی ایک زندگی پیدا ہوئی اور تھوڑے ہی دنوں میں یہ اخبار عوام میں مقبول ہوگیا اور جب اس نے شہرت حاصل کرلی تو ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دوبار کردیا۔ ایک اخبار کے انتظام کے لئے جو ذرائع حاصل ہونے چاہیئں اس کے لئے نگینہ موزوں جگہ نہ تھی اس لئے مسیح الملک جناب حکیم اجمل خاں صاحب کے مشورہ سے مولانا نے ۱۹۲۲ء میں دفتر الامان دہلی میں منتقل کردیا۔۔

ہفتہ وار اخبار میں تازہ بتازہ نو بنو خبریں شائع نہیں ہو سکتیں اس لئے کہ ہفتہ وار اخبار خبروں کے لئے نہیں بلکہ خیالات کی ترجمانی کے لئے ہوتا ہے۔ اس بنا پر ہندوستان کے عوام کو دنیائے اسلام کی اور ہندوستان کی خبروں سے باخبر رکھنے کے لئے آپ نے اخبار وحدت جاری کیا اخبار الامان و وحدت اس قدر مقبول ہوئے کہ ان کا حلقہ علی الصباح ان کے دیکھنے کے انتظار میں رہتا تھا۔ اور جس وقت تک ان اخبار کو پڑھ نہیں لیتا تھا ان کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔

خلافت کمیٹی کو فوقیت دینے والے اور ان کا پروپیگنڈہ کرنے میں مولانا منظر الدین صاحب اور ان کے اخبار الامان و وحدت کسی اخبار سے پیچھے نہیں رہے۔ مولانا نے کل ہند خلافت کمیٹی قائم ہونے کے بعد بجنور میں خلافت کمیٹی کی تشکیل کی جس کے صدر مولانا منظر الدین صاحب منتخب ہوئے اس ضلع کی تحریک کا اثر صوبہ یوپی پر پڑا۔ اور تھوڑے دنوں میں ہی ضلع بجنور کی خلافت کمیٹی نے ۵۳ ہزار روپے خلافت فنڈ میں بھیجا۔

مولانا منظر الدین صاحب نے دامے، درمے اور سخنے مسلم لیگ کی خدمت کی ان دونوں اخبار الامان و وحدت مسلم لیگ کے پروپیگنڈے کے لئے وقف تھے۔ مولانا آل انڈیا مسلم لیگ کے اجتماعات ہی میں نہیں بلکہ بہت سے صوبائی، شہری اور دیہی اجتماعات میں شرکت کرتے تھے اور مسلم لیگ کی تقویت والے کام میں حصہ لیتے تھے آپ آل انڈیا مسلم لیگ کے ممبر تھے۔ ضلع مسلم لیگ، اور یوپی مسلم لیگ صوبہ کی کونسل کے ممبر تھے اور جمعیۃ العلماء کے جنرل سکریٹری تھے۔

مولانا مظہرالدین صاحب دو مرتبہ اپنے شوق و محبت اور ادائے فریضہ کے خیال سے زیارت حرمین شریفین کے لئے گئے آپ کا حجاز مقدس میں بے حد احترام کیا گیا اور سلطان ابن سعود والئ حجاز نے ان کو مہمان بنا کر عزت بخشی، اس کے بعد ۱۹۳۸ء میں فلسطینی کانفرنس قاہرہ مصر میں آل انڈیا مسلم لیگ کے نمایندے کی حیثیت سے شریک ہوئے اور اس کے خرچ کا بار ایک ہزار روپے سے زیادہ مولانا نے خود ہی برداشت کیا پھر مولانا نے ممالکِ اسلامیہ شام عراق اور لبنان کی سیاحت کی اور وہاں کے مسلمانوں کو ہندوستانی مسلمانوں کے حالات و سیاست سے آگاہ کیا۔ ان ممالک میں مولانا کا جو احترام اور خدمات کا اعتراف کیا گیا وہ وہاں کے اخبارات میں شائع ہوا۔

مولانا نے مجاہدین فلسطین کی ہمدردی کے خیال سے دمشق، مصر، حلب و شام، اور دیگر مقاماتِ مقدسہ کا سفر کیا اور اپنے ذاتی مشاہدات و حالات سے ہندوستان کے مسلمانوں کو فلسطین کے واقعات و حالات سے باخبر کیا۔

مولانا نے ایک درسگاہ شیرکوٹ میں دینی تعلیم دینے کے لئے قائم کی تھی اس کے مصارف کے وہ خود کفیل تھے آپ ایک بلند پایہ اور اخلاق کے مجسمہ تھے، متواضع، مہمان نواز، دوستوں کے ساتھ رفاقت کرنے والے عزیزوں کو نوازنے والے اور غریبوں کی امداد کرنے والے تھے، آپ صاحب تصانیف تھے جن میں آپ کی مشہور کتابیں شیر دل خاتون، سندھ کی راجکماری کا منی، بابا رائے پتھورا المجاب اور حیات کامل تھیں۔

۱۴ر مارچ ۱۹۳۹ء کو دن کے بارہ بجے دو آدمیوں نے آکر دفتر میں جناب مولانا صاحب اخباری کام میں مصروف تھے شہید کر دیا جناب سید سردار علی تائب نقشبندی دہلوی نے حسب ذیل تاریخی نظم مولانا صاحب کی شہادت پر تحریر کیا[1]

وہ مظہرِ دین، دین کا جاں باز سپاہی
وہ فخرِ وطن گنج گراں مایۂ ملت
وہ مردِ مجاہد وہ حق آگاہ و حق اندیش
وہ جس کا قلم کاشفِ اسرارِ حقیقت
وہ حق کا طرفدار وہ خود دار و صفدار
تھی جس کی زباں ابرِ گہربارِ صداقت
جو جھک نہ سکا شوکتِ اغیار کے آگے
اور قوم سرفراز رہی جس کی بدولت
کام آ گیا ایامِ شہادت میں وہ اس کی
جذبات میں ڈوبی ہوئی تقریرِ شہادت
تاریخِ شہادت کا خیال آتے ہی تائب
ہاتف نے دی ندا شرفِ اندازِ شہادت

ہمجولی امروہہ سے یہ ماہوار رسالہ جولائی ۱۹۳۹ء کو جلوہ افروز ہوا۔ لڑکے اور لڑکیوں کے لئے جاری ہوا تھا ۴۴ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

---

[1] دہلی کی یادگار ہستیاں ص

اس رسالہ پر ۱۵ اگست سنہ ۱۹۱۹ء کے اخبار رہنما مراد آباد نے ریویو کیا تھا۔

"اس نام کا ایک ماہواری رسالہ لڑکے اور لڑکیوں کو فطری تعلیم و تربیت میں مدد دینے کے لئے امروہہ سے جاری کیا گیا ہے اگرچہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ملک میں چند پرچے ہیں۔ مگر جس نوعیت کے دل چسپ و مفید مضامین سے آراستہ ہو کر یہ پرچہ نکلا ہے وہ لاثانی ہے اور چونکہ اس میں اسلامی اخلاق کے مضامین چھپتے ہیں اس لئے امید ہے کہ یہ رسالہ بچوں کے لئے علم و اخلاق کا بہترین اتالیق ثابت ہوگا۔"

انتخاب

جاورہ سے ستمبر سنہ ۱۹۱۹ء کو یہ ماہوار رسالہ عالم وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ چیف ایڈیٹر مولوی سید محمد عبدالسلام صاحب ایم اے، ایچ ڈی، پیرزادہ حکیم سید عبداللہ شاہ ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ میں تاریخی، ادبی اور تنقیدی مضامین چھپتے تھے اس کے مضمون نگار خواجہ حسن نظامی، سید ضیاء الحق، مولوی سید ابوالظفر صاحب بی اے ایل ایل بی علیگ تھے۔

یادگار درد

کوچہ چیلان بارہ دری خواجہ میر درد دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ ستمبر سنہ ۱۹۱۰ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا۔ مالک و ایڈیٹر مولانا سید ناصر نذیر فراق دہلوی تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔ اس رسالہ کا اشتہار مخزن لاہور کے جنوری سنہ ۱۹۱۲ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا احباب عزیز دل، معتقد دل

نے ہزاروں تقاضے کئے کہ جب تک حضرت مولانا سید ناصر نذیر فراق دہلوی بہ ذات خاص کوئی رسالہ نہ نکالیں گے ہم لوگوں کی سیری نہ ہوگی اس لئے حکیم صاحب نے یادگار دِرد نام کا ماہواری رسالہ اسی ستمبر ۱۹۱۰ء سے اپنی ملکیت و ادارت میں دار السلطنت دہلی سے جاری فرمایا ہے قیمت سالانہ دو روپے آٹھ آنے اور ششماہی ڈیڑھ روپیہ ہے ۔

مشک آنست کہ خود ببوید

نہ کہ عطار بگوید

جس رسالہ کا مالک و مہتمم حضرت فراق ہوں گے وہ حسن و خوبی میں غیرت باغ ارم اور رشک خلد بریں کیوں نہ ہو گا

یہ جب چلتا ہے حرفوں کی جگہ موتی ٹپکتے ہیں

قلم کو میرے بھی انداز معشوقانہ آتا ہے

سید ناصر نذیر فراق سید ناصر نذیر فراق بن سید محسن علی بن سید فیاض علی سلسلہ نسب سید ابو الفرح واسطی سے ملتا ہے جو حضرت امام زید شہید بن امام زین العابدین کی اولاد میں تھے ، سید ابو الفرح کے بیٹے سید عوض سلطان محمود غزنوی کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور بلگرام اور بارہ تک پھیلے آپ کے جد اعلیٰ کی جاگیر سکندر لودھی کے عہد میں قصبہ لونی سے گنگا تک پھیلی تھی اور آپ کے اکثر بزرگ منصب دار اور ہفت ہزاری و پنج ہزاری ہو گئے ہیں چنانچہ سید محمد شاہ کے وقت میں ہفت ہزاری منصب دار تھے اور آپ کے دادا سید فیاض علی تک جاگیر داری باقی تھی ، جب مغلیہ سلطنت زوال پذیر ہوئی اور ان کے امراء اعلیٰ کی طرح پر گرتے چلے گئے تو البتہ اندر

کمپنی کے دور میں اس جاگیر کا خاتمہ ہوا۔

جناب فراق کے والد ماجد سید محسن علی صاحب کے پاس سند اور فرامین شاہی موجود تھے انھوں نے پریوی کونسل لندن میں مسٹر جوزف فرانسیس وکیل کی معرفت استغاثہ دائر کردیا تھا لیکن اسی اثنا میں جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء دہلی میں شروع ہو گئی اور مسٹر جوزف مجاہدین کے ہاتھوں مارے گئے۔ لندن سے کاغذات کو منگوانے والا کوئی نہیں تھا فساد میں رہ گئے۔

فراق صاحب کے والد ماجد سید محسن علی صاحب نے اپنے والد سے خط نستعلیق سیکھا جو میر پنجہ کش رضوی کے شاگرد تھے، مولوی نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے کتب حدیث پڑھیں، موسیقی میں بھی آپ کو کمال حاصل تھا اس فن کو آپ نے میر ناصر احمد صاحب سے سیکھا اس وقت ان کے اجداد کی سکونت پھاٹک حبش خاں میں تھی میر محسن علی خاں صاحب کو ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے کئی برس بعد رئیس مرحوم پورے اپنے پاس بلا لیا تھا۔

جب سید محسن علی صاحب کی شادی خاندان خواجہ میر درد میں ہو گئی تو آپ نے نقشبندیہ کے سلوک کو اپنے خسر میر امام الدین ناصری اور شاہ احمد سعید و شاہ عبدالغنی مجددی سے حاصل کیا۔ شعر و شاعری سے دل چسپی بچپن سے تھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ فارسی کا کلام اپنے والد سید ضیا حسن علی صاحب کو اور اردو کا کلام مومن خاں دہلوی کو دکھاتے تھے۔ ملال تخلص تھا جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل آپ نے دو دیوان ایک اردو فارسی کا مرتب کر لیا تھا۔ جو

اس آزادی کی جنگ کے دوران دہلی میں تلف ہو گیا ۔ اس کے بعد آپ نے شعر کہنا ترک کر دیا تھا ۔ اگر کوئی دوست شعر کہنے کا تقاضہ کرتا تھا تو جواب دیتے تھے بھائی شعر و شاعری کا لطف لال قلعہ اور شہر کی آبادی کے ساتھ گیا ۔ کہاں جا کر غزل پڑھیں اور کسے سنائیں دہلی میں آپ یکم رجب ۱۳۰۰ھ کو فوت ہوئے اور تاریخ وفات جناب ناصر نذیر فراق صاحب نے یہ فرمائی ہے[1]

الذی ماجدی خجستہ سیر   سید محسن علی چوں رحلت یافت
جان من سوختہ ز نار الم   دل من داغ رنج و حسرت یافت
خوش بیان، خوش کلام و خوش تقریر   در ازل بہرہ فصاحت یافت
در طریقت کمال حاصل بود   در شریعت چو استقامت یافت

ہاتف غیب از فراق حزیں
سال او گفت عیش جنت یافت

۱۳۰۰ھ

سید محسن علی صاحب کی شادی شمس النساء بیگم دختر میر امام الدین ناصری سے ہوئی ۔ جن سے جناب سید ناصر نذیر فراق صاحب ۲ اگست ۱۸۶۵ء کو دہلی میں پیدا ہوئے اپنے والد ماجد اور جلیل القدر اساتذہ سے جملہ دینی علوم و فنون حاصل کئے فن طب میں ید طولیٰ رکھتے تھے یہ فن حکیم بدرالدین صاحب دہلوی اور حکیم محمود علی خاں صاحب دہلوی سے حاصل کیا ۔ فراق صاحب کو تعلیم حاصل کرنے کے بعد

---

[1] میخانہ درد

رئیس دھرم پورہ نے اپنے صاحبزادوں کے لئے اتالیق اور اپنا طبیب خاص مقرر کیا اور بڑی قدر دانی کی ایک عرصہ دراز کے بعد جب رئیس فوت ہو گیا تو آپ نے ملازمت ترک کر دی اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ دہلی چلے آئے اور کوچہ چیلان میں بارہ دری خواجہ میر درد میں سکونت اختیار کی اور حکمت شروع کر دی۔

ذاتی صاحب کو فقر و درویشی نے مستغنی کر دیا تھا۔ اس لئے امراء اور دولت مندوں سے تعلقات نہیں رکھتے تھے، طبیعت نہایت حق گو پائی تھی۔ آخر عمر تک اسی طریقہ پر کاربند رہے اور اپنے بزرگوں کی وضع کو نبھایا۔

ذاتی صاحب کو اولیائے کرام اور بزرگان دین سے بے پناہ عقیدت تھی، بچپن سے ہی اس عقیدت کا اظہار ہونا شروع ہو گیا تھا ایک درویش جو ذاتی صاحب کے مکان میں رہتے تھے ان سے انہوں نے کہا کہ مجھے حضرت علیؓ کی زیارت کرا دیجئے۔ انہوں نے کہا کہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے دیکھو آج جب تمہارے والد سو جائیں تو چپکے سے ان کے منہ سے چادر اٹھا کر دیکھنا تم کو حضرت علی رضؓ کی زیارت ہو جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ میں تو اپنے والد کا منہ روزانہ دیکھتا ہوں۔ میں تو حضرت علی کی زیارت کرنی چاہتا ہوں، درویش صاحب نے کہا تمہارے باپ کی صورت حضرت علیؓ کی سی ہے، رات کو ہمارے کہنے کے مطابق عمل کرو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اپنے والد کے منہ سے چادر اٹھائی تو حیرت زدہ رہ گئے اور خوف کے مارے چیخ اٹھے اور لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑے چیخ کی آواز سے ان

کے والد اٹھ گئے تو انھوں نے ان کو حقیقت سے آگاہ کیا۔
چنانچہ آپ اسی عقیدت کی بنا پر حضرت اللہ بخش تونسی سجادہ نشین خواجہ محمد سلیمان تونسی کی خدمت میں تونسہ گئے اور ان سے بیعت کی۔

وہ مخزن کے ابتدائی دور کے لکھنے والوں میں سے تھے جب مخزن بند ہو گیا تو انھوں نے لکھنا چھوڑ دیا۔ اس پر عبدالقادر کی فرمائش پر ایک ناول "المورکھا" لکھنا شروع کیا۔ مخزن بند ہوا۔ تو ان کی ہمت بھی ٹوٹ گئی۔ پھر اور لوگوں کے اصرار پر اسے مکمل بھی کر لیا مگر اس کے چھپنے کی نوبت نہ آئی۔ البتہ مولانا محمد حسین آزاد کی ناتمام تصنیف "ڈرامہ اکبر" کی تکمیل ان کے ہاتھوں عمل میں آئی ساقی کے لیے بھی انھوں نے لال قلعہ کی جھلک قسط وار لکھی بڑی پیاری زبان لکھتے تھے۔

آپ شاعری اور نثر نگاری میں مولانا محمد حسین آزاد دہلوی کے شاگرد تھے۔ آپ کی نظم و نثر کی دھوم غیر ممالک تک میں ہو گئی تھی آپ نے اردو ادب کی جو خدمت کی ہے وہ اظہر من الشمس ہے آپ کے قدر دان ہندوستان کے علاوہ عدن، جدہ، افریقہ اور دیگر ممالک میں تھے
آپ نے دہلی کی قدیم تہذیب مغلیہ کے دور پر کئی کتابیں لکھی ہیں۔

"دہلی کا آخری دیدار" آپ کی مایہ ناز تالیف ہے جس میں اب سے سو سال پہلے کی دہلی کی سوسائٹی، دہلی والوں کے رسم و رواج، شہزادوں اور شہزادیوں، امراء کے مشاغل اور غرباء کی طرز معیشت، لال قلعہ کی چہل پہل، چوک کی گہما گہمی برسات کی نشیلی رت میں پھول والوں کی سیر

جس میں بادشاہ و رعیت ہندو مسلمان برابر کا حصہ لیتے تھے۔ تہواروں کی رنگ رلیاں حتیٰ کہ سودا سلف بیچنے والوں کی صدائیں تک ہیں۔

اس کتاب کے علاوہ آپ کی تصانیف دہلی کا اُجڑا ہوا لال قلعہ، لال قلعہ کی ایک جھلک، رسات علاقوں کی کہانیاں بیگموں کی چھیڑ چھاڑ، چاند، دکن کی پری، مضامین فراق اور میخانۂ درد ہے موخر الذکر کتاب میں حضرت خواجہ میر درد کے خاندان کے حالات درج ہیں۔

ان کا سرخ و سپید رنگ، سفید کھچڑی داڑھی، گول چہرہ، بھاری ڈیل ڈول، انگشتیا تکمہ کا پڑا ہوا فرغل، سر پر کبھی صافہ، کبھی ٹوپی، پاؤں میں سلیم شاہی جوتی پہنتے تھے۔ آخر عمر میں ہاتھوں میں رعشہ آ گیا تھا باوجود رعشہ کے خود ہی لکھتے تھے ان کی تحریر قسمت کی تحریر ہوسکتی تھی جو پڑھنے میں نہ آتی تھی۔

جناب فراق کا انتقال فالج کے مرض میں ۱۲ فروری ۱۹۳۳ء کو ہوا جناب فراق کا کلام دستیاب نہیں ہو سکا ہے میخانۂ درد پر جو تاریخی قطعہ کہا ہے وہ یہ ہے ؎

تاریخ طباعتش می جستم ، از شوق و تکلف می گفتم
این نسخہ لسانی سنبل در سحبان عبرت مردم طبع شدہ
خود روح جناب بہ گفتہ پاس ادب گلزار فراق
از جانب من تسلیم کن میخانۂ دردم طبع شدہ

استانی دہلی سے بیاموار رسالہ اکتوبر ۱۹۱۹ء کو جاری ہوا ۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا نگران خواجہ حسن نظامی مدیرہ خواجہ بانو تعفیس، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر ۸ ار نومبر ۱۹۱۹ء کے اخبار رہنما مراد آباد نے تبصرہ کیا تھا۔

اس رسالہ کو دہلی سے خواجہ حسن نظامی کی نگرانی اور ان کی اہلیہ صاحبہ خواجہ بیبی بانو کی ادارت میں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے جاری ہوا ہے، خواجہ حسن نظامی صاحب کی ادارت یا تحت میں جو اخبار یا رسالہ جاری ہوا اس کے متعلق کچھ لکھنا غیر ضروری ہے خواجہ صاحب اپنے دل آویز طرز تحریر میں یکتا ہیں مگر اشاعت کے دوسرے نمبر میں خواجہ صاحب کا مضمون "چودہ بچوں کی ماں" پڑھکر ہم کو افسوس ہوا۔ اس مضمون میں دکھلایا گیا ہے کہ ماں ر اولاد کی کثرت پیروں کی منت کا نتیجہ ہے تعجب ہے کہ پیر پرستی کے نقائص سے خواجہ صاحب خود واقف ہیں مگر اس قسم کی تلقین غالباً اس لئے کی گئی ہے کہ خواجہ صاحب خود پیرزادہ یا پیر ہیں مگر ہمارے خیال میں اس قسم کی تلقین لڑکیوں و مستورات کے لئے سخت خطرناک ہے جو جہالت سے پہلے سے ہی ڈھکوسلوں و توہمات اور پیر پرستی میں مبتلا ہیں امید ہے کہ ہماری اس آزادانہ رائے کو کسی ذوشری نقطہ نظر سے نہ دیکھا جائے گا رسالہ کے دوسرے مضامین دلچسپ و مفید ہیں اور لکھائی چھپائی کاغذ سب عمدہ و دیدہ زیب ہے۔"

استانی کا ایک منظوم اشتہار رجب ۱۳۳۹ھ کے نظام الملک میں چھپا ہے نظم جناب عزیز احمد مسلم فریدپوری نے لکھی ہے۔

استانی کا رسالہ ہے دل حسب دلاطلب
شکل گر ہر ایک ہے مضمون آبدار
ترغیب علم دیتا ہے نسوان ہند کو
تہذیب عورتوں کو سکھاتا ہے باوقار
اس نے زنانہ طبقہ میں اک دھوم ڈال دی
کرتی ہیں قدر اس کی خواتین ہر دیار
قائل ہیں حسن خط کے اگر خوشنویسان دہر
تو اہل عقل اس کی چھپائی پہ ہیں نثار
کیا اشتیاق ہے کہ رسالہ ناظرات کو
رہتا ہے ہر مہینے کی پہلی کا انتظار
احباب قوم کیوں نہ ہوں سرچا کے مشتری
آغاز اس رسالہ کا ہے بے حد شاندار
ہر اک شریف بی بی کا مسلم یہ فرض ہے
قدر اس رسالہ کی کرے جی ہو خواستگار

حقیقت لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار اکتوبر ۱۹۱۰ء میں ظہور پذیر ہوا مسٹر انیس احمد صاحب عباسی ایڈیٹر تھے ۲۰×۲۶ کے بڑے سائز پر آٹھ صفحوں پر نکلتا تھا سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

اخبار رہنما مراد آباد نے اس اخبار پر ۲۸ نومبر ۱۹۱۰ء کے

کے پرچہ میں تبصرہ کیا تھا۔
اخبار حقیقت ایک ہفتہ وار اخبار ہے جو ہمارے دیرینہ دوست مسٹر انیس احمد صاحب عباسی بی اے کی ادارت میں لکھنؤ سے جاری ہوا ہے اس کے چار نمبر شائع ہو چکے ہیں جو ہمارے پیش نظر ہیں۔ مسٹر انیس احمد صاحب عرصہ تک مسلم گزٹ و ہمدم میں معاونت رکن ادارت کام کرتے رہے ہیں اور اخباری دنیا کا کافی تجربہ و معلومات رکھتے ہیں، ایڈیٹوریل مضامین میں معزز بیت ہوتی ہے اور واقعات حاضرہ پر آزادی مگر متانت سے بحث کی جاتی ہے۔ ہر اشاعت میں ایک مضمون خاص ہوتا ہے اور تراجم و اقتباسات بھی بہترین و قابل دید ہوتے ہیں۔ واقعات عالم کے تحت میں تمام ممالک کے متعلق خبریں نہایت عمدہ طریقہ سے محنت کے ساتھ ترتیب دے کر درج کی جاتی ہیں کاغذ سفید اور مارد واخبارات میں تمام اخبارات سے بہتر ہے غرضکہ ظاہری و باطنی خوبیوں سے آراستہ اور نہایت شاندار اخبار ہے جس کو ہم اخباری برادری میں ایک مفید اضافہ خیال کرتے ہیں۔"

المذہب محلہ ٹھیا محل دہلی سے نومبر ۱۹۱۹ء کو یہ مذہبی رسالہ وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ قاری عباس حسین اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
رسالہ کہکشاں لاہور مورخہ نومبر دسمبر ۱۹۱۹ء کے شمارے میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔
" جناب قاضی سرفراز حسین اسلامک مشنری کے فرزند رشید

قاری عباس حسین صاحب ایڈیٹر قوم و تمدن نے اپنے والد محترم کی نگرانی میں ایک مذہبی رسالہ جاری کیا ہے اس رسالہ کا پہلا پرچہ اس وقت ہمارے سامنے ہے اسے دیکھ کر بہت سی امیدیں بندھتی ہیں اگر قابلیت و محنت سے مرتب کیا جاتا رہا تو آئندہ نہایت عمدہ دینی پرچہ ہوگا۔ مطالعہ مذہب ایڈیٹر، روح اور مادہ، کشش بشاد اور نیا تم کا قلم کیا انسانی فطرت ہے علامہ سید احمد لکھنوی یہ تبدیل مضمون پڑھنے کے قابل ہیں کاغذ چھپائی عمدہ ہے۔

دلنواز

دائرۃ الصوفیہ کہرور ضلع ملتان سے یہ رسالہ ۱۹۱۱ء میں نمودار ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل ہے دلنواز احمد خاں اس کے ایڈیٹر تھے ۱۲ آنے سالانہ چندہ تھا طلباء کے ساتھ رعایت کی گئی تھی ان سے ۸ آنے سالانہ چندہ تھا معارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۹۱۱ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع کیا تھا۔

دائرۃ الصوفیہ کہرور ضلع ملتان سے یہ رسالہ شائع ہوا ہے تصوف اس کا موضوع ہے۔ اس نمبر میں خواجہ حسن نظامی، خان بہادر مرزا سلطان احمد اور مولوی احسان اللہ عباسی کے مضامین ہیں دو نظمیں ہیں۔ کاغذ سفید اور لکھائی چھپائی متوسط اس میں یہ اعلان کیا گیا ہے رسالہ مذکور میں سال میں چار شمارے شائع کریں گے جن کی مجموعی قیمت بارہ آنے ہوگی۔ طلباء سے صرف آٹھ آنے ہے۔

الحیات لکھنؤ وکٹوریہ اسٹریٹ سے یہ طبی رسالہ ۱۹۱۹ء میں شائع ہوا جو ماہانہ تھا۔ حکیم مسیح اللہ آزاد رہانی اس کے ایڈیٹر ہیں، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

۱۴ اکتوبر ۱۹۱۹ء کے ذوالقرنین بدایوں نے اس رسالہ پر یہ ریویو لکھا۔

"یہ ایک ماہوار طبی رسالہ ہے جو حکیم مسیح اللہ آزاد رہانی کی ادارت میں شائع ہونا شروع ہوا ہے پہلے پرچے میں حکیم محمد ہادی رضا خاں صاحب ماہر لکھنوی سکریٹری مدرسہ منبع الطب و دیگر حضرات کے مضمون درج ہیں بڑے بڑے نامی اطبار کے مجربات دینے کا التزام کیا گیا ہے تحقیقات جدید کی رو سے برابر بحث کی گئی ہے۔

ریفارمر لکھنؤ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۹ء کو جاری ہوا جو ۱۸×۲۲ سائز پر نکلتا تھا۔ لالہ ہردیال اس کے ایڈیٹر تھے، اس اخبار کا اشتہار ۱۷ نومبر ۱۹۱۹ء کے ذوالقرنین میں شائع ہوا۔

النظر میرٹھ سے ۱۹۱۹ء کو یہ مذہبی رسالہ شائع ہوا ۸۰ صفحوں پر نکلتا تھا مولوی ابو رحمت حسن اس رسالہ کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ میں عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کے جوابات شائع ہوتے تھے اور مناظروں کی کارروائیاں چھپتی تھیں۔

النساء حیدرآباد دکن سے ۱۹۱۹ء کو یہ نسوانی رسالہ جاری ہوا، ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر صغریٰ بیگم تھیں، سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

اس رسالہ میں زیادہ تر عورتوں کے مضامین شائع ہوتے تھے مردوں کے بہت ہی کم، یہ رسالہ زیادہ عرصہ تک جاری نہ رہ سکا، کیونکہ بیگم صاحبہ کے سفر یورپ کے باعث بند ہو گیا تھا۔

صغریٰ بیگم حیا صغریٰ بیگم حیدرآباد کی مشہور خواتین میں سے تھیں جنہوں نے مختلف حیثیتوں سے نام پیدا کیا، وہ شاعرہ بھی تھیں اور نثر نگار بھی، ان کی قومی و ملکی خدمات فراموش نہیں کی جا سکتیں یہ پہلی مسلم خواتین تھیں جنہوں نے پردے کو بالائے طاق رکھکر بے پردہ ہو کر مردوں کے مجمع میں تقریر کی۔

حیا صاحبہ ۱۸۸۴ء کو حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئیں ڈاکٹر صفدر حسین کی صاحبزادی تھیں گھر پر ہی اردو فارسی کی تعلیم پائی، سید ہمایوں مرزا بیرسٹر ایٹ لا، جو پٹنہ کے رہنے والے تھے ان سے ان کی شادی ہوئی، مرزا صاحب نے شادی کے بعد حیدرآباد میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ صغریٰ بیگم نے اپنے خاوند کے ہمراہ ہندوستان کے شمال، جنوب بلاد مشرق کے مقامات کا سفر کیا، اور یوروپ بھی گئیں۔

آپ صاحب تصنیف تھیں پندرہ کے قریب ان کی کتابیں ملیں، جسمیں زیادہ تر سفر نامے ہیں ناول اور مختصر افسانے بھی لکھے ہیں اصلاحی اور معاشرتی مضامین کا ایک مجموعہ "مقالات صغریٰ"

کے نام سے طبع ہو چکا ہے ان کا اسلوب بیان صاف اور سادہ ہے اور عام فہم ہے، یورپ میں جب آپ گئیں تو آپ نے وہاں اردو میں تقریریں کی۔

آپ نے ایک نسوانی "مدرسہ صفدریہ" کے نام سے جاری کیا جس میں تعلیم کے ساتھ صنعت و حرفت بھی سکھائی جاتی ہے اس مدرسہ کے لئے آپ نے اپنی جائیداد کا بڑا حصہ وقف کیا آپ کا انتقال ۱۹۵۶ء میں ہوا[1]

آپ کو شعر و شاعری کا بھی شوق تھا حجاب تخلص رکھتی تھیں[1]

گل میں شجر میں نور ہے شمس و قمر میں تو ہے
ہر جا چمک رہا ہے ہر جا پہ تیری ضو ہے

الٰہی تو دے اپنی الفت مجھے
ہو دنیائے فانی سے نفرت مجھے

میں دنیا میں جب تک کہ زندہ رہوں
عطا کر خدایا تو صحت مجھے

آنکھ میں نور ہو، دل مرا منور ہو جائے
جز تجلی کے ترے اور تعلق کچھ بھی نہ آئے

بے خبر سب سے رہوں محو تصور ہو کر
یاد تیری مجھے دنیا کے بکھیڑوں سے چھڑائے

ناز کیوں کر نہ کروں اپنے مقدر پہ حجاب   کھل گئی دل کی کلی روضۂ خواجہ دیکھا

---

[1] دکن میں اردو ص ۲۲۹

میرے خواجہ مری بگڑی کے بنانے والے
مقصدوں اور مرادوں کے دلانے والے

کیوں کوئی آئے گا تربت پہ سجاد میرے بعد
خاک آ، آ کے اڑائے گی صبا میرے بعد

جیتے جی قدر کسی نے بھی نہ جانی افسوس
روئے گا کون میرے غم میں سجاد میرے بعد

انتخاب

گوجرانوالہ سے یہ عشرہ دار اخبار ۱۹۱۰ء کو جلوہ نما ہوا۔ آٹھ صفحوں پر مشتمل تھا، پیرزادہ ولی محمد صاحب مخدومی ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا اس اخبار میں اخلاقی، روحانی، ادبی، طبی دلچسپ مضامین درج کیے جاتے ہیں "بزم احباب" کی دلچسپ ہوتی تھی واقعات حاضرہ پر اعتدال سے بحث کی جاتی تھی۔ مذہبی مضامین بھی مفید اور قابل دید ہوتے تھے۔

مجربات

لاہور سے یہ عشرہ دار اخبار ۱۹۱۰ء کو شائع ہوا آٹھ صفحوں پر نکلتا تھا حکیم سید رضا علی شاہ صاحب ناجی سابق ایڈیٹر رسالہ دلکش مدیر تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ اس رسالہ میں طبی، صنعتی اور مذاحیہ مضامین چھپتے تھے لیکن خصوصیت کے ساتھ طبی مضامین و مجربات کا ذخیرہ قابل قدر ہوتا تھا۔

قوم

دہلی سے ۱۹۱۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا ایڈیٹر فائق عباس حسین صاحب تھے آٹھ صفحوں پر مشتمل سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا

نسائی دہلی سے ۱۹۱۹ء کو یہ ہفتہ روزہ اخبار نکلا قاری عباس حسین صاحب ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

اخبار رہنما مراد آباد نے اس پرچہ پر اپنے شمارے ۸ اکتوبر ۱۹۱۹ء میں یہ ریویو چھاپا تھا۔

نسائی ایک ہفتہ روزہ اخبار ہے جو قاری عباس حسین صاحب ایڈیٹر اخبار قوم و تمدن کی ادارت میں دہلی سے شائع ہوا ہے نسائی کی اشاعت کا مقصد یہ قرار دیا گیا ہے کہ خواتین کو موجودہ سیاسی معاملات سے واقف کیا جائے اور ان میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے اگرچہ ہمارا طبقہ نسواں ابھی تعلیم سے ہی بہرہ ور نہیں ہے اس لئے تعلیم نسواں کی ہی زیادہ ضرورت ہے تاہم تعلیم یافتہ خواتین کی سہولت کے لئے عام اخبارات کے مقابلہ میں یہ رسالہ جس میں صاف سلیس زبان میں مستورات کی فہم کے مطابق واقعات حاضرہ و سیاسی معلومات پیش کی جاتی ہے۔ نہایت مفید ہے۔

لطف سخن حسن پور ضلع مراد آباد سے ۱۹۱۹ء کو یہ ماہانہ گلدستہ ظہور پذیر ہوا، ۲۶ صفحوں پر نکلتا تھا دوست محمد علیمی مرتب اور ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ فی پرچہ ۳ آنے قیمت تھی مطبع العلوم مراد آباد میں چھپتا تھا۔

یہ گلدستہ کتابت طباعت اور کاغذ کے اعتبار سے انتہائی گھٹیا تھا۔ طباعت اس قدر خراب ہے کہ عبارت پڑھی نہیں جاتی شعرا بھی کچھ اونچے درجے کے نہیں ہیں جن کا اس میں کلام چھپتا تھا

نومبر ۱۹۲۲ء کے شمارے کے شعراء کا منتخب کلام درج ہے۔

جناب سید عنایت علی صاحب آغا ز برہانپوری تلمیذ جناب راغب برہانپوری سے

ہر بات میں ایک رمز تو ہر رمز میں اک بات
کیا آپ کی عادت، ہمیں معلوم نہیں ہے
گھر کر کے مرے دل میں وہ دل لیکے سدھائے
اب خاک میں دیکھوں نہ مکان ہے نہ مکیں ہے

جناب تجمل صاحب (محمد ایوب) ریرن گانوی تلمیذ حضرت نوح ناروی سے

جو ہے مری آنکھوں میں مرے دل میں مکیں ہے
غارت گر ایماں ہے غارت گر دیں ہے
کیوں ڈھونڈتا پھرتا ہے زمانہ میں تجمل
تو غور سے دیکھ اس کو وہ ترے ہی قریب ہے

جناب دوست محمد خاں صاحب عاشق ایڈیٹر رسالہ لطف سخن سے

جب میں نے کہا کہ مرا شکوہ کا نا مجی تمہیں ہے
بولے کہ بہت خوب مگر زیر زمیں ہے
خوبی کی ضرورت ہے نہ کچھ حسن کی حاجت
دل چاہتا ہے جس کو وہ دنیا سے حسیں ہے
کعبہ کی تمنا نہ اسے دیر کی خواہش
سنتے ہیں عاشق اب تو خرابات نشیں ہے

رعیت — دلی سے یہ روزانہ اخبار ۱۹۱۹ء میں جاری ہوا مالک و ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی اور سردار دیوان

سنگھ مفتوں تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

اس اخبار کی اجرائی داستان سردار دیوان سنگھ مفتوں کی زبانی سنیئے۔ جو انھوں نے اپنی تالیف "ناقابلِ فراموش" میں تحریر کی ہے ریاست نابھہ کی ملازمت سے ایک سال پہلے ایڈیٹر ریاست اور خواجہ حسن نظامی دونوں نے مل کر دہلی سے ایک روزنامہ اخبار رعیت جاری کیا۔ اخبار بہت اچھا تھا، اڑھائی سو روپے ایڈیٹر ریاست نے بطور حصہ دئے اور فیصلہ ہوا کہ باقی روپیہ خواجہ حسن نظامی لگائیں گے۔ ایڈیٹر ریاست اپنے کھانے کے لئے ایک روپیہ روز یعنی تیس روپے ماہوار سے زیادہ نہ لے گا۔ خواجہ حسن نظامی کی کتابوں کے اشتہار کا ایک صفحہ ہر روز مفت چھپے گا جس کی اجرت ادا نہ کی جائے گی۔ اس کے بعد اگر منافع ہو گا تو دونوں کا مساوی ہو گا اور اگر نقصان ہو گا تو خواجہ حسن نظامی پورا کریں گے۔ یہ اخبار چند ماہ جاری رہا جب خواجہ حسن نظامی کو اس میں چھ سو روپے کے قریب نقصان ہوا تو آپ نے اس کو بند کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ ایڈیٹر ریاست کے لئے افسوسناک تھا۔ چنانچہ کوشش کی گئی کہ یہ اخبار زندہ رہے۔ لالہ شام لال کپور ایڈیٹر گورو گھنٹال کو تیار کیا۔ وہ آ گئے۔ ان کے پاس سرمایہ نہ تھا وہ چند روز بھی نہ چلا سکے پھر بھیا احسان الحق نے اور بعد میں اس کو ملا واحدی صاحب ایڈیٹر نظام المشائخ نے لے لیا۔ واحدی صاحب کے پاس رعیت جانے کے بعد اس کا دفتر بھی واحدی صاحب کے مکان میں چلا گیا۔" (۳۶)

جب اس اخبار کا انتظام وغیرہ واحدی صاحب کے پاس چلا گیا۔ اس وقت کی کہانی ملا واحدی کی قلم بیان کرتی ہے۔

سردار دیوان سنگھ مفتون نے ۱۹۱۹ء میں دلی سے روزانہ اخبار رعیت جاری کیا تھا۔ اخبار مالی دشواری کے سبب بیٹھتا دکھائی دیا تو مجھ احسان الحق نے اس شرط پر لے لیا کہ فقط روپیہ لگاؤں گا کام واحدی صاحب اور سردار صاحب کریں گے۔ میں نے اس اخبار کی چیف ایڈیٹری جناب نیاز فتحپوری کے حوالے کی۔ حاجی ریاض الدین وغیرہ رعیت کے معاون ایڈیٹر تھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی نے اخبار رعیت ہی کے سلسلہ میں نیاز صاحب کی شاگردی اختیار کی تھی۔ نیاز صاحب نے مجھ سے فرمایا کہ یہ اخبار نویسی سیکھنا چاہتے ہیں، تنخواہ نہیں لیں گے۔ بس ایک میز اور ایک کرسی کی ضرورت ہے یہ صحافت کی ابتدا اعزازی طور پر رعیت کے ایڈیٹوریل اشاعت میں شامل ہو کر مودودی صاحب نے کی۔ تین مہینے کے بعد ہم بھی ہار گئے اور رعیت بند کر دیا گیا۔ عارف صاحب اخبار رعیت سے بے حد ناراض تھے کیونکہ رعیت کی پالیسی معقول تھی عارف صاحب اسے کیسے پسند کرتے نیاز صاحب اکسٹریمسٹ نہیں ہیں عارف صاحب اکسٹریمسٹوں سے چار قدم آگے تھے۔ آخر ان کی دعا قبول ہوئی اور رعیت نے تین مہینے سے زیادہ زندگی نہیں پائی اخبار رعیت بند ہو گیا تو عارف صاحب نے جشن منایا، دلی کی مشہور ڈیرہ دارنی موتی جان انداز کا میرے گھر پر گانا کرایا۔

نیاز صاحب اخبار رعیت کے ایڈیٹر کبول کرتے اور

اور ان کے اندازے کے مطابق اخبار کیوں بند کیا گیا۔ اس کا ذکر انھوں نے سردار مفتوں سنگھ ایڈیٹر ریاست کی تالیف "ناقابلِ فراموش" کی تقریظ میں کیا ہے۔ اس میں انھوں نے اس کا سنہ اجرا سنہ ۱۹۲۰ء تحریر کیا ہے جبکہ نیاز نمبر نگار پاکستان کی جلد اوّل کے دونوں مضمونوں "نیاز فتحپوری ایک نظر میں" از فرمان فتحپوری اور "نیاز اور دلی" از ملا واحدی میں اس کا سنہ اجرا سنہ ۱۹۱۹ء تحریر ہے۔ ہم نے ان دونوں مضمونوں کا اعتبار کرتے ہوئے اخبار رعیت کا سنہ اجرا سنہ ۱۹۱۹ء تسلیم کیا ہے۔ نیاز صاحب کے مضمون کی عبارت یہ ہے۔

"سنہ ۱۹۲۰ء کی بات ہے دہلی سے ملا واحدی روزنامہ رعیت نکال رہے ہیں انہوں نے مجھے بھوپال سے اس کی ایڈیٹری کے لئے طلب کیا جاتا ہے، میں آجاتا ہوں اور ملا واحدی کے مکان پر اخبار رعیت کے دفتر میں اول اوّل سردیوان سنگھ سے میرا تعارف ہوتا ہے میں صبح کو دو تین گھنٹے کے لئے دفتر جاتا تھا اور اداریہ وغیرہ لکھ کر اپنی جائے قیام پر لوٹ آتا تھا۔ اس سے قبل و بعد وہاں کیا ہوتا تھا اخبار کہاں چھپتا تھا، کب شائع ہوتا تھا اس کا مجھے کوئی علم نہ تھا اس کی ملکیت کے متعلق ضرور یہ بات کان میں پڑی تھی کہ اس اخبار کو پہلے خواجہ حسن نظامی کی تحریک سے بھیا احسان الحق نے جاری کیا تھا اور پھر جب ان کو کچھ دشواریاں پیش آئیں تو ملا واحدی نے اسے لے لیا۔"

عوام کی آواز حکومت تک پہنچانا اس کی پالیسی تھی اور حکومت اسے کچھ اچھی نگاہ سے نہ دیکھتی تھی غالباً بھیا احسان اسی لئے

اس سے دستبردار ہو گئے تھے۔ ملا واحدی سمجھتے تھے کہ حکومت اخبار کو زیادہ دن چلنے نہ دے گی اور ضمانت طلب کر کے اسے ختم کر دے گی۔ اس لئے انھوں نے فیصلہ کیا کہ جب صورت یہ ہے تو کیوں نہ اس کے لب ولہجہ کو زیادہ سخت کر دیا جائے اور وہ جب بند ہو تو اپنا نقش عوام کے دل پر چھوڑ جائے۔ محمل بلا نے کی وجہ یہ تھی کیونکہ اس وقت تیز سیاسی نظمیں اور سیاسی مضامین الہلال اور زمیندار وغیرہ میں شائع ہوتے تھے ان کا لب ولہجہ بہت پرجوش ہوتا تھا اور حکومت پر تیز نکتہ چینیاں پسند کی جاتی تھیں آخر کار جب چند دن بعد یہ معلوم ہو گیا کہ حکومت نے اپنی جگہ "رعیت" کو ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا ہے تو واحدی صاحب نے مجھ سے کہا کہ جب صورت یہ ہے تو کیوں نہ سنبھالا لیا جائے آخر کار میں نے مسئلہ مصر پر دو اداریے زیادہ سخت لکھ دئے اور حکومت کو ایک اور بہانہ رعیت کو بند کرنے کا ہاتھ آ گیا اور یہ بساط الٹ دی گئی ہے"

نیاز فتحپوری صاحب: نیاز صاحب ۱۳۰۲ھ مطابق ۱۸۸۴ء کو ستی گھاٹ ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے

ان کی ابتدائی تعلیم زیادہ تر ان کے والد کی زیر نگرانی فتح پور میں ہوئی اور مولوی حبیب الدین صاحب اور مولوی صدیق حسن غازی پوری ان کے گھر پر اتالیق مقرر ہوئے ان کے والد محمد امیر خاں عربی و فارسی کے عالم و شاعر اور مرزا امام بخش صہبائی کے شاگرد تھے وہ فارسی و اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔ لیکن وہ تقریباً تمام کا تمام فقیہ

ہوتا تھا۔ والد کے ذوقِ فارسی اور ذوقِ شعری کا اثر بیٹے پر پڑا چنانچہ نیاز کی ابتدائی تعلیم کا آغاز اس زمانہ کے قاعدے کے مطابق عربی و فارسی سے کرایا گیا اور سات آٹھ سال کی عمر میں انھوں نے گلستان بوستاں ختم کر لی تھیں ۔ اس کے بعد نو دس سال کی عمر میں تقریباً ۱۸۹۳ء میں وہ مدرسہ اسلامیہ میں داخل ہوئے اس وقت اس مدرسہ میں تین خاص شعبے تھے نیاز صاحب اس کے دو شعبوں کے بیک وقت طالب علم تھے مدرسہ عربی میں درسِ نظامیہ کے طرز پر فقہ کا اور حدیث عربی صرف و نحو اور منطق و فلسفہ کا درس لیتے تھے اور انگریزی شعبے میں علوم عمرانی و ریاضیات کے ساتھ انگریزی بھی پڑھتے تھے۔ گھر پر الگ فارسی کا درس لیتے تھے مدرسہ اور گھر دونوں کے مدرس مولانا حسرت موہانی تھے، اس وقت عربی مدرسہ کے صدر مدرس مولانا نور محمد صاحب کے علاوہ مولوی امام علی، مولوی حبیب الدین جیسے اساتذہ تھے، مولانا ظہور الاسلام خود بھی درس دیا کرتے تھے۔ انگریزی شعبہ کے صدر معلم اعزاز علی صاحب تھے۔ اس وقت انگریزی تعلیم کا حاصل کرنا گناہ کے مترادف سمجھا جاتا تھا، اس لئے بعض مسلمان مولانا ظہور الاسلام کے عربی و فارسی کے ساتھ انگریزی پڑھانے کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن مولانا ظہور الاسلام نے علماء اور مدرسہ کے بعض اساتذہ کی پرواہ نہ کر کے انگریزی کو جاری رکھا اور بہت جلد اسے انٹرنس کے درجہ تک پہنچا دیا۔ گویا اس مدرسہ میں نیاز صاحب کو خاص قسم کے علماء اور اساتذہ سے واسطہ پڑا۔ وہ خود مولانا ظہور الاسلام جیسے

نہایت سادہ مزاج، رقیق القلب، وسیع النظر اور کشادہ دل تھے
لیکن حافظ قادر بخش اور محمد حسین صاحبان مذہب و تعلیم کے
معاملہ میں قدامت پسند اور سخت گیر تھے۔ نیاز صاحب کے والد صاحب
اگرچہ کٹر مذہبی آدمی تھے اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا خیال رکھتے تھے
لیکن ان کا نقطۂ نظر اس بارے میں اپنے معاصرین سے بہت مختلف
تھا۔ وہ بچوں کی ذہنی پرداخت اور ذہنی نشو و نما کے لئے ان کو
زیادہ سے زیادہ آزادی دیتے تھے اور انھیں اپنے طور پر ہر چیز
پر غور و فکر کا عادی بنانے کے قائل تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نیاز صاحب
کے مزاج میں بچپن ہی سے ایک قسم کی آزادروی روشن خیالی اور
کشادہ نظری پیدا ہو گئی، اس لئے کہ جب وہ مدرسہ میں داخل
ہوئے تو انھیں بعض علماء اور اساتذہ کی سخت گیری تعلیم کے
سلسلہ میں پسند نہ آئی۔ سات سال میں انھوں نے دیکھا کہ علماء کا
طبقہ مغربی تعلیم کے حصول کو گناہ خیال کرتا ہے تو انھیں ایسے علماء
کا تقلید کو پسند نہیں کیا۔

نیاز صاحب نے مدرسہ اسلامیہ میں تقریباً سات سال تعلیم
پائی، عربی، فارسی، منطق، فلسفہ، صرف و نحو اور فقہ و حدیث
کا درس لیا۔ یہیں سے مڈل اسکول کیا۔ اور یہیں سے انھوں نے
۱۸۹۹ء میں میٹرک کا امتحان پاس کیا اس وقت ان کی عمر
تیرہ چودہ سال کی تھی۔ اس کے بعد وہ اپنے والد کے ساتھ لکھنؤ
چلے گئے اور وہیں ان کی تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ لیکن ان کی
زندگی میں جو مقام مدرسہ اسلامیہ فتح پور سے تعلیمی سلسلہ میں

حاصل ہوا، اتنا اور کسی ادارہ سے حاصل نہیں ہوا۔

تعلیم حاصل کرنے کے بعد اپنے والد صاحب کے وسیلہ سے جو اس وقت لکھنؤ میں کوتوال تھے، پولس میں انسپکٹر مقرر ہوگئے سنہ ۱۹۰۲ء میں پولس ٹریننگ سے واپس آکر تھانہ منیڈ یا ضلع الہ آباد میں تعینات ہوئے۔ پولس کی ملازمت اور نیاز صاحب کے مزاج میں بعد المشرقین تھا۔ اس لئے یہ ملازمت بہت دنوں تک قائم نہ رہ سکی اور صرف ۲ سال ۱۹۰۳ء تک پولس کی ملازمت کرنے کے بعد سبکدوش ہوگئے۔ چند سال جونگڑھ اسٹیٹ اور ہانسی میں ملازمت کے سلسلہ میں مقیم رہے اور ۱۹۰۸ء میں جب ان کے والد کا انتقال ہوا تو فتح پور واپس آگئے، اور مدرسہ اسلامیہ میں شعبہ انگریزی کے ہیڈ ماسٹر ہوگئے۔ نیاز صاحب کا فتحپور میں قیام دو تین سال سے زیادہ نہیں رہا ہے یہ وہ زمانہ تھا جب علامہ عبد اللہ یوسف علی فتح پور میں کلکٹر تھے اور فتحپور سے ملحق تحصیل سراتھو ضلع الہ آباد میں اردو کے مشہور انشاء پرداز مہدی افادی تحصیلدار تھے۔ حضرت نیاز فتحپوری کا زمانہ شروع ہوگیا تھا۔

عبد اللہ یوسف علی اور مہدی افادی کے زمانہ میں ان کے لکھنے پڑھنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا ان کی ذہانت اور طرز انشاء کی شہرت قرب وجوار میں ہوچکی تھی

۱؎ سطور ان فرمان فتحپوری نیاز نمبر نگار پاکستان مارچ اپریل ۱۹۶۳ء ص ۹۲

عبداللہ یوسف علی اور مہدی افادی کی ملاقاتوں نے ان کے لکھنے پڑھنے
اور غور و فکر کی رفتار کو تیز تر کر دیا تھا۔

نیاز صاحب نے صحافتی دنیا میں قدم رکھ دیا تھا۔ ۱۹۱۰ء
زمیندار سے وابستہ ہو گئے تھے اور فتحپور ان سے مستقلاً چھوٹ
گیا تھا۔ ۱۹۱۳ء میں ہفتہ وار توحید میرٹھ کے مدیر معاون
ہوئے ۱۹۱۴ء میں ہفت روزہ خطیب دہلی کے قلمی معاون
رہے ۱۹۱۵ء میں روزانہ اخبار رعیت دہلی کے چیف ایڈیٹر
مقرر ہوئے اور ۱۹۲۲ء میں اپنا رسالہ نگار جاری کیا
اور مدیر اعلیٰ کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ تخلیقات
کی طباعت و اشاعت کا آغاز انتخاب لاجواب لاہور، اور
صلائے دہلی سے ہوا۔

فتحپور کے دور تعلیم ہی میں یعنی ۱۸۹۸ء اور ۱۹۰۰ء
کے درمیان شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہو گیا تھا۔ اور طرح پر
غزل کہہ کر مشاعروں میں پڑھنے لگے تھے۔ غزلوں کے ساتھ ساتھ
نظموں کا شوق ہوا۔ چند دنوں کے بعد انشائے لطیف اور رومانی افسانہ
نگاری پر بھی قابو پالیا۔ یہ سلسلہ ۱۹۱۰ء سے لے کر ۱۹۲۲ء
تک برابر قائم رہا۔ ۱۹۲۲ء کے بعد علمی اور مذہبی فکر انگیز تحریروں
کا سلسلہ شروع ہوا۔ ۱۹۲۶ء سے تحقیقی و تنقیدی مقالات
لکھنے کا آغاز ہوا۔

نیاز صاحب ۶ زبانوں اردو، فارسی، عربی، ترکی، ہندی اور
انگریزی سے واقف تھے۔ انھوں نے نگار کے آٹھ نمبر

نکالے۔ نگار چار مقامات سے نکلا۔ آگرہ، فروری ۱۹۲۲ء سے دسمبر ۱۹۲۲ء تک، بھوپال جنوری ۱۹۲۳ء سے جون ۱۹۲۶ء تک، لکھنؤ جولائی ۱۹۲۶ء سے جولائی ۱۹۶۲ء تک شائع ہوتا رہا۔ اور کراچی سے اگست ۱۹۶۲ء سے جاری ہوا اور اب تک جاری ہے۔

نیاز صاحب نے زندگی کا کافی حصہ تصنیف و تالیف میں گزارا۔ پچاس سے زیادہ ان کی تصانیف ہیں جن کے نام یہ ہیں ۱۔ ایک شاعر کا انجام۔ (۲) جذبات بھاشا۔ (۳) صحابیات (۴) تاریخ الدولتین۔ (۵) فلاسفۂ قدیم کی مدحوں کا اجتماع (۶) ترغیبات جنسی (۷) شہاب کی سرگذشت۔ (۸) نقاب اٹھ جانے کے بعد (۹) گہوارۂ تمدن۔ (۱۰) انتقادیات دو جلد ۱۱۔ مشکلات غالب (۱۲) محمد بن قاسم سے بابر تک (۱۳) مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ (۱۴) تاریخ کے گمشدہ اوراق (۱۵) من و یزداں وغیرہ

نیاز صاحب کو زندگی میں دو بہت اندوہناک واقعات پیش آئے پہلے ۱۹۵۱ء میں ان کی اہلیہ کا انتقال ہوا۔ اس کے بعد ان کی لڑکی شوکت کی موت ہوئی۔ یہ ان کو بھی جھیل گئے لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ زمانہ کے ترکش میں ایک آخری تیر اور بھی ہے اور اب زہر آلود تیر کا اس سے جانبر ہونا ان کے لئے دشوار ہو جائے گا۔ اس کی توضیح ضروری نہیں مختصراً یوں سمجھئے کہ ان کی زندگی کا یہ دردناک تجربہ ۱۹۶۲ء سے شروع

ہوا اس نے رفتہ رفتہ ان کے نظامِ عصبی دل و دماغ کو اس درجہ متاثر کیا کہ اشتہا مفقود ہو گئی۔ اور غذا ترک، یہاں تک کہ صاحب فراش ہو گئے۔ اور زندگی سے بالکل مایوس، پھر اگر یہ تنہا ہوتے تو ان کو اپنی جان اتنی عزیز نہیں تھی کہ یہ اس ماحول میں جان دینے سے گریز کرتے۔ ان کی رفیقۂ حیات اور ان کے دو چھوٹے بچوں کا مستقبل بھی ان کے ساتھ تھا۔ ان کو یقین تھا کہ ان کے بعد ان کو سخت تکالیف کا مقابلہ کرنا پڑے گا اس لئے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ ان کو لے کر پاکستان چلے جائیں جہاں ان کے اور ان کی بیوی کے تمام اعزا پہلے ہی سے موجود تھے۔

ہندوستان میں انھوں نے جیسی کامیاب زندگی گزاری اس کا ان کو اعتراف ہے کہ حکومت ہند نے ان کی کافی قدر افزائی کی، اس کا اقتضا یہی تھا کہ وہ ہندوستان میں جان دیدیتے لیکن ان کو ناگزیر حالات نے ہجرت کے لئے مجبور کر دیا پاکستان پہنچکر ان کے کہنے کے مطابق میری صحت و توانائی پھر عود کر آئی اور اس سے یہ خوشی ہوئی کہ نگار کی اشاعت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا، جولائی ۱۹۶۲ء کا نگار وہ لکھنؤ میں شائع کر کے کراچی میں پہنچے تھے کہ اگست ۱۹۶۲ء کا شمارہ کی اشاعت وہاں ہوگئی۔

نگار پاکستان کی ادارت کی ذمہ داری فرمان فتحپوری کو سونپی گئی، جو ان کے ہم وطن ان کے عزیز و مخلص دوست تھے۔

نیاز صاحب کے صاحبزادے عارف نیازی اور قمر نیازی نے بھی

ہاتھ بٹایا۔ جن کی وجہ سے رسالہ وقت پر شائع ہوا اور ترقی بھی
کرتا رہا۔

نیاز صاحب سے مجھ امداد صابری کے کوئی تعلق نہیں تھا
کبھی ملاقات بھی نہیں ہوئی تھی۔ غائبانہ نیاز حاصل تھا اور ان سے
مجھ کو ایک دلی لگاؤ تھا۔ اس وجہ سے میں ان کے ملاحظہ کے
لئے اپنی ہر تصنیف، تالیف بھیجتا تھا۔ ان کا جو تبصرہ شائع ہوتا
تھا۔ اس سے میری ہمت افزائی ہوتی تھی ایک مرتبہ میری
ان سے لکھنؤ میں ان کے دفتر میں ملاقات ہوئی۔ میں نے ایک
تازہ تصنیف پیش کی۔ مل کر بہت خوش ہوئے اور دوران ملاقات
فرمایا میں آپ کی کتاب پہلی فرصت میں پوری پڑھتا ہوں اس لئے کہ
آپ نئے موضوع پر لکھتے ہیں اور محنت و کاوش سے لکھتے ہیں
یہ مت سمجھئے کہ آپ کی کتاب میں کوتاہی و غلطیاں نہیں ہوتیں بلکہ
اس وجہ سے نظر انداز کر دیتا ہوں کہ آپ کا رنگ ڈھنگ اور
لوگوں سے علیحدہ ہے۔ آپ بہت مشکل کام پسند کرتے ہیں
خدا کا فضل ہے کہ میرے دوست و احباب کا حلقہ کم نہیں ہے
اور ہر نوع اور ہر قسم کے احباب ہیں لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ
تصنیف و تالیف کے سلسلہ میں میری طبیعت کا اگر صحیح اندازہ
لگایا تو وہ نیاز صاحب نے اور اس کا اظہار انھوں نے تاریخ صحافت
اردو کی دوسری جلد پر تبصرہ کرتے ہوئے کیا۔ یہ تبصرہ فروری
۱۹۶۲ء نگار پاکستان میں شائع ہوا۔

مولانا امداد صابری صاحب نے اردو صحافت و ادب کی تاریخ

میں بحیثیت مورخ ایک ایسی جگہ بنالی ہے جسے اردو کا کوئی شعبہ تحریر نظر نہیں کرسکتا۔ تحقیق کو عموماً گورکنی کہا جاتا ہے صرف اس وجہ سے کہ ہمارے محققین موضوعات کے انتخاب میں افادیت کو ملحوظ نہیں رکھتے۔ نتیجتاً ان کی دیدہ ریزی و محنت کو کندن دکاہ برآوردن سے زیادہ اہم نہیں ہوتی امداد صابری کے تحقیقی کاموں کی نوعیت اس گورکنی سے بالکل مختلف ہے چونکہ صحافت اردو کے علاوہ انہیں تاریخ، سیاست اور عمرانیات سے گہرا شغف ہے۔ اسی لئے وہ اپنی کسی علمی و ادبی تحقیق کو افادیت سے الگ نہیں ہونے دیتے ان کی تالیفی و تصنیفی کاموں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ صرف اہم موضوعات کو ہاتھ لگاتے ہیں اور سرسری انداز پر سر نہیں کھپاتے۔"

۱۹۲۲ء سے پہلے نیاز صاحب کی حیثیت ایک خاص رومان نگار کی تھی لیکن اسی زمانہ میں ان کا سب سے بڑا کارنامہ افسانہ نگاری ہے، پریم چند کے ساتھ نیاز فتحپوری نے بھی اردو زبان میں نہ صرف مختصر افسانہ کی بنیاد رکھی بلکہ ایک خاص منزل تک اس کی تکمیل تعمیر بھی کی، ان کے تحریری کارناموں میں افسانے اور ادبی تنقید کے علاوہ ایک ضخیم کارنامہ متفرقات کا بھی ہے۔ جن میں اخلاق و حکمت، اقتصادیات و معاشرت، ارضیات و فلکیات مذہب، تصوف، فحاشیات، جنسیات، علم نجوم اور سحر، سیاسات حاضرہ غرض کہ زمین و آسمان کا کونسا تصنیف ہے جس کو نیاز صاحب نے نہ چھیڑا ہو اور جس کو اپنے طرز تحریر سے جادو

سے بڑے بڑے مرزندیڑھنے والے کے لئے دل کش نہ بنادیا ہو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نیاز صاحب نے جب کبھی کسی موضوع پر قلم اٹھایا تو کافی تحقیقات اور چھان بین سے کام لے کر اس کو بڑے سلیقہ کے ساتھ پیش کیا ہے ۔

نیاز صاحب کی شخصیت اردو میں گوناگوں ادبی صفات کی حامل ہے مکتوب نگاری، انشاء پردازی، مقالہ نگاری اور صحافت سب میں انھوں نے طبع آزمائی کی ہے ۔ اور امتیازی نقوش چھوڑے ہیں ۔

یہ مانا کہ ان کی نثر، ان کی شاعری کے مقابلہ میں بہت زیادہ جاندار ہے ۔ لیکن ہمیں اس "تاریخی حقیقت کو نظر انداز نہ کرنا چاہیے کہ ایک زمانہ میں ان کی اردو نثر و نظم دونوں کا سکہ چل رہا تھا ۔ بلکہ ۱۹۰۵ء سے لے کر ۱۹۲۵ء کے درمیانی عہد میں ان کی شہرت زیادہ تر شاعری اور شعر منثور کی وجہ سے تھی ۱۹۲۲ء تک نیاز صاحب نثر سے زیادہ نظمیں اور غزلیں ہی لکھ رہے تھے ۔ یوں تو اس زمانے میں ان کے قصیدے رباعیاں، مثنویاں، غزلیں، نظمیں سبھی کچھ ملتی ہیں۔ اور ان سب میں حسن بیان اور بیان حسن کی کرشمہ سازیاں نظر آتی ہیں ۔ لیکن جس چیز نے ایک ممتاز و مقبول شاعر بنا دیا تھا وہ ان کی جدید نظمیں اور غزلیں تھیں ان کا کلام اردو کے معیاری پرچوں، مثلاً الہلال، انتخاب لاجواب نقاد، تمدن اور زمانہ وغیرہ میں بڑے اہتمام سے شائع

ہوتا تھا ؎

پھر اگر ہم پست ہیں تو ہے ہمارا ہی قصور
ہے غلط اپنی اگر اخلاق ہے ہم سے نفور
اپنی لغزش تھی اگر ہے ظرف مستی چور چور
زہر اگر کھائیں گے ہم، تو ہم کو مرجانا ضرور
خود تو ہوں برباد اور شکوہ کریں اللہ سے
ہو خدا بیزار ایسے زمرۂ آگاہ سے

تو وہی ہے جس نے دنیا کو دیا درس حیات
تو وہی ہے، زندگی جس کی تھی فخر کائنات
ہر قدم تیرا تھا گویا صد جبل در عزم و ثبات
نام تیرا دہر میں تھا باعث امن و نجات

خدا معلوم دنیائے محبت کیسی دنیا ہے
جو دشمن ہے تمنا کا وہی جان تمنا ہے

سنہ ۱۹۲۰ء

فرات

دہلی سے یہ شیعوں کا ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۲۰ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔ اس کے ایڈیٹر میر زیدی الواسطی تھے مطبع یوسفی دہلی میں طبع ہوتا تھا۔

بیادگار قتیل دِر فرات اٹھارہ بنی فاطمہ اور خامس آل عبا علیہ التحیہ والثنا ہر انگریزی ماہ کی آٹھویں تاریخ کو شائع ہوتا تھا، سرورق پر ہذا عذب فرات سائغ شرابہ لکھا ہوتا تھا۔

اس رسالہ میں شہادت کے مضامین کے ساتھ غیر ملکی اور ملکی خبریں چار پانچ صفحات پر چھپتی تھیں۔

جنوری ۱۹۲۰ء میں عدم تعاون کی تحریک شروع ہو چکی تھی یہ رسالہ عدم تعاون کی تحریک کا حامی تھا۔ ترک موالات اور معرکۂ کربلا کے ایک مضمون میں موازنہ کیا ہے۔ یہ مضمون گیارہ صفحات کا ہے عنوان

کی ابتدا اس عبارت سے کی ہے۔
"یوں تو اسلام کی حالتِ زار اور مسلمانوں کی کوتاہی قسمت کے مرثیے سعدی و غالب اور حالی کے زمانے سے اس وقت تک برابر صفحۂ قرطاس پر نظر آتے رہتے ہیں اور زبانوں پر جاری ہیں لیکن گذشتہ جنگ فرنگ کے اختتام اور اعلان شرائط صلح کے بعد سے اسلام بلادِ اسلامیہ اور مسلمانوں کی نازک حالی نے تمام دنیا میں ہیجان پیدا کر دیا ہے۔ وہ اظہر من الشمس ہے کہتے ہیں کہ حکومت اور اراکین نظام حکومت نے ترکی اور شاہ ترکی کے متعلق عہد شکنی کر کے تمام ہندوستان و بیرونِ ہند کے مسلمانوں کے قلوب زخم خوردہ کر دیئے۔ صبر و ضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا عرض و معروض کی طاقت اس لئے نہیں رہی کہ اس پر غور کرنا بھی اقتدار حکومت کے خلاف ہے۔ ایسی صورتِ حال پر پہونچ کر مسلمانانِ ہند نے اس امر کا تصفیہ کر لیا کہ اب ہمارے لئے صرف دو ہی صورتیں باقی ہیں، پہلی صورت ازادر ملی کے لئے ہجرت ہے اور اس پر ان اشخاص کو عمل کی تلقین کرنے اور حکومت سے قطع تعلق کر کے زندہ رہنے کی صورت غیر ممکن خیال کرتے ہیں، دوسری شکل ترک موالات ہے جسے عدم تعاون، عدم اشتراک عمل یا قطع تعلق کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ طرز عمل اس جانباز ان ملک کے لئے مقرر کیا گیا ہے جو سر فروشی کو جوہر اور سر بکف رہنے کو ایمان خیال کرنے والے صدق دل سے خدا کے سمیع و بصیر کے سامنے تمام مصائب و ابتلا برداشت کرنے کا عہد مصمم اور عزم بالجزم کر چکے ہیں اور اللہ آخری وقت تک امتحان کی خار زار منزل میں ثابت قدم رہنا اسلام کا عملی

شعار جانتے ہوئے"

ترکوں سے مقابلہ کرنے کے لئے انگریزوں نے ہندوستانی فوج بھیجی تھی وہی ہندوستانی فوج معرکوں میں کام آئی تھی۔ چنانچہ ایک معرکہ میں تین سو ہندوستانی ہلاک ہوئے یہ خبر ۸ راگست ۱۹۲۰ء کے قرات میں چھپی۔

" لندن۔ ۲۶ر جولائی، عرب اب تک ریلوے اور انگریزی چوکیوں پر حملے کر رہے ہیں۔ ایک دستہ عنقریب روانہ کیا جائے گا۔ ہلاکت کا اندازہ تین سو اور چار سو کے درمیان ہے لیکن مقتولین میں کثرت ہندوستانی سپاہیوں کی ہے نصف درجن انگریز افسر ہلاک و مجروح ہوئے ہیں۔ عراق میں جو سابقہ ترکی فوج موجود تھی اس کے بعض افراد عربوں کی مدد کر رہے ہیں"

علی گڑھ میگزین

یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ جنوری ۱۹۲۰ء کو علی گڑھ سے ظہور پذیر ہوا۔ ۶۵ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر رشید احمد صدیقی تھے۔

محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین جولائی ۱۸۹۴ء سے تا دسمبر ۱۹۰۱ء ساڑھے آٹھ سال تک نکلتا رہا۔ جنوری ۱۹۰۳ء سے اس میگزین کا نام بدل کر علی گڑھ منتھلی کر دیا گیا اور دسمبر ۱۹۱۹ء سے یہ رسالہ اسی نام سے برابر نکلتا رہا۔ جنوری ۱۹۲۰ء سے اس میگزین کا نام علی گڑھ منتھلی کے بجائے علی گڑھ میگزین کر دیا گیا رشید احمد صدیقی کے بعد سے اس کے ایڈیٹر یونیورسٹی کے

طلباء ہوتے رہے، خواجہ منظور حسین، آل احمد سرور، جاں نثار اختر
ابو اللیث صدیقی، معین الدین دردائی، آفتاب احمد صدیقی، مختار
احمد آرزو، شبیہ الحسن نونہروی، خلیل الرحمان اعظمی، قمر رئیس اور
شہریار، میگزین کے ان لائق و قابل ایڈیٹرز میں سے وہ ہیں جنہوں
نے آگے چل کر اردو نثر و ادب کے میدان میں نمایاں شہرت حاصل
کی۔

علیگڑھ میگزین چند شماروں تک اردو اور انگریزی زبانوں میں علیحدہ
علیحدہ حصوں کے ساتھ مشترک شائع ہوا۔ لیکن جلد ہی اس کے دونوں
حصے ایک دوسرے سے بالکل علیحدہ ہو کر مستقل رسالے کی صورت
میں الگ الگ شائع ہونے لگے اور اردو کے میگزین کا انگریزی کے میگزین
سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا۔ یہ میگزین سنہ ۱۹[illegible]ء میں بند ہو گیا۔

میگزین بنیادی طور پر طلباء کا پرچہ ہوتے ہوئے معیار میں ان
رسالوں سے کسی طرح بھی کم نہیں رہا۔ اسے ہمیشہ مشہور و معروف
اہل قلم کا تعاون حاصل رہا۔ مختلف اصناف کے بہترین لکھنے والے
اس میں حصہ لیتے رہے جن میں کثیر تعداد ایسے ادیبوں کی تھی جنہوں
نے علی گڑھ کی فضا میں تربیت پائی تھی اور یہیں انہوں نے قلم پکڑنا
سیکھا تھا، بہت سے ایسے ادیب بھی تھے جو علی گڑھ سے باہر
تھے لیکن جنھیں شہرت میگزین میں ہی لکھنے سے حاصل ہوئی۔ پروفیسر
رشید احمد صدیقی نے اپنے بارے میں لکھا ہے۔

"مجھے جو تھوڑا لکھنے کی مشق اور بھلا برا لکھنے کی شہرت نصیب
مجھے علی گڑھ میگزین کے طفیل سے نصیب ہوئی اور اس طرح کا

نفع میگزین نے میرے علاوہ شاید کسی اور کو پہنچایا ہو۔"

میگزین نے وقتاً فوقتاً اقبال، احسن، فانی، غالب، اکبر اور مجاز نمبر پیش کئے، ان کی حیثیت ادب میں نہایت اہم، مستقل اور ٹھوس کارناموں کی ہے۔[1]

برق سخن

آمبور مدراس سے جنوری ۱۹۲۰ء سے یہ ماہانہ گلدستہ شائع ہوا ہے ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، منشی محمد ابراہیم قدیر اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے چار آنے تھا۔

علاوہ ہم طرح کلام کے حمد و نعت کی غیر طرحی غزلیں بھی درج کی جاتی تھیں لکھائی چھپائی اور کاغذ اوسط درجہ کا تھا۔

دل کش

جنوری ۱۹۲۰ء کو مراد آباد سے یہ ادبی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، سٹر اوتار کرشن اگروال اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا سنوہر پریس مراد آباد میں چھپتا تھا۔

اعجاز

محلہ کالی بگڑی امروہہ ضلع مراد آباد سے یہ ماہانہ گلدستہ جنوری ۱۹۲۰ء میں نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا، افسر امروہی اس کے ایڈیٹر تھے۔

---

[1] علی گڑھ میگزین ص ۲۵

اس گلدستہ میں ہندوستان کے مشہور شعراء کا طرحی و غیر طرحی کلام شائع ہوتا تھا۔ خاص طور سے اساتذہ کے کلام سے اس کو زینت دی جاتی تھی۔

صحیفۃ الوارث

جولائی ۱۹۱۵ء کو یہ ماہانہ رسالہ بارہ بنکی سے جاری ہوا، ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے چھ آنے تھا۔

سرورق پر حضرت وارث علی شاہ قدس سرہ العزیز کے روضہ مبارک کا نقشہ چھپتا تھا۔ مضامین نثر صوفیانہ دو اولیاء کامل کے تذکرے درج ہوتے تھے۔ حمد و نعت میں باکمال شعراء اپنا زورِ قلم دکھاتے تھے لکھائی چھپائی اور کاغذ نہایت عمدہ تھا۔

تہذیب الاخلاق

یہ ماہانہ رسالہ امرتسر سے ستمبر ۱۹۲۰ء مطابق ۱۳۲۹ھ کو جاری ہوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبداللہ العمادی تھے۔ عام خریداروں سے سالانہ چندہ تین روپے اور خریداران وکیل سے دو روپے آٹھ آنے لیا جاتا تھا۔

یہ رسالہ کیوں جاری کیا گیا پہلے شمارے ستمبر ۱۹۲۰ء میں یہ وجوہات بیان کی گئیں ہیں۔

" احیائے تہذیب الاخلاق کی ضرورت قوم انھیں وجود سے مدتوں سے محسوس کر رہی تھی۔ عام رائے بارہا یہ ہوئی اور یہ امانت متعدد مرتبہ پیش کی گئی۔ لیکن نا بین ان بجملتہا کا اثر

آتا غالب تھا کہ بزرگانِ ملت خاموش رہے اور پچھلے سال کی مسلسل تحریک سے جس کا سلسلہ قوم کی طرف سے اخبار وکیل میں سال بھر تک جاری رہا متاثر ہو کر یہ بار ایسے مظلوم و جہول انسان کو اٹھانا پڑا جس کی ثقافت و قابلیت کا سرمایہ محض اس قدر ہے کہ حسبنا اللہ نعم الوکیل۔ اغراض و مقاصد کے لحاظ سے تہذیب الاخلاق اس دائرہ سے ایک قدم منحرف نہیں ہونا چاہتا جو سر سید مرحوم نے اس کے لئے قرار دئے تھے اور جس کی تشریح ہم کر چکے ہیں۔

اس رسالہ کے مضمون نگار پروفیسر محمود علی، ڈاکٹر صادق علی خواجہ عباد اللہ اختر بی، اے، مولوی احمد الدین مدرس مدرستہ المسلمین امرتسر، علامہ عبدالحمید شکری، شیخ جمال الدین قاسمی محدث شام منہاج الدین، ایم، ایس، سی، خواجہ عبدالحیٔ فاروقی دیوبندی، ابوالبرکات محمد عبدالمالک اور محمد ناظر حسن نعمانی نقشبندی تھے۔

نونہال

یہ رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۰ء کو جاری ہوا ۴۳ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب مرغوب الدین بی اے علیگ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس بچوں کے رسالہ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ نے مورخہ اگست ۱۹۲۱ء میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

یہ ماہوار رسالہ حیدرآباد دکن سے جناب مرغوب الدین صاحب بی اے علیگ کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے مضامین، اخلاقی تاریخی اور ادبی ہوتے ہیں غالباً یہ رسالہ خاص طور پر طلبار کے افادہ اور

استفادہ کے لئے جاری کیا گیا، نظمیں بھی درج کی جاتی ہیں، رسالہ مفید ہے لکھائی چھپائی اور کاغذ ہر چیز عمدہ ہے صفحات ۴۲ قیمت سالانہ ڈھائی روپے، پتہ دفتر نونہال محلہ چیلہ پورہ حیدرآباد دکن۔

سودیشی دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۰ء میں نمودار ہوا اہم مضامین پر لکھتا تھا اس کے ایڈیٹر پروفیسر شمبھوناتھ چوپڑہ تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ یہ پرچہ ۱۹۲۷ء کے بعد تک شمبھوناتھ کی زندگی تک نکلتا رہا

شباب اردو یہ ماہنامہ مصور ادبی علمی لاہور سے ۱۹۲۰ء کو نمودار ہوا۔ اس کے ایڈیٹر خان محمد حسین خان بی اے، خان بہادر شیخ عبدالقادر بی اے سابق ایڈیٹر مخزن لاہور، جوائنٹ ایڈیٹر خان عبدالعزیز بی، اے، اور خواجہ دل محمد ایم، اے تھے ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ بابت ماہ اگست ۱۹۲۰ء میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

اس رسالہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اب تک ہماری زبان کے صرف دو تین رسالے شائع ہوئے، مضامین کے لحاظ سے پرچہ دلچسپ ہے اور نظمیں بھی عمدہ ہیں اس میں کبھی کبھی مشاہیر کی تصویریں بھی شائع کی جاتی ہیں چنانچہ اس پر بھی لسان العصر اکبر آبادی کی تصویر شائع کی گئی ہے قیمت سالانہ پانچ روپے۔

ادیب ناگپور سے یہ ماہنامہ ادبی رسالہ ۱۹۲۰ء میں جاری ہوا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ مولوی عبدالغنی صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ مورخہ اگست ۱۹۲۰ء میں اس رسالہ پر ریویو ہوا تھا۔

"ممالک متوسط کے دارالسلطنت ناگپور سے یہ ایک علمی رسالہ جاری ہوا۔ جو مضامین کے لحاظ سے قابل داد ہے نظم کا حصہ بھی اچھا ہے چنانچہ اس نمبر میں مولانا شبلی مرحوم کی ایک غزل شائع کی گئی ہے زبان کے لحاظ سے البتہ کسی قدر اصلاح کی ضرورت ہے جو نہایت آسانی کے ساتھ دور کی جا سکتی ہے رسالہ کی سالانہ قیمت تین روپے ہے جو ضخامت اور ظاہری محاسن کے لحاظ سے مناسب ہے۔

التحقیق گورکھپور سے ۱۹۲۰ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ جناب وحید عباسی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دس روپے تھا۔

اس اخبار پر معارف اعظم گڑھ مورخہ ستمبر ۱۹۲۰ء میں تبصرہ کیا تھا۔

"مولوی احسان اللہ عباسی وکیل گورکھپوری اپنی تصانیف اور قانون دانی میں مشہور ہیں، یہ اخبار ان کے صاحبزادے مسٹر وحید عباسی نے جاری کیا ہے جس کے ایڈیٹر مسٹر محمد فاروق ایم ایس سی اور سید کامل حسین ایم اے ہیں جس میں اول الذکر ہمدرد کے سب ایڈیٹر رہ چکے ہیں اور موخر الذکر مسلم گزٹ کے اسٹاف

میں آزیری طور پر کام کیا ہے۔ اخبار عمدہ ہے، واقعات حاضرہ پر آزادی کے ساتھ اپنی رائے ظاہر کرتا ہے قیمت سالانہ چار روپے ہے۔

روزنامہ زمانہ کلکتہ سے یہ روزنامہ ۱۹۲۰ء کو جلوہ فگن ہوا، چار صفحات پر نکلتا تھا کبھی صفحات زیادہ بھی ہو جاتے تھے، مولوی محمد اکرم خان صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، فی پرچہ قیمت دو پیسہ تھی۔

معارف اعظم گڈھ سو بفر جولائی ۱۹۲۰ء میں اس روزنامہ پر تبصرہ کیا تھا۔

"اس نام کا ایک اخبار مولوی محمد اکرم خان صاحب کی ایڈیٹری میں کلکتہ سے جاری ہوا۔ جو ایک کہنہ مشق اخبار نویس ہیں اور ان کے زیر ادارت اخبار قومی مسائل پر نہایت پرجوش مضامین لکھتا ہے لیکن باین ہمہ زبان کی ناہمواری افسوسناک ہے بعض جگہ طرز بیان اس قدر مبتذل اختیار کیا جاتا ہے گویا سامنے الہلال مرحوم کا فائل رکھا ہوا ہے بعض جگہ انتہائی پستی پیدا ہو جاتی ہے اس ضروری اصلاح کے بعد امید ہے کہ یہ اخبار قوم و ملک کے لئے ہر طرح مفید ثابت ہو، کلکتہ سے اردو روزنامہ اخبار کی سخت ضرورت تھی یہ اخبار اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے نکلا ہے اس کی قیمت فی پرچہ دو پیسے ہے اور نمبر ۲۹، اپر سرکلر روڈ کلکتہ سے مل سکتا ہے۔"

نقیب پھلواری شریف سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۰ء کو جاری ہوا۔ جو اب تک بڑی آب و تاب سے جاری ہے اور اپنی پرانی وضع پر قائم ہے۔

رہبر دکن

حیدرآباد دکن سے یہ روزنامہ ۱۹۲۰ء کو جاری ہوا چار اور چھ بڑے صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کو احمد محی الدین نے جاری کیا۔

حیدرآباد کا یہ ممتاز اخبار حیدرآباد کی سیاسی تبدیلی تک زندہ رہنے کے بعد ستمبر ۱۹۴۸ء میں بند ہو گیا لیکن نو ماہ بعد جولائی ۱۹۴۹ء میں منظور حسن صاحب انصاری نے نئے اخبار رہبر دکن کے بجائے رہنمائے دکن کے نام سے ڈیکلیریشن حاصل کیا ۱۹۶۰ء میں منظور حسن صاحب نے اس اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی، سید وقارالدین رہنمائے دکن کے موجودہ ایڈیٹر ہیں اور ان کے بڑے بھائی سید لطیف الدین مینجنگ ایڈیٹر کے فرائض انجام دے رہے ہیں ؎

رہبر دکن میں تمکین کاظمی صاحب نے بھی ادارت کے فرائض انجام دیے تھے۔

تمکین کاظمی

کاظمی صاحب ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے آپ کو شعر و ادب کا ذوق ورثہ میں ملا تھا ان کے والد ماجد حضرت تجلی اردو فارسی کا نکھرا ہوا مذاق رکھتے تھے اور شاعری میں حضرت داغ دہلوی کے شاگرد تھے، تسلی کیفی اور بازغ ان کے معصر اور گہرے دوست تھے، رات دن گھر میں شعر و شاعری کا چرچا رہتا تھا اور شاعروں کی محفلیں گرم ہوتی تھیں۔ تمکین صاحب نے اسی ماحول میں آنکھ کھولی اور اسی رنگ میں رنگ گئے

؎ حیدرآباد میں اردو صحافت صہ ۱۶

آپ گھر پر اور مکتبی تعلیم کے پرساختہ اور پرداختہ ہیں، اول پنجاب سے منشی فاضل کے امتحان میں بھی کامیاب ہوئے لیکن یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ ان کی ذہنی تربیت مکمل ہو چکی تھی تو اخبار نویسی کا پیشہ اختیار کیا اور ایک مدت تک رہبر دکن، صبح دکن، پیغام، رعیت اور نظام گزٹ سے وابستہ رہنے کے بعد ۱۹۵۵ء میں وظیفہ پر علیحدہ ہو گئے۔ وہ نظام دکن، سروش لاہور اور خادم کلکتہ کی مجلس ادارت سے وابستہ ہو گئے۔ ۱۹۲۴ء میں ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کے ۱۹۲۵ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن آئرلینڈ کے رکن چنے گئے۔

ان کی ادبی زندگی کا آغاز شعر گوئی سے ہوا لیکن جب ذرا تنقیدی شعور بلند ہوا تو شاعری ترک کردی اور تنقید و تحقیق کے میدان میں قدم رکھا۔ صاحب تصانیف ہیں جن میں غنچۂ تبسم، تذکرہ ریختی، مقدمہ بادہ داغ، عملی زندگی اور جینے کے طریقے قابل ذکر ہیں آسکر وائلڈ کے دو ڈراموں کو بھی آرلنٹ اور جمیل کے نام سے اردو میں منتقل کیا، مومن اور داغ پر بھی کتابیں شائع ہونے والی ہیں تمکین کاظمی صاحب پرانے لکھنے والے ہیں صلہ کی تمنا اور ستائش کی پرواہ کے بغیر کام کرنا کوئی ان سے سیکھے انھوں نے دفتریت کے گھٹاؤ اور معاشی الجھنوں کے باوجود ادبی ذوق کو زندہ رکھا اور ناساعد حالات کے باوجود اپنی کتابیں چھاپتے رہے [1]

---

[1] حیدرآباد کے ادیب صہ۳

بندے ماترم

یہ روزنامہ لاہور سے ۱۹۲۰ء میں ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا اس کے بانی لالہ راجپت رائے ایڈیٹر سردار بدھن سنگھ ثانی تھے دور ثانی میں اس کے ایڈیٹر لالہ پیلا رام ذوقی ایڈیٹر تھے ابتدائی زمانہ میں اس کے ادارہ میں ملک یوسف العزیز بھی شامل تھے جو آج کل ڈپٹی ڈائرکٹر محکمہ تعلقات عامہ مغربی پاکستان کے عہدہ سے ریٹائر ہو کر گوشہ نشین ہو گئے ہیں برعظیم میں یہ پہلا اخبار تھا جو مشترکہ سرمایہ سے جاری ہوا۔

اس اخبار کی اشاعت ابتداء میں چھ ہزار کے قریب ہو گئی تھی دوسرے سال سات ہزار سے زیادہ ہو گئی تھی۔ لیکن ترک موالات کے بعد اشاعت گھٹ گئی تھی، جن لوگوں نے اس اخبار کا مطالعہ کیا ہے ان کا اندازہ ہے کہ فن صحافت کے لحاظ سے یہ اخبار معیاری تھا۔

ضیافت پنچ

بیرون دہلی دروازہ لاہور سے یہ ہفتہ وار ظریف اخبار ۱۹۲۰ء کو جاری ہوا، اس کا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا میر غلام حسین صاحب کاشمیری تھے اس اخبار پر نیرنگ خیال لاہور کے شمارے جون ۱۹۲۲ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"ایک ہفتہ وار ظریف اخبار ہے جو مولانا میر غلام حسین صاحب کاشمیری کی زیر ادارت لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ ضیافت پنچ کی

قیمت فی پرچہ ایک آنہ اور سال بھر کے لئے دسترخوان پر پہنچانے کے لئے صرف چار روپے ہے۔ ہمارے خیال میں جس دسترخوان پر ضیافت پنج زکھا ہو وہاں سبز دن کھانا بغیر ڈکار لئے ہضم ہو جاتا ہے اس کے مطالعہ سے تمام کلفت اور رنج و فکر دور ہو جاتا ہے بھوک لگتی ہے، پس جو لوگ سوئے ہضمی دائمی قبض یا کمی اشتہا کے شاکی ہوں وہ اس چٹپٹے دار اخبار کو ضرور خریدیں، جس میں ہریسہ، چٹنی، دلیہ اور پلاؤ وغیرہ سبھی قسم کے کھانے ادبی پیرایہ میں چنے جاتے ہیں، المنبر ضیافت پنج بیرون دہلی دروازہ لاہور سے طلب کیجئے۔

جواہرات

ضیا محل دہلی سے یہ ماہنامہ ۱۹۲۰ء کو نمودار ہوا ۲۶ صفحات پر مشتمل تھا، اس کے ایڈیٹر سراج الاطبار حکیم حافظ حمید اللہ بیگ ماہر دہلوی تھے سالانہ چندہ آٹھ آنے اور نمونہ کا پرچہ مفت بھیجا جاتا تھا۔ یہ مذہبی، علمی، تاریخی، ادبی، تمدنی، معاشرتی اور تفریحی ہندوستان کا سب سے سستا رسالہ تھا۔

سنہ ۱۹۲۱ء

اُردو

اورنگ آباد سے یہ سہ ماہی رسالہ جنوری سنہ ۱۹۲۱ء کو جلوہ فگن ہوا۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دس روپیے تھا۔

اس زمانے میں اردو کس مپرسی کی حالت میں تھی پرانے شعرا اور شعرا کے تذکرے نایاب و ناپید تھے لوگ ان سے واقف بھی نہیں تھے بلکہ بہت سے الفاظ اور محاورے تحقیق طلب تھے انگریزی الفاظوں کے استعمال کا بہت زور تھا۔ ان تمام کاموں پر عملی طور پر توجہ دینے کے لئے رسالہ اردو جاری کیا گیا تھا۔ ان ہی مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے بابائے اردو عبدالحق صاحب نے رسالہ اردو جاری کیا تھا بابائے اردو نے پہلے شمارے جنوری سنہ ۱۹۲۱ء میں اس زمانہ کے مطابق

حسب ذیل اداریہ تحریر فرمایا تھا۔

"ابتداء سے انجمن ترقی اردو کے مقاصد میں یہ داخل ہے کہ اس کی طرف سے ایک رسالہ شائع کیا جائے لیکن سرمایہ کی قلت اور حالات کی ناساعدت کی وجہ سے یہ ضروری مقصد اب تک عمل میں نہ آیا۔ اب حالات اور واقعات بہت کچھ بدل چکے ہیں انجمن کی حیثیت بھی وہ نہ رہی جو پہلے تھی اور اگرچہ اس کا سرمایہ اب بھی ایسا نہیں جس پر ہم فخر کر سکیں مگر ایک حد تک قابلِ اطمینان ضرور ہے۔ اور گو اس کے ارکان کی تعداد جیسا کہ ہماری خواہش ہے ہزاروں تک نہ پہنچی ہو تاہم اس کے سرپرستوں اور حامیوں کی ایک مختصر جماعت ایسی ہے جو اس کی ترقی کی خواہاں اور اس کی اعانت کے لئے دل سے آمادہ رہتی ہے۔ علاوہ اس کے اقتضائے وقت ایک ایسی چیز ہے جس کے سامنے سر جھکانا پڑتا اور جسے وقت پر نہ سمجھنے سے ہمیشہ پچھتانا پڑتا ہے اس کے بعد تامل کرنا یا کسی بہتر زمانے کا انتظار کرنا ناقابلِ الزام ہوگا۔ اس کے بعد غور و مشوروں کے یہ قرار پایا کہ اس سال میں جس طرح بن سکے انجمن کا رسالہ ضرور شائع ہو جانا چاہیئے۔"

اب سوال یہ ہے کہ یہ رسالہ کیسا ہو، لیکن اس سوال کے جواب میں دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کیا اس کی تشریح کی ضرورت ہے انجمن کا مقصد ظاہر ہے اور اس کا رسالہ اس کے مقصد کے تابع ہوگا۔ اس لئے بظاہر کسی تشریح یا توضیح کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن اس بارے میں جب بعض احباب سے گفتگو ہوئی تو

معلوم ہوا کہ اس کے سمجھنے میں الجھن پیدا ہوئی ہے اور کیا عجب ہے کہ ہمارے بعض ناظرین کو بھی اردو کے موجودہ رسالوں پر قیاس کرنے سے مغالطہ ہوگا لہٰذا اس رسالہ کی خصوصیت کے متعلق مختصراً کچھ لکھ دینا مناسب ہوگا۔

"سب سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ یہ رسالہ خالص ادبی ہوگا۔ یہ مثل کشکول کے نہ ہوگا جس میں ہر قسم کے رطب و یابس اور ان میل، بے جوڑ مضامین بھر دیے جاتے ہیں اور کوئی خاص مقصد پیش نظر نہیں ہوتا۔ صرف پیشانی پر اس قدر لکھ دینا کافی ہے۔ ادبی اخلاقی، تاریخی، معاشی، سیاسی رسالہ میں نے تعریفاً نہیں لکھا ملک کو ایسے رسالوں کی بھی ضرورت ہے مگر انجمن کا رسالہ ادب اور اس کے متعلقات کی حد سے آگے بڑھنا نہیں چاہتا، اس پر اکثر صاحبوں نے اعتراض کیا وہ فرماتے ہیں کہ کاغذ کی یہ ناؤ کب تک چلے گی اور یہ مضمون کب تک مساعدت کرے گا، بہت ہوا تو دو سال چلے گا اور آخر یہ دفتر تہہ کرنا پڑے گا۔ میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں، میرا خیال ہے کہ ان صاحبوں نے کبھی اس پر غور نہیں کیا اور روش عام اس رائے کا باعث ہوتی ہے اگر ذرا نظر غور سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ میدان باوجود تنگی کے بہت کچھ وسعت رکھتا ہے اور بجائے خود ایک عالم ہے، قلم کا ساغر آبلہ پا نہ ہو تو یہاں وہ وہ منظر نظر آتیں گے جن کے لطف اٹھانے اور بیان کرنے کو ایک عمر چاہیے نظر کو تکلیف نہ کرے تو بہت سے خزانے ہیں جو ابھی تک پردۂ اخفا میں چھپے اور حقیقت ہوا تک نہیں لگی، ہمت بھی نہ چرائے تو بہت سی

کا نمیں ہیں جو ابھی کھودنا ہیں۔

کون انکار کر سکتا ہے کہ بہت سے الفاظ اور محاورے ابھی تحقیق طلب ہیں۔

بہت سے ایسے مصنف اور شاعر ہیں جن کا کلام ابھی تک ب ذریعہ اشاعت ہم تک نہیں پہنچا۔

بہت سی تصانیف ہیں جو لکھنے کے بعد ہی گوشۂ گمنامی میں رہ گئیں یا شائع ہوتے ہی ناپید ہو گئیں۔

زبان کے رسم الخط، املا اور اس میں بہت سی باتیں اصلاح طلب اور مشورہ اور بحث کی محتاج ہیں۔ اردو کی تاریخ اور نشو و نما میں بہت سی منزلیں ابھی طے کرنی باقی ہیں۔

شاعرانہ زبان سے مختلف شاخیں ایسی پھوٹتی ہیں جن کا سراغ لگانا ضروری ہے مثلاً خود اردو کس خاندان کی ہے اور اس میں باہم کیا تفاوت اور تعلق ہے اور ملک میں اس کا کیا درجہ ہے زبان کی ترقی و اشاعت کی بہت سی ایسی تجویزیں ہیں جو ابھی تک عالم خیال سے صفحۂ قرطاس پر نہیں آئیں ان پر بحث کرنا، ان کا جانچنا، اور ان کو عمل میں لانا بھی بڑے کام ہیں۔

تنقید، جو ادب کی جان اور ذوق سلیم کی روح رواں ہے ابھی ہمارے یہاں ابتدائی مرحلہ میں ہے اسے صحیح تک پہنچانے کی بہت بڑا فرض ہے۔ اس کے بغیر ادب کی خدمت ادا ہونی ممکن نہیں، اردو کے بہت سے ایسے محسن ہیں جن کے حالات اور کارنامے ملک کے سامنے پیش آنے چاہئیں اور خاص کر جو

خدمت انھوں نے اردو کی کی ہے اسے وضاحت کے ساتھ دکھانے
اور ان کے کلام پر ہمدردانہ اور تنقیدی نظر ڈالنے کی ضرورت
باقی ہے۔ اس کے علاوہ غیر زبانوں کے ادب میں ایسے انمول
جواہر ہیں جو صاحب نظر ادیب اور شائقین ادب کے لئے سب
سے بڑا تحفہ ہیں، ضرورت ہے کہ انھیں اردو کے لباس میں پیش
کیا جائے۔ تاکہ ہمارے اہل ملک اسلوب بیان، طرز تخیل و ادائے
مطلب سے حظ حاصل کریں اور متمتع ہوں۔"

"خود غیر زبانوں کے ادب کا بیان ہمارے لئے سبق آموز اور
عبرت خیز ہو سکتا ہے۔ مثلاً اس نے کن ذرائع سے ترقی حاصل کی
اور اہل ملک کے خصائل و عادات پر کیا اثر ڈالا اور ملک کے ابھارنے
اور بنانے میں کیا کام کیا۔ اس زمانے میں اردو کے حامی اور بہی خواہ
اسی زبان کو علمی زبان بنانے کے متمنی ہیں اور اس کے لئے بہت
کچھ سعی کر رہے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کس قدر دشوار
اور کٹھن منزل ہے۔ جدید اصطلاحات اور نئے خیالات کے لئے
الفاظ کی تلاش کرنا لوہے کے چنے چبانا ہے باوجود ہزار سرگرانی
اور جانکاہی کے بیان تشنہ رہتا ہے اور مطلب ادا نہیں ہوتا
بعض اچھے اچھے ذہین اور مستعد اصحاب اس کوہ کنی اور مغز پاشی
سے عاجز ہو کر کام چھوڑ بیٹھے ہیں یا یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے خیال
و رائے کے مطابق من مانے الفاظ استعمال کرنے لگتا ہے جس سے
پڑھنے والے کو سخت الجھن ہوتی ہے اور زبان میں کوئی لفظ قائم
نہیں ہونے پاتا لیکن کیا کیا جائے۔ مجبوری ہے اپنے خیالات کا

اظہار خیال کریں۔ ان مجنونوں کو کیوں کر پیش کیا جائے اور فیصلہ کس طرح ہو۔ اس کی ایک ہی صورت ہے جو ہمارے آپ کے پیش نظر ہے۔

علاوہ اس کے زبان و ادب کے متعلق اور بہت سے مباحث اور مسائل ہیں جو کتابوں میں نہیں آ سکتے جنھیں الگ شائع نہیں کر سکتے۔ ان کی تحقیق ایسے ہی رسالے میں ہو سکتی ہے جس کا ایک ہی مقصد ہے تاکہ لوگ اسے پڑھیں، ضرورت ہو تو اپنے خیالات اور تنقید سے دوسروں کو مستفید کریں اور عالمانہ بحث سے سب کو فائدہ پہونچے۔ پھر ایک بات اور ہے کہ بعض اوقات بڑے ایسے بلند نظر اور پاکیزہ مضامین ہیں جو اپنے جگر پارے معمولی اخباروں اور عام رسالوں کے حوالے کرنا نہیں چاہتے ان کے لئے بھی تو آخر کوئی سامان ہونا چاہیے۔ غرض جس قدر غور کیجیے اسی قدر اس مضمون میں وسعت نکلتی آئے گی۔ اس قدر لکھنے کے بعد اب ضرورت باقی نہیں رہی کہ رسالہ کے مقاصد بیان کروں۔ مختصر یہ کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ رسالہ اردو زبان و ادب کی ایسی مفید اور محققانہ بحثوں سے مالا مال ہو تاکہ شائقین ادب اسے غور و شوق سے پڑھیں اور اہل ملک کے ذوق پر اس کا اچھا اثر ہو اور وہ دن آئے کہ لوگ اس کے پرچے ڈھونڈھتے پھریں۔"

بعض احباب یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے یہاں کی آب و ہوا ایسے بلند پایہ رسالوں کے لئے راس نہیں ـــ اصل یہ ہے کہ کوئی چیز ہونی چاہیے جس کا مقصد ہو کام کیا جائے اس کا حق پورا ہونا چاہیے خواہ وہ ایک سال رہے یا دس بیس سال۔ مگر جب تک نظر مقصد کی طرف رہے کسی کی طرف مائل نہ ہو۔ اگرچہ اس میں شک نہیں اردو زبان کو جیسی

ترقی ہونی چاہیے تھی وہ نصیب نہیں ہوئی تاہم اس کا رخ آگے کی
طرف ہے لوگوں کو اپنی زبان کی ترقی کا احساس پیدا ہوتا جا رہا ہے
ہر سال علمی و ادبی کتابوں میں اضافہ ہو رہا ہے نئے لکھنے والے پیدا
ہو رہے ہیں طرز تحریر میں نمایاں فرق پیدا ہوتا جا رہا ہے، ترجمہ و
تالیف میں نئی شان نظر آتی ہے، قدردانوں کی تعداد بھی بڑھتی
جاتی ہے لکھنے پڑھنے اور کتابوں کا شوق بھی پہلے سے زیادہ
نظر آ رہا ہے ایسے وقت میں ایک ایسے رسالہ کی بہت زیادہ ضرورت
ہے کیونکہ جہاں حالت امید افزا اور ذوق بڑھتا ہوا ہے وہاں خطرہ اس
کا لگا بھی ہے بعض نئے انشاء پرداز جدت کے دھوکے میں یا
تقلید کے غیر محسوس اثر سے بے مزہ مبہم اور دور از قیاس استعارات،
تشبیہات اور جراتی ترکیبوں کے دلدل میں پھنس گئے ہیں اور
شروع سے آخر تک ایک عجیب قسم کا طرز تحریر ہوتی ہے، عربی
نہ فارسی نہ ترکی بعض صاحبوں نے ایک رنگ اختیار کیا ہے کہ معلوم
ہوتا ہے کہ اردو نہیں عربی فارسی لکھ رہے ہیں۔ اور مرزا غالب
نے ابتدا میں فارسی کی بندش سے اردو نظم میں رنگ پیدا کیا تھا وہ
اب نثر میں پیدا کرنا چاہتے ہیں، ایک دوسرا فرقہ ان سے بھی چار
قدم آگے ہے جو انگریزی کا دلدادہ ہے انگریزی الفاظ کا کہیں کہیں
استعمال اگرچہ معیوب ہے مگر اتنا معیوب نہیں جتنی انگریزی نما اردو
انگریزی نما اردو سے مراد وہ طرز تحریر ہے جو فطرت اردو کے خلاف
انگریزی ترکیب اور وضع پر لکھی جاتی ہے جس میں اکھڑے اکھڑے
فقروں کو جوڑ کر انگریزی وضع کا ایک طول طویل جملہ بنا دیا جاتا ہے

ہس کے سامنے ابوالفضل کی نثر کی کوئی حقیقت نہیں، جملوں کا
چھوٹا اور طولانی ہونا تو ایک طرف، اس میں الفاظ کا استعمال
اور ان کی غیر مانوس اور بے لطف ترکیب اور غضب ڈھاتی ہے
جب صاحب اس قسم کی اردو لکھیں تو خیر کچھ مضائقہ نہیں۔ لیکن ڈر
ہے کہ ان کی تقلید میں اگر دوسرے لوگ بھی اس ڈھرے
پر پڑ گئے تو اردو کی آبرو خاک میں مل جائے گی۔ کچھ زیادہ
زمانہ نہیں گزرا کہ اردو زبان کی تاریخ میں ایک ایسا وقت آیا تھا جبکہ
اردو طرز تحریر پر فارسی عربی کے بے محل اور بے جا استعمال
اور فارسی کا رنگ غالب آگیا تھا کہ اردو کی حیثیت بگڑ چلی تھی۔ خدا
خدا کر کے یہ جنون کم ہوا تو اب دوسری بلا نازل ہوتی کہیں ایسا نہ ہو
کہ جس طرح فارسیت کے غلبہ کو کم ہونے میں ایک مدت لگی جس کے
لئے سر سید، حالی، آزاد جیسے صحیح مذاق اور عالی پایہ انشا پردازوں
نے کوششیں کیں، پھر ایک مدت گزرنے کے بعد ہماری آنکھیں کھلیں
اور انگریزیت کے اثر کو مٹانے کے لئے کسی خاص جدوجہد یا لطیفہ
غیبی کا انتظار کرنا پڑے یہ کس قدر ظلم کی بات ہے کہ ہم دوسری
زبانوں کو پڑھ پڑھ کر خود پسندی سے یا غرور علمیت میں ان
کی آمیزش اور آلائش سے اپنی زبان کو گندہ کریں۔ ہر زبان خاص
خاص خصوصیتیں رکھتی ہیں ہر زبان میں طرز ادا کے خاص اسلوب ہوتے
ہیں ہر زبان کی فصاحت جداگانہ ہوتی ہے اور اس لئے اس میں
لکھتے وقت ان خصوصیتوں کا مطالعہ ضرور اور ان کی پیروی
لازم ہے۔ جدت کوئی مانع نہیں، یہ زبان کا حسن ہے بشرطیکہ

حسن ذوق اس کا ہم لوا ہو، کسی ایک زبان کو دوسری زبان پر چڑھانا بد مذاقی ہی نہیں جہالت سے عللی کا ہونا اس قدر قابل اعتراض نہیں جس قدر بے مزہ، بے جان اور غیر مانوس طرز تحریر قابل اعتراض ہے یہ گویا زبان کا گلا گھونٹنا ہے یہ ظاہری لباس کے تغیر، تبدل سے فرنگی کو حبشی اور حبشی کو فرنگی بنانا ہے"۔

" زبان کوئی بے جان یا مردہ شے نہیں ہے یہ بھی دوسرے جانداروں کی طرح بڑھتی گھٹتی اور پھلتی پھولتی ہے اس پر بھی آب ز ہوا اور گرد و پیش کے دوسرے حالات کا اثر پڑتا ہے اس لئے اگر ہم اس کی صحت اور خوش حالی کے خواہاں ہیں تو ہمیں اس کے اصول نشو و نما سے غافل نہیں رہنا چاہئے ۔"

" زبان کے حسن و فروغ یعنی فصاحت کا دارو مدار صحیح ذوق پر ہے اور صحیح ذوق کا پیدا کرنا اور پھیلانا سب سے بڑی خدمت زبان ہے، جن حضرات کے ہاتھ میں اخبار اور رسالے ہیں انھیں سب سے بڑھ کر یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیئے کیونکہ ان کی ذمہ داری بہت بڑی ہے اور عام طور پر لوگ انہیں سے بہت کچھ سیکھتے ہیں ہمیں کسی کے مقابلہ میں کوئی خاص دعویٰ نہیں ہم اپنے ابناء کے توافق کو متسلق کریں گے کہ زبان کی خصوصیت تو ہاتھ سے نہ جانے دیں پاک صاف اور شستہ زبان کا استعمال کریں اور ذوق سلیم کے پیدا کرنے میں طرح طرح سے مدد دیں۔ اس نئے جانے پہچانے، مقبول و معروف انشا پردازوں اور زبان کے بہی خواہ صرف نئے ہی سے نہیں بلکہ ان سے بھی جو نام و نمود کے خواہاں نہیں اور گوشہ

عزلت میں رہ کر ادبی ذوق سے خود ہی حظ اٹھاتے ہیں یہ التجا ہے
کہ وہ ہماری اس سعی میں ہمیں مدد دیں، نیز ان حضرات سے جو
کسی بلند پایہ رسالہ کے نہ ہونے سے اپنے خیالات کے اظہار
میں مضائقہ کرتے تھے یہ درخواست ہے کہ اگر وہ اپنے مذاق
کے مطابق پائیں تو اعانت میں دریغ نہ فرمائیں۔"

انجمن ترقی اردو کا یہ سہ ماہی رسالہ اردو پہلا نئے مذاق اور
نئے انداز لیے ہوئے اپنی شان کا ایک الگ خاص اور دلکش نمونہ تھا
اس وقت [illegible] کا مزاج بھی بدل رہا تھا۔ گلدستے ضرور چھپتے تھے
مگر حسب روایت زیادہ طرحی غزلوں پر مشتمل ہوتے تھے دنیا بطور
خاص اور ادبی دنیا کچھ اور مانگتی تھی، علمی مواد کی کمی اور ضرورت شدت
سے محسوس کی جاتی تھی۔ مگر بہت لوگ اس خلا کو پُر کرنے کی سوچتے
تھے بہرحال وہ زمانہ ایک زوال کے اثرات مابعد کا زمانہ بھی تھا۔ کتنے
کے نقیب اپنی روش چھوڑنے پر بہ مشکل آمادہ ہوئے ہیں۔ الناظر
لکھنؤ، صلائے عام دہلی۔ مخزن لاہور، اردوئے معلیٰ علی گڑھ، ادیب
لکھنؤ، نقاد آگرہ، افادہ، صحیفہ اور تاج حیدرآباد دکن، معارف
علی گڑھ، دل گداز لکھنؤ، اور دکن ریویو حیدرآباد دکن، ہماری اردو
کا پیش خیمہ تھے، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا
عبدالحلیم شرر، سر عبدالقادر اور مولانا وحیدالدین سلیم جیسے مشہور
ادیبوں کی سرپرستی اور معاونت حاصل تھی۔ مگر اتنے بڑے علاقے
اتنی پھیلی ہوئی زبان اور نئے تقاضوں کی اتنی بڑی یلغار اور بہت
کچھ مانگتی تھی۔

چنانچہ بابائے اردو نے اورنگ آباد سے "اردو" جاری کیا۔ جس نے ابتدا میں انجمن کی ترجمانی کے فرائض بھی انجام دیئے اور ساتھ ساتھ علمی، تحقیقی مضامین اور اعلیٰ پائے کی انشا چھاپنے کا رواج بھی ڈالا۔ اس وقت اورنگ آباد میں کوئی چھاپہ خانہ بھی نہیں تھا۔ اور خود اورنگ آباد ایک دور دراز مقام تھا۔ خاص طور پر شمال کے اردو والوں کے لئے۔ مگر وہاں بابائے اردو جیسی فعال اور اہل دل شخصیت کے قیام نے سب کچھ ممکن بنا دیا۔ یہاں تک کہ بہت جلد منشی پریم چند نے کہا کہ رسالہ اردو، اردو رسالوں کا سالار کارواں ہے۔

اردو کا کنٹری بیوشن تمام اردو دوستوں پر واضح ہے۔ علمی انداز اور تحقیقی ریسرچ کی جو بنا ڈالی جو اردو میں تقریباً ناپید تھی، بعد کے علمی اور تحقیقی ادب نے جو استفادہ اس آغاز سے کیا وہ پہلے پورے پچاس برس کی تاریخ پر محیط ہے۔

"اردو" ۱۹۲۱ء سے ۱۹۳۶ء تک اورنگ آباد دکن میں رہا کیونکہ انجمن کا دفتر وہیں تھا۔ ۱۹۳۶ء میں دلی آ گیا اور ۱۹۴۸ء تک رہا مگر اردو ۱۹۴۷ء تک نکلا کہ زمانہ بہت ہی افراتفری کا تھا۔ جب مولوی صاحب کراچی آ گئے اور انجمن نے کام شروع کیا تو تقریباً پہلی ترجیح کے طور پر ۱۹۴۹ء کے وسط میں اردو جاری کیا اور تمام نا مساعد حالات کے باوجود (جن کی ایک جھلک خود ان کے کتابچے "انجمن کا المیہ" میں موجود ہے) اپنے مرض الموت تک جاری رکھا۔ ۱۹۶۱ء میں انھوں نے انتقال کیا

پھر یہ مستقل آئی۔ جناب اختر حسین صدر ہوئے اور جمیل الدین عالی معتمد اعزازی مقرر ہوئے۔ اس دوران دنیا بہت کچھ بدل چکی تھی پاکستان میں چاروں طرف اردو کی علمی اہمیت بڑھ رہی تھی نئے نئے اور وقیع رسالے نکل رہے تھے، علمی مضامین لکھنے والے اور اہل تحقیق سے کچھ حاصل کرنا اتنا آسان نہیں رہا تھا۔ کیونکہ مولوی صاحب کی فرمائش اور پھر تاکید اور فہمائش جیسے اثاثے ہم کہاں سے لاتے مگر اردو کی کمی برابر محسوس کی جاتی تھی، چنانچہ ۱۹۶۶ء کو کراچی سے اردو ایک بار پھر شروع کر دیا گیا۔

اردو کے پچھلے شمارے ذرا تفصیل سے دیکھیے تو اندازہ ہو گا کہ پچھلے برسوں میں کیا کچھ خزانے اس نے پیش کیے تھے کچھ کتابوں کی شکل میں آ گئے مگر بیشتر مضامین بی ہیں اور رسالہ اردو تک محدود ہے۔

یوں تو ملک میں کافی رسالوں نے اردو ادب کی خدمت انجام دی ہے لیکن رسالہ اردو بھی کسی سے کم نہیں رہا ہے۔ اور برابر اردو کی خدمت اس نے کی اور اب بھی کر رہا ہے۔

الرسول

گذری بازار میرٹھ سے مارچ ۱۹۱۲ء مطابق جمادی الآخر ۱۳۳۰ھ کو یہ ماہانہ دینی رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ ایڈیٹر منشی شمس الدین احمد شمس تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ پانچ آنے تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

ہے خدا شاہد رسول مصطفیٰ ہے الرسول

بھولے بھٹکوں کا حقیقی رہنما ہے الرسولؐ

الرسولؐ کے اجراء کی غرض یہ تھی کہ وہ ملکی امور اور دنیوی نزاعوں سے علیحدہ ہوکر آقائے نامدار سرکار ابد قرار مدینہ کے تاجدارؐ مولا سبز گنبد والےؐ، بے سہاروں کے سہارےؐ، ایک مبلغ کی حیثیت سے حق کی آواز یعنی احکام رسول خدا پہنچائے گا، دعوت الی الخیر نیکیوں کی ترغیب دے گا، بزرگان دین کے حالات اور انشاءات شائع کرے گا۔

تحریک

لاہور سے یہ ماہانہ مارچ ۱۹۲۱ء کو جاری ہوا ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ شمارہ اگست ۱۹۲۱ء میں حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

لاہور سے یہ ماہوار رسالہ جناب حکیم مظفر حسین صاحب اظہر دہلوی کی ایڈیٹری میں شائع ہوتا ہے مضامین کی نسبت ٹائٹل پیج پر یہ لکھا ہے علمی ادبی اور مفید مضامین کا گلدستہ ادب اردو کی خدمت اور ترقی کے لئے "محک سخن" کے زیر عنوان ایک باب تنقیدی بھی ہے نظموں کا حصہ بھی رکھا گیا ہے ناول اور افسانوں کا سلسلہ بھی قائم کیا گیا ہے رسالہ دلچسپیوں سے خالی نہیں۔ کاغذ اچھا، لکھائی چھپائی متوسط، ۸۰ صفحات، تقطیع بہت معمولی ہے سالانہ چندہ تین روپے پتہ۔ دفتر رسالہ تحریک موچی دروازہ لاہور۔

مرتضوی یہ ماہنامہ جریدہ مارچ ۱۹۲۲ء کو لکھنؤ سے نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ خواجہ حسن مرتضوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ بورڈ اگست ۱۹۲۲ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"یہ ماہوار رسالہ لکھنؤ سے جاری ہوا ہے اپنے مقصد کے لحاظ سے یہ تمام تر حضرات شیعہ کے ساتھ مخصوص ہے اور اس حیثیت میں غالباً سب سے پہلا رسالہ ہے۔ بعض فرقہ اور رسائل و اخبارات فرقہ کی بحثوں میں پڑ کر سنجیدگی کی حد تک اتر آتے ہیں لیکن مرتضوی اس عیب سے پاک ہے البتہ اس کو ہر لحاظ سے شیعوں کے ساتھ مخصوص کرنے میں اس قدر غلو کیا گیا ہے کہ دوسرے تمام فرقوں کے لئے اس میں مشکل سے دلچسپی کا کوئی سامان مل سکتا ہے نیز اس کے مضامین کی نوعیت ماہانہ رسائل کے بجائے ہفتہ وار اخبارات سے زیادہ ملتی جلتی ہے ضخامت ۴۸ صفحے لکھائی چھپائی معمولی ہے عام خریداروں سے سالانہ چندہ سفید یا دامی کاغذ کے فرق کے ساتھ چار روپے اور تین روپے چار آنے پتہ دفتر مرتضوی باغ مسکا لکھنؤ۔

اعجاز جالندھر سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا۔ سرپرست مولانا گرامی ایڈیٹر جناب حفیظ جالندھری صاحب تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

ہمایوں لاہور بورڈ اپریل ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے

عبرت نجیب آباد یوپی سے یہ رسالہ ۱۹۲۱ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا، مولانا اکبر شاہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
ہمایوں لاہور مورخہ فروری ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔

مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

اکبر شاہ صاحب ۱۸۶۵ء کو صوبہ یوپی کے مردم خیز خطہ نجیب آباد ضلع بجنور میں پیدا ہوئے، آپ کے والد مولوی محمد نادر شاہ خاں صاحب بھی بڑے فاضل بزرگ تھے ابتدائی تعلیم گھر ہی میں اپنے والد سے حاصل کی، پھر ایک معمولی مدرس کی حیثیت سے زندگی شروع کی، پہلے نجیب آباد کے ایک مڈل اسکول میں ٹیچر رہے پھر اسی گورنمنٹ ہائی اسکول میں فارسی مدرس مقرر ہو گئے مگر یہاں دل نہ لگا، ملازمت چھوڑ کر پنجاب آ گئے۔ جہاں عرصہ دراز تک مختلف صیغوں میں کام کرتے رہے، یہیں انھوں نے اپنی پہلی کتاب مرقاۃ الیقین شائع کی، کچھ دنوں زبان سنگھ کانپور اور موتی لال کے بمبرج میں پروفیسر رہے ایک ہفتہ وار اخبار کی ادارت بھی کی اور چند دنوں روزنامہ زمیندار کے ایڈیٹر بھی رہے پھر دل برداشتہ ہو کر نجیب آباد واپس چلے گئے جہاں ماہوار رسالہ عبرت جاری کیا اس رسالہ میں اکثر تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے اس کے بعد مولانا تاریخی کتابیں لکھتے رہے یہاں تک کہ ۱۹۳۵ء کو فوت ہو گئے

تاریخ اسلام آئینہ حقیقت نما یا مقدمہ تاریخ ہند، اسلامی سیاسیات، زندگی۔ مذہب اور تلوار، معیار العلماء، سلطنت، غزوہ آپ کی تصانیف ہیں۔[1]

آئینہ

(۱) یہ ادبی سنہ ۱۹۲۱ء کو یہ ماہانہ مجلہ داراہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ ڈاکٹر عطاء اللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

رسالہ جادو ۹ کا کرمورخہ جولائی سنہ ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ چھپا تھا۔

"محمود الہ آباد سے کسی اچھے اردو میگزین کا نکلنا ایک مدت سے محسوس کیا جارہا تھا۔ الحمدللہ کہ آئینہ اس ضرورت کو اپنی جلوہ نمائی سے پورا کر رہا ہے کاغذ و طباعت کے ساتھ اور ملک کے تجربہ کار مشہور نگاروں کے رشحات قلم سے بھرپور ماہوار شائع ہورہا ہے جو اپنے نظم و نثر کے ادبی مضامین کی وجہ سے ملک میں اچھی قبولیت حاصل کر رہا ہے اللہ کرے حسن قلم اور زیادہ سالانہ چندہ پانچ روپے ہے۔

تحفۂ خوشتر

گورکھپور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۱ء کو جلوہ فگن ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ بابو ہر دوست سنگھ خوشتر اس کے ایڈیٹر تھے۔ اور اس کا سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

---

[1] نقوش مکاتیب نمبر جلد دوم ص ۹۵۵

اس رسالہ پر جادو ڈھاکہ مورخہ جولائی ۱۹۲۱ء کو حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

"خورشید کو ایک کافی مدت سے اردو کی سرپرستی کا فخر حاصل ہے اور ایک زمانہ میں ریاض الاخبار، فتنہ اور دامن گل چین جیسے پرچے یہاں سے نکلتے تھے۔ اور اب بھی جناب حکیم برہم کا شرق صحیح اردو کا علمبردار رہیں سے نکلتا ہے۔ حضرت وسیم کی شاعرانہ شخصیت ملک میں کسی تعارف کی محتاج نہیں اور ان کی نگرانی میں ادب اردو کے جو کام ہو گا ظاہر ہے کہ وہ ہماری تعریف و تحسین سے مستغنی ہو گا۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ اردو رسیدی کے ناگوار ہنگامہ کے اثر سے آزاد ہو کر یا بو مردت سنگھ خورشتر اس ماہوار رسالہ کو نکال رہے ہیں جس میں اکثر طرحی کی غزلیں ہوتی ہیں اور کئی صفحے نثر کے بھی ہوتے ہیں جس میں سخن سنجی کی معنوی داد دی جاتی ہے تحفہ خورشتر اپنی حیثیت سے ادبی دنیا میں اچھا کام کر رہا ہے اور تلامذہ خاندان امیر اعلیٰ اللہ مقامہ کے رشحات فکر سے ہر نمبر مالا مال نکلتا ہے۔ چندہ سالانہ دو روپے آٹھ آنے ہے۔"

بہار — بزم عزیزی مالیگاؤں ضلع ناسک کا یہ دو ماہہ میگزین ۱۹۲۱ء کو نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ تسکین لکھنوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپے آٹھ آنے تھا۔

اس رسالہ پر سراج الکلام امروہہ مورخہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

یہ وہ ہی مجلہ ہیں جو صفحات ادب لطیف کے فروغ کی ذمہ داری کا حق ادا کر رہا ہے وہ ظاہر مستقل اور ترقی کرنے والا پرچہ ہے۔

ہزار داستاں

یہ ماہانہ رسالہ لاہور سے ۱۹۲۱ء کو جاری ہوا ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید ممتاز حسین سہا مجددی حصہ نظم کے، حصہ نثر کے حکیم احمد شجاع ایڈیٹر تھے۔ بعد میں سید عابد علی عابد، لاہوری وغیرہ نے اس کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔

مولانا سید ممتاز حسین سہا

مولانا سہا بلند شہر کے رہنے والے تھے سرخ و سفید رنگ تھا جسم دبلا پتلا قد شکل سے ۳۰ انچ ہو گا، ایف اے تک تعلیم پائی تھی یونیورسٹی سے ڈگری حاصل کی تھی۔ ان کا ہندوستان کے ادیبوں میں شمار ہوتا تھا۔ غزل لکھنے میں تو وہ اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے ہندوستان کے شعرا کاملین کی صف اول میں جگہ پائی تھی۔

کچھ عرصہ تک حیدرآباد میں اپنے عزیزوں کے ہاں رہے اس کے بعد رسالہ ہزار داستاں کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں شامل ہوئے پھر ریاست خیرپور میں پرائیویٹ سکرٹری کے فرائض انجام دیتے رہے۔

مولانا اس قدر مختصر قد کے ساتھ ایک بہترین منتظم بھی تھے ہر قسم کے اشخاص مانند کرلیں ملازموں اور افسروں کو اپنی مٹھی میں کرنا آپ کی قابلیت کا ایک ادنی کرشمہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر لوگ

اکثر مذاق اڑاتے تھے لیکن جب علامہ سہا نے ترجمان مرحوم جانے سے ۵۱ لاہور میں سہا شاعروں کی بڑی رونق تھے ہر جگہ بڑے شوق و طلب سے بلائے جاتے تھے، آپ لاہور میں رہنے کے بعد جبل پور چلے گئے وہاں سے پھر لاہور نہیں آئے۔

فی البدیہہ اشعار کہنے میں آپ کو خاص مہارت حاصل تھی پنجاب کے ادب نواز حلقوں کا حکیم فقیر محمد چشتی نظامی نے ایک واقعہ بیان کیا تھا جس سے مولانا سہا صاحب کی غیر معمولی ذکاوت کا اندازہ ہو سکتا ہے ۵۲

ایک بے تکلف محفل جمی ہوئی تھی آرٹ اور لٹریچر کے متعلق نئے نئے مباحث پیدا کیے جا رہے تھے کہ یکایک کسی شخص کا ذکر ہونے لگا یہ عام طور پر مشہور تھا کہ مولانا سہا خواہ کس قدر شور ہی ہوا ہو ذرا گفتگو پر فوراً فی البدیہہ شعر کہہ دیتے تھے، موضوع سخن وہی شخص قرار دیا گیا جس کا ذکر ہو رہا تھا۔ مولانا ذرا الگ ہو کر بیٹھ گئے محفل اسی طرح جاری رہی اور کبھی کبھی مولانا بھی درمیان گفتگو فقرہ چست کر دیتے تھے تھوڑی دیر کے بعد مولانا نے دس بارہ اشعار کی ایک غزل کہہ دی جس کے پہلے دو شعر یہ تھے ؎

پیرہن حسن کا ہے انداز پائمال
ہر عشوہ بے محابا، ہر غمزہ لا ابال

---

۵۱ نقوش لاہور نمبر صفحہ ۹۶۳

۵۲ نیرنگ خیال لاہور نمبر ۱۹۲۵ء صفحہ

دل میں نہیں محبت اور مہربانیاں ہیں
سا فرشتہ بنے سے پڑ، کیفیتوں سے خالی

مولانا سہا صاحب کے کلام میں ایک خاص ترنم اور جوش غبال ہے جس کی وجہ سے ہر مشاعرہ میں دوسرے شعرا سے زیادہ کامیاب ہوتے تھے۔

مولانا نے مطالب الغالب کے نام سے دیوان غالب کی ایک بلیغ شرح بھی لکھی تھی جو ... صفحات تھے نسخ مبارک علی اندرون لاہور ... دروازہ نے اس کو چھاپا تھا، وہیں فروخت ہوتی تھی۔

سید عابد علی عابد

عابد صاحب لاہور کے رہنے والے تھے ... ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم زیرہ اسماعیل خاں میں پائی تھی جہاں ان کے والد فوج میں ملازم تھے۔ بعد میں رنگ محل اسکول لاہور میں تعلیم پاتے رہے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے کی ڈگری اور ایل ایل بی کے امتحانات بہ سلسلہ کلاس اور فرسٹ ڈویژن میں بھی پاس کرچکے تھے۔ بی اے کے بعد آپ رسالہ دل کش اور ہزار داستان کی ادارت کے فرائض انجام دیتے رہے، ہزار داستان حکیم احمد شجاع صاحب کی ادبی رسائی کا ایک گراں قدر ثمر تھا اس میں بلند پایہ مضامین چھپتے تھے، علاوہ ازیں اردو کا پہلا رسالہ تھا جس میں خالص اردو اور افلاطونی ادب کی اشاعت کا التزام کیا جاتا تھا، نیز اور ہزاران پنجاب کے بہترین مضمون نگار اپنی دماغی کاوشوں کے نتائج اسی کے ... وقف کئے ہوئے تھے۔ عابد صاحب نے بھی

ان دنوں کئی افسانے لکھے جن کو بعد میں جمع کر کے کتاب کی صورت
میں شائع کیا گیا تھا۔ ہزار داستان کے زمانہ کے بعد حضرت عابد
کا مطالعہ کا دور شروع ہوا اور اس دوران انھوں نے انگریزی اور
عربی کے تنقیدی ادب کا مطالعہ کیا۔ اس اثنا میں آپ کو ایم اے
کا امتحان دینے کا بھی خیال پیدا ہوا جس کی وجہ سے آپ کا ذوق
مطالعہ تفحص و تحقیق کی حد تک پہنچ گیا۔ چنانچہ آپ نے عمر خیام پر
ایک معرکۃ الآرا مضمون بعنوان "عمر خیام اور اس کا عہد" لکھا۔ یہ
مضمون ادبی دنیا کی مسلسل آٹھ اشاعتوں میں شائع ہوا اور اس قدر
وقعت کی نگاہوں سے دیکھا گیا کہ اس کا ترجمہ بنگالی زبان میں
بھی شائع ہوا۔ ایم اے کی تکمیل کے بعد عابد صاحب دیال سنگھ
کالج لاہور میں فارسی ادب کے پروفیسر مقرر ہوئے اور دو سال
کے بعد انگریزی پڑھانے لگے دیال سنگھ کالج میں چار سال تک
کام کرنے کے بعد کرسچین کالج لاہور میں شعبہ السنہ شرقیہ کے صدر ہو گئے
جہاں کچھ عرصہ کام کرنے کے بعد دیال سنگھ کالج میں واپس چلے آئے
ہزار داستان کے دور میں جو نظمیں اور غزلیں عابد صاحب نے لکھی ہیں
وہ خالص غنائی ہیں یعنی ان میں الفاظ کی موسیقی اور دلکشی کی
طرف زیادہ میلان کا اظہار کیا گیا ہے اور جوانی کے رومان بھرے جذبات
نہایت بے باکی سے نظم کئے گئے۔ اس دور کی شاعری میں حسرت
موہانی کا اثر زیادہ نمایاں ہے لیکن اس میں مسائل حیات سے قطعاً
بے اعتنائی اور کمی ہے۔ جوانی کے دن تھے۔ عام غنائی شاعروں کی
طرح ان کے الفاظ بھی عشق و محبت کے محور پر گردش کرتے رہے

[illegible] میں ان کی شاعری میں انقلاب عظیم پیدا ہوا۔ اب عابد صاحب زندگی کے متعلق اپنا ایک نظریہ قائم کر چکے تھے جو رجائیت پر مشتمل تھا اور وہ بھی ذاتی رجائیت نہیں بلکہ کائناتی یعنی ازلی و دائم۔ اب کی حیات میں ایک توازن ایک ہم آہنگی نظر آتی تھی اب ان کے معانی زیادہ لطیف ط عجب ان طور پر ہونے لگے تھے یعنی حسین و دلکش الفاظ میں لطیف و لطیف معانی آپ کے اشعار کی خصوصیت بن گئی تھی، اس دور کی شاعری میں موسیقی اور ترنم کا جزو بھی شامل ہے جو غالباً ان کی مہارت موسیقی کا نتیجہ ہے چنانچہ آپ نے چند ایک گیت بھی مختلف راگوں میں لکھے ہیں اس دور میں ان کا کلام اتنا چھپا تھا اور اس سے اتنا کم ہے کہ ادبی دنیا کے کسی رسالہ میں شائع نہیں ہوا۔ اردو شاعری کو ساقی نامہ سے روشناس کرانے کے آپ ہی ذمہ دار ہیں اس ساقی نامہ میں آپ نے اپنی انفرادی اسلوب فکر کو قائم رکھتے ہوئے فارسی ساقی ناموں کے اصول کی پیروی کی ہے لیکن ساقی نامے کی معاشرتی فضا خالص پنجابی ہے۔

عابد صاحب مخلص دوست اور زندہ دل انسان تھے۔ طبیعت میں ظرافت کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی تھی گفتگو تحریر سے بھی زیادہ شگفتہ اور پر لطف ہوتی گھنٹوں باتیں سنتے رہیئے تو طبیعت سیر نہیں ہوتی تھی اعلیٰ درجے کے نقاد اور تنقید کرتے ہوئے اپنی فطری بذلہ سنجی سے دلچسپی کا سامان بہم پہنچاتے تھے لیکن زبان پر قابو اس قدر ہے کہ سیفو اور آسکر وائلڈ کے مذاکرات بھی اس پر لطف انداز میں بیان کرتے تھے کہ آپ کو ان کے مشرب کی داد دینی پڑتی تھی، آپ کی تصانیف سحاب زندگی، حسرت اور دوسرے افسانے نیرنگ اور

داستان دیگر ہیں ۱؎

نقاش ازل ہے محوِ تصویر بہار
تنویر سے ہو رہی ہے تعمیر بہار
تاروں کی طرح چمک رہی ہے دنیا
تفسیر ہے رنگ و بو کی تعبیر بہار

وارفتۂ عہد جوانی ہوں میں
تصویر بہار شادمانی ہوں میں
دنیا کا ہے آب و رنگ مجھ سے قائم
یہ کس نے کہا کہ نقش فانی ہوں میں

ترچھی نظر لکھنؤ سے یہ ادبی ماہنامہ ۱۹۲۲ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

مضامین کے لحاظ سے وہ تجربہ کار ارباب قلم کی نسبتوں سے پاک ہے۔

مسلمان یہ رسالہ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ سے ۱۹۲۱ء کو جاری ہوا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی عبدالمجید خادم اس کے ایڈیٹر تھے۔

اس رسالہ میں مختلف مباحث پر متعدد مضامین چھپتے تھے

۱؎ شعراء پنجاب ص ۱۳۵۲

الامان

بجنور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۱۲ء کو وجود میں آیا، سولہ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر جناب مولانا مظہر الدین صاحب تھے۔

مولانا مظہر الدین صاحب نے بجنور سے ۱۹۱۲ء میں ایک ہفتہ وار دستور جاری کیا۔ حکومت نے اس اخبار کی ضمانت ضبط کرلی تو یہ اخبار بند ہوگیا۔ اس اخبار کے بند ہونے کے بعد مولانا نگینہ تشریف لے گئے اور منشی منیر احمد صاحب رئیس نگینہ سے ایک ہفتہ وار اخبار نکالنے کی تجویز ہوئی۔ اخبار کا نام کیا رکھا جائے اس پر غور ہوا۔ چنانچہ اخبار کا نام شاہ امان اللہ والی افغانستان کے نام کی مناسبت سے اخبار الامان رکھا گیا جو ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔ عوام نے بھی اس نام کو پسند کیا۔ تھوڑے سے دنوں میں یہ اخبار عوام میں مقبول ہوگیا اور جب شہرت کے مدارج طے کرنے لگا تو ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دو بار کر دیا گیا۔ اس اخبار کو پورے ملک میں پہنچانے کے لئے مسیح الملک جناب حکیم اجمل خاں صاحب کے مشورہ سے مولانا مظہر الدین صاحب نے ۱۹۲۲ء کو دفتر "الامان" دہلی میں منتقل کر دیا۔

ہفتہ وار اخبار میں تازہ تازہ اور نوبہ نو خبریں شائع نہیں ہوسکتی تھیں اس لئے اس کو روزانہ کر دیا گیا۔ جس کی وجہ سے اس کی بے حد شہرت ہوئی اور اس قدر مقبول ہوا کہ ان کا حلقہ علی الصباح اس کو دیکھنے اور پڑھنے کے انتظار میں رہتا تھا۔ اور جس وقت تک اس اخبار کو پڑھ نہیں لیتا تھا ان کو اطمینان حاصل

نہیں ہوتا تھا۔ مولانا منظر الدین صاحب کی شہادت کے بعد یہ اخبار نکلتا رہا ملک ۱۹۴۷ء میں تقسیم ہوا دہلی سے ۔۔۔ گیا تھا کراچی سے بھی نکالا گیا لیکن زیادہ دن چل نہیں سکا اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔

پیغام

یہ ہفتہ وار اخبار کلکتہ سے ۱۹۲۱ء کو ظہور پذیر ہوا آٹھ صفحات کبھی بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اس کے مدیر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد اور نائب مدیر مولانا عبدالرزاق ملیح آبادی تھے۔

پہلے شمارے میں مولانا محمد علی و شوکت کی گرفتاری پر حضرت مولانا آزاد نے یہ تحریر فرمایا تھا۔

''تم سے صرف اتنا چاہتے ہیں کہ تھوڑا سا سامان، تھوڑی سی جسمانی راحت، تھوڑی سی ذہنی اور خیالی آرائش۔ لیکن تمام تر غفلت و نفس پرستی اسی مقصد کی راہ میں قربانی کردو، سودیشی کا عہد، بائیکاٹ کی تکمیل، ترک موالات کی سچی تعمیل مجاہدین انگورہ کی مالی اعانت، گناہ و معصیت سے دل کی پاکی اور خدا و شریعت سے کامل اطاعت کا رشتہ، یہی ان گرفتاران حق کی قربانی کی اصل قیمت ہے جو ملک کو ادا کرنی ہے''

پہلے شمارہ میں ایک طویل افتتاحیہ بھی لکھا تھا جس میں ترکِ موالات کی تحریک کا پورا فلسفہ بیان کیا تھا اور لوگوں کو تلقین کی تھی کہ وہ جرات واستقامت اور عدم تشدد کے اصول پر کاربند رہتے ہوئے تحریک جاری رکھیں۔

لبرٹی

لاہور سے یہ روزنامہ ۱۹۲۱ء کو جلوہ افروز ہوا۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر لالہ شام لال کپور تھے۔

یہ اخبار بھی ترک موالات کا حامی تھا۔ اس کی اشاعت بہت جلد پانچ ہزار تک پہونچ گئی تھی۔

یہ اخبار ہندوؤں کے مفادات کی ترجمانی بڑے زور شور سے کرتا تھا۔ چنانچہ گائے کے ذبیحہ کے خلاف پیش پیش تھا، پہلے ہی سال میں ایک قابل اعتراض مضمون کے سلسلہ میں نہ صرف پرچہ ضبط ہوا بلکہ تین ہزار کی ضمانت بھی ضبط ہوگئی اور حکومت نے پریس پر بھی قبضہ کر لیا۔ ۱۹۲۴ء میں پرچہ کی اشاعت اتنی کم ہوگئی تھی کہ اسے پہلے سہ روزہ بنایا گیا، پھر بند ہوگیا۔

دین دنیا

چتلا گنبد دہلی سے ۱۹۲۱ء کو یہ علمی و دینی رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ بانی بھیا احسان الحق، چیف ایڈیٹر منشی سید ظہور احمد وحشی، نگراں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

پانچ سال وحشی صاحب نے اس رسالہ میں کام کرنے کے بعد علیحدگی اختیار کر لی اور یہ رسالہ جناب شوکت فہمی صاحب کی ایڈیٹری اور ملکیت میں آگیا۔ فہمی صاحب نے اس رسالہ کو چار چاند لگا دئے اور آج تک پرانی وضع پر جاری ہے۔ اس کے ایڈیٹوریل نوٹس قابل مطالعہ ہیں، آزادی کے ساتھ نکتہ

چھپتی کرتا ہے۔ اس رسالہ کا دفتر چھتہ شیخ منگلو جامع مسجد پر ہے۔

ارتقاء حیدرآباد دکن سے یہ ماہوار رسالہ ۱۹۲۱ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر مولوی افضل شریف تھے۔

اپنے ادبی معیار کی وجہ سے یہ رسالہ حیدرآباد کے ادبی حلقوں میں جلد مقبولیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ اس کے لکھنے والوں میں عبداللہ المسدوسی، احمد الدین احمد زور، ولدیت حمید الوالکلام، فیض محمد، غلام محی الدین اصغری، نظامی سرور، مسز سعید تمکین کاظمی اور ناصر علی بیگ وغیرہ تھے۔

ارتقاء میں ادبی مضامین کے علاوہ مذہبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے مولوی افضل شریف صاحب کا رجحان مذہب اور تبلیغ کی طرف مائل تھا۔ ارتقاء مالی مشکلات کی وجہ سے زیادہ دنوں تک نہ چل سکا اور بند ہوگیا۔



سنہ ۱۹۲۲ء

نگار یہ ادبی وعلمی وتاریخی رسالہ فروری سنہ ۱۹۲۲ء کو بھوپال سے جلوہ فگن ہوا۔ اس کے صفحات کی کوئی تعداد مقرر نہیں تھی اس کے ایڈیٹر حضرت نیاز فتحپوری اور معاون مدیر محمود آزاد تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ نگار آگرہ میں چھپتا تھا اور وہیں سے ہر مہینے پارسل کے ذریعے بھوپال جاتا اور وہاں سے ڈاک کے ذریعہ روانہ کیا جاتا تھا۔ حضرت نیاز نے پہلے شمارہ میں نگار کے اغراض ومقاصد کا کوئی ذکر نہیں کیا ان کو اپنی ذات پر بھروسہ تھا وہ اپنے پڑھنے والوں پر اعتماد کرتے تھے کہ وہ رسالہ کے مضامین کی روشنی میں اغراض ومقاصد کا تعین کرلیں گے۔

پہلے شمارے میں وضاحت کے ساتھ تو اغراض ومقاصد پر روشنی نہیں ڈالی ہے لیکن چند اہم اشارے ضرور ملتے ہیں۔ پہلا اشارہ یہ ہے۔ وہی شخص جو کل قصص وحکایات سے آسودہ ہو جاتا تھا آج زیادہ

کار آمد لٹریچر کا خواہشمند ہو سکتا ہے اس کا بنیادی سبب زمانہ کے رجحانات کے ساتھ ذوق ادب کی تبدیلی ہے اور اسی تبدیلی نے عہد حاضر کے "مذاق" کو زیادہ وزنی بنادیا ہے ؎

دوسرا اہم اشارہ یہ بھی ہے کہ

ادبیات کے ساتھ فنون لطیفہ، تاریخ مذہب علوم وفنون اور سیاست ۔ ان میں سے کوئی موضوع حلقہ بیرون رہے گا

۱۹۲۳ء میں بھی کتنے ہی رسالے مختلف شعبوں اور علوم وفنون کے لئے مخصوص تھے لیکن اردو صحافت میں یہ صورت حال نہ تھی اس لئے حضرت نیاز نے نگار کو تمام مضامین و موضوعات کا افق بنانے کے لئے مقصد قرار دیا اور انہوں نے بڑے واضح الفاظ میں اعلان کیا ۔

"نگار کو خالص ادبی رسالہ تو نہ بننے دوں گا"

ملاحظات کا سلسلہ اپریل ۱۹۲۳ء سے شروع ہوا ۔ جس میں انہوں نے یہ بھی لکھا تھا ۔ کہ :

"میں ہمیشہ کیلئے بتادینا چاہتا ہوں کہ اس رنگ (ٹگوریت) کا کوئی ادبی مضمون شائع نہیں ہو سکتا ۔ جب تک اس میں کوئی ندرت نہ پیدا کی جائے"۔ یہ رائے حضرت نیاز کے ادبی سفر کو سمجھنے کے لئے نشان راہ کا درجہ رکھتی ہے ۔ جون ۱۹۲۳ء کے شمارے میں ہزار داستان کا خیر مقدم کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔

"ہمیں یہ معلوم کر کے بہت مسرت ہوگی کہ حکیم احمد شجاع بی اے جو افسانہ نگاری اور ڈرامہ نویسی کا خاص ذوق رکھتے ہیں ایک رسالہ "ہزار داستان" لاہور سے جاری کر رہے ہیں جس کا تنہا مقصد مختصر افسانہ

نویسی کو رواج دینا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ پنجاب اور اسمیں بھی خصوصیت کے ساتھ سرزمین لاہور نے جس قدر اردو ادب کی خدمت انجام دی ہے وہ ہمارے لئے باعث صد شکر ہے"۔

یہ خیال اس حقیقت کا گواہ ہے کہ یوپی والوں میں سے سب سے پہلے نیاز صاحب ہی نے لاہور کو اردو ادب کا جدید مرکز تسلیم کیا۔

اس کے علاوہ افسانہ کے رواج کو ادب کی اہم خدمت تصور کرتے ہیں۔ نگار کو انہوں نے ادب وعلوم کا "سنگم" بنایا اور ادبی صحافت کی ترقی کے لئے انہوں نے ہر دور میں اس بات کی اہمیت کو تسلیم کیا کہ اردو میں مختلف موضوع متعلق جداگانہ رسالے جاری ہونے چاہیئے۔

۱۹۲۷ء میں نگار کا دفتر آگرہ سے بھوپال منتقل ہو گیا تھا۔ اسی سال "ملاحظات" کی وسعت بڑھتی چلی گئی۔ اور اسمیں وہ شان پیدا ہو گئی جسکی بناء "ملاحظات" کی خاطر کتنے ہی لوگ حلقہ نگار سے وابستہ ہو گئے نیاز صاحب نے اوّل اوّل اڈیٹر کی جگہ رئیس التحریر اپنے نام کے ساتھ لکھنا شروع کیا۔ اسمیں تعلّی کا رنگ نظر آیا تو اس کے متعلق [illegible]ء کے شمارے میں لکھا۔

یہ لفظ محض ایڈیٹر کا مترادف ہے اور مصر میں عام طور پر ایک چیپ ایڈیٹر اسی لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضرت نیاز بعد میں نظر ثانی کی اور رئیس التحریر کو مدیر اور ایڈیٹر میں بدل دیا۔

[illegible]ء میں نگار کے اہم مضمون نگار (معاون) ضیائی، ل احمد، محمود اکبرآبادی، امتیاز علی تاج، قمر الحسن قمر، سہا علیگ، فانی بدایونی، جوش ملیح آبادی، مولانا حامد حسن قادری، آغا حیدر حسن دہلوی،

عزیز لکھنوی، حکیم احمد شجاع، وحشت کلکتوی، خلیق دہلوی، راز چاند پوری، ابین حزیں اور شاد عظیم آبادی تھے۔ ۱۹۲۳ء میں اس فہرست میں شاہ دلگیر اکبر آبادی، مجنوں گورکھپوری، پروفیسر نعیم الرحمٰن، سیماب اکبر آبادی، حضرت مولانا حسرت موہانی، اور ساغر نظامی کے ناموں کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۲۴ء کے نگار کے سرورق پر ایک تصویر نظر آئی۔ تصویروں کی اشاعت کا سلسلہ اس سے شروع ہو گیا تھا۔ زیب النساء کی ایک نادر تصویر کے علاوہ بعض سائنسی مضامین کے ساتھ رنگین تصویر شائع ہوتی تھیں لیکن آخر میں حضرت نیاز نے اس حسن ظاہری کو نگار کا جز نہ سمجھا۔ اس کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ بعض دوسرے رسالے اس کام کو بہتر طور پر کر رہے تھے۔ دوسری وجہ مالی مشکلات بھی ہو سکتی ہیں اس کے علاوہ نگار کی اس تشکیلی دور میں حضرت نیاز ایک طرف نگار کیلئے مضامین و موضوعات کا دائرہ وسیع کر رہے تھے اور دوسری طرف اس کی ظاہری صورت کے باب میں تجربے کر رہے تھے۔ نگار نے اپنے آپ کو تسلیم کرا لیا تھا۔ لیکن اس کا خالق مطمئن نہ تھا۔

"گذشتہ حیات دو سالہ پر ایک بسیط تبصرہ کرنے کی خواہش میں اپنے اندر شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ لیکن میں ایسا نہیں کروں گا کیونکہ رسالہ کے متعلق اس وقت تک میری وہ آرزوئیں پوری نہیں ہوئیں جو اس سے قبل پیدا ہو چکی ہیں۔"

مئی ۱۹۲۴ء سے ہمیں نگار کے تبصروں میں زیادہ تفصیلی اور وسعت نظر آتی ہے۔ غیر اہم کتابوں پر تبصرے آگے نہ بڑھے۔

لیکن اہم کتابوں کا ذکر خاص تفصیلی سے شروع کیا گیا۔ حضرت نیاز نے بعد میں تو اہم کتابوں کا ذکر "ملاحظات" میں کرکے ادبی صحافت میں ایک مستحسن روایت کو مستحکم کیا۔ مئی کے شمارے میں ابن رشد (مولوی محمد یونس انصاری فرنگی محلی) اور دیوان شاد حصہ اوّل پر سیر حاصل تبصرے کیے گئے۔ اس سال بھی دو اہم سلسلہ نگار میں شائع ہوئے۔ ہندی شاعری (نیاز) اور زبان اردو (رشید احمد صدیقی)۔

نگار کے مضمون نگاروں میں ہر سال نئے ناموں کا اضافہ ہوتا تھا۔ لیکن اسمیں سے بیشتر لکھنے والوں کا دائرہ بیان محدود تھا۔ اور حضرت نیاز یہ طے کر چکے تھے کہ نگار کبھی خالص ادبی رسالہ نہ بنیگا۔ اس لیے ان ابتدائی پرچوں میں انہیں نگار صفحات کو اپنا خون جگر پلانا پڑا۔ حضرت نیاز نے ابتدائی تین سال میں کم و بیش ڈھائی ہزار صفحات خود مختلف موضوعات پر لکھے۔

اکتوبر ۱۹۲۵ء میں حضرت نیاز نے اس صورت حال کا ذکر اسطرح بیان کیا ہے۔

"اس مہینہ تقریباً سارا رسالہ کو اپنے مضامین سے پر کرنا پڑا۔ نگار کے دور حیات میں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اور گذشتہ تین سال ۹ ماہ کے رسالوں کی اگر ورق گردانی کی جائے تو معلوم ہو سکتا ہے ۴۴۷۲ صفحات میں مشتمل سے ایک ہزار صفحات کے مضامین غیروں کے ہونگے اور باقی تقریباً تین ہزار صفحات ادارت کی طرف سے پیش ہوئے ہوں گے۔"

اس کے کئی اسباب تھے پہلا سبب تو یہ تھا کہ نگار کے شروع میں مضامین

لکھنے والے نہیں تھے اور دوسرا سبب بقول حضرت نیاز یہ تھا۔
"مجھے نگار کے مخصوص حلقۂ احباب سے گلہ ہے کہ اپنے اپنے افکار دماغ سے میرا ساتھ نہیں دیا۔"
پرانے لکھنے والوں کی گروہ بندی اور شکایت کے بعد حضرت نیاز نے اس عہد کی نئی نسل سے اپنی توقع وابستہ کرتے ہوئے لکھا۔
"پس ضرورت ہے کہ ملک میں نئے لکھنے والے پیدا ہوں اور نوجواں میں یہ ذوق رونما ہو۔"
۱۹۲۵ء میں ملاحظات کا دائرہ اور وسیع ہو گیا۔ جس سیاسی شعور اور سیاست کا ذکر انہوں نے نگار کے پہلے شمارے میں کیا تھا اسکا حقیقی آغاز نومبر ۱۹۲۵ء سے ہوا۔ دوسری خوشگوار اور اہم تبدیلی ۱۹۲۵ء میں یہ نظر آئی ہے کہ اہم کتابوں کا ذکر حضرت نیاز نے ملاحظات میں شروع کیا۔ پہلے پہل دسمبر ۱۹۲۵ء میں یاس یگانہ کی کتاب شہرت کاذبہ یا خرافات عزیزیہ پر حضرت نیاز نے تبصرہ کیا انہوں نے آگ کو بجھانے کی کوشش کی۔ حضرت نیاز نے وقتی اور سمٹتے ہنگاموں کو ہمیشہ ادب کے لئے مضر سمجھا۔ ویسے وہ ہمیشہ سے مرد میدان رہے اور اہم مسائل پر پیٹھ نہیں دکھائی۔
نگار میں حصہ نظم ہمیشہ سے انتہائی مختصر رہا ہے۔ یہ بھی نگار کی ایک روایت ہے کہ اسنے ہمیشہ شاعری کے نمونوں کو اپنے دامن میں جگہ دی جن میں فنی پختگی، ہمارد دوں کے تقاضے اور فکری عنصر موجود ہو۔ حضرت نیاز نے نگار کے ابتدائی دور میں بار بار حصہ نظم کی کمی کا شکوہ کیا ہے۔ اقبال اور ان کے اکابر ہمعصروں کی آواز فضا میں گونج رہی تھی لیکن شاعروں

کی اکثریت اس وقت یہی "جنگ گل" سے بلبل کے پر باندھ رہی تھی نگار نے اسکے خلاف بڑی قوت سے آواز بلند کی۔ اکتوبر ۱۹۲۵ء کے نگار میں لکھتے ہیں۔

اجراء نگار سے قبل میرا خیال تھا کہ ملک کے ذوق شعری میں خوشگوار تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ اور گل و بلبل کی داستان پارینہ سے لوگ بیزار ہو چکے ہیں۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ میں غلطی پر ہوں اور ہندوستان علی الخصوص یوپی ان دماغوں کو پیدا کرتے ہیں۔ ابھی تک فیاضی سے کام لے رہا ہے جن کی عامیانہ نگاہ حسن کو صرف ظاہری سطح پر سمجھنے پر قانع ہے اور جن کے یہاں فرسودگی خیال اور کسی کی بیان کا پابند رہنا اس صنع میں داخل ہے۔"

۱۹۲۵ء اور ۱۹۳۰ء میں نگار کے ارباب قلم میں جو نام نظر آتے ہیں ان میں محمد اکبر حیدری، آزاد انصاری، رشید احمد صدیقی، ثاقب کانپوری، حامد اللہ افسر، ہادی مچھلی شہری، حضرت سید ابوالاعلیٰ مودودی، مسعود دوقی، سید عابد علی عابد، مولانا احسن مارہروی، اثر لکھنوی، وصی احمد بلگرامی، ابوالخیر مودودی، جناب ضیاء الدین برنی، طالب الٰہ آبادی، اور جلیل قدوائی کے نام ممتاز ہیں۔ ۱۹۲۶ء میں حضرت نیاز نے پہلی بار اردو صحافت کے ایک اہم مسئلہ پر اظہار خیال کیا یعنی لیتھو کی جگہ ٹائپ کو قبول و استعمال کرنے کے بارے میں۔

"کسی ملک کی صحافت اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک کہ لیتھو کو ترک نہ کیا جائے"۔

اپنے اس ارادے کے باوجود حضرت نیاز نگار کو ٹائپ میں نہیں

چھاپتے ہیں۔ نگار کے فائل ہمیں کئی اہم لیکن فراموش کردہ علمی کارناموں سے بھی آگاہی بخشتے ہیں مئی ۱۹۲۶ء میں حضرت نیاز نے جناب منہاج الدین پروفیسر طبیعات اسلامیہ کالج پشاور کی کتاب "نظریہ اضافت" پر ملاحظات میں تبصرہ کیا تھا۔

"نظریہ اضافیت زمانۂ حال کا جدید ترین نظریہ ہے جسے جرمنی کے ایک ماہر طبیعات "آئین اسٹائین" نے پیش کیا ہے۔ یہ نظریہ کیا ہے اس سے طبیعات کے اصول میں کیا انقلاب پیدا ہوتا ہے اور ہم اس کی مدد سے کائنات کا کس قدر علم حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ وہ مسائل ہیں جنھیں فاضل پروفیسر نے نہایت سہل و آسان زبان میں پیش کیا ہے۔ چونکہ نظریہ اضافت کے سمجھنے کیلئے طبیعات کے بعض ابتدائی مسائل علی الخصوص علم الحرکت کو سمجھ لینا ضروری ہے اس لئے اس کتاب میں سب سے پہلے طبیعات کے بعض ایسے ضروری مسائل کو سمجھایا گیا ہے تاکہ اصل مدعا کے ذہن نشین ہونے میں آسانی ہو۔"

۱۹۲۷ء میں مکانی اعتبار سے نگار کا نیا دور شروع ہوا۔ فروری ۱۹۲۷ء کو نگار بھوپال سے لکھنؤ منتقل ہو گیا۔ اس انتقال مکانی کا کوئی اثر نگار کی خصوصیات اور اخراجات پر نہیں پڑا لیکن لکھنؤ نگار کی بدولت ادبی مرکز بن گیا وہ لکھنؤ جس کی فضا ادبی جرائد کو راس نہ آئی تھی وہاں سے نگار ۲۵ سال تک پابندی سے نکلتا رہا اس نقل مکانی کا ذکر مارچ ۱۹۲۷ء کے نگار میں حضرت نیاز نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ لکھنؤ کو (جس حد تک صحافت کا تعلق ہے) اب کوئی علمی ادبی مرکزیت حاصل نہیں ہے ورنہ یہاں کا ذوق عام

ایسا ہے جس پر اعتماد کر کے کوئی نشاط عمل اپنے اندر پیدا کر سکے اور یہی سبب ہے کہ یہاں کی آب و ہوا کو رسائل کے لئے ناموافق کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر مصر کی شاہنشاہی پر لندن کو ترجیح دی جا سکتی ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ میں لاہور و دہلی کی آسانیوں پر لکھنؤ کے مصائب و مشکلات ترجیح نہ دوں جسے فتحپوری کا زیادہ نزدیک ہونے کا فخر حاصل ہے۔[11]

۱۹۲۶ء میں تمکین کاظمی، نظیر لدھیانوی، ڈاکٹر اعجاز حسین، ملا رموزی، پروفیسر محفوظ الحق، اعظم کریوی، آسی غازی پوری، روش صدیقی، علی عباس حسینی، سید علی اختر حیدرآبادی اور عبدالقادر سروری کے افکار نظم و نثر پہلی بار نگار میں شائع ہوتے۔ اردو کے مشہور و معروف نقاد، ادبی مورخ جناب حامد حسن قادری نگار کے اس دور میں ایک نئے روپ میں نظر آتے ہیں۔ یعنی افسانہ نگار کی شکل میں۔

۱۹۲۷ء کا سال اس اعتبار سے بھی نگار کی زندگی کا ایک اہم سال ہے کہ ارباب قلم نے نگار کی اہمیت کو پانچ سال میں تسلیم کر لیا کہ کہاں اس کا یہ حال تھا کہ تین چوتھائی رسالہ حضرت نیاز کو خود لکھنا پڑتا تھا اور کہاں یہ تبدیلی ہوئی۔ چنانچہ حضرت نیاز اس تبدیلی کا ذکر ستمبر ۱۹۲۷ء کے شمارے میں کرتے ہیں۔

"رفتہ رفتہ ارباب قلم نے خود بغیر کسی استدعا کے نگار کو توجہ کے قابل سمجھا اور اپنے مضامین بھیجنے شروع کئے۔ یہاں تک کہ آج اگر میں تمام شدہ مقالات کو رسالہ کی ضخامت دوچند کرنے کے بعد بھی شائع کر دوں تو دسمبر سے قبل ان کی اشاعت ختم نہیں ہو سکتی۔"[12]

۱۹۲۶ء کا پہلا شمارہ جنوری ۱۹۲۷ء کے مضامین کے انتخاب پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے اسے نگار کے پہلا خاص نمبر قرار دیا جا سکتا ہے اس وقت تک حضرت نیاز کے ذہن میں خاص نمبروں کا کوئی منصوبہ نہ تھا اگرچہ نگار کے خاص نمبر بعد میں اردو کی ادبی صحافت کا گراں قدر سرمایہ ہے فروری ۱۹۲۶ء کے شمارے میں حضرت نیاز نے تحریر کیا۔

"نگار کا کوئی خاص نمبر نکلتا ہے اور نہ اسکا کوئی سالنامہ شائع ہوتا ہے البتہ کبھی کبھی بغیر کسی التزام و تعین کے ضخامت زیادہ کر دی جاتی ہے ...... اگر کوئی صاحب نگار کے کسی ایسی مخصوص اشاعت کو سالنامہ وغیرہ کے لفظ سے یاد کرتے ہیں تو اسکی ذمہ داری انھیں پر ہے"

حضرت نیاز نے اسی شمارے میں ایکبار تصویر کی اشاعت کی اہمیت کا ذکر کیا ہے لیکن اس بات کا اظہار افسوس کیا ہے کہ اس وقت تک نگار کی مالی حالت اس قابل نہیں ہوئی کہ وہ اسی معیار کی تصاویر شائع کر سکے جو اسکے مضامین کا ہے۔

اسی شمارے میں حضرت نیاز نے چند اہم ہمعصر رسالوں کا ذکر بھی نہایت تعریف و توصیف کے ساتھ کیا ہے یعنی ہمایوں نیرنگ خیال اور مخزن کا ذکر، ہمایوں کے بارے میں انہوں نے لکھا۔

"رسالہ ہمایوں اور نگار کی ابتدا و ساتھ ساتھ ہوئی۔ جس طرح نگار نے ایکبار روش قائم کرنے کے بعد اسکو ترک نہیں کیا اسی طرح ہمایوں نے بھی اپنا سمت مقصود نہیں بدلا بلکہ اسکو یہ امتیاز زیادہ

حاصل ہے کہ تصاویر بھی شائع کرتے ہیں جن میں سے اکثر اچھے ذوق کا پتہ دیتی ہے"

اسی طرح حضرت نیاز نے نیرنگ خیال کے حسن اور مخصوص نمبروں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "آج غالباً اس سے زیادہ کامیاب رسالہ اس باب میں کوئی نہیں"

سنہ ۱۹۲۹ء میں مرقع چغتائی پر حضرت نیاز کا مفصل تبصرہ شائع ہوا۔ جس مصور کی تصویروں کے بارے میں انہوں نے یہ لکھا تھا کہ مجھے قطعاً پسند نہ تھیں اس کے اس کارنامہ کی حضرت نیاز نے دل کھول کر داد دی۔ یہ بات حقیقت پر دلالت کرتی ہے کہ حضرت نیاز کبھی اپنی رائے بدلنے میں بخل سے کام نہیں لیتے تھے ان کا ذہن تعصب سے بالاتر تھا چغتائی آرٹ پر انہوں نے یہ بھی تبصرہ کیا تھا۔

"لوگ کہتے ہیں کہ چغتائی کی تصویروں کی آنکھ ناک انگلیاں بہ خلاف اصل اور مضحک ہوتی ہے لیکن یہ وہی لوگ ہیں جو چغتائی کے آرٹ کی اصل روح سے واقف نہیں۔ اور جن کی پسندیدگی آیازی نقاشی سے آگے نہیں بڑھی"۔

سنہ ۱۹۳۰ء کا سال نگار کی زندگی کا ایک اہم سال ہے۔ خاص نمبروں اور سالناموں کی روایت کا آغاز نیرنگ خیال اور دوسرے رسالے کر چکے تھے۔ سنہ ۱۹۳۰ء نگار نے نمبر بازی سے اپنے آپ کو بچائے رکھا۔ لیکن جب سنہ ۱۹۳۰ء سے حضرت نیاز نے خاص نمبر پبلش کرنے شروع کئے تو اسکے یہی نمبر ساری تاریخ ادب کا نہایت ایک باب بن گئے اردو رسالوں میں سے کسی رسالے کے نمبروں میں سے تاریخ ادب کی تخلیقوں

کے مقامات از سرِ نو تعین کا عظیم الشان کارنامہ انجام نہیں پایا۔ یہ فخر نگار کے حصّہ میں آیا۔

جنوری ۱۹۴۳ء میں نگار کا شاہ ظفر نمبر شائع ہوا۔ ۱۵۰ صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں مضامین ہیں لیکن ان کے موضوعات کی تقسیم ایسی ہے کہ شاہ ظفر کی شاعری کے ساتھ ان کے عہد کے ادبی، سیاسی و تمدنی حالات ہمارے سامنے آجاتے ہیں۔ اس نمبر میں یہ مضامین شامل تھے۔

ظفر کی شاعری:	حضرت نیاز فتحپوری
بہادر شاہ اور پھول والوں کی سیر	مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی
عہد ظفر میں دہلی کی شاعری	طاہرہ خاتون
دہلی کا آخری دیدار	سید وزیر حسین دہلوی
عہد ظفر کے سیاسی و تاریخی حالات	عبدالمالک آروی

دربار ظفر اور عہد ظفر کے شعراء

طاہرہ خاتون

۱۹۴۳ء سے ۱۹۶۲ء تک نگار کے خاص نمبروں میں مصحفی نمبر، نظیر نمبر، ریاض نمبر، اردو شاعری نمبر، حسرت نمبر، غالب نمبر کے اور اقبال نمبر، تنقید نمبر، جدید شاعری نمبر، انتقاد نمبر، اصناف سخن نمبر، افسانہ نمبر، عملی تنقید نمبر، داغ نمبر نے ہماری ادبی تاریخ کے اہم خلا پُر کر دیئے۔ ان ادبی نمبروں کے علاوہ اس دور میں نگار نے کئی علمی تاریخی نمبر، علماء اسلام نمبر، اسلامی فرماں روان نمبر، شیخ الاسلام نمبر، خدا نمبر، اسلامی ہند نمبر اور پاکستان نمبر

شائع کیے۔ نگار نے ایک طرف ماضی کے ادب اور ثقافتی ترکہ سے ہمارے رشتہ کو استوار کیا۔ دوسری طرف ہمیں حال کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور مستقبل کے مسائل کو سمجھنے کی بصیرت عطا کی۔[1]

حضرت نیاز فتحپوری بڑے کالج کے سند یافتہ نہیں تھے نہ زیادہ وقت انہوں نے تعلیم میں گزارا۔ فتحپور کے مسلم اسکول میں درسی کتابوں کی تکمیل کی ابتداء میں حضرت نیاز نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کا آغاز تھانے داری سے کیا۔ ان کے والد ماجد بھی پولس میں ملازم تھے لیکن حضرت نیاز کو پولس کی ملازمت راس نہیں آئی۔ اور جلد ہی اس سے سبکدوش ہو گئے۔ فتحپور سے آپ دہلی تشریف لائے حضرت خواجہ حسن نظامی اور ملا واحدی صاحبان کے ساتھ خطیب کی ادارت میں حصہ لیا۔ کچھ سال کے بعد آپ بھوپال پہنچے۔ وہاں سے آپ نے ۱۹۲۲ء میں رسالہ نگار جاری کیا اور ادبی میدان کو اپنی جولان گاہ بنایا اور زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ وہ اس میدان میں اپنے ہمعصروں سے آگے نکل گئے۔ یہاں تک کہ اپنے زمانہ میں اردو کے سب سے بڑے ادیب گرثابت ہوئے اور آپ کی تنقید نے بڑے بڑے جگادریوں کے تختے ڈھیلے کر دئے۔

حضرت نیاز فتحپوری ایسے جامع کمالات اور ہمہ گیر شخصیت اردو ادب نے بہت کم پیدا کی ہے۔ اردو کے صاحب طرز، ادیب، صحافی، شاعر، نقاد، افسانہ و ناول نگار، مورخ، ماہر لسانیات، ماہر جنسیات کو کسی ایسی

---

[1] نگار پاکستان نیاز نمبر حصہ دوئم سالنامہ ۱۹۶۲ء مضمون نگار اور اسکی روایات از سید ابو الخیر کشفی ص۷۶۔

صورت تھی جو اردو کے اس نابغہ ثانی میں پائی نہیں جاتی۔

نیاز صاحب کے ادبی عظمت کے بیان کرنے کے لئے ایک دفتر چاہیئے۔ اردو ادب میں تاریخ و تنقید کا وہ کون سا شعبہ ہے جس میں نیاز صاحب نے اپنی انمٹ چھاپ نہ چھوڑی ہو۔ ادب کے جس میدان میں بھی انہوں نے قدم رکھا ہے اسے اپنی تحقیقات اور کارناموں سے شہرت دوام عطا کی۔

حضرت نیاز ادیب و صحافی ہونے کے ساتھ اچھے اور با اخلاق انسان بھی تھے۔ آپ دوستی نباہنا جانتے تھے۔ طبیعت میں ضد یا ہٹ نہیں تھی اپنی غلطی کو ماننے میں ان کوئی عار نہیں ہوتا تھا۔

جناب مانی جائسی ان کے دوستوں میں سے تھے انہوں نے اپنا ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے ان کے اخلاق کی بلندی پائی جاتی ہے وہ تحریر کرتے ہیں۔

"نیاز صاحب جیسے اپنی علمی و ادبی خصوصیات میں فرد کامل ہیں ویسے ہی بحیثیت انسان اور بحیثیت دوست، دوست ہیں بڑی خوبی یہ ہے کہ ان کے دل میں اپنے ملنے والوں کیلئے مدارج نہیں اپنا ایک ہی خانہ میں سب کو نہیں رکھتے۔ ــــــ نیاز صاحب کی شگفتگی اور حلم ان کے قابل رشک خصائص ہیں۔ بھوپال میں ہمارا حلقہ احباب چند افراد پر مشتمل تھا۔ روزانہ ملاقاتیں ہوتی رہتی تھی اور کیا کہوں زندگی کس لطف سے گزرتی تھی۔ خود نیاز صاحب، ملک حبیب احمد، قمر الحسن، ابو الاعلیٰ مودودی اور ان کے بڑے بھائی ابو الخیر مودودی، ماسٹر ناصر علی وہ لطف مستزاد ہوتا جو دوسرے تیسرے

مہینے میں دو چار روز کیلئے ضیائی اور لطیف کے آجانے سے میسر ہو جاتا تھا جسمی بلند پایہ ادیب تھے۔ ضیائی تو بڑے ہی خوش گو شاعر بھی ہیں۔ ماسٹر ناصر علی بھی شعر خوب کہتے تھے۔ بھوپال ہی کا ذکر ہے میرے اور نیاز صاحب کے درمیان شکر رنجی ہو گئی تھی اب ان کی شرافت نفس دیکھئے۔

"ایک روز بعد مغرب میں لکھیرہ پورہ بھوپال میں اپنے بالا خانہ پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ دفعۃً کسی نے پکارا۔ میں اٹھکر زینہ پر گیا۔ وہیں سے دریافت کیا۔

کون صاحب ہیں	میں ہوں نیاز محمدؐ۔
فرمائیے	کیا میں اوپر آسکتا ہوں۔
تشریف لائیے	آئے اور بیٹھکر کہنے لگے۔

بھائی صاحب میں اس پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ دراصل میرا کوئی قصور ہے یا نہیں۔ جو الزام بھی آپ مجھ پر رکھتے ہوں تسلیم ہے لیکن دنیا میں اگر خطاء کوئی چیز ہے تو عفو بھی کوئی چیز ہے۔

میں نے فی الفور کہا۔ اچھا نیاز صاحب معاف کیا۔

کہنے لگے یوں معافی نہیں کیا دل سے کدورت نکال دیجئے۔

میں نے کہا کیا آپ میرے قول و عمل میرے دل کی بات نہیں سمجھتے نیاز صاحب اب کوئی میرے دل میں ملال نہیں ہے اور میں وہی ہوں جو آپ کے نزدیک کبھی تھا۔ نیاز صاحب کے اس فقرہ نے اگر دنیا میں خطاء کوئی چیز ہے تو عفو بھی کوئی چیز ہے۔ میری روح کو جیسے جھنجھوڑ دیا اور ہرگز طولانی سے طولانی معذرت مجھے اس طرح متاثر نہ کر سکتی تھی

یہ فقرے ان کے تفکر اور نفسیاتی مہارت کا کارنامہ ہے اور میں نے اکثر صحبت احباب میں ذکر کیا ہے۔

حضرت نیاز صبر و استقامت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے کتنی ہی سخت مصیبت و پریشانی آجاتی بڑی آسانی کے ساتھ برداشت کر لیتے تھے۔ ؎ۃ

واقعی حضرت نیاز مرد آہن تھے۔ آپ کے ایک دوست نسیم انوی نے ایک اسی قسم کا واقعہ بیان کیا ہے۔

"میں اس مضمون میں نیاز صاحب کے علمی اور ادبی صلاحیتوں پر کسی طرح کی روشنی ڈالنا نہیں چاہتا۔ اس سلسلہ میں ہندوستان کے بڑے بڑے اہل علم یقیناً بہت کچھ لکھیںگے۔ ہاں نیاز صاحب کے کردار کا ایک واقعہ پیش کرتا ہوں۔ جس میں مثالی طور پر متاثر ہوا تھا۔ اور اس واقعہ سے یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں کہ نیاز صاحب واقعی ایک مرد آہن ہیں۔

جب میرا دفتر حریم نیاز صاحب ہی کے آفس میں تھا تو میں اکثر نیاز صاحب کی چھوٹی بیٹی شوکت کو گود میں لیکر کھلایا کرتا تھا اس لڑکی کو نیاز صاحب شاید دنیا میں سب سے زیادہ چاہتے تھے اور اسکا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے اسکی شادی ایک ایسے لڑکے سے کی جو انہیں کے ساتھ رہنے پر مجبور تھا اور اس طرح شادی کے بعد نیاز صاحب کو شوکت کی جدائی کا صدمہ اٹھانا پڑا۔ دن گزرتے گئے

ۃ نگار پاکستان نیاز نمبر حصہ دوئم مئی جون ۱۹۶۳ء ص ۱۶۱۔

شوکت بھی بھرپور گلاں بن گئی تھی اور یہ بچے بھی نیاز صاحب کے بہت عزیز تھے۔ گھر پر شوکت کا ہی اقتدار تھا۔ اچانک ایک روز چھ بجے شام کو مجھے یہ خبر ملی کہ شوکت کا انتقال ہو گیا۔ میں گھبرایا ہوا نگار آفس پہنچا۔ اس لئے کہ جانتا تھا کہ شوکت کا انتقال نیاز صاحب کیلئے ایک ناقابل برداشت صدمہ ہوگا۔ نیاز صاحب شوکت کو دنیا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔"

"میں سوچتا تھا تعزیت کے طور پر کیا کہوں گا کون سے الفاظ نیاز فتحپوری جیسے انسان کو سکون بخشینگے۔ ان خیالات میں مگن میں ان کے کمرۂ نشست میں داخل ہوا۔ چند لوگ اور بھی وہاں موجود تھے۔ کمرہ میں اسطرح کی خاموشی طاری تھی جیسی موت کے بعد گھر پر طاری ہوتی ہے۔ ایک کرسی پر میں بیٹھ گیا۔ شوکت کو میں نے گود میں کھلایا تھا۔ گو اب برسوں سے میں نے اسے دیکھا بھی نہ تھا لیکن اسکے باوجود ۲۵ سال قبل کا تعلق و محبت بالکل فنا نہیں ہوئی تھی میرا دل بھی اسکی جوان مرگی پر رو رہا تھا۔ میری آنکھوں سے آنسو نکلنے کے لئے تیار تھے اور یقیناً میں سمجھتا ہوں کہ نیاز صاحب اگر سانحہ کا ذکر فرماتے تو میں زار و قطار رونے لگتا لیکن آپ یقین کرینگے کہ ابھی میں اپنے تعزیتی الفاظ کو زبان تک لا بھی نہ سکا تھا۔ کہ نیاز صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں اپنے دفتری قادر کو آواز دی اور پھر مجھے مخاطب کر کے انہوں نے کہا آپ خوب آگئے میں بلوانے ہی والا تھا ایک کتاب چھپ رہی ہے اس میں ایک نقشہ ہے کیسے چھپیگا آپ ہی اسکا انتظام کر دیجئے۔ قادر آگیا تھا نیاز صاحب نے اسے اس کتاب کا فائل لانے کا آرڈر دیا۔ فائل آگیا اور نیاز صاحب مجھے وہ نقشہ دکھا کر سمجھانے لگے۔ میں اسوقت

حضرت نیاز کتنی خوبصورت منطقی دلیل تراشنا کے سلسلہ میں دیتے ہیں کہ طبیعت کھل اٹھتی ہے۔ ان کا اعتراض ہے کہ تراش کر کوئی چیز بنانا اسکا مقتضی ہے جس سے کہ وہ چیز جیسے تراشتے ہیں اپنی پہلی نا تراشیدہ حالت سے چھوٹی ہو جائے نہ کہ بڑی۔ ستاروں سے ذرّے تو تراشے جا سکتے ہیں ذرّوں سے ستارے نہیں تراشے جا سکتے بنائے جا سکتا ہے۔

حضرت جگر کی شاعری کے متعلق ان کی رائے ملاحظہ ہو۔

"جگر مراد آبادی کی شاعری کے متعلق ایک کی رائے ہے کہ وہ خارش قسم کی شاعری ہے کہ آپ جتنا کھجائیں گے اتنا ہی زیادہ لطف آتا ہے لیکن ہے بہر حال خارش ہی۔ اس رائے مجھے اختلاف ہے اور وہ یہ کہ یہ خارش وہ نہیں ہے جسکے زیادہ کھجانیسے زیادہ لطف آتا ہے بلکہ آپ نے اسے کھجایا اور سوزش پیدا ہوئی یعنی جبتک ان کی زباں سے آپ افکار کلام سن رہے ہیں غنیمت ہے لیکن جہاں آپ نے بزم سخن سے ہٹ کر اس پر غور کرنا شروع کیا اسکی قلعی اترنے لگی۔"

ان کی کڑی تنقیدوں اور عقائد شکن تحریروں نے حضرت نیاز کے خلاف ایک ملک گیر رد عمل شروع کر دیا۔ جسکو انہوں نے برداشت کیا۔

حضرت نیاز ایک صاحب طرز ادیب تھے ان کے طرز تحریر میں بڑی رنگینی اور بے ساختگی پائی جاتی تھی۔ انہوں نے افسانہ، تاریخ، تنقید اور تحقیق کیلئے جداگانہ اسلوب بیان اور طرز تحریر استعمال کیا ہے لیکن رنگینی عام ہے اور تخیئل کی آمیزش ہر جگہ جھلکتی ہے اردو ادب میں حضرت نیاز ایک خاص ادبی دور کے رہنما تھے جنکو جمالیاتی دبستاں کہنا چاہئے رومانیت اور جمالیت دونوں کی ادبی تخلیقات کی بہت نمایاں

خصوصیتیں ہیں۔ ؎۵

حضرت نیاز نے ناتمام اور نارسا شاعری کی سخت گرفت کی ہے انہوں نے زبان اور خیال کے اعتبار سے اردو کی بھونڈی شاعری کے خلاف آواز بلند کر کے اردو ادب پر بڑا احسان کیا ہے اور اس سلسلہ میں انہوں نے اردو کے بڑے اور نامور شاعر غالب، اقبال، جوش وغیرہ کسی کو نہیں بخشا ۔ اردو شعرا میں مومن، حسرت موہانی، فانی بدایونی اور علی اختر کے مداح ۔ ان تنقیدوں میں مومن کا جائزہ بہت فکر انگیز ہے وہ مومن کے اتنے شیدائی اور قدر داں تھے کہ ایک جگہ انہوں نے لکھا۔

"مجھے کلیات مومن دیدو باقی سب اٹھالے جاؤ"

مکتوبات نیاز میں ایسے بیشمار خطوط ملتے ہیں جو اپنی بے ساختگی اور ادبیت کے لحاظ سے خطوط غالب کا پر تو معلوم ہوتے ہیں۔ حضرت نیاز کے خطوط میں ایک دلکش اور وسیع ادبیت ہے ان میں طنز بھی ہے ظرافت بھی چھیڑ چھاڑ بھی ہے اور تیر و نشتر بھی ۔ وہ ایک ادبی شعور کے آئینہ دار تھے ۔ حضرت نیاز ۸۲ سال کی عمر میں کراچی میں سرطان جیسے موذی مرض کا ۲۴ مئی ۱۹۶۶ء کو شکار ہوئے ۔

حضرت نیاز نے اپنی زندگی اور اپنے فوت ہونے کے بعد اردو کے تقریباً تمام عظیم ادیبوں سے خراج تحسین وصول کر لیا۔ تھا ان کے مخالفین اور موافقین سب ہی ان کی ادبی عظمت کے قائل تھے مجنوں گورکھپوری لکھتے ہیں۔

؎۵ چند یادیں مولف خواجہ جمیل احمد ص۲۹۲

"ان کے تحریری کارناموں میں افسانے اور ادبی تنقید کے علاوہ ایک ضخیم حصہ متفرقات کا بھی ہے جن میں ، اخلاق و حکمت، اقتصادیات و معاشرت، ارضیات و فلکیات، جنسیات، علم نجوم اور سیاسیات غرضیکہ زمین و آسمان کا کونسا قضیہ تھا جسکو حضرت نیاز نے نہ چھیڑا ہو اور جسکو اپنے طرز تحریر کے جادو سے اپنے پڑھنے والے کیلئے دلکش نہ بنایا ہو۔ اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نیاز صاحب نے جب کبھی کسی ادبی موضوع کو اٹھایا تو کافی تحقیق اور چھان بین سے کام لیکر اسے بڑے سلیقہ سے پیش کیا"

جناب فراق گورکھپوری بھی حضرت نیاز سے اپنی عقیدت کا اظہار کرچکے ہیں۔

"نیاز صاحب ہمارے ادب اور تہذیب کے قطب مینار ہیں۔ میں قریب قریب بہتر برس کی عمر میں یہ کہتے ہوئے فخر محسوس کرتا ہوں کہ میں نے ان کی تحریروں سے اردو سیکھی ہے ایک فیض کا درسگاہ رہا ہے میں تو یہ کہوں گا کہ جو ادیب معتقد نیاز نہیں وہ آپ سے بہرہ ہے"۔

حضرت نیاز پر ایک ایک نہایت قابل قدر مفکر، مقالہ نگار، افسانہ نگار، نقد و تبصرہ نگار اور ایک بلند پایہ اسٹائلسٹ کی حیثیت سے اگر اختصار سے بھی لکھا جائے وہ ایک دفتر ہو جائیگا۔

اردو کے انقلابی شاعر جناب جوش ملیح آبادی جنکی شاعرانہ لغزشوں سے مہینوں نگار کے صفحات سیاہ ہوتے رہے۔ حضرت نیاز کے متعلق انہوں نے یہ تحریر کیا ہے۔

حضرت نیاز ان چند انے گنے استثنائی افراد میں سے ہیں جن کے پیدا کرنے کے لئے یہ دون پرور آسمان ازل سے ابد تک بخل کرتا چلا آرہا ہے جب میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان کی ایک ذات کے احاطے میں اتنے اخلاقی شہر آباد ہیں۔ اتنے شعور کے لشکر پڑاؤ ڈالے ہوئے ہیں اور رامش و رنگ کی اتنی برائیں اتری ہوئی ہیں تو بے ساختہ دل چاہتا ہے کہ ان کو گلے سے لگالوں۔ کاش نیاز فتحپوری کا سا خالق طرز انشا پرداز کسی زندہ قوم میں پیدا ہوتا۔ لیکن کیا کیا جائے۔ ع

"ہائے وہ عقل جو نرغے میں ہو دیوانے کے"

ھمایوں یہ ماہنامہ ادبی رسالہ منزنگ لاہور سے جنوری ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اسکے ایڈیٹر میاں بشیر احمد بی اے آکسن بیرسٹرایٹ لا، جوائنٹ ایڈیٹر مولانا تاجور نجیب آبادی (فاضل دیوبند تھے) سالانہ چندہ پانچ روپے تھا مرکنٹائل پریس لاہور میں طبع ہوتا تھا۔ یہ رسالہ میاں بشیر احمد صاحب نے اپنے والد میاں شاہدین ہمایوں کی یادگار میں جاری کیا تھا۔ اغراض و مقاصد یہ تھے۔

(۱) ہمایوں بالعموم ہر ماہ کے نصف اول میں شائع ہوا کریگا

(۲) علمی و ادبی، تمدنی و تاریخی، اخلاقی و روحانی مضامین بشرطیکہ وہ معیار ادب پر پورے اتریں درج کئے جائیں گے۔

(۳) دل آزار تنقیدیں اور دل شکن مذہبی مضامین درج نہ ہونگے۔

(۴) ایسے تراجم یا طبع زاد مضامین کے لئے جو پر معلومات

ہوں اور محنت وکاوش سے لکھے جائیں ۔ صاحب مضمون کے ایما پر بالعموم ایک روپیہ فی مطبوعہ صفحہ معاوضہ پیش کیا جائیگا۔

اچھے اور معیاری مضمون پر سو روپے معاوضہ دیا جائیگا جس کا اعلان رسالہ ہمایوں میں چھپتا تھا۔ جو یہ تھا۔

اردو رسالوں میں غالباً ہمایوں سب سے پہلا رسالہ ہے۔ جسے حالات کی مساعدت نے یہ موقع دیا کہ وہ اہل قلم کو بیگاری کے درجہ سے بالاتر سمجھے اسی لئے پہلے نمبر میں یہ اعلان کر دیا گیا کہ جو پرمغز پر معلومات اچھوتے مضامین محنت وکاوش سے لکھے جائینگے صاحب مضمون کے ایما پر انکا معقول معاوضہ پیش کیا جائیگا۔ اسی سلسلہ میں اب یہ تجویز کیا گیا ہے کہ ذیل کے اہم عنوان پر مضامین لکھوائے جائیں۔

"اردو ہندوستان کی ملکی زبان کیونکر بن سکتی ہے"

(۱) سب سے بہتر مضمون جو منصفوں کی رائے میں اوّلیت کے معیار کو پورا اترے ہمایوں کے سرمایہ سے ساٹھ روپئے اور اسی حیثیت میں دویم نمبر کے مضمون پر چالس روپئے بطور انعام پیش کئے جائینگے۔

(۲) اور اگر مضامین سے مقرر کردہ معیار پر کوئی پورا نہ اترے مگر ان میں بعض مضامین مفید اور جاذب توجہ ثابت ہوئے تو اول و دیم پر انعام کی مقدار منصفوں کی رائے پر مقرر کی جائیگی۔

(۳) تمام مضامین ایک کمیٹی میں پیش ہونگے۔ جسکے ایک رکن

آنریبل خان بہادر شیخ عبدالقادر بی اے بارایٹ جج ہائیکورٹ پنجاب ہونگے باقی دو ہمایوں کے دونوں ایڈیٹر۔
(۴) مارچ کا ہمایوں چھپنے کے بعد تین ماہ تک مضامین کا انتظار کیا جائیگا۔ یہ طویل مدت اسلیے تجویز کی گئی تاکہ زیادہ غور و مطالعہ کے بعد مضامین پر مغز پر معلومات اور مدلل پیرایہ میں لکھے جائیں۔
(۵) مضامین فلسکیپ سائز کے زیادہ سے زیادہ تیس اور کم سے کم دس صفحات پر ہونے چاہئیں۔
ہمایوں معیاری جریدہ تھا۔ اسکے مضمون نگار ملک کے مشہور و معروف حضرات تھے جن کے اسمار گرامی یہ تھے۔
مولانا عبدالحلیم شرر، خواجہ حسن نظامی، اکبر الہ آبادی، سید امتیاز علی تاج، مولانا اطہر ہاپوڑی، مرزا احسان احمد بی اے، میاں عبدالعزیز صاحب بی اے، مولانا رضا علی وحشت کلکتہ، مولانا ثاقب کانپوری، مولانا ابوالاعلی مودودی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا ابوالکلام آزاد، مولوی ابوالخیر مودودی، لالہ گوتم دیو صاحب اسلامیہ کالج، ساغر نظامی، مولانا وجاہت حسین جھنجھانوی، جناب حامد اللہ صاحب افسر میرٹھی، روشن صدیقی جوالاپوری، مولانا قدرت میرٹھی، پروفیسر رام سروپ کوشل بی اے علیگ، بشیر حسین خاں ورش، مولانا شیرازی شادانی رامپوری، خلیق دہلوی، جناب محمد موسیٰ خاں رئیس تاؤلی علیگ، مرزا ضیم بیگ فہیم گوالیاری، مولوی ابوالمحاسن محمود علی صاحب، مولانا محمد یوسف صاحب قیصر بھوپالی، آغا سید عابد علی صاحب نیر، اکبر کلدائی، دیوانہ بریلوی، آزاد

سہارنپوری، صفدر علی شارق کانپوری، اسد علی خان صاحب، ایڈیٹر شمس ملتان، شوکت قدوائی لکھنوی، مولوی سید مناموگو یا جہاں آبادی وغیرہ۔

ہمایوں کی ایڈیٹروں کی پالیسی یہ تھی کہ اردو زبان سہل اور عام فہم ہو۔ اس میں عربی و فارسی کے ادق الفاظ استعمال نہ کئے جائیں چنانچہ انہی خیالات کا اظہار "بزم ہمایوں" کے عنوان کے تحت جنوری ۱۹۲۲ء کے شمارے میں کیا گیا ہے۔

عام طور پر اردو کے رسالوں کی زبان بہت ادق ہے اردو والوں میں اکثر عربی فارسی لفظوں کی بہتات ہے جیسا ہندی والوں میں سنسکرت کے لفظوں کی بوچھاڑ ہے۔ ہندی والے اگر ہندوستان ہی کی قدیم زبان سے اپنے لفظوں کی ذخیرہ تیار کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اگر وہ غلطی پر ہیں تو رہیں ہم کہ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اب بجائے خود غلط راہ چلنے کے یہ کیوں نہ کریں کہ آپ ان سیدھے راستے پر چلنے لگیں اردو کیا ہے ہندو مسلمانوں کے بولنے کی زبان سو اس میں دونوں قوموں کی زبانوں کے الفاظ ہونے چاہئیں۔ عام زبان جو اصطلاحی نہ ہو اگر ہمیں عام فہم لفظ ملیں تو ہم کس لئے مولویانہ اور پنڈتانہ فقرے استعمال کریں ہم قارئین کیوں کہیں یا ٹھیک کیوں کہیں پڑھنے والے کیوں نہ کہیں۔ ریاض کیوں کہیں گلزار کیوں کہیں باغ اور پھلواڑی کیوں نہ کہیں۔ ہم کم از کم اتنا تو ہو آسان لفظوں کو کبھی کبھی لکھا کریں اور اکثر کوشش کریں کہ اگر وہی مطلب کہ ثقیل زبان میں ادا ہو جائے تو مشکل طریق سے ادا نہ کریں مثلاً سیدھے راستے کے بجائے کبھی راہ راست لکھ لیا جائے

تو خیر گناہ نہیں لیکن صراط مستقیم جائز ہو تو ں مارگ کیوں چوڑھا دی جائے۔ مذہبی کتابوں میں یا کسی خاص ضرورت کے بعد آپ صراط مستقیم یا سرل مارگ بھی کہلیں لیکن اگر ہمیں کہنا ہے تو سیدھے راستے چل تو کیا ضروری ہے کہ یہی کہیں تو صراط مستقیم پر چل اور اگر یہی ضد ہے کہ اسی میں لطف آتا ہے کہ بڑے بڑے عالمانہ تسکین لفظ بولے یا لکھے جائیں تو پھر ٹھنڈی سڑک کو بھی صراط منجمد کہیے۔ آنکھ کو بھی عین یا نین ہی کہا کیجیے۔ لیکن ایسا کرنا تکلف یا بناوٹ میں داخل ہوگا۔ قدرتی بات نہ ہوگی۔ اس سے بول چال میل جول میں قوم قوم میں آدمی آدمی میں خواہ مخواہ کی رکاوٹیں پیدا ہو جائینگی۔ جیسے ہوتے ہوئے دلوں کا ملنا مشکل اور آہستہ آہستہ ناممکن سا ہو جائیگا۔"

پھر دور میں اس رسالہ پر اس کے معاصرین نے ریویو کئے اور اسکی خدمات کو سراہا اور تعریفیں کیں۔

ٹربیون لاہور ۲۱ جنوری ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

ایک نیا اردو رسالہ ہمیں اردو کا ایک رسالہ ہمایوں کا پہلا نمبر موصول ہوا ہے اس نمبر میں اردو کے بہت سے مشہور انشاپردازوں کے نظم و نثر کے مضامین ہیں۔ جسٹس عبدالقادر نے پنجاب میں اردو" پنڈت بشمبر ناتھ ایڈیشنل سے "شالامار باغ" اور سر میاں محمد شفیع نے تعلیم پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں۔ خواجہ حسن نظامی کا مضمون شاہان مغلیہ کی آخری قبر" دلکش ہے مشہور شاعر ڈاکٹر اقبال نے ہمایوں پر ایک نظم لکھی ہے جسکے مقابلہ پر ہمایوں کی نہایت خوبصورت

عکسی تصویر - جناب اکبر کے چند غیر مطبوعہ اشعار مولانا گرامی
مرحوم، نظام کی غزل کے علاوہ مشہور اردو شاعر مثلاً طباطبائی
محروم، شوق اور عزیز وغیرہ کا کلام درج ہے۔ ہمایوں میں بہت سی
دلآویز جدتیں ہیں یعنی ایڈیٹروں کے نہایت دلچسپ نوٹ ہیں۔
جو ہمیشہ موجود رہینگے "جہاں نما" اور "علمی مشاغل" کے تحت
دلچسپ ادبی و علمی خبریں درج ہیں - ایک صفحہ یاد ایام پر۔ ایک
صفحہ لغات الجاہلین پر ہے - جو بہت پر ظرافت ہے اور دس انگریزی
اور اردو رسالوں سے مختصر اقتباسات درج ہیں سارے کا سارا
رسالہ دلچسپ ہے - اسمیں ظاہرہ خوبصورتی کیساتھ باطنی خوبیاں
بھی موجود ہیں - جسکی رو سے یہ تمام اردو ماہوار رسالوں پر فوقیت
رکھتا ہے - کاغذ چھپائی لکھائی عمدہ ہیں سرورق دلکش ہے - ہم ادب سے
دلچسپی لینے والے حضرات کی خدمت میں اسکی پر زور سفارش کرتے ہیں۔"

روزنامہ کیسری لاہور مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۲۲ء نے اس رسالہ پر یہ ریویو
کیا تھا -

"اخبار کی مصروفیتوں کی وجہ سے مجھکو لٹریچر کے پڑھنے کی فرصت نہیں
ملتی لیکن رسالہ ہمایوں کی ظاہری خوبصورتی اور دلکشی نے ہمیں اس کے
مطالعہ کیلئے مجبور کر دیا - یہ رسالہ جسٹس شاہ دین کی یادگار میں مستقل
فنڈ سے زیر ایڈیٹری میاں بشیر احمد صاحب بی اے آکسن، مولانا تاجور
نجیب آبادی فاضل دیوبند جاری ہوا ہے - اسکے مضمون نگاروں کی فہرست
میں ہندوستان کے بہتر سے بہتر انشاء پردازوں کے نام نظر آتے ہیں
آنریبل شیخ عبدالقادر بار ایٹ لا جج ہائیکورٹ، آنریبل سر محمد شفیع وزیر تعلیم گورنمنٹ ہند

نواب حیدر یار جنگ، لالہ تلوک چند محروم، مولانا نیاز فتحپوری کے نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں مضامین نثر نہایت دلچسپ ہیں اور نظمیں ملک کے بہترین شعرا کی ہیں میاں صاحب مرحوم کی تصویر شائع کی گئی ہے اعلیٰ درجہ کا ولایتی کاغذ لکھائی چھپائی دیدہ زیب۔ ہمایوں کے مجموعی مطالعہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ ایسا دلکش اور دلچسپیوں سے بھرا ہوا رسالہ اردو رسالوں میں کوئی نہیں ہے ملک کو ایسے شاندار ادبی رسالوں کی قدر کرنی چاہیئے۔ اسمیں ادبی، علمی، اخلاقی، تمدنی ظریفانہ جس قدر بھی مضامین ہیں اس قابل ہیں کہ ہر علم دوست انہیں پڑھیں ہم اپنے ناظرین سے پرزور سفارش کرتے ہیں کہ وہ ہمایوں کو خرید کر ہماری طرح اسکے مطالعہ سے لطف اٹھائیں۔ رسالہ کی ظاہری اور باطنی شان و شوکت کے مقابلہ میں چھ روپے سالانہ چندہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

تیسرا تبصرہ جادو ڈھاکہ مورخہ دسمبر ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر چھپا تھا۔

"جناب محترم میاں بشیر احمد بار ایٹ لاء لاہور اور فاضل دیوبند مولانا تاجور نجیب آبادی کی مشترکہ ادارت میں بیادگار جسٹس شاہ دین یہ ماہوار مجلہ دیدہ افروز ناظرین ہوتا ہے یہ مشترکہ ادارت اس امر کی ضامن ہے کہ مضامین کی بلند پایگی کے ساتھ حسن طباعت اور مسکن خوبیاں بھی موجود ہوں پنجاب میں یہ مجلہ ہر حیثیت سے ممتاز ہے اور حسن مذاق اور قابلیت کے ساتھ ایڈٹ کیا جاتا ہے۔ ہر نمبر میں تصویر بھی ہوتی ہے اور ساتھ ہی حصہ نظم بھی بہت دلکش ہوتا ہے۔ ہم اسکے بقاء اور ارتقاء کے متمنی ہیں اور چاہتے ہیں کہ وہ اپنے مجد و جلال کو ہمیشہ قائم رکھے"

اس رسالہ ہمایوں نے کافی عمر پائی اور شہرت حاصل کی اور ہندوستان کے کافی مشہور و معروف ادیبوں نے اسکی ادارت فرمائی۔ چند صحافیوں کے حالات زندگی ملاحظہ ہوں۔

بشیر احمد زار :- زار صاحب آنریبل جسٹس میاں محمد شاہ دین ہمایوں کے صاحب زادے ہیں ہمایوں صاحب ۲ اپریل ۱۸۶۸ء کو باغ بانپورہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد مولوی نظام الدین فاضل بزرگ تھے۔ آپکے پردادا مولوی قادر بخش صاحب فارسی اور عربی کے جید عالم تھے۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ کے عہد میں آپ شاہی خاندان کے نوجوانوں کی اتالیقی پر مامور تھے۔ طبیعت شعر و سخن کے لئے نہایت موزوں پائی تھی اور قادر تخلص کرتے تھے لیکن افسوس ہے کہ ان کے کلام کا مجموعہ ضائع ہو گیا۔

ہمایوں صاحب کی ابتدائی تعلیم باغ بانپورہ میں ہوئی چھ برس کی عمر میں کلام مجید ختم کیا۔ مڈل کے امتحان میں اوّل رہے اور انٹرنس میں پنجاب بھر میں انگریزی میں اوّل تھے بی اے کا امتحان لاہور میں امتیازی حیثیت سے پاس کیا اور ۱۸۸۶ء میں انگلستان تحصیل علم کی غرض تشریف لے گئے۔ قابلیت خداداد تھی جب انگلستان سے بیرسٹر ہو کر واپس آ گئے تو اپنی انگریزی اور اردو کی تقریروں کیلئے ملک سے خراج تحسین حاصل کیا۔ بعد میں پنجاب کی مجلس وضع قوانین کے رکن نامزد ہوئے اور پھر عدالت عالیہ میں جج مقرر ہوئے جہاں وہ عارضی طور پر چیف جج کے عہدہ جلیلہ تک پہنچے۔

ان کی زندگی ہمہ تن عمل اور اصلاح قوم میں صرف ہوئی۔ سرسید نے علیگڑھ کالج کی بنیاد ڈالی تو آپنے اس میں سرگرمی سے حصہ لیا۔ لاہور میں ا[illegible] کی مشاعرہ شروع ہوئے تو آپ اس میں شریک ہوئے۔ مطالعہ کتب آپ کا مشغلہ تھا جو آخر عمر تک جاری رہا۔ موت سے ۲۶ دن پیشتر چیف کورٹ میں کام پر گئے۔ ان کی یہ خواہش تھی کہ کام کرتے کرتے ہی جان دیدوں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ آپ نے ۲ جولائی ۱۹۱۸ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ علامہ اقبال نے حسب ذیل تاریخ

وفات کہی سے

در گلستان دہر ہمایوں نکتہ سنج + آمد مثال شبنم و چوں بوئے گل رمید

می جست عندلیب خوش آہنگ سال او + علامہ شفیع زیر چلہ سروش شنید

شاعری کا شوق بچپن سے تھا۔ انگلستان جانے سے قبل عشقیہ غزلیں لکھیں لیکن انگلستان سے واپس آنیکے بعد رجحان میں تبدیلی آئی یہاں تک کہ جوانی کا مجموعی کلام ضائع کر دیا۔

جذبات ہمایوں آپکی تصنیف ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے میاں بشیر احمد صاحب نے آپکی چند نظموں کو جمع کر دیا ہے [۱]

اے شاعرانِ قوم زمانہ بدل گیا — پرسش زلف یار تمہارا مذاق بل گیا

چلیوگے کب تلک سر پہ تم لکیر کو — دلی کی طرح سانپ تڑپ کر نکل گیا

اٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا کبھی — دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

اک تم کہ جم گئے ہو جمادات کی طرح — ایک وہ کہ گویا تیر کمان سے نکل گیا

ہاں ہاں سنبھالو قوم کو شائد سنبھل ہی جائے

گر گر کے ملک ہند کچھ آخر سنبھل گیا۔

میاں بشیر احمد راز ۲۹ مارچ ۱۸۹۲ء کو باغبان پورہ میں پیدا ہوئے۔ تقریباً ایک سال تک اپنے گاؤں میں الہ دین کی مسجد میں تعلیم پاکر باغبان پورہ کے اسکول میں داخل ہوئے۔ پھر چند ماہ بعد سنٹرل ماڈل اسکول میں چلے گئے۔ جہاں سے ۱۹۰۸ء میں انٹرنس امتحان پاس کیا۔ ۱۹۱۰ء میں گورنمنٹ کالج سے ایف اے پاس کیا اور پھر ولایت چلے گئے۔ وہاں آکسفورڈ میں واڈہم کالج سے ۱۹۱۳ء میں

---

[۱] شعرائے پنجاب ص۲۶۶

تاریخ میں بی اے آنرز کی ڈگری حاصل کی۔ اپنے کالج اور ہندوستانی طلباء میں اس سال تاریخ کے امتحان میں اوّل رہے۔ اسکول اور کالج میں عربی بھی پڑھتے رہے اور ہمیشہ اس مضمون میں اوّل رہتے تھے۔ چھ برس کی عمر میں شاعری کا شوق پیدا ہوا۔ ابتداء میں چھپ چھپ کر لکھتے رہے اور کسی سے باقاعدہ اصلاح نہیں لی۔ ولایت سے واپس آنے پر مخزن میں "ابجد خواں" کے نام سے نثر کے مضامین اور چند نظمیں شائع کرائیں۔ پھر جنوری ۱۹۲۲ء میں ہمایوں رسالہ جاری کیا۔ اس میں آپ کی نظمیں وقتاً فوقتاً شائع ہوتی رہتی تھیں مزاحیہ نظمیں عزیزوں اور دوستوں کے دائرہ تک محدود رہتی تھیں۔ میاں بشیر احمد صاحب کی نظم اور طبعزاد نثر بیشتر واردات کا آئینہ ہوتی تھیں۔ تکلف سے آپ کو نفرت تھی اس لئے ذہنی کیفیت کو بلا جھجک بیان کرتے چلے جاتے تھے اور یہی چیز آپکو ہمارے قدیم مشرقی نواز ادباء سے ممتاز کرتی تھیں۔ آپ کے کئی ایک تاریخ اور فلسفہ سے متعلق مفید مضامین ہمایوں میں شائع ہوتے تھے لیکن مستقل طور پر ایک کتاب "طلسم زندگی" شائع کی تھی جو آپ کے طبع زاد مضامین پر مشتمل ہے۔

شروع ہی سے آپ کی طبیعت ظرافت پسند تھی۔ مغربی تعلیم اور مغربی زندگی سے مانوس ہونے کے باوجود آپ کے خیالات سراسر مشرقی تھے۔ ہر امر میں صفائی اور نفاست کا لحاظ رکھنا آپ کی عادت کا خاصہ تھا پاکیزگی زندگی کا ایک جزو بن چکی تھی۔ دماغی کام کی وجہ سے صحت عموماً خراب رہتی تھی۔ اشعار میں سادگی ہے[1]

مانا کہ ہے عقل کا فسانہ دنیا　　کارندہ ہے عقل کا کارخانہ دنیا
دنیا کو بنایا اس نے دنیا لیکن　　شائد کہ ہو عقل کا بہانہ دنیا

---

[1] شعرائے پنجاب ۴۶۸

عم دیکر مجھے بنالیا ہے اپنا — کم دے کے مجھے بنالیا ہے اپنا
اللہ رے کرم فریب الفت تیرا — دم دے کے مجھے بنا لیا ہے اپنا

منصور احمد ندیم

ندیم صاحب کے والد ماجد مولوی محمد حسین صادق تھے۔ ندیم صاحب ۷ اگست [illegible] کو جموں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی زمانہ جموں میں گذارا۔ لیکن سنہ [illegible] میں آپ کا پورا خاندان مستقل طور پر لاہور میں منتقل ہو گیا۔ ندیم صاحب نے عربی فارسی اردو انگریزی کی درسی کتاب کا گھر پر ہی مطالعہ کیا خاندان علمی تھا اس لئے عربی و فارسی کی تحصیل میں دشواری نہیں ہوئی۔ آپ نے اپنی خداداد ذہانت اور سعی سے انگریزی علم و ادب کی تحصیل اسطرح کی کہ مغرب کے بیشتر ادبا کی مشہور کتابوں کا مطالعہ آپ نے آسانی کے ساتھ کر لیا تھا۔

ادبی سرگرمیوں کے سلسلہ میں جہاں ملک کے مشہور رسالوں میں آپ کے مضامین شائع ہوتے وہاں آپ نے [illegible] سے لیکر متواتر چار سال تک ہمایوں کی ادارت کے فرائض انجام دیئے۔ جن اصحاب نے اس عرصہ میں "ہمایوں" کا مطالعہ کیا ہے انہیں معلوم ہوگا کہ اس وقت کے ہمایوں میں اسکی گذشتہ روایات کے مطابق کتنے بلند پایہ مضامین نظم و نثر شائع ہوئے۔ جو یقیناً ندیم صاحب کے حسن ذوق اور صحت مذاق پر دال تھا۔ [illegible] میں اپنی طویل علالت کی وجہ سے ہمایوں سے علیٰحدہ ہونے پر مجبور ہوئے۔ [illegible] میں جب حضرت تاجور نجیب آبادی "ادبی دنیا" کے حقوق ملکیت سے دستبردار ہو گئے تو کارکنان اہتمام نے ادبی دنیا کی زمام ادارت ندیم صاحب کے سپرد کر دی۔ ندیم صاحب کے اکثر مضامین نثر ہمایوں اور ادبی دنیا میں شائع ہو کر خلق سے خراج تحسین وصول کر چکے ہیں لیکن بہت کم لوگوں کو علم ہوگا کہ آپ شعر بھی کہتے ہے آپ ہمایوں اور ادبی دنیا میں ندیم کے فرضی نام سے اپنا کلام چھپواتے تھے۔

ندیم صاحب کی پہلی تصنیف "دنیا کی بہترین افسانے" ہیں - جو مغربی افسانہ نگاروں کے شاہکاروں کے کامیاب ترجمے ہیں - افسانوں کا یہ مجموعہ جدید و قدیم مغربی مصنفوں کے نتائج کاوش کا بہترین انتخاب ہے جو فاضل مترجم نے نہایت خوش اسلوبی سے اردو کے قالب میں ڈھالا ہے - سلہ

ندیم کے کلام میں سلاست و روانی ہے ؂

یوں محسوس مجھے ہوتا ہے   یہ جلوت نہیں خلوت ہے یہ
مجھکو کسی سے کام نہیں ہے   یہ دنیا نہیں جنت ہے یہ
عشق کے دیوتا کا مندر ہے   حاضر ہیں ہم اسکے آگے
دونوں دل اک بت کے پجاری   دونو سر خم اس کے آگے
وہ دیندار ہے 'کافر ہوں میں   لیکن مہر و وفا کا بندہ
وہ ایک صدق و صفا کی دیوی
اور میں صدق و صفا کا بندہ -

مولانا حامد علیخاں مولانا حامد علی خان صاحب مولانا ظفر علی خاں صاحب کے چھوٹے بھائی تھے - ان کا وطن و مولد کرم آباد تھا - جہاں سے آپ نے میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا تھا - آپ کے کالج کے ایام میں تحریک ترک موالات زوروں پر تھی - کچھ گھر کی فضا سے اور کچھ عام حالات سے متاثر ہو کر آپ تحصیل علم کیلئے مسلم نیشنل یونیورسٹی علیگڑھ میں چلے گئے - اس عرصہ میں آپ سودیشی پسند ہو گئے بلکہ صرف کھدر میں ملبوس رہتے تھے - یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد علیگڑھ ہی میں پروفیسر ہو گئے لیکن یکایک طبیعت اس جملہ نظام سے اچاٹ ہو گئی اور

سلہ شعرائے پنجاب ص۱۵۵

آپ پنجاب میں واپس چلے آئے۔ جہاں آپ نے پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل اور بی اے کا امتحان پاس کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو ہمایوں کی ادارت کے فرائض سپرد ہوئے۔ تنہائی پسند انسان تھے مخلص ہونے کے باوجود چونکہ نام و نمود سے متنفر تھے اس لئے عام لوگوں سے ان کے روابط کچھ زیادہ نہیں تھے۔ بلکہ جب کبھی کسی ادبی مجلس کی بھی آپکو کوئی اہم رکنیت تفویض ہوتی تو آپ قبول کرنے سے انکار کر دیتے تھے۔ آپ اردو سبھا لاہور کے معتمد تھے لیکن جب انجمن ادبِ پنجاب کی طرف سے بھی آپ کو نائب معتمد ہونے کی دعوت دی گئی تو آپ نے یہ ذمہ داری لینے سے انکار کر دیا۔

آپ کی ابتدائی تصنیفیں یہ ہیں۔

(۱) حامد کے سو شعر: آپکے سو منتخب اشعار کا مجموعہ ہے جس میں آپ کی شاعری پر ایک مبسوط تبصرہ بھی شامل ہے جو مولانا منصور احمد صاحب مدیر ادبی دنیا نے لکھا تھا۔

(۲) افسانہائے عشق: چند رومانی افسانوں کے تراجم ہیں۔ اس کی زبان اس قدر شستہ ہے کہ افسانے طبعزاد معلوم ہوتے ہیں۔

حامد صاحب کو شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا۔ تغزل میں پاکیزگی اور متانت اس قدر ہے کہ صفِ اوّلین کے شعراء میں شائد ہی کسی کے کلام میں موجود ہو۔ [1]

ہے علم کیا جنوں ہے حقیقت یہی تو ہے ۔ وہ بے خبر کہ راہ سلامت یہی تو ہے
دھوکا ہے سب مجاز و حقیقت کا امتیاز ۔ اے بےخبر سراغِ حقیقت یہی تو ہے

۱؎ شعرائے پنجاب ص۱۶۲

وہ اس سے بے نیاز ہے یہ اُس سے بیخبر۔ انسان اور خدا کی محبت یہی تو ہے
دنیا نگار خانۂ جنت ہے سر بسر ۔ ذوقِ نظر تجھے نہیں حیرت یہی تو ہے
غافل فریب وعدۂ فردا میں مر گئے ۔ یارب وہ باغ خلد وہ جنت یہی تو ہے
ہے ذرہ ذرہ روئے حقیقت پہ خانہ بند محرم نہیں ہے تو ہی مصیبت یہی تو ہے
پہلو میں اک جہاں کو ہم لے کے لٹ گئے۔ یہ حشر دل کا آہ قیامت یہی تو ہے
حامد یہی ہے آپ کی منزل خدا گواہ ۔
حضرت یہی ہے کوئے ملامت یہی تو ہے۔

مذاق زندگی ہر شئی کو حسب مدعا سمجھا ۔ فنا کے گھونٹ کو بھی جرعۂ آب بقا سمجھا
ہر اک آفاق کے نغمے میں ہے اتنی ہم آہنگی ۔ کہ میں اک خاک کے ذرے کو شمع آسماں سمجھا
میانِ تقدیر ہستی ممکنات اوج فطرت کا خدا کو مبتدا سمجھا بشر کو منتہا سمجھا۔

تصوّف

کوچہ چابک سواران لاہور سے یہ رسالہ جنوری ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا ۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا ۔ محمد حفیظ اللہ قریشی نقشبندی اس کے ایڈیٹر تھے ۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا کریمی اسٹیم پریس لاہور میں طباعت ہوتی تھی۔

اس رسالہ میں زیادہ تر صوفیانہ مضامین شائع ہوتے تھے ۔ اس کے مضمون نگار مولوی احمد علی شاہ چشتی، عبداللطیف یکتا، ابوظفر کشمیری، مولوی ابو محمد امام الدین رام نگری، سید محمد اشرف کشفی، صاحبزادہ علامہ دستگیر نامی، خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب، مولوی عبدالحمید، مولوی اکبر شاہ خان نجیب آبادی اور مولوی محمد سعید صاحب نقشبندی تھے ۔

اس رسالہ میں اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ کسی درگاہ کے سجادہ نشین کے حالات ہر شمارے میں شائع ہوں ۔

نظام کالج میگزین نظام کالج حیدرآباد دکن سے جنوری ۱۹۲۲ء کو یہ ماہانہ تعلیمی جریدہ جاری ہوا۔ ۱۰۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب محمد میر خاں صاحب اسکے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپئے تھا۔

نگار مئی ۱۹۲۲ء کے شمارے میں اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔

"ماہوار رسالہ ہے جسے طلبہ نظام کالج حیدرآباد دکن کی ایک جماعت نے محمد میر خاں عزت کی ادارت میں جنوری سے جاری کیا ہے اس وقت اسکے تین نمبر شائع ہو چکے ہیں۔ جسکی بہار سے شان کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ بجائے مختصر مقالات کے اگر بسیط علمی مضامین کا التزام کیا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ محمد میر خاں صاحب نظام کالج کے نہایت ذہین اور توقع افزیں طالب علم ہیں اس لئے ہمیں امید ہے کہ آپ کی نوجوان طبیعت اس رسالہ کو کامیاب بنانے میں ناکام نہ رہیگی"

محمد میر خاں عزت آپ حیدرآباد کے شعراء میں سے تھے اور نظام کالج کے فارغ التحصیل تھے۔ مددگار اکزامنر کاؤنٹس شاخ تعمیرات میں ملازم رہے۔ نظم اور غزل خوب کہتے تھے۔ نظام کالج میگزین کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ [1] نظام کالج پر ایک نظم کہی تھی جسکے چند اشعار یہ ہیں سہ

اے کالج بے مثل اے معیار تعلیم دکمال ۔ اے شمع تہذیب و صفا اے مصلح حسن و خیال
اے وہ کہ پیرا خلاص ہے اور زندہ دل آزاد خضا ۔ اے وہ کہ پنہاں ہے ترے ہر ذرے میں ایک فلسفہ
ہر سینہ تیری نذر ہے اور ہے خدا سے یہ دعا ۔ دنیا میں جب تک نور ہے اور فیض تعلیمی ترا
جب تک تری بزم حسین اک پارۂ جنت رہے ۔ اس وقت تک پھولا پھلے تیرے بہار کی زینت رہے

---

[1] سخنوران دکن ص ۲۹۵

لیل و نہار فیض آباد سے یہ علمی اخلاقی و سیاسی رسالہ جولائی ۱۹۲۲ء میں وجود میں آیا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید نجم الدین جعفری اور سید محمد مہدی رضوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا بابو شمبھو دیال بھٹناگر کے اہتمام میں مطبع آفتاب فیض آباد میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ نومبر ۱۹۲۳ء تک مطبع آفتاب میں چھپتا رہا۔ ماہ دسمبر کا پرچہ بعض وجوہات کی بنا پر شائع نہیں ہو سکا۔ جنوری ۱۹۲۴ء سے باہتمام قاضی محمد حامد حسرت مالک مطبع قیصر ہند فیض آباد سے نکلنے لگا۔ یہ رسالہ پابندی وقت سے نکلتا تھا۔ لیکن اس کے اکثر شمارے مشترکہ بھی شائع ہوتے تھے۔ اس رسالہ کی خصوصیت یہ تھی کہ تین روپے سالانہ چندے میں بارہ شمارہ کے بجائے تیرا شمارے شائع کرتا تھا۔

مواد کے اعتبار سے اس کا حصہ نثر اوسط درجے کا تھا۔ اس میں علمی و ادبی میٹر کے ساتھ ہر طرح کی سماجی، سیاسی، معاشرتی اور ثقافتی ضرورتوں کے تحت مضامین چھپتے تھے۔ اس میں ایک کالم "لوکل" کے عنوان سے تھا جس میں ضلع و شہر فیض آباد کی اہم علمی و سیاسی خبریں شائع ہوتی تھیں۔ جو زیادہ تر طرحی مشاعروں، مذہبی محفلوں و مجلسوں کا اعلان، امن سبھا فیض آباد کی کارگزاریوں، اہم مقدمات کے فیصلے، کتب خانوں اور کالجوں کی رسم افتتاح کی تفصیلات مشتمل ہوا کرتی تھی۔

حصہ نظم کافی اچھا اور جاندار ہوتا تھا۔ مقامی شعراء کے علاوہ اس وقت کے معیاری شعراء مثلاً جگر مرادآبادی، منشی نظم طباطبائی، محشر لکھنوی اور اقبال سہیل وغیرہ کی تازہ نگارشات شائع ہوتی تھیں۔

اس رسالہ کے مضامین کے پڑھنے سے مجموعی طور پر یہ اندازہ ہوتا

ہے کہ یہ رسالہ مقامی اخلاقی اور سیاسی شعور کو پیدا کرنے کے لئے شائع کیا گیا تھا۔ جس میں ضمنی طور پر شعر و ادب کو بھی داخل کر لیا گیا تھا پھر بھی تاریخ صحافت میں اس کی اہمیت ضرور ہے جیسا کہ اس کے شذرات میں شائع ہونے والے تاثرات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ مقامی صحافی ضرورتیا کے پیش نظر عالم وجود میں آیا تھا۔

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے شمارے میں اقبال سہیل اعظمی کی جگنو نظم شائع ہوئی تھی اس کے کچھ اشعار نقل کئے جاتے ہیں ؎

اے شرار مضطرب اے برق بیتاب زمین
شمع کنج گلستاں روشن دل صحرا نشین
سچ بتا اے شعلۂ احساس کیوں ہے بیقرار
کس کی شمع حسن پر مرتا ہے تو پروانہ وار
منتظر کس کا ہے تو اے دیدہ بے خواب کہہ
جستجو کس کی ہے تجھکو کرمک شب تاب کہہ
کہہ کہ اے الماس پران کے لئے مضطر ہے تو
سچ بتا جگنو یہ ہیں تیری ہی آتش بازیاں
یا تصادم سے ہوا کے اڑتی ہیں چنگاریاں
کہہ رہے ہیں اہل گردوں تیرا جلوہ دیکھ کر
گر پڑے کیا خوشۂ پرویں کے دانے خاک پر
جگمگا اٹھا ہے تاکستاں یہ تیرے نور سے
آتش مے شعلہ زن ہے یا رگ انگور سے
ابلق ایام کا بے شک تو نور العین ہے

نور و ظلمت روز و شب کا مجمع البحرین ہے
شعلہ بن کر آہ نکلی ہے درون خاک سے
یا سرشک افشاں ہے انجم دیدۂ غمناک سے
ہے حصار چرخ پر یہ شعلہ باری کس لئے
جنگ یہ خوج کواکب سے ہے جا کس لئے

قاصد

یہ روزانہ اخبار ستمبر ۱۹۲۲ء کو دہلی سے شائع ہوا۔ ۴ صفحوں پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر منشی محمد یوسف صاحب تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپئے تھا۔ فی پرچہ ایک پیسہ قیمت تھی۔ دار العلوم پریس دہلی میں چھپ کر شائع ہوتا تھا۔

یہ اخبار انگریزوں کے غلامی کے خلاف لکھتا تھا اور ملک کی آزادی کا زبردست حامی تھا۔ محمد یوسف صاحب جو اس اخبار کے ایڈیٹر تھے یہ منشی عبدالقدیر صاحب والاخوان کے بھائی ہیں جنہوں نے ملک کی آزادی کی تحریکوں میں حصہ لیا اور جیلوں میں عمر کا بڑا حصہ گزارا۔

گائے کشی کا مسئلہ پوری ملک میں نزاعی بنا ہوا تھا۔ دہلی کی میونسپل کمیٹی میں بھی اس مسئلہ پر بحث ہوئی۔ ہندو گائے کشی کے مخالف تھے اور مسلمان حامی تھے اس انداز سے میونسپل کمیٹی کی ایک میٹنگ ۱۷؍ اکتوبر ۱۹۲۲ء کو منگل کے روز ہوئی جس میں ممبران نے بحث کی۔

مسٹر رؤف علی صاحب بیرسٹر نے قصائیوں کی مزید دکانیں کھولے جانے کی ضرورت بیان کی۔ اس پر لالہ سری رام صاحب نے فرمایا کہ قصائیوں کی مزید دکانیں کھولے جانے سے ہم ہنود کے دلوں کو صدمہ پہنچتا ہے اور یہ بھی کہا کہ یہ جو جتلایا جاتا ہے کہ گوشت کی دکانیں کھلنے سے اتحاد میں اضافہ ہو گا یہ بالکل

غلط ہے۔ اور میں ایسے اتحاد کو ہر وقت بلکہ آج ہی توڑنے کیلئے تیار ہوں۔

اسکے بعد بابو تمیزالدین صاحب نے فرمایا کہ ہمارا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ بات صرف یہ ہے کہ کسی تجارت کو روکنے اور بند کرنیکا قانوناً کمیٹی کو کوئی حق نہیں ہے۔ جسطرح ہر طرح کی تجارتوں پر بندیش نہیں ہے۔ ایسے ہی بکری کے گوشت پر بھی بندشیں نہیں ہونی چاہئے۔ اور ایسا کرنا ایک ظلم ہے۔

آپ کے بعد لالہ پیارے لال صاحب وکیل کھڑے ہوئے اور کہا اگر مسلمان گائے کا ذبیحہ چھوڑ دیں۔ تو ہم خوشی سے اجازت دیں گے کہ وہ ہمارے محلوں میں دکانیں کھول لیں اور یہ فرمایا کہ مارکیٹیں بنائی جائیں انکو موجودہ دکانداروں کو بھی بٹھایا جائے اور جو نئے ہوں وہ بھی بیٹھیں اس سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ حفظان صحت کا پورا انتظام ہو جائیگا۔

اس پر عبدالرحمن وکیل نے اٹھکر اس کی مخالفت کی اور فرمایا کہ مارکیٹ سے کوئی نفع نہ ہوگا بلکہ پبلک کو بیحد تکلیف ہوگی جسے کوئی برداشت نہ کرسکیگا۔ دہلی شہر کے طرز تمدن کے بھی خلاف ہے کہ قصائی مارکیٹوں میں بیٹھیں۔ اگر دوسرے شہروں میں مارکیٹ بنی ہوئی ہیں تو وہاں کی ضرورت کے لحاظ سے بنی ہوئی ہیں۔ دہلی شہر میں مارکیٹ کی ہرگز ضرورت نہیں۔ اگر یہاں مارکیٹ بنائی گئیں تو نہ صرف قصائیوں کو تکلیف ہوگی بلکہ عام پبلک کی تکالیف میں بھی اضافہ ہو جائیگا۔ خاص کر غریب طبقہ کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا ہوگا۔ اور یہ امر غور طلب ہے کہ یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ عبدالعزیز صاحب وکیل اپنے ہمعصر ممبر ان کو اشارۃً وکنایۃً اس کے خلاف مشورہ دیتے رہے۔ آپ کی نسبت شہر میں اس معاملے کے پیش ہونے سے کئی روز قبل سے سرگرم ہے کہ آپ فریق سے جو مزید دکانیں کھولنے کے خلاف ہے چار پانچ سو بلکہ بعض روایتوں

کے مطابق بارہ سو روپئے اپنی حق کوشش کیلئے تھے اور یہ وعدہ کیا تھا کہ میں مزید لائسنس کی اجازت کو مسترد کرادونگا۔ اگر واقعی یہ بات صحیح ہے تو ہم پبلک کو توجہ دلاتے ہیں کہ ایسے نام نہاد ممبروں کا انتخاب آئندہ عمل میں نہ لایا جائے۔ ان سے نہ صرف کسی خاص طبقہ و فرقہ کو نقصان پہنچتا ہے بلکہ اس طمع نفسانی سے عامہ مخلوق کو بھی نقصان پہنچنے کا ہر وقت اندیشہ رہتا ہے حافظ صاحب رائے لئے جانے کے وقت نہ تو ادھر تھے نہ ادھر، آخر یہ معاملہ کثرت رائے سے مسترد ہو گیا"

درپن لاہور سے یہ سیاسی اقتصادی و تاریخی رسالہ ۱۹۳۲ء کو نمودار ہوا۔ ۸۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ جناب پوہن لعل صاحب بھٹناگر بی اے ایل ایل بی وکیل ہائیکورٹ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپئے تھا۔ سلیس اردو میں ظرافت کی چاشنی کے ساتھ اہم مسائل پر بحث اور تنقید کرنا اس کا کام ہے۔

ترقی حیدرآباد دکن سے یہ علمی مذہبی اور ادبی رسالہ ۱۹۳۲ء کو وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ ابو المکارم محمد انوار اللہ اس کے ایڈیٹر تھے چار روپئے سالانہ چندہ تھا۔
یہ رسالہ نہایت ٹھوس اور معیاری مضامین کا حامل تھا۔ حیدرآباد کے بعض قابل و لائق ادیب اور اہل قلم اس کے مضمون نگار تھے۔ ابو المکارم صاحب کی طویل علالت کی وجہ سے یہ رسالہ بند ہو گیا۔

لسان الملک یہ رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۲ء کو نمودار ہوا ۱۳۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید محمد ضامن کنتوری اس کے مدیر تھے۔ چندہ سالانہ تین روپئے تھا۔

اس رسالے نے بھی اپنے لائق و فاضل ایڈیٹر اور مشہور و معروف مضمون نگاروں کی وجہ سے جلد شہرت حاصل کر لی تھی مگر اس نے زیادہ عمر نہیں پائی اور بند ہو گیا۔

اختر ہند مٹیا برج کلکتہ سے ۱۹۲۷ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے سرپرست سید کاظم حسین مانوس لکھنوی اور ایڈیٹر سید مظہر عباس مظہر لشکر پوری تھے۔ یہ رسالہ کلکتہ کے اور رسالوں سے زیادہ کامیاب رہا اس لئے کچھ طویل مدت پائی ـــــ اور خاصی عمر کا ہو کر لقمۂ اجل ہوا۔

نمائش یہ صنعتی رسالہ ۱۹۲۲ء کو حیدرآباد دکن سے صادر ہوا ۴۸ صفحات نکلتا تھا۔ مرزا رفیق بیگ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔
یہ رسالہ صنعتی ہونے کے باوجود اس میں ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے دہلوی مرزا فرحت اللہ بیگ صاحب کے مضامین کی ابتدا اس رسالہ سے ہوئی۔ مرزا صاحب شروع میں المنشرح کے نام سے مضامین لکھا کرتے تھے۔ یہ رسالہ ۱۹۱۵ء تک جاری رہا اس کے بعد بند ہو گیا۔

خادمہ یہ نسوانی رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۲ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ مریم بیگم صاحبہ اس کی ایڈیٹر تھیں۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔
اس رسالہ میں متوسط درجے کی مضامین شائع ہوتے تھے۔ عورتوں کے ساتھ مرد بھی اس میں مضامین لکھتے تھے۔ عورتوں کو خانگی زندگی کس طرح گذارنی چاہئے۔ اس رسالہ میں اس بات پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔

مریم بیگم مریم بیگم صاحبہ کپتان سید علی رضا مرحوم کی صاحبزادی اور ڈاکٹر صفدر حسین مرزا کی بیوی تھیں۔ عمر آغا خاں کی بنت عم تھیں۔ ایرانی الاصل اور شاہان مصر کے خاندان سے تھیں۔ ان کو اردو فارسی پر پورا عبور تھا۔ شعر و شاعری کی ابتدا یہ زمانہ طالب علمی کر دی تھی۔ شعر خوب کہتی تھیں۔ صغرا بیگم صاحبہ ہمایوں مرزا صاحبہ کی صاحبزادی تھیں[1]

تھیں کا کیا ذکر ہے بیر افسانہ چاہیے | حال پر غم پر مرے آنسو بہانا چاہیے
مرے مرنے کی خبر سن کر وہ بولے طنز سے | مرنے والے کیلئے کوئی بہانا چاہیے

اس جہاں میں جل کے بیٹھیں ہم کہاں خبر کوئی دوست
کوئی اپنا بھی تو آخر اک ٹھکانا چاہیے
قبر میں تنہا ہے مریم امتحان کا وقت ہے
یا علی امداد کو اس دم تو آنا چاہیے

راگ لاہور سے یہ رسالہ ۱۹۱۲ء کو ظہور میں آیا۔ ۳۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر پروفیسر بھائی پرتاپ سنگ تھے۔
سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ علم موسیقی، ہارمونیم، ستار، طبلہ اور تمام سازوں کو بجانے اور درست کرنے کے طریقے بتاتا تھا۔ عمدہ گانیں، دھرپد، خیال، ٹپہ ٹھمری ترانہ اس میں نوٹ کی جاتی تھی۔ راگ کے متعلق سوالوں کے جواب بھی دئے جاتے تھے۔ زمانہ حال کے ماہرین علم موسیقی کی بالتصویر سوانح عمریاں بھی شائع ہوتی

---

[1] سخنوران دکن ص ۹۲

تھیں۔

رسالہ راگ کے بانی وایڈیٹر پروفیسر بھائی پرتاپ سنگ جی نے لاہور میں میوزک اسکول قائم کیا تھا۔ جو کافی عرصہ تک قائم رہا۔ پروفیسر صاحب نے راگ ودیا پر بڑی کتابیں تصنیف کی تھیں۔

المسیح قرولباغ دہلی سے یہ طبی رسالہ ۱۹۲۲ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا جناب حکیم کبیرالدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ نگار بھوپال مورخہ فروری ۱۹۲۳ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل ریویو کیا تھا۔

"ماہوار طبی رسالہ ہے جو حکیم کبیرالدین صاحب کی ایڈیٹری میں ایکسال سے جاری ہے اس وقت ہندوستان میں متعدد رسالے نکل رہے ہیں۔ اور اس لحاظ سے وہ ایک فن کی خدمت انجام دے رہے ہیں قابل قدر ہیں۔ المسیح طبی رسالہ میں ایک ممتاز درجہ رکھتا ہے اور اس فن سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے اس میں کافی ذخیرہ معلومات ہے۔"

حسن ادب پاٹا نالہ لکھنؤ سے یہ ادبی رسالہ ۱۹۲۲ء کو وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا جناب ابوالکمال لطف لکھنوی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

معراج الکلام ارد و مورخہ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

حسن ادب لکھنؤ کی مخصوص مذاق کی جان ہے حضرت افضل لکھنوی اور حضرت جلیل مانکپوری کے کلام فصاحت التیام سے جو درجہ حاصل ہوتا

چاہیئے وہ تعریف کا محتاج نہیں۔ مضامین نثر بھی اچھے ہوتے ہیں۔

قادری نوشاہی مذہب اور تصوف کا یہ ماہوار رسالہ ۱۹۲۲ء کو لاہور سے جاری ہوا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ جناب محمد فتح علی قلندر نوری قادری نوشاہی کی سرپرستی اور چودھری سلطان علی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

ادبی دنیا یہ ادبی و علمی ماہنامہ لاہور سے جاری ہوا جہازی سائز کے ۹۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ علامہ تاجور نجیب آبادی اس کے مالک اور مدیر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپے تھا۔

اس رسالہ کے ۱۹۳۰ء تک علامہ تاجور نجیب آبادی مالک و ایڈیٹر رہے ان کے بعد منصور احمد صاحب نے اس رسالہ کو خریدا۔ اس کی ادارت کی کچھ سالوں کے بعد مولانا صلاح الدین احمد اس کے مالک و ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ یہ دور تابناک ثابت ہوا۔ جو ربع صدی سے زیادہ رہا۔ اس رسالہ کی بڑی تقطیع اعلیٰ کاغذ اور اعلیٰ کتابت و طباعت نیز بلند ادبی معیار نے اسے اپنے ہمعصروں میں ممتاز ترین جگہ عطا کی۔ اس کے ابتدائی دور میں ادبی مواد کے ساتھ ساتھ علوم حاضرہ پر مقالے درج ہوتے تھے اور اسکی خصوصیت یہ بھی رہی ہے کہ یہ اپنے ہم عصر ادبی رسائل کے منتخب مضامین چھاپتا تھا۔ یہ رسالہ ۱۹۳۳ء تک شعر و ادب کا علمبردار رہا۔

یہ رسالہ نہایت خوبصورت تھا۔ اس میں ہر مہینے ایک اعلیٰ درجہ کی عکسی تصویر دی جاتی تھی۔ حالات حاضرہ پر مقالے درج ہوتے تھے۔ آخر میں ہمعصر رسائل سے اقتباس دئے جاتے تھے اور ان کے علاوہ وہ سب کچھ ہوتا تھا جو ایک ادبی رسالہ کے لئے ضروری ہے۔ دوسری عالمی جنگ نے اس کی صورت بگاڑکر

رکھ دی اگرچہ مواد کا معیار بدستور بلند رہا اور پاکستان بننے کے بعد یہ رسالہ سہ ماہی ہوگیا حسن ادارت اور مواد کی پاکیزگی اور بلند معیاری پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ مولانا صلاح الدین احمدؒ کا ذوق بدستور جوان ہے۔

ادبی دنیا کے خریدار عجیب و غریب طریقے سے بنائے جاتے تھے۔ طلباء و اساتذہ ایک مقررہ تعداد کے مطابق مفت خریدار بن جاتے تھے۔ اور جو خریدار سال بھر کے بعد اپنے پرچے واپس کر دیتے تھے اگلے سال سے رسالہ ادبی دنیا مفت جاری ہو جاتا تھا۔ اس رسالہ کے مہتمین کا دعویٰ تھا۔ دنیا بھر میں رسالہ سستا ہے

یہ دونوں اشتہار ادبی دنیا کے خاص نمبر ۱۹ میں شائع ہوتے تھے چونکہ یہ دلچسپ تھے اور معلومات بھی ملتی ہے وہ نقل کئے جاتے

(۱) اہل شوق کے لئے صلائے عام۔

(۲) ادبی دنیا کے چار سو تین پرچے ایک سال کے لئے مفت۔

" ادارہ ادبی دنیا نے فیصلہ کیا ہے کہ اردو کے شوقین طالب علموں اور باذوق اساتذہ کے محدود تعداد کے لئے ادبی دنیا مفت جاری کر دیا جائے چنانچہ اس مد میں ساڑھے تین سو سالانہ چندہ جمع کر دئے گئے تھے اس کے بعد اہل دل اہل خیر کی طرف سے ایک سو تین چندے عطا کئے گئے۔ موجودہ میزان چار سو تین چندے ہیں۔ اس پیش کش سے فائدہ اٹھانے کے لئے ایف اے بی اے ایم اے کے وہ طلبا جنہوں نے اردو کے کسی مضمون میں کوئی امتیازی مقام حاصل کیا ہو ایک پوسٹ کارڈ یا سادہ کارڈ پر ہمیں اپنی اپنی درخواست بھیج دیں اور اپنے استاد اردو سے اسپر تصدیقی دستخط بھی کروا دیں۔ درخواستوں کے وصول ہوتے ہی ادبی دنیا ان میں سے ۳۵۴ صاحبوں کے نام جاری کر

دیا جائیگا اور سال پر برابر جاری رہیگا اور محصول ڈاک بھی دفتر اپنے پاس سے ادا کریگا۔ البتہ اگر کوئی صاحب اپنے پرچہ بذریعہ رجسٹری منگوانا چاہیں تو وہ رجسٹری کے چار ٹکٹ اپنی درخواست کے ساتھ ملفوف کر دیں۔ درخواستوں کی تعمیل باری باری ہوگی۔ ان ۴۵۲ میں سے ایکسو چندے اسکولوں کے اساتذہ اردو کے لئے اور ۳۵۲ کالج کے طلباء کے لئے مخصوص ہیں۔ اساتذہ کے لئے کسی تصدیق کی ضرورت نہیں فقط ان کے اسکول کا پتہ کافی ہے۔ طلباء کو بھی ان کا رسالہ متعلقہ کالج ہی کی معرفت جاری کیا جائیگا۔

اس مد میں چندہ ادا کرنے والے

وزیر آغا	اپنی ذاتی حیثیت سے	۲۰۰ سالانہ چندے۔
صلاح الدین احمد	// // // //	۱۰۰ سالانہ چندے۔
آغا محمد باقر نبیرہ آزاد	(یہ یادگار حضرت آزاد)	۵۰ سالانہ چندے۔
جناب ملک عبدالرحمن صاحب خیابان ہوٹل لاہور		۳۲ سالانہ چندے۔
جناب جگن ناتھ آزاد ایم اے از دہلی		۵۰ سالانہ چندے۔
جناب معزالدین احمد ایم اے لیکچرار پنجاب یونیورسٹی		۲۰ سالانہ چندے۔

(۱) بڑے معرکے کا ایک اور اعلان۔

(۲) ادبی دنیا کے ایک ہزار نئے خریداروں کو پہلے سال کے بعد۔

(۳) ادبی دنیا ہمیشہ کے لئے مفت۔

چونکہ ادبی دنیا کے پچھلے پرچوں کی مانگ حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے اس لئے ہم نے فیصلہ کیا ہے جو خریدار سال بھر کے بعد اپنے پرچے واپس کر دینگے اگلے سال ان کے نام ادبی دنیا مفت جاری رہیگا۔ اسی طرح یہ خریدار ہر سال اپنے پرچے دفتر کو واپس کر کے اگلے سال کے لئے نئے پرچے برابر مفت حاصل کرتے

چلے جائینگے۔ اور یہ سلسلہ جب تک ادبی دنیا اور اس سلسلے کے اراکین زندہ ہیں اسی طرح قائم رہیگا۔ انشاء اللہ امین۔

قواعد (۱) اس سلسلہ کا نام "سلسلۂ دوامی" ہے اور اس کے اراکین عام خریداروں سے علٰحدہ ہوں گے۔

(۲) اس میں صرف افراد شامل ہو سکیں گے۔ اداروں، لائبریریوں، مدارس کو شامل نہیں کیا جائیگا۔

(۳) اپنی درخواست خریداری میں "سلسلۂ دوامی" ضروری لکھئے ورنہ آپ کا نام ہمارا سالانہ چندہ دینے والے باقاعدہ خریداروں کے رجسٹر میں درج کیا جائیگا۔

(۴) "سلسلۂ دوامی" کا آغاز موجودہ نمبر سے ہوگا۔

(۵) واپس کئے جانے والے پرچوں کا اچھی حالت میں ہونا ضروری ہے یعنی پرچہ پھٹا ہوا نہ ہو۔ میلا نہ ہو۔ اور داغ دھبوں سے برا نہ ہو۔

(۶) پرچوں کا مسلسل ہونا ضروری ہے ایک سال میں چار مسلسل خاص نمبر شائع کئے جاتے ہیں۔

(۷) پہلے سال کا محصول ڈاک ہم ادا کرینگے لیکن اس کے بعد محصول ڈاک خریدار کے ذمے ہوگا۔ صرف پرچہ مفت ہوگا۔

ادبی دنیا کا سالانہ چندہ صرف تین روپیئے مع محصول ڈاک تین روپے جس میں تین تین سو صفحوں کے چار خاص نمبر پیش خدمت کئے جاتے ہیں۔ ادبی دنیا کے خاص نمبر ۱ کے مضمون نگاروں کے نام تحریر کئے جاتے ہیں۔ جو یہ ہیں۔

جناب سید علی عباس جلال پوری، محترمہ بیگم اختر ریاض، وزیر آغا، جناب

آغا محمد باقر دہلوی، جناب فضل حسین تبسم، جناب خان فضل الرحمٰن ایڈووکیٹ، جناب عبدالعزیز خالد، جناب غلام الثقلین، جناب احمد ندیم قاسمی، جناب ظہور نظر، جناب گوپال متل، جناب حمایت علی شاعر، جناب مجید امجد، جناب یوسف ظفر، جناب جعفر طاہر، جناب عرش صدیقی، جناب ملاح کومل، جناب صلاح الدین ندیم، جناب اختر ہوشیار پوری، جناب عارف عبدالمتین، جناب جمیل ملک، جناب امتیاز علی، جناب غلام رسول ازہر، جناب مشفق خواجہ، جناب سیف زلفی، جناب نذیر احمد نامی، جناب تبسم کشمیری وغیرہ۔

بقول جناب جگن ناتھ آزاد۔

"اگرچہ اس زمانہ میں نیرنگ خیال کا طوطی بول رہا تھا لیکن ادبی دنیا نیرنگ خیال سے بھی کچھ آگے ہی نکل گیا تھا"[۱]

تاجور نجیب آبادی تاجور نجیب آبادی کا نام احسان اللہ خان تھا درانی پٹھان تھے۔ آپ نجیب آباد ضلع بجنور کے باشندے تھے۔ آپ کی پیدائش نینی تال میں ۱۸۹۰ء کو ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے۔ ملازمت کے سلسلہ میں لاہور تشریف لے گئے تھے۔ دیال سنگھ کالج کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ علمی و ادبی خدمات کے صلہ میں ۱۹۱۸ء میں گورنمنٹ نے شمس العلماء کا خطاب عطا کیا۔ انجمن ارباب علم نے ۱۹۲۱ء میں بلیغ الملک کا خطاب دیا۔

علامہ فارسی اور عربی علوم میں اتنی کامل دستگاہ رکھتے تھے کہ ان کے اساتذہ کو بھی ان کے تبحر علمی پر ناز تھا۔ مجلہ دیوبند القاسم میں اس بالغ نظر فاضل دیوبند

---

[۱] مضمون جگن ناتھ آزاد۔ پرتاپ دہلی ۱۲ جون ۱۹۸۲ء

کے جو مضامین کسی دور میں اشاعت پذیر ہوئے ان سے اگر کہیں وقت نظر کا ترشح ہوتا ہے تو کہیں جودت فکر تراوش کرتی ہے۔ علامہ کو قدرے ذہنی سکون میسر آتا تو نہ معلوم وہ اپنے علمی ذوق کی تسکین کا سامان کس بلند پیمانے پر بہم پہنچاتے "نجی اور ادبی زندگی" کے عنوان سے علامہ نے ۱۹۴۱ء میں سلسلہ مضامین سپرد قلم فرمایا تھا۔ اسمیں ایک جگہ یہ الفاظ نظر آتے ہیں۔

"مدت مدید سے اس فکر میں ہوں کہ قسمت موجودہ افکار لاحاصل سے رہائی بخشے تو "ادب العرب" کے نام سے چند مجلدات میں ادب عربی نظم و نثر پر ایک ضخیم تصنیف سرانجام دیکر اسے زندگی کی راہ بے منزل کیلئے منزل راہ زندگی بنا لوں۔ دیوبند میں میرے دلپسند مضامین ہی سے عربی ادب اور فلسفہ بنے رہے لاہور آیا تو شمس العلماء مفتی عبداللہ ٹونکی جیسے عربی کے بے مثل ادیب اور بین الاقوامی شہرت کے فلسفی کا فیض مجھے نصیب رہا۔ اردو ادب میں میری دلچسپی تفریح کی حد تک رہتی تھی مگر حالات ناسازگار نے اس تفریح کو میری زندگی بنا دیا"۔

علامہ نے پنجاب میں اردو شاعری اور انشاء پردازی کا کچھ اس شان سے صور پھونکا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں کے خوابیدہ جذبات بیدار ہو گئے۔ لکھنؤ اور دہلی میں ادبا کی تحریر کا جو رنگ تھا۔ اس کے سانچے میں پنجاب کے ادیبوں کی تحریریں بھی ڈھلنے لگیں۔ رسائل و اخبارات کی زبان میں پہلے جو روکھا پن تھا۔ رفتہ رفتہ اسکی جگہ بانکپن نے لے لی۔ بیگمات اردو کی ٹکسالی زبان کی چھاپ جب پنجاب کی اردو پر پڑی تو زبان کا لطف دوبالا ہو گیا۔ ۱۹۱۵ء میں جب مخزن کی ادارتی باگ ڈور علامہ نے سنبھالی تو پانچ سال تک آپ نے اس کے ادارتی فرائض اس خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دئے کہ ادبی حلقوں

میں اس کی مانگ بڑھ گئی۔ علامہ فرماتے ہیں۔

"میں نے ایک دنیا پیدا کرلی تھی مخزن بھی میرے ساتھ ترقی کرتا رہا
میں اس کے بڑھاپے کو جوانی میں تو تبدیل نہ کرسکا لیکن ع
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا۔
کے مقولہ کو مخزن کے حق میں میں نے غلط ثابت کردیا۔

مخزن کے بعد علامہ تاجور نے ہمایوں کی ادارت سنبھالی پانچ سال اس سے وابستہ رہے اس مختصر سی مدت میں ان کی ادبی شہرت کے آفتاب کی شعاعیں ملک کے گوشے گوشے میں پہنچ چکی تھیں علامہ نے اپنی صحافی زندگی کے تیسرے دور میں خود اپنا رسالہ ادبی دنیا جاری کیا۔ یہ رسالہ [illegible]ء تک شعروادب کا علمبردار رہا۔ علامہ نے ۱۹۳۵ء میں شاہکار رسالہ نکالا، علامہ نے ہفتہ وار اخبار پریم بھی جاری کیا تھا۔ جسکے ذریعہ آپ ملک کے بچوں اور بچیوں کے دل میں خدا مذہب اور بنی نوع انسان کی محبت پیدا کرنی چاہتے تھے۔ لاہور میں آنے سے قبل علامہ رسالہ نالہ بلبل آفتاب اردو لدھیانہ اور رسالہ تاج الکلام نجیب آباد کے ایڈیٹر رہ چکے تھے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ آج پاکستان کے طول و عرض میں جو اردو روزنامے، ہفت روزہ اخبار اور ماہنامے جاری ہیں ان کے ادبی محاسن کا سہرا علامہ تاجور کے سر ہے۔ خیر و شر کے بارے میں اسلام نے جو نظریہ پیش کیا ہے کہ جو شخص بھی خیر و شر کی رسم ایجاد کرتا ہے اس کے حال پر اس کے منفی یا مثبت اثرات کی پرچھائیں ضرور پڑتی ہیں اس کی رو سے بلا شائبہ مبالغہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اخبارات و رسائل میں جو اچھوتی بندشیں، لطائف و ظرائف پر شوکت الفاظ، زبان کے محاورے اور ادب و تنقید کے سانچے میں ڈھلے

ہوئے اشعار جہاں کہیں بھی دیکھنے میں آتے ہیں زبان حال سے علامہ کی عظمت کی گواہی دیتے اور علامہ کی بارگاہ میں یہ خراج عقیدت پیش کرتے ہیں [1]

ترے نازک لبوں سے سیکھا ہے ہم نے انداز مسکرانے کا

علامہ اپنی شاعرانہ خصوصیت کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے اور یہی وجہ ہے کہ وہ مدت العمر اپنے کلام کا ایک مختصر سا مجموعہ شائع نہیں کرا سکے۔ لیکن اس کے باوجود علامہ کے شاگردوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ اس حلقہ میں وہ شعراء بھی تھے جو اپنے وقت میں چمکے اور شاعری میں بہت اونچا مقام حاصل کیا۔ مثلاً اختر شیرانی اور احسان دانش و جگن ناتھ آزاد۔ بقول جگن ناتھ آزاد علامہ کے ہندو شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ پنجاب میں بلکہ سارے ہندوستان میں اردو کی نشر و اشاعت کی بارے میں علامہ کا ایک خاص نظریہ یہ تھا اور وہ یہ ہے کہ جب تک اردو ہندوؤں میں مقبول نہیں ہوگی اس کا کوئی مستقبل نہیں اور ہندوؤں میں اردو کو مقبول بنانے کے لئے علامہ نے دھڑ کی بازی لگا دی تھی۔ علامہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے وہ ایک کثیر الجہت شخصیت تھے۔ اس وقت جب میں ان کے بارے میں بات چیت کر رہا ہوں۔ ان کی زندگی کے مختلف گوشے ایک فلم کی طرح میری نظر میں رواں دواں ہیں اور میں حیراں ہوں کہ ان کی بھرپور شخصیت کے کس کس پہلو کا ذکر کروں۔ ان کی علمیت، ان کی زباں دانی، ان کی اصلاح، ان کا طنز و مزاح، ان کی کردار نگاری، شاعری، بدیہہ گوئی اور مکاتیب ان تمام باتوں کے مختصر ذکر کے لئے بھی دفتر درکار ہیں۔ یہ وہ کہانی نہیں کہ چند

---

[1] نقوش لاہور، شخصیات نمبر ۲ مضمون تاجور نجیب آبادی از مولانا محمد وارث نجیب آبادی ص ۱۲۲

باتوں میں سنادی جائے۔ اردو ان کا اوڑھنا بچھونا تھی۔ اس کی اشاعت کے لئے انہوں نے اردو مرکز قائم کیا تھا۔[1]

علامہ تاجور نجیب آبادی دیال سنگھ لائبریری کے سکریٹری اور پنجاب یونیورسٹی کے فیلو تھے۔ متعدد کتابوں کے مؤلف اور مصنف تھے۔ اردو مرکز کے سلسلہ کی کتابیں آپ ہی کی اہتمام میں شائع ہوتی تھیں۔ ۳۰ جنوری ۱۹۵۱ء کو لاہور میں انتقال ہوا۔[2]

مولانا صلاح الدین احمد

مولانا صاحب ۲۵ مارچ ۱۹۰۲ء کو پیدا ہوئے ان کے والد ماجد مولوی احمد بخش صاحب تھے جو چیفز کالج لاہور میں فارسی کے استاد تھے۔ مولانا کی والدہ ماجدہ دہلی کی پنجابی برادری کی ایک خاتون تھیں۔ اور شیخ عبدالقادر کی صاحبزادی تھیں۔ مولانا کی اہلیہ محترمہ بھی اسی برادری کی تھیں۔ مولانا نے ابتدائی تعلیم مسلم ہائی اسکول میں پائی اعلیٰ تعلیم کی ڈگری سناتن دھرم کالج لاہور سے حاصل کی۔ کالج کے زمانہ سے ہی مولانا کی طبیعت ادبی ذوق کی طرف راغب تھی چنانچہ اسی زمانہ میں انہوں نے ایک ادبی رسالہ خیالستان جاری کیا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد مولانا نے پولس کی ملازمت اختیار کرلی تھی لیکن چند ماہ بعد عدم تعاون کی تحریک کے تحت ملازمت ترک کر کے ملک کی تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ اور پھر اپنی قدرتی صلاحیتوں کو برائے کار لانیکی غرض سے نہایت مستقل مزاجی کے ساتھ اردو اور اردو ادب کی طرف متوجہ ہو گئے اور تا حیات اپنے محبوب مشغلے میں منہمک

---

[1] میر تاب دہلی ۱۲ جون ۱۹۴۳ء مضمون تاجور نجیب آبادی از جگن ناتھ آزاد ص۷۔ [2] نقوش کالاہور نمبر ص۹۲۶۔

رہتے ہوئے ملک میں اردو ادب کی خدمات انجام دیتے رہے۔ اعلیٰ پایہ کی تنقید نگاری کا قدرت کا ایک خاص عطیہ تھی ایک آزمودہ کار با وضع مصنف اور درطراول کے اردو انشا پرداز ہونے کے ساتھ ساتھ انسان اور انسانی کے اقدار کے دلدادہ تھے۔ انسانیت پرستی اور وسیع الخیالی مولانا کے گویا ضمیر میں شامل تھی۔ مولانا کو خودنمائی سے کوئی سروکار نہ تھا اور غالباً یہی سب سے بڑی وجہ ہے کہ انہوں نے کبھی اس بات پر توجہ نہیں دی کہ جو کچھ ان کی تصانیف اور مضامین میں انہیں مجموعی طور پر محفوظ کیا جائے۔ مولانا نے جو کچھ بھی لکھا وہ ادبی رسالوں اور میگزینوں کے سپرد کیا۔ علاوہ ازیں ان کے مضامین خصوصی طور سے ادبی دنیا میں موجود ہیں جسکے لئے گزشتہ ۳۵ برس سے ان کی زندگی وقف تھی۔ ادبی دنیا نے ابتدائی زمانہ ہی سے اردو ادب میں جلد ہی اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لیا تھا اور اسطرح مولانا کی شخصیت ادبی دنیا سے ملک میں اردو شناس ہوئی اور پہچانے جانے لگی تھی۔

ادبی اور اخلاقی دولت سے قطع نظر دنیاوی لحاظ سے مولانا بہت زیادہ متمول لوگوں میں سے نہ تھے لیکن باوجود اس کے ادب اردو کی محبت اور اردو کی خدمت کے جذبے سے اس قدر معمور تھے علم دوستی کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے اکاڈمی پنجاب کے نام سے ایک دوسرا ادارہ قائم کیا جس کا مدعا کلاسیکی اردو لٹریچر کو دوبارہ طبع کرنا اور خارجی تصانیف کے اردو ترجمے کرنا۔ اور چھپوانا غرض یہ کہ ہر پہلوں سے اردو کو زندہ رکھنا اور ترقی دینا تھا اور اس مقصد کے لئے مولانا کو اپنی بیشتر جائداد کا حصہ فروخت کر کے اور ادبی دنیا کے تمام مملوکات اس وقف کے ادارہ کے ساتھ منسلک کر کے خود اپنی زندگی کو بھی ان ادبی خدمات کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اور ہر وقت اس کی ترقی و توسیع کی

فکر دامنگیر رہتی تھی۔ چنانچہ انتقال کے دس پندرہ روز قبل اپنے ایک عزیز حافظ خلیل احمد[؟] مجنون والا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا حافظ صاحب آپ سے ایک ضروری مشوارہ کرنا ہے میری زمین جو آٹھ کنال پڑی ہے اس زمین کے دس ہزار روپئے فی کنال اسی ہزار روپئے قیمت لگ رہی ہے لیکن میرے ایک واقف جن کی زمین کے ساتھ ہے وہ مجھکو فروخت کرنے سے روک رہے ہیں کہ کچھ دن اور پڑی رہنے دیجئے تو قیمت اور اچھی لگ جائیگی۔ ان کے دوست نے جوابًا عرض کیا کہ جہاں تک اس خیال سے زمین کو فروخت نہ کرنے کا سوال ہے کہ کچھ دن بعد قیمت اور بہتر مل جائیگی تو قطعی چیز ہے کیونکہ زمین کی قیمتیں روز بروز بڑھتی ہی جائیگی اب رہ گیا دوسرے اور کسی پروگرام کے تحت اگر آپ فروخت کرنا چاہتے ہیں تو وہ بات اور ہے اور اس ضرورت کی اہمیت کو آپ خود زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا دیکھئے حافظ صاحب آپ جانتے ہیں تو وہ چیز دیگر ہے اور اس ضرورت کی اہمیت کو کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں میں چاہتا ہوں کہ میں بیچ کر بچوں کو جو کچھ دینا ہے وہ نقد دے دونگا تاکہ بعد کا قصہ نہ رہے اور دوسری بات یہ ہے کہ ادارہ اردو فاؤنڈیشن کو بھی مزید ترقی دینے کی غرض سے مجھے نقد روپئے کی ضرورت محسوس ہو رہی تو میں یہ چاہتا ہوں کہ اس ضرورت کو بھی پورا کر دوں چنانچہ مولانا نے خود ہی یہ طے کر لیا تھا کہ حافظ صاحب کسی روز میرے ساتھ چل کر جائے وقوع کو دیکھکر اپنی رائے دے دینگے۔

اس واقعہ کا یہاں ذکر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مولانا صلاح الدین صاحب کے پیش نظر علاوہ اور امور کے اردو فاؤنڈیشن کی ضروریات کو مقدم رکھنے کا جذبہ زیادہ کار فرما تھا۔ مولانا کی بلند حوصلگی اور اردو ادب سے محبت کی یہ ایک ایسی

شامل ہے کہ اپنی اولاد کے ساتھ اردو فاؤنڈیشن کو اسی لڑی میں پرو کر اس کی ضروریات کو پورا کرنے کا خیال بیش از بیش تھا کس قدر بلند اور قابل قدر جذبہ ہے۔ مولانا صلاح الدین صاحب ۶۲ برس کی عمر میں ۱۲ جون [illegible] کو فوت ہوئے

مولانا انتہاء درجے سلیم الطبع لوگوں میں سے تھے۔ [illegible] وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جنکو ادبی ذوق اور مولانا کے مضامین [illegible] انداز تحریر اس قدر شگفتہ اور شستہ تھا [illegible] وہ لوگ بخوبی واقف ہیں جن کو تقریر سننے کا اتفاق ہوا [illegible] ہوا نا یونیورسٹی میں دنیا کے بہترین [illegible] اجتماع ہوا تھا اور یونیورسٹی کی طرف سے بہ حصہ [illegible] وجہ سے مولانا صلاح الدین احمد صاحب نے بھی شرکت [illegible]

سلہ ادبی دنیا لاہور مئی ۱۹۶۵ء مضمون مولانا صلاح الدین احمد از حافظ خلیل احمد ملیح والا صفحہ ۲۹

سنہ ۱۹۲۳ء

جادو

جنوری سنہ ۱۹۲۳ء کو صوبہ بنگال کا یہ آرگن ڈھاکہ کی دل کش فضا سے ماہانہ جاری ہوا ۴۸ صفحات پر لکلتا تھا۔ خواجہ محمد عادل صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چھ آنے تھا۔ حقیقت پریس باورچی ٹولہ لکھنؤ میں چھپوا کر خواجہ محمد معظم پبلشر نے شائع کیا تین شماروں کے بعد چوتھا پرچہ باہتمام شیخ رسول بخش رحمانیہ پریس بہارت لولی ڈھاکہ میں چھپا۔ یہ چوتھا پرچہ لیتھو میں نہیں بلکہ ٹائپ میں چھپنا شروع ہوا۔

جادو کے مقاصد یہ تھے۔

۱۔ بنگال کی ادبی دنیا میں لٹریری ہیجان پیدا کرنا۔

۲۔ بنگال کے لکھنے پڑھنے والوں کو حوصلہ دلا کر قعر گمنامی سے نکالنا

۳۔ بنگال میں اردو کی طرف سے جو بے پرواہی ہو رہی ہے اس کو دور کرنا۔

۴۔ بنگال کے متعلق دیگر حصص ملک کے بھائیوں کی بدگمانی کو رفع کرنا۔
۵۔ بنگال کے جادو طرازان سخن کے کارناموں کو ملک کے سامنے پیش کرنا۔
۶۔ بنگال کے تاریخی ذخائر کے انمول جواہر کو بازار میں لانا۔
رسالہ جادو کی خصوصیت یہ تھی۔
جادو کے مقالہ نگار بنگال کے رہنے والے ہوں گے۔ یا بنگال میں تشریف فرما ہوں گے۔ یا موضوع مقالہ سرزمین بنگال ہوگا۔
اگرچہ یہ خصوصیت سہ گانہ بڑی سخت شرائط ہیں۔ مگر ہم اس کی سختی سے پابندی کریں گے۔ بلا پابندی کے مقاصد جادو پورے نہیں ہوں گے۔
چنانچہ ایڈیٹر صاحب نے ان پابندیوں پر سختی کے ساتھ عمل کیا۔ سو فی صد اس رسالہ کے مضمون نگار بنگالی تھے۔ جنہوں نے اس رسالے میں مضمون چھپوائے وہ یہ تھے۔
۱۔ مولانا فدا علی خان صاحب ایم اے علیگ ڈھاکہ یونیورسٹی۔ ۲۔ مولوی رضا علی وحشت ایم آر اے ایس (کلکتہ)۔ ۳۔ ابوالفیض محمد عبدالعلی صاحب ایم اے، ایف آر جی ایس۔ ۴۔ جناب سید بیدار بخت صاحب بیدار جہانگیر نگری۔ ۵۔ مولوی حکیم حبیب الرحمٰن خان اخوان زادہ۔ غستان ۶۔ سید ممتاز بخت صاحب ممتاز ابوالعلائی (ڈھاکہ) ۷۔ مولوی بدرالزمان صاحب بدر (کلکتہ)۔ ۸۔ نواب زادہ اے ایف ایم عبدالحفیظ صاحب حفیظ (کلکتہ)۔ ۹۔ سید اظہر حسین صاحب اظہر ڈھاکہ۔ ۱۰۔ مولانا محفوظ الحق صاحب ایم اے۔ ۱۱۔ مولانا عبدالوہاب صاحب ایم اے ڈھاکہ یونیورسٹی۔ ۱۲۔

مولانا بدرالزمان صاحب بدر نارائن گنج ڈھاکہ - ۱۳ؔ خواجہ محمد معظم صاحب ۱۴ؔ
مولوی شہاب اللہ ثاقب چاٹگام - ۱۵ؔ مولوی سید ابوالفتاح شرف الدین
صاحب شرف - ۱۶ؔ خواجہ محمد اسحاق صاحب ایم، اے (کلکتہ) - ۱۷ؔ مولانا
مرزا ابوجعفر صاحب ایم، اے (کلکتہ) - ۱۸ؔ مولانا خالد رحیم بولائی میمن سنگھ
۱۹ؔ مولانا محمود ادیب صاحب خالد میمن سنگھ - ۲۰ؔ مولانا حافظ نذیر احمد کلکتہ
۲۱ؔ خواجہ ابوالنعیم صاحب نعیم جہانگیرنگری - ۲۲ؔ حافظ حکیم اکرام الحق شمیم

بنگالیوں کے متعلق بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ان میں اردو زبان سمجھنے والے بالکل نہیں ہیں۔ اس بات کا جواب دلائل کے ساتھ جادو کے پہلے نمبر سے جنوری ۱۹۲۲ء میں اس کے ایڈیٹر خواجہ محمد عادل نے "عرض حال" کے عنوان کے تحت دیا۔ دلچسپ مضمون ہے اس لئے اس کو نقل کیا جاتا ہے۔

"بادی النظر بنگال کے متعلق انڈیا کی ادبی دنیا میں یہ عام خیال ہے کہ زبان اردو کے با[illegible] وہاں بالکل نہیں ہیں۔ چنانچہ ایک مشہور میگزین نے اپنے سرورق پر ہندوستان کی اردو داں دنیا کا نقشہ بنایا ہے۔ اس میں انتہائی مشرقی سرحد کلکتہ کو دکھایا ہے۔ حالانکہ بنگال نے سب سے پہلے اردو کی سرپرستی کی اور یہیں موجودہ لٹریچر کی بنیاد ڈالی گئی۔

شروع انیسویں صدی کا فورٹ ولیم کالج جو اب بھی بورڈ آف اکزامنرس کے نام سے کلکتہ میں موجود ہے۔ درحقیقت نثر اردو کا معلم اول ہے۔ ہندو، مسلمان اور عیسائی تینوں قومیں دل و جان سے ترقی زبان اردو کے لئے ساعی تھیں۔ میں ایک جدول دیتا ہوں جس سے معلوم ہوگا کہ کس طرح اردو زبان آگے بڑھ رہی ہے۔

سنہ	مصنف	نام کتاب	کیفیت
سنہ ۱۸۰۱ء	حیدری	طوطا کہانی	یہ کتاب ابن نشاطی نے قدیم اردو یعنی دکنی زبان میں لکھی تھی۔
"	"	گلزار دانش	} یعنی ترجمہ بہار دانش
		تاریخ نادری	
"	"	آرائش محفل	یعنی قصہ حاتم طائی
سنہ ۱۸۰۲ء	میر بہادر علی حسینی	نثر بے نظیر	یعنی مثنوی میر حسن کا نثر
"	"	اخلاق ہندی	خلاصہ از مفرح القلوب فارسی
"	میر امن دہلوی	باغ و بہار	} تحسین کے نو طرز مرصع کو صاف اردو میں لکھا
"	"	گنج خوبی	
سنہ ۱۸۰۵ء	میر شیر علی افسوس	آرائش محفل	یہ خلاصۃ التواریخ کا ترجمہ ہے۔
"	"	باغ اردو	یعنی ترجمہ گلستان
"	"	تاریخ آسام	شہاب الدین خان دانش کی نایاب "تلکۂ حملۂ میر آسام" کا ترجمہ جس کی ایک ہی کاپی ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانہ میں ہے۔
"	مولوی حفیظ الدین احمد	خرد افروز	یعنی ترجمہ عیار دانش از علامہ ابو الفضل۔
"	کاظم علی جوان	شکنتلا	ترجمہ از ہندی
سنہ ۱۹۰۲ء	"	دستور ہند	
سنہ ۱۸۰۴ء	نہال چند	مذہب عشق	یعنی قصہ گل بکاولی۔
سنہ ۱۸۰۱ء	[illegible]	سنگھاسن بتیسی	

سنہ	مصنف	نام کتاب	کیفیت
۱۸۱۰ء	سری لالو گجراتی	پریم ساگر	
″	″	راج نیتی	ترجمہ از ہندی
″	″	لطائف ہندی	
۱۸۰۳ء	مظہر علی	بیتال پچیسی	
۱۸۱۰ء	اکرام علی	اخوان الصفا	ترجمہ از عربی
۱۸۰۶ء	ڈاکٹر جان گلکرسٹ	قواعد اردو	در انگریزی
″	مسٹر فرگسن	″	″
۱۸۱۰ء	ڈاکٹر گلکرسٹ	اردو ڈکشنری	
۱۸۰۹ء	مسٹر گلیڈون	″	

یہ تمام کلکتہ میں بیٹھ کر دامان فرنگ زیر ترتیب موجودہ لٹریچر کی داغ بیل ڈال رہے تھے۔ مگر اندرون ملک میں بھی ترقی زبان کی کوششیں جاری تھیں چنانچہ حضرت خواجہ میر درد کے شاگرد مرزا جان طپش دہلوی نے ۱۷۹۳ء میں شمس البیان فی مصطلحات ہندوستان ڈھاکہ میں لکھی جس کی ایک کاپی امپیریل لائبریری کلکتہ میں مصنف کی مہری موجود ہے۔ ۱۸۰۲ء میں طپش نے بہار دانش کا ترجمہ کیا۔ جس کا انگریزی ترجمہ بھی چھپ چکا ہے۔ اس موقع پر یہ کہنا شاید بے جا نہ ہوگا کہ پریس نے بھی اردو زبان کی طرف پوری اعتنا کی چنانچہ مرقومۃ الجدول رسائل کے علاوہ انشا کی دریائے لطافت اور شمس البیان دونوں مرشد آباد میں اس زمانے میں چھپ چکی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ دربار دہلی کا اجڑنا لکھنؤ کی آبادی کا باعث ہوا لیکن

خاص بنگال یعنی مرشد آباد اور ڈھاکہ نے بھی اس نعمت سے کافی حصہ پایا۔
ایک مختصر فہرست ایسے سخن سنجان قدیم کی حاضر ہے۔ جنہوں نے مرشد آباد ڈھاکہ
اور کلکتہ کو شرف قدوم بخشا تھا اور جن میں ایک خاص تعداد ایسے حضرات کی
ہے جن پر جادوئے بنگالہ اثر ڈال چکا تھا۔ اور وہ یہیں پیوند زمین
ہوئے۔

نام شاعر	سنہ ورود بنگالہ	کیفیت
خواجہ میر الم دہلوی	بنگالہ ورود مرشد آباد	آپ حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے تھے۔
اظفری	۱۲۱۴ھ	یعنی صاحب عالم شاہزادہ ظہیر الدین علی بخت۔
خواجہ امانی دہلوی	۱۱۸۱ھ	۱۱۸۶ھ میں مرشد آباد میں وصال ہوا۔
حکیم رضا علی خاں شفق اکبر آبادی	۱۲۰۵ھ	مشہور شاعر میر سوز کے شاگرد۔
درد مند دکنی	۱۱۷۶ھ	مرشد آباد میں مدفون ہوئے تلمیذ حضرت مظہر علیہ الرحمۃ۔
میر سوز دہلوی	۱۲۱۲ھ	بہت کم رہے۔
مرزا جان طپش دہلوی	۱۱۹۸ھ	[illegible]ھ میں بمقام کلکتہ مدفون ہوئے۔
نظام الدین احمد صانع بلگرامی	نامعلوم	مرشد آباد آتے تھے۔
سید عبد الولی عزلت	"	عالمگیر کے مرشد زادے
شاہ رکن الدین عشق	"	مدتوں مرشد آباد میں رہے مزار عظیم آباد میں ہے
مرزا عسکری عیشی	"	مرزا علی نقی جنکی ڈیوڑھی ڈھاکہ میں ہے ان کے لڑکے تھے یہیں دفن ہوئے

نام شاعر	سنہ وردو بنگلہ	کیفیت
اشرف علی خاں فغاں المتوفی ۱۱۸۶ھ		یعنی ظریف الملک کوکہ بہادر۔
قدرت اللہ قدرت دہلوی	۱۱۹۱ھ	مدفون مرشد آباد۔
مرزا محمد علی فدوی	نامعلوم	مدتوں مرشد آباد میں رہے۔
نواب محمد علی خاں مخلص	۱۲۰۵ھ	مرشد آباد کے تھے۔
سید قمر الدین منت دہلوی	۱۱۹۱ھ	لارڈ ہیسٹنگز کی سفارش سے نظامت کا ملک الشعراء کا خطاب پایا۔
سعادت یار خاں رنگین	نامعلوم	لکھنؤ اور مرشد آباد آئے تھے۔
[illegible]	,,	مرشد آباد آئے تھے
[illegible] شفیق	[illegible]	[illegible]

[illegible] عشق اور مخلص اور [illegible] فہرست کے صحیح شعر کا [illegible] نہیں بلکہ یہ [illegible] بزرگان [illegible] کی صحبت نے اس زمانے میں [illegible] کی کہ وہ اچھے سخن گو سمجھے جاتے تھے۔ اس [illegible] کے آخر میں بنگال کے ایک مشہور قصبہ ہگلی میں قاضی صادق علی خاں اختر پیدا ہوئے۔ یہ بنگال کے لئے باعث صد ہزار شرف و افتخار ہیں کہ ایک بنگالی اردو میں ایسی مہارت پیدا کرے کہ دربار اودھ میں سید سعادت علی خاں انکو ملک الشعراء کے جلیل القدر خطاب سے سرفراز فرمائے۔

صحیح تعین کرنا دشوار ہے پھر بھی اسکو اگر دور اول مان لیا جائے تو دور ثانی میں باہر کے شاگردوں کی تشریف آوری واقعۃً کم نظر آتی ہے مشہور اساتذہ میں حافظ اکرام احمد ضیغم رام پوری اور مولوی رشید النبی وحشت

کا نام پیش پیش ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کی تربیت نے حضرت نساخ مولوی النسخ، حکیم مست، آغا احمد علی احمد، ناظر آشفتہ، حضرت سید محمود آزاد جیسے لوگوں کو پیدا کیا۔ یہ وہ پاک زمانہ ہے جب کہ اردو شاعری اور زباندانی کا چرچا بنگال سے گذر کر آسام تک جا پہنچا تھا اور بنگال کے گاؤں گاؤں میں شاعر اور ناظم پیدا ہونے لگے۔ اس دور کا پورا استقصا بجد دشوار کام ہے مگر ان خفتگان خاک کا ہم پر حق ہے کہ ہم ان کے کارناموں سے ملک اور قوم کو واقف کریں۔

یہ تھی بنگال کے جادو طرازان اردو کی مختصر تاریخ۔ لیکن اس سے کیا ہم اپنے حق اور فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ نہیں۔ بنگال جو علاوہ قدرت کی دلفریب خوبیوں کے بہت سے اسلامی آثار دبائے بیٹھا ہے اور جو روز روز زمانہ کے ہاتھوں پامال ہو رہے ہیں ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنے اسلاف کے کارناموں کو زندہ رکھیں۔ اور انقلاب کے دستبرد سے اس کو بچائیں یہ اجراء جادو کی دوسری غرض ہے۔

بالائے ہند کے روشن دماغ مسلمانوں کی علمی و عملی معرکہ آرائیوں سے ناواقفیت اور تبادلہ خیالات کا کوئی ذریعہ نہ ہونا یہ ہم مسلمانوں کو روز بروز پست ہمت بنا رہا ہے۔ دیگر اقطاع ملک کے بھائیوں سے ہم نے جو دوری پیدا کر لی ہے اسکو دور کرنے کے لئے ایک ذریعہ مشترک پیدا کرنا بہت ضروری امر ہے اور یہ اجراء جادو کی تیسری غرض ہے۔

مقاصد ثلاثہ پیش کرنے کے بعد ہم جناب باری سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے کاموں میں برکت دے۔ اور نومولود کو پروان چڑھائے

والسلام ۔ ناچیز "مدیر جادو"

خواجہ محمد عادل ایڈیٹر جادو نے بنگال کے شعرا کو روشناس کرانے کی حتیٰ الوسع کوشش کی چنانچہ انہوں نے تذکرۂ شعراء ڈھاکہ اپریل [illegible] کے شمارے سے بالاقساط شائع کرنے کی کوشش کی۔ ہمارے پاس [illegible] کے فائل کے شمارے ہیں تمین شماروں میں صرف تذکرۂ شعراء ڈھاکہ کی دو قسطیں شائع ہوئی ہیں۔ ان شماروں میں یہ معلومات پوشیدہ ہے اس لئے تین قسطوں میں جتنے بھی شعراء ڈھاکہ کے حالات و کلام درج ہے ان کو نقل کیا جاتا ہے۔

"مجھکو اس شہر سے ایک خاص محبت ہے نسیم
اس لئے پیار سے کہتا ہوں کہ میرا ڈھاکہ"

اکثر مشہور زبانوں کا حال یہ ہے کہ اس میں نظم کا وجود نثر سے پہلے ہوا ہے اور اردو تو اس خصوصیت میں بہت ہی ممتاز ہے کہ یہاں نثر سے پہلے نظم پیدا ہو چکی تھی۔ اور سلسلہ تالیف میں بھی نظم کا درجہ اس قدر آگے ہے کہ دوری اور بعد کا پتہ لگانا دشوار ہو رہا ہے۔

اگرچہ اردو زبان کی داغ بیل دکن میں پڑی اور دہلی والوں نے اس نو دمیدہ پودے کو اس طرح تہذیب و ترتیب کے پانیوں سے سینچا کہ سارا ہندوستان اس کے شیریں پھلوں کا طلبگار نظر آیا۔ اور پھر لکھنؤ کے قلم بندان معنی نے اپنے دلفریب تراش وخراش سے وہ شان پیدا کی اور وہاں روح سخن میں ایسی بالیدگی آئی کہ دیدہ وران ملک نے اسے اپنی آنکھوں کا نور اور دل کا سرور سمجھا۔

جیسا کہ میں نے "عرض حال" کے عنوان میں ذکر کیا ہے کہ جادو طرازان ہند نے خاک پاک بنگال کو دوسرے دور میں سرفراز کیا ہے۔ ان کی تشریف آوری

اور تربیت نے یہاں کیا گل کاریاں کیں۔ یہ مختصر سا تذکرہ آپ کے سامنے کاغذی لکیروں میں اس گلزار سدا بہار کا دھندلا سا خاکہ پیش کریگا۔

۱:۔ اصول تقسیم عمل کو برائے کار کہکر یہ تجویز کی گئی ہے کہ یہ تذکرہ سلسلہ وار جلدوں میں شائع کیا جائے اور قید ترتیب تہجی سے آزاد ہو کیونکہ بسا اوقات یہ قید ضمیمہ کا محتاج بنا دیتی ہے اور پھر جبکہ تجسس اور تلاش بھی جاری ہے ایسی حالت میں آزاد رکھنا مناسب ہے۔

۲:۔ یہ تذکرہ ڈھاکہ ڈویژن تک محدود رہیگا۔ جن میں چار اضلاع ڈھاکہ فریدپور، باقرگنج اور میمن سنگھ ہیں۔ افسوس ہے کہ اس طرح ایک بڑی جماعت کے ذکر خیر سے یہ تذکرہ خالی رہیگا مگر کیا کیا جائے کہ دائرہ کار کی تحدید اور کامل استقصا کی دشواری اس لزوم مالایلزم پر ہم کو آمادہ رکھتی ہے دیگر اضلاع بنگال کے واسطے۔ ع

صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے

۳:۔ یہ کہ لوگوں کو معلوم ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی اصلی وجہ استعمال زباں ہے کہ سنہ ۱۸۳۷ء میں یکایک عدالتی زباں فارسی سے بنگلہ ہو گئی اور پھر کچھ کم سو برس کے اندر کہاں تو یہ حال تھا کہ ہمارا بنگال فارسی میں حفظ و کتابت کرتا تھا۔ مسلمان تو مسلمان ہندو بھی اردو میں شعر کہتے تھے اور کہاں یہ نوبت پہنچی کہ اس بیچ میں نواب سید محمد مرحوم کو یہ کہنا پڑا۔

”جو شخص بنگال میں رہے اور اردو نہ جانے یقین کرلو
کہ وہ کسی اچھے خاندان سے تعلق نہیں رکھتا“

یہ سنہ ۱۹۰۴ء یا سنہ ۱۹۰۵ء کا ذکر ہے اور آج تو غریب اردو

آخر عمر تک نیچے چولی کا انگرکھا، تاج ٹوپی کا پائجامہ استعمال کرتے تھے۔ باجود تشرع ڈاڑھی منڈواتے تھے۔ تکوا اور آتش بازی کا شوق زندگی بھر رہا۔ اور اس میں اچھی مہارت پیدا کی تھی۔ ایک بار انگریزی صابن بنانے کا خیال آیا۔ تو اپنے دُھن کے ایسے پکے تھے کہ آخر کامیاب ہو کے رہے۔ اپنے اوقات کے بڑے پابند تھے۔ ظہر سے لیکر عصر تک شطرنج کھیلنا معمول تھا۔ اکثر فارسی شعر کہتے تھے۔ اور ان کے فارسی قصائد دیکھنے کے قابل ہیں۔ اردو شعر بہت کم کہتے تھے صاحب دیوان تھے۔ ۱۲۷۶ھ میں فوت ہوئے ہے۔

زاسرار میاں او مجو نام و نشاں گاہی	کہ ارباب معانی حل نہ کردند ایں معلا
فلک امروز اگر مہلت دہد آمادہ سالکی	نمیدانم بدرود کہ خواہد یدفردارا
اے آنکہ نہ باشد بجہاں غیر تو کس ما	امید کہ باشی نفسی ہم نفس ما

آہ شبنم گر اثرے داشتے
شام فراقش سحرے داشتے

مخمور

مولوی واجد مخمور کے والد مولوی عبد العلی ڈھاکہ کے نامی زمیندار تھے۔ بڑی شان و شوکت اور دبدبہ سے انہوں نے زندگی بسر کی۔ آج تک ان کے نام پر مولوی بازار شہر کا سب سے بڑا بازار ہے۔ ان کے زمین دارانہ کارنامے اب تک عام و خاص کی زبانوں پر ہیں۔ مخمور کی تعلیم بطور شرفائے زمانہ گھر پر ہوئی تھی۔ بڑے ذہین اور زیرک تھے۔ ان کی ذات سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ افسوس کہ عنفوان شباب میں فوت ہوئے۔

سلہ تاریخ ڈھاکہ۔

جناب ناسخ سے اصلاح سخن لیتے تھے۔ کلام ضائع ہوگیا۔ کچھ بھی باقی نہ رہا [1]

ہے موئنث وہ جسے ہوتی ہے دنیا کی طلب
اور مخنث وہ ہے جو رکھتا ہے عقبیٰ سے غرض
ترک کر مخمور دنیا کو اٹھا عقبیٰ سے ہاتھ
تو اگر ہے مرد تو رکھ اپنے مولیٰ سے غرض

برق

خواجہ عبد العلی مدیر جادو کے پر دادا کے والد بزرگوار کا نام تھا۔ آپ مشہور عالم خواجہ عتیق اللہ صاحب کے صاحبزادے تھے۔ موئف احسن القصص نے ان کا حلیہ یہ بتایا ہے۔

"خوش مزاج، سلیقہ مند اور جو جو اوصاف شرفا میں ہونے چاہئیں وہ ان میں سب موجود تھے۔ رنگ خوب صاف تھا۔ کشیدہ قامت اور قوی الجثہ تھے" لباس و پوشاک کے متعلق آپ ارقام فرماتے ہیں۔

"برکا کرتا اور پائجامہ گھر میں پہنتے تھے۔ جاڑے میں پٹو یا الوان کی چادر اوڑھتے تھے اور جب باہر نکلتے تھے تو شبنم کا انگرکھا نیچی چولی کا پہنتے تھے۔ ڈاڑھی ہمیشہ منڈواتے تھے۔"

عادت و خصائل کے متعلق تحریر فرماتے ہیں۔

"فال و شگون کے بہت قائل تھے۔ ہر کام کے شروع میں سعد نحس کی تحقیق کر لیتے۔ اس فن سے آپ خود بھی واقف تھے۔"

۱۱ر جون ۱۸۴۵ء میں فوت ہوئے۔ جناب ناسخ نے ان کی یہ تاریخ

---

[1] جادو ڈھاکہ مارچ ۱۹۲۳ء ص ۲۵۔

ہیں۔ اردو اشعار قصیدہ، غزل، اور مثنوی سب ملا کر پچیس ہزار سے زیادہ شعر ہیں۔ تمام اصناف سخن پر قادر ہیں۔" مدت ہوئی انتقال کیا۔ ؎

بات میری بھی نہیں سنتا ہے صحبت کا اثر
دل مرا عشق بتاں میں سخت بد خو ہو گیا
شکوہ ہم نا سازی کا کرتا ہے اشارے سے ادا
ہر دہان زخم اک چشم سخن گو ہو گیا
لکھتے ہیں آج وصف دو ابروئے یار ہم
حاسد کے سر پہ کھینچتے ہیں ذوالفقار ہم۔

صمید مولوی عبدالباری راجہ پور ضلع فرید پور کے رہنے والے تھے۔ جناب نساخ کے برادر علاتی تھے۔ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے مدرس فارسی و انگریزی تھے حضرت وحشت رام پوری سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے۔

جناب نساخ تحریر کرتے ہیں۔
" در نظم اشعار و قدرت گفتار یدل بود"
عالم شباب میں ۱۲۷۲ھ میں بعارضہ سل انتقال ہو گیا۔ ؎

زعلم بردہ چینے سے نازنینے — حسینے نازنینے مہ جبینے
سخن گوئی سخن دانی سخن سنجے — سخن فہمے تشنگی نکتہ چینے
نیاز عبد شد قربان نازش۔
زہے نازک بدل ناز آفرینے۔

نادر

مولوی سید نجم الدین حسین خلف سید قمر الدین رئیس آمٹہ گاؤں ضلع میمن سنگھ کے باشندے تھے۔ تعلیم و تربیت ہندوستان میں ہوئی۔ اکثر ٹالی گنج کلکتہ میں قیام رہتا تھا۔ طب اور رمل میں بھی اچھی دستگاہ تھی۔ اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں فکر کرتے تھے۔ دفتر بے مثال دیوان ان کا تھا۔ ۱۲۹۱ھ میں فوت ہوئے۔

تمہارے تیغہ سے نکلا ہے سانپ کا جوڑا
لٹک کے جھوم رہا ہے اوز، زہر بند نہیں
ہنسی کسی لب شیریں کی جب سے دیکھی ہے
پسند غنچہ گلشن کا یہ ہر خند نہیں۔
میرے کمال کی شہرت ہے ہند میں نادر
کہاں نہیں ہے صفاہاں کہاں خجند نہیں

عطش

بنگالہ کی اردو شاعری درحقیقت دو خاندانوں سے تعلق رکھتی ہے۔ ایک حضرت خواجہ میر درد اور دوسرے حسرت اگرچہ دیگر اساتذہ کے تلامذہ بھی یہاں آئے اور بعض یہیں پیوند زمین ہو گئے۔ لیکن انہیں دونوں استادوں کا سلسلہ اب تک چلتا ہے۔ حضرت میر درد کے تلمیذ مرزا جان طپش ڈھاکہ آئے انہوں نے مہیوشار کی۔ صاحب اولاد ہوتے ہوئے اتفاق کہ بحالت قید فرنگ کلکتہ میں فوت ہوئے ان کے داماد و شاگرد مرزا غلام حسین آتش وکیل عدالت ڈھاکہ تھے۔ آتش کے شاگرد مرشد آباد کے رہنے والے میر امیر علی آشنا تھے۔ کبھی مرشد آباد اور کبھی ڈھاکہ میں رہتے تھے۔ شیخ احمد جان عطش آشنا کے شاگرد تھے۔ آشنا سے پہلے یا بعد میں انہوں نے غلام حیدر مجیب لکھنوی سے بھی اصلاح لی

تھی۔ گویا عطش کا سلسلہ شاعری خانوادہ درد علیہ الرحمۃ سے تھا۔

شیخ احمد جان عطش ڈھاکہ کے شرفا میں سے تھے اور محلہ گرد حسینی دالان میں ان کا مکان تھا۔ فارسی کے بڑے منشی تھے۔ آمدنی بہت قلیل تھی مگر اچھی حالت میں بسر کرتے تھے۔ سانولا رنگ دبلے پتلے آدمی تھے اور ہمیشہ قدیم لباس پہنتے تھے۔ حکیم حسن مرزا حرق اور یہ دونوں معاصر تھے اور باوجود معاصرت کے آپس میں بڑی دوستی تھی۔ اکثر ہم طرح ہوتے اور پہلو بہ پہلو مشاعروں میں شریک ہوتے تھے۔ قدیم شاعری کا ان دونوں صاحبوں پر خاتمہ ہوگیا۔ عطش آخر زمانہ میں بحیثیت منشی فارسی مہاراجہ اگرتلا (علاقہ تیرہ) کی سرکار میں ملازم ہو گئے تھے۔ یہ آج سے چالیس پچاس برس کا واقعہ ہے۔ اب فارسی رہی درکنار اردو بھی وہاں کوئی نہیں جانتا ہوگا۔ اگرتلا سے وہ تنہا جانے کس خیال سے حیدرآباد دکن گئے اور زمین دکن کی محبت نے ہمیشہ کے لئے ان کو وہاں رکھ لیا اور مدتوں کے بعد معلوم ہوا کہ یہ مسافر بنگال دہیں رہگرائے ملک جاودان ہوا۔

عطش ہی سے حضرت میر درد کا سلسلہ شاعری اب تک یہاں جاری ہے۔ عطش خوش گو شاعر اور زبردست منشی تھے۔ نساخ کے بھی دوست تھے۔ سلاجہ جنم جی متر نے بھی اپنے تذکرہ دلکشا میں عطش کا ذکر کیا ہے۔ افسوس ہے کہ اب عطش کے اشعار بہت مشکل سے ملتے ہیں۔ ایک قدیم بیاض اور تذکرہ دلکشا و سخن شعرا سے کلام کا انتخاب درج کرتا ہوں ؎

یہ وہ دل ہے کہ جو الجھا رہا تا دم رہا اس سے
یہ وہ ہے پاؤں جو باہر نہیں نکلا سلاسل سے

یار تھا شمع تھی لطافت پر ہوا تھی، میں نہ تھا
ابر تھا گلزار تھا کیا کیا فضا تھی، میں نہ تھا

محفل اغیار سے یک سر اٹھالا یا انہیں
یہ بھی اک تاثیر آہ نارسا تھی لیں نہ تھا

تذکرہ شعرار ڈھاکہ مارچ، اپریل، ستمبر ۱۹۲۳ء کے شماروں میں تین قسطوں میں نامکمل شائع ہوا۔ ہوسکتا ہے آئندہ شماروں میں قسطوار شائع ہوا ہو۔

جادو کے شماروں میں بنگال کی علمی ادبی شخصیتوں اور تاریخی عمارتوں کو روشناس کرانے کی بھی کوشش کی جاتی تھی چنانچہ اعتقاد الدولہ صوبہ دار بنگال اسلام اللہ خاں کے حالات اپریل میں مولانا حفیظ الدین بردوانی کے حالات جولائی میں، قدسیہ بیگم کی دردناک داستان اور ڈھاکہ کی تاریخ اور مراسم محرم ڈھاکہ اگست ۱۹۲۳ء کے شماروں میں شائع ہوئے تھے

"مراسم محرم ڈھاکہ میں" والا مضمون جادو کے ۱۲ ٹائپ صفحات پر طویل ہے لیکن اس دور ۱۹۲۳ء کی یادگار ہے دلچسپ معلومات ہے اس لئے میں اس طویل مضمون نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں جو اگست ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا تھا۔

"خوانین شفق مغرب میں خنجر آسا ہلال محرم کی نمودار اس واقعہ فاجعہ کی یاد دلاتی ہے جو حق گوئی اور حق پرستی، صداقت اور عدالت، ایثار و قربانی کا سب سے مثالی نمونہ امام مظلوم سید شباب اہل الجنۃ سیدنا حسین علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا اور جس پر تیرہ سو برس سے اسلامی دنیا کے ہر حصہ کے باشندے بلا لحاظ مذہب و عقائد یکساں اشک ریز اور سوگوار ہیں۔ ہندوستان کے دیگر شہروں کی طرح ڈھاکے میں بھی ہندو، مسلمان، شیعہ، سنی بقدر مراتب مراسم محرم میں شریک ہوتے ہیں اور یہاں کے رسومات میں ایک خاص باقاعدگی اور ترتیب پائی جاتی ہے اور یہ نتیجہ ہے بنگال کے اس قدیم آبادی کے اسلامی تمدن کا جس پر اب جود

سب مسلمانوں کو ماتم دار ہونا چاہیئے۔ ہمارا خیال ہے کہ دکن کو چھوڑ کر سارے ہندوستان میں ڈھاکہ کو یہ بجا فخر حاصل ہے کہ یہاں سب سے زیادہ قدیم[1] امام باڑہ حسینی دالان موجود ہے۔ یہ امام باڑہ شاہ جہاں[2] کے عہد ۱۰۵۲ھ میں تعمیر[3] ہوا۔ اس کا بانی میر مراد نواڑہ محال کا افسر امیر البحر تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ میر مراد نے اس امام باڑہ کے اخراجات کے لئے کیا سامان کیا تھا۔ لیکن اتنا معلوم ہے کہ ہر ایک صوبہ داری میں مراسم محرم یہاں انجام پاتے رہے اور تعزیہ داری ہوتی رہی حتیٰ کہ شہزادہ عظیم الشان اور مرشد قلی خاں کی رنجش باہمی اور ہنگامہ آرائی کے وجہ سے ڈھاکہ کی قسمت نے پلٹا کھایا اور بنگال کا دارالحکومت مرشد آباد ۱۷۰۴ء میں بنایا گیا پھر بھی ناظم کی حکومت گاہ ہونے کی عزت ڈھاکہ کو حاصل رہی اور بوجہ اہل تشیع ہونے کے مراسم تعزیہ داری اور امام باڑہ کی رونق میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔ آخری خاندان نائب ناظم نواب جسارت خاں میں تو یہ نہایت ہی برائے نام تھی اور ساری حکومت آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کی تھی لیکن بزرگوں کا اندوختہ اور قدیم رعب داب سب جاتی تھا اور پھر ضعف حکومت کا نتیجہ بغیر ظاہر داری ہی رجحان بھی بہت تھا اس لئے امام باڑہ اور مراسم محرم میں کمی کے بدلے مزید رونق بڑھ گئی کیوں کہ ان حضرات کو سال بھر میں تین ہی مواقع ایسے ملتے تھے جس میں وہ دبدبہ اور طمطراق کی نمائش کر سکتے تھے۔ ایک محرم، دوسری عید، تیسری بقرہ عید لیکن آخر قدیم سطوت و حکومت نے آخری نام لیا نواب غازی الدین حیدر نے ۱۸۴۳ء میں لاولد انتقال کیا اور ساری املاک و جائداد بحق سرکار

۱؎ تاریخ دالان مقدس فارسی۔ ۲؎ تاریخ نصرت جنگ فارسی۔ ۳؎ دی وی اینٹی گوئٹس آف ڈھاکہ انگریزی۔

ضبط ہو گئی مگر نوجرل بشمول ہدایات آف ڈائریکٹرس کی منظوری سے خواجہ علیم اللہ صاحب اس کے متولی قرار پائے اور سرکار سے ایک رقم مبلغ دو ہزار چھ سو آٹھ روپیہ آٹھ آنے کے اخراجات محرم و تنخواہ ملازمین امام باڑہ کے لئے قائم ہوئی تب سے آج تک خواجہ علیم اللہ کے جانشین اس کے متولی ہیں۔ اگرچہ یہ مختصر رقم اخراجات کو کفایت نہیں کرتی ہے۔ لیکن سر سلیم اللہ بہادر کی حیات تک باقی اخراجات وہ اپنے جیب خاص سے پورا کراتے رہے"۔

رواداری

رواداری کی اس سے بہتر مثال ملنا مشکل ہے۔ جو خواجہ علیم اللہ کے وقت سے برتی جا رہی ہے۔ چنانچہ خواجہ صاحب نے باوجود سنی ہونے کے امام باڑہ میں جو اضافہ فرمایا وہ آج تک ان کی بے تعصبی کی شہادت دے رہا ہے۔ نقارخانہ دالان و منزلہ مکان اور گنج شہیدان کی عمارت انہیں کی یادگار ہے۔ ان کے بلند نام فرزند نواب سر خواجہ عبد الغنی کے، سی، ایس، آئی المتوفی ۱۸۹۶ء نے بھی کثیر رقم شکست و ریخت میں صرف فرمائی اور اسی طرح نواب سر خواجہ احسن اللہ نے تو کمال ہی کیا۔ ۱۸۹۷ء کے تباہ کن زلزلہ نے جب اس قدیم یادگار کو ناکارہ کر ڈالا تھا۔ تو تقریباً ایک لاکھ روپئے کے صرف سے اس کی دوبارہ تعمیر و تجدید فرمائی۔ نواب سر خواجہ سلیم اللہ بہادر جی، سی، آئی، اے، کے، سی، ایس، آئی المتوفی ۱۹۱۵ء نے یہ بڑا کام کیا کہ "ضریح مبارک" جو بوجہ قدامت کے بہت شکست ہو گئی تھی۔ اسے کئی ہزار تولہ چاندی سے تجدید کرائی اور حسینی دالان میں ایک نئی صورت آرائی کی پیدا فرما دی یعنی شہر بازاری کا باقاعدہ انتظام فرمایا۔ قارئین کرام کو یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ مراسم محرم کی ابتدا شاہ جہاں کے وقت سے پر مائی ہے۔ یہ تو اس عمارت کا ذکر تھا جو اس وقت یہاں تمام مراسم محرم کا مرکز ہے ورنہ قدیم امام

باڑہ جسکو استرار زمانہ نے تباہ و برباد کر ڈالا۔ آج بھی ڈھاکہ کیشری مندر کے قریب پرانا حسینی دالان کے نام سے اپنی یاد دلاتا ہے۔ یہاں اور بھی امام باڑے اور تعزیہ خانے موجود تھے۔ جس میں سے ایک امام باڑہ "میر یعقوب" کا اس وقت بھی کسی قدر آباد ہے یہاں سال بھر ایک ضریح رکھی رہتی ہے اور ایام چہلم میں ایک دو مجلسیں بھی ہو جاتی ہیں اور محرم میں برائے نام روشنی بھی کی جاتی ہے۔ اس امام باڑہ کے متعلق بہت سی زمینیں تھیں لیکن وہ غاصبوں کے قبضے میں ہے۔ اسٹیشن کے قریب محلہ پھول بڑیہ میں ایک عظیم الشان امام باڑہ تھا مکان اب بھی موجود ہے لیکن غیر مسلموں کے قبضے میں ہے اس میں جو تعزیہ اٹھتا تھا سو برس سے زیادہ ہو گیا ہے کہ ہندو مالک مکان نے محلہ کے ایک سنی لال باغ والا کے گھر میں اسکو منتقل کرادیا لیکن اب تک ان کے یہاں سے تعزیہ داری کے لیئے سالانہ مختصر سی رقم اس مسلمان کو دی جاتی ہے۔ ایک امام باڑہ محلہ چمپا تلی میں تھا جسے اب ڈھاکہ کے تاریخ دان اور آثار قدیمہ کی محافظ میونسپلٹی اپنے کاغذات میں "چھوٹا کٹرہ گھاٹ" لکھتی ہے۔ یہ مکان بھی موجود ہے مگر مالک اس کے ہندو ہیں۔ ایک امام باڑہ مرزا مقیم کا تھا۔ مرزا مقیم کا کٹرا ایک ہی جگہ تھا۔ اب نہ مقیم کا کٹرہ ہے اور نہ وہ امام باڑہ۔ ہاں کٹرے کا نام موجود ہے جہاں محلہ بس گیا ہے اور کتنے حصہ داروں میں یہ زمین تقسیم ہو گئی لیکن امام باڑہ کی صرف اس قدر یادگار موجود ہے کہ ایک قد آدم چھوٹا سا گنبد بنا لیا گیا ہے۔ جہاں محرم میں کچھ روشنی اور نذر و نیاز ہوتی ہے۔ دس دن تک علم بھی رکھے جاتے ہیں اور یہ تمام مراسم سنیوں کے ہاتھ میں ہیں۔"

اسی طرح قدیم محلہ چودھری بازار میں سڑک کے کنارے ایک چھوٹا سا گنبد موجود ہے۔ جہاں محرم میں صرف نشان کھڑے کر دیئے جاتے ہیں اور سہرے

پڑھائے جاتے ہیں۔ مخصوص سنیوں کا ایک امام باڑہ "بی بی روضہ" کا محلہ فرانس گنج میں ہے۔ اس تعزیہ خانہ کو امیر خان نے ۱۱۰۱ھ میں بنایا تھا لیکن اب جو عمارت نظر آتی ہے اور اس پر جو کتبہ لگا ہے اس میں نئی بات یہ ہے کہ آدھا کتبہ انگریزی میں اور آدھا فارسی میں ہے لیکن فارسی حصہ اس قدر خراب ہے کہ صاف پڑھا نہیں جاتا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارت ناقابل استعمال ہو چکی تھی اور مسٹر ڈوسنجی نے جو نام سے کوئی پارسی معلوم ہوتے ہیں ۱۸۶۱ء میں پھر سے اس کی تعمیر کرائی۔ بہرحال یہ امام باڑہ بھی موجودہ حسینی دالان سے قدیم ہے اور یہ اب تک آباد ہے۔ اور محرم میں یہاں اچھی رونق ہوتی ہے۔ یہاں کے مخصوص مراسم کا ذکر اپنی جگہ ہوگا۔"

مراسم محرم

چاند دیکھا شیعی آبادی اور سے مراسم تعزیہ داری کیلئے آمادہ ہو جاتی ہے اور چاند رات ہی سے حسینی دالان کے نوبت خانہ میں نوبت دھری رہ جاتی ہے جس کی آواز کئی میلات تک دور دور آمد محرم کی خبر دیتی ہے۔ آج ہی سے مجلس شروع ہو جائے گی اور ضروری دکانوں کا بازار لگنا شروع ہوگا۔ پہلی تاریخ۔ آج روشنی بھی کل سے کس قدر زیادہ کی جائے گی مجلس بدستور ہو گی۔ اور نوبت نوازی بھی جاری رہے گی۔ اسی طرح تیسری بھی گزر جائے گی۔ اور در حقیقت چوتھی تاریخ سے حسینی دالان میں پوری رونق اور گرم بازاری شروع ہو گی جب کہ "بھٹیاں مرثیہ" شروع ہوگا یہ اپنی جگہ عجیب و غریب چیز ہے جب تک اس کی پوری تفصیل نہ کی جائے مشکل سے اس کی صورت سمجھ میں آ سکتی ہے۔ قدیم الایام سے ایک محلہ دوسرے محلہ کا حریف یا مدمقابل ہے۔ بیس ایسے محلہ تھے جو ہادی کہلاتے تھے اور باقی محلے گروہ اور ایک کی تاریخ پہلی سے لے کر عاشورہ تک دو ہادی محلوں سے

مخصوص تھی۔ اب بہت سے محلے اس ہنگامہ آرائی سے کنارہ کش ہیں پھر بھی چوتھی سے لیکر آٹھویں تک کے مرثیہ خوان محلے اپنی تاریخوں کی پابندی کرتے ہیں۔ گروہ کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہادی کے ساتھ مرثیہ خوانی میں شرکت کرے یہ تمام محلے والے اہل سنت وجماعت ہیں۔ ہر فریق اپنی مقررہ تاریخ پر جمع ہوتا ہیں اور جس فریق کا پہلا پڑھنا تسلیم ہو چکا ہے وہ پڑھتا ہے اور دوسرا فریق اس کا جواب دیتا ہے اسی طرح ہر بات ختم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات دوپہر تک سوال وجواب کا یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور آخر میں ہر فریق خوش خوش گھر جاتا ہے کہ وہ بازی لے گیا۔ اس میں بیحد جوش وخروش کا اظہار ہوتا ہے اور چونکہ نہایت بلند آہنگی اور مخصوص طرز ادا میں دو دو ہزار آدمی مرثیہ پڑھتے ہیں۔ اس لئے مجال نہیں کہ آس پاس کے محلہ والے سو سکیں ان عجیب وغریب تک بندیوں کے خاص شاعر تھے اور اب بھی ہیں۔ جو قدیم مرثیہ گو ہیں اور اب تک پڑھے جاتے ہیں اس میں قدیم زبان کا کافی اثر پایا جاتا ہے مثلاً ستی بمعنی بکثرت سے استعمال ہوتا ہے"۔ شہر کی عام زبان اگرچہ مقامی اردو ہے لیکن مخصوص چند محلے ایسے ہیں جو مسلمان بنگلا بولتے ہیں۔ مرثیہ خوانی بھی محلہ والوں کی رعایت سے دو زبانوں میں ہوتی ہے اور ان لوگوں کی الگ الگ تاریخیں ہیں۔ پرلطف امر یہ ہے کہ یہ مرثیہ خوانی راگ راگنی کا بھی خیال رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ بھاگ ہے اور پرچ دو دو اور تین ہزار آدمیوں کا ایک ساتھ بھاگ تبرج الاساتان سین کی مدح پر تبرا کرنا ہے۔ ان مرثیہ خوانوں کے بعض دستور قابل ذکر ہے۔ ہر ایک پارٹی میں ایک ایک محلہ سلام پڑھنے والوں کا ہے اور یہ ہادی نہیں بلکہ گروہ ہیں۔ جب تک یہ سلام پڑھنے والی پارٹی حسینی دالان پہنچ۔ زینہ کے سامنے سلام پڑھ کر اوپر نہ جاتے تب تک ہادی

کے دیگر گروہ اور خود بادشاہ بھی اوپر نہیں جا سکتے۔ مثلاً امام گنج والے بادی ہیں ان کے ساتھ بہت سے محلے مرثیہ خوانی کرتے ہیں یہ گروہ کہلاتے ہیں۔ ان میں ایک محلہ مغ بازار بھی گروہ میں داخل ہے اور سلام پڑھنا ان کا قدیم حق ہے۔ اب جب تک یہ گروہ حسینی دالان پہنچ کر سلام پڑھ کر اوپر نہ جاتے تمام محلے والے اور خود حریف یعنی امام گنج والے اوپر نہیں جائیں گے۔ ہر محلہ اپنا نشان لے کر آتا ہے اس کو "اڑانی" کہتے ہیں۔ اس کی زیبائش اور سجاوٹ اب روز بروز بڑھ رہی ہے۔"

"یہ مرثیے کھڑے ہو کے غول باندھ کے پڑھے جاتے ہیں۔ اور مرثیہ خوانی کی طرف دار پارٹیوں میں آتش بازی کا مقابلہ بھی ہوتا ہے لیکن یہ چھٹویں اور ساتویں تاریخوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔ سبب اس کا یہ ہے کہ یہ دو تاریخیں ان محلوں کی ہیں جو کثرت آبادی اور نسبتاً تمول میں بھی ممتاز ہیں۔ مرثیہ کی ابتداء دراصل بقرہ عید کے دن چوک میں ہوتی ہے۔ بعد مغرب کبھی امام گنج کبھی رحمت گنج کے مرثیہ خواں سڑک پر کھڑے ہو کر اور غول باندھ کر ایک مختصر سا مرثیہ پڑھ کر جاتے ہیں۔ یہ گویا اس کا اعلان ہے کہ اب محرم کی آمد آمد ہے۔ یہ امر تعجب سے خالی نہیں کہ یہ لوگ اپنے قدیم دستور پر اس طرح جمے ہوتے ہیں کہ ایک انچ آگے یا پیچھے ہٹنا پسند نہیں کرتے مثلاً امام گنج والے اپنی اڑانی" لے کر چلتے ہیں اور چھوٹا کٹرہ کے موڑ پر کھڑے ہو کر مرثیہ پڑھتے ہیں۔ چھوٹا کٹرہ والے جو پہلے سے تیار رہتے ہیں ان کے ساتھ مل جاتے ہیں اور پھر اچانک مقیم کٹرہ روڈ کے طرف جاکر موجودہ قصاؤ پٹی کے پتلی گلی سے گزر کر چوک کے پورے اتر کونے میں نکلتے ہیں اور پھر وہاں سے سیدھے حسینی دالان جاتے ہیں۔ ابتداء اس عادت کی یوں ہوئی کہ شاہی وقت میں یہی گلی شاہراہ تھی یعنی یہ سڑک

مقیم کٹرہ کے نیچے سے گذرتی تھی جہاں اب قصائیوں کی دکانیں ہیں لیکن اب تک یہ لوگ اس لکیر کے فقیر ہیں۔ یہ مرثیہ خوانی حسینی دالان کے دکھن طرف کے وسیع ہال اور اس کے شاندار برآمدہ میں ہوتی ہے۔ درحقیقت حسینی دالان سنی اور شیعہ اتحاد کا عملی مرکز ہے۔ یعنی ٹھیک آدھے حصّہ میں سنیوں کی یہ مرثیہ خوانی اور دیگر مراسم محرم انجام پاتے ہیں اور اتر جانب کے ہال اور برآمدوں میں اہل تشیع حضرات اپنے مذہبی مراسم بجا لاتے ہیں۔ وہیں "ضریح مبارک" ہے علم ہیں اور ممبر رکھے جاتے ہیں۔ وہیں نوحہ خوانی، سوز خوانی ہوتی ہے۔ ادھر کے مراسم میں کوئی نئی بات نہیں۔ ہر جگہ جس طرح شیعہ حضرات عمل فرماتے ہیں۔ یہاں بھی ہوتا ہے صرف اصطلاحاً ان مرثیہ کو جس طرح بھٹیاں "مرثیہ" کہتے ہیں ادھر کی سوز خوانی وغیرہ کو "رنگین مرثیہ" کہتے ہیں۔ شاید کسی زمانہ میں خوش آوازی کی بنا پر رنگین مرثیہ دکھا گیا ہوگا مگر اب تو یہ رنگ پھیکا ہے۔ ادھر کے مجالس اگرچہ عملاً تمام شیعہ احباب سے مختص ہیں مگر پھر بھی سنی شائقین شریک ہوتے ہیں اگرچہ اس کی تعداد بہت مختصر ہوتی ہے۔ پہلے اس طرف مجلس ہوتی ہے اور دس بجے تک یہاں تمام تقریب ختم ہو جاتی ہے اور اس کے بعد دکھن جانب قیامت خیز شور و غل شروع ہو جاتا ہے غرضیکہ اسی طرح پانچویں آجاتی ہے۔ آج بہشتیے بننے کی تاریخ ہے۔ ڈھاکہ میں بہشتے محرم کے ایک شاندار جزو ہیں اس میں زیادہ مسلمان اور تقریباً سب سنی اور خال خال ہندو ہوتے ہیں۔ بہشتہ اکثر منت میں بناتے جاتے ہیں اور کبھی خاندانی رواج بھی اس کا موجب ہوتا ہے۔ بہشتہ ڈھاکہ میں واقعی حسین تقریب ہے۔ چھوٹے بچے سے لیکر ستر برس کے بڑھے تک بہشتہ بناتے ہیں۔ ان کی تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار کی ہے اور ہر بہشتہ کے لئے لازمی یونیفارم ہے۔ اور مشتمل ہے ایک کھاروا کی لنگ جو اکثر پاجامہ کے اوپر

لپیٹ لیتے ہیں۔ سبز کرتا یا اچکن پر۔ گلے میں کفنی اور سینہ پر بدھی، ہاتھوں اور گلے ل میں زرنا کلاوے۔ ننگے پیر رہنا بھی لازمی ہے اب اکثر ننگے سر ہوتے ہیں مگر پہلے پگڑی لازمی تھی اور پگڑی آزار بند لپٹا ہوتا تھا۔ ایک ہاتھ میں جام اور بغل میں چھوٹا مشکیزہ۔ دوسرے ہاتھ میں قیمتی بیرق جسے یہاں بہشتوں کا جھنڈ کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بہشتہ سب سے زیادہ خرچہ اپنی بیرق کو شاندار بنانے میں کرتا ہے۔ صاحب حیثیت چاندی کا چھڑ بناتے ہیں۔ مگر نشان سبھوں کا شاندار ہوتا ہے۔ "بہشتوں کی قیغ "قدیم الایام" سے بہشتوں کے چند سردار ہیں[1]۔ یہی سردار نئے بہشتے بناتے ہیں۔ ان کو بہشتہ بنانے کے لئے بہشتہ کی طرف سے کچھ نذرانہ بھی وصول ہوتا ہے۔ چھٹی شب کو حسینی دالان کے میدان میں تمام بہشتے سرداروں کے ماتحتی میں جمع ہوتے ہیں۔ اور ان کی بیرقوں کی قیغ لگائی جاتی ہے یہ قیغ اس قدر ضروری ہے کہ اگر کوئی بہشتہ بمجبوری حاضر نہیں ہو سکتا ہے تو وہ اپنی بیرق (چھڑ) ضرور بھیج دیتا ہے۔ اس قیغ کے نیچے موم شمع اور اگر کی بتیاں روشن ہوتی ہیں اور یہاں لڈو پر نیاز دلائی جاتی ہیں"۔

آج حسینی دالان میں بڑی رونق ہوتی ہے۔ آدمیوں کی کثرت سے چلنا دشوار ہوتا ہے روشنی بھی آج بہت اچھی ہوتی ہے اور میلہ اپنے شباب پر آجاتا ہے۔ علی العموم پانچویں سے "ہاتھ بند ھائی" وغیرہ سیاہ چادر ڈال کر دوسرا راستہ سے پھر حسینی دالان پہنچا دئے جاتے ہیں اگرچہ اب اصلی مرکز محرم یعنی حسینی دالان میں بالکل سناٹا ہو جاتا ہے لیکن فی نفسہ تقریبات محرم کا خاتمہ نہیں

---

[1] اسلامی پنچایت ڈھاکہ مطبوعہ ۱۹۱۱ء۔

ہوتا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیے کہ شیعہ آبادی کی تقریب ختم ہو جاتی ہے۔ مگر سنی اپنا مشہور اور بیحد مقبول تعزیہ "بولتا گہوارہ" نکالنے کے بعد چین لیتے ہیں۔ بولتا گہوارہ اس تعزیہ کا نام ہے جو بی بی کے روضہ سے اٹھایا جاتا ہے۔ ایک زمانہ میں یہ بہت بڑا اور اونچا تعزیہ تھا لیکن اب بوجہ بجلی اور ٹیلیگراف کے تاروں اور بہت کچھ غربت کے سبب اس قدر بڑا نہیں بنتا۔ قدیم رسم ہے کہ ایک شخص روزہ رکھکر صبح سے سجدہ میں پڑا رہتا ہے کہا جاتا ہے کہ اس کو اشارہ ہوتا ہے کہ ہاں وقت آگیا اب اٹھاؤ اور اس عالم جذب میں کہتا ہے "ہوں" لوگ جو پہلے سے تیار ہوتے ہیں تعزیے کو چل دیتے ہیں۔ مابعد شہادت روایت کی جاتی ہے کہ بعد شہادت حضرت سیدنا الحسین ؑ جسم مبارک خاک و خون آلودہ بے گور و کفن میدان کربلا میں پڑا ہوتا ہے قریہ والے جو افواج پریڈی کے ڈر سے ہمدردی امام بظاہر نہیں کر سکتے تھے شام کی سیاہی میں آتے ہیں اور جسم مبارک مناسب جگہ دفن کر دیتے ہیں۔ اب ہم "بولتا گہوارہ" کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ اس سے ناظرین اندازہ کر لیں گے۔ کہ بولتا گہوارہ واقعہ کی تمثیل ہے۔ سب سے پہلے تقریباً چار بجے ۴۔۳ شخص ایک نشان ایک یا دو سہرے کی گھڑی جس میں چڑھاوے کے سہرے ہوتے ہیں۔ اور راستہ میں جو درخت کی ڈالیاں آڑے آئیں ان کو تراش دینے کے لیے بالنس اور داؤ لے کر آتے ہیں اور محلہ فراش گنج سے عیدگاہ تک جاتے ہیں۔ اس کے آگے ایک تاشہ بجتا جاتا ہے اس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اب اصل تعزیہ میں زیادہ دیر نہیں۔ شام سے گھنٹہ بھر قبل ایک بڑی جماعت سہرے بیچنے والوں کی دوڑتی ہے جو سہرہ سنی سہرہ سنی کہتے ہوئے اور لوگوں کے ہاتھ سہرہ سنی بیچتے ہوئے گذرتی ہے یہ علامت ہے کہ "بولتا

گہوارہ" اب کوئی دم میں آ پہنچا سہرا سنی خرابی ہے" سہرا شیرینی گلی۔ یہ تیرہ لے
کا سہرا وا مرد برائے امام ایک پٹرے میں شکر بھرتی ہے۔ جو تعزیے پر پھینکے جاتے
ہیں۔ یہ تعزیہ جیسا کہ کہا گیا بیحد مقبول تعزیہ ہے چنانچہ ہندو، عیسائی،
مسلمان اور مسلمانوں میں شیعہ سنی سب ہی اس کو مانتے ہیں۔ تعزیہ آنے
سے پہلے ہندو عورتیں راستہ میں ایک لوٹا پانی میں ڈال کر سجدہ کر کے الگ
ہو جاتی ہیں۔ عیسائی جو تمام لڑکیاں ہیں یہ صرف سہرا اور کبوتر تعزیہ پر پھینکتے
ہیں اور مسلمان اور ہندو سہرا سنی کبوتر، مرغا اس کثرت سے پھینکتے ہیں
کہ تعزیہ گذرنے کے بعد بھی راستہ میں جدھر دیکھو سہرا ہی سہرا نظر آتا ہے
یہ تعزیہ شیعوں کے کربلا میں ٹھنڈا نہیں کیا جاتا ہے بلکہ الگ کربلا عیدگاہ
قدیم کے سامنے ہے وہاں ایک تالاب ہے اسی میں اس کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔
جو فراش گنج سے ۵ میل سے کم نہیں اور یہ ۵ میل زمین ایک گھنٹہ کم میں طے
کی جاتی ہے دستور یہ ہے کہ ہر محلے کے نوجوان اپنے محلہ کی سڑک پر انتظام
میں کھڑے ہو جاتے ہیں اور جہاں تعزیہ پہنچا اس میں شامل ہو کر محلہ سے آگے
بڑھا دیتے ہیں لیکن زیادہ پرجوش دور دور سے استقبال کرتے ہیں اور
بہت سے ایسے ہیں جو ابتدار سے انتہا تک شریک رہتے ہیں۔ تصور
کیجئے کہ دو تین ہزار نوجوان کا مجمع کھڑا ہے تعزیہ دس پندرہ مضبوط کہار
اٹھاتے ہوئے ہیں چاروں طرف رسیاں اور نارے بندھے ہوئے ہیں اور یہ
مجمع تمام رسیاں پکڑے ہوئے ہے اتنے میں "ہوں" کی آواز آئی اور چشم زدن
میں تعزیہ روانہ ہو گیا سب سے پہلے ایک زبردست گروہ اچھلتا کودتا اور
ہر ادا سے سرشار دوڑتا آتا ہے۔ مجال نہیں کہ کوئی بیٹھا رہے تمام گاڑیاں
بہت پہلے سے بند ہو جاتی ہیں۔ بچے اور کمزور لوگ سڑک چھوڑ کر دکانوں

اور کانوں پر چڑھ جاتے ہیں کہ اس انسانی سیلاب کا مقابلہ کرنا حماقت ہے اور اس کے ساتھ ہی اس سے زیادہ پرجوش مجمع رسیاں پکڑے ہوئے اور حسینؑ حسینؑ کہتے ہوئے دوڑتا ہوا آتا ہے اسی میں "بولتا ہوا گہوارہ" گھومتا ہے جس کی برچھیاں کلس غرضیکہ ہر چیز شکستہ ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو نظر بھر کر اس تعزیہ کو دیکھ سکتے ہیں کہ اس کی تیز رفتاری چشم زدن میں نظروں سے اوجھل کر دیتی ہے یہ اس قدر پابند وضع تعزیہ ہے کہ جو قدیم راستے ہیں اب تک اسی سے گزرتا ہے مثلاً چوک پہنچ کر چوڑی ہٹ کی پتلی گلی سے اس قدر مجمع کے ساتھ گزرنا کس قدر دشوار ہے لیکن "بولتا گہوارہ" وہیں سے گزرے گا اور کسی مزاحمت کی پرواہ نہ کرے گا۔ لکھنؤ اور کانپور میں جب تعزیہ نکلتا ہے واقعی اس سے بڑا اثر ہوتا ہے لیکن یہ "بولتا گہوارہ" جس شان اور دبدبہ سے نکلتا ہے وہ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے"

اس کے بعد ڈھاکہ کا محرم ختم ہو گیا اور اب کوئی پبلک تقریب نہیں ہے لیکن یہ شائد بے موقع نہ ہوگا کہ ان خاص امور کے متعلق بھی ذکر کر دوں جو محرم ہی میں نظر آتا ہے۔ سب سے پہلے "پن سلا" کا ذکر مناسب ہے۔ پن یعنی پانی اور سلا سال کا مخفف یعنی پانی کی جگہ ہے یوں تو معمولی سبیلیں بہت سے لوگ لگاتے ہیں اور خاص کر عاشورہ میں اردو روڈ سے لیکر اعظم پور تک اکثر مسلمان اور کچھ ہندو احباب کی طرف سے سبیلیں لگتی ہیں جس میں بھیگے چنے اور آب سرد تقسیم کرتے ہیں لیکن پھسرا کی ڈیوڑی کا پن سلا اپنی نوعیت میں عجیب و غریب چیز ہے یہاں قدیم و جدید تصویروں کی نمائش ہوتی ہے۔ یہاں قابل دید تصویروں کا مجموعہ ہے جو نواب نصرت جنگ بہادر کے جلوس نماز عید اور "گہوارہ گشت" کا قدیم منظر پیش کرتا ہے یہ موقع مشہور مصور عالم کی صنعت کاری

اصل یہ ہے کہ لوگ محرم کی اس ضروری تقریب کو پانی پلانا بھول
گئے ہیں چنانچہ یہ بہشتے بھی شربت کی جا خالی خشک مشکیزہ لگائے پھرتے ہیں
اور یہاں کچھ دنوں سے انجمن رضاکار اسلام کا خیمہ میدان اعظم پورہ میں برف
کا سامان کرتا ہے۔ اس سے لوگوں کو بہت آرام پہنچتا ہے اور مسلمان بچے
آرام کرشن مشن کے اصول پر خدمت خلق کے لئے تیار کئے جاتے ہیں۔ محرم کے
کھچڑے امیر غریب حسب حیثیت سب ہی پکاتے ہیں اور بہ نظر ثواب تقسیم
کرتے ہیں۔ امراء کے یہاں پلاؤ کی دیگیں بھی تقسیم ہوتی ہیں۔ شربت عاشورہ
میں بانٹے جاتے ہیں۔ تیجہ کی شام کو حسینی دالان کے متعلقہ باورچی خانہ سے
شیر برنج عمائدین شہر میں تقسیم ہوتی ہیں اور سال بھر کے لئے عملی طور پر
محرم کی تقریبات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس مضمون میں بے حد اختصار سے کام لیا
گیا۔ حسینی دالان کی عمارت اور اسکی روشنی کے جزئیات ضروری بحث تھی تقدیم
تصویر کے سلسلہ میں یہ بیان کرنا ضروری تھا کہ اب ان جلسوں میں کس قدر
فرق ہو گیا ہے۔ اور لوگوں کے پوشاک میں کیا انقلاب ہوا۔ ماتم کے طور
مناظر کے طریقے بدل گئے۔ پھر محرم کی خاص چیز گوشت اور دھنیا کا ذکر باقی رہ
گیا۔ حسینی آباد کی تاریخی حیثیت نظر انداز ہو گئی۔ اکھاڑوں کی تفصیل رہ گئی
غرض یہ کہ اس اختصار پر بھی ۲۴ صفحہ جادو کے صرف ہو گئے۔ حکیم احسن اللہ
رسالہ جادو کا ہر مضمون مفید اور کار آمد و معلوماتی ہے۔ اس میں ڈھاکہ
کے اردو شعراء کا تذکرہ بھی چھپا ہے۔ ڈھاکہ میں اب اردو ختم کر دی گئی ہے
اس لئے ضروری سمجھتا ہوں کہ رسالہ جادو میں جن بنگالی اردو شعراء کا کلام
طبع ہوا ہے ان کے نام ان کے دو شعر بھی درج کئے جائیں۔

جناب مولوی رضا علی صاحب وحشت کلکتہ سے

میں ہی تنہا اٹھاؤں لطف سوزِ عشق کا
کچھ مرے دل میں رہے اور کچھ ترے دل میں رہے
عمر بھر کھایا کئے وحشت فریبِ آرزو
پُر رہا اس لئے وہ ارمان کہ جو دل میں رہے

جناب سیدار بخت [illegible] سے

بیان کس سے کریں ہم فراق کے صدمے
تڑپ تڑپ کے گزارتے ہیں رات صبح تک
وہ [illegible] دیکھنا بیدار کر
وہ آدمی ہیں بڑی چلبلی طبیعت کے

جناب سید شاہ نجیب ممتاز ابوالعلائی ڈھاکہ سے

پھلے یہ طرح چمن میں بلا کے ‏ ‏ بہت پچھتائے تم سے دل لگا کے
یہ سیرت جو [illegible] دل کا اثر ہے ‏ ‏ کہو [illegible] آ کر پوچھیں خوشبو آ کے

جناب مولوی بدیع الزماں صاحب بدر (کلکتہ) سے

تری دزدیدہ نگاہ نے دل کو گھائل کر دیا
یا مرے دل ہی نے مجھ کو تجھ پہ مائل کر دیا
ناز و انداز و ادا اور اس پر آغازِ شباب
ایسے ساماں سے لٹے ہوش و قرارِ شیخ و شاب

جناب نواب زادہ اے ایف ایم عبدالحفیظ صاحب حافظ رئیس کلکتہ برادر زادہ حضرت انساخ مرحوم سے

مجھ سے کہتے ہیں کہ جب تم آؤگے ‏ ‏ شمع محفل سے اٹھا لی جائے گی

شیخ کو شربت پلائیں گے ہم آج   تھوڑی سے بھی اس میں ڈالی جائے گی

توڑنا حافظ نہ تم ساقی کا دل

توبہ کیا ہے توڑ ڈالی جائے گی

جناب سید اظہر حسین صاحب اظہر ڈھاکہ سے

گم ہوا زہد ہاتھ میں اپنے کسوٹی رہ گئی

[illegible] مشکل سے [illegible] رہ گئی

[illegible] آخر [illegible] اس کا [illegible]

[illegible] کے [illegible] رہ گئی

جناب مولانا [illegible] صاحب شفق [illegible] سے

[illegible] بھول گئے ہم بھی تمہیں بھول گئے

اب وہ دل [illegible] جس میں تیری یاد [illegible]

جس [illegible] کو شفق پر [illegible] آ گیا

اب سروکار نہ [illegible] سے [illegible]

جناب مولوی شہاب اللہ صاحب ثاقب [illegible]

چاٹگام سے ۔

جس نے دیکھا یہ جمال رخ زیبا تیرا   [illegible] والا تیرا

آج تک ہے وہی ثاقب سے کم و بیش باقی   [illegible] صفائی پہ دل [illegible] تیرا

حضرت مرزا ابو جعفر ایم اے [illegible] کلکتہ سے

فوج سرور کے مقابل لشکر بے پیر ہے

اس طرف باجوں کا غل ہے اس طرف تکبیر ہے

[illegible] شعر [illegible] تو کر مدح حسین   افضل افکار ذکر حضرت شبیر ہو

جناب مولوی سید ابو الفتاح شرف الدین صاحب شرف سے

حاصل عمر گرانمایہ ہے میخوار کے پاس
کہیئے کیوں جائے کوئی زاہد مکار کے پاس
مغفرت اپنی ہے موقوف شفاعت یہ شرف
اک ندامت کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس

حضرت مولانا خالد رئیس بولائی میمن سنگھ سے

نوید یاروں کو پھر ساعت سعید آئی — ہلال عید نے کی جوش میں پھر انگڑائی
بتا یہ رندوں سے گا جوش مستی میں — عجب حسن ادا اپنی قمر نے دکھلائی

جناب میر وزیر علی صاحب نامی جہانگیر نگری شاگرد حضرت آزاد سے

عاشورہ کی شب بیٹھ کے کہتی تھی زرائی ——— خالق کی دہائی
مل جائے گی کل خاک میں زہرہ کی کمائی ——— خالق کی دہائی

جناب حکیم حسن مرزا صاحب حرقی سے

سلامی فاطمہ زہرا کی ہے توقیر پہلے سے
خدا نے ان کو بخشی چادر تطہیر پہلے سے
طفیل پنج تن اے حرقی قسمت میں میرے حق نے
لکھی ہے جنت فردوس کی جاگیر پہلے سے

جناب مرزا گوہر علی صاحب گوہر جہانگیر نگری سے

مجرائی ہیں ہوں عاشق شیدا حسینؑ کا
دکھلائے کبریا مجھے روضہ حسینؑ کا
گو ہے مبتلائے مرض اک زمانے سے
یا شافی دے شفا اسے صدقہ حسین کا

جناب خواجہ عبدالنعیم صاحب نعیمؔ جہاں گیر نگری سے

غضب ہے یہ تیوری چڑھانا کسی کا
جگر پر یہ خنجر چلانا کسی کا
نعیمؔ ان کو قابو میں لاؤں تو پوچھوں
کہو یاد ہے وہ ستانا کسی کا

خواجہ محمد عادل صاحب

خواجہ صاحب ڈھاکہ کے ایک معزز ذی مول واہل ثروت خاندان سے تعلق رکھتے تھے ان کے جدامجد جناب خواجہ علیق اللہ صاحب شہزادہ میاں شیداؔ تھے۔ جن کا ذکر خواجہ محمدؒ عادل صاحب نے صفحہ آہ ارٹ میں جادو ڈھاکہ کے شمارے اگست ۱۹۲۳؁ء میں کیا ہے۔

"میرے جدامجد حضرت خواجہ علیق اللہ صاحب شیداؔ کا ایک بند آپ کے درج جادو کیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی ہماری جادوگری ہے کہ حضرت موصوف اس کی اشاعت پر راضی ہو سکے۔"

خواجہ علیق اللہ کا ایک بند اسی شمارے اگست ۱۹۲۳؁ء میں شائع ہوا تھا۔

غم حسینؑ میں ہر لب پہ آہ و زاری ہے
وہ کون چشم ہے جس کو نہ اشک باری ہے
وہ کون دل ہے جس کو نہ بے قراری ہے
وہ کون جان ہے جسے اب نہ سوگواری ہے
خدائے پاک ہمیں بھی غم حسینؑ ملے
نہ ہووے دل کو قرار ایک دم نہ چین ملے

خواجہ محمدؒ عادل صاحب کے والد خواجہ محمدؒ اعظم بن خواجہ عبدالعلی بن خواجہ مولانا علیق اللہ شیداؔ تھے۔ ان کے نانا صاحب احسن القصص تھے۔

آپ کے عم محترم خواجہ محمد معظم تھے جن کا ایک تاریخی مضمون جادو ڈھاکہ مورخہ اپریل ۲۰ء سنہ ۱۹۲۲ء میں اعتقاد الدولہ اسلام خاں چشتی پر شائع ہوا تھا۔

جناب خواجہ محمد عادل صاحب ایک اچھے ادیب تھے۔ تمام بنگال کے علمی ادبی حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے آپ نے تذکرہ شعراء اردو ڈھاکہ مرتب کیا تھا۔ جو جادو ڈھاکہ میں بالاقساط شائع ہوا تین قسطیں اس مضمون میں نقل کر دی گئی ہیں۔ یہ تذکرہ غالباً علیحدہ کتابی شکل میں نہیں چھپا اگر چھپا ہو گا تو میری نظر سے نہیں گذرا۔ آپ کے تاریخی و ادبی مضامین آپ کے دور کے رسائل میں شائع ہوتے تھے۔ آپ دل سے اردو کی ترقی کے خواہاں تھے۔ جادو میں آپ کا مستقل عنوان "صفحہ تعارف" تھا اور آپ ہی اپنے زمانہ کی اردو مطبوعات اور اردو رسائل پر جادو میں ریویو تحریر کرتے تھے۔

معیار سخن یہ ماہانہ گلدستہ مالیگاؤں ضلع ناسک سے جنوری ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ عبد اللطیف الطف اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپئے تھا۔ مطبع مصطفائی کمباڑہ بمبئی میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے سر پرست حضرت عارج فخر مالیگاؤں تھے۔ اس کے سر ورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

ریاض ناز میں چمن ہند و دکن کا ہر پھول ہے گلدستہ معیار سخن کا

اس گلدستہ میں اساتذہ سخن اور ممتاز شعراء کا پاکیزہ منتخب کلام چھپتا تھا۔ سیاسی جھگڑوں سے یہ گلدستہ پاک و صاف رہتا تھا۔

دسمبر ۱۹۲۳ء کے شمارہ کے چند شعراء کا منتخب کلام درج ہے۔

جناب احمد اورنگ آبادی تلمیذ نواب فصاحت جنگ بہادر حضرت جلیل مدظلہ

وہ آتے یا نہ آتے مجھکو اس سے کیا غرض تھا ہمدم
میری حالت کا ان پر کم سے کم اظہار ہو جاتا
نہ پوچھو وصل کی شب کس طرح گزری اے ہمدم
اگر ہاں چھیڑتا اس کو تو وہ بیزار ہو جاتا

جناب محمد عبدالرحمن خان صاحب اظہر ابن اظہر تلمیذ حضرت بسمل جلال پوری سے

مہ و خورشید کی آنکھیں نہ دیکھا تا کبھی گردیں
اگر پیش نظر وہ روئے [illegible] انوار ہو جاتا
جو ہوتی الفت لیلیٰ میں مجنوں کو تمیز اظہر
کبھی اتنا نہ دیوانہ خدائی خوار ہو جاتا

جناب اللہ بخش صاحب انور نصیر آبادی تلمیذ جناب ساحر [illegible] پوری

تجھے معلوم ہوتی اے مسیحا عاقبت اس کی
اگر تو بھی کسی کے عشق میں بیمار ہو جاتا
دکھا دیتا جو ساقی مجھکو اپنے دیدۂ میگوں
تو اے بادہ کشو میں بے پیئے سرشار ہو جاتا

عالی جناب مولوی سید محمد نوح صاحب شہیر مچھلی شہری سے

جو وہ آتے تجلی طور کی گھر میں نظر آتی
ارے کچھ اور ہی رنگ در و دیوار ہو جاتا
اگر دو گھونٹ بھی مجھکو مے عرفاں کے مل جاتے
شہیر اس مستی غفلت سے میں ہشیار ہو جاتا

جناب طریق جونپوری فیض یافتہ حضرت نوح ناروی سے

المومن کلکتہ سے یہ مومن برادری کا آرگن جنوری ۱۹۲۳ء کو نمودار ہوا۔ کبھی ماہانہ، کبھی ہفتہ وار، کبھی پندرہ روزہ اور کبھی سہ ماہی نکلا۔ مختلف پرچوں کی ضخامت مختلف ہوتی تھی۔ جس کے ایڈیٹر جناب محمد یحییٰ صاحب تھے۔

اس رسالہ و اخبار کو مومن تحریک و مومن برادری کا اولین ترجمان سمجھنا چاہیے۔ جس نے مومن برادری اور اس کے اغراض و مقاصد کو پھیلانے میں بڑی مدد کی۔

المومن اخبار پر رسالہ جامعہ دہلی مورخہ اپریل ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریویو کیا تھا۔

"المومن جو تین برس سے قوم مومن کا ترجمان تنظیم مساوات کا علمبردار تمام غریب و کمزور مسلم قوم کا حامی ہے۔ ماہوار شائع ہوتا ہے الحمد للہ اب دہ قوم و ملت اور ملک کی قدر دانی سے انشاء اللہ جنوری ۱۹۱۶ء سے ہفتہ وار شائع ہوا کریگا اگر آپ تاریخ زمانہ حال کی سچی تصویر اور علمی معاشرتی اخلاقی اقتصادی صنعتی تجارتی مضامین اور تعلیم دنیا خصوصاً ممالک اسلامیہ کی تازہ خبروں کا خلاصہ ہر ہفتہ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہفتہ وار مومن خریدیں۔ ہر نمبر کم از کم آٹھ صفحہ پر ہوگا۔ کا نمونہ سفید چکنا۔ کتابت، طباعت کے لئے المومن کا نام کافی ضمانت ہے۔"

الہلال یہ مذہبی، سیاسی، علمی، اخلاقی اور ادبی رسالہ مارچ ۱۹۲۳ء کو دہلی سے جلوہ فگن ہوا۔ ۵۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر مولانا زاہد القادری اتر دلوی، پروپرائٹر شیخ فضل حسین صدیقی تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ ہلالی پریس میں چھپتا تھا۔

اس زمانہ کے دستور کے مطابق رسالوں میں ایک ناول بالاقساط چھپتا تھا۔ لیکن رسالہ الہلال میں دو ناول بالاقساط شائع ہوتے تھے۔ اس کے جلیل القدر اہل قلم کاونٹ ٹالسٹائی کے دل سوز ناول کا ترجمہ دل کا کانٹا اور جناب نیر کا معرکتہ الآرا مذہبی ڈرامہ آدم ابتدائی پرچوں میں بالاقساط طبع ہوئے۔ اس رسالہ میں بھی ملک کے مشہور و معروف اہل قلم کے مضامین رسالہ کی زینت بنتے تھے۔

معلم العلوم

حیدرآباد دکن سے مارچ ۱۹۲۱ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ سراج الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے اور مالک خواجہ محی الدین صاحب جدت تھے سالانہ چندہ تین روپئے تھا۔

یہ رسالہ طالب علموں کے لئے نکالا گیا تھا جس میں طلبا کے زیادہ مضمون تھے۔ نہ معلوم کیوں یہ رسالہ زیادہ نہیں چل سکا اور جلد بند ہو گیا۔

خواجہ محی الدین جدت

خواجہ صاحب حیدرآباد کے قدیم اور معروف خاندان سے تھے وکالت کے امتحان پاس کرنے کے بعد وکالت کی۔ پھر کوتوالی بلدہ کے صدر امین مقرر ہوئے شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ جدت تخلص کرتے تھے۔ معلم العلوم ایک رسالہ جاری کیا تھا۔ ان کے بھائی وجودی تھے۔ ان کا انتقال ۱۳۳۲ف میں ہوا۔ [1]

صدمے لاکھوں ہیں الم لاکھوں مصائب لاکھوں
اور میں ان کے مقابل میں خدایا تنہار

---

[1] سخن وران دکن ص ۱۵۶

ہم اپنے آپ دشمن ہیں زمانے کی خطا کیا ہے
گھٹی قدرِ شرافت جب شریفوں کا چلن بگڑا

حد سے بڑھتی نہ اگر مہر و محبت اپنی
نام بدنام نہ ہوتا کبھی میرا تیرا

گلدستہ ۲۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو لاہور سے بچوں کا ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ لالہ رگھوناتھ سہائے اس کے مدیر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپئے تھا۔

یہ رسالہ ۱۹۴۷ء تک نکلتا رہا۔ اس نے بچوں کی عادتیں سنوارنے میں بڑی مدد کی۔ بچے اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے تھے۔

لالہ رگھوناتھ سہائے سہائے صاحب بہت ہی خلیق نیک دل متواضع خاکسار مخلص بزرگ تھے۔ پانی پت میں پیدا ہوئے۔ جوانی میں لاہور چلے گئے تھے اور تقسیم ملک تک وہیں رہے۔ رسالہ رفیق التعلیم لاہور سے آپ نے جنوری ۱۹۱۷ء کو جاری کیا۔ اس نے طلبا کی تعلیمی معاملوں میں بڑی اعانت کی۔ ٹیچروں کے لئے مفید ثابت ہوا۔ کئی اخلاقی کتابیں بھی آپ نے تالیف کیں۔ دیال سنگھ ہائی اسکول لاہور کے ہیڈ ماسٹر اور دیال سنگھ ٹرسٹ کے ٹرسٹی تھے۔ برہمو سماج سے تعلق رکھتے تھے۔ تعصب اور تنگ نظری سے پاک وصاف تھے۔ ۱۹۴۷ء کے پرآشوب دور میں ہندوستان چلے آئے تھے اور رسولن میں فوت ہوئے۔ آپ کی تصانیف یہ تھیں [1]

---

[1] رفیق التعلیم لاہور جون ۱۹۱۷ء

۱:- گلدستۂ اخلاق - یہ کتاب بچوں کے اخلاق سدھار نے کے لئے نہایت مفید ہے - ۲:- خاتونانِ ہند - اس میں اٹھارہ ممتاز ہندوستانی عورتوں کے حالات درج ہیں - ۳:- گلدستۂ مضامین - بات چیت کے پیرایہ میں بہت سی سوشل و مذہبی خرابیوں پر متانت کے ساتھ بحث کی گئی ہے - ۴:- ۶۰۰ کاپیاں پنجاب ٹیکسٹ بک کمیٹی نے خرید کر تقسیم کی تھیں - ۴:- سوانح عمری راجہ رام بانی برہمو سماج - ۵:- سوانح عمری مہرشی دیبندر ناتھ ٹھاکر لیڈر برہمو سماج - ۶:- سوانح عمری مہاتما کیشب چندر سین لیڈر برہمو سماج -

ملاپ

لاہور سے یہ روزانہ اخبار ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا چار صفحات پر نکلتا تھا - اس کے ایڈیٹر مہاشے خوش حال چند خورسند تھے - چندہ سالانہ اٹھارہ روپے اور ششماہی نو روپے تھا - اس اخبار کے سرورق پر یہ شعر شروع میں درج ہوتا تھا

ہر ایک شکستہ دل کی ہمت بڑھائے گا یہ
حبِ وطن کے دلکش نغمے سنائے گا یہ -

ملاپ اخبار لاہور کن وجوہات و اسباب کی وجہ سے معرض وجود میں آیا - شری رنبیر ایڈیٹر ملاپ نے آپنے والد شری خوش حال چند خورسند کی زندگی پر ایک کتاب لکھی تھی - اس میں سے وہ حصہ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ملاپ کا آغاز کیسے ہوا - وہ ۱۳ اپریل ۱۹۷۲ء کے شمارے میں شائع کیا تھا - اس مضمون میں سے ہم ضروری اقتباسات نقل کرتے ہیں -

شری خوش حال چند خورسند آریہ گزٹ کے ایڈیٹر تھے - ان کے سوا بعاوٗ

اور تنظیمی قابلیت کو دیکھ کر مہاتما ہنس راج جی نے فیصلہ کیا کہ انہیں مالابار بھیجنا چاہیے۔ لیکن ماتا جی کو یہ فیصلہ اچھا نہیں لگا۔ ان کے پانچواں بیٹے ستیہ پال (دیدھ ویر) کا جنم کچھ ہی مہینے پہلے ہوا تھا۔ ان کی اپنی صحت کافی کمزور تھی۔ اڑھائی برس کے نیش کو ان دنوں نمونیا تھا کافی خراب حالت تھی۔ اس کی ماتا کو کسی نے یہ بھی بتایا تھا کہ مالابار میں کسی بھی ہندو کو زندہ نہیں چھوڑا جاتا۔ ان سب باتوں کی وجہ سے یہ نسیتے ہی کہ شری خوش حال چند جی ایک لمبے عرصہ کے لیئے ہزار ہا میل کی دوری پر چلے جائیں گے۔ وہ چلا اٹھیں بہت روئیں۔ دعوے کے ساتھ کہا کہ وہ شری خوش حال چند جی کو جانے نہیں دینگی۔ لیکن شری خوش حال چند ایک مرتبہ جو فیصلہ کر لیں اسے بدلنے کی طاقت کسی میں نہ تھی۔ مضبوطی کے ساتھ انہوں نے کہا تم رو نہ کرو۔ مجھے تو جانا ہی ہے۔

ماتا جی نے روتے ہوئے کہا اور "نیش" جو اتنا بیمار ہے اس کا کیا بنیگا؟ پتا جی نے کہا میں جانتا ہوں اس کی حالت خراب ہے تمہاری صحت کمزور ہے لیکن کسی آدمی کو اس کے سوائے اور تو کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ مر جائے اس سے زیادہ کوئی بات ہو تو مجھے اطلاع دیدینا۔ میں آجاؤں گا۔ ہمارے ایک رشتہ دار نے ان سے کہا رنبیر کی ماتا اتنی دکھی ہے تو آپ جاتے کیوں ہیں۔ پتا جی نے جواب دیا میں وہاں جاؤں گا جہاں ہزاروں رنبیروں کی ماتائیں زیادہ دکھی ہیں جہاں ہزاروں بچے مر رہے ہیں۔ صرف ایک بچے کے لئے ہزاروں بچوں کو کیسے بھلا دوں۔ جنہیں میری زیادہ ضرورت ہے اور تیسرے دن وہ دور دکھشن بھارت کی طرف چل پڑے ایک ایسے علاقہ میں جس کی زبان وہ جانتے نہیں تھے — لیکن دوسروں کی تکلیف کو وہ — اپنی تکلیف

سے بھی زیادہ ضروری اور زیادہ اہم سمجھتے تھے

"مالابار میں وہ تقریباً چھ مہینے رہے۔ اس لمبے عرصہ میں وہ اور ان کے ساتھیوں نے کس طرح کام کیا۔ جن لوگوں نے یہ دیکھے اور یہ تصویریں دیکھیں ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے لیکن یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ اصل کمی پوری نہیں ہوئی جو روزانہ اخبار نہ ہونے کی وجہ سے محسوس کی گئی۔ یہ سوال پیدا ہوا کہ اخبار کو شروع کون کرے اور اس کی پالیسی کی دیکھ ریکھ کون کرے؟ قدرتی طور پر مہاتما ہنسراج جی کے سامنے جو سب سے اہم آیا وہ شری خوش حال چند جی کا تھا۔ شری خوش حال چند جی نے کہا میں تیار ہوں کیونکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایسے اخبار کی ضرورت ہے جو سچائی کے ساتھ انصاف کرے۔ انگریز کی پھوٹ ڈالنے والی پالیسی کے خلاف جہاد کرے اور ملک میں اتفاق بنائے رکھے لیکن روزانہ اخبار چلانے کے لئے بہت روپے کی ضرورت ہے۔ شروع میں کئی ہزار کا گھاٹا پڑے گا اس کے لیے روپئے چاہئے اور میرے پاس جو کچھ ہے۔ تو آپ جانتے ہیں جیسے ہی تنخواہ بعد میں لیتا ہوں اسے خرچ پہلے کر دیتا ہوں۔ مہاتما جی بولے روپے کا انتظام ہو سکتا ہے ایسے لوگ موجود ہیں جو اس کام کے لئے روپیہ دے سکتے ہیں۔

مہاتما ہنسراج کی ہمت افزائی کا نتیجہ یہ نکلا کہ شری خوش حال چند جی نے فیصلہ کیا کہ وہ روزانہ اخبار نکالیں گے۔ لڑائی جھگڑے، چھوت اور فساد سے ان کو نفرت تھی۔ ان کا مشن تھا۔ دیش اور سماج کی ایکتا۔ اس لئے انہوں نے اخبار کا نام ڈاکٹر گوکل چند نارنگ کے مشورہ سے ملاپ نام رکھا۔ کافی سر جوڑنے کے بعد بھی اس کا فیصلہ وہ کر نہیں سکے۔ فیصلہ کے بغیر ہی اعلان کر دیا کہ ویدک دھرم اور سماج کی سیوا کے لئے ہر جگہ ایکتا کی بھاؤنا کو جگانے کے لئے اور

درست خبریں دینا اور اس کی درست رہنمائی کے لئے روزانہ ملاپ لاہور ۱۳/ اپریل ۱۹۲۳ء کے روز بیساکھی کے شبھ اوسر پر شائع ہوا اس کے لئے شاید دو سب ایڈیٹر رکھے گئے۔ مہاشہ امرناتھ جلالپوری اور شری پریم ناتھ الفت کا تبوں کا انتظام ہو گیا۔ ایک منیجر کا بھی۔ سب لوگوں کے بیٹھنے کا ایک کمرہ تھا۔ آریہ سماج انارکلی لاہور کی عمارت کے باہری حصہ میں پہلی منزل پر وہ کمرہ جس میں کبھی آریہ گزٹ کا دفتر ہوتا تھا۔ اس کمرہ کے علاوہ سیڑھیوں کے ساتھ ہی ایک چھوٹی سی کوٹھڑی تھی جو شری خوشحال چندجی کا دفتر تھی اور جہاں سے وہ بڑے کمرہ میں ہونے والی بات کو دیکھ سکتے تھے۔ اس کمرہ اور کوٹھڑی میں جس میں ملاپ کا آغاز ہوا تھا وہ آج ایک عظیم انسٹی ٹیوشن بن گیا ہے۔ اس چھوٹے سے پودے کو ایک عظیم انسٹیٹیوشن بننے کی شکتی ملی۔ تو یقیناً اس محنت کی وجہ جسے شری خوشحال چندجی نے اپنے جیون کا مشن بنایا۔ جن لوگوں نے قرض کے طور پر شری خوشحال چندجی کو مدد دی ان سب کے نام مجھے یاد نہیں۔ اتنا یاد پڑتا ہے کہ بخشی ٹیک چندجی نے جو اس وقت لاہور کے سرکردہ وکیلوں میں سے ایک تھے جو بعد میں پنجاب ہائیکورٹ کے چیف جسٹس بنے ایک ہزار روپے دیا۔ فیروزپور کے ایک شخص سیٹھ ہرجی مل نے پانچ سو روپے دئے اسی طرح کچھ دوسرے لوگوں نے وقت وقت پر مدد کی جو بعد میں واپس کر دی گئی۔ لاہور میں ان دنوں ایک بنک تھا۔ یونائیٹڈ بنک اس کے مینیجنگ ڈائرکٹر لالہ لال چندجی نے شری خوشحال چندجی سے کہا آپ کو جتنے روپے کی ضرورت ہو وہ میرے بنک سے بنا ضمانت کے قرض لیجیے۔ اس طرح یہ بھی ایک مدد ہوئی۔ ایک دن ملاپ کی پرانی فائلیں دیکھ رہا تھا وہ پرچہ مل گیا جو ۱۳/ اپریل ۱۹۲۳ء کے روز شائع ہوا تھا۔ اس کے پہلے صفحہ پر ملاپ کے

مشن کا ایک شعر درج ہیں ۔

ہر ایک شکستہ دل کی ہمت بڑھائے گا یہ — حب وطن کے دلکش نغمے سنائے گا یہ

شعر کے اوپر اوم کا جھنڈا تھا۔ اس کے نیچے پہلے ہندی میں پھر اردو میں روزانہ ملاپ لاہور لکھا ہوا ہے۔ ساتھ ہی لکھا ہے ایڈیٹر خوشحال چند خورسند۔ پہلے صفحہ پر ایک نظم ہے ملاپ کا "خیر مقدم" جسے شری ہردے ناتھ جی الفت نے لکھا۔ اس کے شروع کا بند ہے ۔

کیا پر امید مژدہ نور در زلا رہا ہے — یعنی ملاپ [illegible] آ رہا ہے
آتا ہے بانکپن سے دل کو لبھا رہا ہے — سرمست جام الفت [illegible] پلا رہا ہے
او آنے والے آجا آنا تجھے مبارک
بھارت کے گلستاں میں گانا تجھے مبارک

اسی پہلے پرچہ میں شری خوشحال چند جی نے خود جو ایڈیٹوریل لکھا تھا اس کے یہ الفاظ ملاپ کے مشن کو عیاں کرتے ہیں۔

سوراجیہ حاصل کرنے کے لیے ہندوستان کی مختلف قوموں کا اتحاد لازمی چیز ہے۔ بھارت کی دو بڑی قومیں ہندو اور مسلمان جب تک متحد نہیں ہوتیں جب تک آزادی ایسی نعمت میسر نہیں ہو سکتی۔ اس کے چند روز ہی بعد پنجاب کے مشہور قومی شاعر شری لال چند فلک نے ملاپ میں لکھا تھا۔

دھوم ہے شہر میں اخبار ملاپ آتا ہے — خوش خبر ساتھ میں [illegible] ملاپ آتا ہے
فکر خورسند کو تھی قوم کی خوشحالی کی — دور کر دینے ادبار ملاپ آتا ہے
دھوم کا حاشیہ [illegible] کا — قوم کا ملک کا غم خوار ملاپ آتا ہے
حق پہ ہوتا ہے سدا جور و ستم کا حملہ — ان غریبوں کا مددگار ملاپ آتا ہے
ہوش کر ہوش ذرا [illegible] سونے والے — خواب غفلت سے ہو بیدار ملاپ آتا ہے

چارہ سازِ غم داندرِدہ اسیراں بن کر حسرتِ حق کا طلبگار ملاپ آتا ہے
آریہ ورت کو غفلت سے جگانے کو فلک
ہمت و جوش میں سرشار ملاپ آتا ہے

ان دنوں پہلے صفحہ کا ادھا حصہ اخبار کی پیشانی ہوتی تھی باقی آدھے حصہ میں خبریں نہیں بلکہ کوئی نظم یا مضمون چھاپا جاتا تھا۔ کافی عرصہ ایک صاحب شری موہن لال بھٹناگر ایڈووکیٹ ملاپ کے پہلے صفحہ پر اپنے مسلسل مضامین لکھتے رہے۔ دوسرے اور تیسرے صفحہ پر بھی خبریں نہیں ہوتی تھیں۔ دوسرے صفحہ پر لیڈنگ آرٹیکل ہوتا تھا۔ تیسرے صفحہ پر واقعات دریائے عالم کے عنوان سے مختصر نوٹ۔ لیڈنگ آرٹیکل کی بغل میں پورا ایک کالم ویدمنتر کے لئے مخصوص ہوتا تھا۔ ہر روز ایک نیا ویدمنتر ترجمہ اور ویاکھیان کے ساتھ دیا جاتا تھا۔ جیسے شری امرناتھ جلال پوری لکھتے تھے

ملاپ ایسوسی ایٹیڈ پریس آف انڈیا کی خبریں لیتا ضرور تھا لیکن انہیں شائع کیا جاتا تھا اخبار کے پانچویں، چھٹے ساتویں صفحہ پر باقی آٹھ صفحے مضامین یا نظموں سے بھرے رہتے تھے۔ اخبار ۱۹۲۲ء سے بارہ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ شری تیرتھ رام جو کہ آج پچاس برس کے بعد بھی ملاپ کے جنرل منیجر ہیں۔ ملاپ میں وہ اس وقت آ گئے ملاپ کے آغاز ہونے سے ایک مہینے پہلے۔ شری خوشحال چند جی نے انہیں یہ کام سونپا تو یہ دیکھ کر کہ وہ محنت کرنے میں ہار نہیں مانتے۔

"انسان کی عجیب و غریب فطرت و عادت ہے کہ وہ جو سوچتا ہے اور فکر کرتا ہے تو وہ یہ چاہتا ہے کہ ہر انسان اسی طرح سوچے اور فکر کرے خواہ وہ درست ہو یا نہ ہو۔

کوئی مذہب و دھرم دنیا میں ایسا نہیں ہے جو اپنے پیغمبر و نبی، رشی منی

واوتار کی عزت نہ کرتا ہو اور ان کی جائے پیدائش کا بے پناہ احترام نہ کرتا ہو۔ دوسرے مذہبوں کے مقابلہ میں اپنے ہم مذہب کو فوقیت و اوّلیت نہ دیتا ہو اسی طرح اپنے ہم مذہب و ملک سے عقیدت نہ رکھتا ہو۔ ہردوار، متھرا اور بنارس وغیرہ کے متبرک مقامات کی ہندو عزت کرتا ہے کرشن چندر جی اور رام چندر جی کی جائے ولادت سے بے پناہ عقیدت رکھتا ہے اور ان مقامات کو اپنے لئے قابل صد احترام سمجھتا ہے اور اپنے ہم مذہب ملک نیپال وغیرہ سے ہمدردی رکھتا ہے اگر کوئی مسلمان کسی ہندو سے یہ کہے کہ تم ان اوتاروں اور ان مقامات مقدسہ کی عزت نہ کرو مسلمانوں کے پیغمبروں اور ان کے مقامات پیدائش کی عزت کرو جب تم ہندوستانی مانے جاؤ گے تو کیا کوئی ہندو ایسا کرنے کے لئے تیار ہو جائے گا اور ایسے خیالات کی تائید کرے گا ہرگز نہیں قطعاً نہیں کرے گا۔ بلکہ بہت برا مانے گا اور اپنی بے عزتی سمجھے گا۔ اسی طرح اگر کوئی ہندو مسلمانوں سے یہ کہے کہ تم اپنے پیغمبروں کی عزت نہ کرو ان کی جائے ولادت کا احترام نہ کرو اپنے ہم مذہب ممالک ترک، مصر و قسطنطنیہ سے ہمدردی نہ کرو اور ہندوؤں کے اوتاروں اور ان کی جائے پیدائش کی ہی عزت کرو اور ان کے ہم مذہب ممالک سے ہی ہمدردی رکھو تو تم سچے پکے ہندوستانی مانے جاؤ گے۔ فرمائیے کوئی مسلمان ان خیالات کی تائید کرے گا یا ان پر عمل کرے گا قطعاً نہیں ہرگز نہیں کرے گا کیونکہ یہ طریقہ قطعاً اختیار نہیں کرے گا۔

مسلمان اپنے ہم مذہب سے روحانی و قلبی تعلق رکھتا ہے اسی طرح ہر ہندو ہندو سے مذہبی تعلق رکھتا ہے غیر ہندو سے یہ مذہبی تعلق ہرگز نہیں ہو سکتا نہ مسلمان کو اپنے ہم مذہب کے مقابلہ میں وہ قلبی و روحانی تعلق ہو سکتا ہے جو مسلمانوں سے ہوگا

ملاپ لاہور اخبار کے بانیوں کے خیالات انسانی فطرت اور مذہبی اور دھارمک خیالات کے خلاف ہیں وہ مسلمان کو جب تک ہندوستانی نہیں سمجھتے جب تک وہ اپنے پیغمبروں نبیوں سے تعلق نہ توڑے اور ہندو اوتاروں کو تسلیم نہ کرے۔ اسی طرح ہندو اوتاروں کی جا ء ولادت سے عقیدت نہ رکھے مکہ معظمہ و مدینہ سے غیر تعلق نہ ہو جائے۔ اور مسلم ممالک مثلاً ترکی قسطنطنیہ سے ہمدردی ختم نہ کرے۔ جنگ بلقان طرابلس انگریزوں سے ہوئی ہے انگریز خلافت کا خاتمہ کر کے ترکی کے ملکوں پر قبضہ کرنے تو کر لیتے دین مسلمان ان سے ہمدردی نہ کرے نہ ہمدردی میں ان کی مالی امداد کرے۔

یہ عجیب و غریب و خود ساختہ قومی نظریات و خیالات اگر آپ کو دیکھنے ہوں اور پڑھنے ہوں تو ملاپ لاہور اخبار کے پہلے شمارے ۱۳ اپریل ۱۹۲۳ء کے لیڈنگ آرٹیکل ملاحظہ فرمائیے اور ایسی قوم پرستی پر داد دیجئے۔

"بچہ پیدا ہوتا ہے تو پرماتما وید منتر کے ذریعہ اسے پیغام پہنچاتا ہے کہ تیری اس دنیا میں آنے کی غرض و غایت کیا ہے۔ بڑا ہوتا ہے تحصیل علم کرتا ہے تو پھر پرماتما کے ذریعے اس کے مقصد کی یاد دلاتا ہے۔ گورودؤں سے پڑھ لکھ کر دنیوی کاموں میں قدم رکھتا ہے تو پھر ایک بار اور پرماتما (شرتی) کی معرفت اس کے آدیش اور لکشن کی طرف اشارہ کرتا ہے بلکہ پوری تفصیل کے ساتھ اس کا پروگرام اور منزل مقصود اس کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ دنیا کے مرحلوں کو طے کرتا ہوا بھی انسان پرماتما کے ان پیغام کو سنتا رہتا ہے کہ جو سے اس کی منزل کی طرف چلنے کی ہدایت کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ موت کے بعد اس سرزمین پر جہاں جا کر مادی عناصر بھی جلا دئے جاتے ہیں اور جیسے انسان جسم کی آرام گاہ بھی کہتے ہیں وید منتروں کے ذریعے آہوتیاں ڈالتے ہوئے اسی منزل کا تذکرہ کیا جاتا

ہے جہاں انسان نے پہنچنا ہے۔ دنیا بھی ہر اس انسان سے جو میدان میں قدم رکھتا ہے جو کسی راستہ پر گامزن ہوتا ہے پوچھتی ہے کہ بتلاؤ تمہیں کہاں پہنچنا ہے تمہارا اس سفر سے مطلب اور مقصد کیا ہے .... ۔ ان چند سطور تک ہماری منزل مقصود پوشیدہ ہے لیکن ابھی بازپ کا ظہور بھی نہیں ہوا تھا محض اس کی آمد آمد کی صدائیں بلند ہو رہی تھیں کہ ہمارے مسلمان بھائیوں نے شور مچانا شروع کر دیا تھا۔ اور ایک مسلمان ہم عصر نے یہ بھی لکھ مارا"۔ لالہ خوشحال چند کا اخبار اور ہندو مسلم اتحاد کا مقصود متضاد باتیں ہیں"۔

"ہم بھی سمجھتے ہیں کہ مسلمانوں کے موجودہ رویہ کو دیکھا جائے۔ ان کی میلان طبع کو ملاحظہ کیا جائے اور ان کی حب الوطنی کا جائزہ لیا جائے تو کہنا پڑتا ہے ان حالات میں واقعی ہندو مسلم اتحاد ایک خواب نظر آتا ہے۔ ہم اس ہندو مسلم اتحاد کے حق میں نہیں جو انگورہ اور قسطنطنیہ کے فائدہ کے لئے ہو تمہیں تنگ دل کہہ لو یا فراخدل۔ لیکن حقیقت کو پوشیدہ نہیں رکھا جا سکتا کہ ہندو مسلم اتحاد ہندوستان کی بہتری اور بھلائی کے لئے کیا گیا تھا نہ کہ ترکی اور افغانستان کے لئے۔ ایک سچا محب وطن تنگ دل بھی ہوتا ہے اسے اپنی پیاری ماتری بھومی کے سوائے باقی کل دنیا اندھیر نظر آتی ہے اپنے وطن کی مٹی اس کے لئے اکسیر ہوتی ہے اور اپنے وطن کے کانٹے اس کے لئے نرم و نازک پنکھڑیوں والے شگفتہ پھول ہوتے ہیں اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اس کے وطن میں رہنے والے دوسرے لوگ جو اپنے آپ کو بھی ہندوستانی کہتے ہیں۔ اپنے دل و دماغ اپنی قوت سب کچھ وطن سے باہر والوں کے پاس بیچ چلے ہیں تو اس کے دل پر ایک گہری چوٹ لگتی ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ غیر ممالک ہر سال کروڑہا روپیہ تجارت کے ذریعے باہر لے جاتے ہیں اور بھارت کو دن بدن کنگال کرتے

جاتے ہیں۔ اس اندھا دھند تجارت کے خلاف جو ہمارے امکان میں ہو کر گزرنا چاہئے لیکن یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ہندوستانیوں کا گاڑھے پسینے کی کمائی کا روپیہ مذہب کے نام پر عرب، مصر اور ترکی میں یا انگورہ اور قسطنطنیہ میں ہر سال لاکھوں کی تعداد میں چلا جائے اور کسی ہندوستانی کے دل پر چوٹ نہ لگے یہ کیسے ممکن ہے اگر یورپ والے تجارت کے نام سے ہندوستان کو کنگال بنا رہے ہیں تو یہ اپنے ہی وطن والے اپنے آپ کو ہندوستانی کہنے والے بھارت کے میٹھے پانی پینے والے اور اس کے نمک پر پرورش پانے والے مذہب کے نام سے دھڑا دھڑ روپیہ ہندوستان سے باہر نکال رہے ہیں۔ خیر اسے چھوڑو۔"

ذرا مسلمان بھائیوں کے دل کی حالت دیکھی جائے۔ بھارت کے گن گاتے ہیں۔ نہ گنگا جمنا کی روانیاں انہیں پسند ہیں نہ ہمالیہ کی برفانی چوٹیاں انہیں ٹھنڈک پہنچا سکتی ہیں نہ یہاں کے بہشتی میوے اور پھل پھول انہیں لبھا سکتے ہیں۔ ان کے اندر سے آواز نکلتی ہے تو عرب کے ریگستان کی۔ کوئی صدا اٹھتی ہے تو وہ اسی نجگہ گلیوں کی سیر کرنے کی۔ حسرت بھری نگاہوں سے دن گزارے جاتے ہیں کہ کب انگورہ اور قسطنطنیہ پہنچیں۔ ان کے اشعار دیکھ لیجئے ان کے گیتوں کو ملاحظہ کیجئے۔ ان کے اخبارات کے نام دیکھ لیجئے کوئی مدینہ ہے کوئی انگورہ ہے کوئی خلافت ہے اور کوئی افغان ہے۔ بتلاؤ ایسے دل کے مالک ہندوستان میں رہکر کبھی ہندوستانی بن سکتے ہیں۔ شاعر لکھتا ہے ؎

غربت میں ہیں اگرچہ رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہے جہاں ہمارا۔

غضب تو یہ ہے ہمارے مسلمان بھائیوں کا ترکی اور عرب کے ریگستانوں
میں اتنا دل بھٹک چکا ہے اگر وہاں سے ذرا سی آواز آ جائے کہ روپیہ کی
ضرورت ہے تو پانی کی طرح روپیہ بہا دیا جاتا ہے۔ ہندوستان سے انگورہ
تک، بمبئی سے قسطنطنیہ تک ایک دو پہری کھود دی جاتی ہے۔ لیکن اس کے
مقابلہ میں اگر ہندوستان ہی کے مسلمانوں پر کوئی مصیبت نازل ہو تو اس
وقت دل منجمد ہو جاتا ہے۔ ابھی مالابار کے اندر جب مسلمانوں کی طرف
سے یہ خبر شائع ہوئی کہ مسلمانوں کے امداد کے روپے کی ضرورت ہے
تو بہت کم اس کی طرف توجہ دی گئی۔ یہ حالات اس بات کے گواہ ہیں کہ
مسلمان مکی، مدنی، انگوری، عربی، خراسانی اپنے آپ کو سمجھتے ہیں اور جب
تک اس سمجھ کو بدل نہیں دیا جاتا تب تک سات کروڑ مسلمان ہندوستان میں
رہتے ہوئے بھی غیر ہندوستانی بنے رہیں گے۔"

میں کسی کی نیت پر شبہ نہیں کر سکتا خود سندر صاحب نے نیک نیتی سے
یہ طریقہ ہندو مسلم اتحاد کیلئے سوچا ہو گا اور اسی جذبہ سے یہ آرٹیکل لکھا ہو گا
لیکن ان کا یہ طریقہ اور ڈھنگ مسلمانوں کے لئے باعث کشش نہیں بلکہ باعث
نفرت بنا ہو گا۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کی اہمیت کو جس انداز سے گھٹایا گیا ہے
ایسی صورت میں مسلمانوں سے یہ توقع کرنا کہ وہ ایسے خیالات والے لوگوں سے اتحاد
کریں گے۔ قطعاً ناممکن ہے ایسے خیالات کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک تقسیم ہو گیا۔

ملاپ اخبار کے ایڈیٹر و بانی کٹر ہندو تھے۔ پالیسی بھی ان کی اسی قسم کی تھی
اس کو قوم پرستانہ کہلائیے یا ہندو ازم میں ڈوبی ہوئی فرقہ پرستانہ کہہ لیجئے۔
یہ بات حقیقت ہے۔ ملاپ نے اس کے بانی اور ایڈیٹروں نے ملک
کی آزادی کی حمایت میں نمایاں حصہ لیا اور ملاپ نے ملک کی آزادی کی حمایت

آرٹیکلز بھی لکھے اور اپنے آپ کو آزادی کے لئے وقف کر دیا تھا۔ اس میں دو رائے نہیں ہو سکتیں۔

مہاشے خوشحال چند خورسند کو بطور ایڈیٹر ملاپ تین مرتبہ گرفتاری دینی پڑی گرفتاری کی وجہ بھی بڑی دلچسپ تھی۔ ان کی پہلی گرفتاری کا تعلق ملاپ میں مطبوعہ کارٹون سے تھا۔ یہ کارٹون اس وقت چھپا تھا جب شہید بھگت سنگھ کے کیس کی سماعت کے بعد ان کو اور ان کے ساتھیوں کو پھانسی کی سزا دی گئی تھی۔ اس کارٹون میں کرسیٔ عدالت پر بیٹھے جج کے کان میں جدھر شہید بھگت سنگھ، راج گورو اور سکھ دیو کھڑے تھے کیل ٹھونکا ہوا دیکھا یا تھا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ جو بیان بھگت سنگھ جی دے رہے ہیں اسے وہ سن نہیں رہا ہے دوسرے کان کی طرف انگریز کھڑے تھے جن کو سن کر جج اپنا فیصلہ لکھ رہا تھا۔ یہ کارٹون اس وقت کے انگریز سرکار کے انصاف کی ایک منہ بولتی تصویر تھی۔

دوسرے مقدمہ کا تعلق ایک دلچسپ ڈرامہ کی اشاعت تھی۔ ملاپ میں ایک ہسپتال کے متعلق کوئی خبر آئی ایڈیٹر نے اسے ایک ڈرامہ کا روپ دے کر چھاپ دیا۔ اس ڈرامہ میں ایک سین دیکھایا گیا تھا کہ ایک انگریز بیمار ہسپتال میں داخل ہونے کے لئے آتا ہے اس ہسپتال میں کوئی چارپائی خالی نہ تھی انگریز مریض کے لئے چارپائی خالی کرنے کے لئے ایک ہندوستانی مریض کو فوراً ہی زہر کا ٹیکہ لگا کر راہی ملک عدم کر دیا گیا اور وہ چارپائی خالی کر کے اس پر لٹا کر انگریز بیمار کو اس پر لٹا دیا گیا یہ ڈرامہ تھا تو بہت مختصر مگر جنتا کے جذبات انگریزوں کے خلاف بھڑکانے والا تھا اس لئے خورسند جی کو ملاپ کے دفتر سے اٹھا کر سنٹرل جیل میں بند کر دیا گیا۔

تیسرا مقدمہ جو شری خوش حال چند جی کو بھگتنا پڑا۔ وہ کچھ اس نوعیت کا تھا کہ ملاپ میں چھپے کچھ لیڈنگ آرٹیکل جو صحیح معنی میں عوام کی ترجمانی کرتے تھے فراہم کئے گئے اور انہیں لے کر ہوم ڈیپارٹمنٹ نے فیصلہ کر دیا کہ خوش حال چند خورسند ملاپ کے اخبار کے ذریعے انگریز سرکار کے خلاف لگاتار بغاوت پھیلانے کا کام کر رہا ہے۔ اس لئے اس پر مقدمہ چلایا جائے

آچاریہ پرتھوی سنگھ آزاد ایم ایل اے اپنے ایک مضمون ملاپ دہلی مورخہ ۱۳ اپریل ۱۹۶۳ء میں شری خوشحال چند جی خورسند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"شری خوش حال چند جی خورسند نے جہاں ایک اخبار نویس کے ناتے سے دیش سیوا کی خدمت میں شہرت حاصل کی وہاں دھارمک اور سماجک سیوا کے میدان میں بھی وہ کسی سے پیچھے نہیں رہے آریہ سماج میں ان کا اپنا خاص مقام رہا ہے مویلا تحریک ہو یا کشمیری مسلم کانفرنس کا تنوروں کے خلاف اندولن شری خوشحال چند جی ہمیشہ سب سے آگے رہے اور جب ۱۹۳۹ء میں حیدر آباد دکن میں نظام شاہی کے خلاف ستیہ گرہ شروع ہوا تو اس میں بھی انہوں نے آریہ سماج کی چلائی ہوئی تحریک کی رہنمائی ہی نہیں بلکہ تیسرے ڈکٹیٹر بن کر اپنی گرفتاری دی اور حیدر آباد کے نظام کی کال کوٹھڑی میں بخندہ پیشانی مصائب جھیلتے رہے"

"۱۹۲۳ء سے لے کر آج تک ملاپ ملک کے لئے جی جان ایک کرتا ہوا آیا ہے کیونکہ ملاپ کوئی بے جان کاغذ کا ٹکڑا نہیں ہے بلکہ ایک جیتا جاگتا انسان ہے۔ جس میں خدمت کا مشن ہی خون میں دوڑ رہا ہے اس میں ملک کی خدمت سانس بن کر زندگی دیتی ہے۔ پڑھنے والوں کی تعریف و توصیف اس کی ٹانگیں ہیں جو اسے آگے چلا رہی ہیں اس کے ایجنٹ اور ہاکر اس کے کان ہیں

جو اس کے بارے میں سن کر اس کو فروخت کرتے ہیں اور ملاپ میں کام کرنے والے مالک سے لے کر چپڑاسی تک ایک ساتھ اس کا دل ہے جو لگاتار دھڑک کر اس سلسلہ کو جاری رکھا ہے جب ملک آزادی کا جنگ لڑ رہا تھا تو ملاپ نے بھی اپنی آواز ان ظلموں کے خلاف اٹھائی جس کی وجہ سے ہندوستان کا دم گھٹا جا رہا تھا اس کے لئے جیل ہوئی جیل کی مشقتیں برداشت کیں لیکن صرف آزادی ہی ملاپ کا ایک نصب العین نہ تھا وہ شروع سے لوگوں میں ایکتا کی اہمیت دیتا رہا "گرو تر پرستا ز رنگ ہیں۔

ملاپ کو شروع کرتے ہی خوش حال چند جی نے ایک اصول اپنایا کہ خود چاہے کتنی ہی تنگی میں گزارہ کرنا پڑے ملاپ میں کام کرنے والوں کی تنخواہیں ٹھیک وقت پر ادا ہونی چاہیئے اور کسی بھی آدمی کو اگر روپیہ دینا ہو تو ٹھیک اس تاریخ کو دینا چاہیئے جس کا وعدہ کیا گیا ہے۔ زندگی بھر انہوں نے کسی وقت بھی اپنے اصول کو بدلنے نہیں دیا۔ ایک بار انہوں نے اپنے صاحبزادے رنبیر سے کہا دیکھو اگر کبھی بھوکے رہ کر بھی گزارہ کرنا پڑے تو کر لینا مگر ملاپ سے تب تک کوئی پیسہ نہ لینا جب تک ملازموں کو ان کی تنخواہ نہ مل جائے اور ہر آدمی کو جس کا روپیہ دینا ہے اس کا روپیہ واپس نہ کر دیا جائے۔ ان کے اصول آہستہ آہستہ جیسے ان کی عادت بن گئی تھی۔

رنبیر جی نے اپنے ایک مضمون میں ایک واقعہ نقل کیا ہے[۵]۔ ایک دن ہمارے گھر میں گھی نہیں تھا۔ ماتا جی نے مجھ سے کہا کہ اپنے پتا جی سے کہو گھر میں گھی نہیں ہے میرے پاس روپے نہیں ہیں مہینہ کا آخر آگیا ہے کچھ روپے

---

۵ مضمون ملاپ کا آغاز کیسے ہوا از رنبیر ۱۳ اپریل ۱۹۷۳ء ملاپ دہلی۔

دے دیں تاکہ منگوالوں۔ ملاپ کے شروع کرنے کے بعد دوسرے برس کی بات ہے۔ میں پتاجی کے پاس گیا۔ انہیں ماتاجی کا پیغام پہنچا یا اس وقت ڈاکیہ کتنے ہی منی آرڈر پتاجی سے دستخط کرانے کے بعد ان کا روپیہ گن کر انہیں دے رہا تھا پتاجی روپے گنتے ہوئے بولے اپنی ماں سے کہو کہ ابھی روپیہ نہیں ہے۔ گھی کے بغیر کام چلائے میں نے حیرت سے کہا لیکن روپیہ تو آپ کے ہاتھ میں ہے بولے یہ ہمارا نہیں۔ لیکن ملاپ کا روپیہ ہے جب تک کام کرنے والوں کی تنخواہ نہ مل جائے اور جن کا دینا ہے ان کو دے نہ دیا جائے تب تک اس کی طرف دیکھنا بھی نہیں۔

شری خوشحال چند خورسند

جلال پور جٹاں ضلع گجرات (پاکستان) میں ایک قصبہ ہے جس میں بھگتوں کی ایک گدی تھی وہاں کے لوگ ادراسیہ کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں اس گدی کی اس قصبہ میں ہی نہیں بلکہ سارے علاقہ میں عزت تھی گدی کے آخری گدی نشین مہنت بابا تخت مل جی تھے جن کی پیدائش سوری خاندان میں ہوئی۔ اس گدی کے کسی بزرگ کو گورو ۔ ۔ ۔ ر اس کو پنجاب میں اکثر بابا ادو داس سے پکارتے ہیں کا آشیرواد حاصل ہوا جس کے بعد وہ بزرگ انسان ندیداس جی کی طرح ایک پہونچے ہوئے مجذوب فقیر کے رتبہ تک پہنچ گئے۔ ان کی موت کے بعد ان کے عقیدت مندوں نے ادراسیہ کی گدی سنبھال لی۔ جس طرح گرو رویداس جی مذہبی سماجی کاموں میں لگ گئے اسی جلال پور جٹان کے ادراسیہ گدی کے عقیدتمند سماج سوا میں منہمک ہو گئے۔

اس گدی کے مہنت بابا تخت مل ایک مست فقیر تھے۔ ان کے صاحبزادے کا نام گنیش داس جی تھا۔ گنیش داس جی اردو اور فارسی کے اچھے عالم تھے۔ طالب

علمی کے زمانہ میں ان پر عیسائیوں کے ساتھ رہنے سے کچھ ایسا رنگ عیسائیوں کا چڑھ گیا تھا۔ کہ انہوں نے مہنت بابا تخت مل جی کے موت کے بعد اس گدی کا مہنت ہونے کے بجائے عیسائیوں میں رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ لوگوں نے بہت سمجھایا کہ رام راسیہ گدی کے مہنت دوسروں کو صحیح راستہ دیکھلاتے ہیں تم بھی اسی راستہ پر چل کر یہ کا انجام دو مگر گنیش داس جی۔ پر عیسائیت کا بھوت کچھ اس طرح سوار ہو چکا تھا۔ کہ انہوں نے کسی کی بھی بات نہیں مانی اور سیدھے گجرات کے گرجا میں پہنچ گئے۔ گجرات کے گرجا کا پادری ایک انگریز تھا۔ اس نے گنیش جی کو اپنے بنگلہ میں ٹھہرایا اور (۱) سے کہا اتوار کے روز تمکو عیسائی مذہب میں داخل کروں گا۔ عیسائی بننے کی بات سے گنیش داس جی بہت خوش تھے۔ اس خوشی میں وہ شام کو گجرات کی سیر کرنے کے لئے نکل گئے۔

اتفاق کی بات ہے جس عیسائی کتاب سے متاثر ہو کر گنیش داس جی عیسائی مذہب کی طرف مائل ہوئے تھے سوامی دیانند جی اسی کتاب کے خلاف ایک بازار میں تقریر کر رہے تھے۔ یہ ان کی تقریر سننے کے لئے کھڑے ہو گئے انہوں نے پوری تقریر سنی تو عیسائی مذہب سے نفرت ہو گئی اور اپنے وطن جلال پور جٹاں پہنچے، آریہ سماج کے پرچارک بن گئے اور مہاشے کے نام سے پکارے جانے لگے یہ مہاشے گنیش داس جی سری خوشحال چند خورسند کے والد ماجد تھے۔

شری خوش حال چند ۱۸۸۴ء کو جلالپور جٹاں گجرات میں پیدا ہوئے۔ آپ نے فارسی مولوی عنایت اللہ صاحب سے مسجد میں پڑھی۔ وکٹوریہ کے انتقال کے بعد جلالپور جٹاں میں ایک اسکول قائم ہو گیا تھا۔ آپ نے اس میں داخلہ لیا اس میں انٹرنس پاس کیا۔ اس اسکول میں اردو ہندی اور انگریزی پڑھی ایف اے تک تعلیم پائی ریلوے میں ملازم ہو گئے۔ اس کے بعد جرابے اور بنیان

بننے کا کام شروع کیا۔ ۲۵ مشینوں سے اپنا کام چلاتے تھے۔ کہ آپ ایک آریہ سماج کے جلسہ میں پہنچ گئے۔ وہاں مہاتما ہنس راج بھی آئے ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی تقریر نوٹ کی اور صبح کو صاف کر کے ان کو پیش کی اور کہا آپ اسے دیکھ لیں یا سن لیں تاکہ پھر اسے پریس کو بھیج دیا جائے۔ مہاتما جی نے ان کی تقریر سن کر معلوم کیا کہ کیا تم سارٹ ہینڈ جانتے ہو۔ انہوں نے انکار کیا۔ پھر پوچھا کس کے لڑکے ہو اتنے میں ان کے والد بھی آ گئے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر ان کی طرف دیکھا تو مہاتما جی نے ان سے پوچھا اسے کس کام پر لگایا ہے۔ ان کے والد نے جواب دیا جرابیں اور بنیان بننے کی ۲۵ مشین لگادی ہیں۔ یہ ان پر کام کرتا ہے۔ مہاتما جی نے کہا یہ اسکے قابل نہیں ہے۔ آپ کے والد نے کہا آپ جس کام پر کہیں اس پر لگادوں۔ مہاتما جی نے کہا اچھا میں لاہور جاکر خط لکھوں گا۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد مہاتما جی کا کارڈ آیا۔ خوشحال چند کو لاہور بھیج دو۔ آپ لاہور بھیجے تو انہوں نے ہفتہ وار آریہ گزٹ میں سب ایڈیٹر مقرر کر دیا۔ اس وقت آریہ گزٹ کے ایڈیٹر لالہ رام پرشاد بی اے تھے۔

خورسند صاحب کو شاعری کا شوق اسکول کے زمانہ سے شروع ہو گیا تھا۔ آپ اپنے دوستوں سے اپنے اس شاعری کے ذوق و شوق کے بارے میں کہا کرتے تھے کہ یہ شوق اسکول کے زمانہ ہی سے تھا۔ میں نظمیں اور کہانیاں لکھتا تھا۔ پہلے اپنے اسکول کے ساتھیوں کو سنایا کرتا تھا۔ تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد محلہ و پڑوس کے لوگوں اور دوستوں کو سناتا رہتا تھا۔ مگر وہ چھپنے کے لئے کبھی نہیں بھیجیں۔ اسکول میں ایک مرتبہ ہمارے فارسی کے ماسٹر کارام جی نے نظم کا مقابلہ کرایا تھا۔ میرا تخلص خورسند انہوں نے تجویز کیا تھا۔ میری غزل کا مقطع یہ تھا۔

بھلا خورسند کے دلبند میں بند کیا لکھوں — پریشاں نقل ہے ہر بند میں ذلف پریشاں کے

اس وقت خورسند صاحب کی تنخواہ تیس ۳۰ روپئے ماہوار تھی - یہ وہ زمانہ تھا جب دو روپئے من گیہوں کا آٹا اور ایک روپئے کا دو سیر اصلی گھی فروخت ہوتا تھا۔ خورسند صاحب آریہ گزٹ کے نائب ایڈیٹر ہونے کے بعد ایڈیٹر ہو گئے اسی دوران لالہ لاجپت رائے جی نے بندے ماترم جاری کیا - انہوں نے خورسند صاحب سے کہا تم بندے ماترم میں آجاؤ - خورسند صاحب نے ان کو جواب دیا مہاتما ہنس راج مجھکو آریہ گزٹ میں لائے تھے - میں ان سے مشورہ کر لوں - انہوں نے مہاتما جی سے اس بات کا ذکر کیا تو مہاتما جی بولے تم اپنا اخبار کیوں نہیں نکالتے - بیساکھی کے دن ملاپ جاری ہوا - جب پہلا پرچہ چھپا تو طرح طرح کی باتیں نکلیں کچھ لوگوں نے کہا خورسند پاگل ہو گیا ہے روزانہ اخبار نکالنا ٹھٹھا مخول سمجھا ہے - کسی نے کہا آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا غرضکہ جتنے منہ اتنی ہی باتیں لالہ دینا ناتھ جو ان دنوں ہندوستان ہفتہ وار نکالتے تھے - انہوں نے خورسند صاحب سے کہا ارے یہ تو نے کیا کیا ہے کیسے چلائے گا - خورسند صاحب نے جواب دیا بھگوان کے بھروسے پر نکالا ہے اور چلاؤں گا - چنانچہ خورسند صاحب نے بڑی جان توڑ محنت کی - رات کو تین بجے اٹھتے تھے اور اگلے دن رات کو بارہ بجے سوتے اور صرف تین گھنٹے آرام کر کے اٹھ جاتے تھے -

خورسند جی نے بتایا ملاپ پہ پہلا وار اس کے ایڈیٹوریل بھارت کے خاموش سپاہی پر ہوا تھا - سرکار نے مقدمہ قائم کیا - اس میں نو ۹ ماہ قید کا حکم ہوا تھا لیکن جیل میں صرف نو دن رہا - اپیل پر شری مہر چند مہاجن نے جو بعد میں کسٹوڈین جنرل مقرر ہو گئے تھے یہ حکم دے کر رہا کر دیا تھا کہ جتنے دن جیل میں گذر گئے ہیں وہ کافی ہیں - جیل میں ان کو نواڑ بننے کی مشقت ملی تھی جس پر انہوں نے ایک نظم

لکھی تھی۔ دوسرے مقدمہ کے بارے میں خوز سنر صاحب نے یہ انکشاف کیا۔

دوسرے مقدمہ خان عبدالغفار سے متعلق تھا۔ جو خان عبدالغفار صاحب کی ایک خبر شائع ہونے پر سرکار نے دائر کیا تھا۔ خان عبدالغفار صاحب کی خبر فری پریس آف انڈیا کی تھی۔ اس میں کئی ایڈیٹر گرفتار ہوئے تھے۔

باغیانہ لیٹریچر کے سلسلہ میں ملاپ کی کئی بار تلاشیاں ہوئیں۔ اس زمانہ میں سان فرانسسکو سے غدر پارٹی کا لیٹریچر آتا تھا اور شری خوشحال چند جی اس کو ملاپ میں چھاپتے تھے۔ دوسرے پنڈت سندر لال جی کی کتاب "بھارت میں انگریزی راج" جو اردو میں چھپی تھی۔ خوشحال چند جی کے پاس آئی ہوئی تھی۔ آپ اس کو چپکے چپکے تقسیم کر کے پڑھواتے تھے۔ یہ کتاب خلاف قانون قرار دیکر ضبط کی جا چکی تھی۔ اس لئے پولس اس کی تلاش میں تھی کہ وہ کس کے پاس ہے ایک دن تو ملاپ کی پورے دن تلاشی جاری رہی۔ سلہ

خوشحال چند جی سے اپنے معاصرین سے نوک جھونک رہتی تھی۔ ان کی آریہ گزٹ کے زمانہ میں مہاشہ کرشن جس زمانہ میں پرکاش نکالتے تھے نوک جھونک رہی۔ یہ دونوں مہاشے شام کو ملتے تھے۔ آپس میں مشورہ سے ایک دوسرے کی مخالفت میں لکھا جاتا تھا بقول شری خوش حال چند۔

"ہم عام طور پر شام کو ملتے تھے کبھی میں ان سے کہتا اور کبھی وہ مجھ سے کہ تم یہ لکھو اور میں یہ جواب دوں گا۔ تو یہ اشاعت بڑھانے کی نوک جھونک ہوتی تھی۔ مولانا ظفر علی خان سے بھی نوک جھونک رہتی تھی لیکن ان کے ساتھ بھی برابر ملنا جلنا اور اٹھنا بیٹھنا تھا۔"

سلہ انٹرویو شری خوشحال چند ملاپ دہلی ۱۲ اپریل ۱۹۸۳ء۔ از ناز انصاری

شری خوشحال چند جی نے ملاپ کے کافی نمبر، ہولی نمبر، دیوالی نمبر، شہیدی نمبر نکالے لیکن ایک انوکھا نمبر پہاڑ نمبر بھی نکالا تھا۔ اس میں ہندوستان کے تمام پہاڑوں کا ذکر اور دلچسپ معلومات تھی۔ یہ بہت مقبول ہوا تھا۔

مہاشے خوشحال چند جی کی طبیعت سنیاس کی طرف مائل تھی۔ آپ نے باقاعدہ سنیاس تو ایکم دسمبر [illegible]ء کو لیا تھا۔ جس کی آپ نے کافی عرصے پہلے تیاری کی تھی۔ آپ ہر سال میں دو ماہ کے لئے اگیاس واس لیتے تھے یعنی گوشۂ گمنامی میں جا بیٹھتے تھے۔ اور اپنے آپ کو دنیا مافیہا سے الگ تھلگ کر لیتے تھے۔ اور کسی سے کوئی رابطہ و تعلق نہیں رکھتے تھے۔ کسی جنگل میں جا بیٹھتے تھے۔ کسی سے بولنا چالنا کچھ نہیں ہوتا تھا۔

شری خوشحال چند جی ۲۸ر برس سنیاسی رہے۔ ۲۴ر اکتوبر [illegible]ء کو ان کا انتقال ہوا۔

شری رنبیر

رنبیر جی ۲۹ر دسمبر [illegible]ء کو پیدا ہوئے۔ وہ شروع ہی سے دلیش بھگتی کے پجاری تھے۔ ایک دور تھا جب رنبیر جی بھگوان کو نہیں مانتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے یہ بات اپنے چھوٹے بھائی کو کہی کہ میں روز دیکھتا ہوں کہ تم نیم کی پوجا کرتے ہو۔ ستو کیا بولتا ہے مجھے معلوم نہیں۔ رہی رنبیر جو بھگوان کی بھگتی کے بارے میں پوچھتا تھا آگے چل کر ایسا شخص بنا جس نے اپنے مضامین پربھو بھگتی کا ایک ساگر جمع کر دیا۔

رنبیر جی ایک انقلابی انسان تھے انقلابی تحریکوں میں انہوں نے حصہ لیا ۱۹۳۰ء میں جب پنجاب کے گورنر کو گولی سے اڑا دینے کا فیصلہ کیا گیا تو اس سلسلہ اسکیم کو کامیاب کرنے کی ذمہ داری رنبیر جی پر ڈالی گئی تھی۔ رنبیر جی نے اس اسکیم

کو سرے چڑھانے کے لئے جس ہوشیاری سے کام لیا۔ وہ ان کا ہی حصّہ تھا۔ پنجاب کے گورنر پر گولی چلانے کی ڈیوٹی کامریڈ ہری کشن کی لگائی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں سرکار نے دو مقدمہ چلائے ایک مقدمہ کامریڈ ہری کشن پر چلایا گیا۔ جس میں عدالت نے انہیں پھانسی کی سزا دی۔ دوسرے مقدمہ رنبیر، چمن لال مروان اور درگا داس کھنہ ایڈووکیٹ سابق چیرمین پنجاب کونسل پر دائر کیا تھا۔ تینوں کو بھی پھانسی کی سزا ہوئی تھی۔ جب اس سزا کے خلاف لاہور ہائی کورٹ میں اپیل کی گئی تو ان تینوں کو بری کر دیا گیا۔ اس طرح رنبیر جی پھانسی سے بچ گئے مگر انگریز سرکار نے ۱۸۱۰ کے قانون کے تحت دھر لیا اور گرفتار کرکے جیل بھیج دیا۔ اس طرح رنبیر جی دو سال تک جیل میں شاہی قیدی کی حیثیت سے رہے۔ جیل سے رہا ہونے کے بعد رنبیر جی نے اپنا زیادہ وقت ملاپ کے ذریعہ تحریک آزادی کو تقویت دینے میں لگایا۔ جب وہ پنجاب سے دہلی آگئے پنجاب کی طرح سماجی خدمات بجالاتے رہے۔ جس طرح وہ پنجاب میں رہتے ہوئے خدمت کرتے تھے۔

رنبیر جی کا ہندوستانی اخبار نویسی میں اپنا ایک مقام تھا۔ ان کا نظریہ سچی قومیت کا پرچار کرکے سماج واد کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والا تھا۔ وہ کسی بھی تنظیم کے ممبر نہ ہوتے ہوئے بھی اپنے مضمون اس ڈھنگ سے لکھتے تھے کہ سماج وادی طاقتوں کو طاقت ملے اور خاص طور پر کانگریس کے لئے لکھتے تھے تاکہ وہ ترقی پسندانہ پالسیوں کو عوام کی بہتری کے لئے ٹھیک ڈھنگ سے چلا سکے۔ رنبیر، یش اور یودھ تین بھائی ہوئے۔ یہ تینوں بھائی ملاپ خاندان کے درخشندہ ستارے ہیں۔ رنبیر دہلی سے یش جالندھر سے اور یودھ ویر حیدرآباد دکن سے روزانہ ملاپ شائع کرتے ہیں۔ رنبیر جی کی زندگی میں اتار چڑھاؤ آئے انہوں نے غریبی بھی دیکھی تھی اور امیری کی لذت بھی حاصل کی تھی۔ انہوں نے وہ وقت بھی دیکھا تھا جب موت پر

انتقال سے کافی برس پہلے رنبیر جی کو سگریٹ پینے کی عادت تھی یہ عادت اتنی بڑھ چکی تھی اور پکی ہو چکی تھی کہ وہ بنا سگریٹ ہاتھ میں لیے لکھ نہیں سکتے تھے۔ ایک دفعہ وہ بیمار ہو گئے، تو ادم جی ان کی دوائی لے کر کمرہ میں داخل ہوئے۔ رنبیر جی کچھ کمزور سے معلوم ہوئے ادم جی نے دوا سرہانے کے پاس رکھتے ہوئے بولے بھائی صاحب اگر آپ سگریٹ چھوڑ دیں تو کتنا اچھا ہو سارا خاندان اس سے خوش ہو جائے گا۔ بھابی جی تو بہت ہی خوش ہو جائیں گی۔ رنبیر جی نے کچھ نہیں کہا۔ وقت گزر گئے وہ تندرست ہو گئے روزانہ کی طرح کام کرنے لگے۔ ایک دن وہ کمرہ میں لکھ رہے تھے۔ تو ادم جی ان سے کچھ پوچھنے لگے ہاتھ میں قلم تو پکڑی ہوئی تھی لیکن سگریٹ نہیں تھا۔ ادم جی یہ دیکھ کر حیران ہوئے اور سگریٹ چھوڑنے کی وجہ پوچھی تو رنبیر جی نے جواب دیا تو نے ہی تو کہا تھا کہ سارا خاندان خوش ہو جائے گا۔ اب حیران کیا ہو رہا ہے خوش ہو۔ انہوں نے برسوں سے لگی عادت ایک دن میں چھوڑ دی۔ یہ ایک عظیم انسان ہی کر سکتا ہے عام آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔[سلہ]

میری خواہش تو چاہتی ہے کہ رنبیر جی کی اس قسم کی باتیں مجھکو معلوم ہو رہی ہیں اور میں ان کو لکھتا جاؤں۔ بھلے آدمی کی بھلی باتیں اور بھلی عادتیں اچھی لگتی ہیں لیکن آخر انسان ہے اچھا ہو لیکن کچھ غلطیاں بھی سرزد ہو جاتی ہیں۔

سلہ "زندگی کی راہ" مجھو جی کا مضمون "رنبیر" از نوین ملاپ دہلی ۱۳ اپریل سنہ ۱۹۸۳ء صفحہ ۵ —

۱۹۷۵ء کی ایمرجنسی میں کافی وہ لوگ جو کانگریس کے خلاف تھے نظر بند کر دیئے گئے تھے اس زمانہ میں اس نظربندوں کے خلاف بہت سے آرٹیکل ملاپ میں لکھے گئے اور کئی الزامات لگائے گئے جو نیر جی جیسے مشہور صحافی کو زیب نہیں دیتے۔ یہ آرٹیکل میں نے اور بہت سے ساتھیوں نے انبالہ جیل میں پڑھے تھے جب بھی ان کا خیال آتا ہے دکھ اور افسوس ہوتا ہے نیر جی کی اچھائیوں کی تعداد زیادہ ہے یہ غلطی یقیناً ان کی اچھائیوں میں دب گئی ہوگی۔ میں اس غلطی پر اپنی معافی کا اظہار کرتا ہوں اور مجھے امید ہے کہ میرے ساتھیوں نے معاف کر دیا ہوگا۔

موت ہر فرد بشر کو آتی ہے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا اس لئے ۲۵ نومبر ۱۹۸۲ء کو نیر جی کا دہلی میں انتقال ہوا۔ ان کی ارتھی کے ساتھ لاتعداد دوست غم و دکھ میں گئے تھے۔

چودھری گوری شنکر ساگر

چودھری صاحب بیسویں صدی کے آغاز سے چند مہینے پہلے ہریانہ میں ایک چھوٹے زمیندار چودھری ہرگولال جی کے گھر پیدا ہوئے۔ آبائی پیشہ کاشتکاری تھا۔ قصبہ کے سکول میں تعلیم پائی اسکول کا آخری امتحان پاس کرنے کے بعد ذریعہ معاش کی فکر ہوئی۔ لمبا قد بھرا ہوا جسم فوج میں ملازمت اختیار کی رسالہ میں بھرتی ہو گئے لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد فوج کی ملازمت چھوڑ دی اور لاہور پہنچ کر اخبار نویسی کے میدان میں کود پڑے بطور جرنلسٹ اپنی زندگی کا آغاز لالہ لاجپت رائے کے اخبار بندے ماترم سے کیا جہاں کہنہ مشق اخبار نویس منشی رام چھپال سنگھ شیدا کام کر رہے تھے۔ ان سے اخبار نویسی کا درس لیا۔ پہلے رپورٹری کی پھر ایڈیٹری کی

لائن پر آگئے۔ ۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو رنجوت حال جنڈر کی زیر ادارت روزنامہ ملاپ لاہور سے جاری ہوا۔ مدیر اعلیٰ کا منصب سونپا گیا اور ملاپ کے ایڈیٹر بن گئے۔ اسی سلسلے میں جیل بھی گئے۔ برسوں اس کام کو خوبی کے ساتھ انجام دیا۔ آخر اسی منصب پر ریٹائر ہو گئے۔ ریٹائر ہونے کے سال ڈیڑھ سال کے بعد چودھری صاحب پھر ملاپ میں آئے۔ اس وقت ان کو سنڈے ایڈیشن کا انچارج بنایا گیا۔ اس میدان میں چودھری صاحب نے بہت سی یادگاری نادیدہ و تاشنیدہ گلکاریاں اور صورت طرازیاں کیں۔ آخر اسی حیثیت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا

چودھری صاحب صحیح معنوں میں کامیاب ایڈیٹر تھے۔ دن رات اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے کام کرنا ان کا معمول تھا ماتحتوں سے اکثر کہا کرتے تھے اخبار کا دفتر سرکاری دفتر نہیں ہے عوام کی خدمت کا ادارہ ہے جس کسی کی سرکاری دربار میں شنوائی نہیں ہوتی وہ تھک کر اخبار کے دفتر میں آتا ہے۔ کامیاب ایڈیٹر وہ ہے جو چاہے اپنی مرضی کے مطابق کام کرے لیکن سنے سب کی۔ شاکی کو مطمئن کئے بغیر بھیجنا ادارتی آداب کے خلاف ہے۔

دلی کی بات ہے سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا کے ایک پرچارک کو ملازمت سے علیحدہ کر دیا گیا۔ وہ شخص غصے سے نڈھال ملاپ کے دفتر میں آیا۔ اور ایک لمبا چوڑا مراسلہ اشاعت کے لئے چودھری صاحب کو دیا۔ مراسلہ کیا تھا سناتن دھرم پرتی ندھی سبھا کے کار پرداذان اعلیٰ کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں اور ایک پلندہ تھا۔ اس شخص کے معلوم کرنے پر کیا یہ مراسلہ شائع ہو جائے گا چودھری صاحب کا ایک ہی جواب تھا جلد شائع ہو جائے گا مگر وہ مراسلہ ناقابل اشاعت تھا۔ مراسلہ نگار ہر تیسرے چوتھے روز آتا اور پوچھتا میرا مراسلہ کب شائع ہوگا چودھری صاحب اپنا جواب دھرا دیا کرتے تھے۔ مہینہ ڈیڑھ

مہینہ گزر گیا۔ ایک دن وہ شخص پھر آیا اور اپنا پرانا سوال پوچھا اس وقت میلا رام ماہر دفتر میں بیٹھے تھے چودھری صاحب نے وہ مراسلہ ماہر صاحب کو دے دیا انہوں نے پڑھ کر کہا چودھری صاحب یہ تو ناقابل اشاعت ہے۔ چودھری صاحب نے بھی یہی بات مراسلہ نگار سے کہی۔ وہ سخت جوش میں آیا اور کہنے لگا چودھری صاحب آپ نے مجھ سے اتنے چکر لگوائے اگر یہ ناقابل اشاعت تھا تو پہلے ہی دن کہہ دیتے۔ پیشتر اس کے کہ چودھری صاحب جواب دیتے میلا رام ماہر صاحب نے برجستہ جواب دیا اگر پہلے ہی دن یہ بات کہہ دیتے تو آج کیا کہتے۔ اس وقت دفتر قہقہوں سے گونج اٹھا اور مراسلہ نگار بھی لطف اندوز ہوا۔

چودھری صاحب اخبار نویس ہونے کے علاوہ کرکٹ کے بھی اعلیٰ پایہ کے کھلاڑی تھے۔ فاسٹ باؤلنگ میں ان کا خاص مقام تھا۔ ان کے اس کمال سے متاثر ہو کر ایک بار مہاراجہ پٹیالہ نے انہیں اپنی ٹیم میں ملازمت کے لئے کہا لیکن چودھری صاحب نے کرکٹ کا پروفیشنل کھلاڑی بننے سے انکار کر دیا۔ اور اخبار نویسی ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہوئے۔ موجودہ کرکٹ کنٹرول بورڈ کے نائب صدر شری رام پرکاش مہرہ اور لالہ امرناتھ بھی کرکٹ کے میدان میں چودھری صاحب کے ہمعصر تھے۔

چودھری گوری شنکر ساگر نہایت متحمل مزاج اور بردبار تھے۔ عام فہم زبان لکھتے تھے۔ ذاتیات پر حملہ کرنے سے گریز کرتے تھے۔ چودھری صاحب نے اپنے عہد میں ملاپ کے دوست زیادہ بنائے مخالف کم۔ ان کے ساتھیوں نے چودھری صاحب کو شاذ و نادر ہی غصہ میں دیکھا تھا۔ ان کے لباس میں سادگی اور مزاج میں رنگینی تھی۔ غضب کے بذلہ سنج تھے۔ بعض اوقات ہنسی ہنسی میں

ایسی چوٹ کرتے کہ سننے والا بھن کر رہ جاتا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب ملاپ کا دفتر کناٹ پلیس دلّی میں تھا۔ پنجابی کے نامور کوی سردار بشن سنگھ آپاسک دفتر میں آتے جاتے تھے۔ ان کی ایک مشہور کویتا کا ٹیپ کا مصرعہ ہے۔ "پاشو جوان ہو گئی ہے" سردار آپاسک جب بھی دفتر میں آتے ہمارے ایک ساتھی انہیں چھیڑنے کے مدعا سے کہتے آپاسک جی پاشو جوان ہو گئی ہے؟ بیچارے کوی جی اس زہر خند کو طوعاً کرہاً پی جاتے۔ ایک دن کی بات ہے آپاسک جی دفتر میں آئے ہمارے اس ساتھی نے ان سے تین چار بار یہی سوال پوچھا۔ آپاسک صاحب چپ رہے ماسٹر ٹیک چند جی سیال ان دنوں ملاپ میں تھے اور اس وقت دفتر میں موجود تھے انہوں نے اس ساتھی کی اس ناگوار حرکت پر ناراض ہو کر اس سے کہا۔ تم بار بار یہ کیوں پوچھتے ہو کہ آپاسک جی! پاشو جوان ہو گئی ہے۔ تمہیں کیا لینا دینا ہے؟ چودھری گوردی شنکر جی نے فوراً کہا۔ اس نے جو منّا منسا ہے یعنی پاشو کے بیاہ پر ماموں بن کر جوڑا دان کرنا ہے۔ اس پر خوب قہقہے بلند ہوئے۔ مذاق کرنے والے ساتھی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ یہ تھا چودھری صاحب کی بذلہ سنجی کا عالم۔

ایک قابل ایڈیٹر کا ایک خاص وصف یہ بھی ہے کہ وہ جو کچھ لکھنا چاہتا ہے لکھ جائے لیکن اس کی تحریر قانون کی گرفت سے آزاد رہے۔ ٹریبون کے اس دور کے ایڈیٹر بابو کالی ناتھ رائے کی مانند چودھری صاحب میں بھی یہ خوبی بدرجہ اتم موجود تھی۔

میلا رام ماہر تحریر کرتے ہیں۔ ملاپ میں آنے سے پہلے بھی چودھری صاحب سے میرے مراسم تھے۔ بات ان دنوں کی ہے جب میں ادارہ ملاپ میں شریک نہ تھا لاہور کے ایک اور روزنامہ اخبار میں کام کرتا تھا۔ ان دنوں لاہور میں فرقہ

ویرانہ فسادات ہو رہے تھے۔ اخباروں پر سنسر بٹھا دیا گیا تھا۔ ہر چیز حتیٰ کہ خبریں تک سنسر سے پاس کرانا پڑتی تھیں۔ میں نے اپنے چیف ایڈیٹر کی زیرِ ہدایت لاہور کی صورتِ حال کے متعلق پورے صفحہ کی ایک نظم سپردِ قلم کی اور چیف سنسر کو بھیجنے سے پہلے میں نے یہ نظم اپنے دوست کو جو سنسر آفس میں کام کرتا تھا دکھائی۔ اس نے پڑھ کر کہا۔ یہ نظم کس طرح پاس ہو سکتی ہے؟ اس میں تو لکھا ہے کہ لاہور میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں بھائی کو بھائی قتل کر رہا ہے۔ کشتوں کے پشتے لگے ہیں وغیرہ۔ میرے چیف ایڈیٹر کا اصرار تھا کہ یہ نظم جوں کی توں سنسر سے پاس کرانے کے بعد ضرور شائع ہونی چاہیے۔ اسی ادھیڑ بن کے عالم میں میں نے یہ نظم چودھری کو دکھائی۔ انھوں نے پڑھی اور کہا۔ شائع ہو سکتی ہے لیکن تھوڑے سے تبدیلی کی ضرورت ہے چنانچہ ان کے کہنے پر میں نے نظم کا عنوان بدل کر "اللہ والے کی صدا" رکھ دیا اور اپیل کے دو شعر اور بڑھا دیئے جن میں شہریوں کو تلقین کی گئی تھی کہ وہ ایک ہی آب و گل کے بیٹے ہیں، امن و امان سے رہیں۔ نظم مکمل کر کے میں خود ہی چیف سنسر کے پاس گیا اور چودھری صاحب کی ہدایت کے مطابق ان سے عرض کیا کہ کسی نظم پر قانونی نظر ڈالنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے مرکزی خیال کو مدِ نظر رکھا جائے کہنے کی ضرورت نہیں کہ چیف سنسر نے نظم سننے کے بعد اسے پاس کر دیا۔ یہ تھا چودھری صاحب کی قانون سے گہری واقفیت کا کرشمہ۔

چودھری صاحب فقط جرنلسٹ ہی نہیں جرنلسٹ گر بھی تھے۔ ان کے عہدِ ادارت میں اخباری، فلمی اور سیاسی دنیا کے کئی سرکردہ اصحاب کسی نہ کسی صورت میں ملاپ سے منسلک رہے اور چودھری صاحب کی ادارتی قابلیت

سے فیض حاصل کیا۔ ان میں سے سردشری رنبیر۔ قمر جلال آبادی، کمال امروہوی، اپندر ناتھ اشک، لالہ درگا داس سابق ایڈیٹر ہندوستان ٹائمز، کیف عرفانی، جگن ناتھ آزاد، مسٹر اینگر سابق پرنسپل انفارمیشن آفیسر سورگیہ لال بہادر شاستری اور شری وہ کے منین کے نام قابل ذکر ہیں۔ چودھری صاحب فطرت شناس تھے کسی کے چہرہ مہرہ اور ڈیل ڈول کی مناسبت سے اس کا ایسا نام تجویز کرتے کہ سننے والے پھڑک اٹھتے۔ ان کے تجویز کردہ اور یاران محفل کے منظور کردہ چند نام ملاحظہ ہوں۔ سیتارام سوختہ۔ پریتم سنگھ بالن۔ لکھی رام مالکونس۔ ہنس راج چلوری۔ شو ناتھ شوریدہ سر۔ شو رام ترچھی۔ منموہن ناتھ شرر۔ چھوٹی موئی۔ ہری چند ہنڈو۔ ٹیک چند ٹرکو۔ کرشن کمار گے زئی اور ساگر سیوہاروی سرخ مرچ۔

بقول شری رنبیر جی چودھری گو شنکر ساگر اخبار نویسی کے میدان میں ایک فرد نہیں ایک انسٹی ٹیوشن تھے۔ ملاپ کے کامیابی میں ان کا بہت بڑا ہاتھ رہا۔ اردو اخبار نویسی کی تاریخ میں سورگیہ چودھری صاحب کا نام ہمیشہ یاد رہے گا۔

الصّالح

یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ دہلی سے ۱۵ر اگست ۱۹۲۳ء کو وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر جناب غلام احمد خان برہان الخیر البخاری تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ میں علم دین، فقہ، حدیث، تفسیر یا تصوف کی کسی کتاب کے ترجمے شائع ہوتے تھے۔

بہارِ نسیم

برہان پور سے یہ ماہانہ گلدستہ ستمبر ۱۹۲۳ء کو جلوہ فگن ہوا۔ بیس صفحات پر نکلتا تھا۔ نگراں پیرزادہ محمد مطیع اللہ صاحب راشد و منشی فضل حسین صاحب

صابر اور ایڈیٹر شیخ جمن کو ثر تاجر کتب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا نمونہ کے پرچہ کی قیمت دو آنے تھی۔ مطبع آگرہ اخبار میں چھپتا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

ہے دلکش جہاں گلشن لعدنگا آج	عالم میں ہے عدد نسیم بہار آج

اکتوبر ۱۹۲۳ء کے شمارے میں جو شعراء کا کلام چھپا ہے ان میں سے ایک شاعر کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔

جناب منشی غلام حسین صاحب آفاقؔ رام نگر بنارس ؎

مریضِ محبت کی غذائیں کیا پوچھو تم سے	کبھی غصہ کو پی لینا کبھی غم ہائے کھا لینا
خدایا دامن نکہت ہی کا تیرے سبحو ہیں	اسی کا کام ہے آفاقؔ کے عصیاں کا چھپا لینا

حور

یہ خواتین کے خیالات کا ماہانہ ترجمان ستمبر ۱۹۲۳ء کو کلکتہ سے نمودار ہوا۔ چالیس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کی ایڈیٹر بیگم قتیل انصاری تھیں۔ سالانہ چندہ تین روپیے تھا۔

اس رسالہ کے پہلے شمارے میں حور کی تعریف میں علامہ جمیل مظہری کی ایک طویل نظم چھپی تھی۔ یہ رسالہ اپنے مضامین کی وجہ سے کافی مشہور ہو گیا تھا۔ اس کے خاص نمبر بھی نکلتے تھے جو سو صفحات پر ہوتے تھے۔ اس رسالہ کی مدت بمشکل تمام دو سال ہوئی۔

پیمانہ

یہ ادبی رسالہ آگرہ سے ۱۹۲۳ء کو جلوہ فگن ہوا۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر علامہ سیماب اکبرآبادی و ساغر نظامی تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپیے تھا۔

العزیز

یہ ہفتہ وار اخبار آگرہ سے ۱۹۲۳ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب عبدالرؤف خاں ہاتف الہ آبادی کی

ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

عبدالرؤف ہاتف اکبر آبادی

ہاتف صاحب کے والد منشی عبدالرسول خاں مختار خلف گوہر خاں الہ آباد کے رہنے والے تھے۔ منشی عبدالرسول خاں صدر نظامت کے زمانہ میں آگرہ میں آئے۔ مختاری کا شغل تھا۔ ہاتف صاحب ۱۸۹۰ء کو پیدا ہوئے۔ آگرہ کالج میں انٹرنس تک تعلیم حاصل کی۔ فارسی مولوی نثار علی صاحب نثار سے تحصیل کی۔ آپ کے والد حضرت میاں نظیر اکبرآبادی کے نواسے تھے۔ انقلاب ترکی، عروج کابل، رسول عربی، آداب نسواں، امت کی مائیں، حرکہ تقدیر و تدبیر آپ کی تصانیف ہیں۔ ۱۹۱۰ء کو آگرہ میں مطبع عزیزی قائم کیا۔ ہفتہ وار العزیز، عزیز ماہانہ آپکی ادارت میں نکلتا تھا۔[1]

الزاہد

زیر جامع مسجد چھتہ شیخ منگلو دہلی سے یہ مذہبی، علمی اور ادبی مجلہ دسمبر ۱۹۲۳ء کو عالم وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا زاہد القادری، پروپرائٹر شیخ فضل حسین صاحب اور سرپرست نواب عزیز احمد خان تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ ہلالی پریس دہلی میں طباعت ہوتی تھی۔

اس رسالہ میں ملک کے مشہور و معروف اہل قلم رہنماؤں مولانا ابو الکلام آزاد۔ مسیح الملک حکیم اجمل خاں صاحب۔ جناب نیاز فتحپوری، مولانا احمد سعید دہلوی، علامہ راشد الخیری، مولانا عبدالباری اور مولانا نشتر کے مضامین چھپتے تھے اگرچہ یہ مضامین بہت مختصر ہوتے تھے۔ لیکن جاندار ہوتے تھے۔

---

[1] شاعر آگرہ نمبر۔ جون، جولائی ۱۹۳۲ء۔

النور

یہ مذہبی رسالہ حیدرآباد دکن سے دسمبر ۱۹۲۳ء کو نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید باقر حسین طاہری کی ادارت میں نکلتا تھا۔ تین روپئے سالانہ چندہ تھا۔
اس رسالہ کے نگراں مولوی عبدالقدیر صدیقی صاحب تھے جو اپنے دور کے ایک جید عالم اور تجربہ کار و معروف ادیب تھے۔

قوم

یہ اخبار ہفتہ وار میرٹھ سے ۱۹۲۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر پنڈت پیارے لال شرما ایم، اے، ایل ایل بی ایڈوکیٹ میرٹھ تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپئے تھا۔
اس اخبار میں مقامی و ملکی سب خبریں شائع ہوتی تھیں اس کے ادارے میں جناب سید محمد یحیٰی میرٹھی، پنڈت گوپی ناتھ سنہا اور مولانا ندرت وغیرہ کام کر چکے ہیں۔ پنڈت پیارے لال شرما کے بعد کچھ عرصے انبا پرشاد مظفر نگری بھی قوم کو شائع کرتے رہے۔ بقول مولانا ندرت باعتبار زبان اور بہ لحاظ لب و لہجہ میرٹھ سے نکلنے والے اردو کے ہندو اخبارات میں یہ سب اخبار سے بہتر تھا۔[۱]

سوز و ساز

یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو دہلی سے ظہور پذیر ہوا۔ ۴۶ صفحات پر مشتمل تھا حضرت قوی امروہی اس کی ادارت کرتے تھے۔ سالانہ چندہ چار روپئے تھا۔
اس رسالہ میں علمی و ادبی اور تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے۔

---

[۱] رسالہ اردو دہلی جنوری ۱۹۴۲ء۔

اور ہندوستان کے مشاہیر اور اہل قلم حضرات اس کی طرف توجہ فرماتے تھے۔

لطف سخن یہ پندرہ روزہ گلدستہ حسن پور ضلع مرادآباد سے ۱۹۲۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ حضرت عتیق اس کے ایڈیٹر تھے۔ دو روپے چار آنے سالانہ چندہ تھا۔

عالمگیر یہ ہفتہ وار اخبار میرٹھ سے نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت صوفی صدیقی میرٹھی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

البدر یہ ہفت روزہ اخبار دربھنگہ سے ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک و مدیر محمد ہاشم تھے بعد میں مولانا ظفر الٰہی نگری اس کے ادارہ میں شامل ہو گئے تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ ہاشمی پریس دربھنگہ سے طبع ہوتا تھا۔

مشاہیر یہ ماہنامہ رسالہ بدایوں سے ۱۹۲۳ء کو نمودار ہوا ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ ؟ ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کا مقصد زندہ مشاہیر کے سوانح حالات اور ان کے قابل ذکر کارناموں کو ملک میں پھیلانا تھا۔ مولانا عبد الماجد بدایونی کے اکثر مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

مسلمان سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ مولوی عبد المجید صاحب خادم اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے چار آنہ تھا۔ معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

مولوی عبدالمجید صاحب خادم نے مسلمان نام کے ایک رسالہ سوہدرہ ضلع گوجرانوالہ سے نکالا ہے اس میں مختلف مباحث پر متعدد مضامین ہیں [illegible] وہ نام کی لاج رکھے اور اس بات کو سمجھے کہ ہر شخص کو خوش رکھنے کی کوشش کے معنے کسی کو خوش نہ رکھنا ہے۔ قیمت سالانہ دو روپے چار آنے تھا۔

ترچھی نظر لکھنؤ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

مضامین کے لحاظ سے یہ تجربہ کار ارباب قلم کی [illegible] سے پاک ہے۔

مظاہر جدید دہرہ دون سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو وجود میں آیا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

سائنس کے چٹکلوں اور علوم جدیدہ کے علمی فوائد کا مبلغ ہے مستقل مضامین اس میں نہیں ہوتے۔ علمی خبروں کی ترتیب بھی اس میں کچھ بہتر نہیں ہوتی تاہم اس مقصد کے رسائل کی موجودگی میں نہیں سے ہاں بہتر ہے[1]

آئینہ میرٹھ سے ۱۹۲۳ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا شعیب احمد نور رتن میرٹھی تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے آٹھ آنے تھا۔

اس اخبار میں ملکی و غیر ملکی اور میرٹھ کے مقامی خبروں کے علاوہ انجمنوں روئیدادیں شائع ہوتی تھیں حضرت نور رتن اور دوسرے شعراء کے کلام بھی

---

[1] معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۲۳ء۔

شائع ہوتا تھا۔

کوکب ہند یہ بہائی فرقہ کا ماہانہ رسالہ قرولباغ دہلی سے ۱۹۲۳ء کو نمودار ہوا۔ چالیس صفحات پر نکلتا تھا۔ مہر محمد خاں شہاب مالیرکوٹلوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ میں بہاؤ اللہ جو نام نہاد بہائی فرقہ کا بانی تھا۔ اس کے حالاتِ زندگی اور بہائی فرقے جو عقائد ہیں وہ شائع ہوتے تھے۔ اور جو کتابیں بہائی فرقے کی حمایت میں نکلتی تھی اس کا ترجمہ اس میں شائع کیا جاتا تھا۔ مسٹر چارلس امریکہ نے "بہاؤ اللہ کا ظہور اور پیغام" ایک کتاب انگریزی میں لکھی تھی۔ جس کا ترجمہ مہر محمد خاں شہاب مالیرکوٹلوی نے کیا تھا۔ اس کو ۸ ستمبر ۱۹۲۸ء کے کوکب ہند کے شمارے میں شائع کیا۔

تحفہ یہ ماہانہ رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب محب اللہ عالی اس کی ادارت کرتے تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

یہ رسالہ انجمن ارباب اردو کا آرگن تھا۔ عموماً دکن کے ذی علم اصحاب اور خصوصاً طلبہ جامعہ عثمانیہ کے مضامین شائع ہوتے تھے۔ ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔ اس کے ٹھوس علمی اور ادبی مضامین حیدرآباد کے علمی ذخیرہ میں اضافہ کا موجب ہوئے ہیں [1]

محب اللہ عالی نواب مظفر جنگ بہادر کے صاحبزادے اور حیدرآباد کے مشہور امیر حیدر الدولہ کے پڑپوتے تھے۔ عربی و

---

[1] دکن میں اردو ص ۹۵۲ ۔

فارسی زبانوں کے ماہر اور اردو میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ حضرت طباطبائی سے مشورہ کرتے تھے۔ فن عروض پر ایک کتاب لکھی تھی جو طبع ہو چکی تھی۔ نہایت زندہ دل ظریف، متواضع، ملنسار اور شریف الطبع انسان تھے۔ حضرت تمکین کاظمی کے قریبی عزیز تھے۔ سرور نگر میں انجمن احباب اردو قائم کی تھی۔ رسالہ تحفہ ایک مدت تک اپنے ذاتی سرمایہ سے نکالتے رہے ۱۹۳۶ء میں سکتہ قلب کی بیماری میں فوت ہو گئے [۱]

کہتے ہیں مست باغ ہے میخانہ بہار — فنجان گل کو سمجھے ہیں پیمانہ بہار
اوراق گل پہ خط ریحاں لکھا ہوا — عالی چمن میں آیا ہے پروانہ بہار
وعدہ وصل تو وہ حشر پہ ٹھیرا کے چلے — مجھ کو دھوکا یہ ہوا وعدہ فردا سمجھا
عقل نے شب کو ہوا اور دن کو عباد اے شیخ — ایک نفاس کو برا ایک نے اچھا سمجھا
عشق میں ہو گئی ہے عقل بھی اندھی زاہد — عیب کیا عشق بتاں میں ہے فقط سمجھا

المصدق یہ رسالہ مہدوی طبقہ کا ۱۹۲۱ء کو حیدرآباد دکن سے وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر سید محمود کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپئے تھا۔ رسالہ نے زیادہ عمر نہیں پائی کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا تھا۔

سید محمود سید محمود صاحب بد الہٰی گھرانے کے چشم و چراغ تھے۔ حیدرآباد میں اپنی پوری زندگی بتائی۔ یہیں تعلیم حاصل کی۔ مدت تک رسالہ المصدق نکالتے رہے شعر کہنے کا شوق بچپن سے تھا۔ شعر خوب کہتے تھے [۲]

---

[۱] سخنوران دکن ص ۲۷۸ ۔ [۲] سخنوران دکن ص ۳۲۳ ۔

ادا نہیں تھی ایسی کہ بھول جاتا میں | رہے گی یاد نظر ہاتھ سوا پسیں برسوں
کہیں نہ خون شہیداں سے سرخ ہو دامن | لباس سرخ ہی پہنا ہے نازنیں برسوں
جب کوئی دور رہ کے سوتا ہے کسی کی یاد میں | بہر تسکین خواب میں اس کو دکھا جاتی ہے نیند
دیدنی ہوتا ہے رنگِ نشۂ درد آشنا | جس کسی کی چشم میگوں میں سما جاتی ہے نیند۔

المعلم ۱۹۲۳ء کو یہ تعلیمی رسالہ حیدر آباد دکن سے جلوہ فگن ہوا ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی عظمت اللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپئے تھا۔

اس رسالہ کو پہلے سررشتہ تعلیمات نے جاری کیا۔ پھر ٹریننگ کالج سے جاری ہونے لگا۔ مولوی سجاد مرزا کے زمانہ میں اس رسالہ کو بہت ترقی ہوئی عرصہ دراز تک آب و تاب سے شائع ہوتا رہا۔ اس کے فنی و ادبی مضامین بڑے اعلیٰ پایہ کے ہوتے تھے۔[1]

سجاد مرزا صاحب محکمہ تعلیمات کی اعلیٰ خدمتوں پر فائز رہے اور تصنیف و تالیف کا ذوق بھی جاری رکھا۔

عظمت اللہ خاں اس عہد کی ایک اہم شخصیت خان صاحب کی تھی جو نثر اور نظم دونوں میں ایک طرز کے موجد تھے۔ ان کے مضامین شوخی بیان، ندرت خیال اور مطالب کی گہرائیوں کے باعث ممتاز تھے۔ اسی طرح ان کی نظمیں جدت مضمون، شیریں بحروں اور تغزلی رنگ کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ کرتی ہیں۔ ان کی نظم و نثر کے متعدد مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ انہوں نے اس

---

[1] دکن میں اردو ص ۹۵۲

شہر کے لاتعداد نوجوانوں، ادیبوں اور شاعروں کی ہمت افزائی کی اور ان کے ذوق کی تعمیر میں ناقابل فراموش حصہ لیا ؎۱

عظمت اللہ صاحب کے والد ماجد نعمت اللہ خاں دہلوی تھے۔ عظمت صاحب ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئے ۔ الہ آباد یونیورسٹی سے بی اے کیا۔ حیدرآباد پہنچ کر ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ پھر مددگار ناظم تعلیمات و کمشنر امتحانات سرکار عالی پر مامور ہوئے۔ نہایت شریف، نیک دل، پر خلوص و وسیع النظر انسان تھے فکاہیہ مضامین آپ کے بڑے اعلیٰ درجے کے ہوتے تھے عروض و قافیہ پر عبور تھا۔ حیدرآباد کو آپ نے اپنا وطن بنا لیا تھا دق کے مرض نے آپ کو بہت ستایا۔ اس موذی مرض سے شفا پاکر یکایک سکتہ قلب میں مبتلا ہوکر عین جوانی میں ربیع الثانی ۱۳۴۵ھ میں فوت ہوئے ؎۲

نہ بھلے کی تھی نہ برے کی تھی مجھے کچھ جہاں کی خبر نہ تھی۔
تمہیں عیش ہی کا جو دھیان تھا تمہیں مری چاہ اگر نہ تھی۔
مرے حسن کے لئے کیوں مرے، نہیں لینے تھے تمہیں یوں مزے۔

بتا اپنی چاہ جتا جتا، مرے دل کو موہ کے لے لیا۔
مرے واسطے یہ بہشت تھی، تمہیں زندگی تھی یہ کھیل تھا۔
مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں لینے تھے تمہیں یوں مزے۔

مری چاہ تھی بڑی قیمتی، میں غریب تھی یہ امیر تھی۔
تم امیر تھے یہ نہ چاہ تھی، یہ امیر تھی یہ فقیر تھی۔
مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں لینے تھے تمہیں یوں مزے۔

؎۱ داستان ادب حیدرآباد ص۱۹۹ ؎۲ سخنوران دکن ص۲۸۹ ۔

نہ تھا اس جہاں میں آسرا مری جان تھی یہ جہاں تھا۔
مرے سکھ تمہیں تمہیں جیون تھے تمہیں چاہ ہے یہ گمان تھا۔
مرے حسن کے لئے کیوں مرے نہیں لینے تھے تمہیں یوں مرے۔

کاشتکار زمیندار
یہ زراعت کا ماہانہ رسالہ ۱۹۲۳ء کو رشید مرزا غلام محی الدین بیگ خانقاہ ڈوگراں ضلع شیخوپورہ سے جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مرزا سلطان احمد بیگ صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپئے تھا۔
یہ رسالہ زمین داروں کی کاشت کو اعلیٰ پیمانہ پر پہنچانے کے خیال کو مد نظر رکھ کر جاری کیا گیا تھا۔ اس میں اصول باغبانی، فصلوں، سبزیوں، ترکاریوں اور چارہ کی تفصیلی کاشت، موسم اور ان کے منافع کا اندازہ بیان کیا جاتا تھا۔ نسل کشی مویشی گھوڑے، بھیڑ، بکری اور مرغی، بھینس پال کر دودھ، مکھن، گھی وغیرہ سے فائدہ اٹھانا اور مختلف کھادوں کے ذخیرہ کرنے اور استعمال کے متعلق ہدایات درج کی جاتی تھیں۔ زمینداروں کو اپنی مالی تمدنی معاشرتی اور تعلیمی حالت درست کرنے کی طرف مائل کیا جاتا تھا۔

مشیر الاطبا
حویلی کابلی مل لاہور سے یہ طبی رسالہ ۱۹۲۳ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر شفاء الملک محمد حسن قرشی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ تین روپئے دس آنے تھا۔
یہ رسالہ قابل داد ہے جو اپنے مخصوص نہج پر دلچسپ مفید اور مبصرانہ مضامین پیش کرتا ہے۔

محمد حسن قرشی
آپ ۱۸۹۶ء میں گجرات پنجاب میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گجرات میں حاصل کی اس کے بعد لاہور آ گئے اور

یہاں اس وقت کی عظیم درسگاہ مکرز نعمانیہ میں داخل ہوئے یہاں سے فارغ التحصیل ہو کر پنجاب یونیورسٹی سے بھی اسناد حاصل کیں پھر حکیم حاذق اور زبدۃ الحکماء کے امتحانات پاس کیے۔ طبیہ کالج دہلی سے بھی مستفید ہوئے اور اسی کالج میں پروفیسر رہے اس کے بعد بمبئی چلے گئے اور وہاں کچھ عرصہ مطب کرنے کے بعد سنہ ۱۹۲۰ء میں لاہور چلے آئے یہاں مطب جاری کیا اور طبیہ کالج لاہور کے پرنسپل مقرر ہوئے۔ قریشی صاحب اردو، عربی، فارسی اور انگریزی کے ماہر تھے۔ آپ کا ادبی ذوق نہایت اعلیٰ تھا۔ اپنے زمانہ کے بلند پایہ اہل علم سے تعلقات تھے۔ جس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ کئی عربی کتابوں کے ترجمے بھی کیے۔ طبی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں۔ جن میں جامع الحکمت بہت مقبول ہوئی۔ آپ کی طبی خدمات کی بناء پر حکومت برطانیہ نے آپ کو شفاء الملک کا خطاب دیا تھا۔ طب میں آپ کی حیثیت ہمیشہ قائدانہ رہی۔ آل پاکستان طبی کانفرنس کے صدر تھے۔ غرض یہ کہ آپ بڑی خوبیوں کے مالک تھے۔ طبیب، ادیب، خطیب، مصنف اور مفکر تھے۔ ماہنامہ مشیر الاطباء آپ کی زیر ادارت شائع ہوا تھا۔

قریشی صاحب حج بھی کر آئے تھے۔ حجاز مقدس میں آپ شاہ سعود کے مہمان خصوصی کی حیثیت سے تھے۔ بے شمار خوبیوں کے علاوہ آپ میں ایک خوبی یہ بھی کہ ترقی و تحفظ کے لیے دل سے کوشاں رہتے تھے۔ ان کی کوششوں سے حکیم اجمل خان صاحب ہمیشہ مطمئن رہے اور پاکستان کے نوے فی صد طلباء آپکو اپنا قائد تسلیم کرنے میں فخر محسوس کرتے تھے۔ سلہ

سلہ نقوش لاہور کا لاہور نمبر ص ۷۵۔

تبلیغ لاہور سے یہ تبلیغی رسالہ ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا - ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا - اس کے ایڈیٹر جناب غلام حیدر خان صاحب تھے - سالانہ چندہ چار روپے تھا -

رسالہ نگار بھوپال مورخہ فروری ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا -

تبلیغ لاہور کا ماہوار رسالہ ہے جو غلام حیدر خان صاحب کی ایڈیٹری میں نکلتا ہے اس کا مقصد صرف اس کے نام سے ظاہر ہے بلکہ ساری ترتیب اس کی شاہد ہے ہندوستان میں پہلا رسالہ ہے جو اس مقصد کو لے کر جاری ہوا ہے اور ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ غلام حیدر خان صاحب اس مقصد کو نبھانے میں اپنی پوری مساعی صرف کر رہے ہیں - ضخامت ۴۸ صفحات - قیمت سالانہ چار روپے

خورشید میرٹھ سے یہ شعر و سخن کا ماہانہ گلدستہ ۱۹۲۳ء کو جلوہ فگن ہوا - ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا - مولوی سید ضیاء الاسلام صاحب عیاں بی، اے، ایل، ایل، بی وکیل سرپرست تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا -

رسالہ سوز و ساز مورخہ فروری ۱۹۲۴ء میں اس رسالہ خورشید میرٹھ پر یہ تبصرہ چھپا تھا -

"شعر و سخن کا ماہوار رسالہ مولوی سیّد ضیاء الاسلام صاحب عیاںؔ کی سرپرستی میں میرٹھ سے شائع ہوتا ہے نثر کا حصّہ بھی ہوتا ہے مگر بہت کم لکھائی چھپائی کی طرف سے مینجر صاحب کی بے نیازی کا درجہ بہت بلند ہے وہ شاید حسنِ صورت کو مد فضول تصور فرماتے ہیں ۔"

مرج البحرین

یہ ماہانہ رسالہ دہلی سے جولائی ۱۹۲۳ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۴۱ھ کو نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر حافظ محمد باقر علی ایمن چشتی القادری اور مالک و مہتمم حکیم محمد اشرف علی صاحب اشرف دہلوی خلف جناب حکیم محمد قاسم علی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ قاسمی پریس میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ اخوت ملت، تصوف، روحانیت، حسن معاشرت، اخلاق، تدبیر صحت، تہذیب اور سیاست کے تحت مصلحین ملت و قوم کی سبق آموز انشاء لطیف کے ساتھ شائع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگار خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی، نگہبان الہند مولانا حاجی احمد سعید صاحب۔ حکیم سید ناصر نذیر فراق دہلوی، اکبر الہ آبادی، نیاز فتحپوری، مولانا عارف حسین عارف اور علامہ راشد الخیری وغیرہ دہلی اور ملک کے مشہور و معروف اہل قلم تھے۔

المجاھد

چمرقند سے مجاہدین چمرقند نے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۳ء کو جاری کیا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی محمد بشیر صاحب اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

یہ اخبار برطانیہ کی مخالف خبریں اور تبصرے شائع کرتا تھا۔ قبائلی عوام میں انگریزی حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا تھا۔ یہ پرچہ سائیکلوسٹائل ہو کر مفت تقسیم ہوتا تھا۔

تیج

دہلی نیا بانس سے یہ روزانہ اخبار ۱۹۲۳ء میں ظہور پذیر ہوا۔ چار یا چھ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے بانی سوامی شردھانند اور ایڈیٹر لالہ دیش بندھو گپتا تھے۔

یہ اخبار پہلے شدھی اور سنگھٹن کا حامی تھا۔ اس کے بعد کانگریسی خیالات کی ترجمانی کرنے لگا۔ اس کے ایڈیٹر لالہ دیش بندھو گپتا کا کانگریسی لیڈروں میں شمار ہوتا تھا۔ انہوں نے دہلی کانگریس کمیٹی میں بڑی جان ڈالی۔ کانگریسی ورکروں کی اقتصادی حالت درست کرنے میں بڑی کوشش کی اخبار بھی اسی پالیسی کا حامی تھا۔

اس اخبار میں درجنوں صحافیوں نے کام کیا جس میں امن لکھنوی، رام لال ورما، جمنا داس اختر وغیرہ نامی صحافیوں نے ادارت کی ذمہ داری سنبھالی میں نے اس اخبار کی فائلیں دیکھیں اس اخبار پر کوئی نمبر یا مضمون نکلا ہو اس کو حاصل کرنے کی بے حد کوشش کی، دھرم پال گپتا برادر لالہ دیش بندھو گپتا سے معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ـــــــ افسوس کسی نے بھی اس سلسلہ میں دلچسپی نہیں لی ـــ،



سنہ ۱۹۲۴ء

دلفگار لاہور سے جنوری سنہ ۱۹۲۴ء کو یہ ادبی رسالہ جاری ہوا ۳۲ر صفحات پر مشتمل تھا۔ خواجہ غلام نقشبندی نقاش اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ قیمت ایک روپئے تھا۔

رسالہ سوز و ساز دہلی مورخہ فروری سنہ ۱۹۲۴ء میں رسالہ دلفگار لاہور پر یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

"یہ اردو نظم و نثر کا ماہوار رسالہ ۲۰×۳۰/۸ کی خوشنما تقطیع پر ماہ جنوری سے زیر ادارت خواجہ غلام نقشبندی صاحب نقاش لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ مضامین سوز و گداز، لطائف ادبیہ اور للناک جذبات کا دلچسپ مجموعہ ہے تصوّف کی چاشنی بھی موجود ہے۔"

بلاغ امرتسر سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۵ر مارچ سنہ ۱۹۲۴ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۴۰ر صفحات پر نکلتا تھا۔ ادارہ تحریر میں شہباز کشمیری ایم، اے، مسٹر اصغر بی، اے اور مسئول ڈاکٹر چودھری علم الدین مونسپل کمشنر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیے تھا۔ ثنائی

برقی پریس امرتسر کڑہ شیر سنگھ کھتہ میں طبع ہوتا تھا۔
رسالہ جاری کرنے کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔
۱۔ صرف قرآن مہیمن کو جمیع ضروریات وحی کے کتفی ثابت کرنا۔
۲۔ قرآنی تعلیمات کی نشر و اشاعت۔
۳۔ حکمت اور موعظ حسنہ کے ذریعے سے صراط مستقیم کی طرف دعوت۔
۴۔ اختلاف امم کا ازالہ۔

یہ رسالہ خالص علمی اور دینی تھا محمد عبداللہ سہاس، خواجہ عباداللہ اختر بی اے، ڈاکٹر صادق علی، مولانا مولوی احمد الدین امرتسری، مولوی فتح محمد، مولوی احمد دین، شیخ عطاءاللہ، مرزا سلطان احمد، سید محب الحق عظیم آبادی، آغا محمد صفدر، شیخ غلام حیدر اس رسالہ کے مضمون نگار تھے۔

عرصہ تک یہ رسالہ جاری رہا اور اس نے دینی خدمات کافی عرصہ تک انجام دیں۔

دیہاتی ضلع جھنگ سے یہ ماہانہ زرعی رسالہ اپریل ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا۔ ۷۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی معظم علی قریشی کی ادارت میں نکلتا تھا چندہ سالانہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر سود مند بدایوں مورخہ اگست ۱۹۲۷ء میں ریویو چھپا تھا۔
"یہ ماہوار رسالہ اپریل ۱۹۲۶ء سے ضلع جھنگ سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کا مقصد زمینداروں اور کاشتکاروں میں اتحاد پیدا کرنا اور ان کی علمی، اخلاقی، اقتصادی اور تمدنی اصلاح کے لیے کوشش کرنا بچوں کے لیے ایک خاص کالم مخصوص ہے۔ زراعتی ترقی کے مضامین بھی ہوتے ہیں۔ ہر پرچہ میں کسی نہ کسی مشہور آدمی کے ہاف ٹون بلاک کی تصویر بھی ہوتی ہے کاغذ

چھپائی بہترین ہے۔ امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے قابل آنریری ایڈیٹر مولوی محمد معظم قریشی کی ادارت میں اپنے مقاصد میں کامیابی حاصل کرے گا۔"

جماعت امرتسر سے یہ ماہانہ رسالہ مئی ۱۹۲۴ء کو وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ پیر عبدالعزیز مخدومی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ارشادات، ملفوظات اور مکتوبات کے لئے مخصوص تھا۔ اور ان کا آرگن اس کو سمجھنا چاہئے۔

بلاغ امرتسر مورخہ ۱۵ جون ۱۹۲۴ء کے شمارے میں اس پر ریویو شائع ہوا ہے۔

"جماعت نامی ماہوار رسالہ ہمارے دوست پیر عبدالعزیز صاحب مخدومی نے امرتسر سے نکالا ہے۔ جس کا پہلا نمبر دفتر بلاغ میں موصول ہوا ہے تین روپے سالانہ ہدیہ ہے۔ لکھائی چھپائی کاغذ وغیرہ کا انتظام بوجہ احسن کیا ہے۔"

سب سے بڑی غرض اشاعت جماعت کی پیر جماعت علی شاہ صاحب کے ارشادات ملفوظات اور مکتوبات کی مسلسل اشاعت کا التزام ہے اور انہیں ارشادات کے ذریعے جماعت احناف کی غیر مقلدو اور احمدی وغیرہ فرقوں میں تبدیلی کو روکنا مقصد ہے۔ لیکن اگر انسانی ارشادات اور ملفوظات کے بجائے قرآنی احکام کی اشاعت کی جاتی تو کیا ہی اچھا ہوتا۔ اور جس حمد و ثنا کی سزاوار خدائے قدوس کی ذات پاک ہے ان الفاظ سے بندگان خدا خواہ وہ کتنے ہی روحانی دنیوی ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کر چکے ہوں منسوب یا مخاطب کرنا منافی اسلام ہے۔"

فروغ ہند یہ ماہانہ ادبی و سیاسی رسالہ دہلی سے مئی ۱۹۲۳ء کو جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ منشی ہرگوبند پرشاد نکم ایم اے دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپئے تھا۔ فروغ ہند پریس محلہ ردوگران دہلی میں طباعت ہوتی تھی۔

اس رسالہ کے مضمون نگار منشی سوہن لال رخگر، سی راجگوپلاچاریہ پروفیسر سی ایف اینڈریوز، مسٹر جورج جوزف، سوامی رام تیرتھ اور شعراء میں منشی مہاراج بہادر صاحب برق، آغا شاعر دہلوی، منشی چندربھال صاحب کیفی، منشی پیارے لال رونق وغیرہ تھے۔

یہ رسالہ گاندھی جی کا بڑا مداح تھا۔ ان کی تعریف و توصیف میں مضامین لکھتا تھا۔ اس زمانہ میں مولانا محمد علی نے اپنے مذہبی عقیدہ کا اظہار کیا تھا کہ مسلمان فاسق و فاجر کے مقابلہ میں ایک مشرک خواہ کتنا ہی اچھے اخلاق و سیرت کا مالک ہو خواہ اس میں گاندھی جی ہی کیوں نہ ہو ان پر مسلمانوں کو فوقیت دوں گا اس لئے کہ وہ خدائے واحد کا پرستار ہے۔

مولانا کے اس عقیدے کے خلاف فرقہ پرستوں نے بڑی ادھم مچائی تھی جس کا جواب مولانا نے اخبارات میں دیا اور سوامی شردھانند کے نام ایک خط بھی لکھا تھا۔ یہ خط فروغ ہند دہلی کے شمارے مئی ۱۹۲۴ء میں شائع ہوا تھا۔ جس میں مولانا نے اس عقیدے کی وضاحت فرمائی تھی۔

"میں یہ بتلائے دیتا ہوں اور بڑے زور سے عرض کرتا ہوں کہ نہ مسلمانوں میں، نہ ہندوؤں میں، نہ یہودیوں میں، نہ نصاریٰ میں، نہ پارسیوں میں کوئی اخلاقی مثال نہیں ہے۔ جو گاندھی جی پر فضیلت رکھتی ہو۔ مجھے تاہنوز کوئی ایسا شخص دکھائی نہیں دیتا جسکو میں اخلاق میں گاندھی جی سے برتر و ممتاز

مان سکوں۔ مگر مذہب اور اصلی اخلاق میں ایک زبردست فرق ہے بحیثیت ایک مسلمان کے میں اسلام کو ان سب عقائد پر ترجیح دوں گا جیسے کہ غیر مسلم لوگ پابند ہیں۔ میں ایک گرے ہوئے اور نیچے درجے کے مسلمان کو ایک غیر مسلم کے مقابلہ میں بالا و برتر سمجھتا ہوں۔ خواہ وہ غیر مسلم کتنا ہی صاحب اخلاق عالی ہو اور چاہے وہ گاندھی جی ہی کیوں نہ ہوں۔"

الکلام میسور سے ۱۹۲۲ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا ہے۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم الملک سید غوث محی الدین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ چار روپے سالانہ چندہ تھا۔

یہ اخبار ایک سال تک ہفتہ وار نکلتا رہا۔ اس کے بعد روزانہ ہو گیا جو ۱۹۴۲ء تک جاری تھا۔ اخبار الکلام نے اردو زبان کی گراں بہا خدمت انجام دی ہے۔ سید صاحب نے اس اخبار کے ذریعے مسلمانوں میں تعلیم کو مقبول عام بنانے کی خاص طور سے کوشش کی[1]

معراج الکلام یہ رسالہ ماہوار محلہ سادات امروہہ سے جون ۱۹۲۴ء کو نمودار ہوا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ محمد فیاض علی خان فیاض امروہوی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اعجاز پریس امروہہ میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ انجمن معراج الادب امروہہ کا آرگن تھا۔ ادبی، اخلاقی و تمدنی رسالہ تھا۔ اس رسالہ میں زیادہ تر امروہہ کے شاعروں کا کلام چھپتا تھا۔ فیاض صاحب کے بعد اس کے ایڈیٹر سید طاہر حسین گویا نقوی مقرر ہوئے۔ اس

---

[1] ریاست میسور میں اردو کی نشو ونما ص ۲۸۲

رسالہ میں نثر کا حصہ بھی تھا۔

جون ۱۹۱۲ء کے شمارے کے چند شعرا کا کلام درج کیا جاتا ہے۔

جناب سید رفیع الحسن صاحب اختر امروہوی تلمیذ حضرت مضطر خیر آبادی سے

غیروں کو کبھی پاس سے ٹلنے نہیں دیتے
وہ وصل کا پہلو بھی نکلنے نہیں دیتے۔

رہتے ہیں شب وصل بھی وہ مجھ سے الگ ہی
ارمان مرے دل کے نکلنے نہیں دیتے۔

جناب شہدار امین الدین صاحب ارشد امروہوی تلمیذ جناب اختر امروہوی سے

ہر روز لڑائی ہے ہر اک وقت ہے جھگڑا
اک دم بھی مرے دل کو بہلنے نہیں دیتے

بوسے نہیں دیتے مجھے سب ذقن کے
اس نخل تمنا کو وہ پھلنے نہیں دیتے

جناب سید سجاد علی صاحب انور امروہوی تلمیذ حضرت افسر امروہوی سے

روشن نہ رہے نام مرا بعد فنا بھی
یوں شمع سر قبر وہ جلنے نہیں دیتے۔

کانپے گی زمیں اور لرز جائے گا گردوں
اس واسطے ہم دل کو مچلنے نہیں دیتے

جناب لالہ بانکے لال بسمل امروہوی تلمیذ جناب تاج امروہوی سے

دنیا میں ہیں پابند زباں سینکڑوں ایسے
جو مرنے کے دعوے کو بھی ٹلنے نہیں دیتے

آجاتے ہیں فرقت میں کچھ ایسے بھی تصور
پھر دل دل مضطر کو بہلنے نہیں دیتے۔

جناب منشی سخاوت اللہ صاحب سخا صدیقی امروہوی سے

رونے پہ مرے ہنستے ہیں دیکھو تو تماشہ
آنسو مری آنکھوں سے نکلنے نہیں دیتے

کیوں آتے نہیں پاس بلاتے بھی نہیں ہو
کیوں جاں مرے قالب سے نکلنے نہیں دیتے

محمد فیاض علیخاں فیاض

فیاض صاحب امروہہ کے قدیمی باشندے تھے۔ ان کی پیدائش امروہہ میں ہوئی وہیں انہوں نے اردو فارسی و انگریزی کی تعلیم پائی۔ حکیم محمد راحت علی خاں حاذق امروہوی آنریری مجسٹریٹ کے

فرزند ارجمند تھے اور ان ہی کی شاعری کی شاگرد تھے۔ خوش اخلاق، نیک نیت، راست اعمال اور سلیم الطبع تھے۔ شادی شدہ تھے۔ کوئی اولاد نہیں چھوڑی ۲۱ ر ۱۹۲۵ء کو عالم جوانی میں فوت ہوئے۔ عرصہ تک رسالہ معراج الکلام میں آپ کی وفات پر تاریخی قطعے شائع ہوتے رہے۔

جناب غلام مصطفیٰ خاں اطہر رئیس جلگاؤں نے حسب ذیل قطعہ کہا ؎

اٹھ گیا ہیہات وہ شیریں زباں
شاعر خوش فکر مشہور زماں
کر دیا اطہر نے سال مرگ نقل
آہ۔ فیاض علی خاں گنج عقل۔ ۱۹۲۵

فیاض صاحب امروہے کے مشہور شاعر تھے۔ عمدہ شعر کہتے تھے ؎

انہوں نے قدر کچھ الفت کی کی ہے بعد مرنے کے
مرے مرقد پہ آئے ہیں بہت اندوہگین ہو کر۔
اگر اے دل تجھے منظور ہی تھا خاک ہو جانا
تو اے کم بخت رہتا اس کے کوچہ کی زمیں ہو کر۔

نیرنگ خیال

بار دو خانہ لاہور سے جولائی ۱۹۲۴ء کو یہ علمی، تاریخی و ادبی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحوں پر مشتمل تھا حکیم محمد یوسف حسن صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ کریمی پریس نزد کونوالی قدیم لاہور میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کی کتابت طباعت نفیس اور کاغذ عمدہ تھا۔ معیاری پرچہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر اس کو ترقی دینے کے لئے کوشش کرتے۔ چنانچہ ان کی کوشش بہت جلد کامیاب ہو گئی۔ ملک اور پنجاب کے اہل قلم حضرات نے ان سے بھرپور تعاون کیا اور اچھے مضامین لکھ کر بھیجے۔ جن میں چند کے نام یہ ہیں۔ نیاز فتحپوری، حفیظ جالندھری، محمد علیم الدین سالک، صوفی محمد حسین بی

اے سری نگر، جناب بدر الدین صاحب بدر، مولوی غلام حیدر پاک پٹن، سردار اودھے سنگھ شائق وکیل، اصغر حسین نظیر لدھیانوی، بلقیس خاتون جمال، خورشید اقبال، سید احسان علی کوثر علی گڑھ، جناب صبا مارہروی، سید امتیاز علی تاج بی اے، محمد دین تاثیر ایم اے، عاصمہ سلطانہ، شیخ عبدالرحمن بی اے علامہ سر اقبال، آغا حشر کاشمیری، میر ولی اللہ وکیل، بیخود دہلوی، سائل دہلوی، بادی مچھلی شہری، شاد عظیم آبادی، مولانا غلام رسول مہر، محمد عبداللہ قریشی، محمد یعقوب منہاس، حامد اللہ افسر میرٹھی، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی، ریاض حسینہ بی اے، ڈاکٹر عبدالمجید صدیقی، حکیم عبدالعلی بسمل علیگڑھ، سید محسن شاہ، سید کاظم علی باغ حیدر آبادی، میاں تصدق حسین خالد فیروز پور، ابو محمد امام الدین رام نگری، مولانا شوکت علی خاں بدایونی، سید عابد علی صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل عبدالشکور شاکر کانپوری، مالک رام صاحب، مولانا وحید الدین سلیم، تہذیب فاطمہ عباسی، منشی پریم چند، خواجہ دل محمد ایم اے، نظام الدین شاہ دلگیر اکبر آبادی، ذوالفقار علی بخاری، پنڈت ہری چند اختر، اکبر حیدری، محمد اکبر دیال سنگھ کالج لاہور، مرزا نسیم بیگ گوالیاری، صوفی غلام مصطفیٰ تبسم، مولانا تمکین کاظمی مرزا یاس یگانہ لکھنوی، مولانا ظفر علی خاں، مولانا اختر علی خاں، نوح ناروی، خواجہ محمد عبدالرؤف عشرت لکھنوی، حضرت گرامی جوش ملیح آبادی، ریاض خیر آبادی، اقبال احمد سہیل، محی الدین قادری زور بی اے وغیرہ۔

کس انداز سے یہ رسالہ ملک میں کامیاب ہونے کے لئے جتن کرتا تھا۔ اور مقبول بنانے کے لئے نقشے اور پروگرام بناتا تھا اس کا ذکر اس کا ایڈیٹر نے جولائی ۱۹۲۵ء کے شمارے میں کیا ہے۔

الحمدللہ آج رسالہ نیرنگ خیال کے دوسرے سال کا پہلا نمبر آپ کی خدمت

میں بھیجنے کا فخر حاصل کر رہا ہوں۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ نیرنگ خیال حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ترقی کر رہا ہے اس کے خریداروں کا حلقہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ رسالہ کی چھپائی لکھائی کاغذ اور تصاویر میں نمایاں ترقی کی جا رہی ہے لیکن جس معیار ترقی پر میں اسے لانا چاہتا ہوں اس کے لئے ناظرین کو ابھی زحمت گوارا کرنی پڑے گی۔ نیرنگ خیال کے مقاصد کا اعلان جا بجا کیا جا چکا ہے۔ ہم اسے ہندوستان کا بہترین علمی، ادبی مصور رسالہ بنانا چاہتے ہیں۔ اور ساتھ ہی اس کی قیمت میں کبھی بھی اضافہ کرنا نہیں چاہتے پس رسالہ کو اپنے معیار کے مطابق تیار کرنے میں صرف اسی وقت پوری کامیابی حاصل ہو سکتی ہے جبکہ رسالہ کی اشاعت پانچ ہزار تک پہنچ جائے اور یہ کام بھی مشکل نہیں اگر آپ اس جانب تھوڑی سی توجہ کریں کیونکہ اس پایہ کے رسالہ کے لئے کسی دوست کو خریداری پر آمادہ کر لینا معمولی سا کام ہے۔"

رسالہ نیرنگ خیال کے اجراء سے ہندوستان کے رسائل میں ایک قسم کی سرگرمی پیدا ہو گئی ہے۔ جو رسائل کئی کئی ماہ دیر سے شائع ہوا کرتے تھے وہ بھی اب نیرنگ خیال کی طرح پابندی اوقات پر مجبور ہو رہے ہیں نیز تمام رسائل کو تصاویر شائع کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے چنانچہ لاہور کے ایک ادبی رسالہ نے تصاویر شائع کرنے کا انتظام کر لیا ہے۔ نگار کا علمی و تاریخی رسالہ شمع بھی نیرنگ خیال کی طرح باتصویر شائع ہونے لگا ہے۔ موقر معاصر نگار لکھتا ہے۔

گزشتہ چار سال کے اندر متعدد بار مقاصد نگار واضح طور پر بیان کر دیئے گئے ہیں لیکن اب بھی کہا جاتا ہے یہ آواز کسی نہ کسی گوشہ سے آ جاتی ہے کہ تصاویر کا انتظام ضروری ہے...... اہل نظر کی ہر بات اصولاً میرے دل میں ایک عرفان بغرض احترام مگر ضعیف دل و دماغ اور رسالہ کی اقتصادی

امتثال امر سے باز نہ رکھے"۔

" رسالہ کی اقتصادی حالت کو مدنظر رکھیں تو نیرنگ خیال بھی اس پایہ کی تصاویر شائع کرنے کے قابل نہیں لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ رسالہ کی اقتصادی حالت کو بہتر بنایا جائے اور جو ترقی کا قدم اردو رسائل اٹھا چکے ہیں وہ اب پیچھے نہ پڑے لیکن رسائل کی اس ترقی کے دور میں بھی اردو کا ایک رسالہ اردو کی چوتھی کی تصاویر نقل کر کے اپنی بدمذاقی کا ثبوت دے رہا ہے بنگالی رسائل کی اشاعتیں دس اور بیس ہزار کے درمیان ہیں گویا ہر پڑھا لکھا بنگالی کم از کم ایک ماہوار رسالہ ضرور خریدتا ہے اور صاحب حیثیت کئی کئی رسائل کی سرپرستی اختیار کرتے ہیں کیا اردو دان حضرات اپنے یہاں اس کی مثال پیش کر سکتے ہیں اس پر کہا جاتا ہے کہ اردو رسائل ترقی نہیں کرتے نیرنگ خیال کے اس نمبر میں حسب وعدہ دو تصاویر شائع کی جا رہی ہیں"

" ا۔ رقاصہ۔ یہ تین رنگ کی تصویر جناب عبدالرحمن چغتائی کے حسن تخیل کا نمونہ ہے۔ تصویر صرف چند خطوط کے امتزاج کا ایسا مجموعہ ہے جس کو بغور دیکھنے سے آرٹ کی خوبیاں ظاہر ہوتی ہیں اگرچہ تصویر میں رنگ نہیں بھرے گئے لیکن رنگین خطوط ہی ان تمام خوبیوں کے مظہر ہیں جو آرٹ کی جان ہیں۔ اس تصویر پر جناب اختر شیرانی کی ایک دلچسپ نظم شائع کی گئی ہے اور مولانا مولوی نیاز فتحپوری ایڈیٹر نگار کے ایک مضمون "ایک رقاصہ سے" جو نگار میں شائع ہوا تھا اس تصویر کو سامنے رکھ کر پڑھنے سے لطف دوبالا حاصل ہوتا ہے۔ جناب مولانا حفیظ جالندھری کی مشہور نظم ہندوستان "جو ابھی کہیں طبع نہیں ہوئی اس کے ایک حصہ کو "ایک رقاصہ سے خطاب" کے عنوان سے کسی دوسری جگہ شائع کیا گیا ہے۔ اسے پڑھنے سے تصویر کا دوسرا

نمایاں ہوتا ہے"۔
"دوسری تصویر ملک کے محترم و واجب التعظیم لیڈر دیش بندھو سی آر داس
کی ہے آپ کی تصویر کے ساتھ آپ کی فیملی کی تصویریں شائع کی جا رہی ہیں ان میں
سے ایک آپ کی دختر نیک اختر ایک آپ کی زوجہ محترمہ اور ایک فرزند کی فوٹو
ہیں سی آر داس ملک کے متفقہ لیڈر تسلیم کئے جاتے تھے۔ آپ نے ہندوستان
کی نجات کے لئے جن اصولوں کو وضع کیا تھا ان میں "ہندو مسلم اتحاد" ایک جزو لا ینفک
جز تھا۔ آپ ہندو مسلم اتحاد کے زبانی خواہش مند نہ تھے بلکہ ہندوستان کی فلاح
و ترقی کے لئے اس کو عملی صورت میں لانے کے متمنی تھے۔ آپ چاہتے تھے کہ ملک
کی کونسلوں اور میونسپل کمیٹیوں میں مسلمانوں کو ان کی آبادی کے لحاظ سے حقوق
دیئے جائیں۔ ملازمتوں اور ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا مساوی تقرر ہو
اور ہندوستان میں کسی جگہ بھی ہندو اکثریت مسلمانوں کی مذہبی آزادی کا مخل نہ رہے۔"
مضامین بھی اعلیٰ پایہ کے مثلاً خاموش متکلم سے خطاب۔ کرزن لیڈر کی خود
کشی، مرقع عبرت (افسانہ) افغانستان جدید ہمدرد فکر کار، سلطان المنصور
و ماہمہ (افسانہ) پلیٹ فارم کا رکیٹ، آنسو، کفارہ، مٹی کا تیل، لوہا اور ردی،
عنود قصد پر نسوانی دنیا، عورت اور مرد، سچائی کی جستجو، پنجاب کی اقتصادی رپورٹ،
آزادانہ ہوتا، ہندوستان کی زراعتی زندگی، دنیا کی بہترین ایجاد، لاہور، مشرق کے
لئے ایک خطرہ عظیم، غازی عبدالرحمٰن شہید، صنف نازک کا ایک نمونہ، خدا کی
قدرت کا ملتے انسان، ترکی حور، ہندوستانی ڈرامہ کیا تھا، لاؤں چشمہ
زلا نو گی میں ایک میلاں پھول، اصول زراعت، میاں منو، لاسکی، ترکستان
جدید، اسعد ڈرامہ اعلٰی آغا حشر معارف اور علامہ اقبال، شعر و شاعری، سلطان
محمد ثانی فاتح قسطنطنیہ، عرب کی گم شدہ تہذیب، نوجوان ایران اور ہندوستان

کا ہاسلسلہ شیر دغیرہ جیسے معلوماتی کو دلچسپ، تاریخی، ادبی، ثقافتی مضامین سے یہ رسالہ شائع کرتا تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال کے ایڈیٹر حکیم محمد یوسف حسن صاحب غیر متعصب اور فراغ دل انسان تھے اس رسالہ کو وہ مسلمانوں کا رسالہ بنانا نہیں چاہتے تھے بلکہ ہندو مسلمان کی دلچسپی کے لئے مضامین شائع کرتے اور خاص نمبر نکالتے تھے۔ آپ نے عید نمبر شائع کیا تو رامائن نمبر بھی چھاپا۔ جس میں لچھمن جی اور سیتا، رامچندر جی کا دھنک توڑنا، شیو جی اور پاربتی، رانا پرتاپ، برما میں دسہرہ، سری رام چندر جی کا سوانگ، لاہور میں دسہرہ کا تیوہار، گوسائیں تلسی داس مصنف رامائن کی تصویروں کے ساتھ۔ رامائن کی مصنف گوسائیں تلسی داس جی، مہاراجہ رام چندر جی کے کردار پر ایک سرسری نظر، مہابیر جیسر، عہد رامائن کی معاشرتی زندگی، تلسی کرت رامائن کا ایک سین، رامائن پر ایک طائرانہ نظر، اثر د آرین قوم کے احسانات ہندوستان پر، رامائن کا ایک فارسی ترجمہ، ایک محققانہ علمی مقالہ، رامائن جزائر شرق الہند میں نثر میں مضامین اور نظم میں رام از علامہ اقبال، رام کی عظمت از پنڈت میلا رام وفا، دیش بھارت میں پھر آجائے، زمانہ رام کا از جناب بسمل الہ آبادی، سونیمبر از جناب نفیس خلیلی جیسے مضامین شائع ہوتے تھے۔

اس رامائن نمبر کی ضرورت پر ایڈیٹر صاحب نے روشنی ڈالتے ہوئے اس رامائن نمبر مورخہ نومبر، اکتوبر ۱۹۲۸ء میں تحریر کیا ہے۔

"رامائن نمبر کی ضرورت:۔ اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری تھا کہ وہ اپنے ہندو بھائیوں کے متعلق اپنی معلومات کو بڑھائیں ان کے بزرگوں کے کارناموں سے واقف ہوں اور پھر ایک دوسرے کے بزرگوں کی عزت کرنے سے ملک میں امن

دامن کا زیادہ امکان پیدا ہوتا ہے نیرنگ خیال کی یہ کوشش آپ کے سامنے ہے اس میں ہندو مذہب اس کی بعض روایات اور ان کے ایک مشہور پیرو سری رام چندر جی مہاراج کا جیون چتر پیش کیا گیا ہے۔ یہ تمام مضامین تاریخی مذہبی اور علمی رنگ میں لکھے گئے ہیں ہندو اخبارات اس سے ضخیم دسہرہ نمبر یا رام نمبر شائع کرنے کے عادی ہیں۔ لیکن اس پایہ کے علمی مضامین آج تک کسی ہندو اخبار میں شائع نہیں ہوئے اور یہ فخر صرف نیرنگ خیال کو حاصل ہے کہ اس قلیل قیمت میں اور اس قلیل وقفہ میں ہم اس شاندار کا رنامہ نمبر شائع کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخری گزارش :۔ اس نمبر کی تیاری یا تدوین میں کسی ہندو بھائی کی خدمات حاصل نہیں کی گئی ہیں۔ اس لئے اگر اس نمبر میں کوئی لفظ یا فقرہ یا مضمون ایسا شائع ہو جائے جو کسی وجہ سے ہندو بھائیوں کو خوشگوار نہ ہو تو اس کے لئے مجھے معذور سمجھیں جو کچھ شائع کر رہا ہوں نیک نیتی سے شائع کر رہا ہوں۔ اس لئے اگر اتفاقاً کوئی فروگذاشت ہو جائے تو مجھے معاف کیا جائے"۔

رسالہ نیرنگ خیال کے ایڈیٹر کی مخلصانہ کوشش کامیاب ہو گی۔ اور یہ رسالہ ملک کے علمی و ادبی طبقوں میں چار سال میں ہی بے حد مقبول اور ہر دلعزیز ہو گیا۔ اس کے ہمعصر اپنے پرچوں میں اس کی تعریف و توصیف کرنے لگے چنانچہ ہم چند رسالوں اور اخباروں کے ریویو اور تبصرے نقل کرتے ہیں۔

یوپی کے مشہور اخبار مدینہ بجنور نے ۷ رمئی ۱۹۲۸ء کے شمارے میں اس رسالہ پر یہ ریویو کیا تھا۔

"نیرنگ خیال لاہور کا ایک نہایت کامیاب رسالہ ہے جس نے جدت اسلوب اور دلفریب ظاہری و معنوی حسن کے باعث ادب اردو کے شائق

حلقہ پر اپنا قبضہ کر لیا ہے کارکنانِ نیرنگ خیال ہر سال میں متعدد خاص نمبر نکالتے ہیں اور اس وقت ہمیں اس کے عید نمبر پر اظہارِ رائے کرنے کا فخر حاصل ہوتا ہے فی الجملہ اردو رسائل کی تاریخ میں یہ ایک بے مثال کارنامہ ہے۔ بلحاظ ہمہ گیری مضامین کے اعتبار سے بھی، حجم و ضخامت کے اعتبار سے بھی اور حسن ظاہری اور تصاویر کی ہر دلعزیزی و کثرت کے اعتبار بھی، اور ہمیں تو حیرت ہے کہ ایک روپیہ میں کارکنانِ نیرنگ خیال مطالعہ مضامین کے ۲۲۴ صفحات اور تین سہ رنگی تصاویر ۲۴ فوٹو، تین فوٹو کارٹون اور ایک تفریحی تصویر کیسے دے سکے۔

تصاویر ہر قسم کے مضامین پر مشتمل ہیں مضامین نظم و نثر میں آٹھ عید سے متعلق ہیں مطائبات کے عنوان کے نیچے پانچ مضمون دیئے ہیں۔ تین ڈرامے، دس مقالے، نو افسانے اور تیس کے قریب نظمیں ہیں جن میں غزلیں بھی شامل ہیں۔ حصۂ نظم میں علامہ اقبال، خواجہ دل محمد ایم اے حفیظ، شاہ دلگیر، اصغر، سہا، فانی، آزاد انصاری، سائل و مہر وغیرہ کے نتائج افکار دیئے گئے ہیں اور حصۂ نثر میں خواجہ حسن نظامی، مولوی محمد حسین آزاد، ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری، پطرس، امتیاز علی تاج، ناشر، نظامی قدوسی، خواجہ عشرت لکھنوی اور منشی پریم چند وغیرہ کے اسمائے گرامی خاص طور پر نمایاں ہیں۔ بعض افسانے بے حد دلپذیر ہیں مثلاً صحرا کا لڑکا، نسوانی فطرت کی گہرائیوں پر ایک بے نظیر افسانہ ہے ادبی مضامین "الف، ب، ت" از سید ممتاز علی صاحب اور ہمارے شاعروں کی نفسیات از مولانا سلیم خوب ہیں۔ الغرض عید نمبر ہر اعتبار سے جاذبِ قلوب ہے اور اس ادبی کارنامے پر کارکنانِ نیرنگ خیال سے زیادہ اہل ملک مبارکباد کے مستحق ہیں جن کی قدر افزائی حکیم محمد یو

حسن صاحب کو اس قسم کی علمی و ادبی نیرنگیاں پیش کرنے کا موقعہ دلاتی ہیں"۔

ہمعصر حمایت اسلام لاہور مورخہ مئی ۱۹۲۷ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ کیا تھا۔

"طرازِ عنوان شاہکار اپنے بوقلموں محاسن اور گوناگوں لطائف کے اعتبار سے اس حقیقت صادقہ کا ایک بیّن ثبوت ہے کہ اردو رسائل کو مغربی صحائف کے ہم شان بنانا محال اور ممتنع نہیں۔ یورپ نظریہ ارتقاء سے متاثر ہو کر اپنی ہر ادا سے یہ آشکارا کرتا رہتا ہے کہ ہر شے کا نقش ثانی اوّل سے بہتر و برتر ہونا چاہیئے۔ اردو صحافت نیرنگ خیال پر جس قدر فخر و مباہات کا اظہار کرے بجا ہے اس کے ہر تازہ سیمرع کی گزشتہ پرچہ سے عمدہ تر اور خوش تر ہوتا ہے اس دعویٰ کی روشن ترین نظیر نیرنگ خیال" کا عید نمبر ہے جو مشرق و مغرب کے بعض مشاہیر صورت گروں کی تیار کردہ بتیس ۳۲ رنگین تصاویر، مختلف مباحث پر ایک سو سے زیادہ جواہر ادب مضامین، متعدد روح پرور منظومات، کئی ایک نفسیات آموز ڈرامو بصیرت افروز افسانوں وغیرہ پر مشتمل ہے۔ ضخامت کامل ڈھائی سو، طباعت دلفریب، کتابت دیدہ زیب، سرورق نہایت عمدہ۔ با ایں ہمہ نوادرات قیمت صرف ایک روپیہ۔ معموری اقلیم ادب کے اس جامع المحاسن مرقع کی اشاعت پر ہم "نیرنگ خیال" کے صحیح الذوق فاضل اور ہمہ کار مدیر حکیم محمد یوسف حسن کی خدمت میں ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہیں"۔

لاہور کے کثیر الاشاعت ہفتہ واری اخبار پارس نے ۱۲ رمئی ۱۹۲۷ء کے شمارے میں بہ رائے اس رسالہ کے عید نمبر پر شائع کی تھی۔

"لاہور کے مشہور ہر دلعزیز ادبی رسالہ نیرنگ خیال کا عید نمبر شائع ہوا ہے عید نمبر بڑے سائز کے ۲۰۸ صفحات پر ختم ہوا ہے جس میں کتابت کی دلفریبی کے ساتھ قریباً ۵۰۰ صفحات کے برابر مضامین درج ہیں تمام مضامین غیر مطبوعہ ہیں اور جہاں تک ہمارا خیال ہے جسقدر اچھے لکھنے والے نیرنگ خیال کو میسر ہیں یہ دیگر ادبی رسائل کو میسر نہیں اس لاجواب اور حقیقتاً بے مثل نمبر میں ایسے ایسے دلچسپ اور بلند پایہ مضامین ہیں جس کی نظیر اردو صحافت میں کہیں نہیں مل سکتی اور بلا مبالغہ ظاہری اور معنوی اعتبار سے ہم اسے یورپ کے بہترین رسائل کے مقابلہ میں پیش کر سکتے ہیں۔ اخلاقیہ مضامین، نظمیں، غزلیں، ظرافت، اعلیٰ علمی اور اجتماعی مضامین ادبی نوادر اور دلچسپ ڈرامے شاعرانہ نثر وغیرہ سبھی موجود ہے اس کے علاوہ دس نہایت دلچسپ اور سبق آموز افسانے بھی درج ہیں۔

جن میں سے ہر ایک جداگانہ شان رکھتا ہے ان خوبیوں پر تصاویر کا انتظام سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے تصاویر تو اب کئی رسائل شائع کرتے ہیں ہیں۔ اسی قسم کی اور کسی اردو رسالے میں شائع نہیں ہوتیں۔ عید نمبر میں بھی کم از کم ۱۸ تصاویر ہیں جن میں سے تین تصاویر سہ رنگی ہیں دو نیلی اور سنہری زمین پر چھپی ہیں۔ باقی تمام فوٹو بلاکس ہیں اور چھوٹی چھوٹی تصاویر کے بجائے بڑے بڑے بلاک ہیں۔ اس ارزان ترین اور کامیاب رسالے کا عید نمبر خریدنا ہر علم دوست ہندوستانی کا فرض ہونا چاہیئے"۔

یہ حقیقت ہے کہ نیرنگ خیال ایسا نکلا کہ اس نے ہمارے ادبی رسالوں کی روش ہی بدل دی۔ حکیم یوسف حسن نے ایک نئی بات یہ کی

کر پرچے کی ظاہری خوبیوں کی طرف بھی توجہ دکا نیرنگ خیال سے پہلے رسالوں
کے ٹائٹیل بالکل سیدھے سادے ہوتے تھے رسالے کا نام اور ایڈیٹر کا نام
بس حکیم صاحب نے طرح طرح کے ڈیزائن بنوا کر کئی کئی رنگ میں بلاک
کی چھپوائی شروع کی مضامین لکھنے کے لئے انہیں لاہور کے چند اچھے لکھنے
والے مستقلاً مل گئے تھے یہی حضرات بعد میں "نیاز میدان لاہور" بن گئے
سالک امتیاز، پطرس، ہری چند اختر، تاثیر اور ایم اسلم کے مضامین نے
نیرنگ خیال کو ایک دم سے اچھال دیا۔ جب اس کی ساکھ بن گئی تو ہندوستان
کے تمام اچھے لکھنے والوں کے مضامین بھی نیرنگ خیال میں آنے لگے، دوسری
تبدیلی حکیم صاحب نے یہ کی کہ نیرنگ خیال کا سائز عام رسالوں سے بڑا
کر دیا۔ تیسری اور سب سے بڑی تبدیلی جسے انقلاب کہنا چاہئے یہ کی کہ نیرنگ
خیال کے خاص نمبر اور سالنامے شائع کرنے شروع کر دیئے۔ ان ہی کی
دیکھا دیکھی دوسرے رسالوں نے بھی خاص نمبر چھاپنے شروع کر دیئے۔ عام
روش سے بچنے کے لئے حکیم صاحب نے نیرنگ خیال کے خاص نمبروں کا
سائز بڑھانا شروع کر دیا یہاں تک کہ ان کا ایک خاص نمبر گز بھر لمبا نکلا
تھا۔ آسکر وائلڈ کی تمثیل سلومی کا ترجمہ ڈاکٹر تاثیر کا کیا ہوا اسی خاص نمبر
میں چھپا تھا ان کے ہر خاص نمبر میں ایک نہ ایک معرکہ کا مضمون ضرور شائع ہوتا
تھا مثلاً ایک میں شوکت تھانوی کا مضمون "سودیشی ریل" چھپا دوسرے میں عظیم
بیگ چغتائی کا مزاحیہ افسانہ "انگوٹھی کی مصیبت" اور تیسرے میں قاضی عبد
الغفار کے "لیلیٰ کے خطوط"۔ ان مضامین کی اشاعت سے "نیرنگ خیال" کی
شہرت ہوئی اور "نیرنگ خیال" کے ذریعہ ان مضمون نگاروں کو شہرت ملی۔ حکیم
یوسف حسن صاحب کو صحافی برادری میں مجتہد کا درجہ حاصل

حاصل تماشا

اردو اخبار یا رسالہ کوئی ایسا ہوگا کہ اس کی اپنے کسی معاصر سے چشمک نہ چلی ہو کسی نہ کسی بات پر مخالفت ہو جاتی ہے اور بڑے زور شور کے ساتھ قلمی جنگ شروع ہو جاتی ہے اس میں علمی مباحث بھی ہوتے ہیں عبارت پر اعتراض کئے جاتے ہیں اشعار میں غلطیاں نکالی جاتی ہیں اور اصلاح کا فرض بھی انجام دیا جاتا ہے۔ چنانچہ یہ قلمی جنگ نیرنگ خیال اور پیمانہ میں شروع ہوئی نیرنگ خیال لاہور مورخہ فروری ۱۹۲۸ء میں عبارت کی غلطیوں کی گرفت کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے۔

"تصویروں کو جانچنا تو خیر ہمارے معاصرین کو تصاویر لگانے کا بھی سلیقہ نہیں ہے۔ پیمانہ نے سپہ سالار جنگ کا فوٹو چھاپا دیانت دیکھئے کہ اسے فقط حیدر آباد کے خریداروں اور معاصروں کو بھیجا باقی پرچے خالی رکھے' فوٹو بیعنوی' کا تھا چوکور اور حاشیہ منحنی جیسے سانپ کی چال' یہ سلیقہ ہمارے "عمر خیام" ہی پر ختم تھا۔ یورپ کی نقل کرنے کو بھی عقل چاہیئے"

" فنون لطیفہ سے ہندوستان میں جس قدر بے اعتنائی برتی جا رہی ہے اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ ادبی رسالوں کے ایڈیٹر بھی نہیں جانتے کہ مصوّری قلم سے کی جاتی ہے اور مجسمہ سازی قلم سے نہیں کی جاتی۔ مدیر پیمانہ کا یہ کہنا کہ مرمریں مجسموں میں صناع کے قلم کی ملکوتی نظر آتی ہے ایک حد تک مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے ایک اور مضمون نگار پیمانہ لکھتا ہے۔

نقوش لاہور کا لاہور نمبر ۱۹۶۲ء ۔

" موجودہ زمانہ میں موسیقی مصوری اور نظم کوئی ایجاد ایسی نہیں جو زمانہ قدیم سے اعلیٰ نمونہ سے برابری کا دعویٰ بھی کر سکے "

" نظم کے متعلق پیمانہ میں ساغر و سیماب کے ہوتے ہوئے یہ لکھنا واقعی بڑی اہمیت کا کام ہے مگر جس کاوش و تحقیق پر ناز کیا جاتا ہے وہ مندرجہ ذیل فقروں میں مفقود نظر آتی ہے "

" اجنتا کی قدیم ترین مصوری حضرت مسیحؑ سے ایک صدی قبل کی ہے ...... یہی وہ زمانہ تھا جب ایلورا اور ایلیفنٹا کے نمونے ہائے سنگ تراشی وجود میں آئے ...... اجنتا کے منہدم آثار ایلیفنٹا کے غار امرائتی کے پر ہیبت کھنڈر اور ایلورا کے مندر اہل بدھ کی یادگاریں سراپا اندوہ و ملال بنے ہوئے ہیں "

" مضمون نگار صاحب نے کہیں سے کچھ باتیں سنکر جمع کر دی ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فقط اجنتا کی غار میں اہل بدھ کی صناعی کا نتیجہ ہیں چنانچہ ایلیفنٹا کے شولنگ کے مندر تمام ہندو مت کے مظہر ہیں ایلورا کے شو اور پاربتی کے قصص بھی خالص ہندو عہد کے نمونہ ہیں جو سات سو عیسوی سے شروع ہوتا ہے یہ وہ عہد ہے جب مصوری مفقود ہو جاتی ہے اور سنگ تراشی کا دور دورہ ہوتا ہے لیکن مضمون نگار کی اس فاش غلطی سے زیادہ مضحکہ خیز غلطی خود جناب ایڈیٹر کی ہے جو لکھتے ہیں "

" علیگڑھ کا شہر ہندوستان کے مغرب بعید میں ۱۹۴۶ مربع رقبہ میں آباد ہے "

خدا جانے یہ معلومات کہاں سے بہم پہنچائی گئی ہیں معلوم ہوتا ہے

کہ ایک مدرسہ فن اخبار نویسی سے متعلق علیگڑھ میں کھلنے والا ہے جو مسلم یونیورسٹی سے ملحق ہوگا۔ ہمارے خیال میں اگر ساغر صاحب اس مدرسہ میں تین چار سال تعلیم حاصل کر لیں تو بہتر ہوگا ان خود ساختہ علیگ صاحب کی علمی قابلیت کا اندازہ ان فقروں سے لگایا جا سکتا ہے۔ فن ڈرامہ پر تنقیدی نگاہ ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یورپ میں ڈرامہ نویسی کے لوازمات میں سے ایک صنف یہ بھی ہے کہ ڈرامہ لکھتے لکھتے کوئی غیر متعلق بات چھیڑ دیتے ہیں...... ایشیائی ڈرامہ نویسی میں اسی صنف کو کومک کہتے ہیں۔"

"یہ اظہار علمیت یہیں پر ختم نہیں ہوتا۔ لفظ کومک کی تصریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"کومک کامیڈی کا مخفف معلوم ہوتا ہے"

"یہ ہے آپ کا سرمایہ علمی اور اصناف ڈرامہ سے واقفیت۔ لیکن ساغر کی غلط کاریوں پر کہاں تک لکھتا جاؤں۔ ہمیں تعجب تو اس بات پر ہے کہ پیمانہ بایں ہمہ اغلاط انتخاب لاہور کے متعلق یہ لکھنے کی جرات کرتا ہے"۔

کاش انتخاب بھی برسوں شائع نہ ہوتا۔.... انتخاب کی صدارت اجرار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اجرار کی ہندوستان کو قطعاً ضرورت نہ تھی۔.. ۔۔ جتنا روپیہ اس کی ترتیب و توسیع میں صرف ہو رہا ہے اگر انجمن حیات الاسلام میں دیدیا ہوتا تو بڑا ثواب ہوتا...... رسالے کی ترتیب میں قطعی توجہ سے کام نہیں لیا گیا جو مضمون جہاں چاہا لگا دیا.... حصہ نظم بہت ہی گرا ہوا ہے...... وغیرہ" اور پھر اس تبصرہ کے بعد ایک مضحک ریویو کو کا شائع کرنا یقیناً معاصرانہ اخلاق کے منافی ہے۔ اس پر یہ کہنا کہ اختر شیرانی الافغانی

میرا رسالہ میرے دوست ہیں اور دوست کے ساتھ کوئی زیادتی میرے مذہب میں جائز نہیں۔"

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا۔ پاکستان بنا۔ اس کا سب سے بڑا نقصان نیرنگ خیال لاہور کو ہوا جسکی بنا پر نیرنگ خیال گولڈن جوبلی نمبر ۱۹۷۸ء میں شائع ہوا جسکا عنوان ہے۔ اب آخر میں نیرنگ خیال کی کہانی بھی سن لیجئے۔

بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ نیرنگ خیال جو پاک و ہند کا کثیر الاشاعت ماہنامہ تھا جس کے پڑھنے والے پشاور سے لیکر لاہور تک اور لاہور سے دہلی، لکھنؤ، الہ آباد، آگرہ، کانپور، حیدر آباد، کلکتہ اور بمبئی تک پھیلے ہوئے تھے۔ آج تک کسی اردو رسالے کے سالانہ چندہ ادا کر کے خریدار بننے والوں کی تعداد آٹھ ہزار نہ دیکھی نہ سنی تھی۔ یہ کامیابی لامثال تھی۔

ہم نے پاکستان کے لئے شب و روز دعائیں مانگیں اور اس کی آمد کے انتظار اور شوق و ذوق ہی دیوانوں کی طرح سر راہ آنکھیں بچھائیں اور روح اور زندگی کو قربان کئے بیٹھے تھے۔ ہم ہندوستان سے آئے ہوئے مہاجرین کو گلے سے لگاتے تھے اور ان کو زندگی کی نئی دوڑ میں حصہ لینے پر مستعد بناتے اور ہر طرح کی امداد بہم پہنچاتے تھے۔

ہم نے پاکستان کے قیام کے دنوں میں اس کا سالانہ نمبر "دنیائے اسلام" کے نام سے شائع کیا تھا۔ اور اس رسالہ کا کثیر حصہ جو پانچ ہزار وی پی کاپیوں پر مشتمل تھا۔ علاوہ چار ہزار سرسری ماہانہ ڈاک کے لئے جب ڈاک خانہ میں پہنچا تو سب سے اول پوسٹ ماسٹر صاحب نے ہمیں اطلاع دی کہ قیام پاکستان کے بعد پاکستان اور ہندوستان کی سرحدیں جدا ہو گئی ہیں اب معمولی ڈاک تو جا سکتی ہے مگر نہ وی پی جا سکتے نہ منی آرڈر آ جا

سکتے ہیں۔ لہٰذا اس عام ڈاک کے علاوہ تمام وی پی بنڈلوں کو واپس لے جائیں اس کو جا کر چھانٹ لیں اور جو ڈاک پاکستان کی ہے وہ ہمیں دے دیں تاکہ ہم پوسٹ کر دیں باقی واپس لے جائیں یہ ہے اس بپتا کی ابتدا۔ چنانچہ ہم نے چپراسی کو گمر صبح الصدر خانپور یاں ڈاک خانہ میں منگوالیں۔ جو ڈاک اور وی پی ہندوستانی علاقہ کے تھے وہ ہم نے بوری میں بھر کر واپس دفتر پہنچا دیئے۔ باقی پاکستان کی ڈاک حوالہ ڈاک خانہ کر دی اس وقت ہمیں معلوم ہوا کہ پاکستان کے خریداروں کی تعداد دو ہزار سے بھی کم نکلی اور ہندوستان کی خریداروں کی تعداد چھ ہزار سے اوپر تھی

ہمیں بہت فکر اور پریشانی پیدا ہو گئی۔ یکایک ہماری حالت ایسی ہو گئی جیسے کہ ہم آسمان سے فرش پر آن گرے ہوں جیسے نیرنگ خیال دیوالیہ ہو گیا ہو۔ ہماری آمدنی اور رسالہ کی اشاعت سکڑ سمیٹ کر چوتھائی سے بھی کم رہ گئی تھی۔

کچھ عرصہ ہم اس موہوم خیال میں کھوئے رہے کہ بالآخر ڈاک وی پی اور منی آرڈر کھل جائیں گے۔ ایسا دائمی نہیں ہو سکتا کہ یہ سب کچھ عارضی ہے مگر ۵-۶ مہینے کی پریشانی کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ ہمارے خطرات صحیح ہیں۔ حکومتوں میں وی پی اور منی آرڈروں کے تبادلے نہیں ہو سکے۔ وہ ایک دوسرے پر بھروسہ اور یقین نہیں کر سکتیں؟ ہمارے بعض ہندوستانی احباب نے ہمیں مشورہ دیا کہ ہم پاکستان سے ہجرت کر کے دہلی کو اپنا مرکز بنائیں اور نیرنگ خیال کو دہلی سے جاری کریں اور پنجاب میں ایک چھوٹا سا سب آفس نیرنگ خیال کا بھی رہے مگر ملک کی سیاسی فضا یہ کہتی تھی کہ ہم سے یہ سب کچھ یعنی ہجرت اور دہلی میں دفتر کا قیام نہ ہو سکے گا سلسلہ دونوں

دہلی اور پنجاب میں بھارتی سکھ صوبہ میں جو چپقلش اور بے چینی دونوں جگہ پائی جاتی تھی۔ اور آئے دن کے ہندوستان میں ہندو مسلم فسادات ہمیں آگاہ کرتے تھے کہ یہ بدقسمت قومیں اتنے مصائب جھیلنے کے بعد بھی اتفاق و اتحاد سے مل بیٹھنے کے حق میں نہیں ہیں۔

پنجاب سے دہلی جاتے ہوئے بعض ہندو احباب نے اپنے مکان کالونیاں اور دکانیں اور کارخانے تک ہمیں بلا معاوضہ سونپ دینے پر آمادگی کا اظہار کیا۔ مگر ہماری طبیعت ایسے بہروپ بھرنے اور اس سے اپنی قسمت بدل لینے پر کبھی مستعد نہ ہوئی اور ہم ایسی تمام اشیاء کو قبضہ میں لینے کا مطلب تو کچھ اور رہا ہم تو انہیں چھونے تک کے لئے تیار نہ تھے اور ایسا کرنا بھی کفر و گناہ سمجھتے تھے۔ ایسے ضعیف و کمزور طبع انسان سے آپ کسی گرانقدر کارنامے کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ پس اگر ہم نے نیرنگ خیال شائع کرکے ایک کارنامہ کیا تھا اور اسے ۲۵ سال تک انتہائی شہرت کی چوٹی اور کامیابی کے آسمان تک پہنچا بھی دیا تو پاکستان کے قیام سے ۱۹۷۸ء تک ہم نے آخری ۳۰ سال قریباً پاکستان میں نیرنگ خیال کو قائم اور زندہ رکھنے کے لئے اور اس کا ڈیکلریشن قائم رکھنے کے لئے ہم اس دیوالیہ رم کو کندھوں پر اٹھائے پھرے اپنی طبابت کی جدوجہد سے جو کچھ ہم کماتے اس میں انتہائی تنگی ترشی سے گزر کرتے تھے اور ہر ماہ جیسے ہوتا دو تین سو روپے رسالہ کے نقصان پورا کرنے کے لئے گرہ سے نیرنگ خیال پر خرچ کرتے اُسے باقاعدگی سے نکالتے تھے اور ہم کسی آنے والے خوشحال زمانے کا انتظار کرتے تھے جو شاید کسی نجومی نے ہمیں بتلایا ہو گا کہ ایسا وقت ضرور آئے گا! مگر افسوس کہ ایسا دور تو نہ آیا بلکہ پاکستان جیسے محدود

ذرائع والے ملک کی تین جنگیں لڑنا پڑیں اور ایک جنگ میں اس لئے قومی دشمن کا منہ پھیر دیا تو دوسری جنگ میں پاکستان اپنی آدھی ملکیت گنوا بیٹھا ان حالات میں کسی خوش گوار دن کا سامنا نہیں ہو سکتا بلکہ تکلیف میں اضافہ اور پریشانیوں میں زیادتیاں ہی مشاہدہ میں آتی رہیں۔ ان ہی حالات سے مجبور متاثر ہو کر میں نے اپنی عمر کے اس حصہ میں ملازمت کرلی تھی جس کے ساتھ نیرنگ خیال کے دور ثانی کی آبیاری اور اپنی طبابت کے بل بوتے پر ہی کام چلاتا رہا مجھے ہر ماہ دو تین سو روپے نیرنگ خیال کو زندہ وقائم رکھنے اور باقاعدگی سے شائع کرنے پر صرف کرنے پڑتے تھے ان سے متاثر ہو کر جناب شاہد احمد صاحب دہلوی مدیر ساقی دہلوی نے لکھا تھا۔

"حکیم یوسف حسن کو ہماری برادری میں مجتہد کا درجہ حاصل ہے مگر افسوس ہے کہ ادب کے اتنے بڑے خدمت گزار اور محسن کو زمانے کی گردشوں نے ماضی کے دھندلکوں میں محو کر دیا۔ اس عالم ضعیفی میں جفا کفا کر کے حکیم صاحب نیرنگ خیال شائع کر رہے ہیں اور یہ انہیں کی ہمت ہے"۔

شاہد احمد صاحب مدیر ساقی نے درست لکھا۔ نیرنگ خیال کو اس حالت میں قائم رکھنے اور بروقت شائع کرنے میں مجھے دو تین سو روپے آمدنی میں سے نیرنگ خیال کی بھینٹ کرنے پڑتے تھے۔ ہم اس عہد کو نیرنگ خیال کا دور ثانی کہتے تھے۔ پہلا دور جتنا درخشاں تھا دوسرا دور اتنا ہی ضعیف اور پژمردہ تھا۔ اس طرح رسالے کو زندہ رکھنے کے لئے مجھے کم از کم ۷۵ ہزار روپے خرچ کرنے پڑے۔ اب

مہنگائی اتنی زیادہ ہو گئی تھی کہ نیرنگ خیال کو لاکھوں کا سرمایہ کھلا کر بھی اس مقام تک نہ پہنچا سکتے تھے۔ نیرنگ خیال کا دور ثانی پاکستانی رسائل کے معیار کے مطابق تھا لیکن یہ ہمارے لئے بے عزتی اور بدنامی کا ذریعہ تھا۔"

" عزیز و اور دوستو یہ ہے نیرنگ خیال کی بپتا اور جس میں ہم نے ۲۵ سال کسمپرسی میں گزارے ہیں اس زمانہ میں کاغذ کی گرانی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ گزشتہ چھ سال سے پاکستان قسم قسم کی ملکی بے چینی اور جھگڑوں کا مرکز رہا۔ ہماری زندگی میں لیاقت علی سردار۔ ایوب خان۔ سردار یحییٰ خان اور سردار بھٹو خان گزرے ہیں ہماری زندگی ان چار دور دوروں کا ہر حیثیت سے اور سب سے متاثر ہوئی ہے۔ خدا کی قدرت ہے پاکستان میں جو قسم قسم کا اقتصادی بحران پیدا ہو گئے ہیں ان کے جو اسباب ہیں ان میں گزشتہ چھ سال سے مہنگائی کا جزو اعظم ہے آج وہ مزدور جو تین روپے اجرت لیتا تھا اب ۳۰ روپے اور آج ۴۰ اور ۵۰ تک طلب کرتے ہیں گویا ہر شخص کی ضرورت بلکہ آٹھ دس گنا بڑھ گئی ہے وہ یہ رقم ہر قیمت پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ یہ حالت تاجروں پر پڑی اور کاغذ آرٹ پیپر کتابوں اور رسالوں کی جلدوں اور تصاویر کی تیاری اور طباعت پر خرچ ہوتی ہے اب وہ دور آگیا ہے کہ اچھے اخبار اور رسائل تو صرف حکومت یا نوابوں اور کثیر منافع کمانے والے مالکان مل ہی چھاپنے کا حوصلہ کر سکتے ہیں۔

نیرنگ خیال کی عمر کثیر ہے اس کا پرچہ ٹھیک ۱۴۵ سالوں سے بند شائع ہو رہا ہے پہلا پرچہ جولائی ۱۹۲۴ء کو شائع ہوا تھا۔ خوش قسمتی یا بد قسمتی سے میں ابھی زندہ ہوں کہ اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے کا آخری تحفہ آپ کی خدمت میں اپنے ہاتھ سے پیش کر دوں میں ہر مہینے نیرنگ خیال میں کسی حیلے بہانے یا عنوان کے تحت باتیں ضرور لکھا کرتا تھا۔ آج نصف صدی کے بعد یہ

رسالہ نیرنگ خیال کے جوبلی نمبر کے لئے آخری بات لکھ رہا ہوں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ رہے نام اللہ کا باقی سب ہیچ۔

میں نے اپنے محترم دوست سلطان رشک صاحب کو نومبر ۱۹۷۶ء میں ہی نیرنگ خیال کا ڈیکلریشن منتقل کر دیا تھا اب وہ جملہ پریس ضابطوں کے ساتھ اس کے پرنٹر اور پبلیشر ہیں۔ میں اب اس ذمہ داری سے سبکدوش ہو چکا ہوں۔ سلطان رشک کافی دیر سے نیرنگ خیال کا جوبلی نمبر تیار کر رہے تھے جو اس زمانہ میں ہر لحاظ سے ایک گراں قدر مسئلہ ہے اور یہ کام اتنا بھاری بھرکم تھا کہ مجھے اپنے علالت طبع کے باوجود ان کی کچھ نہ کچھ امداد کرنی پڑی۔ الحمد للہ کہ جوبلی نمبر شائع ہو گیا۔

اس حقیقت نگاری کے بعد جسے میری باتوں کی آخری قسط قرار دیا جا سکتا ہے اور جن کے طویل ہو جانے کا مجھے افسوس ہے میں بزم نیرنگ خیال سے رخصتی کے موقع پر اپنے دوست واحباب اور قارئین کرام کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کے ساتھ میں نے تقریباً ۵۵ سال کا عرصہ اور بعض کے ساتھ چند سالوں کی خوشگوار رفاقت ہمارے لئے مسرت و اطمنان کا باعث ہے خصوصاً اپنے ساتھی سلطان رشک کا جنہوں نے اس عرصہ میں نیرنگ خیال کی ساکھ اور شہرت کو برقرار رکھنے کی قابل قدر کوشش کی جس کے بعد بھی نیرنگ خیال کی چند یادگار عظیم سے لبریز ہے ان میں نیرنگ خیال کا پانچسو واں نمبر، چینی افسانہ نمبر، غزل نمبر اور اب یہ گرانڈیل جوبلی نمبر بھی شامل ہے۔ آخر میں سید ضمیر جعفری صاحب کا ذکر بے محل نہ ہو گا جو نیرنگ خیال کے اس آخری دور میں برابر قلم بر نیرنگ خیال سلطان رشک اور حکیم یوسف حسن کی حوصلہ افزائی کے فرائض ادا کرتے رہے ہے۔ زندہ باد۔

ایڈیٹر نیرنگ خیال حکیم محمد یوسف حسن لاہور کی آپ بیتی بھی ان کی قلم

سے سنڈے پیرتگ خیال گوالڑن جنگ جوبلی ۱۹۵۷ء میں چھپی ہے۔ جس کا عنوان ہے "آخری بات" (۵ سالہ دولہا کے روپ میں)۔

جناب حکیم محمد یوسف حسن کی آپ بیتی

اس طرح جی کر بعد مرنے کے   یاد کوئی تو گاہ گاہ کرے

میں اپنی سرگزشت کیا لکھوں ۵ سال کی عمر میں "میری ماں مر گئی"! وہ ماں جو مجھے اس عمر میں یعنی ایک پانچ سالہ طفل کو اپنے سامنے ارغوانی صافہ سر پر بندھوا کر دولہا کے روپ میں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس نے بستر مرگ پر اپنا اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرے بچے یوسف کو لاؤ اور میرے سامنے کرسی پر بٹھا کر اس کے سر پر سرخ دوپٹہ کا صافہ باندھو۔ دولہا بناؤ۔ میں کرسی پر بیٹھا تھا گھر کے تمام افراد جمع تھے۔ چاروں طرف آنکھیں بھیگی ہوئی تھی۔ ماں نے ایک حسرت بھری نظر سے دیکھا جس میں مسرت بھی بکھر رہی تھی! پھر ماں نے دم توڑ دیا۔!! اپنے دولہا بچے کے سامنے۔

میری ماں تو مر گئی، لیکن ان کی جانشین بھی میرے لئے شفیق و محسن ثابت ہوئی۔ والد صاحب بھی میری تعلیم و تربیت کا بڑا خیال رکھتے تھے۔ اس طرح میں اسکولی تعلیم میں بڑی تیزی سے بڑھتا ابھرتا چلا جاتا تھا۔ کلاسیں پھلانگتا ہوا دسویں جماعت تک آن پہنچا۔ مگر میری اسکولی تعلیم کو گھن لگ چکے تھے

اس وقت میرے والد صاحب ریلوے میں گارڈ تھے۔ انہیں دوسرے دن چھٹی ملتی تھی۔ انہیں پڑھنے لکھنے کا بہت شوق تھا۔ وہ اپنے فرصت کے اوقات میں پیسہ اخبار کے ادارے میں جاتے اور وہاں سے ترجمے وغیرہ کے کام لایا کرتے تھے۔ انہوں نے کئی ناولوں کے ترجمے کر کے دیئے اور ان کے تفصیل لیا کرتے

قسم کے ناول اور افسانوں کی کتابیں ہوتی تھیں۔ جنہیں میں والد صاحب
کی غیر حاضری میں پڑھتا تھا۔ اسکولی کتابوں اور حساب و الجبرا کے دقیق
مسائل پر دل نہ لگتا تھا۔ ناول اور افسانے پڑھنے کی چٹک تھی۔ یہ ذوق و شوق
اتنا بڑھا کہ لکھنؤ والوں کی عظیم نفسیات طلسم ہوش ربا کی لاکھوں صفحات
کی افسانوی رنگین کتابیں دو تین برس متواتر میرے مطالعہ میں رہیں۔ ان
کتابوں سے علم و فن کا ایک قیمتی درس تو مجھے حاصل ہوتا رہا۔ اس کے سوا
اور دوسرا چسکا نہ تھی۔ البتہ کبھی کبھی کھیلے میدانوں میں بھی جاتا۔ اور بس۔
گویا ناول و افسانہ اور رسائل و میگزین سے تعارف حضرت والد
صاحب کے وسیلہ سے حاصل ہوا۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ سب کچھ دنیا
کے ملا اور علم و فن کے دفتر کے دفتر لکھنوی قصہ گو افسانہ نگاروں۔
[illegible] کی ترقی اور نشو و نما کی تربیت کے لیے چار دانگ عالم میں
پھیل چکے تھے۔ ہمارے لئے اب یہی حیلہ وسیلہ علم بن چکے تھے۔ اسکولی
اور کالجی تعلیم نے عملی ارغم ہمارے پلے میں اب کوئی سند تو نہ تھی اس لئے ملازمت
[illegible] ہم نے بھی ریلوے دفتر کا رخ کیا اور ملازمت کی درخواست
دے دی۔

[illegible] ماہانہ پر ملازمت مل گئی چھ ماہ لاہور کے مال گودام میں تربیت
[illegible] پاس ہو گئے۔ ان ہی دنوں حضرت والد صاحب ترقی کرتے ہوئے مال
[illegible] ریلوے [illegible] فس کے ہیڈ کلرک نامزد ہو گئے تھے اور ان کی سفارش سے
[illegible] لائل پور ہو گئی۔ اب زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ ایک
[illegible] ۲۸ روپے تک تنخواہ۔ اور کچھ اوپر کی آمدنیاں۔ حضرت
[illegible] صاحب کی دفتری حکومت اور عزت و رسوخ اور رعب و دبدبہ۔ لائل پور

زندگی کے ساٹھ سال میرے لئے کیمبرج اور لندن کی طرح عظیم تبدیلیوں اور ترقیوں کا ذریعہ بن گئے۔ لائل پور میں ایک خدا پرست نیک اور فیاض مسلمان عالم کے دست حق پرست پر ہاتھ رکھا، اور جناب مولانا حکیم نورالدین صاحب جلال پوری سے طب پڑھنا شروع کی۔ چند سال سبقاً طب پڑھی۔ ان کے مطب کا طور طریقہ اور رنگ ڈھنگ بھی دیکھا۔ انہوں نے سند دی اور مطب کی اجازت بھی بخشی۔

۲۔ لاہور میں ڈاکٹر کرم چند ہنیشی نے پہلا ہومیو پیتھک کالج کھولا میں نے بھی اس کالج میں داخلہ لے لیا۔ سال کے بعد امتحانات ہوئے (ایل ایچ ایم ایس) ۱۸ طالب علم امتحان میں بیٹھے تھے اور میں ان ۱۸ طالب علموں میں سر فہرست تھا۔ مجھے طلائی تمغہ اور سند بھی ملی۔

۳۔ لائل پور سے سکھوں کا ایک ہفتہ وار اخبار خالصہ اخبار نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر لال سنگھ ایم اے تھے ان معاون مجھے رکھا گیا، اور ۵۰ روپئے ماہوار معاوضہ ملتا رہا۔

۴۔ بجنور سے ایک ہفتہ وار اخبار الخلیل نکلتا تھا اس سے خط و کتابت تھی۔ اس اخبار کا اداریہ اور ادارتی شذرے بھی میں ہر ہفتہ بھیجا کرتا تھا لائل پور سے ۲۰ روپئے ماہانہ معاوضہ ملتا تھا۔ یہ معاوضہ بہت کم نہ تھا ایک تو اس زمانہ میں شرح کچھ ایسی ہی تھی۔ اور نہیں تو یہ دیکھنا ہے کہ ایک گمنام نوجوان کے لئے یہ سب کچھ بڑا اعزاز معلوم ہو رہا تھا اور ساتھ ساتھ ملازمت کے فرائض بھی یہ حسن خوبی سرانجام دے رہا تھا۔

۵۔ اسی خوش بخت عہد میں علامہ اقبال کو پڑھا۔ اسرار خودی حرف بحرف اور لائل پور کے مال گودام میں دوپہر کے وقت جب شدت کی گرمی کے سبب

دور دور تک انسان نظر نہ آتا تھا۔ میں برگد کی چھاؤں تلے بیٹھا اسرار خودی کا درس لے رہا تھا۔ انہی دنوں میری نظر سے یہ شعر گزرا ؎

الحذر از نانِ چاکر الحذر رزق خویش از دستِ دیگر الحذر

نوکری اور چاکری کے خلاف علامہ نے جس پیرایہ میں آواز بلند کی ہے کہ اس نے مجھے مجنون بنا ڈالا۔ اس دن سے نوکری چھوڑ کر اپنی آزادانہ زندگی کی راہیں استوار کرتا رہا۔

چنانچہ سات سال کی نوکری کے بعد اپنی ملازمت کو ٹریفک آفس میں بطور کلرک تبدیل کرا لیا۔ لاہور پہنچ کر ۶ ماہ بعد میں نے ریلوے کی ملازمت سے استعفا دے دیا اور لاہور میں باقاعدہ اپنے مطب کی بنیاد رکھی۔ ریلوے کے بعد ایک سال تک میں نے رسالہ الحکیم جو پاکستان کے کامیاب ترین طبیب حکیم فیروز الدین کی زیر ادارت شائع ہوتا تھا اور حضرت حکیم صاحب پنجاب میں طب یونانی کی بنیادوں کو مضبوط کرنے والوں میں سے تھے۔ ان کے ساتھ ایک سال تک کام کیا۔ یہاں مجھے ۵۰ روپے ماہوار تنخواہ ملتی تھی الحکیم کی ادارت مجھ سے پہلے حکیم محمدؐ حسن قرشی کر رہے تھے۔ اس کے بعد دسر فلم پنجاب کے معمول ترین طبی ادارہ پنڈت ٹھاکر دت کے ساتھ ان کے ہفتہ وار اخبار دلیش اور پکار میں کام کیا۔ دلیش اور پکار کے دفتر میں بیٹھ کر میں نے مشکل سے ہفتہ دو ہفتہ کام کیا ہوگا۔ یہاں تنخواہ ۸۰ روپے سے شروع ہوئی اور ۱۲۰ روپے تک پہنچی۔ اس کے بعد باہر کے مریضوں کے خطوط پڑھ کر ان کے لئے علاج تجویز کرنے کا کام دیا گیا تو یہ معاوضہ اڑھائی تین سو روپے ماہوار جا پہنچا تھا اور تمام کام گھر پر ہی ہوتا تھا اس سے مجھے اپنے مطب پر پوری توجہ دینے اور اسے کامیاب

بتانے میں بڑی مدد ملی اور میری آمدنی میں معقول اضافہ ہو گیا۔ ان ہی ایام میں اپنی پہلی طبی تصنیف طبِ مخفی شائع کی اس کتاب کا حجم ۵۰۰ صفحات کتاب مجلد تھی اور قیمت ۵ روپے تھی۔ یہ کتاب بڑی تیزی سے مقبول ہوئی اور پہلا ایڈیشن بہت جلد ختم ہوا پھر دوسری جلد صنعت اکسیر نام سے شائع ہوئی۔ یہ ۴۰۰ صفحات پر شائع ہوئی۔ دونوں کتابوں کے تین تین چار چار ایڈیشن شائع ہوئے۔ میں طبی تحریکوں اور پنجاب طبی کانفرنس میں بھی شامل تھا، اور لاہور کی طبیہ کمیٹی کا جنرل سکریٹری بھی تھا۔

میری تربیت کے آبائی

میں نے اپنے والد محترم میاں بدرالدین جین کے متعلق سرسری طور پر لکھا تھا کہ انہوں نے ریلوے میں سیکنڈ گارڈ سے ملازمت شروع کی مگر انہیں علم و ادب سے بھی لگاؤ تھا۔ ریلوے کی اس نوکری میں ایک دن کام ہوتا ہے ایک دن چھٹی۔ اس لئے حضرت والد صاحب کچھ ترجمہ کے کام ادارہ پیسہ اخبار سے لا یا کرتے تھے اور انہوں نے چند ناول اور افسانے کی کتابیں بھی ترجمہ کیں۔ میں ان ہی کے تھیلے سے ناول اور رسالے نکال کر ۱۲ سال کی عمر ہی میں پڑھتا تھا گویا یہ ذوق درحقیقت گھر سے شروع ہوا تھا اور آبائی تھا۔ والد صاحب ڈی ٹی ایس آفس میں ہیڈ کلرک ہو گئے تو انہوں نے ترجمہ کا کام بند کر دیا۔ اب دفتر کا کام ہی کثیر تھا اور اکثر فائلیں گھر پر بھی آتی تھیں دوسرے سیکنڈ گارڈ کی تنخواہ ۳۰ روپے اور ہیڈ کلرک کی سو روپے سے شروع ہوتی تھی۔ اس لئے اب انہیں ترجمہ کر کے آمدنی بڑھانے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اس طرح حضرت میاں صاحب لائل پور، خوشاب، لدھیانہ اور

ملتان میں بطور ہیڈ کلرک تعینات رہے اور ان دفاتر میں کام کیا۔ ملتان میں تو کئی سال قیام رہا۔ پھر وہاں سے ان کی تبدیلی سکھر ہو گئی اور سکھر ریلوے آفس میں تنخواہ ۲۰۰۰ روپے ہو چکی تھی۔ ان کا آخری دفتر کراچی تھا۔ جہاں وہ سات آٹھ سال تک کام کرتے رہے اور چیف کلرک ہو کر ساڑھے چار سو روپے پر ۵۵ سال کی عمر میں ریٹائرڈ ہوئے۔ انہیں نصف لاکھ کے قریب گریجوئی ملی تھی۔ انہوں نے لاہور میں اپنا مکان تعمیر کیا۔ وہ ارزانی کے دن تھے۔

ریلوے کی ہیڈ کلرکی سے پہلے حضرت والد صاحب ۱۵ افسروں کے ایک ڈیپوٹیشن میں بھی شامل ہوئے تھے جسے حکومت انگلستان نے نائیجریا میں انتظامی معاملات میں مدد لینے کے لئے منتخب کیا تھا۔ یہ لوگ لاہور سے بھجوائے گئے تھے۔ یہ جماعت ایک سال نائیجریا (مغربی افریقہ) میں رہی اور اس طرح آتے جاتے ہوئے انگلستان کی سیر و سیاحت کا بھی موقع انہیں ملا۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد حضرت میاں صاحب زیادہ وقت آرام سے گزارتے رہے۔ ۱۲ اولادیں تھیں، جن میں سے بعض لڑکے اچھے کاموں پر تھے ایک وسیع کنبہ تھا۔ اس ریٹائرمنٹ کے بعد حضرت والد صاحب چند سال نیرنگ خیال کے دفتر کا انتظام بھی کرتے رہے اور رسالہ کی اعلیٰ بڑھانے کے وسائل بھی سوچتے رہے۔ آپ کا نام نیرنگ خیال ادارہ میں کئی سال چھپتا رہا۔ نیرنگ خیال کے فائل اس کے شاہد ہیں۔ اللہ پاک مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دیں آمین۔

ذوقِ صحافت سے اجرائے نیرنگِ خیال تک

ریلوے کی چار دیواری میں جب مقید تھا تو اخبار زمیندار کا لائل پور میں نامہ نگار خصوصی تھا اور میرے لکھے ہوئے کئی فیچر زمیندار اخبار میں شائع ہوئے تھے۔ حضرت خواجہ حسن نظامی نے اخبار توحید جب میرٹھ سے نکالا تو اس میں فرنسیسی ڈیوک کا اکلوتا لاڈلا نامی ایک افسانہ چھپا تھا جس پر ایک اشرفی انعام ملا تھا۔ الخلیل بجنور کے اداریہ اور نوٹ لائل پور سے میں بھیجا کرتا تھا۔ سکھوں کے خالصہ اخبار کا میں نائب مدیر تھا۔ لاہور منتقل ہو جانے اور طبابت شروع کرنے تک الحکیم اور دانش اور نگارک کی ادارت بھی کی۔

میں نے سر عبدالقادر کے ماہنامہ مخزن میں ۸ مضامین لکھے۔ ماہنامہ ہمایوں میں ایک افسانہ بھی لکھا۔ اس طرح میں بتدریج پنجاب کی ادبی دنیا کی طرف قدم بڑھا رہا تھا۔

لاہور میں اپنی طبابت میں نمایاں قدر و منزلت ہو جانے کے ساتھ پنجاب کی طبی سیاست میں نمایاں شخصیت تھا۔ اور جناب شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی کا دایاں ہاتھ سمجھا جاتا تھا۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر اصل چیز یہ تھی کہ میرے سینے میں اور میرے قلب میں ایک لاوا پھوٹ نکلنے اور بہہ نکلنے کے لئے پر تول رہا تھا۔ اس عہد کے انگریزی رسائل اور اخبارات کے مطالعہ کا بھی شوق دامنگیر تھا۔ انگریزی رسائل کے گٹ آپ کو دیکھ کر شرم و ندامت سے آنکھیں جھک جاتی تھیں۔ ہمارے رسائل خوب صورت رنگین اور منقوش ٹائٹلوں سے محروم ہوتے تھے۔ کتابت کاغذ طباعت ارزاں اور بھدی ہوتی تھی۔ آرٹ کی رنگین تصویر شائع کرنا شاید ہم نے کبھی خواب میں بھی تصوّر نہ کیا تھا۔ فوٹو کے اخباری اور یادگاری بلاک

بھی چھاپنے کی ہمت نہ تھی۔ ہمارے چوٹی کے اہل قلم اپنے ملکی رسائل میں شاذ و نادر ہی کبھی لکھتے تھے۔ ہماری مطبوعات اتنی ردی اور گھٹیا ہوتی تھیں کہ بہت کم لوگوں کا دل چاہتا تھا کہ وہ اپنے رسائل میں لکھیں۔ اس لئے اپنی گری ہوئی صحافت اور کمزور ادبی جد و جہد کو زندہ اور کامیاب بنانے کے لئے میرے دل میں ایک امنگ اور ایک جوش اور ہیجان تھا۔ اور یہ جوش اتنا قوی تھا کہ اس نے جنون کی سی پوزیشن حاصل کر لی تھی۔ بغیر سرمایہ اور بغیر کسی ادبی ادارہ میں ترتیب و تعلیم حاصل کرنے کے میں اس عظیم اقدام کے لئے دیوانہ وار سرپٹ دوڑا چلا جاتا تھا۔ دوست احباب سب روکتے تھے۔ وہ لوگ جو اس میدان میں جہاد کر چکے تھے، وہ سب مجھے سمجھاتے اور کہتے تھے۔ اس کے خطرات جو یقینی موت اور ہلاکت تھی۔ اس سے ڈراتے تھے۔ باوجود ان تمام باتوں کے ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

اور یہاں وہ عقل ہی سمٹ چکی تھی۔ جو محوِ لب بام ہو سکتی تھی!!! - میں نے جیسے بھی بنا جولائی ۱۹۲۴ء میں نیرنگ خیال کا پہلا شمارہ شائع کر دیا اور یہ بغیر کسی دنیاوی بل بوتے کے، بغیر دولت و سرمایہ کے، علم و فضل کی بلند پایہ ڈگریوں کے بغیر ہندوستان اور انگلستان کی سندات سے تہی دست ہونے پر نیرنگ خیال کا پہلا پرچہ بفضل خدا شائع ہو گیا۔ جولائی ۱۹۲۴ء کے نیرنگ خیال کے پہلے نمبر کا ٹائیٹل چغتائی نے بنایا تھا۔ اس کے ٹائیٹل کی کتابت صاحبِ علم و فن شفاء الملک حکیم فقیر محمد چشتی نے کی تھی۔ چغتائی کی تصویر لیلیٰ رسالہ کے پہلے صفحہ پر اپنی بہار سمیت ذوقِ پیشوائی کے لئے موجود تھی۔ ٹائیٹل پر صرف دو نام تھے۔ حکیم محمد یوسف حسن اور ڈاکٹر محمد دین تاثیر۔ ۷۲ صفحے کا رسالہ اور

قیمت صرف ۵ آنے۔ سالانہ چندہ ۲ روپے۔ لیجئے مبارک سلامت کا شور مچا۔ مرحبا آفریں کے نعرے بلند ہوئے۔

ہم نے نیرنگ خیال کے پہلے نمبر میں رسالہ کی ضرورت اور پالیسی پر ایک طویل مقالہ لکھا تھا مگر آج اس کو دہرانے کا نہ تو موقع ہے نہ تو ضرورت۔ البتہ اس اعلان کی آخری چند سطور یہاں نقل کرتا ہوں جس سے ہمارے عزائم اور پروگرام کا نقشہ آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔

"ہم نے نیرنگ خیال کا اجراء اردو ادبیات میں اس کمی کو محسوس کرتے ہوئے کیا کہ ہمارا مدعا قوم کے احاطہ نظر کو وسعت دینا ہے اور یہ بھی اس طرح ہو سکتا ہے کہ مہذب دنیا کے ہر شعبہ خیال کو ادبی لباس میں پیش کیا جائے۔ مذہبی، معاشرتی، تعلیمی، تاریخی غرض ہر قسم کے مضامین ہوں گے۔ مگر اس تنوع کے ساتھ ایک مقصدِ وحید ہر وقت پیش نظر رہے گا کہ ہر مضمون ایک ادبی تحریر ہو۔"

جولائی ۱۹۲۴ء کو نیرنگ خیال کی اس کاوش پر سب سے اوّل علامہ اقبال نے اظہار خیال فرمایا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ اقبال نے نیرنگ خیال کا پہلا پرچہ دیکھا تو چند سطور بطور ریویو لکھیں۔

"رسالہ نیرنگ خیال جو لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے بہت ہونہار معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مضامین میں پختگی اور متانت پائی جاتی ہے مجھے یقین ہے کہ

رسالہ پنجاب میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرنے میں مفید
ثابت ہوگا۔ ایڈیٹر دونوں حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر،
ڈاکٹر محمد دین تاثیر جائنٹ ایڈیٹر نوجوان ہیں اور
لٹریچر کی خدمت کا شوق رکھتے ہیں۔ جناب عبدالرحمن
چغتائی کی تصویر تحفۂ لیلیٰ بہت خوب ہے، دیکھ کر
مسرت ہوئی، دیکھیے اب تحفۂ قیس کب نکلتا ہے"۔
(لاہور، ۷ اراگست ۱۹۲۴ء محمد اقبال)۔

چار سال بعد جبکہ نیرنگ خیال کی عزو شکوہ ہندوستان گیر شہرت حاصل کر چکی تھی تو نیرنگ خیال کا پہلا سالنامہ شائع ہوا۔ علامہ اقبال نے یوں اظہار خیال فرمایا۔

"رسالے کے مضامین و تصاویر خوب ہیں۔ حکیم یوسف حسن کا انتخاب واقع قابل داد ہے۔ غالباً نیرنگ خیال کا سالنامہ اردو رسائل میں سب سے اچھا ہے۔ نیرنگ خیال کے خاص نمبروں نے تمام اردو رسائل کو اپنا معیار بلند کرنے پر مجبور کر دیا ہے بالخصوص ان کے ظاہری محاسن میں اضافہ ہو رہا ہے ملک کو حکیم صاحب کی اس مستعدی، بے دریغ دل فشانی اور ذوق سلیم کی قدر کرنی چاہیئے۔ جنوری ۱۹۲۸ء محمد اقبال۔

علامہ اقبال نے جس وقت اور جن الفاظ میں نیرنگ خیال کی ہمت افزائی کی تھی اس سے نیرنگ خیال کی بنیادیں مضبوط اور گہری ہو گئیں اور نیرنگ خیال کے لئے سہارا اور امداد بن گئیں۔ نیرنگ خیال کی عمر ۶۵ سال ہے آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ نیرنگ خیال نے ہر سال ایک خاص ادبی نمبر دسمبر میں شائع کرنے کا اہتمام کیا تھا جس کی روایت آج تک قائم ہے۔

مولانا ظفر علی خان کا قیمتی ریویو جو روزنامہ زمیندار نے سالنامہ نیرنگ خیال ۱۹۲۸ء پر لکھا تھا ہم اسے یہاں نقل کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

اردو ادب پر پنجاب نے جو احسان کئے ہیں وہ زائد از حد و شمار ہیں یہ خودستائی نہیں۔ خود غالب اور انیس نام لینے والے معترف ہیں جو کام دہلی اور لکھنؤ سے نہ ہو سکا لاہور والوں نے کر کے دکھا دیا۔ صحافت کے موقت الشیوع ضیاء آج کل ادبیات کی جان سمجھی جاتی ہے۔ اس صنف سخن میں پنجاب گریز پا ترقی کر رہا ہے اور متعدد بلند پایہ صحائف کا وجود اس پر گواہ ہے۔ یوں تو ان میں ہر ایک گنج شائگان ہے لیکن بلا خوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ نیرنگ خیال جس کا اجرا حکیم یوسف حسن کے باسلیقہ ہاتھوں میں ہے۔ ان سب کا سرتاج ہے۔ میرے سامنے اس وقت "نیرنگ خیال" کا وہ خاص نمبر ہے جو سالنامہ کے نام سے شائع ہوا ہے اور دو سو صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کی تمان کو دیکھ دیکھ کر ہی حیران ہوں کہ اس کی ترقی کہاں جا کر رکے گی اور اس کی بے مثال خوبیوں پر نظر ڈال کر لسان الغیب کی زبان سے بے اختیار پکار اٹھا

غبار خط بپوشانید خورشید رخش یا رب
حیات جاوداں دہ کہ حسن جاوداں دارد۔

ان چند سطور میں رسالہ نیرنگ خیال کی واجبی ستائش کے حق سے عہدہ بر ہونا کسی طرح ممکن نہیں۔ معارف اور حقائق کے رنگا رنگ جواہرات کا ایک ڈھیر ہے جس کی چمک دمک نگاہ کو خیرہ کئے دیتی ہے۔ نثر اگر دلکشا ہے تو نظم دلربا۔ اس پر ایک دو نہیں اکٹھی ۳۲-۳۳ تصویریں جو صنعت گری کی جان ہیں، سونے پر سہاگہ ہیں اور لطف یہ کہ باوجود ان

تمام محاسن کے سالانہ بدل اشتراک صرف ۴/ روپے ۱۲/ آنے۔ آپ خود ہی اسے پڑھیئے اور اس کی خوبیوں کا اندازہ لگا لیجئے ؎

ہے جو شوقِ جلوۂ حسنِ زلیخائے ادب
دیکھیئے یوسف حسن سے نیرنگِ خیال

جنوری ۱۹۲۸ء از ظفر علی خان

مولانا ظفر علی خاں کی اس جامع تحریر کے بعد ہمیں کسی مزید سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہ تھی لیکن ہم آخر میں جو ریویو درج کر رہے ہیں اس کا درجہ صحافت میں مثل آفتاب ادب کے ہے اور یہ وہ مقام ہے جہاں پنجاب کے ادیب ادب و احترام سے ان کے سامنے جھک جاتے ہیں کیونکہ اہل زبان کا اپنا ایک خاص مقام ہے مولانا عبدالحق بابا کے اردو کہلاتے ہیں اور ہندوستان کی سب سے بڑی لسانی انجمن ترقی اردو کے جنرل سیکرٹری تھے۔ جنہوں نے مدت العمر اس کی آبیاری اپنے مال و جاہ اور اپنے خون سے کی۔ اسے پروان چڑھایا۔ اس عظیم ملک میں اس عظیم زبان کی جاہ و ترقی کی راہیں استوار کیں۔ اب یہ پودا اس قدر سرسبز ہے کہ اس کی جڑیں اقصائے عالم امریکہ روس اور یورپ تک ملک بہ ملک اپنا سکہ جما رہی ہیں اور اردو اس وقت دنیا کی چوتھی زبان سمجھی جاتی ہے۔

رسالہ نیرنگ خیال کے متعلق بابائے اردو نے رسالہ اردو میں لکھا تھا۔ ملاحظہ ہو۔

"نئے رسالے نکلتے ہیں اور بھانت بھانت کی جلدیں کرتے ہیں۔ مگر حکیم یوسف حسن صاحب کو کہہ دے کہ ان سے کوئی بازی نہ لے جائے اور سچ یہ ہے کہ ان کا پلہ ہمیشہ بھاری رہتا ہے۔ سال بھر اپنے سالنامے

کی دھن میں رہتے ہیں۔ شہد کی مکھی کی طرح پھول پھول سے رس جمع کرتے ہیں اور وقت آنے پر ایسا بھاری بھرکم رسالہ نکالتے ہیں کہ تعریف کرتے ہی بنتی ہے۔ مضمونوں کی پوچھیئے تو یہ گویا ایک فرش ہے جس پر بیچ کاری کی گئی ہے۔ ایک ایک کر کے دیکھیئے تو کوئی ٹکڑا ڈھنگ سے تراشا گیا ہے اور کوئی ٹیڑھا بن گیا ہے مگر سب کو ملا دیکھیئے تو آنکھوں کو راحت معلوم ہوتی ہے۔ نیرنگِ خیال کے احسانات اردو صحافت پر بہت زیادہ ہیں۔ اس کی اشاعت اور مقبولیت ہماری زبان کی ترقی کا باعث ہوگی۔ (عبدالحق)۔

نیرنگِ خیال کے خاص نمبر اور رسالے

ہم نے اس نصف صدی میں پچاس سالنامے ۲۵ عید نمبر، تین ایڈیٹر نمبر، مشرق نمبر، مصر نمبر، افغانستان نمبر، ہندوستان نمبر، افسانہ نمبر، خواتین نمبر، رام نمبر، فلم نمبر، بعض کی تو اب یاد بھی حافظہ میں موجود نہیں رہی۔ اندازہ ہے کہ ہم نے کم و بیش ایک سو سے زائد خاص نمبر شائع کیے ہوں گے اور برصغیر ہند میں انگریزی اردو اخبارات نے ان پر جو ریویو لکھے ہوں گے تو ان کی تعداد پانچ سو سے کیا کم ہوگی۔ اگر تمام ریویو نقل کر لئے جائیں تو پانچ سو صفحہ کی ایک ضخیم کتاب شائع ہو سکتی ہے۔ یہ ریویو بلا شبہ ایک سے ایک بڑھ کر تھے۔ اس وقت یہ ہمارے کارنامے ہی تعریف و توصیف کے مستحق تھے۔

لیکن ہم آج نصف صدی کے بعد ان میں سے دو چار ریویو بھی گولڈن جوبلی میں نقل کر سکے ہیں۔ جگہ تنگ اور ذرائع محدود ہیں مجھے حکم ملا ہے کہ آٹھ صفحات سے زیادہ ایک لفظ بھی نہ لکھوں۔

سہ رنگی پلیٹوں سے مرصع ہوتے تھے۔ اور ایک رنگ تصاویر کی ریل پیل ہوتی تھی۔
ان دنوں نیرنگ خیال کا ایک سالنامہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے کسی بھی بڑے ادبی
پرچہ پر فوقیت رکھتا تھا جو اس کا مقابلہ میں رکھا جائے۔ ہمارے دوست محترم
محمد طفیل نے ایک بار فرمایا تھا کہ آپ نے یہ سب کچھ سستے زمانے میں کیا تھا لیکن
آج اگر ہم اس وقت کے ایک سالنامہ کو اس زمانہ میں نقل کرنا چاہیں تو صرف
ایک نمبر کے لئے پچاس ہزار درکار ہوں گے اور پھر بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ
ہم کامیاب ہوں یا نہ ہوں۔

بہرحال ہم سے جو کچھ ہوا ہم نے نیرنگ خیال کے لئے کر دیکھا لیکن اس
کے بعد نیرنگ خیال کا دوسرا دور شروع ہوتا ہے جو ہماری مصائب و آلام کی ایک
داستان ہے۔ ذرا چند منٹ اس کے لئے بھی وقف کریں کہ یہ عمارت کیونکر
اور کیسے ۲۵ برس کے بعد دھڑام سے زمین بوس ہو گئی اور کسی طرح سے
آفات کی لپیٹ میں آ گئی اور اس عظیم قصر الادب کے تلے دب جانے کے بعد ہم
نے اپنے ہوش و حواس قائم رکھے اور پوری چوتھائی صدی کسی خوشگوار
سمے اور ساعت نیک کے انتظار میں گزار کر بڑھاپے کا وہ روپ بھی اوڑھ
لیا جس سے پیغمبروں نے بھی پناہ مانگی تھی۔

ریاست دہلی بازار جامع مسجد سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۴ء کو
جلوہ افروز ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا، سردار دیوان سنگھ
مفتون اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دس روپے تھا۔
اس اخبار کی حق گوئی نے اس کو تھوڑے عرصہ میں مقبول بنا دیا تھا
یہ اخبار اپنی آزادیٔ رائے، بے لاگ تنقید و تبصرے اور زورِ بیان کے

اعتبار سے بہترین اخباروں میں شمار ہونے لگا تھا۔

اخبار ریاست مظلوموں اور ستم رسیدوں کا ترجمان بن گیا تھا لوگ اپنی فریادوں کے کر دفتر ریاست میں پہنچتے یا خط لکھا کرتے تھے ان میں امیر و غریب سب قسم کے لوگ ہوتے تھے۔ جب تحقیق ہو جاتا کہ شکایت صحیح ہے تو اخبار ان کی حمایت کے لئے کمربستہ ہو جاتا۔ ان میں اکثر مظلوم جابر و ظالم والیان ریاست کے ستائے ہوتے تھے جن کے مقابل آتے ہوئے بڑے بڑے بہادر سورماؤں کے پتے پانی ہوتے تھے سردار دیوان سنگھ مفتون نے ایک جگہ مسٹر ہارنی مین کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"اخبار نویس دنیا میں ان لوگوں کا ساتھ دینے کے لئے پیدا ہوا ہے جو مصائب میں ہوں ان لوگوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں جو عیش و آرام میں ہوں۔"

اڈیٹر ریاست نے " ہارنی مین" کے اس قول پر ہمیشہ عمل کیا ہے اور جان جوکھوں میں ڈال کر مظلوموں کی اخبار ریاست نے حمایت کی اگرچہ اس کی بدولت انہیں بہت برے دن دیکھنے پڑے بیدرہ بار گرفتار ہوئے اور آٹھ جیلوں کی سیر کی، لیکن ان پر جتنی سختیاں نازل ہوئیں اور جتنے مقدمات قائم ہوئے اسی قدر ان کی عزت اور وقعت بڑھتی چلی گئی وہ چاہتے تو اخبار ریاست کے ذریعہ بغیر پریشانی کے بے شمار دولت کما لیتے لیکن بڑی سی بڑی رشوت اور بڑے سے بڑا لالچ بھی انہیں اپنے اصول میں ڈانواں ڈول نہ کر سکا۔ اخبار ریاست نے اپنے طریقہ سے تحریک آزادی میں حصہ لیا، ہندوستانی ریاستوں کی رعایا غلامانہ زندگی گزار رہی تھی ان میں زندگی پیدا کر کے ان کو بیدار کیا جگایا۔

گزرتا تھا۔ اور غیر محدود اختیارات وسیع ذرائع اور طاقت کی پشت پناہی کی بدولت سب کچھ کرگزرنے کی طاقت رکھتا تھا ان لوگوں نے ریاست اخبار کو ختم کرنے کے لئے مختلف پہلوؤں سے پے در پے حملے کئے ہر طریقہ اور ہر ہتھیار سے کام لئے اور نیک دلی کی قسم کہ ہر اس نے اپنے دشمن کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش کر دینے کی ہر ممکن کوشش کی

اخبار ریاست کے ایڈیٹوریل اسٹاف میں بہت سے ممتاز اہل قلم اور زبان داں شامل رہ چکے ہیں لیکن اہل قلم اور زباں داں حضرات دوسرے مضامین لکھا کرتے تھے یا دوسروں کے مضامین کی اصلاح کیا کرتے تھے اخبار ریاست کا ایڈیٹوریل ہمیشہ سردار دیوان سنگھ مفتون نے ہی لکھا کبھی اتفاق سے مفتون صاحب بیمار ہو گئے اور ایڈیٹوریل اہل قلم اور زباں داں حضرات کو لکھنا پڑ گیا تو اخبار ریاست پھیکا پھیکا سا سمجھا جاتا تھا۔ اور پڑھنے والوں کو مزا نہیں آتا تھا۔

ایڈیٹر ریاست نے صحافت کے اصول پر سختی سے عمل کیا اخبار نویس کی حیثیت سے ان کے کریکٹر کی بلندی کا پتہ اس بات سے لگتا ہے کہ انہوں نے پاداش کے ڈر سے اپنی خبروں کے ماخذ کو کبھی افشا نہیں کیا انہوں نے اپنی صاف گوئی سے بڑے بڑے جگہ زیوں کو برہم کیا لیکن اگر کبھی ادھر سے عتاب نازل ہوا تو اس کا وار انہوں نے اپنے اوپر لیا اور ان لوگوں کے نام کبھی ظاہر نہیں کئے جن کے ذریعے ان تک اطلاعیں پہنچتی تھیں، مثلاً ایک مرتبہ مسٹر شیام لال نہرو نے اصلیت باتوں باتوں میں بتا دیا کہ پنڈت موتی لال نہرو نے بھوپال سے ایک قانونی مشورہ کی فیس میں ہزار روپے وصول کی اور اس کے ساتھ یہ بھی کہہ دیا

کہ قانونی مشورہ اور مقدمہ کیا ہے یہ تو بہانے ہیں اصل مقصد تو یہ ہے
کہ بھوپال میں کانگریس کے لوگ ایجی ٹیشن نہ کریں اور مجھ سے گہری دوستی
ہو۔ اس پر مفتون صاحب نے ریاست میں ایک نوٹ لکھا جب نواب
بھوپال پر یہ الزام لگایا گیا کہ وہ پبلک کی آواز کو دبانے کے لئے ملک کے
لیڈروں کو رشوتیں دیتے ہیں اور قانونی مشورے کے نام پر بیس بیس
ہزار روپے نذر کیا جاتا ہے جسے رشوت قرار دیا جا سکتا ہے نواب بھوپال نے
پنڈت نہرو کو بھڑکایا کہ آپ پر رشوت لینے کا الزام لگایا گیا ہے۔ پنڈت نہرو
برگشتہ ہوئے، نوٹس دیا مقدمہ کی دھمکی دی لیکن مفتون صاحب نے کنایۃً
بھی یہ ظاہر نہیں کیا کہ بیس ہزار کے متعلق خبر انہیں پنڈت نہرو کے سگے
بھتیجے پنڈت شام لال نہرو نے وصول کی تھی۔

ملک کی آزادی کے بعد ریاست اخبار کی مالی حالت بگڑتی چلی گئی
سردار دیوان سنگھ اخبار کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تھے اس
لئے مفتون صاحب نے حافظ یوسف کو اخبار نکالنے کے لئے دیا۔ جب بھی
نہیں چل سکا۔ حالات خراب سے خراب ہوتے چلے گئے، آخر اخبار ریاست
مفتون کی وفات سے بہت قبل ہی بند ہو گیا تھا۔

یوں تو اخبار ریاست پر بڑے تبصرے شائع ہوئے بہت سی
تنقیدیں اخبارات و رسائل میں چھپیں ان میں سے ایک تبصرہ ملاحظہ
کیجئے۔

،، ہمایوں لاہور مورخہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں ریاست دہلی پر یہ تبصرہ
شائع ہوا تھا۔

۴۸ صفحات پر شائع ہونے والا ہفتہ وار اخبار زیر ادارت

سردار دیوان سنگھ مفتوں دہلی سے شائع ہوتا ہے ہندوستانی ریاستوں کی اصلاح اور بیرونی حملوں سے ان کی حفاظت اس کا نصب العین ہے ہر ہفتہ دل حسینوں کا البم بن کر نکلتا ہے ہر نمبر میں والیانِ ریاست میں سے کسی مشہور راجہ یا نواب کی دیدہ زیب تصویر ہوتی ہے۔ اظہار رائے میں بیباک، قوم پرستانہ خیالات کا پرچارک ہے کاغذ لکھائی، چھپائی، اردو کے بہترین رسالوں کا مقابلہ کرتی ہے۔ اردو ہفتہ وار اخباروں میں اس سے بہتر سوائے بھارت ورش دوسرا کوئی اخبار نہیں ہے۔

سردار دیوان سنگھ مفتوں

علم جوتش کے مطابق اگر سردار دیوان سنگھ مفتوں کی پیدائش ۱۴ اگست ۱۸۹۵ء کو صبح پانچ بجکر بارہ منٹ کی بجائے صرف پندرہ منٹ بعد میں ہوتی تو آپ ہندوستان کی کسی بڑی ریاست کے حکمراں ہوتے مگر گرہوں کی تاثیر نے اپنا رنگ یوں دکھایا کہ مفتوں صاحب مملکت صحافت کی ریاست کے ایسے مطلق العنان حکمراں ہوئے کہ جن سے ہندوستانی ریاستوں کے حکمراں کانپتے تھے۔

مولانا ابو الکلام آزاد مرحوم کا قول ہے کہ دنیا میں حق و صداقت کی آواز کبھی تاج و تخت یا ایوان و محل سے نہیں اٹھی بلکہ ہمیشہ اس کا سرچشمہ ویران جنگلوں، چٹیل چٹانوں اور سنسان صحراؤں کے اندر رہا ہے اور حق و صداقت کی آواز بلند کرنے کا شرف اکثر و بیشتر ان ہی سرپھرے بندگانِ خدا کو ودیعت ہوتا ہے جن کا سوا

خدا کے دوسرا کوئی نہیں ہوتا۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ سردار دیوان سنگھ مفتون اس دنیا میں آئے ہی اس لئے تھے کہ وہ حق و صداقت کی آواز بلند کریں۔ سردار صاحب کا جنم ایک کھاتے پیتے خوش حال گھرانے میں ہوا، روپیہ افراط سے تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر خوش حالی کی زندگی بسر کرتے تو پھر جس مقصد کے لئے وہ اس دنیائے فانی میں آئے تھے وہ مقصد پورا نہ کر پاتے چنانچہ ابھی چالیس دن کے ہی تھے کہ ان کے والد محترم کا سایہ پدری سر سے اٹھ گیا اور رشتہ داروں کی ریشہ دوانیوں سے ان کے لئے یہ ایت ہو گئی کہ جب یہ بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو گھر میں کھانے کو نہ رہا۔ چنانچہ سلسلۂ تعلیم منقطع ہو گیا اور آپ سیالکوٹ پاس ہی لاہور رہنا پڑا آبائی وطن حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ (مغربی پاکستان) میں ہوا ملا داحد کی دکان پر پانچ روپیہ پر ملازمت کی، اس دکان پر ایک مسلمان منشی رہا کرتا تھا اس کی فرض شناسی اور محنت کا اثر مفتون صاحب کے ذہن پر اس طرح نقش ہوا کہ آپ نے ہمیشہ بارہ گھنٹے سے اٹھارہ گھنٹے تک جم کر کام کیا۔ یعنی ان کی نظر ہمیشہ کام پر ہی اس کے معاوضہ پر نہیں۔

بزازی کی دکان کی ملازمت چھوڑنے کے بعد دو برس منیمی کی، یہ کام پسند نہ آیا۔ تو سولہ سال کی عمر میں موگا کے ہسپتال میں ایک منشی بنے۔ ۱۹۱۲ء میں کمپونڈر کی ملازمت چھوڑ کر پرائیویٹ میڈیکل پریکٹس شروع کی اور کثرت کے ساتھ موتیا بند اور آنکھوں کے دوسرے آپریشن کئے، ، ان منڈی میں اپنا پرائیویٹ ہسپتال جاری کیا جہاں سستے زمانے میں چار سو روپے ماہوار کی آمدنی تھی۔

مگر قدرت کو تو ان سے کوئی اور ہی کام لینا تھا مالنہ کے قیام کے دوران ہی میں آپ نے اخبارات میں مضامین لکھنے شروع کئے پھر جرنلزم کے حب کے باعث ڈاکٹری چھوڑ کر لاہور کے اخبار "خالصہ" میں ملازم ہوئے اور چار صد روپیہ ماہوار کمانے والے ڈاکٹر دیوان سنگھ ساٹھ روپیہ ماہوار تنخواہ پر سب ایڈیٹر ہو گئے وہاں سے چند ماہ بعد علیحدہ کر دئے گئے، کیونکہ قانون سے ناواقف ہونے کے باعث ایسے مضامین لکھ گئے جو قابل اعتراض تھے اس کے بعد لاہور کے متعدد اخبارات میں کام کرتے ر۔ اسی دوران میں اخبار "ہندوستان" میں بھی ملازمت اختیار کی۔ کے سط

۱۹۱۴ء میں لکھنؤ کے اخبار "سعد یان سنگھ مفتی" ۔ اور وہاں چند ماہ بلا تنخواہ کام کیا، دن بھر ہمدم میں ۲۴/ اگست شام کو چھ بجے سے رات کے بارہ بجے تک امین آباد مدرسہ منٹ یہاں بنگالی بیسٹ کے ہاں ملازمت کرتے اور رات کو گوردوارہ میں سوتے، ایک روز لو لگنے کے باعث بیمار ہوئے تو گوردوارہ کے گرنتھی نے ان سے دریافت کیا کہ اپنا اتا پتا تو بتاؤ تا کہ اگر مر مرا جاؤ تو تمہارے گھر اطلاع دی جا سکے، سردار صاحب نے اپنا پتا حافظ آباد کا دیا تو گرنتھی کہنے لگا، کہ جہاں کے سردار گور بخش سپرنٹنڈنٹ ٹیلی گراف لکھنؤ ہیں سردار صاحب نے گرنتھی کو بتایا کہ سردار گوربخش سنگھ موصوف ان کے چچازاد بھائی ہیں، گرنتھی نے فوراً سردار گوربخش سنگھ کو اطلاع دی اور وہ گوردوارہ میں آ گئے تو سردار دیوان سنگھ کو تشویشناک حالت میں دیکھ کر دریافت کیا کہ تم کوٹھی پر کیوں نہ چلے آئے گوردوارہ میں رہنے کی کیا ضرورت

تھی، تو مفتون صاحب نے جواب دیا کہ جب انسان اچھی حالت میں نہ ہو تو بلند پوزیشن کے رشتہ داروں کو اطلاع نہ دینا ہی مناسب ہے سردار گور بخش سنگھ مفتون صاحب کو اپنی کوٹھی پر لے گئے اور چند دنوں کے علاج کے بعد جب مفتون صاحب اچھے ہوئے تو واپس لاہور آگئے۔

۱۹۱۹ء میں خواجہ حسن نظامی (مرحوم) کی شراکت میں دہلی سے روزانہ اخبار "رعیت" جاری کیا۔ سردار صاحب ایک روپیہ روزانہ اپنے کھانے کے لئے لیتے تھے مگر بوجہ نقصان خواجہ حسن نظامی صاحب نے اخبار "رعیت" سے کنارہ کشی کر لی، پھر یہ اخبار لالہ شام لال ایڈیٹر گرو گھنٹال لاہور، پھر شیخ احسان الحق وغیرہ اصحاب کے ہاتھوں سے ہوتا ہوا ملا واحدی صاحب ایڈیٹر نظام المشائخ کے ہاتھوں میں آیا۔ سردار دیوان سنگھ رعیت کو کامیاب بنانے کے لئے دن رات کام کرتے تھے، ایک رات ملا واحدی کو کوئی بارہ بجے اٹھنا پڑا تو انہوں نے دیکھا کہ سردار دیوان سنگھ دفتر میں کام کر رہے ہیں وہ رات کے ایک بجے سردار صاحب کے پاس آئے اور دریافت کیا کہ سردار صاحب آپ اتنی محنت اور لگن سے کام کیوں کرتے ہیں تو سردار صاحب نے جواب دیا کہ انسان کی کامیاب زندگی کے لئے ضروری ہے کہ وہ سخت محنت کا عادی ہو اور اپنی زندگی میں بہت کام کرے۔

رعیت کے بند ہونے کے بعد مفتون صاحب نے بمبئی کی ایک فرم میں ملازمت کر لی مرحوم جارا مہ نابھ جن کو انگریزوں نے حب الوطنی کے جرم میں کوڈائی کنال میں نظر بند کیا تھا) سردار صاحب کے

سیاسی لیڈروں کی عام گرفتاریاں ہوئیں تو سردار دیوان سنگھ مفتون بھی
گرفتار کر لئے گئے اور انہیں دہلی سے ملتان نیو سنٹرل جیل میں بھیج دیا گیا۔ میں
ان دنوں ملتان ہی سے "نخلستان ہند" شائع کرتا تھا۔ لالہ گنیش داس
ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل نے اطلاع دی کہ سردار صاحب ملتان جیل میں
آئے ہوئے ہیں مجھے سردار صاحب کو دیکھنے کا انتہائی شوق تھا اور
سیاسی قیدیوں سے ملاقات ان دنوں کافی مشکل مرحلہ تھا میرا بھائی ان
دنوں جیل وارڈر تھا وہ سردار صاحب کے خطوط جیل سے لا کر پرائیویٹ
کر دیا کرتا تھا۔ ایک دفعہ سردار صاحب کے خطوط سنسر کے ہاتھ لگ گئے
تو تحقیقات ہوئی کہ یہ خطوط جیل سے باہر کیسے آئے اور اصل نوعیت
معلوم ہو جانے پر لالہ گنیش داس تو ملتان جیل سے کسی دوسری جیل میں
تبدیل کر دئے گئے اور میرے بھائی کو جیل کی ملازمت چھوڑ کر پولیس
میں نوکری کرنی پڑی اور سردار صاحب کو کسی دوسری جیل میں بھیج دیا گیا
مجھے ۱۹۴۵ء میں نقش صحرائی (جو ان دنوں سنگوان داس جین
منظور گرامی تھے) کے ہمراہ دہلی آنا پڑا۔ تو ہم دونوں سردار صاحب کے
ہاں حاضر ہوئے ان دنوں ریاست کا دفتر محلہ کھڑکیا میں تھا دو گھنٹے تک
سردار صاحب سے باتیں ہوتی رہیں اور ریاست کے مطالعہ سے ذہنی
طور پر سردار صاحب کی جو تصویر تصور میں تھی عین اس کے مطابق مفتون
صاحب کو پایا، یعنی چہرہ بارعب، بڑی بڑی آنکھوں میں سرخی کے ڈورے
انداز گفتگو میں مخاطب کو مسخر کرنے کی قوت اور فطرت میں محبت و خلوص
کے جذبات،

۱۹۴۷ء میں تقسیم ملک کے باعث مجھے بھی دہلی آنا پڑا ان دنوں

ریاست کا دفتر مفتی والاں میں تھا اور مجھے منشی عبدالقدیر صاحب کی کوششوں سے محلہ سوتیر والاں میں رہائشی مکان ملا۔ ۱۹۴۷ء کے آخر سے لے کر جب تک سردار صاحب وہاں میں رہے قریب قریب ہر روز ہی سردار صاحب کی قدمبوسی کا شرف حاصل رہا، اسٹرا امیر چند کھنہ اور دوسرے احباب شام کے وقت سردار صاحب کے یہاں آتے اور اکثر رات کا کھانا سردار صاحب کے ہاں ہی کھاتے سردار صاحب سبزی (عام طور پر گوشت) خود پکاتے تھے، ملازم تنور سے روٹیاں لگوا لاتا اگر کسی شام کو حاضری دینے میں دیر ہو جاتی تو سردار صاحب کا ملازم بلانے آ جاتا، شام کا وقت اکثر ہنسی مذاق میں گزرتا کسی نہ کسی کو بیوقوف بنایا جاتا اور یہ سلسلہ ہفتوں بلکہ مہینوں چلتا اور کیا مجال کہ بے وقوف بننے والے کو یہ محسوس بھی ہونے دیا جاتا کہ اس کے ساتھ مذاق کیا جا رہا ہے۔

سردار صاحب اپنے اپنا اڈیٹوریل صبح چار بجے سے آٹھ بجے تک لکھتے ان کا معمول تھا کہ وہ کسی خاص ضرورت یا مجبوری سے ہی باہر تشریف لے جاتے وہ اپنے احباب اور ملنے جلنے والوں سے باتوں باتوں میں سب حالات دریافت کر لیتے تھے اور اخبارات کے مطالعہ سے ملک اور ملک کے باہر کے حالات سے آشنا رہتے سردار صاحب کے احباب میں سے کسی کی یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق سردار صاحب سے اڈیٹوریل میں لکھوا سکے ہاں یہ بات ضرور تھی کہ آپ جو کچھ لکھوانا چاہتے ہیں وہ سردار صاحب کے کانوں میں ڈال دیجئے مگر اس اعتبار سے ساتھ کہ آپ کی کوئی ذاتی غرض نہ جھلکتی ہو اور دوسرے کو اس خیال

سے بیان کیجئے کہ اس سے عوام کی خدمت اور حق و انصاف کی آواز بلند کرنا مقصود ہو تو ریاست کے آئندہ مختارے میں آپ اپنا مطلب پورا ہوا دیکھ سکتے تھے۔

میں نے سردار صاحب سے فراخدلی، فیاضی، مہمان نوازی اور اعلاء کلمۃ الحق، ہر انسان سے محبت کرنا سیکھا۔ اور کذب بیانی اور بد دیانتی سے گریز کرنا سیکھا، سردار صاحب ایک انتہائی اچھے دوست اور بدترین دشمن تھے یہ وصف بھی میں نے ان سے ہی اپنایا ہے وہ عمر بھر دشمنوں سے گھرے رہے لیکن ہمیشہ ان پر غلبہ پاتے رہے

سردار صاحب نے روپیہ سے کبھی محبت نہیں کی ایک ایک دن میں پچیس پچیس ہزار روپیہ آیا اور شام کو جیب خالی ہوتی بلکہ سردار صاحب نے مستقبل میں کبھی جیب گرائی کبھی نہیں تھی مغفور صاحب کی فیاضیوں اور روپیہ کی بربادی کی طویل داستان بیان کرنا اس مختصر سطور میں ممکن نہیں لہذا اتنا کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ سردار صاحب اس قدر کثیر آمدن کے باوجود ہمیشہ مقروض رہے میرے دوست دو یا سا گرچو پڑا اور میری بیوی کہتے ہیں کہ میں نے مقروض رہنا بھی مغفور صاحب سے ہی سیکھا ہے۔

سردار صاحب کے ہاں شام کی چائے کے وقت عجیب سماں ہوتا تھا محلہ بھر کے چھوٹے چھوٹے بچے مستقل طور پر شام کی چائے پر مدعو رہتے تھے، سموسے مٹھائیاں اور پھل وغیرہ بچوں کو کھلائے جاتے اور چائے کا ایک ایک کپ دیا جاتا بچوں کو اس دل دہی سے جہاں سردار صاحب کو ذہنی سکون اور قلبی راحت ملتی تھی وہاں ان

بچوں کی باتوں سے وہ محلہ بھر کی تمام اچھی بری خبروں سے بھی باخبر رہتے تھے۔ دفتر ریاست میں سینکڑوں اخبارات ورسائل آتے تھے جنھیں لفافوں کھولنے تک نوبت بھی نہیں آتی تھی چند خاص خاص رسائل وجرائد کو ہی سردار صاحب سرسری طور پر دیکھتے تھے اور ان کی "ریم" نکال کر پھینک دیا کرتے تھے محلے کے بچے عجیب وغریب بہانوں سے سردار صاحب سے ردی اخبارات حاصل کر کے بازار میں فروخت کر دیتے تھے مفتون صاحب بچوں کی ان تمام بہانہ بازیوں سے واقف تھے مگر وہ چپ رہتے تھے۔

محلہ کے غریب بچوں کی پڑھائی کی فیس سردار صاحب ادا کرتے اور تعلیمی نصاب کی کتابیں بھی خرید دیتے، کئی بیوہ عورتوں کو ماہوار کچھ نہ کچھ بھجوا دیا کرتے اور اس کار خیر میں مذہب و ملت کا امتیاز روا نہ رکھا جاتا۔

مفتون صاحب کا جب کسی سے بگاڑ پیدا ہو جاتا تو پھر ناممکنات میں سے تھا کہ دوستی کا رشتہ دوبارہ استوار ہو سکے سردار صاحب کسی سے تعلقات بناتے وقت کافی غور وخوض فرماتے اور جب کسی سے تعلقات توڑتے ہوتے تو بھی ہزار بار سوچتے مرحوم مسٹر شنکر لال آف دہلی کلاتھ ملز سے مفتون صاحب خوش نہیں تھے اور کنور مہندر سنگھ بیدی سحر کے مرحوم سے مخلصانہ دوستانہ تعلقات تھے چنانچہ آپ دونوں دیوؤں نے لگائی بجھائی کر کے سردار صاحب کے دل میں کنور مہندر سنگھ بیدی کے بارے میں بھی ناخوشگواری کے جذبات پیدا کر دیے۔

حضرت جوش ملیح آبادی اور راقم الحروف نے بیدی صاحب کے بارے میں

سردار صاحب کا دل صاف کیا۔ اور جب کنور صاحب دریا گنج میں ڈاکٹر سین کے ہسپتال میں زیر علاج تھے تو مفتون صاحب ہسپتال میں جوش صاحب اور مجھو نیاز مند کے ساتھ بیدی صاحب کی مزاج پرسی کو گئے اور اس دن سے آج تک بیدی صاحب اور مفتون صاحب میں دوستانہ تعلقات قائم ہیں۔

مرحوم نیاز فتحپوری، مولانا عبدالماجد دریا آبادی اور کئی مشہور شعرا اور ادیب جب بھی دہلی تشریف لاتے، سردار صاحب کے ہاں ہی مہمان ہوتے تھے۔ مفتون صاحب نے ایک مرتبہ نیاز فتحپوری صاحب کی موجودگی میں گھریلو ملازم کی کسی فروگذاشت پر گالی دی تو نیاز صاحب نے نہایت متانت سے فرمایا، دیوان سنگھ جی اب آپ کی گالیوں میں جدّت نہیں رہی۔ اس پر خوب قہقہہ بلند ہوا۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سردار صاحب میں یہ کمزوری ہے کہ وہ غصہ کی حالت میں ملازمین کو گالیاں دینے سے بھی اجتناب نہیں کرتے۔ سردار صاحب انتہائی صفائی پسندانہ نفیس مزاج رکھتے ہیں اور ملازمین عام طور پر ان کی مرضی کے مطابق صفائی کا خیال نہیں رکھتے تھے تو انہیں غصہ آ جاتا تھا اور گالیوں کے علاوہ بعض اوقات ملازمین کو پیٹ بھی ڈالتے تھے، چنانچہ جب بھی کسی نئے ملازم کو رکھتے تو تنخواہ مقرر کرتے وقت اس سے کہہ دیتے کہ تنخواہ کے علاوہ پانچ روپے گالی الاؤنس اور دس روپیہ "مار الاؤنس" بھی ملے گا۔ سردار صاحب غصہ میں چپل سے ہی ملازمین کو پیٹتے تھے اور چپل ہمیشہ پاس رکھا کرتے تھے۔

مفتون صاحب کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ شراب کثرت
سے استعمال کرتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے اپنی زندگی
میں کبھی بھی شراب ایک دو پیگ سے زائد نہیں پی۔ اور دوا کی بلانڈی
وسکی سے انھیں قطعاً رغبت نہیں ہے ۔

ریاست، اردو صحافت میں روشنی کا ایک مینار تھا اور سردار
دیوان سنگھ مفتون اردو صحافت کے ایک ایسے ستون تھے جن پر اردو
صحافت کو تا ابد ناز رہے گا سردار صاحب نے صحافت کو ہمیشہ
ایک بلند مقام دیا اور وہ چاہتے تھے کہ ہر صحافی اپنی ذاتی اغراض سے
بلند رہ کر ملک و قوم کی خدمت کرے اور ہر پہلو سے دیانت دار
رہے چنانچہ اس سلسلہ میں ذیل کا واقعہ کافی اہمیت کا حامل ہے اخبار
دین دنیا نے نواب بھوپال کے خلاف ایک مضمون لکھا، نواب صاحب
بھوپال نے دین دنیا پر دہلی میں مقدمہ کیا تو نواب صاحب کا ایک
نمائندہ دہلی میں مقدمہ کی پیروی کے لئے آیا اور اس نمائندہ کے اعزاز
میں سردار صاحب نے دفتر ریاست میں ایک پارٹی دینے کا اہتمام
کیا جب تمام مہمان پارٹی میں آ گئے تو باتوں باتوں میں سردار صاحب
نے نواب بھوپال کے اس نمائندہ سے دریافت کیا کہ کہیئے آپ کے
مقدمہ کا کیا رہا۔ اس پر ان صاحب نے فرمایا کہ اخبار والوں کا کیا ہے
یہ تو ہوتے ہی ڈرپوک ہیں نواب صاحب کے مقدمہ سے ایڈیٹر
دین دنیا کا پیشاب خطا ہو گیا اور اس نے گڑگڑا کر معافی مانگ لی لیکن
یہ سننا تھا کہ سردار صاحب نے ان صاحب سے کہا کہ اچھا مسٹر گلد باف
اب ہم دیکھیں گے کہ تمہارے نواب صاحب کس طرح معافی منگواتے ہیں

یہ کہتے ہوئے ماکولات کی میز کی چادر کا پلو پکڑ کر کھینچ لیا جس سے تمام پلیٹیں وغیرہ نیچے آ رہیں اور اسی دن سے نواب بھوپال اور سردار دیوان سنگھ کی مخالفت کی بنیاد پڑ گئی۔

ریاست اخبار یکم جنوری ۱۹۶۰ء کو ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا۔ مفتون صاحب کی اردو ادب کی خدمات کے پیش نظر ۱۹۵۸ء میں حکومت ہند نے دو صد روپیہ ماہوار کی لٹریری پنشن مقرر کی جو اب تک جاری ہے ۳۱ مارچ ۱۹۶۳ء کو پنجاب سرکار کے محکمہ السنہ نے مفتون صاحب کو خلعت، اچیفنڈن گرنتھ اور گیارہ سو روپے کی تھیلی پیش کی۔ آج کل مفتون صاحب راج پور (دہرہ دون) مقیم ہیں اور نہایت سکون سے ریٹائرڈ زندگی گزار رہے ہیں۔

ریاست بند ہونے سے پہلے ادارہ شمع میں مدغم ہو گیا تھا مگر سردار صاحب اپنے اداریوں پر سنسرشپ برداشت نہ کر سکے تو انھوں نے ریاست کو بند کرا دینا بہتر سمجھا بہ نسبت اس کے کہ وہ اپنے بیباک قلم پر روک یا پابندی قبول کریں۔

ریاست اور مفتون صاحب پر ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ ماہ نو کی تنگ دامانی کا تقاضا ہے کہ میں یہ مضمون اس دعا کے ساتھ ختم کر دوں کہ خدائے ذوالجلال مفتون صاحب کو طویل عمر دے اور ان کا سایہ ہم نیاز مندوں کے سروں پر مدتوں قائم رکھے (آمین) لہ

لہ ماہ نو ۔ دہلی اپریل ۱۹۶۵ء مضمون سرور تونسوی ایڈیٹر شاہراہ دہلی۔

سردار دیوان سنگھ مفتون ایڈیٹر ریاست دہلی سے میرے قریبی تعلقات
تھے ان کی حق گوئی کی میرے دل میں بڑی وقعت تھی وہ بڑے بہادر
انسان تھے کسی بڑی سی بڑی طاقت سے مرعوب نہیں ہوتے تھے۔

۱۹۴۲ء کی تحریک آزادی میں مفتون صاحب نظر بند کئے
گئے اور بیشتر حصہ ان کا انبالہ جیل، اولڈ ملتان جیل اور فیروز کیمپ جیل
میں میرے ساتھ گزرا۔ مفتون صاحب محفلی آدمی تھے ہر وقت ان
کے کمرے میں محفل جمی رہتی تھی دل چسپ لطیفے اور واقعات سناتے رہتے
تھے انھوں نے اپنی قابل قدر کتاب "ناقابل فراموش" میں اس جیل یاترا
کا مختصر سا ذکر کیا ہے جیل میں نظر بند حضرات یا وہ جو شرارتیں کرتے
تھے اس مضمون میں ان کا ذکر ہے جو انتہائی دل چسپ ہے ایک دو
واقعے نقل کئے جاتے ہیں۔ عنوان ہے "جیل کی بدمعاشیاں"۔

"مولانا امداد صابری نے ایک روز کہا کہ ملتان جیل میں آکر زندگی
بے لطف ہو گئی کوشش ہونی چاہیے کہ ہم واپس دہلی یا کسی دوسری
جیل میں چلے جائیں۔ میں نے کہا یہ کیا مشکل ہے ایک ہفتہ میں چلے
جائیں گے میں انتظام کر دیتا ہوں۔ سپرنٹنڈنٹ جیل سردار رام سنگھ
نظربندوں کو دیکھنے کے لئے ہر روز صبح آیا کرتے تھے اگلے روز صبح آئے
تو انھوں نے حسب دستور میرے قریب آکر پوچھا سردار صاحب مزاج اچھے
ہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ تکلیف کا کیا سوال ہے یہاں
ہم بارات کے ساتھ تو نہیں آئے، جو آرام و راحت کی تلاش میں ہوں
اور نہ ہمیں آرام کی ضرورت ہے مگر سردار صاحب سنا ہے کہ آپ ایکسٹرا اسسٹنٹ
کمشنر ہیں اور آپ کی پوزیشن ایک مجسٹریٹ کی سی ہے سردار رام سنگھ

نے جواب دیا: ہاں میں مجسٹریٹ بھی ہوں، اس پر میں نے کہا، میرا یقین ہے کہ بطور مجسٹریٹ آپ جھوٹ نہیں بولیں گے بعض سیاسی قیدیوں کو ہم سے دور لے جا کر کوٹھڑیوں میں پیٹا گیا ہے، ہم یہ کسی قیمت پر برداشت نہیں کر سکتے میں پوچھتا ہوں کہ کیا یہ واقعہ سچ ہے یا جھوٹ ہے۔ اگر سچ ہے تو کس قانون کے ماتحت، آپ کے آدمیوں نے یہ حرکت فعل کیا ہے آپ کو اس واقعہ کی جوابدہی کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ میں نے سختی کے ساتھ یہ الفاظ کہے اور اس سے دو چار روز پہلے ہم قیدیوں کو پیٹنے وغیرہ کے واقعات دہلی کے اخبار تیغ (جس کے ایڈیٹر مولانا امداد صابری تھے) کو بھیج چکے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ سپرنٹنڈنٹ سردار رام سنگھ نے انسپکٹر جنرل جیل خانہ کو رپورٹ کی کہ دیوان سنگھ اور اس کے ساتھ آٹھ دس دوسرے اصحاب بہت گستاخ اور باغی ہیں ان کو اس جیل سے فوراً بدل دیا جائے ورنہ یہ تمام قیدیوں کو ورغلا دیں گے اس رپورٹ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم دس کے قریب سیاسی قیدی جن میں لدھیانہ کے مفتی نعیم بھی تھے ملتان جیل سے انبالہ جیل میں تبدیل کر دئیے گئے۔

جب تک ہم انبالہ جیل میں رہے میرے راستے میں کوئی مشکل نہ ہوا، درجنوں خط باہر جاتے اور ان کا جواب آتا، جو شے میں چاہتا بازار سے منگواتا، اس جیل میں میرا ایک سو روپے ماہوار کے قریب خرچ ہوتا تھا اور آرام ایسا کہ جیل سے باہر پانچ سو روپے ماہوار میں بھی ایسی راحت میسر نہیں تھی کیونکہ جو ملازم جیل سے باہر چالیس روپے ماہوار میں مل سکتا تھا ویسی سروس جیل میں پانچ روپے ماہوار میں حاصل ہوتی

چنانچہ اس جیل میں جیل کی کوئی ایسی بدمعاشی" نہ تھی جو میں نے نہ کی ہو، ہر روز خطوط آتے، خطوط جاتے جو سامان چاہتا بازار سے منگوا تا، یہاں تک کہ جیل سے سنٹرل اسمبلی کے بعض ممبروں اور ممبران انتظامیہ وائسرائے تک کو بھی پیغام بھیجتا اور ان کے جوابات منگواتا اور چیف کمشنر دہلی اور گورنمنٹ آف انڈیا کے دفاتر سے بھی اپنے متعلق تمام اطلاعات حاصل کر لیتا ہے ۲۲۸،

الفیض جو کہ فرید امرتسر سے یہ علمی ماہنامہ ۱۹۲۴ء کو نکلا، ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ نگران مولانا مولوی نور محمد صاحب محمد سلیمان بی اے، ایڈ امیاں محمد داؤد فاروقی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ آفتاب برقی پریس امرتسر میں چھپائی ہوتی تھی۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

مسلم کوئی کام آنے کی سمجھے پیدا کر
پیمانہ جو رکھتا ہے تو مے پیدا کر

قرآن و حدیث کے حقائق و معارف کا دلنواز مجموعہ، تصوف کا مخزن اسلامی تاریخ کا مظہر، سیرت مسلم کا مرقع اسلامی تمدن کا عملی آئینہ، مذہب کا شیدائی، تبلیغ کا روح رواں، اصلاح المسلمین کا حامی، بزرگان دین و صاحبان قلم کے مضامین عالیہ سے لبریز اپنی قلم کا یگانہ رسالہ الفیض تھا۔ اس رسالہ میں مشاہیر خیر القرون و مشائخ و صوفیائے عظام کے حالات زندگی شائع ہوتے تھے اور انبیاء کرام کی سوانح عمریاں بھی اس میں چھپتی تھیں۔

تلک لاہور سے یہ سیاسی و ادبی ماہانہ رسالہ ۱۹۲۴ء کو نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا ایڈیٹر لالہ شیام داس تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

ہمدرد دہلی کے ۲۹ دسمبر ۱۹۲۴ء کے شمارے میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ ہوا تھا۔

"اس نام کا ایک ماہوار رسالہ لاہور سے تلک مہاراج کی یادگار میں شائع ہوا ہے نمبر ۲ ہمارے دفتر میں بغرض ریویو وصول ہوا ہے چھوٹی تقطیع پر ۴۸ صفحہ کی ضخامت ہے سرورق پر تلک آنجہانی کی تصویر درج ہے ایڈیٹر لالہ شیام داس صاحب راہن ہیں سالانہ چندہ دو روپے ہے سیاسیات میں تلک مہاراج کے مسلک کا پیرو ہے جہاں تک آزادی ملک کی خواہش ہے ہم رسالہ مذکور کے بالکل ہم آہنگ ہیں البتہ راہِ حصول میں گاندھی اور تلک کے اختلافات سب کو معلوم ہیں ایڈیٹر صاحب ہندو مسلم اتحاد کے زبردست حامی ہیں اور یہ امر باعث مسرت ہے لیکن ہندو مسلمانوں کے اتحاد پر جو مضمون اسی نمبر میں انھوں نے سپرد قلم کیا ہے اس میں انھیں مسلمانوں کے متعلق اظہار کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت تھی، ارض پاک کے ساتھ محبت و شیفتگی مسلمانوں کا جزو ایمان ہے، خدا معلوم ہمارے ہندو احباب کو یہ تعلق کیوں ناگوار گزرتا ہے، آزادی ملک کی کوشش اس سے بالکل الگ شے ہے اور یہ بھی ہمارے ایمان کا ایک جزو ہے۔

المبشر بالکی پور پٹنہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۴ء کو وجود میں آیا آٹھ صفحات پر نکلتا تھا ایڈیٹر مولوی غلام محمد

تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار میں جہاں ادبی، تاریخی اور علمی مضامین وغیرہ شائع ہوتی تھیں وہاں سیاسی مضامین بھی چھپتے تھے یہ اخبار حریت و آزادی کا حامی تھا۔

اخبار المنشیر پر رسالہ معارف کے شمارہ ۷ جنوری ۱۹۲۷ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"المنشیر صوبہ بہار کا مشہور ہفتہ وار اخبار ہے جس کی داغ بیل مولوی غلام محمد صاحب وکیل ہائیکورٹ پٹنہ نے ۱۹۲۴ء میں ڈالی تھی، پھر بیمنے سکنے بعد جب آپ عدیم الفرصتی کے باعث اس سے علیحدہ ہو گئے تو فوراً مولوی سید ظفر علی صاحب ندوی نے اس کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بحمد اللہ آپ کی ادارت میں نہایت کامیابی کے ساتھ برابر نکل رہا ہے آزادی ہند کے ساتھ مسلمانوں کی اصلاح و فلاح کی طرف اس کی خاص توجہ ہے اس کے پاکیزہ مضامین اور بے لوث خیالات تعلیم یافتہ طبقہ میں قدر و منزلت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، بہار کی سرزمین صحافت کے لیے جیسی شور ثابت ہوئی ہے وہ واقف کار سے مخفی نہیں اور بہنوں پر اچھی طرح روشن ہے اس لئے مولوی سید ظفر علی صاحب ندوی کی ہمت و استقامت لائق صد ستائش و مبارکباد ہے کہ آپ نے سرگرم عمل سے پورے صوبہ میں صحافی ذوق کی ایک ولولہ انگیز لہر دوڑا دی۔"

الاکرام

یہ پندرہ روزہ اخبار بہار شریف سے ۱۹۲۵ء کو نمودار ہوا۔ آٹھ صفحوں پر مشتمل تھا، مولوی علی حسین صاحب عاصم اور حافظ ظفر حسین صاحب ظفر انصاری اس

ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔

اس اخبار پر رسالہ عصمت گوجرانوالہ نے اپنے شمارے جنوری ۱۹۲۲ء میں ریویو کیا ہے۔

"اس کا مقصد تمام مسلم اقوام میں مساوات کی اشاعت باہمی اتحاد و یگانگت کی تبلیغ اور قوم مومن کی تعلیمی و اقتصادی اور معاشرتی زندگی کی اصلاح و ترقی ہے ارباب علم و ذوق کو بالعموم اور قبیلہ مومن کو خصوصیت کے ساتھ کارکنان الاکرام کی ہمت افزائی کرنی چاہیے۔

شمع تجلی

یہ رسالہ ڈیرہ دون سے ۱۹۲۲ء کو جلوہ گر ہوا، ۴۴ صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر عبدالعزیز تھے، سالانہ چندہ ایک روپے بارہ آنے تھا۔

رسالہ مراج الکلام امروہہ بمورخہ نومبر ۱۹۲۴ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو چھپا تھا۔

"یہ رسالہ ڈیرہ دون سے ہر انگریزی ماہ کو ادبی، اخلاقی علمی مضامین سے پر اور شعرا رحال کے کلام سے آراستہ ہو کر نہایت آب و تاب سے نکلتا ہے اس کا پہلا نمبر دفتر میں پہنچا ہے۔

بہار کشمیر

لاہور سے یہ کشمیریوں کا ترجمان ۱۹۲۴ء کو نمودار ہوا ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ چندہ تین روپے تھا۔ مراج الکلام امروہہ بمورخہ اکتوبر ۱۹۲۴ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

اس نام کا ایک رسالہ لاہور سے شائع ہوتا ہے جس کا خاص کام یہ ہے کہ کشمیری پنڈتوں کی قومی، علمی، تجارتی تمدنی ترقی کے وسائل پر

غور و تبصرہ کرنے تمام مضامین بالعموم مفید اور کارآمد شائع ہوتے ہیں یہ رسالہ قومی اخبار کا بھی کام دیتا ہے گو ادبیت سے اسے کوئی تعلق نہیں ہے لیکن اصحاب مذاق کی طبع موزوں کبھی کبھی گوہر افشانی سے نہیں چوکتی اور ہر نمبر میں ایک آدھ کشمیری پنڈت کی نظم ضرور شائع ہو رہی ہے۔

تبصرۃ الاطبار

شاہدرہ لاہور سے یہ طبی ہفتہ وار رسالہ ۱۹۲۲ء میں معرض وجود میں آیا۔ اس کے ایڈیٹر جناب احمد دین صاحب تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا اس میں مجربات، خاص دوائیں اور مفید مطلب مضامین شائع ہوتے تھے ایک کالم استفسار کا بھی تھا، سب سے عجیب بات یہ تھی کہ طب یونانی اور ہومیو دونوں کا حامل تھا۔

حکیم احمد دین صاحب

حکیم صاحب اپریل ۱۸۷۰ء کو شاہدرہ میں پیدا ہوئے، آپ نے مختلف اساتذہ سے طبی کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں، دیگر ایلوپیتھک ہومیو پیتھک مسمرازم، ہپناٹزم اور نیچر و بیتھی کتابوں کا بہت مطالعہ کیا۔ آخر اس نتیجہ پر پہنچے کہ تمام مروج علاج نامکمل اور نا ... ہیں چنانچہ آپ نے تمام طبوں میں سے ایک خیال کے مطابق ... لے کر ایک نئے طریق علاج کی بنیاد رکھی جس کو طب جدید کے نام موسوم کیا آپ نے ان خیالات کی اشاعت کے لئے انجمن خادم الحکمت شاہدرہ لاہور قائم کی، تبصرۃ الاطبار نامی رسالہ جاری کیا جس کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف لوگ رہے۔ لیکن نگرانی حکیم صاحب

اس کے علاوہ ماہنامہ "طب جدید" اور "استاذ الاطبا" بھی آپ نے نکالے اور مختلف طبی کتابیں تصنیف کیں جس میں "کلیات طب جدید" مشہور ہے لاہور میں طب جدید کی تعلیم کے لئے ایک درسگاہ بھی قائم کی آپ ۱۲ دسمبر ۱۹۳۵ء کو فوت ہوئے۔ [۱]

تنظیم

ماگن لکھا پدرسندھ سے ۱۹۲۴ء کو یہ ہفتہ وار اخبار ہوا۔ ۸ صفحوں پر نکلتا تھا نواب فائق داد خاں اس کے اڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ سندھ کا مشہور قومی، اسلامی، تاریخی، ادبی مضامین کا مخزن تھا اور ملکی معاملات میں محققانہ بحث کرتا تھا۔ جس کی وجہ سے عوام کا پسندیدہ بن گیا تھا۔

فرشتہ

آگرہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۴ء کو شائع ہوا۔ ۸ صفحوں پر نکلتا تھا۔ جمیل اکبرآبادی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس اخبار کے سرورق پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا

لو سامنے قسمت کا نوشتہ آیا
تسکین دہ دل برشتہ آیا
دیکھا جو ملول اہل عصیاں کو جمیل
ہنستا ہوا رحمت کا فرشتہ آیا

---

[۱] نقوش لاہور، لاہور نمبر ۸۴۷

بلاغ امرتسر سے ۱۹۲۴ء کو یہ دینی رسالہ نمودار ہوا، چالیس صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر حکیم شہاب الدین صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا، آفتاب برقی پریس امرتسر میں طبع ہوتا تھا

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

۱۔ قرآن کی تعلیمات کی تبلیغ و اشاعت

۲۔ اختلافات کا ازالہ

۳۔ حکمت و موعظت کے ذریعہ سے صراط مستقیم کی دعوت

۴۔ صرف کلام اللہ کو جمیع ضروریات وحی کے لئے مکتفی ثابت کرنا۔

اس رسالہ کے مضمون نگار حکیم طالب علی، محمد دین احمد بابا صاحب مولوی احمد الدین صاحب، مولوی عبد الصمد صاحب سنہاس، مفتی محمد الدین وکیل خواجہ عباد اللہ اختر بی، اے ملک احمد صاحب اور مولوی حافظ محمد اسحٰق تھے کسی کی دل آزاری یا خاص فرقہ یا گورنمنٹ کی دل آزاری یہ رسالہ اپنے مقاصد کے خلاف سمجھتا تھا۔

کشاف امرتسر سے یہ علمی و ادبی رسالہ ۱۹۲۴ء کو طبع پذیر ہوا، ۴۴ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر و پروپرائٹر ایم محمد طیب الدین غریب آنریری ایڈیٹر غلام حسن نشتر تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنہ تھا۔ اور فی پرچہ تین آنہ قیمت تھی آفتاب برقی پریس امرتسر میں چھپتا تھا۔

کشاف کے دو مستقل ابواب ادبیات و علمیات تھے جو دو مختلف حضرات کی زیر نظر مرتب ہوتے تھے۔

حصہ ادبیات میں ادب لطیف کی دلفریب مضامین سے مزین ہوتا ہوگی

اور مذاق سلیم پیدا کرنے والے شعراء کی عمدہ غزلیات عشق و محبت کی دل ہلا دینے والی داستانیں اور حیرت انگیز افسانے دوسرے حصے یعنی باب عملیات میں تلکیات، تاثیرات، اصطلاحات روحانیات، مصنوعات، ایجادات، تفریحات، اجتہادات، انکشافات، اقتباسات اور ارشادات وغیرہ کے تحت ہر ماہ علوم جفر، رمل، نجوم، ہندسہ، کیمیا وغیرہ کی گہری رموزات پر عام فہم پیرایہ میں روشنی ڈالی جاتی تھی، ہر ماہ اس حصہ میں انعامی سوالات ... دیئے جاتے تھے۔

غریب نواز یہ ہفتہ روزہ اخبار پھلواری شریف بہار سے ۱۹۲۴ء کو جلوہ فگن ہوا، آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، مولانا حاجی سید شاہ حسین میاں صاحب خلف جناب مولانا قاری سید شاہ سلیمان صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا، سالانہ چندہ دو روپے تھا اس رسالہ میں حضرت شاہ معین الدین چشتی غریب نواز کے حالات کے ساتھ ہندوستان کے اولیائے کرام کے حالات زندگی بھی چھپتے تھے اور ادبی و علمی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

عفت گورکھپور نے اپنے شمارہ جنوری ۱۹۲۷ء میں اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔

"غریب نواز ہفتہ روزہ زیر ادارت جناب مولانا حاجی سید شاہ حسین میاں صاحب عرصہ تین سال سے شائع ہو رہا ہے اور نہایت قابلیت کے ساتھ ایڈٹ کیا جاتا ہے، تبلیغ احکام شرعیہ تعظیم صوفیائے کرام و مشائخ عظام اس کا اصل نصب العین ہے اس پر ملکی، سیاسی اور تاریخی نوادر مضامین اس کی دل چسپیاں اور بھی اضافہ کرتے ہیں اس لئے

بہت مقبول ہے۔ اور بہار کے علاوہ دوسرے صوبجات اور غیر ممالک میں اس کی کافی اشاعت ہے۔

شحنۂ شریعت طلاق محل، بجمن گنج کانپور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا۔ ۲۳ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر بے نیاز حسرت شاہ صاحب صوفی عرف عزیز احمد صاحب قادری قوم کالیتہ فتحپوری تھے۔ سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔

پرکم چارک یہ ہفتہ وار اخبار آگرہ سے ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ گوردھاس سنگھ پالوالیہ بی اے اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

ہلال یہ ماہانہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ میں آگرہ سے اکتوبر ۱۹۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت سید ا ڈاری تھے سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا۔

حنیف یہ رسالہ لوہارانہ محلہ ڈھوے وال سے ماہانہ اگست ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر غازی محمود دھرم پال صاحب تھے حنیف پریس گوجرانوالہ میں چھپتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ کا اصل مقصد ہندو مسلمانوں میں اتحاد پیدا کرنا تھا لیکن اس کے باوجود اس میں تاریخی، مذہبی، اخلاقی اور سیاسی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

بلاغ امرتسر کے شمارے اکتوبر ۱۹۳۲ء میں اس رسالہ پر تنقید چھپی ہے۔

اس نام کا ایک ماہواری رسالہ غازی محمود دھرمپال صاحب کی ادارت میں حنیف پریس لودھاں محلہ دھوے وال سے نکلنا شروع ہوا ہے سالانہ چندہ چھ روپے ہے دو پرچے اس وقت تک نکل چکے ہیں اس کا مطمع نظر ہندو مسلم اتحاد ہے ہمارے خیال میں یہ مقصد جس قدر مبارک ہے اس سے زیادہ مشکل بھی ہے اگر جناب غازی صاحب اس کو آسان کرنے کے لئے پہلے مختلف اسلامی فرقوں کا مصالحہ و موافقہ کرانے کی کوشش میں مصروف ہو جائیں تو بہتر نتائج مرتب ہونے کی توقع ہے تاہم یہ دو رسالے غازی صاحب کی روانی تحریر اور مفید تاریخی، مذہبی، اخلاقی و سیاسی مطالب سے معمور ہیں دوسرا نمبر بالخصوص دل کش ہے اس میں چار تاریخی قصے ہیں

۱۔ آغشتہ نام ایک سیحی شہیدہ کے بے مثال استقلال کی داستان

۲۔ سپارٹا کے ناظم لائیہ کرگس کے بے نظیر ریاست دانی رعایا پروری و فنا ئیت کے حالات۔

۳۔ زردشت پارسی مذہب کے بانی کی تاریخ افسوس ہے کہ اس میں تحقیق واقعات کی کمی ہے۔

۴۔ علی محمد بانی فرقہ کا رسیت مسر شہادت اس کے پیروؤں کا غلو جانفروشی اس مذہب کی مختصر سی تاریخ، غازی صاحب بعض جگہ غیر مانوس ہندی الفاظ استعمال کرتے ہیں اگر ان کا ترجمہ دیا کریں تو بہتر ہو رسالہ کا کاغذ ذرا اور اچھا ہونا چاہیئے۔

پیغامِ صلح

احمدیہ بلڈنگس لاہور سے یہ ہفتہ وار تبلیغی رسالہ ۱۹۲۴ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر   تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس رسالہ کا اشتہار رسالہ سورمنہ   بدایوں بابت جولائی ۱۹۲۴ء میں چھپا تھا۔

قرآن کریم و احادیث کے معارف و نکات، آریوں، عیسائیوں کے اعتراضات کے مسکت و دندان شکن جواب، ہندوستان اور ممالک غیر میں اشاعت اسلام کی رفتار اور سلسلہ احمدیہ کے حالات دیکھنا چاہتے ہیں تو اخبار پیغام صلح کے خریدار ہوں جو ہر ہفتہ کو باقاعدگی و وقت سے ۱۸×۲۲/۸ کے آٹھ صفحات پر لاہور سے شائع ہوتا ہے سالانہ چندہ پانچ روپے طلباء سے تین روپے سالانہ ممالک غیر سے ۱۲ شلنگ۔

محسن الملک

ریاست بھوپال سے یہ ماہنامہ ۱۹۲۴ء سے شائع ہوا۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کے سرپرست نواب زادہ سعید الظفر خاں تھے اور حضرت حامد بھوپالی ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

رسالہ محسن الملک پر رسالہ نگار بھوپال مورخہ دسمبر ۱۹۲۴ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

" چار جزو کا ماہوار رسالہ ہے جو بھوپال سے جنرل صاحب بہادر مرحوم کے فرزند اکبر نواب زادہ سعید الظفر خاں صاحب کی سرپرستی اور حضرت حامد بھوپالی کی ادارت میں ستمبر ۱۹۲۴ء سے شائع ہو رہا ہے۔

ہوا ہے۔ اس وقت تک اس کے دو پرچے میری نگاہ سے گزرے ہیں
ان کو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ جناب مدیر اس کو مفید و دلچسپ بنانے
میں پوری محنت سے کام لے رہے ہیں۔ لکھائی، کتابت بہت اچھی ہوتی
ہے اور سرورق رنگین۔ میں اپنے معاصر کا دلی خیر مقدم کرتا ہوں اور اس
کی کامیابی کا متمنی ہوں۔ منیجر حسن الملک سے نمونہ طلب کیا جا سکتا ہے سالانہ
قیمت پانچ روپے۔

نوید

یہ ادبی و علمی رسالہ نومبر ۱۹۲۴ء کو پٹنہ سے نکلا۔ جو
انجمن ترقی اردو پٹنہ کا آرگن تھا۔ ۴۲ صفحات پر
نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبدالباری محمد ساقی تھے
چندہ سالانہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ پر ۲۵ دسمبر ۱۹۲۴ء کے اخبار ہمدرد دہلی میں حسب
ذیل ریویو شائع ہوا تھا۔

انجمن ترقی اردو پٹنہ کا ماہوار رسالہ ہے نمبر دو بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۴ء
بہ خوبی شائع ہوا ہے ضخامت ۳ جز تقطیع ۲۰x۲۶، ایڈیٹر
عبدالباری محمد ساقی ہیں اس کا دائرہ محض ادبی اور محض علمی مضامین تک
محدود ہے اس نمبر میں مضامین اوسط درجہ کے درج ہیں۔ وحید
الہ آبادی کے حالات اور منتقدات نجم یہ دونوں مضامین اس کے
قابل ذکر ہیں۔

المعلم

حیدرآباد سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا۔
۴۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ نواب مولوی سید محمد حسین صاحب
جعفری بی اے اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے

نقد نامے جستہ۔

شمع آگرہ نمبر ۵ جنوری ۱۹۱۵ء سے یہ رسالہ باقاعدہ شائع ہوتا ہے

ہم اپنے عزیز دوست نواب مولوی سید محمود حسین صاحب جعفری بی۔ اے
اکس اسسٹنٹ مدراس حیدرآباد دکن کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ انھوں
نے باوجود کثرت اشتغال کے رسالہ تعلیم جاری کیا ظاہر ہے کہ ایسے
رسالہ کے واسطے ہر ماہ مضامین کا فراہم کرنا اور پابندی وقت سے اس کو
شائع کرنا سخت دشوار کام ہے۔ لیکن آفریں ہے جناب نواب
صاحب ممدوح کی ہمت پر کہ اس رسالہ کو بہ پابندی اوقات کے ساتھ
شائع فرماتے رہے اور اب تک ۵ سال کے اندر پانچ نمبر نکال چکے ہیں
اردو زبان میں ایسے رسالہ کی سخت ضرورت تھی۔ رسالہ کا حجم ۳۲ صفحہ ہے
لکھائی چھپائی پاکیزہ اور کاغذ نفیس حیدرآبادی ساخت کا چکنا اور مضبوط
ہے سالانہ قیمت صرف ایک روپیہ آٹھ آنے ہے جو زیادہ نہیں۔

ہم امید کرتے ہیں کہ ہمارے ناظرین اس رسالہ کو شوق کے ساتھ
خریدیں گے اور اس کی اشاعت میں اعانت فرمائیں گے جناب نواب
صاحب مسلم الثبوت اور غیر معمولی جوش اور ہمت کے نوجوان ہیں آپ
کی تحریر صاف و سلیس ہے ہمارا اخلاقی فرض ہے کہ اس نونہال کی
جڑ کو مضبوط کریں اور اپنے سرپرستی میں لینا اور رسالہ ہذا کی کوششوں سے
ایک تناور درخت بنا دیں مضامین تعلیم پیمائش زمین، مدارس میں تعلیم
طلبا کی بد شوقی کیونکر دور کی جائے۔ تعلیم جغرافیہ ایک نظر مقصد تعلیم
تعلیم جغرافیہ کا اصل مقصد وغیرہ دلچسپ مضامین جو واقف کار حضرات
نے دل لگا کر لکھے ہیں۔ اور پڑھنے کے قابل ہیں۔

سفیر التجار دہلی فیض بازار سے یہ ماہانہ تجارتی رسالہ ۱۹۲۳ء کو وجود میں آیا۔ ۶۴ صفحوں پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر   تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کے سلسلہ میں رسالہ سودمند بدایوں مورخہ جولائی ۱۹۲۴ء میں حسب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

سفیر التجار دہلی تجارت، صنعت و حرفت، معاشیات و اقتصادیات کا سب سے زیادہ شائع ہونے والا ماہوار رسالہ ہے اس میں تجارتی و صنعتی مضامین کے علاوہ تجارتی چیزیں وسیع پیمانہ پر مہیا کی جاتی ہیں اس کے مطالعہ سے آپ اپنے آپ کو تجارتی دنیا سے روشناس کر سکتے ہیں اس کے مستقل عنوانات یہ ہیں۔

ہندوستان کی تجارتی و صنعتی رفتار، صنعت و حرفت، کم سرمایہ داروں کے لئے وسائل معاش، ایجادات، معلومات، سودے، موقعے، ہندوستان میں کونسی چیز کہاں ملتی ہے۔

قیمت سالانہ چار روپے نمونہ ۵ آنے

رسالہ سوز و ساز دہلی مورخہ فروری ۱۹۲۴ء نے رسالہ سفیر التجار دہلی پر یہ تبصرہ کیا تھا۔

یہ ماہانہ پرچہ تجارتی دنیا کے لئے نعمت غیر مترقبہ اور بہترین شے ہے ہندوستان میں ملکی تجارت کو فروغ دینے کے لئے ایسے رسالوں کی ضرورت ہے سفیر التجار کا نصب العین یہی ہے کہ وہ ہندوستانی اقوام میں تجارتی ذوق پیدا کرے اور ہندوستانی تجارت کو فروغ دینے

کے وسائل و ذرائع مہیا کرتا ہے۔ بڑا سائز عمدہ کاغذ سالانہ قیمت چار روپے فی پرچہ آنے، منیجر رسالہ سفیر التجار فیض بازار دہلی سے منگانا چاہیے ہے۔

شگوفہ کانپور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۴ء کو جاری ہوا ۲۴ صفحوں پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر رزمی صاحب تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ بارہ آنے تھا۔

ہمایوں لاہور مورخہ ۱۹۲۴ء میں یہ ریویو شائع ہوا تھا۔ یہ نظم و نثر کا گلدستہ کانپور سے جناب رزمی کی ادارت میں نکلا ہے مضامین کے لحاظ سے کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور نہ کسی خاص مقصد کا حامل ہے البتہ روس کے مشہور فلسفی طالسٹائی کے افسانہ راز حیات کا ترجمہ کام کی چیز ہے۔

ہاتف یہ ماہانہ رسالہ پشاور سے ۱۹۲۴ء کو جلوہ افروز ہوا ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ مرزا رحیم بیگ جینتا بی اے اس کے ایڈیٹر تھے یہ رسالہ خادم التعلیم پریس میں چھپتا تھا اس کی طباعت بہت شاندار تھی کاغذ بھی عمدہ تھا۔ تاہم معیار صحافت کے لحاظ سے یہ رسالہ اعلیٰ درجہ کا تھا اس نے جلد بند ہو گیا ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق یہ پرچہ مذہبی سماجی اور تجارتی خبریں اور تبصرے شائع کرتا ہے اس کے مقصد صوبہ کے مسلمانوں کے حالات کو بہتر بنانا ہے تاہم ابھی تک یہ کوئی خاص توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کرا سکا۔

رائفل مین

یہ فوجی رسالہ لینڈ ورے سے ۱۹۲۲ء میں وجود میں آیا۔ سولہ صفحات پر مشتمل تھا۔ تین روپے سالانہ چندہ تھا۔

اس رسالہ میں رائفل بریگیڈ سے متعلق امور شائع ہوتے تھے اور اس کی اشاعت فوجی افسروں اور فوجی نوجوانوں تک محدود تھی۔

دلچسپ

یہ ماہنامہ بذریعہ اسماعیل خاں سے ۱۹۲۲ء کو شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کی اشاعت پانچ سو تھی جس میں ماہ بماہ اضافہ ہوا۔ اس رسالہ کے مالک ایک زمیندار دیوان سمپورن سنگھ ولد ملوان مل تھے۔ اس میں آرٹ، صنعت اور حرفت کی طرف زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔ دسمبر ۱۹۲۲ء میں یہ رسالہ بند ہو چکا تھا۔

ندائے اسلام

یہ ہفتہ وار اخبار دہلی سے ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا۔ ۱۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا مظہر الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپیہ تھا۔

رسالہ نگار بھوپال بابت ماہ جولائی ۱۹۲۲ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

یہ ایک پندرہ روزہ اخبار ہے جو دفتر الامان دہلی سے مولانا مظہر الدین صاحب ایڈیٹر الامان کی ادارت میں گزشتہ چند ماہ سے شائع ہو رہا ہے۔ اس اخبار کا مقصد اس کے نام سے ظاہر ہے اور اس میں کلام نہیں کہ وہ مقاصد تبلیغ کو پوری طرح انجام دے رہا ہے۔ مولانا مظہر الدین ایک

مخصوص رنگ کے لکھنے والے ہیں۔ ان کے مذہبی مضامین میں ادب کا خاص لطف پایا جاتا ہے اس اخبار کے شذرات جو زیادہ تر تبلیغی معلومات پر مشتمل ہوتے ہیں اور وہ مضامین جن میں تعلیمات اسلام کی صداقت سے بحث کی جاتی ہے، مخصوص طور پر قابل مطالعہ ہیں۔ سالانہ چندہ چار روپے ہے۔

ترجمان

یہ علمی و ادبی رسالہ حیدرآباد دکن سے [illegible] کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا ابوالبرکات انوار اللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

یہ رسالہ اپنی ایک جھلک دکھا کر [illegible] کے بعد بند ہو گیا۔ ایک نمبر کے بعد دوسرا شمارہ نہیں نکلا۔

تنظیم

یہ ہفتہ وار اخبار امرتسر سے [illegible] کو ۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور جناب قرشی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
اس اخبار کا اشتہار سہ روزہ مشیر بدایوں مورخہ [illegible] جولائی [illegible] میں شائع ہوا تھا۔

جھگڑوں سے پاک، ہر ایک مسلمان کی عزت کا محافظ، اسلامی شرافت اور اسلامی اخلاق سے قوم اور ملک کی خدمت کرنے والا، ڈاکٹر کچلو اور جناب قرشی کی ایڈیٹری میں شائع ہو رہا ہے۔ اگر آپ بحث مباحثے سے اکتا کر اپنی روحانی خوشی اور ضمیروں کے مطمئن کرنے کے لئے کسی سچے اور صاف دل اخبار کی تلاش میں ہیں تو تنظیم کی خریداری منظور فرمایئے۔ اخبار کے

کے دو حصے ہیں پہلے حصہ میں ضروری واقعات اور خبریں کل درج
ہوتی ہیں دوسرے میں اسلامی تاریخی مضامین سے دل روشن ہو
قابلیت بڑھے اور واقفیت میں اضافہ ہو خوبصورت ٹائٹل پیج
عمدہ لکھائی وغیرہ ۔



سنہ ۱۹۲۵ء

شمع

آگرہ حسن منزل محلہ شاہ گنج سے جنوری ۱۹۲۵ء کو یہ ماہنامہ طلوع ہوا۔ ۹۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر محمد حبیب آکسن بیرسٹر پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اور مسٹر حسن عابد جعفری آکسن بیرسٹر آگرہ تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔ مطبع آگرہ اخبار میں چھپتا تھا۔

رسالہ شمع کے پہلے شمارے جنوری ۱۹۲۵ء میں رسالہ کے اغراض و مقاصد پر عرض حال کے عنوان کے تحت یہ روشنی ڈالی تھی۔

ہندوستان کی تاریخ میں وہ عہد زریں بھی گزر چکا ہے جبکہ اہل ہند کیا علوم و فنون لطیفہ و سیاسیات، فدا کی فدائی میں کسی سے پیچھے نہ تھے ان کی معاشرتی زندگی عوارض سے پاک تھی ان کا نظام حکومت قومی تھا جس میں تنگ دلی کی گنجائش نہ تھی اور ان کی حکومت رعایا کے لئے رحمت تھی۔ لیکن وہ زمانہ اب خواب و خیال سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا ہے اسنین ما ضیہ

کے ہمارے تاریخی کارنامے محض افسانے ہیں آج دنیا کی دیگر اقوام سیدانِ
ترقی میں فروغ حاصل کر رہی ہیں اور ہم تاریکی میں ان کے پیچھے بھٹکتے پھر
رہے ہیں ہماری روحانی اور عسرت سے متاثر ہو کر انگلستان کے ایک
مضمون نگار مسٹر ولیم آرچر کو کہنا پڑا۔"

"ہم یا تو دنیا کی مہذب اقوام میں سے زیادہ غیر تربیت یافتہ ہیں
یا سب سے زیادہ مہذب ہیں۔"

"ہماری قومی زندگی کے انحطاط کے ساتھ ہمارا قومی ادب بھی برباد ہو گیا
چنانچہ فی زمانہ حصول علم کی راہیں مسدود ہیں ہمارے متقدمین کے علمی کارنامے
فراموش اور ان کی بے مثل تصانیف کرم خوردہ یا احسان فراموش اولاد کی
نالائقی کے باعث فروخت ہو کر اغیار کے کتب خانوں کی رونق ہیں۔
ہم کو اپنی بدنصیبی سے انکار نہیں لیکن ہمت و استقلال کے ساتھ ان
خرابیوں کو جو شاہراہِ ترقی میں حائل ہیں رفع کرنے کے مستحکم تہیہ کے
مقابلہ میں بدقسمتی یا بدنصیبی کی شکایت نہیں رہتی ہے جس طرح مریض
کے سابقہ طرز زندگی کے بدلنے کے واسطے مرض کا وجود باری تعالیٰ
کی جانب سے تنبیہ کا حکم رکھتا ہے اسی طرح ایک قوم کی بدقسمتی، دعوت
آسمانی ہے کہ وہ اپنی اصلاح کی طرف متوجہ ہو۔"

"ہماری قومی حیات کے لئے منجملہ دیگر اصناف کے ادب کی تجدید و تعمیر
کی بھی ضرورت ہے اور اس مرتبہ کے لحاظ سے جو خوش قسمتی سے
ہندوستانی زبان کو حاصل ہے ہماری قومی زبان بننے کی اس میں صلاحیت
بدرجہ اتم موجود ہے لیکن جب تک اس کو حصولِ علم کا مستقل ذریعہ قرار
دے کر اس کے ادب کو دنیا کی اور زبانوں کی طرح وسعت نہ دی جائے

کامیابی ممکن نہیں ہے، سائنس کے جدید ترین انکشافات سے لے کر دنیا کی
قدیم ترین اقوام کی فراموش شدہ تاریخ میں نہایت پسند آئی تحقیقات تک
ایک کو اپنی مادری زبان میں مل سکتی ہے اس طرح ہمارے ماضی و حال
کے [illegible] یعنی انکشافات یعنی ہنود اور مدبر حکماء کے نصائح سے تشریح کر کے
گوئٹے کی شاعری اور افلاطون کا فلسفہ کی تمام نفیس اور جو کہ غور و فکر خصوصیات
اس کے پیش نظر رہتی ہیں تین ہر ایک اردو دان ان نعمتوں سے محروم
ہے اور یہی وجہ ہے کہ اس کا مبلغ علم اس کی زبان کی طرح محدود ہے
کہ کیا ان شعبے کی دلی تمنا ہے کہ ادب اردو کی خدمت میں کوئی دقیقہ
اٹھا نہ رکھیں اور اس کے ذرائع ترقیات کے لئے اسلامی کوششوں سے
دریغ نہ کریں، اسی لئے پبلک کے سامنے لمبے چوڑے مقاصد کا اظہار
ہمارے لئے زیبا نہیں ہے اور حصول مقاصد سے قبل نہ ہم کسی تعریف
کے مستحق ہیں اور نہ طالب ہیں لیکن ہم اس اصول کو کبھی فراموش نہ کریں
گے کہ ناظرین کے خیالات میں غور و فکر کی تحریک پیدا کریں یہ ہر رسالہ کا
اصل مقصد ہے۔ ادب اردو میں ایک بڑا نقص ہے جو بدقسمتی سے ہنوز
موجود ہے وہ یہ کہ زبان کو اظہار خیالات کا ذریعہ بنانے کے لئے بجائے
محض زبان کی طرف توجہ کی جاتی ہے اس بارے میں ہم اپنی کسی ذاتی
رائے سے ناظرین کو پابند نہیں کرتے ہیں، ہم ناظرین کے سامنے ایسے
مضامین پیش کرنا چاہتے ہیں جو معقول اور صحیح رائے قائم کرنے میں
ممد و معاون ہوں، اسی خیال سے ہم بھی اپنے لئے کوئی حد مقرر نہیں کرتے ہیں
اس رسالہ میں ہر قسم کے مضامین کے واسطے جگہ موجود ہے ہم تاریخ فلسفہ
سیاسیات، سائنس اور مذاہب وغیرہ وغیرہ کے متعلق اس قسم کے مضامین

شائع کریں گے جن سے فی زمانہ ایک تعلیم یافتہ آدمی کو دلچسپی ہے یا ہونا چاہیے
شمع کا اجرا کسی ذاتی فائدے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور نہ کسی مالی
فائدہ کی نیت سے، ہماری کاوشوں اور مصروف زندگیوں کے عزیز
لمحات کا بہترین معاوضہ اور ہماری تمناؤں کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ
شمع اپنے نام کی صحیح معنوی رعایت کے ساتھ محرک خیالات ثابت ہو
اور یہ روشنی محفل ادب کی بعید ترین گوشوں میں پہنچ سکے۔" مدیران،
شمع کے پہلے شمارے کے مضامین سے رسالہ کے مدیران کے
عزائم کا پتہ چلتا ہے کہ جودہ گھنٹے میں اس پر عمل کرنے کی سعی کرتے ہیں
چنانچہ رسالہ کے مضامین ہندوستان اور حکومت خود اختیاری حزب عمال
و ہندوستان، تجارت میں ناکامیابی کے پانچ اسباب، آتش فشاں پہاڑوں
کے حالات، پہلے انسان کی تلاش اور جناب مشیر قدوائی، نظم میں نواب
حیدر جنگ بہادر، مرزا محمد ہادی صاحب عزیز لکھنوی شیخ مشیر حسین صاحب
قدوائی نشیر، جناب محمد احمد رضوی بی اے، نواب جعفر علی خان صاحب
اثر، جناب طاہر فرخ آبادی جناب محمود اکبر آبادی کا کلام بے حد معیاری تھا
چنانچہ اس رسالہ شمع کو اس کے معاصرین نے بے حد پسند کیا اور اپنے
معطر موقر جریدوں میں سے اس کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار
کرتے ہوئے ریویو اور تبصرے ہوئے، چند ریویو ملاحظہ ہوں۔
ہندوستان کے مشہور علمی جریدے معارف اعظم گڈھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء
میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے جو تفصیل ہے۔
شمع اردو کا ماہوار رسالہ ہے جو آگرہ سے نہایت عمدہ لکھائی
چھپائی کے ساتھ عمدہ کاغذ پر نہایت نفاست کے ساتھ شائع ہوتا ہے

اب تک پانچ نمبر نکل چکے ہیں، الشمع کے ساتھ ہماری توقع اس لیے ہے
کہ یورپ سے تعلیم پاکر آتے ہوئے چند نوجوان تعلیم یافتہ اہل قلم کے
ہاتھوں میں ہے جن کے دل و دماغ تازہ، حوصلے بلند، علم و اخلاق اعلیٰ
ہیں اور جو علوم و مسائل سے آگاہ اور زبان کی ترقیات اسلوب و طریقے
سے واقف ہیں اور جو حقیقت میں سچائی کے ساتھ اپنی زبان کی بہترین
خدمت کرنا چاہتے ہیں، رسالہ کے مدیر ہمارے دوست محمد حبیب صاحب
آکسن بیرسٹر ایٹ لا پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی اور حسن عابد صاحب جعفری
آکسن بیرسٹر آف لا ہیں ہم کو ان عزیز دوستوں سے ان کی خدمت میں
بہترین توقع ہے اس توقع کے برخلاف اگر واہمہ پیدا ہوا ہے تو صرف
یہ ہے کہ یہ مشرقی زبانوں سے کم واقف ہیں اور تجربہ شاہد ہے کہ جب
تک عربی فارسی کا اچھا ذوق نہ ہو اردو خدمت میں نہیں آسکتی، رسالہ
میں پروفیسر حبیب کے تاریخی مضامین اہمیت رکھتے ہیں ان کے مضمون
محمود غزنوی کے نظریوں سے گو سب کو کلی اتفاق نہ ہو تاہم ان کی کوشش
و محنت کی داد نہ دینا ظلم ہے، پروفیسر ہادی کا فارسی مضمون شعر زین پر اچھا
ہے رسالہ میں تاریخی مضامین کے علاوہ سیاسی اور ادبی مضامین کو بھی
جگہ دی جاتی ہے بعض نئے مسائل پر اچھے مضمون نکلتے ہیں شعر و سخن کا
سلسلہ بھی ہے آخر میں تبصرے اور شذرات کی جگہ بھی ہے لائق ایڈیٹروں
کے متعلق معلوم ہے کہ رسالہ کا علمی معیار ان کے پیش نظر ہے یہ یقیناً
خوشی کی بات ہے کہ اب اردو رسائل کا وہ دور ختم ہو رہا ہے جب
ان کی ایڈیٹری کے لیے صرف جمع و ترتیب کی صلاحیت کافی سمجھی جاتی
تھی اور اب پروفیسر اقبال، پروفیسر شفیع، پروفیسر محمد حبیب اور حسن عابد

جعفری وغیرہ کا اردو رسالوں کا ترتیب و اشاعت میں حصہ لینا ہماری
زبان کیلئے ایک نئے دور کا آغاز ہے۔

شمع کے مؤلفین کی خدمت میں یہ گذارش ہے کہ مشرق و مغرب کو یکجا
کیا جائے۔ مغربی خیالات مشرقی زبانوں میں اس وقت تک بلند معیار حاصل
نہیں کر سکتے جب تک مشرقی زبانوں کا بھی مطالعہ نہ کیا جائے شمع کے نمبر ۳ میں
قرآن مجید اور علوم عرب پر جو مضمون چھپا ہے اس میں افسوسناک غلطیاں
ہیں یہ تمام یقیناً یورپین مصنفات سے بے سمجھے لے لئے گئے ہیں۔
علم لغت کی پہلی عربی تصنیف کا نام کتاب الآلسن نہیں کتاب العین ہے دوسری
کتاب اساس لیاد؟ نہیں اساس البلاغہ ہے اس میں عربی زبان کے
صنائع و بدائع کو جمع نہیں کیا گیا ہے بلکہ اس میں عربی محاوروں کا بیان
ہے ابو تمام کے دل میں حماسہ کا خیال اساس البلاغہ سے نہیں پیدا
ہو سکتا تھا کہ اول ان دونوں میں کوئی وجہ اشتراک نہیں ہے دوسرا اساس البلاغہ
کا مصنف جار اللہ محمد بن عمر زمخشری ۴۶۷ھ میں پیدا ہوا ۵۳۸ھ میں
وفات پائی اور ابو تمام ۱۹۰ھ میں پیدا ہوا اور ۲۳۱ھ میں وفات پائی۔ وہ
کیونکر زمخشری کی کتاب سے فائدہ اٹھا سکتا اور یہ بھی صحیح نہیں کہ اساس لغت
کی دوسری کتاب فلاسفہ میں دقیانوس کا نام عجیب چیز ہے وحیدی نام کا
کوئی ابتدائی مسلمان مورخ نہیں ابن قتیبہ کو ابن قتیلبہ طبری کو تبری، ابن حوقل
کو ابن حیقل کہنا شمع کی زبان سے کتنا برا معلوم ہوتا ہے اسی نمبر کے صفحہ
۳۲ پر "آئندگان کے واسطے" اچھا نہیں معلوم ہوتا، صفحہ ۵۲ پر مرزا پور کے
باقیات صالحات وغیرہ صفحہ ۵۴ پر نشریات و لیست اچھا تے لسط صفحہ ۶۲ پر
مضمون ہی کے مضمون یا مضمون اسی طرح تبصرہ کو تبصرے یا تبصرہ جات

لہذا صحیح نہیں ہے، اگست کے شذرہ میں زیر ریویو کتابت پاس شدہ کی ترتیب قابل احتراز ہے۔

دوسرے پرچے میں ہمارے فاضل دوست پروفیسر ہادی حسن کے فارسی مضمون کے عنوان میں گذشتہ سے پیوستہ قابل اعتراض ہے ان سب سے بعض فروگذاشتیں امید ہے کہ مطابق الفاظ یا سہو کاتب ہوں گی جن سے ہر صاحب قلم کو دوچار ہونا پڑتا ہے تاہم عربی فارسی الفاظ کے صحیح املا کی طرف تصحیح سے وقت خاص طور سے توجہ کرنے کی ضرورت ہے اس رسالہ کے متعلق ہماری نہایت امید افزا توقعات ہیں اور یقین ہے کہ وہ بہترین معلومات کے ساتھ آئندہ ترقی کرے گا اور نئے علوم کو اردو میں منتقل کرنے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوگا۔

سورشتہ دیا یوں کے شمارے جولائی ۱۹۲۲ء میں رسالہ شمع پر حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

"بادشاہان اودھ اور ان کے مشہور امراء اور لکھنؤ کے نایاب قدیم شعراء کی قلمی تصاویر عہد مغلیہ و عہد جدید کی مصوری کے بہترین نمونے جو اب تک شائع نہیں ہوئے ہیں اور نہ کسی دوسری جگہ میسر آسکتے ہیں رسالہ شمع میں مسلسل شائع ہو رہے ہیں، مختصر تاریخی، علمی، ادبی اور سیاسی مضامین اور افسانوں کا ہندوستان میں سب سے زیادہ ضخیم ۱۱۲ صفحات کا رسالہ ہے جنوری ۱۹۲۲ء سے نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے شذرات و تبصرے قابل قدر ہوتے ہیں، لکھائی چھپائی نہایت دیدہ زیب کاغذ چکنا اور کم از کم سالانہ ۲۰ تصویریں چھپتی ہیں ممالک متوسط و سرکار آصفیہ حیدرآباد نے رسالہ کو مدارس میں جاری کر دیا ہے الہ آباد لکھنؤ

ڈھاکہ، پنجاب اور کلکتہ کی یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں اور اسکولوں میں خریدا جاتا ہے۔"

رسالہ جامعہ دہلی کے شمارے اپریل ۱۹۲۶ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا ہے۔

"جنوری ۱۹۲۵ء سے شمع نہایت آب و تاب سے شائع ہو رہا ہے لکھائی چھپائی کاغذ ہر لحاظ سے آپ بے نظیر ہے ہر مضمون مہذب طرز خیال اور معلومات جدیدہ کا بہترین نمونہ ہوتا ہے اور تاریخی، سیاسی اقتصادی و ادبی مضامین شائع ہوتے ہیں اس کے مقاصد علمی و ادبی ہیں، لائق مدیران شمع مسٹر حبیب آکسن بیرسٹر، پروفیسر تاریخ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مسٹر حسن عابد جعفری آکسن بیرسٹر آگرہ ہیں یہ حضرات بہترین تعلیم یافتہ ہونے کے علاوہ اعلیٰ درجہ کے نقاد اور ادیب ہیں رسالہ کی ترتیب میں مصروف ہیں اس میں ان کا کوئی ذاتی فائدہ شامل نہیں اور نہ کسی تجارتی اصول پر اس کو پیش کرنا چاہتے ہیں، ہر ماہ پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔ تصاویر بھی شائع ہوتی رہتی ہیں حجم ۱۱۲ صفحہ کا ہے سالانہ چندہ چھ روپے، نمونہ کا پرچہ چار

المشتہر، منیجر رسالہ شمع احسن منزل، شاہ گنج، آگرہ۔

رسالہ شمع کے ہر ایک ہم عصر نے تعریف کی ہے چنانچہ رسالہ نیرنگ خیال لاہور بابتہ جولائی ۱۹۲۵ء میں اس کے متعلق یہ رائے دی تھی

"اس وقت تک ۵ نمبر شائع ہو چکے ہیں کبھی کبھی تصاویر بھی دی جاتی ہیں رسالہ کی ادارت تجربہ کار اور تعلیم یافتہ ہاتھوں میں ہے۔

آگرہ کو اس وقت تک بیمانہ اردو کی اشاعت کا فخر حاصل تھا۔ لیکن

اب تصحیح کے اجزاء سے اس میں نہایت قیمتی اضافہ ہوا ہے تسع تاریخی ادبی اور محققانہ مضامین سے لبریز ہوتا ہے ہر مضمون جدید نقطۂ نگاہ سے لکھا جاتا ہے اور قدیم سوقیانہ روش کی پابندی لازمی نہیں سمجھی گئی صوبہ متحدہ میں شائع ہونے والے رسالوں میں تسع کی زبان سب سے سلیس اور سادہ ہے اس میں نہ تو ہمارا جیسی عربانہ رنگینی ہے اور نہ ہی نگار جیسی ادبی اور ٹھوس علمی زبان اس میں جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ روزمرہ میں لکھا جاتا ہے اور غیر مانوس علمی اصطلاحات وجدید غلط سلط بندشوں اور محاورات سے پرہیز کیا جاتا ہے ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ اردو کے قدردان اس تاریخی اور ادبی رسالہ کی قدر کریں گے ۔

صنعت و تجارت

بازار جامع مسجد سہارنپور سے جنوری ۱۹۲۵ء کو یہ صنعتی و تجارتی ماہنامہ وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا جناب اسماعیل لاہوری اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ ہمایوں لاہور بابت ماہ اپریل ۱۹۲۵ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔ حجم ۲۰×۲۰/۱۶ صفحات ۴۸ صفحے مت قلمی چھپائی کاغذ بہتر قیمت سالانہ تین روپے دفتر رسالہ صنعت و تجارت بازار جامع مسجد سہارنپور سے طلب کریں۔ یہ مفید رسالہ جناب اسماعیل صاحب صدیقی سہارنپوری کی زیر ادارت جاری ہوا ہے رسالہ کا موضوع صنعت و تجارت ہے اور اس میں رسالہ کا مقام ہے ہندوستان بھر میں معدودے چند رسائل صنعتی مضامین شائع کرتے ہیں ان میں

صنعت وتجارت سب سے بہتر ہے کسی ملک کی ترقی کے لئے صنعت و تجارت کا احیا لازمی ہوتا ہے پس ہندوستان کی صنعتی و تجارتی ترقی کے لئے بھی مخصوص رسائل واخبارات کا ہونا ناگزیر تھا الحمد للہ کہ صنعت وتجارت کا وجود اس سلسلہ میں غنیمت ہے ۔

ملک میں پڑھے لکھے آدمیوں کو اب تک ملازمت کا ملنا محال ہو رہا ہے اس لئے ملک کی آئندہ نسلوں کو صراط مستقیم پر ڈالنے کی غرض سے ان کو صنعت و تجارت کی طرف توجہ دلانی چاہیئے اس لئے ہر مدرسہ اور ہر طالب علم کی میز پر صنعتی و تجارتی رسائل کا موجود رہنا لازمی ہے تاکہ اوائل عمر ہی سے ان کو اس ضروری شعبہ زندگی کی طرف رغبت رہے اور ضرورت پر وہ اپنے دماغ کو اس کے لئے تیار پائیں ، ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ تمام سرکاری وغیر سرکاری مدارس میں صنعت وتجارت جیسا اچھا رسالہ ضرور خریدا جائے گا اور محکمہ تعلیم اس ضرورت کی طرف مناسب توجہ کرے گا ۔ اسی نام کا رسالہ لاہور سے بھی شائع ہوتا ہے ۔

الحافظ

کوچہ قاضی خان لاہور سے شیعوں کا یہ رسالہ جولائی ۱۹۲۵ء کو جاری ہوا - ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا - ایڈیٹر ایم ایم عبداللہ اور سرپرست شمس العلماء علامہ حائری مجتہد العصر تھے ، سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے اور قیمت فی پرچہ چار آنے تھی ۔ برکاتی اسٹیم پریس لاہور میں چھپتا تھا ۔

اس رسالہ میں امامت حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر مضامین چھپتے تھے اور تینوں خلفاء کی مخالفت کی جاتی تھی مشہد مقدس کے حالات اور اس کی خبریں شائع کی جاتی تھیں ، مخالفین شیعہ کے جوابات دیے جاتے تھے

خاص طور پر مولانا عبدالشکور کے رسالہ النجم لکھنؤ سے جوابات تفصیل کے ساتھ چھپتے تھے۔

روحانیت گورکھپور سے یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۲۴ء کو وجود میں آیا، ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے مدیر مولانا آزاد سبحانی تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ مجلس روحانی کانپور کا آرگن تھا۔ جس میں خصوصیت کے ساتھ روحانی مضامین شائع ہوتے تھے کچھ ادبی مضامین بھی چھپتے تھے۔

رسالہ اردوئے معلّی کانپور مورخہ اپریل ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔ مجلس روحانی کا یہ ماہوار رسالہ زیر ادارت مولانا آزاد سبحانی گورکھپور سے شائع ہوتا ہے اس وقت تک جنوری فروری، مارچ ۱۹۲۵ء کے پرچے نکل چکے ہیں دو ہر حیثیت سے قابل دید ہیں سواہ میں متعدد روحانی وعلمی مضامین کے علاوہ رسالہ کے چند ابتدائی مضمون میں مولانا آزاد سبحانی کا انتخاب بھی ردیف وار شائع کیا جاتا ہے اختتام سال پر ان اوراق کا مجموعہ بجائے خود ایک چیز ہو جائے گا۔

دسمبر ۱۹۲۵ء کے رسالہ معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر تبصرہ چھپا تھا۔

ہمارے دوست مولانا آزاد سبحانی برگزشتہ سے تمتع اٹھا کر بالآخر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اب گوشۂ عزلت میں بیٹھ کر "خلوت در انجمن" یا "سفر در حضر" کا لطف اٹھانا چاہتے ہیں گو یہ قیاس بڑے یقین کے ساتھ نہیں پیش کیا جا سکتا ہے تاہم یہ یقینی ہے کہ اب ان کی منقل شاہراہ زندگی سامان تصوف ہوگی، چنانچہ اس سلسلہ کی سب سے پہلی لب رفت یہ ہے کہ

موصوف نے جنوری ۱۹۲۵ء سے روحانیت کے نام سے ایک صوفیانہ رسالہ بڑی شان سے نکالنا شروع کیا ہے جس میں اپنے خاص انداز میں عقل و نقل، علم و عمل، حقائق قرآنی، روح الاحادیث، فلسفہ امام ربانی، تبصرات سمانی، مکتوبات سبحانی اور اطلاعات سلسلہ وغیرہ کے عنوانات سے اپنے علمی و روحانی فیوض کو وقف عام کیا ہے۔ مولانا کی علمی لیاقت قابلیت، حسن تقریر اور بعض دیگر حضور صفتوں کے ہم معترف ہیں ان کی خدمت میں مدت سے تعارف حاصل ہے اور اس لئے ہم دل سے ان کی کامیابی کے متمنی ہیں اور دعا ہے کہ خدا ان کو توفیق دے کہ وہ استقلال کے ساتھ ملک و ملت کی ہدایت کا صحیح فرض انجام دیں۔"

شادمال

یہ ادبی، اخلاقی تمدنی رسالہ جنوری ۱۹۲۵ء کو بجنور سے نمودار ہوا ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر حکیم نورالحسن صدیقی صاحب تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس رسالہ کی کتابت و طباعت نہایت اعلیٰ درجہ کی تھی کاغذ نفیس تھا۔ ٹائٹل پیج رنگین اور خوشنما ہوتا تھا۔

دسمبر ۱۹۲۵ء کے معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا تھا۔

"رنجستان میں بہار آ گئی اور وہاں بھی اردو کے نونہال نے برگ و ساز پیدا کیا ہے، راجپوتانہ کی مشہور ریاست جے پور سے شادمان نام اردو کا ماہوار رسالہ نکلا ہے حکیم نورالحسن صدیقی اس کے ایڈیٹر ہیں مضامین زیادہ تر ادبی ہیں۔"

سچ، صدق

لکھنؤ سے جنوری ۱۹۲۵ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ مہتمم و مالک مدیر ظفر الملک صاحب علوی رفیق ایڈیٹر مولانا عبدالرحمن رحمن نگرامی اور مولانا عبدالماجد بی اے تھے چندہ سالانہ تین روپے تھا۔

اس اخبار کے نام میں تبدیلی ہوئی سچ کی جگہ صدق اور صدق کی جگہ صدق جدید کی تبدیلی آئی اور اس کے ایڈیٹر مالک بھی آخر میں حضرت مولانا عبدالماجد ہی مقرر ہوئے۔ یہ اخبار اب تک لکھنؤ سے نکلتا ہے جبکہ مولانا عبدالماجد صاحب فوت ہو چکے ہیں۔

اس اخبار کا اشتہار ۲۹ دسمبر ۱۹۲۴ء کے ہمدرد دہلی میں حسب ذیل شائع ہوا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم، خدا کا نام لے کر "سچ" جاری کیا جاتا ہے ان شاء اللہ (جنوری ۱۹۲۵ء) سے ہر ہفتہ کو شائع ہوا کرے گا۔

سچ، عامۃ المسلمین کو انگریزی تعلیم یافتہ اصحاب کو عربی مدارس کے طلبا روشناس کو غرضکہ مسلمانوں کے ہر طبقے کو اسلامی زندگی بسر کرنے کی دعوت دینا چاہتا ہے، مسلمانوں کے سب فرقے اہل سنت والجماعت خصوصاً اس اخبار کو ضرور ملاحظہ فرمائیں، سچ کی سالانہ قیمت تین روپے فی پرچہ ایک آنہ سچ کی قیمت پیشگی آنی چاہیے، وی پی ہرگز نہ بھیجا جائے۔

خادم المسلمین ظفر الملک مہتمم اخبار سچ لکھنؤ۔

صنعت و تجارت

اندرون بھاٹی دروازہ لاہور سے یہ صنعتی و تجارتی رسالہ جنوری ۱۹۲۵ء کو جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل

نکلتا سید محبوب علی شاہ کیمیکل انجینیئر کی ادارت میں نکلتا تھا سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور مورخہ جولائی ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

" یہ مفید رسالہ جناب سید محبوب علی شاہ کی ادارت میں سات ماہ سے جاری ہے رسالہ کی تدوین و تیاری میں ایڈیٹر صاحب محنت و توجہ سے کام لے رہے ہیں اور ہر نمبر پہلے سے مفید اور بہتر ہوتا ہے رسالہ کا موضوع صنعت و تجارت ہے اور اس میں رسالہ کامیاب ہے ہندوستان بھر میں معدودے چند رسائل صنعتی مضامین شائع کرتے ہیں اور ان میں صنعت و تجارت کا احیا لازمی ہوتا ہے پس ہندوستان کی صنعتی و تجارتی ترقی کے لئے بھی مخصوص رسائل و اخبارات کا ہونا ناگزیر تھا۔ الحمد للہ کہ صنعت و تجارت کا وجود اس سلسلہ میں غنیمت ہے۔ ملک میں پڑھے لکھے آدمیوں کو اب ملازمت ملنا محال ہو رہا ہے اس لئے ملک کی آئندہ نسلوں کو صراط مستقیم پر ڈالنے کی غرض سے ان کو صنعت و تجارت کی طرف توجہ دلانی چاہیے اس لئے ہر مدرسہ اور ہر طالب علم کی نظر پر صنعتی اور تجارتی رسائل کا موجود رہنا لازمی ہے تاکہ اوائل عمر ہی سے ان کو اس ضروری شعبہ زندگی کی طرف رغبت رہے اور ضرورت پر وہ اپنے دماغ کو اس کے لئے تیار پائیں۔

ہمیں امید رکھنی چاہیے کہ تمام سرکاری و غیر سرکاری مدارس میں صنعت و تجارت جیسا اچھا رسالہ ضرور خریدا جائے گا اور محکمہ تعلیم اس ضرورت کی طرف مناسب توجہ کرے گا۔"

اورینٹل کالج میگزین

اورینٹل کالج میگزین لاہور کی مشہور
مشرقی درسگاہ اورینٹل کالج کا
آرگن ہے جو ۱۹۲۵ء سے فروری ۱۹۲۵ء

کو سہ ماہی نومبر، فروری، اور مئی میں نکلتا ہے رسالہ دو حصوں میں منقسم تھا
پہلا حصہ عربی فارسی اور اردو، اور دوسرا حصہ سنسکرت، ہندی اور گورمکھی
پر مشتمل تھا، اس رسالہ کے چیف ایڈیٹر پروفیسر محمد شفیع ایم اے اور
حصہ اول کے ایڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی حصہ
سنسکرت ہندی ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم اے پی ایچ ڈی اور حصہ پنجابی
کے بھائی بے انت سنگھ بی اے تھے ۲۰۰ صفحات پر نکلتا تھا سالانہ
چندہ تین روپے اور فی نمبر ایک روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ دسمبر ۱۹۲۵ء جلد ۱۶ میں اس پر یہ
تفصیلی تبصرہ کیا ہے جو درج ذیل ہے۔

اورینٹل کالج میگزین لاہور کی مشہور مشرقی درسگاہ (اورینٹل کالج) کا
ترجمان ہے جو سال میں تین دفعہ یعنی کالج کے تعلیمی سال کے لحاظ سے
نومبر، فروری اور مئی میں نکلتا ہے بالفعل اس کے دو نمبر فروری،
اور مئی کے نکلے ہیں اور نومبر کا انتظار ہے اس رسالہ کا مقصد یہ ہے
کہ علوم شرقیہ کی ترویج اور احیا کی تحریک کو تا حد امکان تقویت دی جائے
اور خصوصیت کے ساتھ ان طلبہ میں شوق تحقیق پیدا ہو جو سنسکرت
عربی، فارسی اور دیسی زبان کے مطالعہ میں مصروف ہیں رسالہ دو
حصوں میں منقسم ہے، پہلا حصہ عربی، فارسی اور اردو، اور دوسرا حصہ
سنسکرت ہندی اور گورمکھی پر مشتمل ہے رسالہ کے چیف ایڈیٹر پروفیسر

محمد شفیع ایم اے ہیں اور حصہ اول کے ایڈیٹر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال ایم اے پی ایچ ڈی، حصہ سنسکرت و ہندی کے ڈاکٹر لکشمن سروپ ایم اے پی ایچ ڈی اور حصہ پنجابی کے بھائی جے اننت سنگھ بی اے ہیں۔ اورینٹل کالج اس وقت خوش قسمت درسگاہوں میں ہے جس سے علوم مشرقیہ کے دو مغربی تعلیم یافتہ ماہرین پروفیسر محمد شفیع اور ڈاکٹر محمد اقبال تعلق رکھتے ہیں۔ اس سے اورینٹل کالج میگزین کی خوش قسمتی کا بھی اندازہ ہو سکتا ہے، رسالہ کے دو نمبروں میں اردو کے پروفیسر محمد شفیع، پروفیسر اقبال، پروفیسر میمن عبد العزیز، پروفیسر حافظ محمود شیرانی کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔ پروفیسر شفیع کا مضمون فرقہ نقطویہ پر، پروفیسر اقبال کا مضمون لسان الغیب کے ماخذ پر، پروفیسر شیرانی کا مضمون رابعہ بنت کعب اولین فارسی شاعرہ، شیخ فریدالدین عطار اور حکایات سلطان محمود پر اور پروفیسر میمن عبد العزیز کا مضمون ابوالعلا اور ابو منصور خازن پر نہایت محنت اور کاوش سے لکھے گئے ہیں گو ان مضامین میں حسب معمول زبان کی شیرینی اور ادائے کی فصاحت نہ ہو مگر تحقیق و تدقیق میں حسب توقع کوئی کمی نہیں ہے اور یہی سبب ہے کہ اگر ان میں تحقیق اور واقعیت کے خلاف ذرا سی چیز بھی نظر آتی ہے تو جی چاہتا ہے کہ کاش یہ معمولی چھائیاں بھی اس خوبصورت چہرے پر نہ ہوتیں۔

رسالہ ماہیہ میرٹھ ۱۳۳۲ء کے صفحہ ۳۰ سے یہ عبارت نقل کرتے ہیں "خطیب باید کہ تسبیح و کمانے در دست گیرد بدان اعتماد کند و عمامہ در دا سر ددر یا یکے ازاں ہر دو سیاہ اختیار کند" اس عبارت سے اول تو

مذہب کا حکم معلوم ہوتا ہے اور موجودہ عمل کا ثبوت نہیں ملتا دوسرے یہ کہ سیاہ پوش ہونا یا عمامہ و چادر دونوں یا صرف عمامہ یا صرف چادر کا سیاہ ہونا دو باتیں ہیں، اسی کے بعد قرآن مجید کی آیت میں مُسَوِّمۃ نوزہ کو مسّوم توزہ لکھا گیا ہے حالانکہ قرآن پاک میں لفظ باب افعال سے ہے نہ کہ تفعیل ہے۔ صفحہ ۱۸ میں پروفیسر اقبال نے ثعالبی کا نام منصور لکھا ہے حالانکہ یہ غلط ہے ثعالبی کا نام عبدالملک اور کنیت اس کی ابو منصور ہے اس قسم کی غلطیاں تو شاید ترجمہ ہی کے لئے مخصوص ہوگئی ہیں۔ پروفیسر اقبال نے عربی مورخین سے ان مورخوں کی تعبیر کی ہے جنہوں نے عربی کو اپنی ادبی زبان قرار دیا ہے خواہ وہ بذات خود عرب ہوں یا نہ ہوں، ادبی زبان سے ان کا مقصود غالباً یہ ہے کہ اپنی تصنیف کی زبان عربی قرار دی ہے ہم اس اصطلاح کو تسلیم کرتے ہیں مگر آگے چل کر صفحہ ۱۹ میں لکھتے ہیں۔ ثعالبی، طبری، جوالیقی اور دیگر عرب مصنفین کی کتابوں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔ عرب مصنفین کی اصطلاح سے کیا مراد ہے اگر خالص عرب نژاد اور مورخین مراد ہیں تو وہ کون ہیں اور ثعالبی، طبری اور جوالیقی میں سے کوئی بھی اس لحاظ سے عرب تھا اور اگر ایسا نہیں تو عربی مورخین اور عرب مورخین کی اصطلاحوں میں باہم کیا فرق ہوگا۔؟ ہم کو سب سے زیادہ حیرت پروفیسر اقبال کے اس حاشیہ کی اس تحقیق پر ہے جو صفحہ ۱۹ اور ۲۰ میں رقم ہے کتاب الاغانی جو خلیفہ الواثق کے عہد کی تصنیف ہے آغانی جیسی مشہور کتاب کی تاریخ میں ایسی فاش غلطی علوم مشرقی کے ایک مغربی حکیم سے حد درجہ حیرت انگیز ہے اگر کسی سیدھے سادے عربی داں مولوی سے یہ غلطی ہوتی تو معافی کے قابل تھی کہ ان بیچاروں کو یورپ کے طرز تنقیدی

مباحث سے دلچسپی نہیں ہوتی، لیکن علوم مشرقی سے ایک ڈاکٹر جس کا بڑا سرمایہ
بھی تنقیدی مباحث ہیں، ناقابلِ عفو ہے خلیفہ واثق نے سنہ ۲۳۲ھ میں
وفات پائی ہے (طبری ۳/۱۳۶۳، ۱۳۶۲ یورپ)، اور اغانی کے مصنف ابو
الفرج اصفہانی کا سال پیدائش سنہ ۲۸۴ھ ہے (معجم الادبا یاقوت)، اور
سالِ وفات ۳۵۶ھ ہے جو مطیع کا عہد ہے، کیا قباحت ہے کہ جو مصنف
خلیفہ واثق کے وفات کے ۵۱ برس بعد پیدا ہوتا ہے وہ اس کا معاصر
ٹھہرایا جائے۔ فارسی کے مشہور محقق پروفیسر حافظ محمود شیرانی اپنے مضمون
کے صفحہ ۳۰ پر دو جگہ الف لیلہ کو الف لیلیٰ لکھتے ہیں ایسی فاش غلطی
ایسے محقق سے بے حد حیرت انگیز ہے دوسرے نمبر کے صفحہ ۱۷ میں
حافظ صاحب کا ایک مشہور مقولہ من عشق و عقب رباعات بات شبہاً میں تے
بڑھا دیتے ہیں اور بات کو فمات لکھتے ہیں جو صحیح نہیں ہے اس رسالہ
کے ذریعہ سے بعض قلمی رسائل اور مخطوطات کی اشاعت کا بھی سامان کیا
گیا ہے مگر ضرورت ہے کہ ہمارے یہاں کا ترہ جس فن کو سالہا سال میں
یورپ سے سیکھ کر آتے ہیں اس کو ہندوستان میں بھی رواج دیں مستشرقین
یورپ کے مستشرقین اس قسم کے چیزوں میں الفاظ اور نسخ کی صحت اعتنا کرتے
ہیں مگر یہ احتیاط ہمارے ان ہندوستانی مستشرقین میں نظر نہیں آئی۔
ص ۲۵ میں "کشف الوریٰ" یقیناً غلط ہے اصل نسخہ میں کہف الوریٰ ہوگا
چاہیئے قافیہ کی رعایت سے کہف الوریٰ کر لیجئے صفحہ ۵۵ میں تجرید
شعر "بر چہ داین رہ نورد درخواست" چھپا ہے حالانکہ آخری لفظ درخواست
کی بجائے درخوراست ہے صفحہ ۸۹ میں "استاذ دھلوک" چھپا ہے حالانکہ
استاذ دھلوک چاہیئے صفحہ ۹۱ میں ع نگاہِ شفقتِ اقبال شفائے ناتواں

میں بیش تشنہ نہ آئے تاکہ اس میں ، ہونا چاہیئے اس قسم کی خردہ گیریوں سے ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے مسلمان مستشرقوں سے اسی احتیاط کمال اور صحت کی توقع رکھتے ہیں جو یورپین مستشرقین کا تقاضائے فخر ہے۔

" یہ میگزین خدا کرے عمر دراز پائے کہ اردو کو ان تشنہ کامان علم کے چشمۂ فیض سے بہت کچھ سیراب ہونا ہے ہم اس رسالہ کے اجراء پر اورینٹل کالج کو مبارکباد دیتے ہیں اور اپنے دوستوں کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ ان کی زبان ان کی اعانت کی سخت محتاج ہے۔

امامیہ گزٹ

یہ ماہوار رسالہ شیعہ حضرات کا آرگن ہے جو مارچ ۱۹۲۵ء کو مہدی منزل مبارک پور ضلع انبالہ سے ظہور پذیر ہوا۔ عام طور پر ۳۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر سید مہدی اکبر زیدی الواسطی تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ پرکاش اسٹیم پریس سرکلر لاہور میں طبع ہوتا تھا اس رسالہ کے سرورق پر کبھی کوئی آیات قرآنی اور کبھی کوئی شعر درج ہوتا تھا۔ سن ۱۹۲۷ء کے شمارے کے سرورق پر یہ شعر درج ہے۔

نام مہدی لے کہا جب عقدۂ غیبت کو حل
کوہ سے آئی صدا حی علیٰ خیر العمل

اس رسالہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل تھے۔

۱۔ توحید و رسالت و امامت کے فضائل و انکشافات
۲۔ اسلامی آداب و اخلاق و احکام کا نشر
۳۔ مذہب حقہ شیعہ کی حمایت و ترقی۔
۴۔ امامیہ مشن لیگ کی تعلیمی اور تبلیغی خدمات کے آثار

۵۔ ادارت مذہبی دنوی کی ترتیب وتنظیم

یہ رسالہ شیعہ مذہب کا آرگن مترود نظارہ اور ان کے عقائد کی بھی تبلیغ کرتا تھا۔ لیکن اس کی پالیسی صلح کن تھی۔ شیعہ و سنی حضرات میں اتحاد کا حامی تھا۔ اور متحد کرنے کی کوشش بھی کرتا تھا۔

نثر کے ساتھ نظم کا بھی حصہ تھا۔ منقبت حضرت علی اور حضرت امام حسین پر کافی نظمیں چھپتی تھیں۔ اس کے مضمون نگار سید ابوتراب صاحب محمد عسکری، مہرجالسی، مولوی سید یحییٰ حسن (سامات) مولوی محمد علی صاحب ماہر امرتسری، مولوی سردار علی وغیرہ تھے۔

گلکدہ

گلی لواہان بریلی سے اپریل ۱۹۲۵ء کو یہ علمی و تنقیدی رسالہ جاری ہوا۔ شروع میں ۳۲ صفحات میں نکلتا تھا، بعد میں صفحات میں اضافہ ہوتا چلا گیا اس کے ایڈیٹر مولوی محمد اعتماد الدین احمد عرش فاروقی تھے مطبع منگل پرنٹنگ ورکس بریلی میں چھپتا تھا۔ خیبہ رسالہ دو ورق کا تھا سرورق پر یہ مصرعہ درج ہوتا تھا ۔

یک چمن معنی کا ہے خوشتر

اس کے قواعد وضوابط حسب ذیل تھے۔

۱۔ گل کدہ ہر انگریزی مہینہ کی پہلی تاریخ کو دفتر رسالہ گل کدہ بریلی سے شائع ہوا کرے گا۔

۲۔ اس مرتبہ گل کدہ کی ضخامت ۳۲ صفحات میں محدود رہے گی اشاعت کے بعد آئندہ اس سے اضافہ ہوگا،

۳۔ وہ مضمون جس میں ادبی عنصر غالب نہ ہو درج رسالہ نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ وہ مضامین نظم و نثر جس کا معیار پست ہوگا، داخل دفتر کر دیے جائیں گے۔

۵۔ اجرت طلب مضامین کا معاوضہ ان کی نوعیت پر موقوف ہے اس کے متعلق مدیر صاحب سے گفتگو کرلی جائے۔

پہلے شمارہ اپریل سنہ ۱۹۲۵ء میں عرض حال کے عنوان کے تحت رسالہ کے اغراض و مقاصد کے لیے روشنی ایڈیٹر صاحب نے ڈالی ہے اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔

" گل کدہ ایک خاص نصب العین حیات رکھتا ہے اس کا سب سے بڑا مقصد احیائے تنقید اور ترویج تنقید ہے علامہ شبلی وغیرہ دو ایک بزرگوں نے بہت پہلے اس ضرورت کو محسوس کر لیا تھا۔ اور واقعہ یہ ہے کہ شبلی کی عملی کوششوں سے عام دنیائے ادب کو سب سے پہلے تنقید عالیہ کے صحیح مفہوم سے آشنا ہوئی مگر ہمارے خیال میں عام طور پر تنقید ابھی تک وجود پذیر نہیں ہو سکی، ہوئی ہو لی مگر سیکارشنیسٹوں کا اثر برابر بنا جا کر فائدہ اٹھا رہا ہے گل کدہ کا سب سے پہلا اور سب سے اہم فرض یہی ہے کہ وہ اس کا پر زور تدارک کر سکے

خاتمہ کلام پر یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باستقامت توفیق کار عطا فرمائے اور جو مقاصد اس گل کدہ ادبی سے وابستہ ہیں وہ ثمر آفریں ثابت ہوں۔

پہلے شمارہ کے ۳۲ صفحات تھے جن میں حسب ذیل آٹھ مضامین اور غزلیں تھیں جو بلحاظ معیار کے تھے جن کے عنوان یہ تھے۔

۱۔ عرض حال۔ (۲) مستقد میں شعراء اردو، (مدیر) ۳۔ بی گلبدن جان

(مخفی) (۴) گلدستہ (ادبیہ) (۵) جمریات درد، جناب ابوالکمال آزاد سہسوانی بریلوی (۶) یادداشت رنگ (۷) فرسودۂ غالب (غیر مطبوعہ) (۸) غزل (ادبیہ)

متقدمین شعرا اردو میں ولی، مصحفی، جرأت اور انشاء کے کلام پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، مضمون کی ابتدائی عبارت یہ ہے۔

"قدمائے اسلام کا کلام سادگی، حلاوت، کیف اور سوز کے لحاظ سے ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے اور لائق رشک مثال، ان کی شاعری زیادہ تر ان تاثراتِ ذہنی کی آئینہ دار ہے جو ایک درد بھرے دل کا پُر افتخار کارنامہ کہے جانے کا مستحق ہیں ان کا دلی ناکام غم کھانے میں بہت بودا ہے لہذا وہ اپنے ماحول سے متاثر ہوتے بغیر نہیں رہتے بالفاظ دیگر وہ اپنے جذبات اور معاملات کو ادا کرتے ہیں مگر کچھ اس طرح کہ دل درد آشنا میں ایک اور ارتعاش پیدا ہو جاتا ہے۔

ولی کے اشعار بطور نمونہ چند حسب ذیل تحریر کئے ہے

بیوفائی نہ کر خدا سوں ڈر — جگ ہنسائی نہ کر خدا سوں ڈر
آرسی دیکھ کر نہ ہو مغرور — خود نمائی نہ کر خدا سوں ڈر
ہے جدائی میں زندگی مشکل — آ جدائی نہ کر خدا سوں ڈر

اے ولی غیر آستان یار
جبہ سائی نہ کر خدا سوں ڈر

ان اشعار پر یہ تبصرہ ملاحظہ ہو۔

یوں تو از مطلع تا مقطع ہر شعر ایک مغفرت ستائش کا مستحق ہے۔ مگر تاہم خصوصیت کے ساتھ شعر سوئم قابلِ توجہ ہے جس میں نہایت

بے تکلفی اور بے ساختگی کے ساتھ ایک حسرت انگیز جذبہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ "آہ جدائی لیکر" کا لطف کچھ اہل ذوق ہی جان سکتے ہیں،

"یہ گلبدن جان والے" مضمون میں ایک طوائف کے عشق اور اس کے دلدوز واقعہ ناصحانہ انداز سے تحریر کیا گیا ہے "پاداش رنگ" والے مضمون میں ایک کارخانہ سے ایک متعصب انگریز کے ظالمانہ کردار کو بیان کیا ہے یہ رسالہ آزاد خیال رسالہ تھا۔ انگریزوں کے مظالم بیان کرنے سے جھجکتا نہیں تھا

ہادی یہ ماہانہ رسالہ ۵ مارچ ۱۹۲۵ء نومبر ۱۹۲۵ء سے جلوہ افروز ہوا ۳۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے سرپرست و ایڈیٹر مولانا یوسف حسین صاحب تھے، سالانہ چندہ ڈھائی روپیے تھا۔

یہ رسالہ شیعہ حضرات کا آرگن تھا۔ اس میں جیبی کتابیں بالاقساط شائع ہونی شروع ہوئیں، امامیہ گزٹ مبارک پور کے شمارے جولائی ۱۹۲۶ء میں اپیل کی گئی کہ مومنین کو اس علمی ذخیرے کی قدر کرنی چاہیئے اور دل و جان سے اس کی خریداری کی درخواست بھیجنا چاہیئے۔

سودمند علی گڑھ سے یہ ماہانہ رسالہ جون ۱۹۲۵ء کو جاری ہوا، ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا اس کے آنریری ایڈیٹر سید جعفر حسین تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ نومبر ۱۹۲۶ء سے سید طفیل احمد صاحب کا نام ادارت میں چھپنے لگا تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

سود بہبود اہل فلاح قوم ہے مجھکو پسند
قوم کا خادم ہوں میں ہے نام مرا سودمند

اس رسالہ کے اغراض ومقاصد یہ تھے۔

۱۔ افراد قوم کو ترغیب دینا کہ وہ سادہ اور طریقہ بیانہ زندگی بسر کرکے مسلمانوں کو افلاس و گداگری کی مصیبت سے نجات دلائیں۔

۲۔ مسلمانوں کو آمادہ کرنا کہ وہ زیادہ سے زیادہ روپیہ انجمن ہائے امداد باہمی قومی اور ملکی بنکوں اور ہر قسم کے کاروبار میں لگائیں جس سے عام شرح سود گھٹ کر ملک سے ربا کو جو برباد کن اور حرام ہے مٹائے۔

۳۔ فضول اور برباد کن رسم و رواج کی اصلاح کرنا اور کفایت شعاری کے طریقے بتانا۔

۴۔ مختلف مقامات کے مسلمانوں کی اقتصادی اور کاروباری حالت کے متعلق معلومات پیش کرنا اور مختلف کاروبار اور تجارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرنا۔

۵۔ مسلمانوں کی صحت جسمانی، ذہنی ترقی اور عام بہبودی کے متعلق مضامین شائع کرنا۔

یہ رسالہ سود منفرد، سود لینے دینے کو جائز سمجھتا تھا اس سلسلہ میں مضامین بھی شائع کرتا تھا۔ اور ایک رسالہ جواز سود مع فتاویٰ بھی شائع کیا تھا۔ جس میں مختلف طور پر سود کی حقیقت ربا اور سود کا فرق، تجارتی سود کے جواز کی صورتیں مع علمار کرام کے فتووں کے پیش کی گئی ہیں۔

ایک رسالہ اپریل ۱۹۲۵ء پر نظر ڈالئے۔

شہر دہلی کے مسلمان تانگے والے اور سود کا چکر۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے، گورنمنٹ پنجاب کی طرف سے موزہ باقی کا ایک سرکاری

حکومتِ ہند کی آمد و خرچ کا سالانہ حساب، میں قبیل کیوں مشہور ہوا، ہنی کے میلے کی تجارت اور ہندوستانی صنعتی ترقی میں صوبہ پنجاب اور بنگال کا مقابلہ، رسومِ بے جا اور ساہوکاروں کا اسراف، اخبار بننے کی ترکیب، درختوں سے مصنوعی ریشم کی پیداوار حاصل کرنے کا عمل، زراعت پیشہ اشخاص کی مصیبت)

مدبر

یہ روزانہ اخبار کلکتہ سے جولائی ۱۹۲۵ء کو شائع ہوا
چار صفحوں پر نکلتا تھا۔ مسعود حسن زبیری اس کے
ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے اور فی پرچہ ایک پیسہ
قیمت تھی۔

اس روزانہ اخبار نے چند دنوں میں وہ شہرت و مقبولیت حاصل کر لی تھی کہ ہر اخبار اور ہر رسالہ کے ایڈیٹر نے اس کو پسند کیا تھا اور اپنے اخبارات و رسائل میں مدبر پر اچھے تبصرے شائع کئے۔ اخبار ہمدرد دہلی بھی پیچھے نہیں رہا اس کے ایڈیٹر مولانا محمد علی جوہر نے بھی اس اخبار کو پسندیدہ نظر سے دیکھا اور ۳۰ر اگست ۱۹۲۵ء کے شمارے میں یہ ریویو فرمایا

کلکتہ سے ایک نیا روزانہ اخبار مدبر شائع ہونا شروع ہوا ہے اخبار کا سائز روزانہ اخبارات کے سائز سے بہت چھوٹا ہے لیکن اسی نسبت سے اس کی قیمت بھی بہت مختصر ہے یعنی سالانہ چندہ چھ روپے ہے اور فی پرچہ ایک پیسہ، اس وقت تک جتنے نمبر ہماری نظر سے گزر چکے ہیں وہ مسعود حسن زبیری کے حسنِ مذاق کا پورا ثبوت ہے اس قدر کم قیمت پر اس قدر قیمتی مضامین اخبار کو مستحقِ ستائش بنا دینے کے لئے کافی ہیں۔

اکبر

انجمن دار الادب الہ آباد کی طرف سے ایک ماہنامہ ستمبر سنہ ۱۹۲۲ء کو نکلنا شروع ہوا۔ ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب شہاب الدین شرقی بی اے، جناب حسین احمد کشفی بی اے، سید طالب علی چودھری، سید افضال احمد اور جناب اسرار احمد تھے۔ سالانہ چندہ ساڑھے چار روپے تھا۔

اس رسالہ پر حسب ذیل پرنٹنگ ورکس لاہور سے مطبوعہ ۱۹۲۲ء میں چھپا تھا۔

انجمن دار الادب الہ آباد کی طرف سے ایک ماہوار رسالہ اکبر جاری ہوا ہے جس کا پہلا نمبر ہمارے سامنے ہے۔ لکھائی چھپائی گوارا ہے۔ رسالہ کے مدیروں میں شہاب الدین شرقی بی اے، حسین احمد کشفی بی اے، سید طالب علی چودھری، افضال احمد اور اسرار احمد کے نام لکھے ہیں۔ مضمون نگاروں میں مشہور اہل قلم کے نام موجود ہیں۔ یہ رسالہ ہندوستان کے مشہور شاعر اکبر الہ آبادی کی یادگار میں جاری کیا گیا ہے۔ اس نمبر میں سب سے اول ایک مکتوب اکبر شائع ہوا ہے اور آئندہ جناب اکبر کا غیر مطبوعہ کلام شائع کرنے کا ارادہ ہے۔ ان کے علاوہ معمولی مقالات اور ڈراموں کے علاوہ ایک ناول مسلسل ترجمہ بھی داخل کیا گیا ہے۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا ہے۔

الہ آباد کا جیالا اکبر اب اس عالم آب و گل میں نہیں لیکن اس کی سمت سے ایک کاغذی اکبر اس کی یادگار میں ہے۔ ستمبر میں اس کا پہلا نمبر اور نومبر میں دوسرا نمبر چھپا ہے۔ الہ آباد کی آب و ہوا میں اردو اخبارات

رسالوں کو راس نہیں آتی، ادیب کے بعد سے کئی رسالے یہاں سے نکلے مگر
نہ جی سکے معلوم اکبر الہ آبادی کیا شعر کہتے تھے کہ

یہاں دھرا کیا ہے بجز اکبر کے

سوا اکبر اور امرود کے، خدا کرے کہ ترقی ہو یہاں کا امرود آگرہ [illegible]
[illegible] اکبر [illegible] رسالہ شائع [illegible]
[illegible] کے [illegible] کہ اس کے [illegible] صفحہ [illegible]
[illegible]
[illegible] ادیب [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] اکبر مرحوم کے [illegible]
[illegible] صفحہ [illegible]
[illegible]
[illegible] الہ آباد [illegible]
[illegible]

انتخاب

یہ ماہانہ رسالہ اکتوبر ۱۹۲۵ء کو لاہور سے نمودار ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب ابوالمعانی اختر شیرانی افغانی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ پانچ روپئے

تبصرہ –

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

جناب ابوالمعانی اختر شیرانی افغانی نے انتخاب کے نام سے رسالوں کے منتخب مضامین کا ماہوار مجموعہ لاہور سے شائع ہونا شروع ہوا ہے، ماہ نومبر میں دوسرا نمبر نکلا ہے جس میں اکابر صاحبوں کے مختلف پرانے نظم و نثر مضامین کو دوبارہ چھاپا گیا ہے، ساتھ ہی دلچسپ گل، معلومات عامہ، دیگر زبان، تلمیحات، آثار قدیمہ، تحفۃ اللغۃ، روح انتخاب، فکاہات، مختصر معمہ کے مستقل عنوانات ہیں۔ کام اچھا ہے مگر ضرورت ہے کہ انتخاب میں حسن ذوق اور سلامت رائے سے کام لیا جائے ورنہ ڈر ہے کہ انتخاب اچھا ہو کر نہ رہ جائے اسی قسم کی کوشش زبدۃ الرسول کے نام سے علی گڑھ سے کی گئی تھی مگر ناکام رہی، یہ بھی مناسب ہے کہ صرف مضمون نگاروں کے ناموں پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اصل رسالہ کا بھی مع نمبر نام دیا جائے ورنہ شبہ رہتا ہے کہ صاحب مضمون کا یہ نیا مضمون ہے یا یہ کوئی پرانا مضمون ہے اسی طرح اس کے لیے حصول اجازت کی بھی اخلاقاً ضرورت ہے۔

کائنات

محمد انصار پانی پت سے یہ رسالہ اکتوبر ۱۹۲۵ء وجود میں آیا ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا شیخ محمد اسماعیل

صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ ایک روپیہ آٹھ آنے تھا۔ محبوب المطابع دہلی میں چھپتا تھا۔

سہیل علی گڑھ سے یہ سہ ماہی رسالہ ۱۹۲۲ء کو جاری ہوا۔ ۱۲۲ صفحات پر نکلتا تھا رشید احمد صدیقی بانی و ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپے تھا اور فی پرچہ کی قیمت دو روپے تھی۔

رسالہ سہیل پر اخبار ہمدم کے ۲۷ ستمبر ۱۹۲۲ء کے شمارے میں حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

علی گڑھ میگزین کی تقریب اشاعت کے سلسلے میں یہاں بہت سی دلچسپیاں پیدا کی گئی تھیں، وہاں اس مقصد سے پروفیسر رشید احمد صدیقی کی تجویز سے اور ان ہی کی زیر ترتیب و اہتمام انجمن اردوئے معلی مسلم یونیورسٹی نے اپنا سہ ماہی رسالہ سہیل بھی شائع کیا۔ انجمن اردوئے معلی کی بنیاد مولانا حسرت موہانی نے زمانہ طالب علمی میں کالج میں رکھی تھی اور اسی زمانے میں انجمن کا اردوئے معلی کے نام سے ایک رسالہ بھی نکالا تھا۔ رسالہ تو مولانا کے زیر ادارت کسی نہ کسی طرح نکل رہا ہے لیکن انجمن تھوڑے عرصے کے بعد ختم ہو گئی تھی۔ مسلم یونیورسٹی نے سال گذشتہ پھر اسی نام سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی بلکہ رشید احمد صدیقی کے الفاظ میں اسی انجمن کا احیاء ہوا اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی طے پایا کہ انجمن ایک رسالہ بھی نکالے گی مگر گذشتہ سال بوجوہ رسالہ کا اجراء نہ ہو سکا، لیکن امسال جوبلی کے سلسلے میں رشید احمد صدیقی کو اپنے ارادوں میں کامیابی ہوئی اور سہیل بڑے اہتمام سے شائع ہوا۔ رسالہ کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہیں۔

کوکب

یہ ماہانہ رسالہ گونڈا (اودھ) سے ۱۹۲۵ء کو ظہور پذیر ہوا۔ محمد علی صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ صرف ڈھائی روپے تھا۔

سراج

یہ ماہانہ رسالہ ملتان سے ۱۹۲۵ء میں جاری ہوا، قمر جہاں بیگم کی ایڈیٹری میں ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ یا اخبار ہمدرد دہلی نے ۱۵ مارچ ۱۹۲۵ء کے شمارے میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

یہ ایک زنانہ ماہوار رسالہ ہے جو ملتان سے قمر جہاں بیگم کے زیر ادارت نکلتا ہے ہندوستان کی خواتین اور بچیوں کے لئے ایسے رسائل کی ضرورت ہے جن میں پاکیزہ دلچسپ اور مفید مضامین شائع ہوتے ہوں کہ ہماری جنس ایسے فخر کے دعویداروں نے جیسب فاسغ ہوں تو وہ ان رسائل کے ذریعے سے یہ بات ممکن کر دنیا میں آشکار کیا جا رہا ہے، اب تک دو تین شماروں میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں، دلچسپ پاکیزہ شستہ اور پر از معلومات ہوتے ہیں

نشتر

احمد آباد سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو صدق افروز ہوا ۴۷ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب عیسیٰ خاں نشتر اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پیارے رسول کا نمبر سرورق جنوری و فروری ۱۹۲۵ء میں بہ ذریعہ پیش کیا تھا۔

"سرپنچ افغاناں جناب عیسیٰ خاں نشتر نے احمد آباد سے اس

ادبی، اخلاقی، مذہبی رسالہ کو جاری کر کے اردو زبان کی ایک بڑی خدمت
انجام دے رہی ہے۔ احمد آباد گجرات، حضرت ولی دکنی کا مدفن اور اردو شاعری
کا ایک قدیم مرکز ہے۔ امید ہے کہ عیسیٰ خاں صاحب زبان کے حق میں اہم
ثابت ہوں گے اور ان کی کوشش سے ریختۂ دکن کے قالب میں دوبارہ جان پڑ جائے گی

سائنس کی صدا یہ صوفیانہ رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۴ء کو جلوہ فگن ہوا۔ ۲۴ صفحوں پر سیوائی پرشاد کی ادارت میں نکلتا تھا۔ ڈیڑھ روپیہ سالانہ چندہ تھا۔

اس رسالہ میں مذہبی و اخلاقی مضامین بھی چھپتے تھے اور تصوف کے اکثر مضامین شائع ہوتے تھے۔

مسلم گزٹ کلکتہ سے یہ روزنامہ اخبار ۱۹۲۵ء کو ظہور پذیر ہوا چار صفحات پر مشتمل تھا اس کے مدیر جناب محمد اسحاق صاحب امرتسری تھے اس کا سالانہ چندہ آٹھ روپے تھا۔

یہ اخبار مسلم لیگ کا سرگرم ترجمان تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ اپنے قلم کاروں کو معاوضہ دیا کرتا تھا جس کا آج کے زمانے میں کوئی چلن یا دستور نہیں ہے۔

پروین یہ ادبی رسالہ ۱۹۲۵ء میں آگرہ سے ظہور پذیر ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا بابو پرسود دیال شام اکبرآبادی کی ادارت میں نکلتا تھا۔

فرشتہ یہ ہفتہ وار اخبار آگرہ سے ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا، خواجہ ستار الحسن شاہ جمیل اکبر آبادی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار میں آگرے کی خبریں کم اور اسلامی ممالک کی خبریں زیادہ ہوتی تھیں علمی وادبی اور اصلاحی مضامین شائع ہوتے تھے۔

خواجہ ستار الحسن شاہ جمیل اکبر آبادی پیرزادہ جمیل کے والد ماجد خواجہ شاہ محمد حسین صاحب تھے ان کی ڈپٹی امداد علی سے قرابت داری تھی، اخبار فرشتہ کے مالک اور مدیر تھے، شاعرانہ شوق رکھتے تھے مولانا سیماب کے شاگرد تھے۔

ہر خار میں وحدت کے آثار نظر آئے
ہر گل میں جمیل اس کی تصویر نظر آئی

دربار یہ علمی وادبی، تاریخی تمدنی اور سیاسی واصلاحی اخبار ۱۹۲۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ دس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مفتی انتظام اللہ شہابی اکبر آبادی تھے۔

یہ اخبار آگرہ میں اپنے علمی وادبی تاریخی ومعلوماتی مضامین کی وجہ سے بہت جلد مشہور ہوگیا تھا۔ اور علمی طبقہ میں قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ شہابی صاحب بڑی محنت سے اس اخبار کو مرتب کرتے تھے ان کی وجہ سے اس اخبار میں ملک کے مشہور ومعروف

مضمون نگار اپنے مضمون شائع کراتے تھے اور وہ اس اخبار کی زینت بنتے تھے۔

سرحد

یہ روزنامہ ۱۹۲۵ء میں پشاور سے جاری ہوا، چار صفحات پر نکلتا تھا۔ جناب اللہ بخش یوسفی اس اخبار کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا

اس اخبار کے نکالنے سے یوسفی صاحب کی بڑی عزت ہوئی آپ کو سرحد کا بابائے صحافت کہا جانے لگا۔ آزادی وطن کے لئے آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ سرحد کے اجراء کی کوششوں کے بارے میں خود اللہ بخش یوسفی تحریر کرتے ہیں۔

"میں نے ۱۹۱۹ء کے شروع میں اخبار جاری کرنا چاہا مردان سے مولوی گل کا خیل نے ایک مذہبی ماہنامہ کی اجازت مانگی تو حکومت نے تحریر لکھ کر دی کہ حکومت اس وقت کسی اخبار یا رسالہ کے اجراء کو ضروری خیال نہیں کرتی چنانچہ جب ایک مذہبی پرچے کی اجازت نہیں دی گئی تو سیاسی پرچے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ میں نے بلا کسی درخواست دیئے "حالات سرحد" کے نام سے ایک پمفلٹ شائع کرنا شروع کر دیا یہ ایک ہزار کی تعداد میں چھپتا اور اس کی قیمت دو آنے بارہ پیسے تھی خلافت کے رضا کار اسے لے کر آتے اور پہلا پرچہ نصف گھنٹے میں فروخت کر آتے یہ پمفلٹ شانتی پریس راولپنڈی میں چھپتا تھا ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد پولیس نے قومی کارکنوں کو گرفتار کیا اور شانتی پریس میں چھاپہ مار کر دوسرے شمارے کی کاپیاں ضبط کر لیں دو رسال تحریک سے تعبد نکلا تو ایک ماہنامہ کی اجازت مانگی ۱۹۲۵ء میں سرحد کے نام

سے پہلا رسالہ شائع کیا۔ جس کے اجرا پر اولین پیغام مولانا ابوالکلام آزاد کا تھا۔ کوئی لمحہ ایسا نہ گزرتا تھا کہ وارننگ نہ ملتی، بلکہ ایک نہ ایک مقدمہ قائم ہو جاتا تھا۔ سرحد کا مقبول اخبار تھا اور پڑھے لوگوں کا خاصہ حلقہ اس کا خریدار تھا۔

سرحد کے مقابل ایک طرف حکومت کا اخبار "اصلاح سرحد" تھا دوسری طرف مہاسبھا کے ایما پر فرانٹیئر ایڈوکیٹ تھا۔ سرحد کو روزنامہ بنانے کے بعد اس کی چھپائی کا مسئلہ تھا، ایک دستی پریس لگایا۔ چھوٹے سائز کے دو صفحے روزانہ شائع ہوتے۔ بعد میں اس میں طباعت کا نظام بہتر ہو گیا۔ ۲۲×۱۸ کے آٹھ صفحوں پر شائع ہونے لگا۔ اول دنوں میں ٹریڈل کا کوئی پریس چھاپنے کے لئے تیار نہ تھا[1] فارغ بخاری اس پرچے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

اخبار کا پہلا نام حالات سرحد تھا۔ بعد میں یہی اخبار سرحد کے پہلے ہفت روزہ اور روزنامے کی صورت میں جاری ہوا۔ حکومت کی قرقیوں اور ضبطیوں کے باوجود نہایت حوصلہ مندی سے جاری رہا ہر دل عزیز ہونے کے باوجود نہایت حوصلہ مندی سے جاری رہا اور ہر وقت موت اور حیات کی کشمکش میں مبتلا رہا سرحد کی سیاسی بیداری میں اس کا بڑا ہاتھ ہے اس کے مالک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور عوام بھی دل کھول کر ہر موقع پر اپنے صبر با صفا کی مدد کرتے رہے یہ پرچہ کم از کم ۱۴ برس تک پوری باقاعدگی سے نکلتا رہا۔ روزنامہ سرحد کی قرقیوں اور ضبطیوں

---

[1] صحافت صوبہ سرحد میں ص ۵

کوئی شمار کا نہ ہی نہ تھا۔ اگرچہ یہ سرحد کا اولین اخبار نہیں تھا۔ لیکن باقاعدگی
اور معیار کے اعتبار سے اسے اولیت رہی اس کے علاوہ اس نے
طویل زندگی میں ۴۷ برس پائی۔ اس اخبار میں ممتاز صحافی یہاں کام کرتے
رہے جس میں باری علیگ اور مرزا نسیم بیگ چغتائی شامل ہیں۔

۱۹۳۰ء میں جب اللہ بخش بھی جانے لگے تو سرحد کا انتظام
ایک پرانے سیاسی کارکن اور اپنے بھائی رحیم بخش غزنوی کو سونپ گئے
اس طرح اخبار سرحد کا دوسرا دور شروع ہوا ۱۹۳۱ء میں اللہ بخش یوسفی
نے سرحد کا ماہانہ ادبی ایڈیشن نکالنا شروع کیا جو ہر اعتبار سے بلند پایہ مجلہ تھا
اس کے مضامین ٹھوس اور جاندار تھے کاغذ کتابت و طباعت اور ترتیب
عمدہ تھی ادبی معیار بھی بلند تھا، سرحد ماہانہ ایک سال تک نہایت کامیابی
سے نکلتا رہا۔ ڈاکٹر لعل بہا نے سرحد کے بارے میں اپنی یہ رائے دی تھی۔

۱۹۲۵ء میں یوسفی کا سرحد منصۂ شہود پر آیا جو ایک اردو ماہنامہ
تھا اور بہت جلد پرچے نے ایک اچھے نقاد پرچے کی شہرت حاصل کر لی
بعد میں اسے ہفتہ وار سپر روزنامہ بنا دیا گیا جو پشتو میں چھپتا تھا ۱۹۲۷ء
میں یہ بند ہو گیا۔ تاہم ۲ ماہ بعد جنوری ۱۹۲۸ء میں پرچے نے اپنا
سفر اشاعت دوبارہ شروع کر دیا اس وقت اس کی اشاعت سو دو سو تھی۔

سرحد بعد ازاں ۱۹۴۷ء تک شائع ہوتا رہا جب قیام پاکستان
کے بعد قیوم خان وزارت نے اس کے مدیر رحیم بخش غزنوی کو سیفٹی ایکٹ
کے تحت گرفتار کیا اور روزنامہ سرحد کا ڈیکلریشن ضبط کر لیا گیا ایک سرکاری
رپورٹ کے مطابق روزنامہ سرحد انگلی سماجی اور مذہبی معاملات پر تبصرہ
کیا کرتا تھا جن سے صوبہ سرحد کے مسلمانوں کا کسی صورت سے تعلق تھا۔

یہ پرچہ ہندوستان کی آزادی اور صوبہ سرحد میں اصلاحات کرنے کے نفاذ کا حامی تھا اخبار صوبے میں میونسپل کمیٹیوں کے انتخابات کرانے کا مطالبہ کرتا رہا اور تحریک خلافت کے امیدواروں کی حمایت کرتا تھا ۱۹۲۲ء میں اخبار سرحد کی اشاعت معطل ہو گئی۔

اخبار کے صفحہ اول پر یہ عبارت شائع ہوتی تھی۔

"صوبہ سرحد، بلوچستان اور افغانستان کا سب سے پہلا اور مقبول و کثیر الاشاعت اخبار۔"

اللہ بخش یوسفی

یوسفی صاحب ۱۸۹۱ء کو پشاور میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان چلے گئے وطن واپس ہونے کے بعد انھوں نے ڈائریکٹری کالجیٹ میں ملازمت کی لیکن بعد میں ملازمت ترک کر کے سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا انھیں پہلی بار ۱۹۱۹ء میں رولٹ ایکٹ کے خلاف تحریک میں گرفتار کیا گیا جب آپ نے اپنے اخبار سرحد کا اجراء کرنے لگے تو صاحبزادہ عبدالقیوم خان نے انھیں منع کر دیا۔

"یوسفی تم آگ سے کھیل رہے ہو بہادر، آئی، سی، ایس کا امتحان دے کر کوئی اچھی سی ملازمت کر لو۔"

ان کا اخبار تحریک خلافت کا زبردست حامی تھا جب آپ جیل سے رہا ہوئے تو مولانا محمد علی جوہر نے انھیں بمبئی طلب کیا اور آل انڈیا خلافت کمیٹی کا سیکرٹری مقرر کیا اور انھیں روزنامہ خلافت کی ادارتی ذمہ داریاں بھی تفویض کیں یہ اخبار مولانا شوکت علی کی ملکیت تھا۔ انھوں نے بمبئی

سے روزنامہ سرحد ایک انگریزی روزنامہ "پروگراس" اور ہفت وار "فرنٹیئر شیلڈ" بھی لگانے کی کوشش کی ۔

اللہ بخش یوسفی نے "فرنٹیئر ٹریجڈی" کے نام سے ایک پمفلٹ لکھا جس میں ۲۳ اپریل ۱۹۳۰ء کو قصہ خوانی بازار میں نہتے عوام پر ظالمانہ فائرنگ پر شدید نکتہ چینی کی اس پر ان کے خلاف تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۴ کے تحت کارروائی کی گئی ۔

قائداعظم نے جب ۱۹۳۶ء میں آل انڈیا مسلم لیگ پارلیمانی بورڈ قائم کیا تو آپ کو اس کا رکن مقرر کیا ۔ قائداعظم کے مشورہ پر ہی انہوں نے ۱۹۳۷ء میں "ہلال پاکستان" کے نام سے ایک اردو روزنامہ جاری کیا اس کے تمام اخراجات قائداعظم نے برداشت کئے ۔

صوبہ سرحد میں سردار اورنگ زیب خان کی مسلم لیگی وزارت کے قیام کے بعد انہیں حکومت سرحد کا پبلسٹی آفیسر مقرر کیا گیا اور وہ سرکاری جرائد "اطلاعات" اور "انفارمیشن" کی ادارت کے فرائض ادا کرتے رہے لیکن آپ زیادہ دیر تک حکومت کے ساتھ نہ چل سکے اس لئے ملازمت چھوڑ کر بمبئی میں چلے گئے ۔

تقسیم ملک کے بعد آپ کراچی میں مقیم ہو گئے اور سہ روزہ "استقلال" کی ادارت سنبھال جو انجمن اتحاد پختون کراچی کا ترجمان تھا آپ ۱۹۵۰ء میں "مشعل راہ" اور "ہلال" کے مدیر بھی رہے ۔

۱۹۶۱ء کی ایک سرکاری رپورٹ میں سرحد اخبار کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ، اشاعت ۸۰۰ ، سالانہ چندہ بارہ روپے مالک و مدیر ، رحیم بخش ، پالیسی کانگریس کا مخالف اور لوکل معاملات کا حامی

۱۹۱۲ء کی رپورٹ کے مطابق اشاعت آٹھ سو، سالانہ چندہ بیس روپے اور پالیسی مسلم لیگ کے حق میں ہے۔

۱۹۱۴ء کی رپورٹ کے کوائف بھی وہی ہیں، سوا پالیسی کے جو مسلمانوں کے حق میں اور برطانیہ سے متعلق آزادانہ بتائی جاتی ہے۔

افغان

یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۵ء کو ظہور پذیر ہوا۔ یہ دس صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے مدیر حکیم آزاد گل تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ اس رسالہ کا پہلا شمارہ اردو، پشتو اور فارسی، عربی میں شائع ہوا۔ حکیم آزاد گل فاضل و تجربہ کار صحافی تھے اور ان کا تعلق کاکا خیل قبیلہ سے تھا، ان کے اخبار کی اشاعت پانچ سو تھی۔

حکیم آزاد گل نے اپریل ۱۹۲۲ء میں ایک رسالہ کے ڈکلریشن کے لئے درخواست دی جسے منظور نہیں کیا۔ بلکہ حکومت نے تحریر لکھا کہ ابھی کسی نئے رسالہ کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی، تاہم ۱۹۲۵ء میں انہوں نے پھر درخواست دی، اسسٹنٹ کمشنر نے سپرنٹنڈنٹ پولیس کی رپورٹ پر حکیم آزاد گل کی سیاسی وفاداریوں کو مشکوک قرار دیتے ہوئے ڈیکلیریشن کی درخواست نامنظور کرنے کی سفارش کی تاہم ڈپٹی کمشنر نے اپنے ماتحت افسر کی سفارش قبول نہیں کی اور ڈیکلریشن یہ کہہ کر منظور کر لیا کہ جب اجازت کی درخواست کی گئی ہے اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا تاہم اگر ضرورت پڑی تو درخواست دہندہ کے خلاف تعزیرات ہند کے تحت

یہ اخبار آزادی کا محرک اور اصلاحات کا حامی تھا۔ جولائی ۱۹۲۶ء میں اخبار کو بند کر دیا گیا۔

سندھو یہ ہفتہ وار اخبار ڈیرہ اسماعیل خان سے ۱۹۲۵ء کو جلوہ افروز ہوا۔ چھ صفحوں پر نکلتا تھا اس کے بانی و مالک و ایڈیٹر کندن لال کھنہ تھے۔

یہ اخبار انگریزی اور اردو ہندی میں چھپتا تھا۔ اس کی ماہانہ اشاعت ایک سو پچاس تھی اور ان کو مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔

الامداد تھانہ بھون ضلع مظفر نگر سے یہ صوفیانہ مذاق کا رسالہ ۱۹۲۵ء میں جلوہ افروز ہوا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

رسالہ راعین میگزین لاہور مورخہ اگست ۱۹۲۵ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل ریویو کیا تھا۔

"الامداد صوفیانہ مذاق کا بہترین رسالہ ہے اس رسالہ میں بزرگان کرام کے اقوال اور حالات مختصر درج کر کے طالبان طریقت کی رہنمائی کی جاتی ہے حسن ظاہری سے بھی آراستہ ہے مولانا اشرف علی تھانوی اسے ایڈٹ فرماتے ہیں۔ سالانہ چندہ دو روپے ہے۔"

اردوئے معلی انجمن دائرۃ المعارف القرآنیہ آگرہ کا یہ آرگن آگرہ سے ۱۹۲۵ء میں جاری ہوا چالیس صفحات پر نکلتا تھا سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ مولانا شبابی ایڈیٹر تھے۔

رسالہ علی گڑھ میگزین مورخہ مارچ، اپریل، مئی ۱۹۲۷ء نے اس رسالہ

پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا

"دائرۃ المعارف قرآنیہ آگرہ کا ماہوار رسالہ ہے جو جناب مولوی انتظام اللہ شہابی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے رسالہ کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی، معاشرتی اور اخلاقی اصلاح ہے رسالہ کو ہر طریقہ سے دلچسپ اور کارآمد بنانے کی کوشش کی گئی ہے اپنے پاکیزہ مقاصد کے لحاظ سے یہ رسالہ پوری امداد اور افزائی کا مستحق ہے، دائرۃ المعارف مسلمانوں کے لئے بہت سی مفید علمی کام انجام دے رہا ہے سب سے زیادہ قابل قدر خدمت جو اس نے اپنے ذمے لی ہے وہ مسلمان بچوں کے لئے ایک ابتدائی اسلامی درس کی تیاری ہے اس سلسلہ میں اکثر ابتدائی کتابیں بچوں کے لئے تیار ہو چکی ہیں اور بعض زیر تالیف ہیں، ضرورت ہے کہ تمام ملک میں اس مفید تحریک کی پشت پناہی کی جائے اور مولوی انتظام اللہ شہابی اور جناب انعام احمد صاحب کو جو اس دائرہ کے روح رواں ہیں ہر قسم کی امداد اہل علم حضرات سے ملتی رہے۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین مشکور بن دائرہ کی تصانیف پر خاص طور پر توجہ فرمائیں گے اور ان کی توسیع اشاعت کو ایک مذہبی ضرورت تصور کریں گے۔"

گلدستہ ہیرا منڈی لاہور سے ۱۹۲۵ء کو یہ بچوں کا رسالہ وجود میں آیا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر ماسٹر لالہ رگھو ناتھ سہائے بی اے تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس میں دلچسپ کہانیاں، معلومات، نظمیں، تصویریں، نغمے، پہیلیاں اور لطیفے درج ہوتے تھے۔

سرحدی یہ رسالہ پشاور سے ۱۹۲۵ء کو ماہانہ جاری ہوا۔ جو اردو اور پشتو زبانوں میں نکلتا تھا۔ ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب مولوی عبدالرحمن تھے

سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور کے شمارہ نومبر ۱۹۲۵ء میں رسالہ سرحدی پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

" اردو زبان کی ہمہ گیری ملک کے ہر حصہ میں اپنا ثبوت پیش کر رہی ہے، ہندوستان کا شمال مغربی سرحدی صوبہ جس میں ۹۵ فیصدی پٹھان بلوچی، آفریدی، مسعودی، اور بعض دیگر اقوام بستی ہیں اور جن کی مادری زبان پشتو ہے ایک ادبی رسالہ اردو زبان میں شائع ہوا ہے۔ یہ رسالہ پشاور سے مولوی عبدالرحمن صاحب کی زیر ادارت ۵ ماہ سے برابر نکل رہا ہے لکھائی چھپائی گوارا، کاغذ ولایتی چکنا ہر ماہ ایک فوٹو کی تصویر بھی شائع ہوتی ہے ہم نیرنگ خیال کے اس نمبر میں جناب غازی عبدالرحمن شہید کی تصویر کا بلاک شائع کر رہے ہیں جو رسالہ سرحدی سے لیا ہے۔

سرحدی میں نظم و نثر کے ادبی مضامین کے علاوہ اسلامی مضامین بھی درج ہوتے ہیں جن سے رسالہ سرحدی بہت مقبول ہو رہا ہے۔

رسالہ کے آخر میں ایک ضمیمہ پشتو زبان میں بھی لگایا جاتا ہے تاکہ غیر اردو داں اصحاب بھی رسالہ سے فائدہ اٹھا سکیں، ہمیں امید رکھنی چاہیئے کہ سرحدی کامیاب ہوگا اور سرحد کی تمام اقوام اس کو دل چسپی سے پڑھتی رہیں گی، سالانہ چندہ چار روپے"

دسمبر ۱۹۲۵ء کے معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر ریویو شائع ہوا

ہندوستان کی سرحدپار سے سرحد نام کا ایک رسالہ سرحدی نوجوانوں کی قلمی اعانت سے نکلنے لگا ہے ہندوستان جن کو اہل سیف دیکھنا چاہتا ہے ان کا اہل قلم ہونا مناسب ہو یا نہ ہو تاہم صحیح خیالات کی اشاعت اور لوگوں میں زندگی کی نئی روح پیدا کر لینے کے لئے اس کی ضرورت تھی یہ اردو پشتو دونوں زبانوں میں نکلتا ہے مولوی عبدالرحمن اس کے ایڈیٹر ہیں اچھے خیالات اور بلند ادارئیوں اور صحیح معلومات کی بنا اس سے امید ہے کہ خدا کرے یہ سرحدی مولود زندہ رہے اور آزاد آب وہوا میں اپنی نشوونما پائے۔

اسرار تصوف لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو جاری ہوا ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ ملک چنن الدین نقشبندی صاحب مجددی اس کے ایڈیٹر تھے

سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ بابت دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

لاہور کے اللہ والے کی قومی دوکان سے حضرت قدوۃ السالکین سید شاہ چنن شاہ آوری کی یادگار میں ملک چنن الدین نقشبندی مجددی کی ادارت میں رسالہ اسرار تصوف نکلا ہے صوفیائے سلف کی تعلیم تھی تصوف کے اسرار گفتنی نہیں ہیں اگر ہیں تو برادراں گفتند و بجز قرآن گفت۔ مگر اس چودھویں صدی میں کا کیا انقلاب ہے کہ اب تصوف گفتنی رہ گیا ہے اور کاغذ کے صفحوں پر اس کے اسرار علانیہ فاش کئے جاتے ہیں رنگین سرورق پر جو حدیث قدسی زیرعنوان ہے وہ حدیث تو نہیں کسی

صوفی صافی کا قول ہو گا جس نے حدیثِ قدسی کا درجہ پایا ہے۔ رسالہ کے متعلق دعویٰ ہے کہ وہ اعالی و ادانی کے اہل اللہ اور سالکان راہ اور طالبانِ حقیقت کی آوازِ بازگشت ہے

گلکے زری

شاہدرہ گوجرانوالہ پنجاب سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء میں نمودار ہوا۔ سولہ صفحوں پر مشتمل تھا۔ جناب امام خان صاحب کشمیری اس کے مدیر تھے سوا روپیہ سالانہ چندہ تھا۔

اس رسالہ میں اس قبیلہ کی تاریخ و حالات و نسب اور اصلاح و ترقی کے مضامین چھپتے تھے۔

انوار القدس

بنام شریف بمبئی سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو جلوہ نگن ہوا، ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کے مدیر جناب چودھری شریف احمد راز لکھنوی تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ ماہ نومبر ۱۹۲۵ء میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا
"انوار القدس بنام شریف بمبئی سے ایک صوفیانہ رسالہ چودھری شریف احمد راز لکھنوی کی زیر ترتیب شائع ہوتا ہے زیادہ تر مضامین مولوی سید محمد صاحب حسینی کا صوفیانہ لقب ذوقی شاہ ہے کے قلم سے نکلے ہیں شاہ صاحب انگریزی تعلیم یافتہ ہیں اس لئے تصوف کے اسرار کو نئی روشنی میں ظاہر کرنا چاہتے ہیں لوگوں کو ان سے فائدہ پہنچا ہے حضرت مخدوم لہاگا کے مرید کا انتساب بھی اس کو حاصل ہے مضامین سلجھے ہوئے ہیں یہ غالباً عام صوفیانہ رسائل سے بلند ہے۔

الطبیب سہارن پور سے یہ ماہوار رسالہ ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا ۲۰ صفحوں پر نکلتا تھا۔ حکیم کریم الدین احمد صاحب انصاری قادری اس کے ایڈیٹر تھے۔

سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

طلیعہ مسلم یونیورسٹی بوائے اسکاؤٹس علی گڈھ کا یہ ماہانہ ترجمان ۱۹۲۵ء میں جاری ہوا، اس کے ایڈیٹر عبدالشکور صاحب ایم اے، بی ٹی تھے ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔

سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ میں بوائے اسکاؤٹس کے فرائض تعلیم اور مشق سے متعلق مضامین ہوتے تھے بوائے اسکاؤٹس کو ہر دل عزیز بنانے کے لئے یہ رسالہ نکالا گیا تھا۔

حفاظت اردو بازار بنارس چھاؤنی سے یہ ماہانہ ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب شاہ عشرت حسین صاحب بی اے علیگ وکیل کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڈھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو چھپا تھا۔

بنارس اور مسلم پرستی کس قدر بے جوڑ ہے تاہم دنیا اسی صنعت تضاد کے بل پر قائم ہے، بنارس سے ایک مسلم پرست ماہوار سیاسی رسالہ حفاظت جناب عشرت حسین صاحب کی ادارت میں نیا نکلا ہے جس نے اپنا اصول شعلہ حق و انصاف اور مساوات قرار دیا ہے اور حقیقت میں اس کا مقصد

سرسید کی اسلامی ملکی طرزِ سیاست کو تازہ کرنا ہے اور مسلمانوں کو انگریزوں سے قریب اور ہندوؤں سے دور کرنا ہے، بہرحال مسلمانوں کی ایک خاص سیاسی مسلک کا رسالہ ہے اور اس لئے قابلِ قدر ہے کہ اس کا مقصد چند بیکار و فرسودہ نظم و نثر کی اشاعت کے بجائے عملی سیاست ہے سالانہ چندہ پانچ روپے۔

نقاد کشمیری بازار لاہور سے یہ ماہنامہ ۱۹۲۵ء کو جلوہ افروز ہوا ۵۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ کنور لکھنوی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھی۔

رسالہ معارف اعظم گڈھ مورخہ دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔

نقاد نیا رسالہ اس کے جامع ترجمان حقائق کنور لکھنوی کے زیر ادارت دفتر سفر سلمیٰ دار المصنفین لاہور سے نکلنا شروع ہوا ہے اس نئے دار المصنفین سے ہم واقف نہیں شاید اہل لاہور واقف ہوں ادبی و نحوی تحقیقات اس کا مقصد معلوم ہوتا ہے۔

نورس یہ دوماہی رسالہ اورنگ آباد کالج کا آرگن ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا، ایڈیٹر کا نام بھی سرورق پر نہیں ہے اور نہ ہی اب کوئی سالانہ یا ماہوار چندہ تحریر ہے۔

اس دوماہی رسالہ پر ہندوستان کے نامور اور قدیمی رسالہ معارف اعظم گڈھ میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

اورنگ آباد کے علمی باغ میں ایک میوہ نورس ہم پہنچا ہے اورنگ آباد کالج کے طلبہ کا یہ دوماہی رسالہ ہے نوجوان طلبہ کی دماغی محنتوں کے

مجھے کہنے دیجئے کہ نورس کتنا اچھا نام ہے خصوصاً یہ تاریخی مناسبت جان کر کسی دور کان کی سرزمین کا ایک بادشاہ نورس کے لفظ کا عاشق زار ہے نورس میں پہلے شذرات ہوتے ہیں پھر اخبار علمیہ پھر چند مضامین، آخر میں کالج کی خبریں۔ ایڈیٹر کا نام گو سرورق پر نہیں مگر کسی پختہ کار قلم کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، اورنگ آباد کالج اس لحاظ سے خود جامعہ عثمانیہ سے بڑھ گیا ہے اس کا کوئی آرگن نہیں اور اس کی یہ شان ہے یہ فخر نورس رکھتا ہے قیمت لکھی نہیں ہے۔

قوس قزح

لاہور ستی گیٹ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۵ء کو نمودار ہوا ۴۶ صفحات پر نکلتا تھا جناب محمد وحید صاحب گیلانی اس کے ایڈیٹر و ناشر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڈھ نے نمبر دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"لاہور ستی گیٹ سے قوس قزح کے نام سے ایک مجلہ علمیہ و ادبیہ کی اشاعت ہو رہی ہے۔ مدیر و ناشر جناب محمد وحید صاحب گیلانی ہیں پہلا صفحہ ملاحظات کا ہے اس کے بعد ۴۶ صفحوں میں ایک ایک دو دو صفحوں کے ۳۰ مضمون ہیں، مضمون نگاروں میں بعض اچھے لکھنے والوں کے نام بھی ہیں، سالانہ چندہ چار روپے ہے"

حسن ادب

پاٹا نالہ لکھنؤ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۶ء میں نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر ابو الکمال محمد احمد علی لطف لکھنوی تھے

سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ میں کچھ نثر میں خیالی ادبی مضامین اور نظم میں شاعروں کی غزلیں چھپتی تھیں۔

الجمعیۃ یہ روزنامہ اخبار گلی قاسم جان بلیماران سے ۱۹۲۵ء کو جاری ہوا۔ چھ صفحات پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اس کے ایڈیٹر تھے

سالانہ چندہ بارہ روپے تھا۔

اس اخبار کے مختلف ایڈیٹر مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا محمد عثمان فارقلیط، اور جناب ہلال احمد زبیری وغیرہ رہے۔

یہ اخبار شدھی سنگٹھن کے حملوں کا جواب دیتا تھا تبلیغی معاملات میں دلچسپی لیتا تھا۔ ملک کی تحریک آزادی میں کُل طور پر حصہ لیا تھا۔ غیر ملکی حکومت بیدار تی عوام پر غیر ملکی حکومت جو زیادتیاں کرتی تھی اس کو ظلمت الزام کرتی تھی۔

ملک کی آزادی کے بعد اس کے ایڈیٹر مولانا محمد عثمان فارقلیط مقرر ہوئے جمعیۃ العلماء کے سربراہ کانگریس کی قصیدہ خوانی میں لگ گئے تھے لیکن مولانا فارقلیط نے اپنی قلم کو اس گندگی سے پاک رکھا اور آزادی کے ساتھ فرقہ وارانہ فسادات کی مذمت کی اور کانگریس کی فرقہ پرستانہ ذہنیت کے پرخچے اڑائے۔

چنانچہ کانگریسی گورمنٹ نے مولانا عثمان فارقلیط کے خلاف مقدمات چلائے اور ۱۵ اگست کو آزادی کا دن مولانا فارقلیط نے کانگریس کی جیل میں گزارا۔

اخبار الجمعیۃ سے مکمل فائل حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہ صاحب کے

صاحبزادے کے پاس ہیں۔ ان سے پہلے سال کا فائل کچھ عرصہ کیلئے لیے گیا اسلوں نے عنایت انہیں فرمایا یہ خبر لگا دی گھر پر ہی بیٹھکر دیکھیے۔
یہ اس وقت کا واقعہ ہے۔ تاریخ صحافت اردو جلد پنجم کی کتابت جاری تھی اور کاتب ۱۹۲۴ء کے اخبارات و رسائل کا سال ختم کر رہے تھے اور ۱۹۲۵ء کے سال کے اخبارات، و رسائل کو لکھنے کی مانگ تھی ایسے وقت میں اخبار الجمعیۃ کے ہے لیے مختصر لکھتے پر اکتفا کیا

مولانا محمد عثمان فارقلیط

ہندوستان میں مبر شدہ وہ تاریخی و انقلابی شہر ہے جس نے انگریزی سامراجیت کے خلاف جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ابتداء کی اور اس جنگ میں اس مبر شدہ قصبہ پلکھوہ کے افراد نے بھی حصہ لیا۔

مولانا محمد عثمان فارقلیط کا آبائی وطن پلکھوہ ہے ان کے اجداد کا شمار بھی اس جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مجاہدین میں ہوتا تھا۔ مولانا فارقلیط صاحب کے دادا نصراللہ پلکھوہ کے مشہور عالم تھے فارسی زبان کے ماہر تھے پلکھوہ کی مسجد میں خطبہ دیا کرتے تھے، بہترین مقرر تھے جن کی وجہ سے بہت سے بے جا اسراف والی رسمیں پلکھوہ سے ختم ہو گئیں تھیں انتہائی متقی و پرہیز گار تھے، خدمت خلق کا جذبہ بے حد تھا، قصبہ کے ہندو مسلمان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور شیخ صاحب کہہ کر پکارتے تھے بندوقوں کی مرمت کرنا ان کا پیشہ تھا جس سے گھر کے اخراجات پورے ہوتے تھے۔

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہاپوڑ، پلکھوہ کے درمیان انگریزی فوجا

کے کچھ سپاہی شاہی فوج کے کچھ سپاہیوں کے ہاتھ مار دئے گئے شاہی فوج کے ساتھ بلکسرہ کے لوگوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ اور انگریزی فوج کو نقصان پہونچایا تھا۔ انگریزی فوج نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ بلکسرہ کے کچھ نوجوان جب ہاپڑ پہونچے تو وہاں انگریزی افسر نے ان کو پھانسی دیدی۔

جب دہلی پر انگریز حملہ کر رہے تھے اور فتح گڑھ پہاڑی سے توپ کے گولے شہر میں پھینکے جا رہے تھے اس وقت مولانا فارقلیط کے دادا دہلی میں تھے ان پر یہ الزام تھا کہ بہادر شاہ ظفر کے فوجیوں کو بندوقیں فراہم کرتے تھے، جب انگریزوں نے دہلی پر قبضہ کر لیا تو آپ کے دادا روپوش ہو گئے اور عرصہ دراز کے بعد جب بلکسرہ میں امن وامان ہو گیا تو وہاں پہونچے آپ کا زیادہ وقت یادِ الٰہی میں گزرتا تھا۔ مسائل فقہ میں ان کی قلمی کتابیں اب تک موجود ہیں بقول مولانا فارقلیط، بچپن میں آپ کے دادا انقلاب کے چشم دید واقعات سب کو سنایا کرتے تھے جن کو قلم بند نہیں کیا جا سکا۔

مولانا فارقلیط کے والد ماجد محمد احمد صاحب تھے جو ۱۸۶۹ء میں بلکسرہ میں پیدا ہوئے، آپ اردو فارسی جانتے تھے اور اپنے والد ماجد کی طرح فارسی میں بڑی مہارت رکھتے تھے فارسی کے شعرا کا کلام میں جن میں خاص طور پر حافظ شیرازی کا کلام کافی یاد تھا۔ گفتگو کے دوران موقع ومحل پر ان کے اشعار سنایا کرتے تھے حافظ شیرازی سے ان کو خاص عقیدت تھی اس کے دیوان سے فال بھی نکالتے تھے، کتب بینی کا شوق تھا۔ کافی اردو فارسی کی کتابیں اور اردو فارسی کے شعرا

کے دیوان ان کے کتب خانہ میں موجود تھے۔ حکمت سے بھی لگاؤ تھا دہلی کے شریفی خاندان کے حکما سے تعلقات تھے ان کے پاس آنا جانا رہتا تھا۔ اور حکیم اجمل خاں صاحب کے دیوان خانہ میں کافی وقت گزرتا تھا۔ وہیں آپ کی مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات ہوئی اس کے بعد گھر جیسے تعلقات ہو گئے تھے۔ خلافت تحریک میں حصہ لیا۔ پلکھوہ میں خلافت کمیٹی قائم کرانے میں ان کا بھی حصہ تھا۔ ٹھیکیداری کا کام کرتے تھے، دہلی میں انہوں نے کشمیری دروازہ میں ایک مکان خریدا تھا جس میں رہائش اختیار کی جس کو بعد میں فروخت کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد دہلی ہی میں کوچہ پنچہ بنداں المعروف کوچہ استاد داغ چاندنی چوک میں کرایہ پر ایک مکان لیا اور اس میں رہنے لگے آپ کی دہلی ہی میں رہائش تھی پلکھوہ میں آنا جانا رہتا تھا۔ آپ کا انتقال بھی پلکھوہ ہی میں ہوا، اس وقت ان کی عمر اسی سال کی تھی۔

مولانا کی ولادت ۱۸۹۶ء کو دہلی میں کوچہ پنچہ بنداں المعروف کوچہ استاد داغ چاندنی چوک میں پیدا ہو گئے دہلی کے کوچہ قابل عطار میں مولانا ایوب ایک مشہور منطقی رہتے تھے جو ہندوستان کے مشہور منطقی مولانا اسحاق رامپوری کے شاگرد تھے اور خود بھی منطق و حکمت میں انہوں نے کمال پیدا کیا تھا۔ منطقیوں کا دماغ عام طور سے مذہب کے خلاف چلا کرتا ہے لیکن مولانا ایوب منطق سے اسلام کی حقانیت ثابت کرتے تھے علمی و دقیق مضامین ایسے عام فہم ہوتے تھے کہ جن کو بے پڑھے لکھے عام مسلمان اور اسلام سے ناواقف غیر مسلم بھی سمجھ لیا کرتے تھے مولانا ایوب عقل و عرفان کے ایک سمندر تھے اور ایسی تہہ میں پہونچ جاتے تھے کہ جہاں بڑے بڑے

مدعیان عقل نہیں پیر رہا سکتے تھے۔

بقول مولانا فاتح قلیط، مولانا ابو سعید ہر ے صحن کے دوست تھے انہوں نے مجھے تعلیم کا شوق دلایا۔ خود مجھ کو منطق کی کتابیں پڑھائیں مولانا فاتح قلیط نے علم معانی کی تعلیم کی ابتدا مسجد چینیاں کے ایک افغانی عالم مولانا سلطان صاحب سے حاصل کی وہ آپ کو بہت شوق سے پڑھایا کرتے تھے، مختصر معانی وغیرہ آپ نے ان سے پڑھی۔ مسجد و مدرسہ حاجی علی جان لال بازار دہلی کے مشہور محدث و عالم مولانا عبد الرحمٰن سے بعض دینی کتابوں کا سبق لیا بعد اسی مدرسے کے شیخ الحدیث مولانا احمد اللہ صاحب کے درس ترمذی میں شریک ہوتے۔ اور کتب صحاح کی اکثر کتابیں جناب مرزا صاحب کے رشتہ دار نواب لوہارو سے تکمیل کیں انگریزی کی تعلیم اینگلو عربک اسکول میں پائی۔ چنانچہ آپ انگریزی کی دقیق کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے اور بہ آسانی ترجمہ بھی کر لیا کرتے تھے۔

آپ کو مطالعہ کا شوق تھا۔ ۱۹۱۷ء میں آریہ سماج کی غوغہ آرائی اور اسلام کے خلاف عیسائیوں کی بیجا دلیری سے متاثر ہو کر اسلام کی حمایت میں کچھ مضامین لکھے اور مولانا ثناء اللہ صاحب جو ہندوستان کے بہترین مناظر تھے، عیسائیوں اور آریوں اور قادیانیوں سے مباحثے کرتے تھے ان کے اخبار اہل حدیث امرتسر کو بھیجے وہ اس میں شائع کر دیتے تھے جس سے آپ کی ہمت بڑھی اور آپ نے سلسلہ لکھنا شروع کیا۔

۱۹۲۰ء میں سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے قابل طلبا کو فن مناظرہ سکھانے کے لئے انجمن اصلاح المومنین

قاسم کی جس کے اجتماع شہری مسجد بالمقابل فوارہ چاندنی چوک دہلی میں ہونے لگے مولانا احمد سعید صاحب ہر اجتماع میں شرکت فرماتے تھے آپ نے بھی اس انجمن میں تقریر کی مشق شروع کی پھر یہ اجتماع مولانا کے دولت کدہ پر ہونے لگے، چند سال کی مشاقی کے بعد آپ نے عیسائیوں اور آریوں سے مناظرہ شروع کر دیئے تھے، انجمن کی جانب سے آپ نے پادری احمد مسیح پنڈت رام چندر مرحوم کلکتوی، پنڈت کالی چرن اور پنڈت گنگا لشن وغیرہ سے دہلی بلند شہر بلکیھہ حیدرآباد، سندھ وادرسندھ وغیرہ مقامات میں مناظرے کئے۔

۱۹۲۶ء میں حوض قاضی کے گرجا میں پادریوں سے معرکۃ الآرا مباحثے ہوئے ان مباحثوں میں ۱۲۵ برس کی عمر کا پادری آسٹلے جو الیس پی، جی کے مشن کا انچارج تھا، صدارت کے فرائض ادا کرتا تھا اور ہندوستانیوں کے مباحثوں کے دلائل سن کر تعجب کرتا تھا کہ انہوں نے ترقی حاصل کر لی ہے، خاص طور پر جب مولانا فاتلیط صاحب سے مناظرہ ہوتا تھا تو ان کی بحث سننے کے لئے آتا تھا اور بڑے غور سے بحث سنتا تھا۔

پادری احمد مسیح جو نابینا تھا اور حافظ قرآن تھا اور مسلمانوں سے عیسائی ہوا تھا۔ جب اس سے مولانا فاتلیط کا مناظرہ ہوتا تھا باوجود چالاک اور فن مناظرہ سے ماہر ہونے کے مولانا کے مدلل دلائل کا جواب دینے سے عاجز ہو جاتا تھا اور خاموشی اختیار کر لیتا تھا۔ اور مناظرہ کے بعد کہتا کہ مولانا میں اب بھی مسلمان ہوں، پیٹ بھرتا ہوں مجبوراً عیسائی بنا ہوا ہوں۔

پادری غلام مسیح کے علاوہ آپ نے تنابیدہ لدھیانوی آریوں سے بھی مناظرے کئے۔

۱۹۳۴ء میں مولانا فارقلیط شیخ عبدالمجید سندھی کی دعوت پر کراچی چلے گئے اور وہاں سندھی اخبار الوحید میں کام کرنے لگے، عربی اخبارات کا اردو میں ترجمہ کرنا آپ کے فرائض میں داخل تھا عملہ کے لوگ اسے سندھی میں منتقل کرلیا کرتے تھے مولانا کو وہاں ایسے اتفاقات پیش آئے کہ سندھ کے اکثر مقامات پر شدھی تحریک کا زور تھا۔ جس کی وجہ سے آریوں سے مناظرہ کرنے کی نوبت آئی سندھ کے مناظروں کی تفصیل مسلمانان سندھ کی رپورٹ مرتبہ شیخ عبدالمجید سندھی میں درج ہے۔

دو ڈھائی سال کراچی میں رہنے کے بعد مولانا فارقلیط دہلی آئے جہاں ۱۹۳۶ء میں سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند نے اخبار الجمعیۃ میں منسلک کردیا۔ اس وقت اخبار الجمعیۃ کے چیف ایڈیٹر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی تھے، جب وہ حیدرآباد چلے گئے تو ان کی جگہ اخبار کا چیف ایڈیٹر ہلال احمد زبیری کو مقرر کیا تو آپ معاون ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کرتے رہے بعد میں آپ چیف ایڈیٹر بنا دئے گئے آپ نے مدینہ بجنور اور رسالہ فاران میں بھی کام کیا اس کے بعد لاہور سے بلاوا آیا تو وہاں جاکر سہ روزہ اخبار زمزم کی ادارت کی چھ سال تک اس سے منسلک رہے بالآخر ۲۹ جولائی ۱۹۴۷ء کو مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند کے اصرار سے روزنامہ الجمعیۃ میں کام کرنا شروع کردیا جس کا سلسلہ ۱۹۷۳ء تک جاری رہا اخبار انقلاب لاہور میں سالک و مہر کا طنز و مزاح مشہور تھا، جو

انکار و حوادث کے عنوان کے تحت لکھا جاتا تھا۔ اس میں ملکی و سیاسی مسائل ظریفانہ انداز میں پیش کئے جاتے تھے جس کو لوگ بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے تھے اور بہت سے لوگ تو افکار و حوادث ہی کو پڑھنے کے لئے اخبار انقلاب خریدتے تھے۔

لیکن مولانا کا تقلید کا انداز اس سے بالکل جدا گانہ تھا اخبار الجمعیۃ کے اداریے، ظریفانہ و ہنگامہ خیز ہوتے تھے۔ اور نہ اس میں جوش و خروش ہوتا تھا۔ ذاتیات سے تو بالکل مبرا ہوتے تھے، وہ دلائل و حقائق کے قائل اور اپنے موقف کے حق میں سنجیدگی و متانت کے ساتھ دلائل و براہین کا ایک سلسلہ پیش کرتے تھے جس کا جواب دینا آسان کام نہیں تھا۔ وہ اپنے اداریہ میں ایسی میٹھی و اثر انداز چٹکی لیتے تھے کہ مجرم و شریر ذہن اور فسادی طبقہ بلبلا اٹھتا تھا ۱۹۴۷ء میں ملک آزاد ہوا، اس کے بعد جو حادثات اور المناک واقعات مظلوموں اور خاص طور پر فرقہ پرست جماعتوں کی طرف سے مسلمانوں پر گذرے اور فرقہ وارانہ فسادات پے در پے ہونے لگے جو رکنے کا نام نہیں لیتے تھے اور لامتناہی سلسلہ معلوم ہوتا تھا، ان واقعات و حالات پر مولانا نے تقلید لے جو اداریے لکھے وہ بڑی اہمیت کے حامل اور تاریخی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ وہ حقائق ہیں جو تاریخ کے اوراق کی زینت ملتے ہیں جن کو ہندوستان کا عوام و خواص ہی پسند نہیں کرتا تھا بلکہ ہر طبقہ روزانہ اس کے پڑھنے کے انتظار میں رہتے تھے۔ آپ کی صحافتی زندگی کی خصوصیت یہ رہی کہ آپ نے دوسرے صحافیوں کی طرح رنگ نہیں بدلے کبھی کسی رجعت پسند اخبار کی ادارت کی

ذمہ داری جنہیں سنبھالی جن اخبارات میں کام کیا ان میں آزادانہ پالیسی کو آخر تک نبھایا۔

آزادی ملک کے بعد ۱۹۴۷ء سے اردو صحافت کا مطالعہ کیا جائے تو پورے ہندوستان میں ایک مرد مجاہد صحافی اور ایک حق گو صحافی مولانا فارقلیط نظر آتے ہیں ان کے سامنے ان کے ہم پلہ ہونے کی کسی کو جرأت وہمت نہیں ہوسکتی ان کی ذات گرامی ایسی تھی کہ ہر طبقہ خیال کا انسان ان کو قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اور ان کا مداح نظر آتا ہے ان سے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔

بحیثیت ایڈیٹر اخبار الجمعیۃ ان کے خلاف کافی مقدمات قائم ہوئے سیکڑوں پیشیاں انھوں نے بھگتیں دلی کی تہاڑ جیل کی چار دیواری میں بھی بند ہوئے لیکن انھوں نے اپنی آزادانہ روش کو نہیں بدلا۔

جیل کے ان ایام میں ان سے میری ملاقات ہوئی تو مولانا وہاں اس پیرانہ سالی میں بھی خوش نظر آئے، ایک مرتبہ انھوں نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ میں ایسے اخبار الجمعیۃ کا ایڈیٹر ہوں جس جماعت کے بانی واکابرین حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی حضرت مولانا قاسم نانوتوی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے حق گوئی کی پاداش میں جیل کی چار دیواری کو پسند کیا۔ اور مصائب وآلام کو خندہ پیشانی سے قبول کیا اور اللہ کا فضل وکرم ہے کہ میں بھی ان کے راستہ پر چل رہا ہوں۔

مولانا فارقلیط کی پوری زندگی ان کے رہن سہن کا ڈھنگ سادہ تھا، لباس میں بھی سادگی جھلکتی تھی۔ ان کے مکان میں ملئے یا دفتر میں ملاقات کیجئے ایک ہی سادہ وضع قطع میں رہتے تھے زیادہ وقت دفتر یا

گھر میں گزارتے تھے، اخبار الجمعیۃ کا دفتر گلی قاسم جان میں رہا ہے اور ہے،
آپ کو کبھی تازہ چائے پینے کی خواہش ہوتی تھی تو دفتر سے چل کر احاطہ کالے صاحب
کے پھاٹک کے سامنے ایک چائے کے ہوٹل میں چلے جاتے تھے دوستوں اور
ملنے والوں کو وہاں چائے پر مدعو کرتے تھے اہل ثروت و صاحب اقتدار
لوگوں کی کوٹھیوں کے طواف کاٹنے اور ان کی دعوتوں میں جانے سے پرہیز
کرتے تھے۔

یہ شخص سے ان ان دیکھنے میں بالکل معمولی سے نظر آتے تھے لیکن ان
کا دل ودماغ بڑے عظیم المرتبت ملکوں اور دانشمندوں کو مات کرتا تھا۔
انسانیت کو ذلیل و خوار کرنے والے متعصب طبقوں کی شرارت اور
ناپاک ذہنوں کے شعبدوں کی نقاب کشائی کرنے میں دریغ نہیں کرتے تھے
مولانا فارقلیط نے اپنی زندگی صحافت کے لئے وقف کر دی تھی
جس کی وجہ سے وہ تصنیف و تالیف پر زیادہ توجہ نہیں دے سکے پھر بھی
اس مصروفیت کے باوجود تین چار کتابیں آپ نے تصنیف فرمائیں "ازبلا
و نصاریٰ" میں آپ کی مشہور و مقبول تصنیف ہے اس کو پڑھنے کے بعد
جو شخص اس کو ذہن نشین کرلے تو ایک مناظر بن سکتا ہے اور اس کو پادریوں
سے مقابلہ کرنے کے لئے اس کتاب میں کافی مواد مل سکتا ہے۔
ازبلا، اسپین کا تاریخی اور مذہبی افسانہ ہے اس میں اسلام کی صداقت
اور مسیحیت کی بطلان پر جو دلائل پیش کئے ہیں وہ وہی ہیں جو سلطنت
ہسپانیہ میں عیسائی دنیا کے سامنے پیش کئے جاتے رہے ہوں گے اور جس کا
استعمال اسلامی مبلغین نے مشنریوں میں کیا ہوگا مولانا کا مقصد یہ ان
دلائل کو پیش کرنے کا یہی تھا کہ جن حضرات کو عیسائی مشنریوں سے

سالقہ پڑتا رہتا ہے یا وہ مسیحی حلقوں میں تبلیغی فرائض انجام دیتے رہتے ہیں ان سب کے لئے ان تمام مسائل کے متعلق دلائل کا ذخیرہ ایک ہی جگہ فراہم کردیا جائے جو اسلام اور عیسائیت کے درمیان ابتدا سے اسلام سے سبقت ملکر کامرکز بنے ہوئے ہیں۔

یہ تاریخی افسانہ اخبار الجمعیۃ میں ایک عرصہ تک قسط وار چھپتا رہا۔ یہ کتاب ۲۲×۱۸ کے سائز پر ہے جو ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل ہے اور جید برقی پریس بلیماران دلی میں چھپی ہے اس کتاب کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ رنگون کے ایک سیلنر نے اس کو انگریزی زبان میں چھاپا، بنگالیوں نے بنگالی میں۔

ازیں کے علاوہ مولانا فارقلیط کی تصانیف حسب ذیل ہیں رہنمائے عقل لاہور میں اخبار زمزم کی طرف سے شائع ہوئی جس میں عقل کے صحیح استعمال کرنے کے طریقوں پر بحث کی گئی ہے۔

کلید فرورشناسی، یہ علم قیافہ شناسی کتاب ہے جو بہت مقبول ہوئی اور عوام وخواص نے اس کو بہت پسند کیا اس کو بھی اخبار زمزم لاہور نے شائع کیا۔

اپنے والد ماجد کی طرح مولانا فارقلیط کو کتب بینی کا شوق تھا۔ اس شوق نے کافی کتابیں جمع کرائیں چنانچہ مولانا کے کتب خانہ میں ہزاروں عربی فارسی، انگریزی اور اردو کی نایاب کتابیں ہیں جو زیادہ تر دیمک خوردہ ہیں اور تھوڑی بہت مولانا کے دہلی کے گھر جو اوطہ کالے صاحب بلیماران میں ہے رکھی ہوئی ہیں۔

یوں تو مولانا فارقلیط تین چار سال سے بیمار چلے آرہے تھے، کئی

ہاسپیٹل میں داخل ہوئے۔ نازک حالت ہونے کے باوجود شفایاب ہو جاتے تھے لیکن اس مرتبہ انتقال سے ایک ہفتہ قبل آپ پر فالج کا حملہ ہوا مگر ؤہ در انسان برداشت نہیں کر سکے۔ اور وہی موت کا سبب بنا، چنانچہ آپ ۲۱ر جون ۱۹۷۱ء کو صبح چار بجے اپنے مکان احاطہ کالے صاحب میں فوت ہوئے دن کے گیارہ بجے مولانا عبیداللہ رحمانی لونکی ناظم جمعیۃ اہل حدیث صوبہ دہلی نے جامع مسجد دہلی میں نماز جنازہ پڑھائی، نماز کے بعد جنازہ کو ان کے آبائی وطن ملکیسر لے جایا گیا جہاں دوبارہ نماز جنازہ ادا کی گئی۔ اور عصر کے لگ بھگ سپرد آغوش رحمت کر دیا گیا، ملکیسر میں میرٹھ مظفر نگر باغپت اور دوسرے شہر اور قصبوں کے بڑی تعداد میں لوگ پہونچ گئے تھے۔

حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب کے متعلق اردو صحافیوں کی ایک ہی رائے تھی کہ اس دور میں بہترین ناقد تھے، ان کا قلم ہندوستان کے غریب عوام اور مظلوم مسلمانوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ چنانچہ ہندوستانی مشہور ادیب شورش کاشمیری آپ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں

اردو کے صف اول کے صحافی حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط بھی اس دنیا سے رخصت ہو گئے، نصف صدی سے زائد عرصہ تک اردو صحافت کے میدان میں مولانا کا قلم بیباک اور نڈر انداز میں ملک و ملت کی خدمت کرتا رہا۔

آزادی کی جد و جہد کے زمانے میں مولانا فارقلیط نے انگریز سامراج اور فرقہ وارانہ سیاست کے خلاف جرأت و ہمت کے ساتھ جہاد کیا آزادی کی تحریک کے ہر مرحلہ پر مولانا فارقلیط اپنے فرائض، اور

ذمہ داریوں کو بڑی خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

جنگ آزادی میں مدینہ بجنور، الجمعیۃ دہلی اور زمزم لاہور میں مولانا فارقلیط کے قلم کی سوزش زبان اور کل انت زبان دلوں کو گرماتے، حوصلوں کو بلند بناتے ہیں اور جد و جہد میں سرگرمی سے حصہ لینے کے لئے آمادہ کرتی رہی اور ہزاروں لاکھوں انسان ان کی پرجوش تحریروں نکرانگیز مقالات اور مدبرانہ پیش گو تحریروں سے متاثر ہوئے اور آزادی کی لڑائی میں حصہ لینے کے لئے بے چین ہو گئے۔

اس زمانہ کے قوم پرست صحافیوں میں مولانا نصر اللہ خاں عزیز جن کا بعد میں رجحان جماعت اسلامی کی طرف ہو گیا تھا۔ مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا ابو سعید بزمی، مولانا محمد عثمان فارقلیط، مسٹر عبد الرزاق ملیح آبادی بہت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور ان کا شمار صف اول کے صحافیوں میں ہوتا تھا۔ ان کی ادارت میں نکلنے والے اخبارات مدینہ الجمعیۃ، زمزم ہندوستان اور ہند میں قومی آواز کا لوگ بے چینی سے انتظار کرتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک تحریریں، مقالات اور تبصرے بڑی توجہ اور دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے اور ان تحریروں کے وزن اور استدلال کو ان کے مخالف بھی تسلیم کرتے تھے۔

آزادی کے بعد کا زمانہ حکومت کے ساتھ مسلم اقلیت کے لئے سخت ابتلا اور آزمائش کا زمانہ تھا۔ مسلمانوں کے قدم اکھڑ رہے تھے قافلے سرحد پار کرنے کے لئے لائن لگائے ہوئے تھے جگہ جگہ فسادات لوٹ مار، فرقہ پرستوں اور غنڈوں نے مسلمانوں کی ہمت و حوصلہ کو پست کر دیا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کو ہندوستان میں رہنے اپنی جگہ سے نہ ہلنے

اور حالات کا بہادری سے مقابلہ کرنے کا مشورہ دیتے اور سہارا دیتے۔

مولانا فارقلیط نے الجمعیۃ کی ذمہ داریاں دوسری مرتبہ سنبھالنے کے بعد اس کو جس طرح چلایا وہ ان جیسے ہی بلند ہمت وحوصلہ اور مضبوط کردار صاحب الرائے اور خداوند قدوس پر بھروسہ رکھنے والے بہادر انسان کا ہی کام ہو سکتا ہے جسے مولانا فارقلیط نے انجام دیا۔

مولانا فارقلیط نے مسلمانوں کے احساس کمتری کو ختم کرنے اور ہندوستان میں رہ کر مساویانہ طور پر اپنے حقوق اور فرائض کو انجام دینے کے لئے جس دردمندانہ طریقہ پر جس خوش اسلوبی، لیاقت، صلاحیت اور جس خلوص اور لگن کے ساتھ کام کیا وہ ہمیشہ یادگار رہے گا، روزنامہ ان کا اخبار الجمعیۃ نہایت عمدہ مضامین فکر انگیز مقالات اور جرأتمندانہ تحریروں کا ایسا مجموعہ ہوتا تھا جو سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرالیتا تھا۔

مولانا فارقلیط، ذاتیات، ذاتی اغراض ومفادات تنگ نظری نفرت فرقہ واریت وغیرہ باتوں سے کوسوں دور تھے، اس کے وہ حق بات کہنے میں کبھی نہیں چوکتے تھے وہ ہمیشہ محبت، اتحاد، بھائی چارہ، انسانیت اور اخلاص کی دعوت دیتے تھے اور غلط راہوں پر چلنے والوں کو جرأت کے ساتھ ٹوکتے تھے۔

مولانا فارقلیط کی دوررس نظریں سرکاری مشنری کا گہرائی سے جائزہ لیتی رہتی تھیں اور ان کی کوتاہیوں، خامیوں اور غلط فیصلوں پر کڑی تنقید کرتے تھے ان کی تنقید کبھی کبھی بہت سخت بھی ہو جاتی تھی جس سے اقتدار و اختیار کے مالکوں کی جبینوں پر شکنیں پڑ جاتی تھیں لیکن مولانا کے خلوص اور نیک نیتی، حق گوئی اور بیباکی کی وجہ سے یہ تلخ گھونٹ بھی پینا پڑتے تھے

مولانا کی بے لاگ تنقید اور جرأتمندانہ تبصروں کی پاداش میں آزاد ہندوستان کی جیل کی کوٹھری بھی دیکھنا پڑی۔ لیکن اس کے باوجود بھی ان کے پائے استقلال اور جرأت مندانہ قلم میں جنبش نہ آسکی، انھوں نے کبھی دورخی پالیسی اختیار نہیں کی اور جو کچھ کہا ڈنکے کی چوٹ کہا۔

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

الجمعیۃ مولانا کی ادارت میں ترقی اور ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے ہی بڑھتا رہا۔ انھوں نے نئے لکھنے والوں کی حوصلہ افزائی کی اپنے ساتھیوں کو آگے بڑھانے میں اور ان کو اچھی تربیت دینے میں کبھی تامل نہیں کیا ان کی غلطیوں اور خامیوں کو نظر انداز کیا لیکن ان کی اصلاح کی برابر کوشش کرتے رہے۔ ان کی ادارت کے زمانے میں الجمعیۃ کے متعدد نمبر شائع ہوئے جن میں ہر نمبر کی خاص اہمیت ہے لیکن ان میں مفتی اعظم مفتی کفایت اللہ نمبر، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی نمبر، امام الہند مولانا ابو الکلام آزاد نمبر اور مجاہد ملت مولانا حفظ الرحمن نمبر اردو صحافت کی تاریخ میں قابل مقام رکھتے ہیں، عید نمبر، عید قربان نمبر، آزادی نمبر، جمہوریت نمبر، فلسطین نمبر، الجزائر نمبر، خواجہ معین الدین چشتی نمبر اور کتنے ہی نمبر ایسے ہیں جو اپنی اہمیت رکھتے ہیں۔

مولانا فارقلیط منکسر المزاج اور سادہ طبیعت تھے وہ ہر ایک کے ساتھ نہایت ہی خلوص و محبت سے پیش آتے تھے اور ہر طرح سے ہمدردی کرتے تھے وہ بڑوں کا ادب اور احترام کرتے تھے اور چھوٹوں سے خلوص اور محبت کا برتاؤ کرتے تھے۔

مولانا کی خدمات، کارناموں اور خوبیوں کی فہرست بہت طویل ہے

نظر یہی کہنا پڑتا ہے کہ اس دور میں مولانا اپنی خصوصیات، خوبیوں اور صلاحیت، علمیت، قابلیت اور کردار کے اعتبار سے منفرد انسان تھے ان کی کمی کی تلافی نہ ہو سکے گی البتہ ان کی تحریریں ہماری رہنمائی کرتی رہیں گی

حضرت مولانا عثمان فارقلیط کی قابلیت ولیاقت اور صحافت نگاری کے قائل آپ کے معاصرین تھے۔ چنانچہ ہندوستان و پاکستان کے تمام اہم اخبارات نے مولانا کی وفات پر بڑے دردناک انداز میں تبصرے کئے ہیں، اخبار ندیم بھوپال اور قوم کی آواز لکھنؤ کے جذبات وخیالات سے اندازہ ہو سکتا کا

موت بلا شبہ انسان کا ورثہ ہے ہر ذی روح کو اجل کا ذائقہ چکھنا ہو گا اس اعتبار سے ۷۶ سال کی عمر میں روزنامہ الجمعیۃ دہلی کے سابق مدیر اعلیٰ مولانا محمد عثمان فارقلیط کا سانحہ ارتحال کوئی غیر معمولی حادثہ نہیں ہے، قزاقِ اجل اسی طرح اپنا کام کرتا رہا ہے اگر انسان نام ہے صرف گوشت پوست اور نسوں ہڈیوں کے مجموعہ کا جو متحرک رہتا ہے اور جس پر خواہشات کا غلبہ رہتا ہے تو اس وجود کا منتشر ہو جانا کوئی بات نہیں ہے کیونکہ حرکات دل و نفس عنصری ٹوٹتے رہتے ہیں اور طائر روح پرواز کرتا رہتا ہے اگر آدمی نام ہے سیرت وکردار اور ایمان وعقیدہ کی صالحیت کا تو پھر مادی وجود کے فنا ہونے کے باوجود اس کے کارناموں کا اجالا باقی رہتا ہے اور آنے والی نسلیں اس سے کسب نور کرتی رہتی ہیں۔

مولانا فارقلیط اردو صحافت کا ایسا سورج تھے جس نے طویل عرصہ تک اپنی روشنی سے دوسروں کو فائدہ پہنچایا، صاحب طرز اور اہل قلم تو اور لوگ بھی ہوں گے لیکن کردار کی صلابت اور عقیدہ پر پہاڑ کی طرح ڈٹے رہنے کی استقامت اور پامردی بہت کم لوگوں کے حصہ میں آئی ہے، مولانا نے

اصول پرستی کے مقابلہ میں مصلحت اندیشی کو کبھی قریب نہیں آنے دیا، ان کے قلم میں تلوار کی کاٹ تھی، ان کا ایک فقرہ سینکڑوں کی تبھی میں سے عیب کر لیتا تھا۔ اس سے دل کے تار جھنجھنا اٹھتے تھے۔

وہ راسخ العقیدہ مذہبی انسان تھے مگر ان میں وہ تعصب نہیں تھا جس سے فرقہ پرستی جنم لیتی ہے وہ ہمیشہ قوم پرست تحریکات سے وابستہ رہے، ملک کی تقسیم سے پہلے لاہور میں تھے، یہ جانتے ہوئے بھی کہ امروز صحافت کا سفید و نفع بخش کاروبار لاہور میں ہے دلی میں نہیں ہے لیکن مولانا نے دلی میں رہنے کا ہی فیصلہ کیا اپنے سیاسی افکار و عقائد کی خاطر اس نوعیت کی قربانی دینا ہر شخص کے بس کا روگ نہیں ہے پاکستان اور تحریک پاکستان کے بڑے بڑے مخالفین نے محض مادی آسائشوں کی خاطر زندگی بھر کے عقائد و افکار کو ترک کر دیا۔ یا حالات سے سمجھوتہ کر کے خود کو وقت کے تقاضوں کے سانچہ میں ڈھال لیا مگر مولانا صحیح معنی میں صوفی منش اور قلندر صفت انسان تھے انہیں حب مال وجاہ سے کوئی مناسبت نہیں تھی۔ وہ ارباب اقتدار کے تقرب اور وسیلے سے اپنی دنیا بہتر بنانے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے ان کا سینہ ہمیشہ ہی سوز دروں کی وجہ سے بھٹی کی طرح سلگتا رہا اور ان کے قلم سے شعلے نکلتے رہے، ان کی کیفیت صرف ملی مسائل کے بارے میں بھی ان کا اندازہ یہی تھا، فرقہ پرست، انتہا پسند اور رجعت پسند عناصر کے خلاف ان کا قلم کبھی خاموش نہیں رہا انہوں نے ہر سانح کے رجعت پسند اور فرقہ پرست عناصر کے خلاف زبردست جہاد کیا۔ مولانا سعنت وہ ان انسان تھے، مولانا مرحوم کمال قلب رکھنے والے انسان تھے

اس انحطاط اور زوال کے دور میں جب کہ قدآور شخصیتوں کا خلا پر ہونا محال ہوگیا ہے، مولانا کا سانحہ ارتحال اردو صحافت کا ناقابل تلافی نقصان ہے، خدا اس برگزیدہ صحافی کو اپنی آغوش رحمت میں جگہ دے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (الحمرا بھوپال)

(۲)

مولانا محمد عثمان فارقلیط ایک جید عالم اور ممتاز صحافی کے علاوہ جنگ آزادی کے ایک نڈر سپاہی تھے ان کی ان تینوں خصوصیتوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان خصوصیتوں کے امتزاج سے بننے والی شخصیتیں اب رفتہ رفتہ معدوم ہوتی جا رہی ہیں، مولانا فارقلیط اس محفل کی شاید آخری شمع تھے انہوں نے ۷۷ سال کی عمر میں رحلت فرمائی اور تقریباً ۵۰ سال تک اخبار نویسی کی۔ دین سے ان کے شغف نے ان میں غیر ملکی حکومت کے خلاف جہاد کا جذبہ پیدا کیا۔ اور ان کی صحافت اس جہاد کی ایک شکل تھی۔ انہوں نے اس پیشہ کو ایسے زمانے میں اختیار کیا جب یہ کانٹوں کی سیج تھا۔ اور چونکہ وہ ایسے اخباروں سے وابستہ رہے جو آزادی کی تحریک کے حامی تھے اس لئے ان پر حکومت وقت کا عتاب وقتاً فوقتاً نازل ہوتا رہا ان کی مالی حالت بھی ہمیشہ خراب رہی مگر اپنے خدا پر اپنی قوم پر اور اپنے آپ پر ان کا عقیدہ اور اعتماد اتنا پختہ تھا کہ وہ اپنے کام میں لگے رہے اور ہر طرح کی سختیاں برداشت کرتے رہے آزادی کے بعد بھی ان کی تحریروں میں تیکھا پن برقرار رہا۔ وہ جس بات کو نامناسب سمجھتے تھے اس پر نڈر ہو کر تنقید کرتے تھے۔ انہوں نے ایک طویل مدت تک جمعیۃ علماء ہند کے اخبار الجمعیۃ

کی ایڈیٹری کی اور اس دوران بعض ایسے مرحلے بھی آئے کہ بعض حلقوں میں مولانا کی تحریر کو ناپسند کیا گیا۔ لیکن مولانا فارقلیط اپنے اصولوں پر جمے رہے اور جمعیۃ کے لیڈر ہمیشہ ان کا احترام کرتے رہے ان کے لہجہ میں طنز ہے بعض اوقات تلخی زیادہ ہوجاتی تھی لیکن ان کے خلوص پر کبھی کسی نے شک نہیں کیا اور اسی لئے ان کی تلخی بھی برداشت کرلی جاتی تھی۔

مولانا فارقلیط ہر قسم کی فرقہ پرستی کے خلاف جدوجہد کرتے رہے تھے اس لئے وہ کسی قسم کی فرقہ پرستی کو برداشت نہیں کرتے تھے اور جس بات میں فرقہ پرستی کی ذرا سی جھلک نظر آجاتی تھی مولانا اس کی شدت سے مخالفت کرتے تھے۔

اسی طرح تعمیر رزنی کے کاموں میں معمولی سی کوتاہی بھی ان کو کڑی تنقید پر آمادہ کر دیتی تھی مگر ان کی تنقید میں تخریب و عناد کی بجائے ایک مخلصانہ تڑپ ہوتی تھی یہی تڑپ اس خطبہ میں جھلکتی تھی جو انہوں نے نومبر ۱۹۶۳ء میں آل انڈیا اردو ایڈیٹرس کانفرنس لکھنو کی صدر کی حیثیت سے پڑھا تھا۔ اس وقت ان کی صحت کافی خراب ہوچکی تھی۔ مگر صحافت سے دیرینہ لگاؤ انہیں دہلی سے لکھنو کھینچ لایا تھا۔ اور انہوں نے مقصدی صحافت پر جو اظہار خیال کیا تھا وہ ان کے طویل تجربے کا نچوڑ تھا اسے اخبار نویسوں کے لئے ایک ایسی نصیحت اور وصیت قرار دیا جاسکتا ہے جس کی اہمیت ہمیشہ برقرار رہے گی۔

(قومی آواز لکھنؤ سے [illegible] والے
[illegible] شمارہ محلہ

سنہ ۱۹۲۶ء

تجلی

محلہ فراش خانہ دہلی سے جنوری ۱۹۲۶ء کو یہ ماہانہ رسالہ جلوہ فگن ہوا۔ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا، مولوی سید ظہیر احمد وحشی شاہجہانپوری اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا، شبلی پریس میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ علمی، ادبی اور اصلاحی مضامین کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتا تھا۔ اس کے مضامین علمی طبقہ میں بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھے جاتے تھے۔

رسالہ سودمند بدایوں مورخہ جون ۱۹۲۶ء میں رسالہ تجلی پر یہ تبصرہ چھپا ہے۔

مشہور مصنف و انشا پرداز مولوی سید ظہیر احمد وحشی شاہجہانپوری نے حسب بالا ۱۹۲۶ء سے دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ شائع کرنا شروع کیا ہے۔ انہوں

رسالہ پڑھنے سے پہلے ہی یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس رسالہ کی ملک کو ضرورت تھی یہ کوئی تفریحی یا ادبی رسالہ نہیں ہے جو تھوڑی دیر کے لئے نشاط خاطر کا باعث ہو بلکہ اصلاح و ترقی کی عملی تدابیر بتانے والا یہ رسالہ ہے اور ایسے مضامین شائع کرتا ہے جو ان کی زندگی کے مختلف منازل میں اپنے ناظرین کی رہنمائی کرتا ہے۔ رسالہ میں متعدد مستقل عنوان یا باب قائم ہیں مثلاً تزکیہ خیال، تہذیب الاخلاق، حسن معاشرت، صحت جسمانی، تدابیر فارغ البالی، ادبی سرمستیاں ہر پرچہ میں ان سب عنوان کے ماتحت متعدد مضامین شائع ہوتے ہیں جو تمام تر مفید و ضروری ہوتے ہیں۔ ایک مختصر لیکن موثر ذخیرہ طنز الہامیہ بھی ہر پرچہ میں شائع ہوتے ہیں ایسے مفید پرچے جو کارآمد و عملی مضامین شائع ہوتے ہیں۔ عموماً ادبی محاسن سے عاری ہوتے ہیں لیکن اس رسالہ کی یہ خصوصیت ہے کہ تمام مضامین اس شان سے لکھے جاتے ہیں کہ انشاء پردازی اور لطف زبان پر بھی داد دینے کو دل چاہتا ہے۔

اخبار مدینہ بجنور کے رسالہ ۱۳ اگست ۱۹۲۷ء نے حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"تجلی دہلی سے شائع ہوتا ہے مولوی سید ظہور احمد وحشی ایڈیٹر ہیں سرورق خوبصورت ہے مضامین مفید ہیں اور ان کا زیادہ حصہ مذہبی، اخلاقی، اقتصادی بہتری کے مشورہ پر مشتمل ہے وحشی صاحب اپنے تخلص کے خلاف مدنیت اور معاشیات کے متعلق عمدہ معلومات رکھتے ہیں اور یہ رسالہ ان کی معلومات کی اظہار کا ذریعہ ہے۔

مولوی سید ظہور احمد وحشی منشی جی شاہجہاں پور کے رہنے والے تھے، سادات سے ان کا تعلق تھا، محلہ

حبشہ کلاں یا حبشہ خورد میں رہتے تھے اس لئے کہ ان محلوں میں
سادات آباد ہیں بچپن سے ہی بڑے ذہین تھے مختلف اساتذہ سے
عربی و فارسی کی تحصیل کی، عمدۃ العلماء مولانا علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کے
ہم درس تھے سنہ ۱۹۰۱ء میں جب نواب محسن الملک نے دارالعلوم کا معائنہ کیا
تو علامہ سید سلیمان ندوی صاحب کے ساتھ انھیں بھی امتحاناً پیش کیا گیا
رخشی صاحب نے منشی فاضل کا امتحان بھی پاس کیا تھا ساڈھو تا مجاہد پور سے
سنہ ۱۹۱۲ء کو اخبار لیل و نہار جاری کیا تھا۔ سنہ ۱۹۱۳ء سے پیسہ اخبار لاہور
میں عربی میں مترجم کے فرائض انجام دینے شروع کئے تھے، عربی
کے مشہور ادیب جرجی زیدان کے ناولوں کا ترجمہ کیا جن کو پیسہ اخبار والوں اور
دوسرے پبلشروں نے چھاپا سنہ ۱۹۲۰ء میں رخشی صاحب دہلی آ گئے جہاں سے
بھیا احسان الحق میرٹھی نے سنہ ۱۹۲۱ء میں دہلی سے دین دنیا رسالہ جاری
کیا جس کے ایڈیٹر رخشی صاحب مقرر ہوئے نگرانی شمس العلماء مصور فطرت خواجہ
حسن نظامی صاحب فرماتے تھے، پانچ سال دین دنیا میں کام کیا
اس سے علیحدگی اختیار کر لی چتلی قبر کے ایک بالا خانہ پر سکونت رکھتے تھے
اس محلہ میں انھوں نے سنہ ۱۹۲۲ء کو اپنا ذاتی رسالہ تجلی ماہنامہ جاری کیا
ایک سال کے بعد حکیم اجمل خاں صاحب کی اعانت سے تجلی پریس قائم کیا اس میں ابتدا
میں ہندوستانی دوا خانہ کا کام چھپتا تھا۔ بعد میں متفرق لوگوں کے کام چھپنے
لگے، پانچ سال تک رسالہ تجلی جاری رہا، رسالہ بند ہونے کے بعد آپ نے روڈ گران
لال کنواں میں سکونت اختیار کر لی وہاں تجلی پریس تبدیل کیا۔ پریس نے
دس سال کی عمر پائی۔ رسالہ سے سبکدوش ہونے کے بعد تصنیف و تالیف میں
مصروف ہو گئے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں، جن میں اسلامی زندگی فن شاعری

وسائل تجارت فن دکانداری، فن اشتہار نویسی عملیات میاں بیوی اور بیوی کے فرائض کافی مشہور ہوئیں اور اب تک طبع ہو رہی ہیں ان کی کل کتابیں جناب مفتی شوکت فہمی صاحب ایڈیٹر دین دنیا دہلی نے شائع کیں اقتصادیات پر ان کو کافی عبور تھا۔ اس نے جو کتابیں انھوں نے لکھیں ان سے عوام کو بہت فائدہ پہونچا۔

میاں بیوی کتاب میں زن و شوہر کے تمام تعلقات پر بحث کی گئی ہے یہاں تک کہ ان خاص تعلقات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے جنھیں لوگ غلط طور پر خلاف تہذیب خیال کرتے ہیں۔

بیوی کے فرائض میں ایک طرف تو نہایت موثر پیرائے میں عورتوں کو ان کے فرائض بتائے گئے ہیں اور دوسری طرف وہ طریقے سمجھائے گئے ہیں جن پر عمل کر کے عورتیں اپنے شوہروں کو اپنا والا و شیدا بناسکتی ہیں آخر میں عورتوں کے متعلق نصیحت آموز اشعار بھی درج ہیں۔

فن شاعری میں بغیر استاد کے شاعری کی تعلیم دی گئی جس کا کمال یہ ہے کہ کیسی ہی معمولی قابلیت کا آدمی کیوں نہ ہو اس کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اپنے اندر شعر کہنے کی غیر معمولی صلاحیت محسوس کرنے لگتا ہے اس میں علم عروض کو آسان طریقے پر سمجھایا گیا ہے۔

منشی عبدالحمید صاحب کو شعر و شاعری سے بھی دلچسپی تھی حکیم اجمل خاں صاحب ان کی شاعری کی بڑی قدر کرتے تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے حکیم جمیل خاں صاحب نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی ان کے احباب کا حلقہ بڑا وسیع تھا، یوں تو ان کے دوستوں میں جناب انور ہاشمی صاحب جناب شوکت فہمی صاحب اکبر حیدری صاحب مسیح آرٹسٹ اور ملا واحدی صاحب

تھے لیکن ان کا انتہائی خصوصی تعلق دہلی کے مشہور خاندانی رئیس رائے بہادر پارس داس دہلوی سے تھا یہ علم دوست انسان تھے وحشی صاحب کی بڑی عزت کرتے تھے اور ان کی ہر ایک بات کا خیال رکھتے تھے [۱]

منشی ظہور احمد صاحب دبلے پتلے درمیانہ قد کے تھے داڑھی رکھتے تھے شیروانی پہنتے تھے بالوں دار ٹوپی اوڑھتے تھے اور چشمہ لگاتے تھے ظرافت پسند آدمی تھے بہت خوش گفتار، خوش ذوق اور خوش مزاج تھے لطیفہ گوئی میں کمال حاصل تھا، بات بات میں لطیفے سناتے تھے اردو کے مشہور شعراء کے اشعار بہت یاد تھے حافظ شیرازی کے اکثر اشعار کثرت سے پڑھتے تھے کبھی کوئی پریشانی اور مشکل پیش آتی اور کسی معاملہ میں الجھ جاتے تو حافظ کے دیوان سے فال نکال لیتے تھے ۔

سید صاحب کو اپنے سید ہونے پر بڑا فخر اور ناز تھا۔ مذاقیہ طور پر کچھ ملنے والے ان کے سید ہونے پر شک کا اظہار کر دیا کرتے تھے چنانچہ ایک مرتبہ اس قسم کی بحث چھڑ گئی، عام طور پر یہ بات مشہور ہے کہ جو اصل نسل سید ہوتا ہے اس پر آگ اثر نہیں کرتی، چنانچہ بحث کے دوران وحشی صاحب نے سلگتی ہوئی چلم کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا، معترضین بہت شرمندہ ہوئے اور پھر کبھی ایسی گفتگو نہیں کی۔

وحشی صاحب کے دفتر کی نشست انتہائی دلچسپ ہوتی تھی چاروں طرف کتابیں پھیلی رہتی تھیں اور یہ کتابوں کے درمیان بیٹھے ہوئے کتابوں کو پڑھتے یا مضامین لکھنے میں مگن رہتے تھے آپ کا کتب خانہ

---

[۱] دہلی کی یادگار ہستیاں صفحہ ۲۹

کافی بڑا ذخیرہ تھا، عربی فارسی انگریزی اور اردو کی تاریخی، ادبی، علمی اور سیاسی کتابیں اچھی تعداد میں تھیں۔ اردو فارسی اور عربی شعراء کے دیوانوں کی معقول تعداد تھی، نادر و نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں ان کے پاس ہمارا قلمی اور قدیمی دیوان حافظ بڑا خوش خط لکھا ہوا تھا اس کتب خانہ کا کیا ہوا، اس کے متعلق کچھ معلوم نہ ہو سکا۔

وحشی صاحب پابند صوم و صلوٰۃ تھے نماز عام طور پر جامع مسجد یا جینڈا گیٹ یا رودگران کی مسجد میں پڑھتے تھے، رمضان کی تراویح کبھی نہیں چھوڑی۔ پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے، حج بیت اللہ کے لیے بیتاب و بیقرار رہتے تھے، بڑی خواہش تھی حج کرنے کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر پر حاضری دینے کی لیکن وہ پوری نہ ہو سکی۔

ان کی پہلی شادی شاہجہاں پور میں ہوئی تھی جن سے ایک لڑکا اور دو لڑکیاں ہوئیں، دوسری شادی پیرجی عبدالصمد صاحب کی بیٹی سے ہوئی ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، وحشی صاحب کا انتقال ۱۹۴۴ء میں دہلی میں ساٹھ برس کی عمر میں ہوا، درگاہ حضرت نظام الدین اولیاء میں دفن ہوئے۔

وحشی صاحب مسلم ادیب ہونے کے ساتھ قادر الکلام شاعر تھے وحشی تخلص تھا فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں شعر کہتے تھے کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ دہلی کے مشاعروں میں شرکت کرتے تھے [1]

---

[1] رسالہ دین دنیا۔ دہلی

کیوں مجھ کو ستاتے ہو کیوں خواب میں آتے ہو
بھولا ہوا افسانہ کیوں یاد دلاتے ہو
پھر کھا کے قسم جھوٹی پھر نام وفا لے کر
کیوں آگ لگاتے ہو کیوں مجھ کو جلاتے ہو

اظہار تاسف سے رو رو کے تکلف سے
کیوں دل کو دکھاتے ہو کیوں مجھکو رلاتے ہو
پھر قدر ہوئی شاید وحشی کی پس مردن
کیوں اشک بہاتے ہو کیوں رنج اٹھاتے ہو

کبھی اس کی نگاہ شرمگیں اٹھتے نہیں دیکھی
سکھایا کس نے یارب آسماں کو فتنہ گر ہونا
کوئی آیا ہے پھر دل میں ہزاروں حسرتیں لیکر
ذرا پھر برق خرمن سوز بنکر جلوہ گر ہونا
اگر اس پردۂ قدرت میں کوئی سننے والا ہے
تو وحشی آک قیامت ہے دعا کا بے اثر ہونا

چنیں کریم و چنیاں مہرباں خداوندے
اگر خطائے کند بندہ اش صواب کند
دعائے ہمت ترک دعا کنم وحشی
بود کہ خالق کونین مستجاب کند

اے دلِ بیمار اب سوز دروں کا کیا علاج
اب تو لب تک آہ کا آنا بھی مشکل ہوگیا

یہ سمجھ کر آج جا نکلے تھے ہم سوئے چمن
یہ تماشا اور درجہ کلفتِ دل ہوگیا

اس طرف کچھ سوچ کر رونے لگے تیمار دار
اس طرف بیمارِ غم کچھ کہہ کے غافل ہوگیا

تم تصور میں بھی کرتے ہو مگر تیر افگنی
ورنہ کیوں بیٹھے ہی بیٹھے کوئی بسمل ہوگیا

لے گیا تھا ایک مرگِ ناگہانی کا مزا
یاس کے صدقے کہ وہ بھی آج حاصل ہوگیا

خیال ۱۸ اگست ۱۹۳۹ء

جناب وحشی صاحب کے رسالہ اقتباس بمبئی بورڈ مئی ۱۹۳۶ء میں ایک مخمس بعنوان "خدمتِ خلق" چھپی تھی جس کے آٹھ بند ہیں پہلا اور آخری بند ملاحظہ ہو

پڑھا کے دل میں تپشِ سوز و ساز پیدا کر
لگا کے آگ جگر میں گداز پیدا کر
ملا کے خاک میں ہستی نیاز پیدا کر
طریق عشق میں کچھ امتیاز پیدا کر
فروغ داغ سے سینہ کو نور ریز بنا
در سرشک سے دامن کو زر نگار بنا

مقیم ہوں کہ مسافر بعید ہوں کہ قریب
فقیر ہوں کہ غنی ہوں امیر ہوں کہ غریب
سعید ہوں کہ شقی ہوں رذیل ہوں کہ نجیب
سمجھ رہے ہیں تجھے اپنے درد دکھ کا طبیب
ہر ایک تجھ سے طلبگار حق ہے سن تو سہی
یہ کائنات کو ازبر سبق ہے سن تو سہی

پر اسرار قصور، یہ طلسم خواب دیکھا ۔۔۔ کہ ہزار بار ہم نے تمہیں بے نقاب دیکھا
کبھی مثل شمع فرصت نہ ملی گداز غم سے ۔۔۔ تری انجمن میں قائم جسے ما رباب دیکھا
وہی آئینہ ملا کیوں نہ کسی کو دل کے بدلے ۔۔۔ سر بزم ناز جس نے تمہیں بے حجاب دیکھا
ہمیں تیری دلربائی کے فریب یاد آئے ۔۔۔ کسی نوا سیر الفت کو جو کامیاب دیکھا
یہ سحر کہ آہ و زاری تو بہت دلوں سے کر لی
مگر آج شب کو حسنی کوئی ہم نے خواب دیکھا

پریم

یہ ہفتہ وار اخبار لاہور سے با تصویر جنوری ۱۹۲۶ء سے جاری ہوا ہے ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے اس کے مدیر فاضل دیوبندی تاجور نجیب آبادی تھے جناب سیفی سیوہاروی جائنٹ ایڈیٹر اور جناب لالہ چرنجی لال ایم اے دہلوی آنریری ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور بابت فروری ۱۹۲۶ء میں اس اخبار پر حسب ذیل تبصرہ چھپا تھا

پریم ۲۰×۳۰ سائز کے ۲۴ صفحات پر بچوں کا یہ ہفتہ وار مصور اخبار جنوری ۱۹۲۶ء سے جاری ہوا اس کے مدیر مولوی تاجور نجیب آبادی ہیں جناب سیفی سیوہاروی جائنٹ ایڈیٹر اور جناب لالہ چرنجی لال ایم اے دہلوی آنریری ایڈیٹر ہیں اس وقت تک تین نمبر شائع ہو چکے ہیں اور ہر نمبر میں متعدد فوٹو بلاک کی تصاویر بھی ہوتی ہیں پنجاب میں پرائمری و ثانوی تعلیم کی توسیع کو مدنظر رکھتے ہوئے بچوں کے لئے جدید اخبارات کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی۔ اس لئے ہم پریم کا دلی خیر مقدم کرتے ہیں۔ پریم کے مضامین اچھے ہیں اور امید ہے کہ بہت جلد ہونہار بچوں کا کامل رہنما

لیکن چند باتیں بطور مخلصانہ مشورہ پیش کی جاتی ہیں امید ہے کہ فاضل مدیر اور ان کے ارکان توجہ دیں گے۔

سب سے اول یہ ہے کہ رسالہ کی زبان بچوں کی زبان ہونی چاہیے کم از کم بچوں جیسی سادہ زبان لکھی جائے اور سادہ زبان سے یہ مراد نہیں ہے کہ عربی کے عام فہم الفاظ کو ترک کر کے سنسکرت کے غیر مانوس اور ثقیل الفاظ استعمال کئے جا سکیں اور نہ اتحاد کے یہ معنیٰ ہیں کہ ہندو مسلم دونوں اپنی خصوصیات ترک کر دیں۔ دوئم رسالہ میں جو تصاویر شائع ہو رہی ہیں وہ بالکل اولیٰ قسم کی ہوتی ہیں، پرانی ریڈروں اور درسی کتابوں کے بلاک لے کر چھاپا بچوں کے لئے کوئی دل چسپی پیدا نہیں کر سکتا کیونکہ یہ تمام تصویریں اور ان کے متعلق کہانیاں وغیرہ بچے اپنی کتابوں میں پڑھ لیتے ہیں۔ اس قدر مصارف برداشت کرتے ہوئے پیام کو انھیں کوئی چیز اور نئی تصویریں پیش کرنی چاہییں خواہ تصویر ایک ہی ہو۔ لیکن اگر بچوں کے لئے نئی معلومات کی مظہر ہو اور بچوں میں تصاویر کے متعلق اچھا مذاق پیدا کرنے والی ہو تو رسالہ بہت جلد ہر دلعزیزی حاصل کرے گا۔ نیز سرورق کو بھی بدل دینا چاہیے اور کوئی اس سے کم مصارف سوز اور زیادہ پُر معنی ڈیزائن اختیار کرنا چاہیے اس کے علاوہ مسئلہ ہندو اور اسی قسم کے غیر مانوس جھگڑوں میں بچوں کو ڈالنا اچھا نہیں۔ ان میں ہندوستان کی ان خبروں سے مانوس کیا جائے جنھیں سمجھنے کی انھیں ضرورت ہے یا جغرافیائی اور تاریخی خبروں کو جمع کر کے ان کی تشریح کی جائے ہم نے نقائص پر اس لئے بتفصیل لکھا ہے کیونکہ ہمیں اچھی طرح معلوم ہے کہ پیام اچھے ہاتھوں میں ہے اور اس کے با مذاق ایڈیٹر

رسالہ کو دائمی مستقل طور پر چلانا چاہتے ہیں۔

ہندوستانی یہ ہفتہ وار اخبار جنوری ۱۹۲۶ء کو لاہور سے وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر سردار سردول سنگھ کولیشر تھے سالانہ چندہ دس روپے تھا۔

حسب ذیل تبصرہ اخبار ہندوستان پر نیرنگِ خیال لاہور بابت فروری ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا۔

۱۶×۲۰ سائز کے ۴۸ صفحات پر ایک ہفتہ وار اخبار جناب سردول سنگھ کولیشر کی زیر ادارت لاہور سے شائع ہوا ہے سالانہ چندہ دس روپے ہے اخبار میں تقریباً سات فوٹوؤں کی تصویریں بھی ہیں جو معمولی کاغذ پر چھاپی گئی ہیں اور ہر ہفتہ متعدد تصاویر چھاپنے کا وعدہ کیا گیا ہے اخبار کی چھپائی قابلِ اصلاح ہے ہمارے خیال میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک ہفتہ وار اخبار شائع کرنے کے لئے بہت بڑے استقلال کی ضرورت ہے، قابل ایڈیٹر کی قابلیت مسلمہ ہے اور ہمیں امید ہے کہ وہ ہفتہ وار مصور ہندوستان کو بہت جلد پنجاب بلکہ ہندوستان کی بہترین اخبار بنا دیں گے۔ جو لوگ ہفتہ وار آزاد خیال اخبار خریدنا چاہیں انھیں ہندوستان کی سرپرستی اختیار کرنی چاہیئے۔

بلشوا یہ رسالہ جنوری ۱۹۲۶ء میں کوچہ چیلان دہلی سے وجود میں آیا۔ ۳۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر سید عزیز حسن بقائی تھے۔ سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ تھا۔

یہ رسالہ تبلیغی، علمی، دینی، اصلاحی، تاریخی اور سیاسی مضامین کا مجموعہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر سید عزیز حسن بقائی حریت پسند صحافی تھے۔ اخبار ہمدرد دہلی نے اپنے شمارے ۲۶ اکتوبر ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو کیا تھا۔

" بہت کم لوگوں کو یہ معلوم ہوگا کہ اسی کوچہ چیلان سے جہاں سے روزانہ ہمدرد شائع ہوتا ہے، دہلی کے اور بہت سے ممتاز رسالے شائع ہوتے ہیں اغلب رسالوں میں پیشوا بھی ہے، خواجہ سید عزیز حسن بقائی نبیرہ حضرت خواجہ باقی باللہ، معتمد خواجہ حسن نظامی اس کے ایڈیٹر ہیں، پیشوا کو نکلے ہوئے ابھی صرف نو ماہ ہوئے تاہم اپنے مذہبی، تبلیغی اور اصلاحی مضامین کے اعتبار سے بعض پرانے رسالوں پر سبقت لے گیا ہے، رسالہ میں بقائی صاحب کے شذرات خاص خصوصیت رکھتے ہیں، آپ نہایت بے باکانہ لکھتے ہیں اپنے خیال کو ظاہر کرنے میں صحافت کے بعض مسلمہ طریقے بھی بقائی صاحب کو پابند نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر حلقوں میں یہ رسالہ دلچسپی سے پڑھا جاتا ہے، زیر تنقید رسول نمبر ہے اس نمبر میں علاوہ رسالہ کی خصوصیات کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مبارک حالات طیبات پر کئی اہل قلم حضرات کے اچھے اچھے مضامین ہیں جو یقیناً قابل مطالعہ ہیں، رسالہ کی کتابت، طباعت بہت اچھی اور دیدہ زیب ہے۔"

نورجہاں

امرتسر سے یہ نسوانی رسالہ جنوری ۱۹۲۶ء کو جلوہ افروز ہوا ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا، سعادت سلطانہ اس کی ایڈیٹر تھیں، سالانہ چندہ قسم
ل پانچ روپے اور قسم دوم تین روپے تھا۔

رسالہ نورجہاں پر نیرنگ خیال لاہور مورخہ فروری ۱۹۲۶ء میں
جہ ذیل ریویو چھپا تھا۔

یہ نسوانی رسالہ امرتسر سے زیر ادارت محترمہ سعادت سلطانہ
ئع ہوا ہے اور ایڈیٹر آف پالیسی مشہور جرنلسٹ مولانا محمد عبداللہ [illegible]
با ۲۰×۲۲ سائز کے ۸۰ صفحات ہیں کاغذ چھپائی اچھی ہے کتابت گوارا
ے قیمت سالانہ قسم اول پانچ روپے قسم دوم تین روپے رسالہ میں تصویر کا
انتظام ہوگا، ہندوستان میں عورتوں کے لئے جو رسائل شائع ہوتے
ان کی تعداد انگلیوں پر شمار کی جاسکتی ہے اس لئے ہم نورجہاں کا دل
یقدم کرتے ہیں۔

رسالہ کے پہلے چار صفحات اردو ٹائپ میں شائع کئے گئے ہیں تاکہ
ظرین ٹائپ سے آہستہ آہستہ مانوس ہوں یہ مبارک اقدام ہے اور
یں امید ہے کہ کم از کم نورجہاں میں ابتدائی چار صفحات ہمیشہ ٹائپ میں
ع ہوا کریں گے۔ نورجہاں جو نمونہ کا نمبر شائع ہوا تھا اس کی ترتیب
امین بہت اچھی تھی لیکن جنوری نمبر میں ترتیب کا چنداں لحاظ نہیں رکھا
ا جو مضمون جیسے ملا ویسے ملا درج رسالہ کردیا گیا معاشرتی اصلاحی
ور تاریخی مضامین کے لئے علیحدہ علیحدہ جگہ رکھنی چاہیئے تھی۔ رفتار زمانہ
ر دنیائے نسواں سب سے آخر میں ہوتے تو بہتر تھا صنعت و دستکاری

اور خوان نعمت ایک دوسرے کے قریب، مدیر تہذیب نسواں پر جو حملہ کیا گیا ہے اس کے لئے محفل نور بشر شی مولوی سید ممتاز علی صاحب کے خلاف جو تبصرہ نور جہاں میں لکھا گیا ہے وہ محض ایک اشتہاری پروپیگنڈہ ہے، مولانا نے تہذیب نسواں میں جدید نسوانی وسائل کا خیر مقدم کرتے ہوئے چند باتیں بطور نصائح لکھی تھیں اور جدید وسائل کو ملک کی بے شمار جدید ضرورتوں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے جدید قسم کے نسوانی رسائل میں شائع کرنے کی ترغیب دی تھی یہ مشورہ مخلص اصلاح کی غرض سے تھا۔ نہ کہ جدید رسائل کی تخریب کے لئے، ہمارے خیال میں مدیر نور جہاں کا یہ مضمون متانت کے خلاف ہے۔ اگرچہ تہذیب نسواں میں نور جہاں جیسے عنوانات قائم نہیں لیکن پھر بھی اس میں بہت سی قسم کی بہترین مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں اور ہمارے خیال میں جیسی صحیح سلیس اور سادہ زبان تہذیب نسواں کی ہے اور کسی رسالہ کی نہیں، ہمارے جدید نسوانی رسائل کو ابھی تہذیب نسواں سے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے اور سیکھنا چاہیئے۔

افغان

ہوتی مردان مہو پسرحد سے یکم جنوری ۱۹۲۲ء کو یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا ابوالمعانی آزاد اس کے ایڈیٹر تھے۔

رسالہ جامعہ دہلی کے شمارے ۱۹۲۲ء میں افغان رسالہ پر چسپاں اپیل اشتہار چھپا تھا۔

افغان آسمان علم کا چمکتا ہوا ہلال اپنی نورانی جھلک سمیت سرحد سے یکم جنوری ۱۹۲۲ء کو طلوع ہو کر کفر و طاغوت کی تاریکیوں پر چھانے والا، قرآن مقدس کی حکیمانہ تعلیم کا مبلغ، عروج و ترقی کے راستوں

کا کھوج لگانیوالا آرگن، بہادرانِ اسلام کے حالات بتانیوالا مورخ، دنیا
بھر کے مذاہب کی تنقید کرنے والا محقق، کرۂ ارض کے اہواری واقعات
پر تبصرہ کرنے والا مبصر، ہر مرض کا تیر بہدف علاج بتانے والا معالج
ادبی، اخلاقی، گلدستوں کا پیش کرنے والا باغبان، دل آویز اشعار سنانیوالا
بے نظیر شاعر، اور سائنس کی جدید مصنوعات کی حقیقت ظاہر کرنے والا
ہیئت دان، پردہ نشین خواتین اس کی بہترین اخلاقی تعلیم سے بہرہ
اندوز ہو سکتی ہیں، حصہ پشتو افغانی مستورات کے لئے مخصوص ہے
کاغذ لکھائی، چھپائی دیدہ زیب، چندہ سالانہ چار روپے صرف حصہ
پشتو ڈیڑھ روپے نمونہ کا پرچہ چھ آنے ملنے کا پتہ ابوالمعالی آزاد
مدیر افغان ہوتی مردان صوبہ سرحد۔

سہیل

علی گڑھ سے یہ انجمن اردوئے معلیٰ علی گڑھ کا سہ ماہی
آرگن جنوری ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا۔ ۸۰ صفحات پر
مشتمل تھا۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے علیگ اس
کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ سات روپے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ الناظر لکھنؤ مورخہ جولائی ۱۹۲۲ء میں حسب
ذیل تبصرہ کیا تھا۔

سہیل انجمن اردوئے معلیٰ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا قابلِ قدر ادبی
سہ ماہی رسالہ پروفیسر رشید احمد صدیقی ایم اے علیگ کے زیر ادارت جنوری
۱۹۲۲ء سے جاری ہوا سہیل بے نظیر علمی بلند پایہ مضامین انتہائی کاوش
معیاری ہے، رشید صاحب کا مسلسل مضمون "بنام اقبال" ایک معرکۃ الآرا
مضمون ہے اردو کے کسی شاعر پر اس تفصیل سے تنقید اور تشریح

کے ساتھ اس سے پہلے نظر نہیں ڈالی گئی فارسی شاعری اور اسلامی علوم پر پروفیسر شیروانی، صاحبزادہ آفتاب احمد خاں کے خیالات بلند و بیع اور لائق توجہ ہیں لکھائی چھپائی دیدہ زیب، سالانہ قیمت سات روپے ہے

اقتباس

بمبئی سے انجمن اشاعت اردو کا یہ آرگن مارچ ۱۹۲۶ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا، شہاب ہمالوی سکرٹری انجمن اشاعت بمبئی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ میں جہاں دینی، علمی، تاریخی مضامین شائع ہوتے تھے وہاں شعراء کا کلام بھی چھپتا تھا۔ اور شاعروں کی غزلیں بھی زینت بنتی تھیں مئی ۱۹۲۶ء کے شمارے کے یہ مضامین تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی کوششیں اور حضرت علی کا ایثار سیر و تواریخ از ایچ اے صدیقی بی اے، اردو زبان از مولوی محمد شفیع الدین خاں ایم اے، عورت کی عمر کا تجربہ از رضائی سیالی لڑکی، تعلیم نسواں، مولانا محمد عبدالغفار الخیری دھلوی، ادبی شعاعیں از ڈاکٹر فصیح الزماں خاں صاحب ایم، ایچ ڈی کلکتہ، شہر بانو (ناول)

یارانِ قدیم

سوسائٹی ۱۲/ دریا گنج دہلی سے مارچ ۱۹۳۱ء کو عربک اسکول اولڈ بائز ایسوسی ایشن دہلی کا آرگن تھا، ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا سید محمد رؤف علی بیرسٹر لا تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا محبوب المطابع دہلی میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ اس غرض سے نکالا گیا کہ جملہ قدیم طلباء کے لئے

جو اوراق پریشاں کی طرح دور دور بکھیلے ہوئے ہیں ایک مضبوط شیرازہ بن جائے ۔ اور طلائق عامہ کے لئے بھی اقتصادی، علمی، سیاسی اخلاقی اور ادبی اصلاح اور تفریح کا ایک مستقل ماہواری مجموعہ ثابت ہو جہاں انجمن کے مخصوص اغراض کا تحفظ اس کا اولین مقصد ہوگا ۔ وہاں عام دلچسپی کی خاطر اس رسالہ کا میدانِ عمل اس قدر وسیع ہوگا جتنی ہندوستان کی فضا اور سارے ہندوستان میں دارالسلطنت کی اہمیت ہے علاوہ طلبائے قدیم کی امداد کے ہماری توقعات یہ ہیں کہ پڑھے لکھے ہندوستانی مسلمانوں کے لئے عام طور پر اس کو جاذب توجہ بنایا جائے اور یہ کوشش کی جائے کہ ہر لحاظ سے یہ اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو سکے ۔ "

چاند لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ فروری ۱۹۲۶ء کو نمودار ہوا ۔ ۵۲ صفحات پر مشتمل تھا رام جی داس گاجریہ ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا ۔ مرکنٹائل پریس ریلوے روڈ لاہور میں چھپتا تھا ۔

چمنستان کرنیل گنج کانپور سے فروری ۱۹۲۶ء کو یہ گلدستہ جلوہ افروز ہوا ۔ ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا انق کانپوری اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ سوا روپیہ تھا ۔ صحیفہ مصحفی بطور ضمیمہ کے مستقل طور پر ہر رسالہ کے ساتھ شائع ہوتا تھا ۔

حمایت الاسلام یہ ہفتہ وار اخبار لاہور سے مارچ ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا ۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا اس کے پہلے ایڈیٹر مولوی احمد یار مخدومی تھے اس کے بعد

جناب عبدالحکیم خاں نشتر جالندھری اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے تین روپے سالانہ چندہ تھا۔

اس اخبار پر نیرنگِ خیال لاہور مورخہ جون ۱۹۲۲ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"انجمن حمایت الاسلام کی طرف سے ایک ہفتہ وار اخبار ۲۲x۱۸ سائز پر شائع ہوا ہے، اخبار کے ایڈیٹر جناب عبدالحکیم خاں صاحب نشتر جالندھری ہیں۔ جو ایک تجربہ کار ایڈیٹر اور ایک مشہور شاعر اور قابل ادیب ہیں اس وقت تک تین چار نمبر شائع ہو چکے ہیں ان سے آپ کی علمی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے اخبار کے تمام مضامین قابل مطالعہ ہیں ترتیب بھی اچھی ہے چندہ سالانہ تین روپے جو لوگ انجمن حمایت الاسلام کے رکن ہیں، ان کی خدمت میں مفت بھیجا جاتا ہے چندہ رکنیت بھی تین روپے ہی ہے اس لحاظ سے ہر شخص کو انجمن کا رکن بننا چاہیے تاکہ وہ صوبہ پنجاب کی سب سے بڑی تعلیمی انجمن کے رکن بھی بن جائیں اور ہر ہفتہ اخبار حمایت الاسلام مفت مطالعہ کریں۔ دفتر انجمن حمایت الاسلام سے طلب کیجئے۔"

مولوی احمد یا بامخدومی

مخدومی صاحب ۱۵ جون ۱۸۶۵ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے جوان ہو کر لاہور چلے گئے۔ اور پھر ساری عمر لاہور میں گزارا، شروع میں ریلوے کی ملازمت کی مگر مضمون نگاری کے شوق اور تصنیف و تالیف کے ذوق نے بہت جلد نوکری سے متنفر کر دیا۔ استعفیٰ دے کر علم کی خدمت میں مصروف

ہو گئے۔ آپ انجمن حمایت الاسلام کے ابتدائی معاونین میں تھے آپ نے تمام عمر نہایت خلوص کے ساتھ انجمن کے مختلف عہدوں پر کام کیا۔ التنقیح کی ولادت مسیح اور آخری "مضامین سرسید" آپ کی تالیفات ہیں انجمن کا رسالہ حمایت الاسلام جب جاری ہوا تو اس کے سب سے پہلے ایڈیٹر آپ ہی تھے ابتدا میں یہ پرچہ ماہوار شائع ہوتا تھا۔

عدالت

یہ ہفتہ وار اخبار امرتسر سے مارچ ۱۹۱۵ء کو جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ حکیم عثمان علی خاں اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ اس رسالہ میں ملکی، قومی، معاشرتی، طبی، تجارتی مضامین کے علاوہ قومی مسائل پر ریفارمانہ بحث و تنقید اس کا شعار تھا۔

تبلیغ نسواں

بستی حضرت نظام الدین اولیاء دہلی سے اپریل ۱۹۲۶ء کو یہ ماہانہ رسالہ نکلا سو صفحات پر مشتمل تھا۔ بمو ز خواجہ حسن نظامی مدیر خواجہ بانو اور منتظم بن عربی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ حمیدیہ پریس دہلی میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کے جاری کرنے کا مقصد مسلمان عورتوں میں تعلیمی شوق اصلاح معاشرت، پابندی مذہب اور احساس تبلیغ پیدا کرنا تھا اس کے علاوہ عورتوں میں مذہبی و تاریخی معلومات پڑھانے کے لئے مضامین شائع کرنا عورتوں کو حفظ صحت کے قاعدے بتانا ہے۔ عورتوں کو شادی و غمی کی فضول رسموں سے بچانا عورتوں کو بچوں

کی تعلیم و تربیت کے طریقے بتانا، عورتوں کو خدمت اسلام، خدمت قوم کو اور خدمت ملک کی ترغیب دینا۔ عورتوں اور مردوں کو آپس میں اخلاص و محبت سے رہنا اور مرد کے عورت کے اور عورت کے مرد پر جو حقوق ہیں ان کا بتانا تھا۔

اس رسالہ میں اور رسالوں کے مقابلہ میں یہ خصوصیت تھی کہ ہر ایک مضمون ایک صفحہ کا ہوتا تھا۔ لیکن یہ خصوصیت زیادہ عرصہ نہیں چل سکی اور طویل مضمون بھی چھپنے لگے۔

تہذیب نسواں لاہور نے اپنے شمارے مئی ۱۹۲۶ء میں رسالہ تبلیغ نسواں پر تبصرہ کیا ہے جو بسیر حاصل ہے اس سے رسالہ کی اہمیت معلوم ہو جائے گی۔ ملاحظہ کیجیے۔

"اس رسالہ کو ہم نے اول سے آخر تک پڑھا اور اسے بحیثیت مجموعی دلچسپ و مفید اور پر سبق پایا، معمولی معمولی باتیں بھی اس خوبصورتی سے بیان کی ہیں کہ وہ پڑھنے کے قابل ہو گئی ہیں۔ ایک خصوصیت اس میں یہ پائی کہ کوئی مضمون ایک صفحہ سے زیادہ کا نہیں اور چونکہ رسالہ کی ضخامت سو صفحہ کی ہے اس لئے اس کے مضامین کی تعداد سو کے قریب ہے چنانچہ بعض مضامین کے عنوانات یہ ہیں

اسلام کا پہلا بلاوا۔ بچے کے کان میں اذان، کبھی بھی نماز، ڈاڑھی کئی بیویاں کیوں کرتے ہیں، گھر کی دو رخ، میاں گنجے ہو گئے، مولوی صاحب آپ کی کتنی بیویاں ہیں، سودا کی بڑھیا بیوی، کنیا دان، بڈھے دولہا بدچلن میاں، پھوڑ بیوی، عورت کے نام کا پردہ، آواز کا پردہ، تعویذ گنڈے، جادو اور جن، نجوم و رمل، اوپری خلل بر ے

ادا جیسے خواب، سب بیماریوں کی جڑ ہے چیچک میسو، ایک سال کا پڑانا پانی عورتوں کو لکھنے اور بولنے کی تعلیم، دروازہ بند رکھو شکستہ نام لکھنا منحوس ہے میں رات دن کیا کرتی ہوں ۔ اسلام کا پہلا اعلان ہند میں مسجدوں کے سر پر گذرا ل چلی، پیشوا عورتیں وغیرہ وغیرہ اس طرح ایک ایک صفحہ کا مضمون لکھنے سے دو فائدے ہیں ایک تو یہ کہ مختصر مضمون لکھنے میں غیر متعلق باتوں سے بچاؤ رہتا ہے اور مطلب کی بات خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے دوسرے بہت سے لکھنے والی بیبیوں کو لکھنے کا موقع ملے گا جس سے رسالہ ہر دل عزیز اور کار آمد بن جاتے گا۔

صادق

یہ ہفتہ وار اخبار اپریل ۱۹۲۶ء کو ڈیرہ دون سے جاری ہوا ۸ ہم صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر محمد صادق صاحب تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ سود مند بدایوں مورخہ جون ۱۹۲۶ء میں اخبار صادق پر ریویو شائع ہوا تھا وہ یہ ہے ۔

،، اس نام کا اخبار ڈیرہ دون سے حال ہی میں نکلنا شروع ہوا ہے اس میں خصوصیت کے ساتھ اقتصادی اور تعلیمی مضامین قابل ملاحظہ ہیں، اس زمانہ میں سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعلیم کو عام کیا جائے اور لوگوں کو کفایت شعار بنا کر ان کی مالی حالت درست کی جائے یہ دونوں امور صادق کے پیش نظر ہیں ہماری دعا ہے کہ صادق قوم و ملک کے لئے مفید ثابت ہو۔"

الہادی کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں سے مئی ۱۹۲۶ء کو یہ علمی ودینی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ چالیس صفحوں پر نکلتا تھا مولوی محمد عثمان نامی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

رسالہ الہادی پر اورنگ آباد کے رسالہ اردو کے شمارے جولائی ۱۹۲۶ء میں تنقید چھپی تھی۔

الہادی ہر ہلالی مہینے کی پہلی تاریخ کو کتب خانہ اشرفیہ دریبہ کلاں دہلی سے شائع ہونے لگا ہے اس کے مالک و مدیر مولوی محمد عثمان صاحب عامر ہیں اس میں زیادہ تر مضامین اور مواعظ مولانا اشرف علی صاحب قبلہ کے درج ہوتے ہیں رسالہ کا مقصد مسلمانوں کے عقائد، اخلاق ومعاشرت کی اصلاح قرار دیا ہے، علم حدیث، کلام اور تصوف کے چند مسلسل مضامین کے علاوہ رسالہ میں امیرالروایات کے نام سے ایک نہایت دلچسپ مفید کتاب بالاقساط چھپ رہی ہے جس میں شاہ اسمٰعیل شہید مولانا محمد قاسم اور مولانا یعقوب رحمتہ اللہ علیہم کے حالات زندگی صحت و روایات کا پورا پورا لحاظ رکھ کے چھاپے جا رہے ہیں یہ روایتیں نہایت پرلطف اور سبق آموز ہیں مجموعی طور پر دینی مذاق رکھنے والوں کے واسطے یہ رسالہ بہت خوب ہے لکھائی چھپائی بھی اچھی ہے۔

اسوۂ حسنہ مزنگ لاہور سے یہ مذہبی رسالہ مئی ۱۹۲۶ء کو جلوہ افروز ہوا ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر مولانا محمد دوست تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ اس رسالہ کا مقصد مسلمانوں کی مذہبی اخلاقی اور تمدنی و مذہبی

مضامین کے ساتھ مسلمانوں کی مالی اصلاح کے متعلق عمدہ مضامین شائع کرتا تھا۔

بہارستان مزنگ لاہور سے یہ ادبی رسالہ ستمبر ۱۹۲۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۸۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر اختر شیرانی، معاون ایڈیٹر رفیقی اجمیری تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا، مرکنٹائل پریس لاہور میں چھپتا تھا۔

کتابت، طباعت و کاغذ عمدہ تھا۔ مصور تھا۔ ملک کے نامور ادیب حکیم ناصر نذیر فراق دہلوی، علامہ عبداللہ یوسفی، مولانا سید اطہر علی آزاد کاکوروی، مولانا شوکت علی خاں فانی ایم اے علیگ، مولانا اصغر حسین گونڈوی، مولانا سید مہدی حسن احسن لکھنوی، مولانا طفیل احمد صاحب عارف بدایونی، جگر مراد آبادی، مسٹر کنہیا لال ثاقب، مسٹر سلیم الحق حقی دہلوی، مرزا یاس چنگیزی، خواجہ حسن نظامی، مرزا با فرملی داستان گو، حکیم مقرب حسین صاحب مقرب دہلوی، شیخ غلام قادر گرامی، حضرت ملا آب اللہ آبادی، مسٹر غلام حسین، ن کر صدیقی، نواب سید نصیر حسن خان عظیم آبادی خان بہادر میر ناصر علی خان دہلوی، مولانا دلگیر اکبر آبادی۔ مولانا خلیق دہلوی مولوی سید وحید الدین بیخود دہلوی، ملک محمد حیات خاں، محمود اسرائیلی مرزا نعیم بیگ چغتائی۔ پنڈت میلا رام وفا، عبدالستار فاروقی وغیرہ یگانہ روزگار مضمون نگار تھے۔

بہارستان ایک معیاری پرچہ تھا، دلچسپ اور باوقار رسالہ تھا، اس رسالہ نے چند برسوں میں مقبولیت حاصل کرلی تھی۔

معینِ نسواں علی گڑھ سے یہ نسوانی ماہنامہ جون ۱۹۲۶ء سے نمودار ہوا۔ ۴۶ صفحات پر نکلتا تھا اس کی ایڈیٹر عطیہ بیگم اور حافظ علی بہادر خاں، بی ایس، سی علیگ ہیں، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

رسالہ معین نسواں پر اورنگ آباد کے رسالہ اردو بابت جولائی ۱۹۲۶ء میں تنقید بھی ہے۔

"معین نسواں کے نام سے ایک رسالہ نکلا ہے اس کی ایڈیٹر عطیہ بیگم صاحبہ اور حافظ علی بہادر خاں بی، ایس، سی علیگ ہیں یہ دونوں مشہور ہیں لائق ہیں اور انشا پردازی میں نام کر چکے ہیں، عطیہ بیگم صاحبہ مسلمان عورتوں میں بڑی روشن خیال اور صاحب لیاقت ہیں ان کا رسالہ دل چسپی اور معلومات کے لحاظ سے بہت بڑھا ہوا ہے تصویریں بہت دل چسپ اور اچھی دی ہیں مضامین بھی مختلف قسم کے ہیں، ڈراما، لطائف وظرائف اور نظم نے بھی اس کے لطف میں اضافہ کیا ہے۔"

حرم پہلی جنوری سے جون ۱۹۲۶ء کو یہ نسوانی رسالہ جاری ہوا ۶۸ صفحات پر مشتمل تھا، ڈاکٹر بیگم عبدالعزیز ایل ایم پی کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ اردو اورنگ آباد کے شمارے جولائی ۱۹۲۶ء میں اس پر ریویو شائع ہوا تھا۔

حرم کے نام سے ڈاکٹر بیگم عبدالعزیز ایل ایم پی کی ایڈیٹری میں پہلی جنوری سے شائع ہوا۔ ایڈیٹر بہت قابل بی بی ہیں رسالہ بڑے سلیقہ اور لیاقت

سے نکالا ہے۔ یہ مضمون لکھنے والے بہت اچھے ملے ہیں معلومات کا خاصہ ذخیرہ اس کا پڑھنے والا جاہل نہیں رہ سکتا۔

سرتاج

ملتان شہر یہ ماہانہ رسالہ جون ۱۹۲۶ء کو ظہور میں آیا ۴۲ صفحوں پر مشتمل تھا۔ اس کی مدیرہ امتیاز فاطمہ صاحبہ تاج بیگم تھیں سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ کا اشتہار سورسند بدایوں نورفشاں نومبر ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا تھا

زنانہ رسالوں کا سرتاج رسالہ سرتاج ملتان (زیرادارت امتیاز فاطمہ بیگم عرف "تاج بیگم" اردو میں اس وقت نامور رسالے موجود ہیں مذاق و معیار کے لحاظ سے بالعموم زنانہ کیوں اور کم علم مستورات کے لئے ہیں مگر طبقۂ نسواں کی روز افزوں علمی و معاشرتی ترقی اس بات کی متقاضی ہے کہ اب زنانہ رسالے بھی اس معیار کے ہونے چاہئیں جو لڑکیوں اور کم علم مستورات کی دلچسپی بڑھانے کے علاوہ اعلیٰ تعلیم یافتہ اور پختہ خیال خواتین کے مذاق سلیم کو بھی تسلی بخشیں اسی غرض کو مدنظر رکھتے ہوئے ملتان سے ایک اعلیٰ پیمانہ کا زنانہ ماہوار رسالہ بنام سرتاج جاری کیا گیا ہے جو علمی معاشرتی مضامین کا ایک نادر مرقع ہے اور جائز حقوق نسواں کا سرگرم حامی ہے تعلیم مغربی کے برے نتائج پر روشنی ڈالتا ہے اور نیک اثرات سے مستفید ہونے کی ترغیب بھی دیتا ہے۔

معنوی خوبیوں کے علاوہ لکھائی چھپائی اور کاغذ کے لحاظ سے بھی کسی اہم متقصد معاصر سے کم نہیں اور ہر ماہ کی پندرہ تاریخ کو نہایت پابندی وقت کے ساتھ شائع ہوتا ہے۔

منادی

کوچہ چیلان دہلی سے یہ ادبی رسالہ اگست ۱۹۲۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ صفحات مقرر نہیں تھے کبھی بارہ کبھی سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی صاحب تھے۔ اس رسالہ میں حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کا روزنامچہ چھپتا تھا اور اشتہار نیز پوسٹر چھپتے تھے۔

شدھی سنگھٹن اور تبلیغ کا جھگڑا ہوا اور مرکز دہلی تھا۔ شدھی سنگھٹن کی ابتدا سوامی شردھانند نے کی ان کا آرگن تیج اخبار تھا۔ اور اس کے جواب میں خواجہ حسن نظامی نے منادی میں سلسلہ شروع کیا۔

منادی رسالہ اب بھی جاری ہے جو خواجہ حسن نظامی کے صاحبزادے حسن ثانی بستی حضرت نظام الدین سے نکالتے ہیں حسن ثانی صاحب اپنے والد کے سچے جانشین ہیں ان کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور جانشینی کا حق ادا کر رہے ہیں اس رسالہ میں اچھے قابل قدر مضامین اور اولیائے کرام کے حالات شائع ہوتے ہیں۔

پیمانہ

قصر الادب گلی دروازہ لاہور سے اگست ۱۹۲۶ء کو یہ ادبی رسالہ جاری ہوا، نگران علامہ سیماب اکبرآبادی اور مدیر ساغر نظامی صاحب تھے۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا سالانہ چندہ ساڑھے پانچ روپے تھا۔

رسالہ نمائش حیدرآباد دکن مورخہ اکتوبر ۱۹۲۶ء میں اس رسالہ کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

دورِ حاضر کا سب سے اچھا رسالہ پیمانہ جو ابھی اشاعتوں کی منزلیں طے کر چکا ہوا اس کے مقبول و مطبوع ہونے میں کسی شبہ کی گنجائش

نہیں، ہم عصرانہ تعصب، مالی مشکلات، اشتہارات اشاعت کی دشوار گذار
گھاٹیوں سے پیمانہ سکون مطلق اور دور دوام کے مشرق پر طلوع ہو چکا کہ
اس کی کیف بار کرنیں ملک کے گوشہ گوشہ میں پھیل چکی ہیں اور ذوق سلیم
فیصلہ کر چکا ہے کہ آج ہندوستانی صحافت میں اعلیٰ ترین شیرازہ بند صرف
پیمانہ ہے ملک بھر کے بہترین انشاپرداز بھی پیمانہ کے صحافت ادب پر
قلم اٹھاتے ہوئے لرزتے ہیں اس لئے کہ بلندی میں معیار کا تناسب
اور تدوین میں تنوع کی بوقلمونیت پیمانہ کا اصول اولیں ہے رطب ویابس
مضامین سے پاک حشو و زوائد سے مبرا اور زمانہ کی پستیوں سے مبرا
صرف پیمانہ ہے ملک کی صحیح و بہترین لکھنے والی خواتین اچھے سے اچھے
مضامین پیمانہ کو بھیجتی ہیں باقی دوسرے رسالوں کو تقسیم ہو جاتے ہیں۔
اب گویا ہندوستان کا ایک بہترین بے نظیر جنرل ہے جس میں علاوہ علمی
تاریخی اور ادبی مضامین نظم و نثر کے ہندوستان اور ماورائے ہندوستان
کے اہم واقعات اور ضروری خبریں بصیغہ معلومات ماہانہ درج ہیں ہر نمبر
میں دو مختصر افسانے بھی ہوتے ہیں ایک ڈرامہ کا سلسلہ بھی جاری ہے
ماہرین فن کے بعد ایک دلچسپ اعلیٰ ترین نظم ضرور ہوتی ہے کیا یہ باتیں پیمانہ
کا امتیاز خصوصی نہیں ہیں، پیمانہ کا ریڈنگ میٹر ۷۲ صفحات رنگا رنگ اختتام بدل
اور لایعنی مذاق سے گندہ نہیں کیا جاتا ـــ اسی لئے کہ پیمانہ خطوط و تحقیقات
سے بہت بالاتر صرف تمام ہے۔ اس کے مدیر ملک کے مشہور صاحب قلم
اور مستند ناظم غبار العصر ساغر نظامی علیگ ہیں۔ اس کے نگران ملک کے
مستند ادیب اور نامور فاضل علامہ سیماب اکبرآبادی ہیں اس کے تحریر بار
سب سے اعلیٰ طبقہ کے افراد ہیں اور اس کی تحقیق شش ملک کے تعلیم یافتہ

اور ادب پرست طبقہ میں نہایت وسیع ہے۔ ہمارا وہی مناظر مشاہیر
اور آرٹسٹک نقاد دیرہیں اور دل حبیب کارٹون بھی شائع ہوتے ہیں
حجم ۸۰ صفحے مقرر ہیں مگر ہر مہینے کچھ صفحات بڑھ جاتے ہیں کیا ایک ایسا
جامع و وقیع رسالہ ایک سال کے لئے ساڑھے پانچ روپے میں گراں ہو سکتا
ہے، تمام بے اصول، بد مذاق، پست ہمت اور غیر مفید رسالوں اور بے کلف
دماغ اخباروں کو ابھی منیجر صاحب کو ساتھ کر پھینک دیجئے آج ہی ساڑھے پانچ
روپے بھیج کر پیمانہ کے خریدار ہو جائیے۔ جس کے ہر دور میں آپ کے لئے
مسرت و اطمینان، کیف نظر اور نشاط کا سامان محفوظ ہے اور جس کے
ہر حرف مختصر سے آپ کے دل و دماغ کو فرحت اور قوت پہنچانے کا
حاصل ہونے کا امکان ہے نمونہ ۸ر آنے کے ٹکٹ میں مل سکتا ہے۔

ادبستان

ڈاورلین روڈ بمبئی سے یہ ماہانہ رسالہ ستمبر ۱۹۲۲ء
سے شائع ہوتا ہے ۴۶ صفحات پر مشتمل تھا
رشید صدیقی، منیر خلیل کی ادارت میں نکلتا تھا۔

سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
یہ رسالہ انجمن تعمین الادب بمبئی کا آرگن تھا رسالہ عصمت گورکھپور
نے اپنے شمارے جنوری ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے
" ادبستان علمی و ادبی ذوق رکھنے والوں کے لئے ایک بہترین نظم
و نثر پیش کرنے والا رسالہ ہے جو عروس البلاد بمبئی سے جناب رشید
صدیقی اور حضرت منیر خلیل صاحبان کی ادارت اور انجمن معین الادب
کی سرپرستی میں گذشتہ ستمبر سے شائع ہوتا ہے ہر مہینہ ملک کے اہل
قلم حضرات کے مضامین شائع ہوتے ہیں۔

تبیین دکن

یہ قانونی رسالہ ستمبر ۱۹۲۶ء کو حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا۔ فدا حسین صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ میں قانونی مشوروں کے ساتھ ہائیکورٹ کے فیصلے بھی شائع کئے جاتے تھے یہ رسالہ اپنے ایڈیٹر کی وفات کے ساتھ بند ہو گیا۔

عِفّت

استانہ گرلز کالج نو اک خانہ گنگولی پٹنہ سے دسمبر ۱۹۲۶ء کو یہ مسلم خواتین کا ادبی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ صالحہ خاتون اس کی ایڈیٹر تھیں۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور ہندوستان کی مشہور و معروف خواتین کے حالات زندگی کے علاوہ حفظان صحت اور خانگی معاملات پر مضامین شائع ہوتے تھے، کوشش یہ کی جاتی تھی کہ خواتین کے ہی زیادہ مضامین ہوں۔ چنانچہ محترمہ سیدہ بیگم مظفر الدین ایم، اے، محترمہ حفظ جمال، محترمہ بیگم مرزا، محمد مجتبیٰ آفندی اور محترمہ خدیجۃ الکبریٰ اپنے مضامین شائع کراتی تھیں۔

تجلّی

یہ ادبی، دینی رسالہ دسمبر ۱۹۲۶ء کو حیدرآباد دکن سے رونق افروز ہوا، ۶۴ صفحوں پر مشتمل تھا سید سردار علی صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔

یہ رسالہ اپنے قابل اور کہنہ مشق مضمون نگاروں کی وجہ سے بڑی

آب وتاب کے ساتھ شائع ہوا۔ اور اس کی ٹھوس علمی اور ادبی مضامین قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے گئے مگر ناقدروں کے طفیل یہ رسالہ کچھ عرصہ کے بعد بند ہوگیا۔

ہمایوں لاہور بابت دسمبر ۱۹۲۵ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔ مولوی محمد سردار علی صاحب کی ادارت میں یہ ماہی حیدرآباد دکن سے شائع ہوتا ہے۔ اس پرچے میں علمی، ادبی مضامین درج ہوتے ہیں اس وقت اکتوبر کا پرچہ سامنے ہے اس نمبر میں یوں تو سب ہی مضامین بہت عمدہ ہیں۔ لیکن مدرسہ نظامیہ بغداد اور اس کے اساتذہ، غزنوی دور کا آغاز، ایرانی علم و فضل اور مہر ابن دہلوی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ہماری رائے میں یہ رسالہ ہندوستان کے بہترین رسالوں میں شمار کئے جانے کے قابل ہے۔

رازونیاز

دہلی سے دسمبر ۱۹۲۲ء کو یہ دینی دنیاوی علمی، اخلاقی تاریخی اور تمدنی ماہوار رسالہ ظہور پذیر ہوا، ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔

ایڈیٹر لطف احمد زیبا بی اے علیگ آنریری ایڈیٹر و پروپرائٹر ایم اے رؤف عبرت دہلوی تھے سالانہ چندہ ۲ آنے تھا۔ حمید برقی پریس میں چھپتا تھا۔

نظارہ

خانقاہ شریف کانپور سے یہ رسالہ ۱۹۲۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا اس کے مدیر جناب سید ابومحمد ثاقب تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

نظارہ رسالہ پر نیرنگ خیال لاہور بابت فروری ۱۹۲۲ء میں جب

حسب ذیل مختصر تبصرہ کیا ہے۔

نظارہ کے ۲۰×۳۰ سائز کے ۴۲ صفحات میں لکھائی چھپائی کاغذ گوارا۔ رسالہ کے چیف ایڈیٹر جناب سید ابو محمد ثاقب ہیں۔ رسالہ کے بعض مضامین پرانے رسالوں سے بلا حوالے نقل کرنے گئے ہیں۔ حصہ نظم خاص طور پر ناقص ہے۔ رسالہ کا مقصد مضامین سے ظاہر نہیں ہوتا۔ چندہ دو روپے ہے۔ خانقاہ شریف کانپور سے مل سکتا ہے۔

مسلم سیوک آگرہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۶ء کو نمودار ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب شیخ عبدالکریم نظامی تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

حسن خیال منڈی سہور ریاست بھوپال سے بزم شعراء کا یہ آرگن ۱۹۲۶ء میں ظہور پذیر ہوا۔ سرشار کسمنڈی اس کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

علی گڈھ میگزین علی گڈھ مورخہ مارچ اپریل و مئی ۱۹۲۶ء میں رسالہ ہے حسن خیال پر یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

"بزم شعراء کا یہ رسالہ ہے جو زیر ادارت سرشار کسمنڈی سہور بھوپال سے شائع ہوتا ہے۔ ارکان انجمن اور نیز دوسرے شعراء کا منتخب اور چیدہ کلام شائع ہوتا رہتا ہے۔ کبھی کبھی ادبی مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ شعراء کے ہمت افزائی کے لئے یہ پرچہ ایک اچھا ذریعہ ہے۔

مجلّہ عثمانیہ

یہ سہ ماہی رسالہ ۱۹۲۶ء کو حیدرآباد دکن سے وجود میں آیا۔ ۶۰ صفحات پر نکلتا تھا کبھی اس سے زیادہ صفحات ہو جاتے تھے ہر سال اس کے ایڈیٹر تبدیل ہوتے تھے چنانچہ معین الدین قریشی، اشک، سید محمد اکبر وفا قانی، عبدالقیوم باقی اور نبی الحسن شمیم اور میر حسن وغیرہ تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ اس رسالہ میں اساتذہ اور طلبہ قدیم کے مضامین نظم و نثر شائع ہوتے تھے، ایسے ہی مضامین ہوتے تھے جن کا معیار کمزور ہوتا تھا یہ رسالہ جامعہ عثمانیہ کا ارگن تھا، جس کی وجہ سے اس رسالہ نے اچھی ترقی کی بعض خاص نمبر قابل قدر شائع ہوئے جو دنیائے ادب میں ہمیشہ یاد رہیں گے[1]

معینُ الدین قریشی

قریشی صاحب حیدرآباد دکن میں ۱۹۰۱ء میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم سٹی اسکول میں پائی۔ جس کے بعد عثمانیہ میں داخل ہوگئے۔ ۱۹۲۶ء میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ اور محکمۂ تعلیم میں ملازم ہوئے ان ہی کے زمانہ میں مجلۂ عثمانیہ جاری ہوا۔ جس کے وہ پہلے ایڈیٹر منتخب ہوئے، ان کی ادارت میں مجلہ کے جتنے شمارے نکلے وہ ادبی معیار اور حسن ترتیب کے اعتبار سے بہت مقبول ہوئے، آپ انجمن اتحاد جامعہ عثمانیہ کے صدر بھی مقرر ہوئے۔

قریشی صاحب کا ادبی مذاق اور تنقیدی شعور بہت نکھرا ہوا تھا انہوں نے بہت کم لکھا ہے لیکن جو کچھ لکھا ہے اس کے مطالعہ سے

---

[1] دکن میں اردو ص ۹۵۷

ان کی ذہانت اور انفرادیت کا ایسا نقش دل پر چھوڑتا ہے کہ مٹنے نہیں پاتا ان کا اسلوب بڑا دل کش تھا۔ ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے البتہ مرقع سخن جلد سوم اور ڈاکٹر سید عبداللطیف کی تصنیف غالب کا ترجمہ ان کی یادگار ہیں۔

قریشی صاحب جامعہ عثمانیہ کے دورِ اولین کے ان طلبا میں تھے جنھوں نے کالج کی زندگی کے تمام شعبوں پر اپنی شخصیت اور انفرادیت کے گہرے نقوش چھوڑے لیکن زمانہ کی ناقدریوں نے انھیں حرفِ غلط کی طرح مٹا دیا۔ وہ اپنی ذہانت بلند نظری اور خوش مذاقی کی وجہ سے اپنے معاصروں میں بے حد مقبول تھے اور ان کے اساتذہ کو ان کی ذہانت سے بڑی توقعات وابستہ تھیں لیکن عملی زندگی گمنامی میں بسر کی اور وقت سے پہلے اللہ کو پیارے ہو گئے۔ حالات سازگار ہوتے اور ان کے ذاتی جوہر کی قدر کی جاتی تو وہ آسمانِ ادب پر چاند بن کر چمکتے لیکن ان کی قسمت میں نہ تھا وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو اپنے جوہر ذاتی کا پورا پورا احساس ہوتا ہے اور جب اس کو ناقدریوں کا شکار ہوتا دیکھتے ہیں تو خود ہی بڑھ کر اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور ساری زندگی اپنے آپ سے انتقام لیتے رہتے ہیں۔[1]

میر حسن

میر حسن صاحب حیدرآباد دکن کے قدیمی باشندے تھے ۲ مئی ۱۹۰۱ء کو پیدا ہوئے ۱۹۳۵ء

[1] حیدرآباد کے ادیب ص ۱۹۷

میں جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا۔ ایک مدت تک سٹی کالج اور نظام کالج میں اردو کے استاد کی حیثیت سے خدمت انجام دینے کے بعد نشتر گاہ حیدرآباد میں منتقل ہو گئے وہاں سے آپ کا تبادلہ عادل آباد ہو گیا تھا جہاں سے آل انڈیا ریڈیو کے لئے ان کی خدمات حاصل کر لی گئیں۔

میر حسن صاحب طالب علمی ہی کے زمانہ سے اپنی غیر معمولی ذہانت اور سلجھے ہوئے ادبی مذاق کی وجہ سے ادبی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے وہ بزم اردو کے معتمد، انجمن طلباء جامعہ عثمانیہ کے صدر، مجلہ عثمانیہ اور مجلہ طیلسانیین کے ایڈیٹر بھی رہ چکے ہیں ان کو میر انیس لطیف کہا جاتا تو بجا ہے بڑے مجلسی آدمی تھے ہر بزم میں گلدستہ اور ہر چمن میں پھول تھے جس محفل میں بیٹھتے وہ لطائف و ظرائف سے زعفران زار بن جاتی۔ جامعہ عثمانیہ کے فارغوں میں سے آج بھی ان کی بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کے چرچے عثمانی برادری کے حلقوں میں گرمی محفل کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ شعر بھی کہتے تھے اور اپنے رنگ میں منفرد تھے ان کی تصانیف میں ہوش کے ناخن کے علاوہ مغربی تصانیف کے اردو تراجم اور "وردزورتھ اور اس کی شاعری" قابل ذکر ہیں۔[1]

جلال الدین اشک

اشک صاحب سنہ ۱۹۱۰ء کو حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے نواب وحید جنگ

---

[1] حیدرآباد کے ادیب صفحہ ۲۸

کے صاحبزادے اور پروفیسر صلاح الدین کے بھائی تھے ابتدائی تعلیم مفید الانام ہائی اسکول میں ہوئی اور وہیں سے میٹرک کا امتحان پاس کرکے جامعہ عثمانیہ میں داخل ہوئے ۱۹۲۳ء میں بی اے اور ۱۹۲۷ء میں ایل ایل بی کے امتحان میں کامیاب ہوئے۔ اور محکمہ کروڑگیری میں ملازم ہوئے۔ ابتداء میں ان کا تقرر امین کی جائیداد پر ہوا تھا۔ لیکن بعد میں ترقی کرکے مددگار مہتمم ہوگئے تھے، اشک صاحب ۱۹۳۳ء میں مجلہ عثمانیہ کے ایڈیٹر رہ چکے تھے

اشک صاحب جامعہ عثمانیہ کے ابتدائی دور کے خوش فکر شاعروں میں تھے اور اپنے صلح کل مشرب اور سلجھے ہوئے مذاق کی وجہ سے ادبی حلقوں میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اشک شاعر ہونے کے ساتھ نثر نگاری بھی کرتے تھے ان کی دو تصانیف شیطان کا انتقام اور سلک گوہر بھی شائع ہوچکی ہیں، شیطان کا انتقام ایک طنزیہ ہے جو افسانوی انداز میں لکھا گیا ہے اس طنزیہ کے بقول پروفیسر عبدالقیوم خان باقی کہ " ہماری تہذیب شیطان کا انتقام ہے جو انسان کے بچوں کے ساتھ لیا گیا " ہے سلک گوہر منظوم ڈرامہ ہے، ان کی غیر مطبوعہ تصانیف میں مجموعہ کلام کے علاوہ تحریک کشی کا شجرہ قابل ذکر ہے یہ بھی ایک طنزیہ ہے اشک صاحب ۱۹۴۸ء میں پاکستان چلے گئے تھے وہیں ان کا ۱۹۵۱ء میں انتقال ہوا ؎

اشک صاحب نے سلطان رضیہ کے میدان جنگ کا نقشہ کھینچا ہے۔

حیدرآباد کے ادیب ص۲۹۹

ہاتھ میں تیر و کماں اور کمر میں تلوار [1]
دوش پر زلف سیاہ گوش میں در شہوار
زیر ران اسپ سبک سیر وہ برق رفتار
تمتمائے ہوئے گرمی سے وہ دونوں رخسار
آج میدان میں رعنیہ کی سپہداری ہے
کہو اکبر کو یہ زمانہ سے طرفداری ہے

غنچے کھلتے ہیں صدا سے تیری
طور جلتے ہیں ندا سے تیری
گوہر اشک صلہ ہے تیرا
شاہ بھی ایک گدا ہے تیرا
شدت غم سے ہو ہر لخت جگر
دیدۂ تر سے نکلتا ہے باہر
دل مضطر میں خلش ہو جس دم
سوز فرقت کی تپش ہو جس دم
باتے اس وقت ترا کیف وجود
درد مند دل کا ہے تنہا مقصود
تو نہ ہوتا تو جہاں تھا یہ خراب
گوہر اشک یہ ہوتے نایاب

سید محمد اکبر وفا قانی

اکبر جب حیدرآباد دکن میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم دار العلوم میں پائی اس کے بعد جامعہ عثمانیہ میں داخلہ لیا۔ وہاں سے بی اے ایل ایل بی کا امتحان پاس کیا اس کے بعد وکالت کرنے لگے۔

---

[1] سخنوران دکن ملحد

اس نے شعر بھی کہے، افسانے اور تنقیدیں بھی لکھیں لیکن حیدرآباد میں ان کی شہرت حسن کاری کے نقاد کی حیثیت سے ہوئی۔ انھوں نے فنون لطیفہ بالخصوص مصوری اور اس کی تاریخ کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ مختلف مکاتیب کے باریک سے باریک فرق کو سمجھتے تھے اور بڑے سے بڑے مصور کو ٹوک دیتے تھے حیدرآباد کے مصور ان کا بڑا احترام کرتے تھے وہ ایک مدت تک اسکول آف فائن آرٹس میں تاریخ حسن کاری کے لکچرار بھی رہے ان کی کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے۔ لیکن مضامین کی تعداد اتنی ہے کہ کئی مجموعے شائع ہو سکتے ہیں۔ ؎

۱۳۴۳ھ میں مجلہ عثمانیہ کے ایڈیٹر تھے "حسن کار" نام کا ایک رسالہ مدت تک نکالا۔ عشقیہ کلام سے زیادہ دلچسپی نہیں تھی غزل کم کہتے تھے۔ نظم میں انھوں نے کمال حاصل کیا۔ شفا تاج محل کو دور سے دیکھ کر کہا۔

ایک خواب کی دنیا میں کھڑا دیکھ رہا ہوں
میں دہر میں تعبیر فنا دیکھ رہا ہوں
وہ گنبد و محراب، وہ مینار نگینہ
ہوں محوِ تبسم، کہ کوئی خوابیدہ حسینہ
یوں دور درختوں میں جو جلوہ نظر آیا
بادل سے کوئی چاند نکلتا نظر آیا

؎ حیدرآباد کے ادیب صفحہ ۳۶

ہر شے متناسب کوئی گوہر کی لڑی ہے
اک حور ہے جو مرمری جالی میں کھڑی ہے
ہر قبہ چمکتا ہوا، ہیرے کی کنی ہے
یہ ہند کا احرام، زلیخا بدنی ہے
روضۂ اقبال سلاطین کہیں اس کو
تیموریٔ اولاد کی تمکین کہیں اس کو
گنبد ہے کہ یہ لوحِ دلِ شاہجہاں ہے
جو اپنی تمنا کے لئے محوِ فغاں ہے

عبدالقیوم خاں باقی

باقی صاحب حیدرآباد کے ایک خوش حال گھرانے میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم مختلف اسکولوں میں پائی جامعہ عثمانیہ سے فارسی میں ایم اے کیا۔ اور دو سال تک ریسرچ اسکالر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ۱۹۳۷ء میں محکمہ تعلیم سے وابستہ ہوگئے، جہاں سے سنہ [illegible] میں جامعہ عثمانیہ میں تبادلہ ہوا بارہ تیرہ سال تک مختلف کالجوں میں پڑھاتے رہے۔

باقی صاحب ادب اور فنونِ لطیفہ کی انسائیکلوپیڈیا تھے، فارسی انگریزی اور اردو ادبیات، مشرقی، مغربی فلسفہ، رقص، مصوری، موسیقی اور فن تعمیر کا گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ اور جدید قدیم تحریکوں اور مکاتیب سے باخبر تھے لکھتے زیادہ تھے لیکن پڑھنے میں ریکارڈ توڑ دیتے تھے تعجب اس بات پر ہوتا تھا کہ پڑھنے لکھنے کے باوجود وہ مصوری اور ستار کے ریاض کے لئے کیسے وقت نکال لیتے تھے، فن ستار کے ماہر تھے

حیدرآباد میں جو اس فن کے استاد تھے وہ بھی ان کے کمال کے معترف تھے، ہاشمی صاحب مروجہ اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے علاوہ مغربی زبانوں کے بعض شاہکاروں کو اردو میں منتقل کیا تھا۔ اس میں جرمن شاعر گوئٹے کے ڈرامے فاؤسٹ کا منظوم ترجمہ کیا ان کی غنائیوں میں یوسف زلیخا کا مرتبہ بلند ہے بہ حیثیت شاعر اور نثر نگار دونوں حیثیتوں سے ایک امتیازی مقام رکھتے تھے لیکن نہ تو زندگی میں وہ خراج تحسین نصیب ہوا جس کے وہ مستحق تھے اور نہ موت کے بعد ان کی وہ تصانیف منظر عام پر آسکیں جو مسودوں کی صورت میں پڑی اردو ادب کے تشکیلہ اول پر ماتم کر رہی ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی تنقیدوں میں جمالیات کے داخلی تصور، انفرادیت اور ہیئت کو بڑا دخل ہوتا تھا۔ بنیادی طور پر وہ رومانی اور تاثراتی رنگ کے دلدادہ تھے وہ پی، ایچ ڈی کے لئے اردو شاعری کا جمالیاتی مطالعہ کے موضوع پر کام کر رہے تھے اگر موت نے انھیں بے وقت چھین نہ لیا ہوتا تو یہ مقالہ یقیناً اردو ادب میں ایک مستقل اضافہ ہوتا۔ ان کا سنہ ۱۳۵۸ھ میں عارضہ قلب کی وجہ سے انتقال ہوا[۱] سنہ ۱۹۲۹ء میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہ چکے ہیں شعر و شاعری سے بچپن سے دلچسپی تھی، شعر خوب کہتے تھے افسانہ آدم ایک نظم ملاحظہ ہو[۲]

ہے چمن میں شور مستانہ مرا ہر گل و غنچہ ہے افسانہ مرا
جاں فزا نغموں کی سن کر عندلیب ڈھونڈتی پھرتی ہے کاشانہ مرا

---

[۱] حیدرآباد کے ادیب ص۲۱۳ [۲] سخنوران دکن ص۱۷۱

قطرۂ مئے بن گیا دریائے مے — سیر نہیں ہوتا تھا پیمانہ مرا
اٹھئے اے موسیٰ کہ بس اب کچھ نہیں — جلوہ تھا اک بے حجابانہ مرا
سیکھتے تھے لو یہاں ناز چمن — عشوہ و انداز ترکانہ مرا
موت ہے اس پر سکون مستی تری — حشر ہے اک شور رندانہ مرا
مجھ میں پنہاں ہے زمین و آسماں — میرے اندر ہے پریخانہ مرا

خاک سے نیچا ہے میرا آستاں
عرش سے اونچا ہے کاشانہ مرا

نبی الحسن شمیم

شمیم صاحب حیدرآباد کے قدیم رہنے والے ہیں، جامعہ عثمانیہ کے تعلیم یافتہ تھے سنہ [illegible] میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہے ہے، تحصیلداری کرتے تھے، شعر و شاعری سے دلچسپی تھی، شعر خوب کہتے تھے، غزل پر توجہ نہیں تھی نظم پر زیادہ وقت صرف کیا،

مزدور سے مخاطب ہیں[1]

تیری ممنون ہے دنیا کی یہ چل پہل ساری
ترا احسان ہے کہ نہریں ہیں محلوں کی جاری
ترے قربان کہ [illegible] کی تدبیر ہوا
خانہ کعبہ ترے ہاتھ سے تعمیر ہوا
تجھ کو دیتے ہیں دعا مسلم و کافر دونوں
ترے ممنون ہیں مسجد و مندر دونوں

---

[1] سخنوران دکن ص۱۷۱

حیدرآباد میں جو اس فن کے استاد تھے وہ بھی ان کے کمال کے معترف تھے، ہاتفی صاحب مروجہ اصناف میں طبع آزمائی کرنے کے علاوہ مغربی زبانوں کے بعض شاہکاروں کو اردو میں منتقل کیا تھا۔ اس میں جرمن شاعر گوئٹے کے ڈرامے فاؤسٹ کا منظوم ترجمہ کیا ان کی غنائیوں میں یوسف زلیخا کا مرتبہ بلند ہے یہ شاعر اور نثر نگار دونوں حیثیتوں سے ایک امتیازی مقام رکھتے تھے لیکن نہ تو زندگی میں وہ خراج تحسین نصیب ہوا جس کے وہ مستحق تھے اور نہ موت کے بعد ان کی وہ تصانیف منظر عام پر آسکیں جو مسودوں کی صورت میں پڑی اردو ادب کے تشکیلی ادوار پر ماتم کررہی ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین کی تعداد بہت زیادہ ہے ان کی تنقید ولی میں جمالیات کے داخلی تصور، انفرادیت اور ہیئت کو بڑا دخل ہوتا تھا۔ بنیادی طور پر وہ رومانی اور تاثراتی رنگ کے دلدادہ تھے وہ پی، ایچ ڈی کے لئے اردو شاعری کا جمالیاتی مطالعہ کے موضوع پر کام کر رہے تھے اگر موت نے انہیں بے وقت چھین نہ لیا ہوتا تو یہ مقالہ یقیناً اردو ادب میں ایک مستقل اضافہ ہوتا۔ ان کا سنہ ۱۹۵۰ء میں عارضہ قلب کی وجہ سے انتقال ہوا [1] سنہ ۱۹۲۹ء میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہ چکے ہیں شعر و شاعری سے بچپن سے دلچسپی تھی، شعر خوب کہتے تھے افسانہ آدم ایک نظم ملاحظہ ہو [2]

ہے چمن میں شور مستانہ مرا　　ہر گل و غنچہ ہے افسانہ مرا
جاں لڑا اتھوں کی سن کر عندلیب　　مجا شکا پھرتی ہے کاشانہ مرا

---

[1] حیدرآباد کے ادیب ص ۳۱　[2] سخنوران دکن ص ۱۷۱

قطرۂ مے بن گیا دریا مے سے — بھر نہیں سکتا تھا پیمانہ مرا
اٹھتے اے موسیٰ کہ بس اب کچھ نہیں — جلوہ تھا اک بے حجابانہ مرا
سیکھتے تھے لوبہالانِ حسن — عشوہ و انداز ترکانہ مرا
موت ہے اس پر سکون مستی تری — حشر ہے اک شور رندانہ مرا
مجھ میں پنہاں ہے زمین و آسماں — میرے اندر ہے پریخانہ مرا

خاک سے نیچا ہے میرا آستاں
عرش سے اونچا ہے کاشانہ مرا

نبی الحسن شمیم

شمیم صاحب حیدرآباد کے قدیم رہنے والے ہیں جامعہ عثمانیہ کے تعلیم یافتہ تھے سنہ [redacted] میں مجلہ عثمانیہ کے مدیر رہے، تحصیلداری کرتے تھے، شعر و شاعری سے دلچسپی تھی، شعر خوب کہتے تھے، غزل پر توجہ نہیں تھی نظم پر زیادہ وقت صرف کیا،

نذر در سے مخاطب ہیں[1]

تیری ممنون ہے دنیا کی یہ چہل پہل ساری
ترا احسان یہ ہے کہ نہریں ہیں محلوں کی جاری
ترے قربان کہ [redacted] تدبیر ہوا
خانہ کعبہ ترے ہاتھ سے تعمیر ہوا
تجھکو دیتے ہیں دعا مسلم و کافر دونوں
ترے ممنون رہے مسجد و مندر دونوں

۱؎ سخنوران دکن ص۱۲۱

تجھ سے معمور ہوئے تہذیب کے سب گہوارے
تیری کاوش کا نتیجہ ہیں تمدن سارے
اپنی فطرت میں جکڑ ہے یہ مجبوری ہے
ورنہ جو کر سکے ہیں انسان وہ مزدوری ہے
تو نے فطرت کے ذخیروں پہ کیا ہے قبضہ
تیرے ہاتھوں سے کرشمے کا اثر ہے پیدا
جوش ایثار کی راہوں میں دکھایا تو نے
اپنے مقصد کے لئے خون بہایا تو نے
اس لحاظ سے بھی تیرا ہے اثر لوگوں پر
آج بھی تیری حکومت ہے کئی ملکوں پر

آفتاب

گنگا دھر بابو سین، بہو بازار کلکتہ سے یہ رسالہ ۱۹۲۲ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، مولانا حسرت کاشمیری اس کے ایڈیٹر تھے علاوہ محصول ڈاک چندہ سالانہ دو روپے بارہ آنے تھا۔

ہندوستان کے بوقر جریدوں نے اس رسالہ پر شاندار ریویو کئے چنانچہ دہلی کے مشہور اخبار ہمدرد دہلی نے مورخہ ۱۲ جون ۱۹۲۲ء کو اس پرچہ پر یہ تبصرہ کیا تھا۔

"مشرقی ہندوستان کا واحد معمور صحیفہ جس میں مشاہیر اہل قلم کے سنجیدہ بلند پایہ مضامین دلچسپ افسانے اور مشہور مصوروں کے شاہکار شائع ہوتے ہیں زیر ادارت مولانا حسرت کاشمیری زمین کلکتہ سے نکلنا شروع

ہوا ہے رنگین تصاویر کی اشاعت کا خاص انتظام کیا گیا ہے جو اصحاب یکم اگست ۱۹۶۲ء تک خریدار ہوں گے ان کی خدمت میں ایک بارہ جھیلنے کا دلآویز ناول عیاشی کا انجام مفت نذر کیا جائے گا۔

چراغ حسن حسرت کاشمیری

چراغ حسن حسرت کاشمیری کے والد ماجد شیخ نورالدین تھے حسرت ۱۳۲۲ھ میں کشمیر کے ایک چھوٹے سے گاؤں بمیار میں پیدا ہوئے جو بارہ مولہ سے چند میل دور ادھر دریائے جہلم کے کنارے واقع ہوا ہے نام تاریخی ہے بچپن میں نانا نے گود لے لیا تھا چنانچہ انھوں نے ہی ان کی پرورش کی ان کے نانا بھی شاعر تھے حسن تخلص تھا ان سے اور اپنے والد ماجد سے ابتدا میں گلستان اور بوستان پڑھی بعد میں سکندر نامہ، یوسف زلیخا اور نیرنگ عشق کا مطالعہ کیا عربی میں بھی کسی قدر استعداد تھی، انگریزی کی تعلیم میٹرک تک پونچھ میں پائی، جہاں آپ کے نانا بسلسلہ ملازمت مقیم تھے اس کے بعد منشی فاضل اور ایف اے کے امتحانات میں شامل ہوئے کچھ دنوں تک مختلف مدارس میں ہیڈ اور سینئر ٹیچر کے فرائض انجام دیتے رہے علمی کے کام سے دل لگاؤ نہ تھا۔ اس لئے کلکتہ گئے وہاں صحافی زندگی گزارنی شروع کی۔ مقتدر جرائد، عصر جدید، نئی دنیا، جمہور اور استقلال میں فرائض ادارت انجام دینے شروع کئے کچھ عرصہ تک مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار پیغام میں بھی کام کیا آفتاب کلکتہ کے ایڈیٹری کے فرائض بھی انجام دئیے ۔ لاہور میں بھی آفتاب جاری کیا، زمیندار الفقدر، احرار اور دیگر لاہور کے اخبارات کے اداروں سے تعلق

یا سا اور سردار الملک اشاعت پنجاب میں ملازم ہو گئے، جہاں کتابوں کی نظر ثانی اور تہذیب نسواں کی ادارت کا کام آپ کے سپرد ہوا ۔ احسان اصغر کے ادارہ میں شامل رہے آپ کی مستقل اور بلند پایہ تصنیف تاریخ اسلام ہے اگر اور کوئی کتاب لکھی ہے تو اپنے نام سے شائع نہیں کی ہے جو اخبار الولب نہ تھی، رسالوں میں مضامین بہت کم لکھے لیکن چند فسانے اعلیٰ پایہ کے طبعزاد لکھے نثر میں زبان اور محاورہ کی صحت کا خاص خیال رکھتے تھے ۔

آپ نے شاعری میں کسی سے شرف تلمذ حاصل نہیں کیا لیکن ایک دفعہ استاد عظیم آبادی سے خواہش ظاہر کی تو وہ اس وقت بصارت و سماعت سے محروم ہو گئے تھے اس لئے اصلاح نہ دے سکے آپ بغیر استاد ہی رہے ۔

آپ کا میلان عربی کی طرف زیادہ تھا اور نہایت پاکیزہ اشعار کہتے تھے عورتوں اور بچوں کے لئے بھی نظمیں لکھی ہیں کچھ سیاسی نظمیں بھی لکھی ہیں جو غازی اور ریس یا پاکستانی کے فرضی ناموں سے شائع ہوئیں سخن فہمی اور شعر گوئی میں آپ کا مذاق نہایت شستہ اور لطیف ہے نام خود سے سمجھ گئے ہیں۔ کلام پڑھتے ہیں اور محظوظ ہوتے ہیں بلکہ محبت کس قدر پاس آ کر بے معلوم ہوتی ہے

ترے ہونٹوں کی ہر جنبش "نہیں معلوم ہوتی ہے

ے شعرائے پنجاب صـ۲۱۲

یہ کس کے آستاں پر مجھ کو ذوقِ سجدہ لے آیا
کہ آج اپنی جبیں اپنی جبیں معلوم ہوتی ہے
محبت تیرے جلوے کتنے ہیں رنگا رنگ جلوے ہیں
کہیں محسوس ہوتی ہے، کہیں معلوم ہوتی ہے
جوانی مٹ گئی، لیکن خلش دردِ محبت کی
جہاں معلوم ہوتی تھی وہیں معلوم ہوتی ہے
امیدِ وصل نے دھوکے دیے ہیں اس قدر حسرت
کہ اس کافر کی ہاں بھی اب نہیں معلوم ہوتی ہے

~~~

دل بلا سے نثار ہو جائے   آپ کو اعتبار ہو جائے
قہر تو بار بار ہوتا ہے   لطف بھی اک بار ہو جائے
دل پہ مانا کہ اختیار نہیں   اور اگر اعتبار ہو جائے

اے قیس دیکھ ناقۂ لیلیٰ نہ ہو کہیں،
بجلی سی اک چمکتی ہے منزل کے سامنے
حسرت کو لے آئیں تری بزمِ ناز میں
کمبخت رو نہ دے کہیں محفل کے سامنے

رات کی بات کا ذکر ہی کیا   چھوڑیئے رات گئی بات گئی
اب کی برسات میں بھی پی نہ سکے   ہم پہ روتی ہوئی برسات گئی

دمِ آخر وہ آ گئے حسرت
موت سے اب کوئی بہانہ کریں

~~~

ستارہ میسور

یہ ہفتہ وار اخبار میسور سے ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا ، بارہ صفحات پر مشتمل تھے ، محمد سلیمان پرواز بنگلوری کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا - سالانہ چندہ چار روپے تھا -

محمد سلیمان پرواز

پرواز صاحب بنگلور کے رہنے والے تھے ان کے والد ماجد عبدالکریم صاحب نے بی اے کی تعلیم پائی - یہ وہ دور تھا جب بنگلور میں مسلمانوں میں انگریزی دانوں کی بے انتہا کمی تھی گریجویٹ ہونے کے بعد بھی آپ نے ملازمت نہیں کی - کپڑے کی تجارت شروع کی - پرواز صاحب کو شعر و شاعری کا ذوق تھا ، قلندر خاں عطا اور محمود کلی کو کلام دکھانا شروع کیا - اور حضرت سیماب اکبرآبادی سے بھی مشورہ کیا - سنہ ۱۹۲۱ء میں ستارہ میسور ہفتہ وار جاری ہوا - تادم زیست علمی و ادبی اور صحافتی سرگرمیوں میں مصروف رہے ۱۹۵۵ء میں فوت ہوئے [1]

دکھلائے کیوں نہ رنگ قناعت رسول کی
مومن کو نام حق سے ہے دولت رسول کی
سالم نہ کیوں رہے دل پرواز خاک میں
دل میں بھری ہوئی ہے اس کے محبت رسول کی

---

[1] ریاست میسور میں اردو کی نشو و نما ص۳۹۳

دل

آگرہ سے یہ ماہنامہ بابت ماہ [illegible]ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر حکیم سید علی حسن شباب اکبرآبادی تھے سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

حکیم سیّد وصی الحسن شباب اکبرآبادی

شباب صاحب کے والد حکیم سید معشوق علی ابن مولوی حکیم سید محمود علی رئیس آگرہ بن حکیم مولوی سید امام علی ابن مولوی سید محمد میر برادر مولوی سید امجد علی اکبرآبادی علمی گھرانے کے فرد تھے علمی علوم کے حصول کے بعد فن طب کی تحصیل کی، آپ کا شمار عہد لی طور پر شاہیر اطبار اکبرآبادی ہوتا تھا۔ آپ کو شعر و شاعری کا شوق تھا، مرزا افضل حسین فلک سے اصلاح لی، ایک ماہانہ رسالہ عرصہ تک آپ کے زیر ادارت دل جاری رہا۔ ایک کتاب داغ زیر تالیف تھی [1]

آگئی شانِ عاشقی حسنِ جفا شعار میں
حسن کو کر کے مضطرب خود بھی نہیں قرار میں
طور پہ کل جو چمکی تھی برق تجلی جمال
آج سمٹ کے آگئی میرے دل فگار میں
اس سے زیادہ اور خطا کچھ نہیں مری
اک سانس لی تھی عالم ناپائیدار میں

---

[1] شاعر آگرہ نمبر جون جولائی [illegible]ء

ثریا یہ ماہانہ علمی و ادبی رسالہ ۱۹۲۶ء کو آگرہ سے نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا اس کے مدیر جناب مسلم صدیقی تھے۔
سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

مسلم راجپوت امرتسر سے ہندوستان کے مسلم راجپوتوں کا آرگن ۱۹۲۶ء سے ہفتہ وار جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولوی محمد عبداللہ سنہاس تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کا اشتہار رسالہ سوامنہ بدایوں مورخہ اگست ۱۹۲۷ء میں حسب ذیل شائع ہوا تھا۔

زمانہ حال کا بہترین ہفتہ وار اخبار اور ایک کروڑ مسلم راجپوتوں کا واحد آرگن ہے مسلم راجپوت جو عہد حاضر کے نامور ادیب اور صاحب الرائے اخبار نویس جناب مولوی محمد عبداللہ صاحب سنہاس کے زیر ادارت تمام ظاہری ومعنوی خوبیوں کے ساتھ امرتسر سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے، اخبار راجپوت نے نہایت قلیل مدت میں جو شاندار درجۂ امتیاز اردو اسلامی اخبارات میں حاصل کر لیا ہے وہ اس کی روز افزوں تعداد اشاعت سے ظاہر ہے ارباب نظر نے نہ صرف مسلم راجپوتوں کے لئے بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے مضامین اداریہ کاغذ لکھائی چھپائی وغیرہ کے لحاظ سے عہد جدید کا بہترین ہفتہ وار اخبار تسلیم کر لیا گیا ہے۔

قرطاس یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۲ء کو امروہہ سے نمودار ہوا ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا ، مالک ایڈیٹر سعید ولی حیدر صاحب تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ مذہبی اور قومی اخبار تھا۔ اس زمانے کے قومی مسائل پر آزادانہ تبصرہ شائع کرتا تھا۔ عام چیزیں ملکی وغیر ممالک کی درج ہوتی تھیں ، ناولیں بھی تحریر کئے جاتے تھے۔

سہیل یمن وکٹوریہ سٹریٹ لکھنؤ سے یہ ماہانہ ادبی رسالہ ۱۹۲۲ء کو وجود میں آیا۔ ۸۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر سید نواب علی رضوی تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ نور المطابع لکھنؤ میں چھپتا تھا۔ رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ جون ۱۹۲۶ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو کیا تھا

"اردو کے مرکز لکھنؤ سے سہیل یمن نام کا جریدہ ابوالبرعہ سید ظفر مہدی اور سید نواب علی رضوی کی ادارت میں انیق نور المطابع وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ سے طلوع ہو کر دفتر سہیل یمن سے ضیا بار ہوا ہے تعجب ہے کہ لکھنؤ جو ہمیشہ فرنگی محل اردو کو ٹولو یانہ! رد کرتا رہا ہے ابوالبرعہ السید الرضوی سرکۃ القلم اور انزال ضخی جیسی ترکیبوں کو کیونکر برداشت کرسکا۔

سہیل یمن کا موٹو "انکر سوتھ" یعنی یہ تنبولوں پر باوجود اس کے لفظوں میں ان شبدیوں پر اعتراض کرے گا جو سنی سنکر شبدوں پر حملے کرتے ہیں۔"

جہانِ عزیز لکھنؤ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر دمنل بلگرامی تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ بابت جون ۱۹۲۲ء میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

لکھنؤ سے ایک جہانِ عزیز پرچہ شائع نکلتا ہے ہم کو شبہ ہے کہ شاید خود لکھنؤ نے جہانِ عزیز کو نہ سمجھا ہوگا لیکن پرچہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے خاصہ ہے اس کے مدیر جناب دمنل بلگرامی کو شعر و شاعری میں خانوادہ امیر سے نسبت ہے اس لئے ابھی اس درخواست کی گنجائش ہے کہ پرچہ اس ادبی تنوع کا آئینہ نہیں معلوم ہوتا جیسے لکھنؤ، پنجاب، حیدرآباد علی گڑھ وغیرہ کے دوسرے مقامات پر حاصل ہونا چاہیے تاہم قابلِ مذمت نہیں۔"

شفا ۶۲ کولو ٹولہ اسٹریٹ کلکتہ سے یہ طبی رسالہ نمودار ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا حکیم احسان اللہ صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ جون ۱۹۲۲ء میں اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔

ہندوستان میں طبی پرچوں کی جس قدر ضرورت ہے ظاہر ہے لیکن افسوس سارے ملک میں اردو کے دلچسپ پرچے دو ہی ایک ہیں جن سے کسی کا بھی معیار بلند نہیں حال میں کلکتہ سے شفا نام کا ایک پرچہ نکلنے لگا ہے اس پرچہ کے مضامین کی نوعیت بتا رہی ہے کہ اگر کوشش کی جائے تو اس کا معیار بلند ہو سکتا ہے لیکن ضرورت ہے کہ گذشتہ سے پیوستہ کے سلسلوں میں کمی ہو۔"

الجمال لونگووال سانگاہل پنجاب سے ۱۹۲۱ء کو یہ ماہنامہ وجود میں آیا۔ ۱۶ صفحات پر نکلتا تھا، حکیم جلال الدین احمد اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا، لاہور پرنٹنگ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

الاکرام خانقاہ گنج بہار شریف سے یہ پندرہ روزہ اخبار ظہور میں ۱۹۲۶ء کو آیا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا مولوی محسن عالم بہاری اور حافظ ظفر صاحب ظفر بہاری کی ادارت میں نکلتا تھا سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

الموسن کلکتہ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۲۶ء میں اس اخبار پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

الاکرام ایک قومی پندرہ روزہ اخبار ہے جو مولوی محسن صاحب عالم بہاری، حافظ ظفر صاحب ظفر بہاری کی ادارت میں نکلتا ہے مضامین نہایت سنجیدہ اور کارآمد ہوتے ہیں، جمعیۃ المومنین اور قوم میں اصلاحی و دینداری کا خواہاں ہے، ترتیب مضامین لکھائی چھپائی نہایت اچھی کاغذ سفید اور چکنا ہے۔

فردوس یہ ادبی تاریخی و سیاسی ماہنامہ ۱۹۲۶ء کو فیض آباد سے نمودار ہوا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ ماسٹر امداد حسین صاحب ناشاد اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

روزگار جالندھر سے یہ ماہانہ تجارتی رسالہ ۱۹۲۶ء کو ظہور پذیر ہوا، ۵۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ جمیتہ لشن وانس

اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ کشن اسٹیم پریس جالندھر میں طبع ہوتا تھا۔

پیمانہ دربھنگہ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ مولانا فیض سہسوانی کی ادارت میں جاری ہوا تھا۔ تین شمارے نکلے اس کے بعد بند ہو گیا ۱۹۲۷ء میں اس کو دوبارہ جاری کرنے کی کوشش کی گئی، لیکن اس مرتبہ بھی دو شماروں سے زیادہ نہ نکل سکے اس کے مدیر مولانا قمرالدین صاحب تھے ۱۹۲۹ء میں تیسری مرتبہ جاری کیا اس مرتبہ اس کے ایڈیٹر مولانا طہ الہی فکری تھے وہ بھی دو شماروں سے زیادہ نہ نکال سکے۔

تصویر خیال یہ ماہانہ رسالہ پٹنہ سے ۱۹۲۲ء کو نمودار ہوا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ادارہ تحریر میں شاہ ولی الرحمن صاحب کاکوی، شاہ افضال الرحمن بسمل اور شاہ خلیل الرحمن سجنوری تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

ککڑوں کوں لاہور سے یہ ظریف ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا آٹھ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ چار روپے تھا، اس اخبار کا اشتہار جولائی ۱۹۲۶ء میں بہارستان میں شائع ہوا تھا۔

انقلاب

لاہور سے یہ ماہانہ مصور رسالہ ۱۹۲۶ء میں جلوہ افروز ہوا۔
۸۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ جناب فتح چند نسیم اور مسٹر کنھیا لال ثاقب بی اے آنرز اس کے ایڈیٹر تھے،
سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ ہندوستان لاہور مورخہ جون ۱۹۲۶ء میں رسالہ انقلاب لاہور کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔

یہ باتصویر ماہوار رسالہ ادبی و سیاسی طور پر ایک بہترین رسالہ ہے جو ہر انگریزی مہینہ کی سات تاریخ کو مرکز پنجاب یعنی لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ ملک کے نامور اہل قلم اور جادو نگار شعرائے کرام اس کے دلچسپ و مفید بنانے میں تندہی کے ساتھ سرگرم و مستعد ہیں۔
مضامین کی نوعیت ایسی ہے جو ہر طبقے کے لئے دلچسپ ہے بلکہ اس کے اکثر مضامین ہونہار بچوں اور خواتین کے لئے بھی مفید اور دلچسپ ہوا کرتے ہیں اس کی ضخامت قریباً ۸۰ صفحات ہیں اور سائز ۲۰×۲۶ ہے اس میں ہر مہینے ایک یا دو ہاف ٹون بلاک کی رنگین تصاویر نذر ناظرین کی جاتی ہیں اور حالات حاضرہ پر متعدد پُرلطف سیاسی کارٹون بھی پیش کئے جاتے ہیں بالعموم ہر تصویر سے متعلق مشہور شاعروں کی بلند پایہ نظمیں زینت بنتی ہیں، قدر دانوں کی بہتی کے ساتھ اس کے حجم

لیکن غیر معمولی تاخیر اور صبر شکن انتظامیہ کے بعد ہم اس ارادہ پر قائم نہ رہ سکے اور صرف ان چند عربی اور انگریزی اخبارات و رسائل سے جو اس ہفتہ کی ولایتی ڈاک میں ہم کو ملے ہیں توزیع کو مرتب کرنا پڑا۔ اس واسطے توزیع کا پہلا نمبر ہماری کوششوں کا نمونہ نہیں بلکہ مجبوریوں کا خاکہ ہے اس ہفتہ سے باقاعدہ ولایتی ڈاک کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور آئندہ دو ایک ہفتوں میں انشاءاللہ وہ تمام رسائل و اخبارات جو ہم نے امریکہ و یورپ اور مصر وغیرہ سے منگائے ہیں آنے لگے ہیں اور پھر ہم اپنی کوششوں اور ارادوں کا نقش تمام آپ کی خدمت میں پیش کر سکیں گے ...

رسالہ توزیع درحقیقت بہت معیاری پرچہ تھا۔ پہلا ہی شمارہ بھاری بھرکم تھا۔

اس کے پہلے نمبر کے مضامین یہ تھے۔

تذکرۃ الاولیاء (بابا فرید) از مولوی رحمت اللہ بلند شہری، زمانہ قدیم میں امراء کے شوق رعایا پرور از آغا رفیق بلند شہری، سیاسیات ہند از مسٹر بی اے علیگ، لوکل، مردہ روحوں سے زندہ روحوں کی بات چیت، عالم افسانہ، دوسرے کے سانپ، چوتھائی صدی کا طب امریکہ کی ترقی و دانشمندی، یہ پانچوں مضامین آغا رفیق بلند شہری کے تھے، لواور مضامین از مولوی رحمت اللہ بلند شہری، سیاسیات یورپ از ابرار، نگاہ از مرزا عرفان علی بیگ ڈپٹی کلکٹر، انجام نیک (افسانہ) مرزا ... علی حسین لکھنوی،

یہ رسالہ حریت پسند تھا۔ ہندوستان کی آزادی کا حامی تھا۔ زراعت

میں ہندوستانیوں کو انگریز پیچھے رکھنا چاہتا تھا اور ان کی ترقی میں رکاوٹ ڈالتا تھا۔ اس کی حقیقت اس نے جنوری ۱۹۲۲ء کے شمارہ میں کھولی ہے۔

"ہندوستان کی اقتصادی حیثیت ہمیشہ سے قابل قدر تسلیم کی گئی ہے اور اگرچہ آج وہ دنیا کا مفلس ترین ملک ہے جس کے باشندوں کو عموماً دو وقت شکم سیر ہو کر روٹی نصیب نہیں ہوتی لیکن اس میں شبہ نہیں کہ اس ملک میں ان تمام دولتوں کے خزانے مدفون ہیں، جو آج امریکہ، یورپ، جاپان اور روس میں نظر آتے ہیں زراعتی پیداوار کی فراوانی، معدنیات کی کانیں و زر و دولت صنائع اور حرفت غرض ہر طرح ترقی سب اس ملک میں نظر آتی ہے، خدا کے فضل سے دماغی دولت بھی دنیا کے کسی ملک سے کم نہیں ہے اور آج دنیا کے بہترین دماغ ہندوستان ہی میں نظر آتے ہیں لیکن باوجود ان انعامات الٰہی کے دنیا والوں نے ہندوستان کو مفلوک الحال اور اس کے باشندوں کو وحشی اور غیر مہذب بنانے میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھی اور رفتہ رفتہ یہ خیال تمام عالم میں پھیلا دیا کہ ہندوستان ہمیشہ سے زرعی ملک ہے اور اس کی دولت اور ترقی کا انحصار محض عام زراعتی پیداوار ہی ہو سکتی ہے اس کو صنعت و حرفت اور تجارت سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ شاید اسی پر خود غلط اصول کے ماتحت اس سال ہندوستانی جہاز ران کمپنی کو جو بعض بمبئی کے مشہور تجار اور رؤسا نے بنائی ہے اس کی اجازت نہیں دی۔ کہ وہ کشتی اور آرام دہ بڑے سے جہاز خریدیں اور مسافروں کی ڈاک کا انتظام کریں۔ اسی طرح بمبئی

کی بعض مشہور کمپنیوں کو تحریک تصاویر کے فلم ناجائز اور ممنوع الاشاعت قرار دیدیے تھے کہ وہ اس ذریعہ سے یورپ اور امریکہ کی تجارت کا مقابلہ نہ کر سکیں۔

اس رسالہ کی کتابت، طباعت، بہت عمدہ تھی اور کاغذ بھی نفیس اور عمدہ لگایا جاتا تھا۔

مشیر صحت

جنوری ۱۹۲۸ء کو یہ طبی ماہانہ پرچہ ریلوے روڈ لاہور سے نکلنا شروع ہوا ۴۳ صفحات پر مشتمل تھا۔ ڈاکٹر امان اللہ صاحب بی اے ایم بی ایچ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ اخبار ہمدرد دہلی نے اپنے شمارے ۲ نومبر ۱۹۲۸ء میں اس پر یہ ریویو کیا تھا۔

یہ ماہوار طبی رسالہ زیر صدارت ڈاکٹر امان اللہ صاحب بی اے ایم بی ایچ (ریلوے روڈ لاہور) سے شائع ہوتا ہے اس کا پہلا نمبر اس وقت ہمارے پیش نظر ہے، ادویہ کے مفرات پر مفید اور دلچسپ مضامین کے علاوہ طبی معلومات کے متعلق مضامین ہوتے ہیں لیکن اس طبی رسالہ میں پہیلیاں یا لطائف و ظرافت کے متعلق عنوانات بالکل بے محل ہیں۔ مذاق کے لحاظ سے اور توسیع اشاعت کے مقصد کو پیش نظر رکھ کر قائم کئے گئے ہیں ورنہ ایک طبی رسالہ کو جس کا مقصد خاص جملہ مذاہب ... نقطۂ نگاہ سے آزادانہ صحت وغیرہ ہو۔ اس قسم کے عنوانات سے کیا تعلق ہے۔"

زبان

یہ رسالہ منگرول کاٹھیاوار سے جنوری ۱۹۲۷ء کو وجود
میں آیا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر
عبدالرحمٰن خوشتر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
کاٹھیاوار سے اس رسالہ کے جاری ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے
کہ اردو ہندوستان کے ہر کونے میں سمجھی جاتی ہے اور بولی جاتی ہے۔

اسی انداز کا ریویو اس رسالہ پر اخبار ہمدرد دہلی مورخہ ۱۴ فروری
۱۹۲۷ء میں شائع ہوا ہے۔

" منگرول کاٹھیاوار سے نکلنا شروع ہوا ہے اب تک اردو رسائل
کا اجراء زیادہ تر پنجاب تک محدود تھا۔ اس ایک رسالہ کے دوران
میں لاہور سے معلوم کتنے رسالے نکلے ہیں جو تقریباً سب ایک طرف
کے ہیں اور بقول معارف کے اگر ان میں سے ایک کا سرورق دوسرے
پر لگا دیا جائے تو فرق نہ ہوگا۔ بہر حال پنجاب سے اردو رسالوں کا اس
کثرت سے نکلنا تعجب خیز ہو یا نہ ہو، لیکن کاٹھیاواڑ جیسی جگہ سے اردو
زبان میں ادبی رسالہ شائع کرنا یقیناً قابل قدر ہے ایسی صورت میں
جبکہ کاٹھیاواڑ کے مسلمانوں کو اپنی اردو دانی کا کوئی دعویٰ نہیں ہے
وہاں سے ایک علمی و ادبی رسالے کے اجراء سے اردو ان کاٹھیاواڑ
کے ذوق کا پتہ چلتا ہے، رسالہ کے ایڈیٹر عبدالرحمٰن خوشتر کا انتخاب
مضامین سے ان کے علمی ذوق کا پتہ چلتا ہے ترتیب مضامین کتابت
وطباعت کی طرف ذرا اور توجہ کردی جائے تو یقیناً زبان بہت سے
تجارتی رسالوں سے اچھا ہو جائے گا، ہم دعا کرتے ہیں کہ خوشتر
صاحب زبان کے ذریعے اپنے صوبہ میں اردو زبان کی خاطر خواہ

خدمت کر سکیں۔

الامین

بہار شریف سے جنوری ۱۹۲۷ء کو یہ علمی رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا، سید محمد شفیع صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ اصول پرست تھا۔ عام رسالہ کے کارکنان اشتہارات کے لیے ہیں خواہ مخرب اخلاق ہی کیوں نہ ہوں کوئی پس و پیش نہیں کرتے تھے اخلاق پر اثر ڈالنے والے اشتہارات بھی شائع کر دیتے تھے لیکن الامین کے ذمہ دار لوگوں نے مخرب اخلاق اشتہارات چھاپنے پر پابندی لگا دی تھی اور وہ ایسے اشتہارات اپنے رسالہ میں نہیں چھاپتے تھے، یہ بات مولانا محمد علی جوہر کو بہت پسند آئی چنانچہ انہوں نے اپنے اخبار ہمدرد دہلی مورخہ ۳ فروری ۱۹۲۷ء میں اس پالیسی کو اس کے ریویو میں سراہا ہے۔ الامین سید شاہ محمد شفیع صاحب کی ایڈیٹری میں بہار شریف سے گذشتہ ماہ جنوری سے نکلنا شروع ہوا ہے، ایڈیٹر صاحب کو اس بات کا بڑا افسوس تھا کہ بہار شریف جہاں کا تمدن قدیم، جہاں کے علوم و فنون، فضل و کمال ظاہری باطنی کے چشموں سے مدت تک ایک عالم کو سیراب کیا ہوا ہے اب اس پر گھٹا ٹوپ تاریکی چھا جائے کہ یہاں سے علمی و ادبی رسالہ نکال کر قوم و ملک کی خدمت نہ کر سکے۔

چنانچہ انہوں نے رسالہ جاری کر کے اس کمی کو پورا کیا ہے، جہاں تک مضامین کا تعلق ہے اچھے اور دلچسپ ہیں خواہ مخواہ فضول خرچیوں کو قائم کر کے لغو بات سے رسالہ کو ورزنی نہیں کیا گیا ہے اگر یہی

انداز قائم رکھا گیا تو رسالہ اچھا ہو جائے گا۔ سب سے بڑی بات یہ
ہے کہ مالکان رسالہ نے خلاف تہذیب اشتہار نہ لینے کی پابندی کر کے
دوسرے رسالوں کے لئے ایک اچھی مثال پیش کی ہے۔

مرقع ادب

انبالہ سے یہ ماہانہ ادبی رسالہ جنوری ۱۹۲۲ء کو
نمودار ہوا۔ ۸۵ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر محمد
اسماعیل بی۔ اے، ایل ایل بی وکیل سپرنٹنڈنٹ کمشنری
کے معاون مراد انبالوی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

خورشید خاور

کراچی سے یہ ہفتہ وار اخبار جنوری ۱۹۲۷ء
کو مطبوعہ [illegible] ہوا۔ ۸ صفحات پر مشتمل تھا۔
محمد خان اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ
سات روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال مورخہ فروری ۱۹۲۷ء نے اس رسالہ پر
یہ ریویو کیا تھا۔

یہ کراچی کا جدید ہفتہ وار اخبار ہے جو جناب محمد خان [illegible]
کی زیر ادارت شائع ہو رہا ہے۔ کراچی سے اردو زبان میں ایک اچھے
ہفتہ وار اخبار کی ضرورت محسوس کی جاتی تھی جو خورشید خاور کے
اجراء سے پوری ہو گئی ہے۔ جناب محمد خان صاحب ایڈیٹر خاور نے
پرچہ نہایت محنت سے مرتب کیا ہے۔
پہلے ہی نمبر سے معلوم ہوتا ہے کہ خورشید خاور ترقی کرے گا۔
آزادی، حریت اور حق گوئی کا طرفدار ہے۔ امید ہے کہ اخبار بمبئی
اور سندھ میں بہت مقبول ہوگا۔

جدید مخزن یہ رسالہ لاہور سے مارچ ۱۹۲۶ء کو نمودار ہوا، ۶۴ صفحات پر نکلتا تھا، ایڈیٹر ابوالاثر جالندھری، جوائنٹ ایڈیٹر پنڈت ہری چند اختر ایم اے تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کے مضمون نگار سر عبدالقادر، پروفیسر محمود شیرانی امتیاز علی تاج، پروفیسر اکبر حیدری، پروفیسر تبسم ایم اے ایم اسلم ملا رموزی، پروفیسر تاج محمد خاں تلوک چند محروم بی اے اور شبیر حسن خاں جوش ملیح آبادی وغیرہ تھے۔

موٹر کار علی نگر گورکھپور سے یہ ماہانہ صنعتی رسالہ یکم مارچ ۱۹۲۷ء کو وجود میں آیا۔ جو اردو، ہندی اور انگریزی میں نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبدالرحمٰن صاحب تھے، سالانہ چندہ چھ روپے تھا، رفاہ عام پریس گورکھپور میں چھپتا تھا۔

پہلے شمارہ میں یکم مارچ ۱۹۲۷ء میں رسالہ کے اجراء کے بارے میں حسب ذیل ادارتی مقالے شائع ہوتے تھے۔

یورپ نے اپنے علم و فضل اور عقل و دماغ سے جو کام لیا جو نمود و شہرت اور دوسری قوموں پر فوقیت حاصل کی وہ عالم دنیا پر روشن ہے۔ آج ہندوستان میں یورپ کی بدولت ہزارہا قسم کی مشنری اور عجائب چیزیں دیکھتے ہیں اور پاتے ہیں۔

ہم بھی ان ہی کی طرح کان، ناک، آنکھیں رکھنے والے انسان ہیں اور خدا نے ہم کو ویسی ہی صورت و عقل اور اسی صورت کا دماغ

معاوضہ دیا ہے مگر اب تو ہم ان سے بہت پیچھے ہیں اور بالکل ہی شکست
خوردہ ہو گئے ہیں وجہ بھی سوا اس کے نہیں بتا سکتے کہ جب ادبار آتا
ہے تو انسان کی عقل پست اور دماغ بے کار ہو جاتا ہے، بھلے برے کی
تمیز باقی نہیں رہتی بلکہ اگر کوئی شخص اس تاسف خیز حال پر رحم کھا کر فلاح
کی کوئی فکر و تدبیر کرتا ہے تو اس کو الٹا برا سمجھتے ہیں اور کسی دوسرے کی
تدبیر ادبار والی قوم کے لئے مفید نہیں ہوتی، نہ ایسی قوم خود اپنے فلاح
و بہبود کی فکر کر سکتی ہے، دولت و آزادی نے جب ہم سے منہ پھیر لیا
تو علم و ہنر اور صنعت و حرفت نے بھی ہم سے چار نظر کرتے، ہاتھ ملانے کی امید
کیونکر کی جائے، ہمارے لئے صنعت و حرفت میں ترقی کرنا تو درکنار
ہم ان کی بنائی ہوئی چیزوں کو سمجھنا اور انھیں کام میں لانا بھی نہیں جانتے
یورپ میں آج کل مشنری کی تعلیمات جس قدر وسیع اور عام ہے کوئی اور
تعلیم نہیں، روز بروز طرح طرح کی بہتر سے بہتر مشینیں اور جدید قسم کے
انجن تیار کئے جاتے ہیں اور دنیا کی ہر ضرورت کو پورا کرنے والی مشینیں
بنانے کا تہیہ کر لیا ہے، اب تک یورپ کے جس قدر ایجادات شائع
ہو چکے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں میں ان کے سمجھنے کی صلاحیت
اور ان سے بخوبی اصولی کام لینے کی سی قابلیت پیدا نہیں ہوئی، موٹروں
کی کثرت اور اس کا عام استعمال ہم کو مجبور کرتا ہے کہ اس سے پوری واقفیت
پیدا کی جائے اس لئے ہندوستانی موٹر ٹریننگ اسکولوں کے ساتھ
ساتھ موٹر کی تعلیمات کے لئے رسائل اور کتب شائع کرنا بھی ضروری
ہے، ہندوستان میں اردو یا ہندی زبان کا کوئی ایسا رسالہ نہیں ہے
جو اس ضرورت کو پوری کر سکے اور موٹر مشین یا دیگر مشنری کے متعلق

معلومات بہم پہونچا سکے اس کی وجہ غالباً ملک کی بے توجہی ہے
یا جیسا کہ اوپر ہوا ۔ یا دولوں کے علاوہ یہ کہ اس قسم کا رسالہ شائع کرنا
اور اس کو مفید و ہر دل عزیز بنانا ایک اہم کام ہے خصوصاً اس پرآشوب
زمانہ میں جبکہ بے شمار اخبارات و رسائل خریداروں کی بے توجہی، اہل
ملک کی ناقدری کی وجہ سے صرف ایک ماہ یا دو ماہ ایک ہفتہ یا دو
ہفتہ یہیں کی خوش فعلیاں دکھا کر ملک عدم کی راہ لیتے رہتے ہیں۔
اس ضرورت کو میں برسوں سے محسوس کر رہا ہوں لیکن ساتھ ہی یہ بھی
جانتا ہوں کہ اس کام کی سبقت کرنا اور خود کو میدانِ عمل میں لانا
ایک بہت اہم کام ہے اس کے باوجود اپنی کم علمی اور بے بضاعتی
اجازت نہیں دیتی تھی کہ اپنے خیالات ایک ماہوار رسالہ کی صورت
میں ملک کے سامنے پیش کروں مجھے اس کی خواہش صرف اس لئے
تھی کہ موٹر یورپ کی ایک قابلِ فخر اور آرام دہ چیز ہے اور ہر ملک میں
اس کی بے حد قدر و منزلت ہے ہر صاحب ثروت و عزت اسے اپنے
کام میں لانے کے لئے گویا مجبور ہو رہا ہے، موٹر کے متعلق انگریزی
میں صدہا کتابیں رسائل و اخبارات موجود ہیں جو یورپ کی ضرورتوں اور
انگلش دوستوں کی معلومات کے لئے بہت کافی ہیں مگر اردو زبان
میں کوئی اب رسالہ تصنیف نہیں ہے جو ہماری ضرورتوں کو پوری کر سکے
خصوصاً جبکہ ہمارا ملک بھی یورپ کی طرح موٹر لشیں ہوگیا ہے لیکن اس
کے باوجود ملک کے ماہرینِ فن اور اساتذہ کرام خاموش ہیں اور ضرورتوں
کا احساس کرتے ہوئے اس کی تدبیر نہیں پیش کرتے میں اس قسم
کے رسالہ کی ضرورت کو محسوس کر رہا تھا لیکن کم علمی اور بے بضاعتی

کی وجہ سے مجبوراً خاموش تھا مگر ضرورت برسوں سے دیکھتے دیکھتے آخر پیمانۂ صبر لبریز ہوگیا اور علم و بضاعت کا چھوٹا ظرف چھلکنے لگا۔ تو مجبوراً خود ہی اس بار کو اپنے سر لے لیا۔ اور مضبوط دل ارادہ کے ساتھ اس کام کو شروع کیا، انسان گو ضعیف البیان ہے مگر دنیا میں جو کچھ کام کرتا ہے تو یہی کام کرتا ہے کہ فرشتے، نہ جانور سمجھ سکتے ہیں اور اس کا کرنا بھی بس یہی ہے کہ مستقل ارادہ ہو اور انتھک کوشش ہو، چنانچہ قرآن پاک بھی یہی بتاتا ہے کہ انسان کا کام کوشش کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اور وہ عنقریب اپنی کوشش کا نتیجہ دیکھ لے گا۔ پس میری کوشش ہے اور انجام کی امید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، بہرحال یہ پہلا پرچہ ادب کے ساتھ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں امید ہے کہ آپ اول سے آخر تک ایک مرتبہ ضرور بنگاہ قبول ملاحظہ فرمائیں گے اور جو خامی یا نقص، خواہ ترک ضروری یا اشتمال بے جا۔ آپ کو معلوم ہوئے ہوں اس سے مجھے مطلع فرمائیں تاکہ ان کو دور کرنے کی ترکیب ہو سکے فی الحال یہ پرچہ آپ کی خدمت میں حسب ذیل اغراض ومقاصد لے کر حاضر ہوتا ہے اور آپ کی ہمدردی و قدرشناسی کا امیدوار ہے کہ آپ بھی اس کے چلنے اور کامیاب بنانے میں ہماری مساعدت فرمائیں گے۔

اغراض ومقاصد:۔

۱۔ یہ رسالہ ہر انگریزی مہینے کی دس تاریخ کو شائع ہوگا۔
۲۔ ہر قسم کی مشنری کے متعلق عموماً اور موٹر مشین کے متعلق خصوصاً مضامین ہوں گے۔

۳۔ یورپ کی جدید ایجادات، بہترین مساعات کے متعلق معلومات شائع ہوا کریں گے۔
۴۔ مضامین صرف مشرق کے متعلق شائع ہوں گے یا سیاسی یا مذہبی یا اس قسم کے اور مضامین شائع نہ ہوں گے نامہ نگار حضرات اس کا خیال رکھیں۔
۵۔ ہر مہینے انگریزی رسائل سے موٹر مشین کے متعلق معلومات نقل ہوں گے۔

اس رسالہ کے عنوانات یہ ہیں۔

سفر بعید، موٹر کے راستے، بہترین تجربات، موٹر کے ٹائروں کی درازی عمر، موٹر کار مشین پر ایک سرسری نظر، موٹر ڈرائیور صاحبان کے لیے ساتھ کے اشارات، خبریں، لندن میں موٹروں کی سالانہ نمائش، باہمی تعلقات از مولانا مولوی محمد نصیر خاں صاحب صدیقی نعبد غازی مدرس فارسی انجمن اسلامیہ گورکھپور۔ خادم و مخدوم!

توحید یہ ہفتہ وار اخبار یکم اپریل ۱۹۲۲ء کو امرتسر سے جاری ہوا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مولانا سید محمود غزنوی اس کے اڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس اخبار میں ادبی و علمی مضامین کے علاوہ سیاسی خبریں اور انقلابی مضامین بھی شائع ہوتے تھے، خلافت کمیٹی کا پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔ سائمن کمیشن بائیکاٹ پر تبصرے بھی شائع ہوتے تھے اس اخبار کی عمر زیادہ نہیں ہوئی۔ ایک سال کے بعد بند ہو گیا۔

مولانا سیّد داؤد غزنوی

مولانا سید داؤد غزنوی کے دادا حضرت مولانا عبداللہ غزنوی غزنی سے پنجاب تشریف لائے، آپ کا شہر غزنی کے مشہور سادات خاندان سے تھا۔ غزنی کے مشہور علماء سے تحصیل علم کرنے کے بعد شیخ حبیب اللہ قندھاری سے قندھار پہنچکر علم کی پیاس بجھائی اور سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت ہوئے۔ حدیث کی تعلیم آپ نے میاں نذیر حسین دہلوی سے پائی، ہندوستان میں آنے کے بعد کچھ عرصے اپنے وطن میں مقیم ہوئے اس کے بعد امرتسر میں تشریف لائے اور کتاب وسنت کی تبلیغ میں منہمک ہو گئے، توحید، اتباع سنت، عقائد صحیحہ پر بہت سی کتابوں اور رسالوں کا فارسی اور اردو زبان میں ترجمہ کرا کے اور چھپوا کے تقسیم کرتے رہے۔ آپ ۱۲۹۸ھ میں فوت ہوئے آپ کے فرزندوں میں مولانا عبداللہ، مولانا محمد احمد اور مولانا عبدالجبار غزنوی تھے، آپ کی وفات کے بعد حضرت مولانا عبدالجبار غزنوی منصب خلافت پر فائز ہوئے آپ کے دور میں روحانی فیوض و برکات حاصل کرنے والوں کا حلقہ بہت وسیع ہو گیا تھا۔

مولانا عبدالجبار صاحب نے تعلیم کے وقت کی اہم ترین ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے دارالعلوم تقویۃ الاسلام ۱۳۲۱ھ مطابق ۱۹۰۱ء میں مسجد غزنویہ امرتسر میں ایک ایسی درسگاہ قائم کی جو پنجاب میں علمی اور روحانی فیوض کے لحاظ سے عدیم النظیر اور بے مثال تھی، دارالعلوم کی بنیاد کچھ ایسے مبارک وقت اور ایسے اخلاص کے ساتھ

رکھی گئی کہ بہت جلد اس کو قبولیت عوام و خواص کا درجہ حاصل ہو گیا
مولانا عبدالجبار صاحب ۱۳۳۱ھ کو فوت ہو گئے ان کی وفات کے
بعد آپ کے بھائی مولانا عبدالواحد صاحب غزنوی مسندِ خلافت
و درس و تدریس پر متمکن ہوئے تو آپ نے علوم نبویہ کی خدمت
اور توحید و سنت کی اشاعت کی۔ آپ کے انتقال کے بعد
مولانا سید داؤد غزنوی دارالعلوم تقویۃ الاسلام کے مہتمم مقرر ہوئے
مولانا سید محمد داؤد غزنوی اگست ۱۸۹۵ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے
ابتدائی تعلیم اپنے والد مولانا عبدالجبار اور مولانا عبدالاول غزنوی
سے حاصل کی، مولانا گل محمد سے اردو اور حساب کی تعلیم حاصل کی پھر دہلی
میں حضرت مولانا نذیر حسین دہلوی کی درسگاہ میں مولانا عبداللہ غازی
پوری سے علم حدیث حاصل کیا۔ علوم عقلی میں مولانا سیف الرحمن
کابلی سے استفادہ کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد امرتسر واپس آ گئے
اور اپنے آبائی مدرسہ غزنویہ میں تفسیر و حدیث کی تدریس کا کام انجام
دیتے رہے اسی زمانہ میں تدریس کے ساتھ ساتھ تبلیغ و اشاعت
اسلام، تحریک آزادی اور خطابت کے کمال کی وجہ سے امرتسر میں
ایک مقام پیدا کر لیا تھا۔

۱۹۱۹ء کی تحریک خلافت میں بڑی سرگرمی کے ساتھ حصہ لیا
۱۹۲۱ء میں جمعیۃ علماء ہند کی تاسیس میں حصہ لیا ابتداء میں مجلس عاملہ
کے رکن اور پھر دو مرتبہ نائب صدر رہے اسی سال برطانوی سامراج
کے خلاف آواز بلند کی جس کی پاداش میں تین سال کی سزا ہوئی اور
میانوالی جیل بھیج دئے گئے، رہا ہونے کے بعد علامہ کلمۃ الحق

بلند کی ۱۹۲۵ء میں دوبارہ گرفتار ہوئے اور نظر بند کر دیا گیا۔
۱۹۲۷ء میں سائمن کمیشن بائیکاٹ کی تحریک میں حصہ لیا۔ تیسری بار
سزا ہوئی اور قید و بند کی صعوبتیں جھیلیں۔ یکم اپریل ۱۹۲۷ء کو ہفت روزہ
اخبار توحید جاری کیا۔ ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار کی بنیاد ڈالی اس
کے پہلے سکرٹری آپ منتخب ہوئے ۱۹۴۲ء کی تحریک میں بھی گرفتار
ہوئے۔ آپ کو پنجاب کانگریس کا صدر منتخب کیا۔ کا عنت نے پنجاب
اسمبلی کے لئے ٹکٹ دیا۔ رکن منتخب ہوئے کے بعد میں مسلم لیگ میں شامل
ہوئے مسلم لیگ کی سول نافرمانی کے پہلے روز ہی نواب ممدوٹ اور
مولانا داؤد کے علاوہ ورکنگ کمیٹی کے تمام اراکین گرفتار کر لئے گئے
پھر نواب ممدوٹ بھی گرفتار ہوئے اس کے بعد تحریک چلانے کی
ذمہ داری مولانا کے کندھوں پر آ پڑی تھی جس کو بڑی کامیابی کے
ساتھ چلایا۔

۱۹۴۷ء میں پاکستان کے قیام کے بعد دار العلوم تقویۃ الاسلام
کے رد باسہ احرار کا مسئلہ بہت پریشان کن تھا لیکن بالآخر مولانا کی مساعی
سے دار العلوم کو شش کی موجودہ عمارت میسر ہوئی اس وقت
درس و تدریس کے شروع کرنے کے لئے ایک کتاب بھی موجود نہ تھی
درسی کتابیں خریدی گئیں، تھوڑے عرصہ میں دار العلوم کا کتب خانہ
پھر علمی ذخائر سے مالا مال ہو گیا، مولانا نے جماعت بندی کی
اصلاح نصاب، عرصہ تعلیم کا تعین ایسے امور پر توجہ فرمائی قرآن
و حدیث اور فقہ کے علاوہ صرف و نحو، منطق و فلسفہ اور بلاغت
و ادب کے نصاب میں ضروری تبدیلیاں عمل میں لائی گئیں۔ یہ کہنا

ہے جانا ہوگا کہ ان کے زمانہ میں دارالعلوم از سرِنو وجود میں آیا۔
مولانا داؤد غزنوی کی وفات ۶ ر دسمبر ۱۹۶۳ء کے بعد دارالعلوم
چلانے کی ذمہ داری ان کے صاحبزادے پروفیسر سید ابوبکر غزنوی
کو سونپی گئی۔ [1]

ماہر

یہ ہفتہ وار اخبار تھا ۱۹۲۴ء سے دہلی میں ظہور
پذیر ہوا۔ بارہ صفحوں پر شائع ہوتا تھا۔
حکیم محمود علی خاں ماہر کی ادارت میں نکلتا تھا۔
سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کی پالیسی معتدل اور سنجیدہ تھی۔ ملکی معاملات پر
خیال آرائی کم کی جاتی ہے۔ دہلی کی تحریریں اچھی خاصی تعداد میں
شائع ہوتی تھیں۔

دہلی کے مشہور اخبار ہمدرد دہلی مورخہ ۵ ر جون ۱۹۲۶ء
میں اس اخبار کا خیر مقدم کرتے ہوئے یہ ریویو شائع کیا تھا۔

"جس طرح لاہور میں علاوہ اس خیال سے کس قدر مفید
اور کس قدر بہتر ہوں گے کثیر تعداد میں اخبارات و رسائل
نکل رہے ہیں اور یہ تعداد روز بروز بڑھتی جا رہی ہے دہلی
میں بھی حکیم محمود علی خاں ماہر نے ماہر نام کا ایک ہفتہ وار
اخبار نکالا ہے اس وقت اس کے چند نمبر نکل چکے ہیں اور
مہتمم اخبار نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ ہر اشاعت

---

[1] علم و آگہی کراچی کا خصوصی نمبر ۷۵-۱۹۷۴ء ص ۴۳۱

گذشتہ اشاعت سے بہتر ہو، اگر اس امر کا برابر خیال رکھا گیا تو اخبار مفید ثابت ہوگا۔ اخبار کی پالیسی معتدل اور سنجیدہ ہے مضامین کا انتخاب برا نہیں، ترتیب بھی معقول ہے۔

اختر

دہلی سے جون ۱۹۲۷ء کو بچوں کا پندرہ روزہ اخبار جاری ہوا۔ ۱۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب کیف مراد آبادی کی ایڈیٹری میں نکلتا تھا۔

سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کے اجراء کا اشتہار علی گڑھ میگزین نمبر شمار ۳، اپریل، مئی ۱۹۲۷ء میں حسب ذیل شائع ہوا تھا۔

بچوں کو اخلاق، مذہب اور معاشرت کی بہترین تعلیم دینے والا پندرہ روزہ باتصویر اخبار ہندوستان کے مایہ ناز ادیبوں کی سرپرستی میں زیر ادارت جناب کیف مراد آبادی جون ۱۹۲۷ء کی پہلی تاریخ سے بڑی آب و تاب کے ساتھ دارالخلافہ دہلی سے شائع ہوگا۔ چندہ سالانہ چار روپے نمونہ کا پرچہ چار آنے کے ٹکٹ بھیج کر طلب کیجئے۔

استقلالِ ہند

چاندنی چوک دہلی سے یہ سیاسی و ادبی ہفتہ وار اخبار ۲۵ جون ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا اس کے صفحات بیس تھے، مولانا نورالدین اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

نمائش حیدرآباد مورخہ ستمبر ۱۹۲۸ء نے اس رسالہ کا حسب ذیل اشتہار شائع کیا تھا۔

استقلالِ ہند دنیائے صحافت کا روشن ستارہ ۱۵ر جون ۱۹۲۷ء کو طلوع ہوگا۔ آپ کو کیوں استقلالِ ہند ضرور مطالعہ کرنا چاہیئے اس لئے کہ

۱۔ استقلالِ ہند، ہندوستان کو پیامِ اتحاد سناتے گا۔
۲۔ استقلالِ ہند غلامی کی زنجیروں کو توڑ دے گا۔
۳۔ استقلالِ ہند میں بلند پایہ سیاسی و ادبی مضامین شائع ہوں گے
۴۔ استقلالِ ہند غریبوں کو سرمایہ داروں کے دامِ تزویر سے رہائی دلائیگا
۵۔ استقلالِ ہند ہندوستانی ریاستوں کو غیر ملکی اقتدار سے بچائے گا۔
۶۔ استقلالِ ہند سے بہتر انسانے آپ کو دیگر اخبارات میں نہ مل سکیں گے
۷۔ استقلالِ ہند میں ہر ہفتہ غیر ملکی وقائع نگاروں کے مضامین ہونگے
۸۔ استقلالِ ہند میں ظریفانہ مضامین کا خاص اہتمام ہوگا۔
۹۔ استقلالِ ہند میں واقعاتِ حاضرہ کے پرلطف کارٹون شائع ہوں گے۔
۱۰۔ استقلالِ ہند نامور شعراء کا تازہ ترین کلام پیش کرے گا۔
۱۱۔ استقلالِ ہند کے دائرہ ادارت میں اکثر محب وطن انشا پرداز شامل ہیں۔
۱۲۔ استقلالِ ہند بہترین کاغذ پر دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع ہوگا۔

ان تمام محاسن کے باوجود قیمت سالانہ چار روپے ششماہی ڈھائی روپے فی پرچہ قیمت ایک آنہ ہے۔

طاقت
یہ ہفتہ وار اخبار دہلی سے جون ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا تھا بیس صفحات پر مشتمل تھا۔ مفتی شوکت فہمی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

الاشرف
تکیہ سادھواں لاہور سے اکتوبر ۱۹۲۶ء کو یہ اسلامی تاریخی اخلاقی اور صوفیانہ رسالہ جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ پیر محمد اشرف سجادہ نشین درگاہ پیر عبدالغفار شاہ رحمۃ اللہ علیہ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ ایک روپے ۱۲ آنے تھا لاہور پرنٹنگ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالہ کے سرورق پر یہ دو شعر درج ہوتے تھے ؎

از منطق و حکمت جز عشق نہ فہمیدم
اے [illegible] از قرب چہ می پرسی
چندانکہ نظر کردم شب بآفتاب اندر
او در ہمہ تن [illegible] بو ہر گلاب اندر

اس رسالہ میں اولیاء و صوفیائے کرام کے حالات کے علاوہ ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں کے تاریخی واقعات بھی درج ہوتے تھے عملیات کے طریقے بھی بتائے جاتے تھے، علم قیافہ پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی۔

اصلاح
باغبانپورہ ضلع لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا۔ چوہدری محمد حسین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

۱۶ نومبر ۱۹۲۷ء کے ہمدرد دہلی کے شمارے میں اس رسالہ پر

ریویو شائع ہوا تھا۔

اس نام کا ایک ماہوار رسالہ انبالہ پورہ ضلع لاہور سے اصلاح و ترقی کے مقصد کو پیش نظر رکھکر چودھری محمد حسین کی ادارت میں گذشتہ ماہ سے نکلنا شروع ہوا ہے، پہلے نمبر کے مضامین و طباعت کا جہاں تک تعلق ہے امید ہے کہ رسالہ اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوگا۔

رعیت

ترپ بازار حیدرآباد دکن سے یہ ہفتہ وار جریدہ نومبر ۱۹۲۷ء کو رونق افروز ہوا، بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر نرسنگ راؤ تھے سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔

یہ اخبار قوم پرست تھا۔ ہندو مسلم اتحاد کا زبردست حامی تھا، رئیس الاحرار حضرت مولانا محمد علی جوہر نے اس اخبار پر ہمدرد دہلی کے ۲۶ نومبر ۱۹۲۷ء کے شمارے میں ریویو کیا تھا۔

یہ بھی ایک ہفتہ وار جریدہ ہے جو ایم نرسنگ راؤ کی ادارت میں نومبر سے حیدرآباد دکن سے جاری ہوا ہے۔ یہ لحاظ حسن طباعت اور سائز کے یہ جریدہ اپنے دوسرے معاصر نظام گزٹ کے مماثل ہے بلا تفریق مذہب و ملت علمی، اخلاقی، معاشرتی، مدنی معلومات میں اضافہ کرنے والے مضامین شائع کرنا مقصد بتایا گیا ہے اس جریدہ کے تین نمبروں کے مطالعہ کرنے کا ہمیں موقع حاصل ہوا ہے سب سے پہلے نمبر میں سروجنی نائیڈو کا پیغام اپنے وطن کے اسی اردو کے ہفتہ وار جریدہ کے نام شائع ہوا ہے جس میں وہ اپنے اس یقین کا اظہار کرتی ہیں کہ جریدہ کی تمام کوششوں کا مطمح نظر ہندو مسلم

اتحاد باہم آہنگی کے اس گہرے اور ابدی روایات کی حفاظت اور استحکام ہوگا، جس کو حیدرآباد کی تاریخ کے اہم باب ان کا نہایت ہی منجملہ مقصد کرتی ہوں۔

ان تین نمبروں میں زیادہ حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے آٹھویں اجلاس کی کارروائیوں کے حالات اور اہل ریاست کی دلچسپی کے مضامین شائع ہوتے ہیں، ہمیں توقع ہے کہ یہ جریدہ بھی اہل ریاست کے لئے مفید ثابت ہوگا۔ لیکن ہم کارکنان رعیت کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا ضروری سمجھتے ہیں کہ اردو زبان کے بعض محاوروں کے استعمال کرنے میں آئندہ صحت لفظی کا خیال رکھیں، مثلاً ہم نے "کمر ہمت باندھا" "ابنائے وطن سے امداد آپسی" "گورنمنٹ کے پاس رعایا کے خیالات کی ترجمانی" وغیرہ

یہ اخبار پہلے ہفتہ وار ہوا پندرہ روزانہ اس کے بعد ہفتہ وار ہوا اب بند ہوچکا ہے۔

نرسنگ راؤ

مسٹر نرسنگ راؤ ضلع محبوب نگر کے وطن دار تھے قطب شاہی دور اور اس کے بعد عالمگیری زمانہ میں آپ کے خاندان کے افراد اس خدمت کو انجام دیتے رہے، چنانچہ عالمگیری اسناد آپ کے خاندان میں موجود ہیں۔ آصفی عہد میں بھی وطن داری کی خدمت انجام دیتے رہے۔

نرسنگ راؤ صاحب ابتدائی تعلیم کے بعد مدرسہ دارالعلوم میں شریک ہوتے اور فارسی کے امتحانات منشی اور دبیر میں کامیابی حاصل کی۔ انجمن ثمرۃ الادب کے کاموں میں حصہ لیا اور بڑی دلچسپی سے

علمی و ادبی خدمات انجام دیتے رہے، جامعہ عثمانیہ کے لئے جو انگریزی تعلیمی جامعتیں قائم ہوئیں ان سے بھی استفادہ کیا اس کے بعد وکالت کا امتحان دے کر وکالت شروع کی ۔ کچھ عرصہ کے بعد اس کو اپنی طبیعت کے مطابق نہ پاکر صحافت کے میدان میں آگئے اور اخبار رعیت نومبر ۱۹۲۷ء میں جاری کیا ۔ رعیت کے مضامین تعلیم یافتہ طبقہ میں پسند کئے جاتے تھے لیکن وہ حکومت کی پالیسی کے خلاف تھے، اس لئے چند سال کے لئے اخبار بند کر دیا گیا اس کے بعد پھر روزانہ کی شکل میں شائع ہونے لگا ۔ ملک کے عوام کو بیدار کرنے، اصلاح اور دیہات کی رعایا میں تعلیمی ذوق و شوق کو زیادہ کرنے میں رعیت نے بڑا حصہ لیا ہے۔

حیدرآباد دکن میں پولس ایکشن کے بعد کچھ عرصہ تک سہ روزہ وار کی صورت میں رعیت شائع ہوا۔

مسٹر نرسنگ راؤ نے وطن اور اہل وطن کی جو خدمت اپنے اخبار کے ذریعے کی ہے وہ ہمیشہ یاد رہے گی ۔ آندھرا پردیش کی وزارت میں پانچ سال تک منسٹر کی خدمت انجام دیتے رہے [1]

نظام گزٹ

چار ورقی حیدرآباد دکن سے یہ ہفتہ وار اخبار نومبر ۱۹۲۷ء سے نکلنا شروع ہوا ۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا ۔ سید وقار احمد ایم اے اور محمد طیب اللہ صاحب

---

[1] دکن میں اردو ص ۹۶۵

رشدی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔
یہ اخبار اپنے دور کا ایک معیاری اخبار تھا۔ اپنے ملک ہندوستان کی اس کو ہر چیز پسند تھی، اس کے تمدن، معاشرت وغیرہ کا دلدادہ تھا۔ اسی کی حمایت کرنا یہ اپنا فرض سمجھتا تھا۔
۹ نومبر ۱۹۲۷ء کے اخبار "مدینہ" دہلی کے شمارے میں اس اخبار پر یہ تبصرہ چھپا تھا۔
"یہ ایک ہفتہ وار جریدہ ہے جو سید وقار احمد صاحب ایم اے اور محمد حبیب اللہ صاحب رشدی ایم اے کی مشترکہ ادارت میں نومبر کے دوسرے ہفتہ سے حیدرآباد دکن سے نکلنا شروع ہوا ہے۔ اس کا پہلا نمبر ہمارے پیش نظر ہے۔ ظاہری نفاست، حسن طباعت، کاغذ کی عمدگی اور ضخامت کے لحاظ سے نظام گزٹ الہلال کے ہم پلہ ہے، کسی خاص مسلک کا یہ جریدہ دعویدار نہیں، البتہ اس کے اغراض و مقاصد کی تشریح کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ
" ہندوستان کو اپنے طرز زندگی کے لئے ایک نئی مشرقیت کی ضرورت ہے خواہ وہ سیاست میں ہو یا معاشرت میں یا تعلیم میں اس نئی مشرقیت کی حمایت کرنا اس جریدہ کا فرض اولین ہے "
پہلے نمبر میں اعلیٰ حضرت خسرو دکن کی شبیہ کے علاوہ ریاست حیدرآباد دکن کے موجودہ وزیر اعظم مہاراجہ کشن پرشاد، حیدرآباد دکن کی مشہور عمارت چار مینار کی تصاویر شائع کی گئی ہیں۔ بہ لحاظ تنوع مضامین توقع ہے کہ یہ جریدہ ملک کے اردو جرائد میں ایک قابل قدر اضافہ ہوگا۔"
یہ وہ اخبار ہے جو حکومت آصفیہ کے دور میں جاری ہوا۔

مدانہ پالیسی کی وجہ سے پولیس ایکشن میں بند نہیں کردیا گیا۔ حکومت حیدرآباد کے دور میں شائع ہوتا رہا اور اب آندھرا حکومت کے زمانہ میں برابر روزانہ شائع ہوتا ہے۔ البتہ اس کے پہلے ایڈیٹر وقار احمد صاحب کا اسی دور میں انتقال ہوگیا ان کے بعد سید فاروق احمد صاحب اس کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔

اس اخبار کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کو کنگ کوٹھی نذر باغ یعنی نواب میر عثمان علی خاں کی سرکار سے تعلق رہا اور اکثر و بیشتر روزانہ نذر باغ کی خبریں جو نواب میر عثمان علی خاں کی لکھی ہوئی ہوتی تھیں شائع ہوتی تھیں۔ اس اخبار میں ہفتہ میں ایک دن ادبی مضامین اور غزلیات وغیرہ بھی شائع ہوا کرتی تھیں ۔ اب یہ اخبار بند ہوچکا ہے [1]

حبیب اللہ رشدی

رشدی صاحب حیدرآباد دکن کے قدیم اور شریف گھرانے کے چشم و چراغ تھے اور جامعہ عثمانیہ کے قابل طلباء میں سے ایک تھے جامعہ عثمانیہ سے ایم اے کیا۔ سوفٹا لسی اسکول میں ہیڈ ماسٹری بھی کی تھی۔ نظام گزٹ آپ نے ہی جاری کیا تھا۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔ شعر خوب کہتے تھے [2] رقیب سے مخاطب ہوکر کہتے ہیں۔

عشق کی آگ تیرے دل کی بجھادی کس نے   کس نے تو نے کیا ترک محبت کا خیال

---

[1] دکن میں اردو صـ ۱۰۹۲ [2] سخنوران دکن صـ ۱۹۵

تیری آشفتہ مزاجی وہ چھڑا دی کس نے
کس طرح ہو گیا پابوس تماشائے خیال
تیری تبدیلی سے ہے دل میں خلش سی پیدا
چل کے دو چار قدم بیٹھ تھک کے یہیں
ہاں بتا عشق تری بوالہوسی تھی کہ نہیں

آزادی

یہ روزانہ اخبار اللہ جیل روڈ کراچی سے دسمبر ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا۔ ۴ صفحات پر شائع ہوتا تھا۔ مسٹر جے بخاری کی ادارت میں نکلتا تھا۔ چندہ ماہانہ بارہ آنے تھا۔ بخاری الیکٹرو پرنٹنگ پریس کراچی میں طبع ہوتا تھا۔

یہ اخبار حریت پسند تھا۔ اس میں اسلامی ممالک کی خبریں زیادہ اور ملکی خبریں کم چھپتی تھیں۔ اس کے ایڈیٹر ترقی پسند خیالات رکھتے تھے۔

مولانا محمد علی جوہر نے اس اخبار کے جاری ہونے پر اپنے اخبار ہمدرد دہلی مورخہ ۳۰ دسمبر ۱۹۲۷ء میں یہ تبصرہ کیا تھا۔

اردو کا روزانہ اخبار جو اسی مہینے سے کراچی سے مسٹر جے بخاری کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے، ہمارے پیش نظر اس کے اس وقت دس پرچے ہیں جو اعلیٰ حضرت شاہ امان اللہ خان غازی کے ورود مسعود پر کراچی کے حالات سے سرتاسر مملو ہیں، کراچی کے اعتبار سے اس اخبار کی صوری و معنوی حیثیت قابل تعریف ہے۔

زبان

یہ علمی و ادبی رسالہ نگر دل کا شعبہ دار سے ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ عبدالرحمن خوشتر اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ [illegible]

چھپ آنے کا نشان۔

رسالہ زبان پر ملی گڑھ میگزین علی گڑھ مورخہ مارچ، اپریل ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل تبصرہ چھپا تھا۔

زبان کا شعبدار کا پہلا علمی و ادبی رسالہ جناب خوشترصاحب کی زیر ادارت منگرول سے نکلتا ہے زبان ایک ایسی جگہ سے نکلتا ہے جہاں اردو کا بہت چرچا ہے اور اس لحاظ سے خوشترصاحب نے اردو کی ایک بڑی خدمت اپنے ذمہ لی ہے۔ خدا کرے وہ اپنے ارادہ میں کامیاب ہوں لکھائی چھپائی بھی بہت اچھی ہے مضامین مفید اور بلند ہوتے ہیں ترتیب کی خوبی سے محسن کر ہر لحاظ سے رسالہ دیکھنے کے قابل ہے جو لوگ اردو زبان کی توسیع و ترقی چاہتے ہیں وہ اس رسالہ کی طرف خاص توجہ فرمائیں۔،،

ایک دوسرا ریویو نیرنگ خیال لاہور مورخہ فروری ۱۹۲۷ء میں اس رسالہ پر شائع ہوا تھا۔

جناب عبدالرحمٰن خوشتر منگرولی نے کاٹھیاواڑ کے مرکز منگرول سے شائع کیا ہے لکھائی، چھپائی کاغذ بہتر ہے عبدالرحمٰن صاحب رسالہ کو نہایت قابلیت سے مرتب کرتے ہیں رسالہ میں عام پسند مضامین کے علاوہ علمی اور تحقیقاتی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں امید ہے کہ ارد سار منگرولی رسالہ کی سرپرستی اختیار کئے رکھیں گے تاکہ کاٹھیاواڑ سے اردو کا یہ رسالہ بخیر شائع ہوتا رہے۔

آفتاب

یہ ہفتہ وار پرچہ نمبر ا گنگا دھر بابو جی لین بو بازار کلکتہ سے ۱۹۲۱ء کو وجود میں آیا، ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب چراغ حسن حسرت اس کے ایڈیٹر تھے

سالانہ چندہ ساڑھے چار روپیہ تھا۔

ہمایوں لاہور کے شمارہ دسمبر ۱۹۲۶ء میں آفتاب پر تنقید چھپی تھی۔

زیر تبصرہ آفتاب کے دور جدید کا چوتھا پرچہ ہے یہ معروف رسالہ جناب سید چراغ حسن حسرت کی ادارت میں شائع ہوتا ہے چونکہ حضرت اس شاعر اور ادیب ہیں اس وقت الہلال کے بعد ہفتہ وار اخباروں میں یہی ایک ہے جو ادبی حیثیت سے بلند پایہ رکھتا ہے اس میں ہر ہفتے ٹیگور کا فن اور ایڈگر ایلن پو کے بہترین افسانوں کے تراجم عمدہ علمی مضامین اور دل کش نظمیں شائع کی جاتی ہیں اور تبصرہ کا انتخاب بھی اچھا ہوتا ہے

تنظیم

یہ ماہانہ رسالہ امرتسر ۱۹۲۵ء سے جلوہ افروز ہوا ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا اس کے نگران ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور قرشی صاحب ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ سود مند بدایوں بابت اپریل ۱۹۲۶ء نے اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ شائع کیا تھا۔

گذشتہ ماہ سے ایک ماہوار رسالہ تنظیم ڈاکٹر سیف الدین کچلو کی زیر نگرانی قرشی صاحب کی ایڈیٹری میں امرتسر سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ پہلے نمبر میں اکثر نامور اہل قلم کے مضامین نظر آتے ہیں علامہ عبداللہ یوسف علی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں، مولوی انوار الحق صاحب سید سلیمان ندوی وغیرہ حضرات نے علمی مضامین پر خوب قلم فرسائی کی ہے شذرات کا ایک صفحہ خود ڈاکٹر کچلو کا لکھا ہوا ہوتا ہے، نظم میں مولانا وحید الدین سلیم اور ڈاکٹر اقبال جیسے نامور شعراء کا کلام نظر آتا ہے

اکھاڑے میں چھلانگیں مارتا رہا۔ اس کے بعد وہ مہاراجہ پٹیالہ کی طرف دوڑے اس کے بعد زبسکو بھی مہاراجہ پٹیالہ کے پاس گیا۔ اور اس نے کہا کہ اسے کامل شکست نصیب ہوئی۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ گاماں نے اسے اچانک پٹک دیا۔ اور اسے پاؤں جمانے کا موقع بھی نہ ملا۔ زبسکو نے گاماں کو مبارک باد دی، اور کہا کہ تم نے بہترین طریقے سے کشتی کی۔

سستا ہونے کی وجہ سے اس رسالہ کی کافی اشاعت تھی دوسرے سال ۱۹۲۸ء میں اس کی اشاعت پانچ ہزار ہو گئی تھی۔

تبلیغ

انبالہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۹۲۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ بارہ صفحات پر نکلتا تھا۔ نگران سید غلام علی بھیک نیرنگ اور سید معظم علی خاں نجیب آبادی اس کے اڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اخبار مدینہ بجنور نے اپنے شمارے ۱۳ اگست ۱۹۲۶ء میں اس اخبار پر ریویو کیا تھا۔

انبالہ سے یہ پندرہ روزہ تبلیغی رسالہ جو جمعیت تبلیغ اسلام کی دعوت کی اشاعت کے لئے جاری ہوا ہے، سید غلام علی بھیک نیرنگ اس کے نگران ہیں اور ہمارے فاضل دوست معظم علی نجیب آبادی فرائض ادارت انجام دیتے ہیں، مضامین عام طور پر اخلاقی، مذہبی و تبلیغی امور سے متعلق ہوتے ہیں، مذہب غیر کی بھی تردید ہوتی ہے۔

تحفہ

برما سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۶ء کو وجود میں آیا ۴۶ صفحات پر مشتمل تھا، عبدالغفار خاں صاحب کی ادارت میں نکلتا تھا، سالانہ چندہ چار روپے تھا

اس پرچے میں علوماتی مضامین شائع ہوتے تھے، علمی معلومات بھی دی جاتی تھی۔ تاریخی واقعات سے باخبر کیا جاتا تھا افسانے بھی چھپتے تھے، مجموعی اعتبار سے بہت عمدہ پرچہ تھا۔

چنانچہ ہماری تائید اخبار بیدار دہلی نے اپنے شمارہ ۱۵ جون ۱۹۲۷ء میں کی ہے اور یہ تبصرہ کیا تھا۔

یہ دیکھ کر مسرت ہوگی کہ بہار جیسے صوبہ میں بھی اردو کی ترقی کی طرف خاص توجہ کی جا رہی ہے، چنانچہ حال میں عبدالغفار خاں صاحب متوطن اعظم گڑھ نے اردو کا یہ علمی، ادبی ماہوار رسالہ کا شائع کیا ہے بہار میں اردو زبان کی جو حالت ہے اس کے اعتبار سے یہ رسالہ مہیا کرکچھ کمی ہے بہت افزا ہے۔

رسالہ میں اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ ہر قسم کے آسان اور دل چسپ مضامین ہوں علاوہ ایڈیٹوریل و شذرات کے دینیات، مذاکرہ علمیہ، تاریخ، علمی معلومات، افسانے اور قواعد اردو کے ماتحت ایسے مضامین ہیں جو کم اردو جاننے والوں کے لئے مفید اور دل چسپ ہوں رسالہ کی ترتیب کی جو تھائی تقطیع پر ۴۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

مستقبل

علی گڑھ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر ساغر صاحب تھے۔

سالانہ چندہ صرف چار روپے تھا۔

مارچ اپریل ۱۹۲۷ء کے نیرنگ خیال لاہور میں اس رسالہ پر

یہ رپورٹ شائع ہوا تھا۔

؎ اپنے طرز کے مخصوص جرعہ کش خمخانہ ادب
جناب ساغر نے اپنے مستقبل کو مدنظر رکھتے ہوئے
ایک نیا جریدہ پرکیف و پرسرور مستقبل علی گڑھ سے
اجرا کرایا ہے جس کا مجلہ ادبی زیر تبصرہ ہے مضامین
علمیہ و ادبیہ مختلف مباحث پر مشتمل ہیں رسالہ خمریات
ادب سے مملو و مشحون ہے، عکاس خانہ سے ماخوذ
ایک ڈرامہ عمر خیام زینت دہ قرطاس رسالہ ہے رضا خاں
کی ایک پر جلال تمثال بھی شائع کی گئی ہے امید واثق ہے
کہ صحیفہ مجذب قلوب ثابت ہوگا۔''

سنہ ۱۹۲۸ء

ہنرمند

یہ ماہانہ رسالہ جنوری ۱۹۲۸ء کو حویلی کابلی مل لاہور سے جاری ہوا۔ ضخامت ۴۲ صفحات کی تھی شیخ محبوب الٰہی بی اے ایل ایل بی پلیڈر اس کے اعزازی ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ تجارت صنعت و حرفت اور زراعت کو فروغ دینے کے لئے جاری کیا گیا تھا۔ مصور تھا۔ اس میں لاہور کے مشہور اہلِ قلم کے منتخب اور شاہکار مضامین شائع ہوتے تھے۔

اخبار ہمدرد دہلی مورخہ ۹ر جنوری ۱۹۲۸ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

یہ ایک ماہانہ رسالہ ہے جو اسی جنوری کے مہینے سے لاہور سے نکلنا شروع ہوا، شیخ محبوب الٰہی صاحب بی اے ایل ایل بی پلیڈر اس کے اعزازی ایڈیٹر ہیں، صنعت، زراعت، حرفت اور تجارت

کی عملی تعلیم کے ذریعے مسلمانوں کی قومی ترقی و اور کاروباری ذرائع سے خوش حال اور باعزت زندگی کے اصول بتاتا تھا۔ اس رسالہ کی یہ غرض اشاعت بیان کی گئی ہے۔ ہمارے پیش نظر اس کا صرف پہلا ہی نمبر ہے جس میں رسالہ کے مقاصد کے لحاظ سے مفید معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس نمبر میں "سرمایہ و محنت" کے عنوان سے ایک دل چسپ اور سبق آموز تصویر بھی شائع کی گئی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ مزدور اپنی قوت اور توانائی کی بدولت دنیا میں کسی کا محتاج نہیں ہے سرمایہ دار اشرفیوں کی تھیلی کھولے ہوئے کھڑا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کو اپنا غلام بنا لے۔ اگر رسالہ کی ضخامت میں اور اضافہ کر دیا جائے، تجارت میں کامیابی کا راز، "دولت پیدا کرنے کے عملی وسائل" کی حوصلہ افزا معلومات وغیرہ عنوانات کے تحت ہر مہینے مفید کار آمد معلومات اور مضامین کا ذخیرہ فراہم کرنے کی کوشش کی جائے تو رسالہ بلاشبہ معلومات انجام دینے کا موجب بنے گا۔

رسالہ شیر بند پر رسالہ ہمایوں لاہور ۵ مارچ ۱۹۲۶ء میں بھی تبصرہ شائع ہوا تھا۔

اس رسالہ کا مقصد مسلمانوں کو زراعت و تجارت، صنعت و حرفت کی تعلیم دینا ہے اس کے دونوں مدیر اس رسالہ کو بڑی محنت اور قابلیت سے مرتب کر رہے ہیں سالانہ چندہ تین روپے ہے۔

سرتاج

لاہور سے یہ ماہانہ رسالہ دوبارہ ۱۹۲۵ء میں جاری ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ سرپرست بیگم سر محمد شفیع صاحبہ اور مدیرہ سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم شعیب سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۲۶ء میں حسب ذیل ریویو شائع ہوا تھا۔

" سرتاج سب سے پہلے ۱۹۲۳ء میں ملتان سے نکلا اور ۱۹۲۴ء میں مطبع کی دقتوں کی وجہ سے بند ہو گیا اس کے بعد اس کا دوبارہ اجرا ہوا۔ اس کا دفتر ملتان سے لاہور آیا۔ سر محمد شفیع صاحب کی بیگم صاحبہ نے اس کی سرپرستی قبول فرمائی ۔ اور اس طرح اس کی مستقل زندگی کا سہارا مل گیا ہے اس طرح سرتاج کے چند نمبر نظر سے گزرے محترمہ سیدہ امتیاز فاطمہ بیگم ملتہ نسواں کی مفید خدمات انجام دینے والی خواتین ہیں اور مسرت ہے کہ موصوفہ کا اپنا خدمات کی انجام رہی ہیں جو مسلکے نظر ہے وہ جادۂ اعتدال پر قائم ہے، ان کے پیش نظر مسلمان لڑکیوں میں جدید تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلام کی مکمل مذہبی تعلیم سے ان میں یہ پیدا ہو جاتے۔ کہ وہ اسلامی اخلاق و تربیت کا صحیح آئینہ ہوں، آپ نے ان مقاصد کے لئے ایک مدرسہ کی بنیاد ڈالی ہے اور انہیں خیالات کی اشاعت کے لئے زیر تبصرہ رسالہ سرتاج کو جاری کیا ہے چنانچہ ان کا یہی مسلکِ نظر سرتاج کے ہر مقالے میں جھلکتا ہے مضامین کا معیار بلند ہے جو اپنے موضوع کے لحاظ سے مختلف نوع کے ہوتے ہیں [illegible] کا بھی مظہر ہوتا ہے جس میں شریف بہو بیٹیوں اور کنواری لڑکیوں

کو پڑھنے کے بعد لائق تعلیم اور غریب ہوتی ہیں رسالہ عمومی حیثیت سے مفید اور دلچسپ ہے امید ہے کہ دلشو ائی طبقہ میں قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

افغان

پشاور سے جنوری ۱۹۲۸ء کو یہ ہفتہ وار اخبار نمودار ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر خان میر ہلالی اور عبدالحمید جالندھری تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ اس پرچے کے مقاصد میں مسلمانوں کے حقوق کا دوسرے مذہبی گروہوں کے ہاتھوں سے اور زمینداروں کے حقوق کا جاگیردار طبقے کے ہاتھوں تحفظ بیان کیا گیا ہے یہ اخبار حکومت سرحد کی ہمیشہ جابرانہ پالیسی اور انتخابی امور سے متعلق حکومت کی غیر جانبدارانہ رویہ کا مخالف تھا۔ یہ اخبار حکومت کے افسروں کے وسیع اختیارات پر شدید نکتہ چینی کرتا تھا۔ اخبار کے مدیر مالک خان میر ہلالی کو ایک وارننگ کے بعد ۱۹ مارچ ۱۹۲۹ء کو پشاور سے جلا وطن کر دیا گیا۔ چنانچہ اخبار جون ۱۹۲۹ء کو بند ہو گیا۔

خان میر ہلالی

ہلالی صاحب ۱۸۹۲ء میں پیدا ہوئے سیاسی کارکن کے علاوہ صحافی ہونے کے باعث شہرت پائی۔ انقلاب افغانستان میں انگریزی مداخلت کے خلاف لکھنے کے جرم میں آپ کو ایبٹ آباد میں نظر بند کر دیا گیا آپ کئی پشتو کتابوں کے مصنف تھے اور پانچ مختلف ہفتہ وار اخبارات کے ڈکلریشن ان کے پاس موجود تھے۔

ادیب

یہ ماہانہ رسالہ یکم دسمبر ۱۹۳۵ء کو ظہور پذیر ہوا ۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ جس کو آغا جی اے گل نے جاری کیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر حضرت مولانا عبدالمجید سالک تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

یہ رسالہ لاہور میں ترتیب پاتا دہلی میں اس کی کتابت ہوتی اور طباعت کے مراحل طے پاتا۔ اس کے لکھنے والوں میں ملک کے مشہور و معروف اہل قلم تھے ادیب اگرچہ تھوڑی مدت زندہ رہا لیکن اس نے ادبی پرچوں کے لئے ایک مثالی راہ پیدا کر دی تھی [1]

تعلیم و تربیت

یہ سہ ماہی رسالہ علی گڑھ سے یکم جنوری ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا۔ ۹۶ صفحے پر مشتمل تھا، جو ڈاکٹر ظفر الحسن ڈاکٹر سید عابد حسین اور خواجہ غلام السیدین کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

مخزن لاہور بابت مارچ ۱۹۲۶ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔

یہ سہ ماہی رسالہ حال ہی میں کمیٹی ماہرین تعلیم آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کی طرف سے جاری ہوا ہے مقاصد نام ہی سے ظاہر ہیں فی الواقع ایسے رسالے کی سخت ضرورت تھی، اور ہمیں خوشی ہے کہ ایک ذمہ دار جماعت کے ہاتھوں اس کا اجراء ہوا ہے، یہ رسالہ

---

[1] صحافت صوبہ سرحد میں ص۲

یہ اخبار اردو پشتو دونوں زبانوں میں نکلتا تھا۔ یہ اخبار صوبہ سرحد
کے عوام کی تبدیلی، سماجی، سیاسی اور ذہنی ترقی کا واحد ترجمان تھا
بہ سرکاری رپورٹ کے مطابق

فرانٹیئر ایڈووکیٹ صوبہ سرحد کے ہندوؤں اور ان کے حقوق کا
زبردست علمبردار تھا۔ اس نے ہندوؤں اور سکھوں کا سرکاری ملازمت
میں معینہ طور پر کم ہو جانے دینے پر حکومت کی پالیسی پر نکتہ چینی جاری
تھی، بعد میں یہ اخبار پنجاب کے اخباروں سے ایسی خبریں تبصرے اور
مضامین لے کر شائع کرنے لگا تھا۔ جن میں آزادی وطن کا مطالبہ ہوتا
پھر بھگت سنگھ دت اور دوسرے سرکش ہڑتالیوں کی حمایت ہوتی
تھی، آزادی اور اس سے متعلق مضامین اور اخبار میں نظمیں بھی شائع
ہو جاتی تھیں۔

فرنٹیئر ایڈووکیٹ ایک کامیاب پرچہ تھا۔ جو خالصتاً کاروباری انداز
سے نکالا جاتا تھا۔ اس کی مالی پوزیشن کافی مضبوط تھی۔ اور بیرون
صوبہ سرحد میں بھی بہت مشہور تھا۔ پنڈت امر لال نہایت تجربہ کار صحافی
تھے اور انہیں محض مالی منفعت سے غرض تھی۔ سیاسی پارٹی بازی
میں پڑے بغیر اس پرچے کو کامیابی سے چلاتے رہے تقسیم ملک کے
بعد ڈیرہ دون چلے گئے۔ اور وہاں سے بھی فرنٹیئر ایڈووکیٹ کو جاری
رکھا۔

۱۹۱۱ء کی ایک سرکاری رپورٹ کے مطابق فرانٹیئر گزٹ کو اس
طرح بیان کیا گیا ہے، اردو پشتو، ہفتہ وار، پشاور، اشاعت پانچ صد
(سالانہ چندہ، پانچ روپے پالیسی حق میں کانگریس کے ہے،)

اصلاح سرحد

یہ ہفت وار اخبار ڈیرہ سے اکتوبر ۱۹۲۸ء کو جلوہ افروز ہوا۔ بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے مالک و ایڈیٹر فضل کریم صدیقی تھے اس کے سرپرست اور محرک تہکالی کے نواب دوست محمد خان تھے بعد میں اس کے ایڈیٹر انعام اللہ خان مقرر ہوئے سالانہ چندہ صرف چودہ روپے تھا۔

یہ اخبار افغانوں کے حقوق کا علمبردار اور خان طبقہ کا حامی تھا، سرکاری ملازمتوں میں ہندوؤں کی اجارہ داری کے باعث افغان حقوق غصب ہونے پر نکتہ چینی کرتا تھا۔ اور آنریری مجسٹریٹوں کا حامی تھا ایڈیٹر بااوقات، قوم پرستی سے متعلق ادارے، مضامین اور اداری نوٹ وغیرہ شائع کرتا رہتا تھا۔ تاہم مجموعی طور پر یہ اخبار حکومت کا حامی تھا۔ اداری عملے میں سید عنایت علی شاہ، اور شاہ خلیل الرحمن کے نام بھی شامل تھے

نواب دوست محمد خان کی وفات کے بعد فروری ۱۹۳۳ء میں یہ پرچہ بند ہو گیا۔ تاہم ۱۹۴۱ء میں مرتب شدہ گائیڈ آف نیوز پیپر میں اس اخبار کے متعلق مندرجہ معلومات درج ہیں۔

اصلاح سرحد، ڈیرہ اردو ہفت روزہ اشاعت پانچ سو سالانہ چندہ چودہ روپے ایڈیٹر انعام اللہ خان۔

۱۹۴۸ء کی فہرست اخبارات میں بھی اس اخبار کا نام درج ہے جس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ یہ پرچہ ۱۹۴۸ء تک نکلتا تھا۔

فارغ بخاری کے مطابق یہ پرچہ ۱۹۲۸ء میں شائع ہوا اور تقسیم ملک تک جاری رہا۔ اس اخبار میں نامور صحافیوں مثلاً سید

ضیا جعفری، مرزا فہیم بیگ چغتائی اور باری ملک نے کام کیا۔ ۱۹۴۰ء میں محمد اسرار خان اس اخبار کے ادارے میں شامل تھے اور اس کے آخری دن تک ساتھ رہے، آپ ایک تجربہ کار اور پڑھے لکھے صحافی تھے اخبار کی پالیسی ملی کی تھی۔ اللہ بخش یوسفی اپنے مخالف اخبارات کا تذکرہ ان الفاظ میں کرتے ہیں

حکومت نے سرحد کی پالیسی کا جائزہ لینے کے بعد نواب دوست محمد خان آف تہکال کے توسط سے سرحد کے بالمقابل "اصلاحِ سرحد" نامی ایک رسالہ جاری کیا اور حکومت نے دل کھول کر اس کی امداد کی مگر اس کی اشاعت سرحد کی اشاعت کو نہ پہنچ سکی۔

ڈاکٹر مس سل کے مطابق سرحد معاشرے کی ترقی پسند حلقوں کی ترجمانی کرتا تھا۔ اور اس کی مخالفت میں دو اخبار تھے ایک طرف فرنٹیئر ایڈووکیٹ تھا، جو سید زادوں کا ترجمان تھا۔ اور دوسری طرف اصلاحِ سرحد جو امرا اور خان طبقے کی نمائندگی کرتا تھا۔

پیامِ سرحد

یہ ہفت روزہ اخبار ہری پور سے ۱۹۲۵ء کو نمودار ہوا، آٹھ صفحات پر نکلتا تھا بانی و مالک و ایڈیٹر قاضی عزیزالرحمن تھے

سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار کا شمار صوبہ سرحد کے قدیم ترین ہفت روزہ اخبارات میں کیا جاسکتا ہے جو ابھی تک جاری تھا۔ یہ اخبار قاضی عزیزالرحمان نے جاری کیا تھا۔ جو تحریک خلافت کے سرگرم کارکن، تجربہ کار آزاد خیال انشاپرداز تھے، قاضی عزیزالرحمن نے علی برادران اور بی اماں کے ساتھ

کام کیا تھا۔ سنہ ۱۹۳۳ء میں اس اخبار کی ادارت تاج محمد خاں طاہر خلیلی نے سنبھالی، اس اخبار کی پیشانی پر یہ شعر درج ہوتا تھا۔

الہی جا رہا آفاق میں گونجے صدا اس کی
کہ مسلم کا حقیقی ترجمان پیغام سرحد ہے

ممتاز صحافی مولانا غلام ربانی لودھی بھی اس اخبار سے منسلک رہے

اس اخبار سے متعلق ۱۹۴۲ء کی سرکاری رپورٹ میں یہ معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

پیغام سرحد، ہری پور، راولپنڈی، سالانہ چندہ چار روپے
مالک و مدیر قاضی عزیز الرحمان، پالیسی کانگریس کی حمایت

قاری عزیز الرحمن کی وفات کے بعد ان کے پوتے قاضی جمیل الرحمن نے اخبار کو زندہ رکھنے کی کوشش کی لیکن ان کی مصروفیت اور صحافت سے کم شغف کی نا یابی نے ان کی کوششوں کا دم خم توڑ کر رکھ دیا۔ اور یہ اخبار بند ہو گیا۔

سفینہ مدراس سے یہ سہ ماہی رسالہ ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا نو سے صفحات پر نکلتا تھا۔ مولوی عبدالحق مدراسی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے آٹھ آنے تھا۔

حسب ذیل تبصرہ اس رسالہ پر اخبار ہمدرد دہلی نے اپنے شمارے ۱۳ جولائی ۱۹۲۸ء میں کیا ہے۔

"گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس کی ایک اردو سوسائٹی کا یہ سہ ماہی رسالہ ہے، اردو کی جو حالت ہے وہ سب پر ظاہر ہے خصوصاً

کالجوں اور اسکولوں میں تو اردو کو کوئی پوچھتا ہی نہیں، اس لحاظ سے محمڈن کالج کی اردو سوسائٹی نستعلیق مبارکباد ہے کہ اس نے اردو کا ایک سہ ماہی رسالہ نکال کر اپنے صوبہ میں اردو کی خدمت شروع کی ہے۔ رسالہ کی ادارت کا کام ایک مجلس کے سپرد ہے جو مولوی عبدالحق صاحب ایم اے پروفیسر عربی فارسی اردو کی نگرانی میں کام کرے گی، مولوی صاحب کی ذات سے امید ہے کہ سفینہ احاطہ مدارس میں اردو کی مفید خدمات انجام دے گا۔ اور محمڈن کالج کے طلباء میں صحیح ادبی ذوق پیدا کرے گا پہلے پرچے میں مولوی عبدالحق صاحب بی اے سکریٹری انجمن ترقی اردو اورنگ آباد کا ایک مفید مضمون کالجوں کے رسالے کے عنوان سے شائع ہوا ہے، عرب و ہند کے قدیم تعلق " پر مولوی سید ابو ظفر صاحب ندوی پرنسپل مدرسہ عالیہ مدارس کا بھی ایک دلچسپ مضمون ہے۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ کے نومبر ۱۹۲۹ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

سفینہ مدراس کے اعظم جاہی مدرسہ یا گورنمنٹ محمڈن کالج کی مجلس اردو کا سہ ماہی رسالہ ہے اس کی ترتیب السنہ اسلامی کے استاد اور چار طلبہ کے ہاتھوں میں ہے اس کا مقصد کالج کے طلبہ میں خصوصاً اور جنوبی ہند میں عموماً اردو کا صحیح ذوق پیدا کرنا ہے اور اس وقت تک اس کے جو پرچے شائع ہوئے ہیں وہ ترتیب مضامین اور تنوع مباحث کے لحاظ سے مفید اور دلچسپ ہیں۔

روزنامہ بنگلور

یہ روزانہ اخبار بنگلور سے ۱۹۲۵ء کو جلوہ نما ہوا چار صفحات پر مشتمل تھا۔ شفیق الملک خان بہادر محمد عباس خان صاحب جنرل سکریٹری انجمن مسلمانان ملک میسور بنگلوری اور ڈاکٹر محمد حسین صاحب اس کے اڈیٹر تھے چار روپے سالانہ چندہ تھا۔

آزاد

یہ ماہانہ ادبی رسالہ آگرہ سے ۱۹۲۱ء کو رونق افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے اڈیٹر خواجہ محمد امیر صبا صاحب اکبر آبادی تھے، تین روپے سالانہ چندہ تھا۔

خواجہ محمد امیر صبا اکبر آبادی

صبا صاحب کے والد ماجد خواجہ علی محمد بن خواجہ عالم اکبر آبادی تھے۔ نواب عابد علی خان امیر الاسرا اسد بھوپالی کی اولاد میں سے آپ کے نانا تھے۔ صبا صاحب نے انٹرنس تک تعلیم حاصل کی تھی۔ اس کے بعد ملازمت شروع کردی تھی۔ ان کو بچپن سے ہی لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ چند کتب زندہ نقش اور دیوانِ غالب آپ کی تصانیف ہیں، رسالہ آزاد اس کے بعد مشورہ آپ کی ادارت میں نکلتا رہا۔ شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا، منشی خادم علی خان اخضر اکبر آبادی سے مشورۂ سخن کرتے تھے نثر و نظم دونوں پر قدرت حاصل تھی۔

تو اپنے عشق کا انجام برملا کردے
امیر حال کو مستقبل آشنا کردے

ضیاء القریش

یہ ماہنامہ امرتسر سے انجمن قریشیان ہند کا آرگن ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا۔ مدیر قاضی عنایت علی منیر قاضی اقتدار حسین تھے ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ آفتاب ترقی پریس امرتسر میں چھپتا تھا۔ اس رسالہ نے ایک عثمان نمبر بھی شاندار طور پر نکالا تھا۔ اس رسالہ میں تاریخی، تمدنی، شماریاتی، تبلیغی، اصلاحی ادبی اور علمی مضامین بھی شائع ہوتے تھے۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۱ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

ضیاء القریش انجمن قریشیان ہند کا آرگن ہے۔ یہ انجمن قریشیان ہند کی باہمی تنظیم کے لئے عالم وجود میں آئی ہے کہ وہ ہندستان کی اس طور کے حالات درست کرسکے اور ان کے تعلیمی، شماریاتی، صنعتی اور بالخصوص معاشرتی حالات کو سدھارے یہ رسالہ انھیں مقاصد کی تبلیغ واشاعت کرتا ہے علاوہ ازیں مختلف مذہبی موضوع پر مختلف شائع ہوتے ہیں، امید ہے کہ یہ رسالہ اپنے دائرہ میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

خزینۂ تاریخ

بزم تاریخ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۲۸ء کو وجود میں آیا ۲۷ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب یوسف الدین صاحب متعلم کلیہ جامعہ عثمانیہ اس کے مدیر تھے۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔

معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۷ء میں اس رسالہ پر ریویو کیا تھا۔
یہ کلیہ جامعہ عثمانیہ کے طلبہ کی بزم تاریخ کا رسالہ ہے۔ اس
بزم تاریخ میں تاریخ کے مختلف موضوع خطبات کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور
عہدہ داران مختلف اطراف ملک کے ممتاز افاضل سے خطبات لکھے گئے ہیں
انہیں خطبات کو مجلس کابینہ بزم ترتیب دے کر شائع کرتی ہے اور اب ۱۹۳۷ء
کا دوسرا نمبر شائع ہوا ہے جو اس وقت پیش نظر ہے اس میں سات آٹھ مضامین
"اسلامی حملوں سے پیشتر ہند کی عام حالت" "خوارزم" "نواب ارشد علی خاں
کے کارنامے" "ملک عنبر" "امام ابن حزم" "تاریخی نوشتے" اور "تاریخ بینی کے
فوائد" وغیرہ ہیں پھر اسی طرح چند تاریخی تقلبیں "احیاء علوم" "ہمایوں کا
استقلال" اور "مہرالنساء" وغیرہ ہیں آخر میں بزم کے حالات و کوائف درج
ہیں، رسالہ دلچسپ اور مفید ہے تاریخ کے طلباء کے لئے سود مند ہے

آواز

ملانہ ضلع انبالہ سے یہ رسالہ ۱۹۳۸ء کو نمودار ہوا
۲۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس رسالہ کے بانی و ایڈیٹر
جناب عاصف طالوی تھے، سالانہ چندہ دو روپے تھا۔
ہمایوں لاہور مورخہ جولائی ۱۹۳۹ء میں اس پرچہ پر ریویو
چھپا تھا۔
اس میں معاشرتی، اصلاحی تمدنی اور زراعتی مضامین شائع ہوتے
ہیں، رسالہ کا خاص مقصد زراعتی تمدنی و اصلاح ہے۔ آواز کے چار
پرچے شائع ہو چکے ہیں۔
ہر پرچہ سابق کی نسبت اچھا ہوتا ہے۔۔

دیہاتی

یہ رسالہ دیہاتی جھنگ سے ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب محمد منظم صاحب قریشی بی، اے ایل ایل بی وکیل جھنگ اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ دیہاتی پر ہمایوں لاہور بابت ماہ جولائی ۱۹۲۸ء میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

دیہاتی بغرض باشندگان دیہات کی ترجمانی اور معاونت کی غرض سے جاری کیا گیا ہے محمد منظم قریشی اس کے ایڈیٹر ہیں، جو نہایت قابلیت سے اسے مرتب کرتے ہیں زمیندار طبقہ کی فلاح و بہبود کے لئے ایسے پرچوں کی اشد ضرورت ہے باشندگان دیہات کو اسے ضرور کامیاب بنانا چاہیئے۔

انجنیئرنگ

یہ رسالہ کرشن بک کمپنی، چوک برانڈرتھ روڈ ریلوے روڈ لاہور سے ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا ۶۴ صفحوں پر نکلتا تھا۔ ڈاکٹر دگیان چند اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

ہمایوں لاہور بابت ماہ جولائی ۱۹۲۸ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو چھپا تھا۔

اس رسالہ کی اشاعت کا مدعا یہ بتایا گیا ہے کہ انجنیئر طبقہ میں کام کرنے والوں کے درمیان میل جول کا سلسلہ پیدا کر کے اس پیشہ کی ترقی اور بہتری کے اسباب سوچے جائیں۔ ڈاکٹر گیان چند سٹرار نسپل وکٹوریہ ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ لاہور اس کے سرپرست و ایڈیٹر ہیں۔

نظامِ کالج اردو میگزین

حیدرآباد دکن سے یہ علمی رسالہ ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ غلام حیدر صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس میگزین پر علی گڑھ میگزین علی گڑھ مورخہ مارچ اپریل مئی ۱۹۲۷ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

غلام حیدر صاحب کی ادارت میں نظام کالج حیدرآباد دکن سے اس علمی و ادبی رسالہ کا شیوع ہمارے لئے خاص طور پر مسرت بخش ہے مضامین اور حصہ نظم کا انتخاب پسندیدہ ہے کالج کے طلبہ کی ذہنی کاوشوں کا عنصر کم معلوم ہوتا ہے۔ جو رسالہ نکلتا ہے اس کا مقصد طلبہ کے ذوقِ ادب کی تربیت اور اصلاح ہونا چاہیے۔ امید ہے کہ مدیر میگزین اپنے کالج کے طلبہ میں بھی اس رسالہ کے ذریعہ سے علمی ذوق پیدا کر سکیں گے اور ان کے رشحاتِ قلم کو بھی نمایاں کریں گے۔

کیفِ اجمیر

اجمیر شریف سے یہ علمی ماہنامہ ۱۹۲۸ء کو نمودار ہوا۔ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ ندیم علیگ کی ادارت میں نکلتا تھا۔ اس کا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ پر علی گڑھ میگزین مورخہ مارچ اپریل مئی ۱۹۲۸ء میں حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

اجمیر حصہ اول روحانیت

کا ہندوستان کا مشہور مرکز ہے۔ تعجب ہے کہ اس مرکز زردوں ی
سے اب تک کوئی علمی رسالہ نہیں نکلا تھا۔ کیف کے رتیبل الکیفیت
ندیم صاحب علیگ نے اس کمی کو پورا کرنے کا ارادہ کیا ہے، جو
نمبر ہمارے سامنے ہے اس سے کم از کم ان کے روشن ادارت
کا ضرور ترشح ہوتا ہے۔

امید ہے کہ ندیم صاحب اس رسالہ کو ہر حیثیت سے ترقی
دینے میں ساعی ہوں گے۔ ہم کیف کے لئے اور بہتر مستقبل کی
توقع کرتے ہیں۔

سنہ ۱۹۲۹ء

سفینۂ نسواں یہ نسوانی رسالہ ستمبر ۱۹۲۹ء کو حیدرآباد دکن سے جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا صادقہ قریشی اور اختر قریشی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

یہ خواتین کا رسالہ خواتین کے مسائل پر مضامین چھاپتا تھا۔ پردہ کا زبردست حامی تھا۔ عورتوں کی تعلیم پر زور دیتا تھا۔ کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔

اختر قریشی قریشی صاحب حیدرآباد کے تعلیم یافتہ اور پرجوش نوجوانوں میں سے تھے ان کو فنون لطیفہ سے بڑی دل چسپی تھی

نظم و نثر میں کمال حاصل تھا، غزل، نظم اور سلام و رباعی اچھا کہتے تھے تقریباً سات آٹھ سال تک رسالہ سفینۂ نسواں کامیابی کے ساتھ نکالتے رہے۔ زندہ دل، مخلص، غیور اور جفاکش انسان تھے۔ ۱

۱۔ سخن ۱۹۱۰ء کو ۔ ۸۴ء

کیجئے مشق ستم ہاں بندہ پرور کیجئے
کب میں کہتا ہوں کہ بیداد کے قابل ہے مجھے
پھر کہو پوچھوں وہاں تک آہ یہ ممکن نہیں،
تک رہا ہوں پاس سے ساحل کریں ساحل ہے مجھے
بچ رہا اور وفا کے حصہ سے یہ درد و رنج و غم
سب اکٹھا کر سکے دے ڈالا بجائے دل ہے مجھے
پھونک دے ہستی مری اور سوز الفت پھونک دے
نا امیدی ان سے اب کیسی کہ غافل ہے مجھے
پاؤں تھک جائیں تو سکھ پائے گا شوق
کیا خدا سکتا ہے آخر دوری منزل ہے مجھے
لطف تو جب ہے کہ قلب سنگ سے ٹپکے لہو
نالہ دلسوزی میں بلبل یہ اثر پیدا تو کر

تخلیق

یہ ایک نیم مذہبی رسالہ حیدرآباد دکن سے ستمبر ۱۹۲۹ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ امام بیگ رونق اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالے نے کافی زندگی پائی تھی عرصہ تک جاری رہا اردو کی اس نے بڑی خدمت کی، بڑے معیاری مضامین اس میں شائع ہوتے تھے۔

حیدرآباد اور دوسرے شہروں کے اہل قلم حضرات کے مضامین اس میں چھپتے تھے،

مرزا امام بیگ روئق آپ اردو فارسی دونوں زبانوں کے ماہر تھے، شعر و شاعری کا ذوق تھا حضرت محسن کے شاگرد تھے دکن نیوز ایجنسی کے بانی تھے رسالہ طلیق کے مدیر تھے لہ

ایک ٹھوکر مری مرقد پہ بھی اے مست خرام
ہاں ادھر بھی تو کچھ احسان مسیحائی کا
ہے عجب یا نہ قیامت ہو گی بے ساختگی
جاگ اٹھے فتنے بہار نہ ہوا انگڑائی کا

ہمت یہ روزانہ اخبار لکھنؤ سے ۱۹۲۹ء کو جلوہ افروز ہوا۔ چار بڑے اخباری صفحات پر نکلتا تھا حضرت جالب دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پندرہ روپے تھا۔

مارچ ۱۹۲۹ء کے معارف اعظم گڑھ میں اس اخبار پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

" یہ افسوس ناک خبر سب کو معلوم ہے کہ جناب سید جالب صاحب، جو ہمدم کے مشہور ایڈیٹر تھے اخبار کے مالک کی ستم گریوں سے مجبور ہو کر اس سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور اب انہوں نے ہمت کی ہے کہ ہمت کے نام سے لکھنؤ ہی سے ایک نیا روزانہ اخبار جاری کیا ہے جو وطنی وفاداری کے ساتھ اسلامی خدمات بھی ادا کرے گا، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے پورے صوبہ میں اگر ہمدم قائم بھی رہے تو تنہا ایک روزانہ اخبار کافی نہیں ہے اس لئے صوبہ کے باشندوں کو اس نئے اخبار کی

لہ مخطوطات ذخیرہ ۲۶

طرف خاص توجہ کرنی چاہیے۔ ہماری طرح بہت سے لوگوں کو یہ یقین ہے کہ اس وقت ہندوستان کی اردو دنیا میں سید جالب سے بہتر کوئی دوسرا ایڈیٹر نہیں ہے وہ اپنی رواداری پالیسی رنجہاں مرنج طبیعت سہل و سادہ انشا پردازی کثرت معلومات اور خوبی ترتیب کی وجہ سے ہمیشہ ممتاز اور ہردل عزیز رہے ہیں، ہم کو امید ہے کہ ان کے قدر دان ان کی اس ہمت کی قدر فرمائیں گے۔۔۔۱

کوثر نومبر ۱۹۲۹ء کو دریبہ کلاں دہلی سے یہ ماہانہ رسالہ جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر پروفیسر ظفر تاباں صاحب تھے۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ سالانہ چندہ ایک روپے آٹھ آنے تھا۔

رسالہ ساقی دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۳۰ء میں اس پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

پروفیسر تاباں اس کے مدیر ہیں۔ چار نمبر شائع ہو چکے ہیں فروری اور مارچ نمبر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ پروفیسر صاحب گزشتہ نثر میں بد طولیٰ اور نظم بھی خوب لکھتے ہیں مضامین اور ترتیب دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ کوثر ضرور کامیاب ہوگا۔ نیم مذہبی پرچہ ہے اس لئے اس کے مطالعہ سے دینی اور دنیوی فلاح و بہبودی حاصل ہو سکتی ہے کتابت اور طباعت اچھی ہے قیمت سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے ہے جو کو لڑکی طوبیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے بہت کم ہے اس پر

---

۱ سخنوران دکن صفحہ ۲۰

تعداد میں شائع کرنا ہمت کا کام ہے پتہ دفتر رسالہ کوثر دریبہ کلاں دہلی ہے۔

ارمغان

محلہ چوڑیوالان دہلی سے یہ ادبی علمی اور تاریخی رسالہ نومبر ۱۹۲۷ء کو جاری ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر سید رضی اشرف صبوحی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ تھا۔ دہلی پرنٹنگ پریس میں طباعت ہوتی تھی۔

اس رسالہ میں ہندوستان کے مشہور و معروف مضمون نگار خواجہ حسن نظامی، مولوی محمد شفیع الدین نیر، حضرت حسن دہلوی، مولانا سید ظہور احمد صاحب رحشی، مولانا محمد شفیق احمد دہلوی اور محمد میاں جاذب دہلوی وغیرہ تھے

معارف اعظم گڈھ بابت فروری ۱۹۲۸ء میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

ایک ماہوار رسالہ یعنی ادبی رسالہ ہے مضامین میں زیادہ تر افسانے یا افسانہ پر مضامین ہیں نیز اردو شاعری بھی اس کا خاص موضوع ہے رسالہ اپنے ادبی حیثیت کے لحاظ سے مستحق ہے امید ہے کہ ادبی مضامین سے شائقین اس کی ہمت افزائی کریں گے۔

اس رسالہ پر رسالہ ساقی دہلی نے بھی اپریل ۱۹۲۸ء کے شمارے میں حسب ذیل تبصرہ شائع کیا تھا۔

ارمغان دہلی جناب اشرف صبوحی کی ادارت میں ڈیڑھ سال سے شائع ہو رہا ہے چھ ماہ سے ساقی کے سائز پر شائع ہونے لگا ہے ارمغان کی ایک بڑی خوبی و خصوصیت یہ ہے کہ ڈیڑھ ڈیڑھ

سالانہ چندہ میں ۴۰۰ صفحات کے بہترین مضامین نظم و نثر کے علاوہ
متعدد بلاک کی تصاویر بھی ہر ماہ شائع ہوتی ہیں جناب اشرف صبوحی
خود ایک خوش رقم قلم کے مالک ہیں اور مضامین کے تنوع اور ان کے
پاکیزہ مذاق اور صحیح انتخاب کا پتہ چلتا ہے، ملنے کا پتہ ۱۲ تحفت الٰہی
محلہ جوڑیوالان دہلی۔

صحیفۂ عثمانی

انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں سے یہ مجلہ دسمبر ۱۹۲۹ء
میں نمودار ہوا۔ ۸۴ صفحات پر کلتا مختصر
ادارۂ تحریر میں خطیب سید بشیر حسین صاحب
جناب محمد ایوب صابر، سید افسر، محمد قمرالدین خاں اور مرزا غلام دست گیر
بیگ صاحبان تھے، قیمت درج نہیں ہے اس رسالہ پر معارف اعظم
گڑھ نمبر ۲ جنوری سنہ ۱۹۳۰ء نے حسب ذیل تبصرہ شائع کیا ہے۔

یہ انجمن ہائی اسکول کھام گاؤں کے شعبہ بزم ادب کا ایک ماہوار
علمی و ادبی رسالہ ہے رسالہ کی طباعت لاہور میں ہوتی ہے اور
اشاعت کھام گاؤں سے ہے۔ پیش نظر اس وقت دوسرا نمبر ہے جو
دسمبر سے پیوستہ نمبر تک تین مہینوں پر مشتمل ہے اور اس کا مجموعی حجم ۶۰
صفحے ہیں رسالہ کے علمی معاونین میں شائق اہل قلم حضرات اور نومشق
طلبہ دونوں ہیں مضامین کا عام معیار بلند ہے اگرچہ مضامین میں
زیادہ حصہ تراجم کا ہے لیکن انتخاب اچھا ہے زیر تبصرہ پرچے میں
یادِ رفتگاں (جس میں صوبہ سرحد کے اخبار و رسائل کی تاریخ ہے)
خواجہ محمود گاواں "شہید" اور نشانِ اسلام بہ حیثیت ادیب وغیرہ
مضامین دلچسپ معلومات سے پُر اور معیار کے بلند ہیں لیکن رسالہ کا

خاص نقص یہ ہے کہ اکثر مضامین نا تمام ہیں مذکورہ مضامین کے ناتمام ہونے کے علاوہ جو چند افسانے ہیں وہ مکمل نہیں ہیں ادبیات کے عنوان میں انگریزی نظموں کا ترجمہ زیادہ ہے اور اکثر کی زبان صاف سلیس اور طرز ادا دل کش ہے اور بعض نظموں کی اصل بھی انگریزی ٹائپ میں چھاپی گئی ہے۔

مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ سے اردو انگریزی میں ماہنامہ ۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا

اردو کے پچاس صفحے اور دس صفحے انگریزی کے، اس کے مدیر جناب سید محمد صاحب تھے اس کا بھی سالانہ چندہ درج نہیں ہے۔

معارف اعظم گڑھ بابت جنوری ۱۹۳۱ء میں اس رسالہ پر ریویو ہوا ہے۔

" یہ مسلم یونیورسٹی کے اسکول کے طلبہ کا میگزین ہے اس وقت اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے مضامین تقریباً سب اسکول کے طلبہ کے ہیں اور بے شبہ سب کے سب اچھے ہیں اور طلبہ کے لئے مفید ہیں۔ جن میں چھوٹے چھوٹے اخلاقی افسانے، مآثر کی اصلاحی مباحث تحقیقات جدیدہ پر مادی مضامین اور چند مضامین شعر و شاعری سے متعلق ہیں، رسالہ مصور شائع ہوتا ہے اور تقریباً مضامین سے متعلق ہوتی ہیں زیر تبصرہ رسالہ میں انگریزی کے گیارہ ورق ہیں جو اچھے کاغذ پر صاف ستھری چھپی ہیں امید ہے کہ یہ رسالہ ملک کے عام اسلامی مدارس میں بھی مقبول ہوگا۔

تاریخ

یہ سہ ماہی تاریخی رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۱ء میں جاری ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ حکیم شمس الدین قادری کی ادارت میں نکلتا تھا۔ چار روپے سالانہ چندہ تھا۔

حکیم صاحب دکن کے مشہور مورخ تھے ان کی ادارت میں یہ سہ ماہی رسالہ شائع ہوتا تھا کچھ عرصہ کے بعد اس کی ادارت آپ کے فرزند سید احمد اللہ قادری انجام دینے لگے کچھ عرصہ کے بعد بند ہو گیا۔

مارچ ۱۹۲۹ء کے شمارے معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر یہ ریویو چھپا تھا۔

" جناب حکیم سید شمس اللہ صاحب قادری اثری و تاریخی مضامین کی اشاعت میں تقریباً نصف صدی سے مشہور ہیں اب انہوں نے ان مضامین سے مختص ایک سہ ماہی رسالہ شائع کرنا شروع کیا ہے اردو میں اس موضوع میں مورخ اور عبرت کے بعد شاید یہ پہلا اور ان دونوں سے بہت بہتر رسالہ ہے اصل مضامین سے تراجم و ماخوذات کی تعداد گو زیادہ ہے لیکن جو کچھ بھی ہے تاریخی حیثیت سے مفید اور پر از معلومات ہے اور ہم کو امید رکھنا چاہیے کہ اس کے آئندہ نمبر حقیقی تاریخی اور تحقیقی نتائج پر مشتمل ہوں گے ہم تاریخ دوست اصحاب سے اس رسالہ کے مطالعہ کی سفارش کریں گے۔"

حکیم شمس الدین قادری

حیدرآباد میں تاریخی واقعات کے حوالے دینے والے دو

حضرات تھے۔ ایک تھے عبداللہ خاں جو کتب خانۂ آصفیہ میں رہتے تھے۔ امی محض تھے جو شخص ملتا اس سے کتاب پڑھوا کر سنتے تھے۔ صفحہ پوچھ لیتے اور جو حافظہ میں محفوظ ہو جاتا۔ اگر ان سے کوئی آکر پوچھتا کہ کتاب کا نام بتا دیتے تھے کہ فلاں صفحہ پر یہ عبارت ہے دیکھ لو۔ شبلی، حالی وغیرہ ایسی عبداللہ سے پوچھ لیا کرتے تھے

عبداللہ خاں کے بعد حکیم صاحب کا ہی نمبر تھا مگر عبداللہ خاں امی تھے اور حکیم صاحب پڑھے لکھے۔ مگر علمیت حافظے سے کم اور حافظہ غضب کا تھا۔

حکیم صاحب نے اپنے اس خداداد حافظہ سے بڑا کام لیا، اور تصنیف و تالیف، تحقیق و تفتیش کے میدان میں وہ ناموری حاصل کی، جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے وہ گھریلو اور مکتبی تعلیم کے ساختہ پرداختہ تھے، باضابطہ اسکول نے تعلیم حاصل نہیں کی۔ لیکن کثرت مطالعہ اور تحقیقی ذوق نے ان میں وہ شگفتگی، بصیرت اور گہرائی پیدا کر دی تھی جو باضابطہ تعلیم کے بغیر بہت کم دیکھنے میں آتی ہے عنفوانِ شباب میں انھیں طب سے بھی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی وہ باقاعدہ مطب کرتے تھے لیکن یہ سلسلہ زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکا ساری زندگی آزاد رہے سرکاری یا غیر سرکاری کسی ملازمت کے کبھی پابند نہ ہو سکے بارگاہ خورشید جاہی سے وابستگی تھی۔ جو منصب وہاں سے ملتا اسی میں گزر بسر کرتے تھے۔

قادری صاحب پرانے لکھنے والوں میں اس حیثیت سے بھی ممتاز تھے کہ انھوں نے اپنے آپ کو حیدرآباد کی علمی دنیا تک محدود نہیں

دکھا بلکہ حیدرآباد کے باہر رسائل کے لیے بھی لکھا اور بہت جلد وہ ہندوستان بھر میں مشہور ہو گئے۔ ایک رسالہ تاریخ بھی ۱۹۲۱ء میں نکالا تھا جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا۔

مورخ اور محقق کی حیثیت سے حکیم صاحب کا مقام بہت بلند تھا۔ تاریخ آثار قدیمہ اور اس کے علاوہ اردو فارسی زبان و ادب پر جو تحقیقی مقالے انہوں نے لکھے تھے وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے گئے۔ ان میں جس مقالہ کو سب سے زیادہ شہرت حاصل ہوئی وہ اردوئے قدیم ہے جو کتابی صورت میں چھپ چکا ہے انہوں نے بعض قدیم تاریخوں کو بھی مرتب کر کے شائع کیا تھا۔" اردو زبان کے قدیم دور اور دکنی ادب " منظر عام پر لانے کے سلسلے میں حکیم صاحب نے جو خدمات انجام دی ہیں۔ انہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کا انتقال ۱۹۵۳ء میں ہوا [1]

سہیلی

یہ خواتین کا رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۲ء کو وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کی ایڈیٹر بیگم ابوبکر خوشتکی تھیں سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا۔

اس رسالہ نے تھوڑے عرصہ میں بڑی شہرت حاصل کر لی تھی۔ حیدرآباد کے چوٹی کے رسالوں میں اس کا شمار ہونے لگا تھا۔ اس نے اردو ادب کی بڑی خدمت کی۔

---

[1] حیدرآباد کے ادیب ص ۱۱۱

غالب

آگرہ سے ماہانہ ادبی رسالہ سنہ ۱۹۲۴ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب مقبول حسن قابل اکبرآبادی کی ادارت میں نکلتا تھا نگران محمد شفیع کاشف اکبرآبادی تھے۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھے۔

مقبول حسین قابل اکبرآبادی

قابل صاحب کا آگرہ کے علمی خاندان سے تعلق تھا ان کو بچپن سے ہی شعر و شاعری سے ذوق تھا۔ آگرہ کے شعراء سے قریبی تعلق رکھتے تھے، عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ تقریباً ہر مشاعرہ میں ان کا کلام پسند کیا جاتا تھا۔[۱]

ہر بن مو سے نکلتی ہے انا الحق کی صدا
خود بنایا ہے مجھے منصورِ سرِ دار نے

محمد شفیع کاشف

کاشف صاحب آگرہ کے رہنے والے تھے، میٹرک تک تعلیم پائی کتب بینی کا شوق تھا اساتذہ کے دیوانوں کا مطالعہ تھا، شعر و شاعری کے ذوق نے شعر کہنے پر مجبور کیا۔ اچھا شعر کہتے تھے۔[۱]

میرے سجدوں کا نہیں ملتا مزاج
عرش ہے یا آستانِ ناز ہے

مشاعرہ آگرہ نمبر جون، جولائی سنہ ۱۹۳۳ء

مجلہ مکتبہ

یہ رسالہ مکتبہ ابراہیمیہ کی طرف سے حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ اور عبدالقادر سروری کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ کو جامعہ عثمانیہ کے طلبا اور ملک کے دیگر معروف اہل قلم حضرات کا تعاون حاصل تھا اس میں بھی معیاری اور سنجیدہ مضامین شائع ہوتے تھے۔

عبدالقادر سروری

سروری صاحب ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتے تھے جس کو تصوف سے لگاؤ تھا اور صاحب باطن تھے

حیدرآباد دکن آپ کا وطن تھا۔ ۱۳۲۱ھ کو آپ کی ولادت ہوئی مختلف مدارس میں آپ کی تعلیم ہوئی جامعہ عثمانیہ سے بڑے اعزاز اور امتیاز کے ساتھ ایم اے ایل ایل بی کی ڈگری حاصل کی اور جامعہ میں ہی ۱۹۳۲ء میں مددگار پروفیسر اردو کی خدمت پر مامور ہوئے چند سال کے بعد ۱۹۲۲ء میں میسور یونیورسٹی نے آپ کو پروفیسر اردو کی حیثیت سے طلب کیا، وہاں زیادہ عرصہ ٹھہر نہ سکے اور پھر جامعہ عثمانیہ واپس آنا پڑا۔ اور صدر شعبہ اردو کی خدمت انجام دی جہاں سے ریٹائرڈ ہوتے ہے،

سروری صاحب کو بچپن سے مضامین لکھنے کا شوق تھا اخبارات اور رسالوں میں مضامین لکھتے رہے تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد تصنیف وتالیف پر توجہ دی، تاریخ ادب، تنقید اور افسانہ نگاری وغیرہ

آپ کے خاص موضوعات تھے آپ کی تصانیف یہ تھیں۔

جدید اردو شاعری اس کے کئی ایڈیشن چھپ چکے ہیں دنیائے افسانہ، کردار افسانہ، حیدرآباد کی ۲۵ سالہ تعلیمی ترقی، اردو مکتوبات حضرت معراج اور ان کی شاعری، جامعہ عثمانیہ کے اردو مخطوطات اس کے علاوہ اور بھی آپ کی تصانیف ہیں مضامین کی تعداد بھی کافی ہے ؎۱

جامعہ عثمانیہ کے قیام کے بعد حیدرآباد کے جن نوجوانوں نے تصنیف و تالیف کے میدان میں قدم رکھا اور اپنے سلجھے ہوئے مذاق اور غیر معمولی صلاحیتوں کی وجہ سے بہت کم عرصہ میں ہندوستان گیر شہرت حاصل کی وہ جامعہ عثمانیہ کے ان سپوتوں میں سے ہیں جو اپنے بل بوتے پر آپ کھڑے ہوئے اور محض اپنے ذاتی شوق اور محنت کے سہارے ترقی کرتے گئے۔

ان کو لسانیات سے غیر معمولی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی، اس موضوع پر انہوں نے تحقیقی کام شروع کیا۔ اور اسی موضوع پر ایک کتاب زبان اور علم زبان، تالیف کی جو شائع ہو چکی ہے۔

افسانہ اور جدید شاعری کے نقاد کی حیثیت سے سروری صاحب نے اپنے لئے ایک مقام پیدا کیا ؎۲

فلم ریویو

دارالامت نمبر ۱۱، ۱۲ ہیرار بیکان کلکتہ سے ۱۹۳۸ء کو طبع افروز ہوا۔ ۴۰ صفحات پر نکلتا تھا اس کے

؎۱ دکن میں اردو ص ۸۵۸ ؎۲ حیدرآباد کے ادیب ص ۲۸

ایڈیٹر دائی کے طارق تھے، سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔
اس رسالہ پر مخزن لاہور مورخہ نومبر ۱۹۳۱ء میں حسب ذیل ریویو کیا تھا۔

یہ رسالہ کلکتہ سے دائی کے طارق صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا ہے فلم کی نو بنو کیفیات و ترقیات سے عامۃ الناس کو آگاہ کرنا غالباً اس کا مقصد اولین ہے یہ رسالہ بھی اپنے ابتدائی مراحل سے گزر رہا ہے اپنے اعتبار سے اچھا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایسے رسالہ کو کامیاب بنانے کے لئے جس کا موضوع فلم لو ڈائریکٹر ہو، ایک رقم خطیر کی ضرورت ہے اس میں آرٹ کی بہترین تصویریں اور مناظر کی سہ رنگی اور دو رنگی تصویریں اور ایسے اہل قلم کی امداد حاصل کرنی چاہیئے جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں فلم ریویو کی قیمت صرف دو روپے آٹھ آنے ہے۔

معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۱ء میں بھی اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

فلم ریویو ہندوستانی فلم سازی کا ترجمان ہے کلکتہ سے شائع ہوتا ہے ابتدا میں چند صفحے تذکرات کے ہیں جن میں ہندوستان کی فلمی دنیا پر رائے ہیں پھر مضامین شروع ہوتے ہیں جو فلم سازی فلمی مناظر کی تفصیل و تشریح ڈرامہ کی تاریخ فلم ایکٹر اور ایکٹرس کے سوانح حیات اور کارناموں پر تفصیل روشنی ڈالی گئی ہے اس کے بعد معلومات کا عنوان ہے۔ رسالہ میں فلمی مناظر فلم ایکٹر اور ایکٹرس کی تصویریں آرٹ پیپر پر شائع کی جاتی ہیں۔

مونس

یہ رسالہ ۱۹۲۹ء کو گوجرانوالہ سے وجود میں آیا
۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ لالہ گردھاری اس کے
ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ سوا تین روپے تھا۔
نیرنگ خیال لاہور کے سالنامہ ۱۹۲۹ء میں رسالہ مونس کا حسب
ذیل اشتہار شائع ہوا تھا۔
غور و تفکر کی گھڑیوں میں رسالہ مونس آپ کا حقیقی ہمدرد
معاون ثابت ہو گا۔ آپ کا دل بہلائے گا اور دلچسپ فسانے
سنائے گا۔ اس رسالہ میں صرف افسانے اور ڈرامے اور ناول درج
ہوتے ہیں۔ پہلا نمبر شائع ہو گیا ہے جس میں گیارہ افسانے اور
دو آرٹ کی تصاویر ہیں۔
قیمت سالانہ سوا تین روپے۔

کامیابی

دہلی سے یہ ماہنامہ ۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا ۶۴
صفحوں پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر ڈاکٹر سعید احمد صاحب
تھے سالانہ چندہ تین روپے مع محصول ڈاک
تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ ساقی دہلی نے حسب ذیل ریویو کیا تھا۔
ڈاکٹر سعید احمد صاحب کی ادارت میں سال سے جاری ہے مقاصد
نہایت اعلیٰ ہیں، یعنی مسلمانوں کی عملی ایجادی اور اجتہادی قوتوں کو بیدار
کرنے والا اور ان کو ترقی و کامیابی کے بہترین طریقے بتانے والا
اصولی رسالہ ہے مسلمانوں کو پستی سے نکالنے کے ایک ایسے رسالہ کی
ضرورت بھی تھی ڈاکٹر صاحب ان معاشرتی بیماریوں کا مجموعہ سے علاج

رہے ہیں جو ہماری ترقی کے لئے مہلک ثابت ہو رہی ہیں۔
علاوہ ازیں سید علی اکبر صاحب کو ڈاکٹر صاحب کو پوری کامیابی حاصل ہوا۔ یہ مثل بہت خوشنما ہے۔ مسٹر سپیر کے آرٹ کا اچھا نمونہ ہے۔ قیمت سالانہ تین روپے مع محصول ڈاک نمونہ دفتر رسالہ کامیابی دہلی سے طلب کیجئے۔ ۱۰ پیسے

البلاغ نظیر آباد لکھنؤ سے یہ ماہانہ علمی رسالہ ۱۹۳۳ء میں جاری ہوا۔ ۴۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ مولوی سید محمد افضل صاحب ثاقب ندوی بہرائچی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔
معارف اعظم گڑھ نومبر ۱۹۳۳ء میں اس رسالہ پر ریویو چھپا تھا۔
مولوی سید محمد افضل شاہ صاحب ثاقب ندوی اردو کی صحافت کے ایسے خدمت گزاروں میں ہیں جو اپنے طریقوں پر کچھ نہ کچھ خدمت کرتے رہتے ہیں۔ آپ کے زیر ادارت البلاغ نام سے ایک ہفتہ وار پرچہ لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ وہ اب ماہانہ رسالہ کی شکل میں تبدیل ہو گیا ہے البلاغ کا اصل مطمح نظر تبلیغ اشاعت ہے لیکن چونکہ ایک ہفتہ وار اخبار سے رسالہ کی شکل میں بدل کر آیا ہے اس لئے روایات قدیمہ کے بموجب کچھ نہ کچھ سیاسی مقاصد بھی سامنے ہیں اور اس وقت اس کا دائرہ بحث تبلیغ و اشاعت ملکی معاملات، اسلامی سیاسیات اور ایشیا ممالک اسلامی کے درمیان رابطہ اتحاد و اتفاق ہے اس لئے مضامین کا بیشتر حصہ مذہبی و اسلامی مسائل پر ہوتا ہے نیز دعوت اصلاح اور اخلاق
ماہنامہ البلاغ دسمبر ۱۹۳۳ء

اور ظرافت کا عنصر بھی شامل ہے۔ رسالہ میں مصر و شام کے اچھے اخبار و
رسائل کے اقتباسات وتراجم خصوصیت سے ہوتے ہیں آخر میں اخبار عالم
کے عنوان سے تین چار صفحوں میں ایسی خبریں ہوتی ہیں جو آئندہ زمانہ
کے تاریخی واقعات ہو جائیں گے۔

قیام الدین

اشاعت العلوم فرنگی محل لکھنؤ سے یہ ماہانہ جریدہ
۱۹۱۲ء کو وجود میں آیا۔ ۴۸ صفحات پر
نکلتا تھا۔ اس کے مدیر حسن انصاری صاحب
تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۲۹ء میں یہ
تبصرہ شائع ہوا ہے۔

قیام الدین مولانا عبدالباری صاحب فرنگی محل کی یادگار مجلس اشاعت
العلوم کا ماہوار آرگن ہے رسالہ مختلف قسم کے مذہبی علمی اور ادبی مضامین
پر مشتمل ہوتا ہے مضامین کے پہلو بہ پہلو نظمیں اور غزلیں بھی درج ہوتی
ہیں فرنگی محل کو جو مرکزیت حاصل ہے اس کے لگاؤ سے کبھی کبھی رسالہ کے
قلمی معاونین میں ملک کے مشاہیر کے نام بھی نظر آجاتے ہیں لیکن پھر بھی یہ
عرض کرنا ضروری ہے کہ ان ہی مضامین کے پہلو بہ پہلو غیر مناسب حیثیت
مضامین ایسے درج ہوتے ہیں جن سے ایک طرف رسالہ کے معیار کو
صدمہ پہنچتا ہے اور دوسری طرف مضامین میں باہمی توازن قائم نہیں
رہتا ہے، رسالہ کو شرف انتساب حاصل ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے
شایان شان رسالہ ترتیب پائے لیکن مضامین کی نوعیت میں جو عام
تدریجی ترقی ہے اور لائق مدیر جس جانفشانی سے رسالہ کی ترتیب

تدوین میں مصروف ہیں اس سے توقع ہے کہ ہم اس کو ایسے معیار پر بہت جلد دیکھ لیں گے جو زندگی محل کی مرکزیت اور مولانا عبد الباری مرحوم کی ذات گرامی کے شایان شان بلکہ اور اسلامی علوم و آداب کا صحیح خدمت گزار ہوگا۔

مبصر

فروری ۱۹۲۹ء سے یہ انجمن اخوان الصفا کا آرگن لکھنؤ سے نمودار ہوا، ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا جناب ابو العلا ناطق اور جناب حکیم شگفتہ اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

معارف اعظم گڈھ نے جنوری ۱۹۳۰ء میں اس رسالہ پر ریویو چھاپا تھا۔

"نوبہار شرق کے علاوہ اردو کے مرکز لکھنؤ سے گذشتہ ماہ سے جناب ابو العلا اور جناب حکیم شگفتہ کے زیر ادارت مبصر نام کا ایک رسالہ انجمن اخوان الصفا کا ترجمان ہے اس کا مقصد ادبیات پر غیر جانبدارانہ بے لوث اور مخلصانہ تبصرہ بتایا گیا ہے اس میں محترم مدیر نے لکھا ہے کہ

اگر چند علمی و تاریخی مضامین ایک مختصر افسانہ اور چند غزلوں کی اشاعت کا نام خدمت ادب ہے تو یقین کرنا چاہیے کہ بجائے ترقی زبان کے تنزل ہو رہی ہے۔"

اس تنقید کے بعد ہم کو امید ہے کہ اس رسالہ میں ہم کو کوئی بہتر چیز ملے گی لیکن افسوس کہ مبصر بھی اس فرسودہ لبرسٹ کا مجموعہ ہے اور اس کے اداری مضامین کے بین السطور میں بہ صاف لکھا نظر

آتا ہے کہ اس کا وجود محض خاص جذبات کا نتیجہ ہے خدا کرے وہ جن بلند گونج دعووں سے عالم وجود میں آیا ہے ان کو سچ دکھائے اور ان کا دامن خاردہ میں الجھ کر نہ رہ جائے ؎

سروش

لاہور سے یہ رسالہ ۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا۔ ۴۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب محمد عنایت اللہ خاں صاحب حیرت اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر معارف اعظم گڑھ مورخہ مارچ ۱۹۲۹ء میں یہ ریویو کیا تھا۔

یہ رسالہ جناب محمد عنایت اللہ خاں صاحب کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے پہلے نمبر کے مضامین سے اس رسالہ کے مستقبل کے متعلق اگر اس نے اپنا یہی معیار قائم رکھا تو بہت کچھ امیدیں وابستہ کی جا سکتی ہیں اس کے معزز نگاروں کی فہرست میں جناب مولوی ظفر علی خاں صاحب پروفیسر غلام مصطفیٰ صاحب اور جناب پروفیسر مظفر الدین صاحب وغیرہ کے نام نظر آتے ہیں۔"

مُباہلہ

قادیان پنجاب سے ۱۹۲۹ء کو یہ رسالہ نمودار ہوا، مجلس داعیان مباہلہ کا ترجمان تھا ۳۲ صفحوں پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔

یہ رسالہ احمدی جماعت سے دلچسپی رکھنے والے موافقین اور مخالفین دونوں کے لئے دلچسپ تھا۔

اسلام امرتسر سے یہ ماہانہ مذہبی رسالہ ۱۹۲۲ء میں جاری ہوا۔ ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا جناب جمال الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے تھا۔ ساسف اعظم گڑھ مارچ ۱۹۲۳ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا تھا۔

اس میں عام فہم مفید مذہبی مضامین اور مذہبی واقعہ ہوتے ہیں عوام میں مذہبی دلچسپی کہ سیرت وغیرہ سے واقفیت پیدا کرنے کا یہ اچھا طریقہ ہے۔ اس کے ایڈیٹر جناب محمد سراج الدین صاحب ہیں

ادب یہ ماہنامہ پرچہ لکھنؤ سے ۱۹۳۲ء میں ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے مدیر سید اعظم حسین صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا اس رسالہ پر رسالہ ساقی دہلی نے اپریل ۱۹۳۳ء میں حسب ذیل ریویو کیا تھا۔

چھ ماہ ہوئے کہ ادب نے عالم صحافت میں قدم رکھا ہے تین پرچے ہماری نظر سے گزرے اور ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ادب اسم بامسمّیٰ ثابت ہو رہا ہے سید اعظم حسین صاحب مدیر ادب کے طرز تحریر میں ایک خاص دلکشی ہے جو علاوہ ان کے ادیب فاضل ہونے کے صائب الرائے ہونے پر بھی دال ہے۔

مضامین علمی و ادبی شائع ہوتے ہیں فاضل رنگیں کتابت طباعت بہت اچھی ہے۔

چندہ سالانہ چار روپے مع محصول ڈاک۔

حکمت

لاہور سے یہ ماہانہ ۱۹۲۶ء کو جلد نذیر ہوا ۵۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ زبدۃ الحکمار سید نوازش علی کی ادارت میں نکلتا تھا، سالانہ چندہ ایک روپے آٹھ آنے تھا۔

رسالہ ساقی دہلی کے شمارے اپریل ۱۹۳۱ء میں اس جریدہ پر یہ تبصرہ ہوا تھا۔

زبدۃ الحکمار سید نوازش علی صاحب کی ادارت میں ماہ بماہ لاہور سے شائع ہوتا ہے اس کے اب تک دس نمبر شائع ہو چکے ہیں دسواں نمبر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انتخاب مضامین بہت قابلیت سے کیا گیا ہے ایسے مفید طبی معلومات بہم پہنچانے والے رسالے بہت کم ہیں اس رسالہ کی بڑی خوبی یہ ہے کہ معمولی قابلیت کا آدمی بھی جو اصطلاحات طب سے قطعی بے بہرہ ہو مستفید ہو سکتا ہے ذیل کے مستقل عنوانات ہماری معلومات میں کثیر اضافہ کرتے ہیں

۱۔ حفظ صحت (۲) نتائج تجربات (۳) مجربات (۴) عطریات
۵۔ مفید معلومات (۶) متفرقات (۷) سوالات و جوابات و

ورق ہم کہہ سکتے ہیں کہ حکمت اپنی گوناگوں خوبیوں اور منافع کے لحاظ سے قابل ستائش ہے اور پرزور سفارش کرتے ہیں کہ حکمت کی سرپرستی کی جائے

لکھائی چھپائی اچھی ہے ۵۰ صفحے چندہ سالانہ ایک روپیہ آٹھ آنے نمونہ دفتر حکمت موچی دروازہ لاہور سے مفت ملتا ہے۔

حیدرآباد ٹیچر ۱۹۲۹ء کو یہ تعلیمی جریدہ حیدرآباد دکن سے وجود میں آیا۔ ۲۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ ارباب تعلیم کی وجہ سے شائع ہوتا تھا۔ دو روپے سالانہ چندہ تھا۔

ارشاد یہ مذہبی و علمی رسالہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۳۲ء میں جاری ہوا۔ ۴۸ صفحوں پر مشتمل تھا۔ جناب یوسف الدین صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

سائنس انجمن ترقی اردو کل ہند کا سہ ماہی آرگن اورنگ آباد سے ۱۹۲۸ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۱۴۴ صفحات پر نکلتا تھا۔ بابائے اردو مولانا عبدالحق صاحب دہلوی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ آٹھ روپے تھا۔ اس کے ایڈیٹر تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ اس کا دفتر اورنگ آباد سے دہلی تبدیل ہوا۔ ۱۹۴۷ء کے پرآشوب زمانہ میں اس کو بھی دہلی سے پاکستان ہجرت کرنی پڑی۔ کراچی سے شائع ہونے لگا۔

ورزشِ جسمانی ۱۹۲۹ء میں یہ سہ ماہی رسالہ حیدرآباد دکن سے وجود میں آیا۔ ۸۰ صفحوں پر نکلتا تھا۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر محمد صالح صاحب تھے۔ اس رسالہ کا سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

معاون گوجرانوالہ سے ۱۹۲۹ء کو یہ ماہانہ رسالہ نمودار ہوا ۔ ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر مولوی محمد ابراہیم معاون چودھری غلام مصطفےٰ صاحب بی اے ایل ایل بی بیرسٹر تھے ۔ سالانہ چندہ سالانہ ۳ تین روپے تھا ۔

ارمغان دہلی بابت جون ۱۹۳۰ء میں رسالہ معاون گوجرانوالہ پر یہ ریویو شائع ہوا تھا ۔

" جناب چودھری غلام مصطفےٰ صاحب بی اے ایل ایل بی ، بیرسٹر کی معاونت اور مولوی محمد ابراہیم کی ادارت میں شائع ہوتا ہے ، جس میں علمی و ادبی ، زرعی امداد باہمی ، تعلیمی ، اخلاقی اقتصادی مضامین افسانے اور نظمیں وغیرہ شائع ہوتی ہیں جناب شوکت تھانوی کا مضمون سرولیم ہڈنیسی بہت خوب ہے تصاویر بھی ہوتی ہیں غرضیکہ رسالہ ہونہار ہے ، کتابت طباعت قابل اطمینان ہے باوجود اتنی خوبیوں کے چندہ سالانہ تین روپے آٹھ آنے ہے ۔"

شبستان دارالاشاعت پنجاب لاہور سے یہ علمی رسالہ ۱۹۲۹ء کو وجود میں آیا ۴۶ صفحات پر مشتمل تھا ۔ سٹر ظفر اس کے بانی اور ایڈیٹر تھے چندہ سالانہ چار روپے تھا ۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ بابت مارچ ۱۹۲۹ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو شائع ہوا تھا ۔

" ہندوستان میں کوک لقائی کی مقبولیت اس حد تک بڑھ گئی ہے

یہاں کے سرمایہ داروں نے غیر ملکوں کی فلم بنانے والی کمپنیوں کی نمائندگی کر کے خود ہندوستان میں ان کی تجارتی کمپنیوں کے نئے نئے مراکز کھول دیے تھے۔ متعدد کمپنیاں قائم ہو گئی ہیں اور شاید ہندوستان کے طول و عرض میں کوئی بڑا شہر نہیں جہاں یہ تصویر خانے ۔ پکچر ہاؤس ۔ نہ ہوں، ان حالات میں اس برادری کے رسائل و اخبارات کا نکلنا ایک لازمی چیز تھی اس سلسلہ میں کتابوں کے ذریعہ جو پہلا قدم اس طرف بڑھایا گیا ہے وہ بہت امید افزا اور اس دنیا کے شایان شان ہے ایک رنگین تصویر کے علاوہ بارہ صفحات پر متعدد تصاویر ہیں کارٹون بھی ہیں مضامین کے لحاظ سے بھی اپنے موضوع کے مطابق مفید معلومات کا حامل ہے اور ہم مسٹر شریر کو ان کی اولین کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں۔

بائیسکوپ دہلی سے یہ فلمی رسالہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۲۶ء کو جلوہ افروز ہوا ۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر ایم اے سعید صاحب تھے ۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

یہ رسالہ اسم بامسمی نہیں تھا۔ بلکہ اس میں سیاست حکایت اور شاعری وغیرہ تمام مباحث کو جگہ دی گئی تھی۔

العراقی محمود کمپنی سے یہ رسالہ ۱۹۲۶ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ عبدالرحمن عراقی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

صوبہ آگرہ کے اضلاع شرقی میں ایک تجارت پیشہ مسلمان قوم آباد ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ عراق سے یہاں آئے تھے ۱۹۰۲ء اعت نے

اپنے اس دعویٰ کے ثبوت اور اپنی برادری کی سماجی تحریکوں کے لئے یہ رسالہ نکالا تھا۔

بیدار جو الاپور ضلع سہارنپور سے یہ قریش برادری کا ترجمان ۱۹۲۱ء کو جلوہ فگن ہوا ۱۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب مغور حسین قریشی تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔[1]

خاتونِ مشرق یہ ماہانہ علمی ادبی رسالہ ۱۹۲۹ء میں میرٹھ سے جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا ڈاکٹر حشمت آرا حجاب اس کی ایڈیٹر تھیں سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

ڈاکٹر حشمت آرا حجاب حجاب صاحبہ بارہ بنکی میں پیدا ہوئیں بارہ بنکی میں آپ کا خاندان اسلامی روایات کا تابندہ نشان سمجھا جاتا تھا۔ انھوں نے اپنے جید عالم باپ کے زیر تربیت قرآن مجید کا گہرا مطالعہ کیا اور مذہبی علوم حاصل کئے شاعری کی ابتدا تقریباً گیارہ سال کی عمر سے ہوئی اور اس کا محرک والدہ کے انتقال کا سانحہ تھا۔ اس کے بعد زندگی شعر و ادب سے وابستہ ہو کر رہ گئیں۔

سرگرم زندگی کا آغاز خاتون مشرق میرٹھ کی ایڈیٹری سے ہوا

---

[1] معارف اعظم گڈھ مارچ ۱۹۲۱ء ص ۲۴۳

۱۹۳۲ء یونیورسل ہومیوپیتھک کالج [illegible] سے ہومیو ڈاکٹری پاس کی۔ ۱۹۳۳ء میں ڈاکٹر رفیق پرنسپل ہومیوپیتھک ٹریننگ سنٹر سے ملادی ہوگا۔

۱۹۴۸ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب عالم کا امتحان پاس کیا۔ مذہبی ماحول میں پرورش پانے کے باعث ان کے کلام پر مذہبی خیالات اور قومی جذبات و احساس کی گہری چھاپ ہے اور نظموں میں ان کا یہ رنگ بہت نمایاں ہوتا ہے۔ غالب اور جگر مرادآبادی سے بہت متاثر ہیں اور اسی وجہ سے ان کا زیادہ رجحان غزل کی طرف ہے ان کے اشعار میں گہرائی بھی ہوتی ہے ۱؎

ان دور حادثات میں ہوں گامزن حجاب
ہاں میرا ہمسفر مرا عزم جواں ہے اب
باعہد فن تو یہ جائز نہیں حجاب
ہر شعر میں ہے خون کے اعلان کی تڑپ
انسان یہاں کے جبر مسلسل سے ہے حجاب
گھبرا گیا تو بے سروساماں گیا پلٹ
حجاب ہم تو نہ پہنچے کسی نتیجہ پر
یہاں تغزل ہے ایثار و اعتبار کی بحث

۱؎ یاران نو ص ۱۴۲

سنہ ۱۹۳۰ء

ساقی

کھاری باؤلی دہلی سے یہ علمی وادبی رسالہ جنوری ۱۹۳۰ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر جناب شاہد احمد دہلوی بی اے آنرز، نائب مدیر سید انصاری علی دہلوی اور مہتمم اشتیاق حسین احمد حقی دہلوی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ دہلی پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپتا تھا۔ سرورق پر اقبال کا یہ شعر درج ہوتا تھا۔

اس دور میں مے اور ہے جام، اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و کرم اور

پہلے شمارے جنوری ۱۹۳۰ء میں مختصر طور پر دوسرے صفحہ پر حسب ذیل اغراض ومقاصد شائع ہوئے ہیں۔

۱۔ ادب اردو کی نظماً ونثراً اشاعت اور تحقیقات کے جدید وقدیمہ کا نشر "ساقی" کا مقصدِ حقیقی ہے۔

۲۔ ساقی کی اشاعت سے بڑی غرض یہ ہے کہ ملک میں پاکیزہ ادب کا مذاق پیدا کیا جائے اور زبان و ادب کی قیمتی اقتصادی ترقی کی طرف ابنائے وطن کو مائل کیا جائے۔

۳۔ ساقی کوشش کرے گا کہ اردو میں نثر، شاعری، ادب لطیف کے نمونے پیش کر سکے۔

۴۔ ساقی خاص ادبی و علمی رسالہ ہے سیاسیات اور مذہبی مناقشوں سے اسے مطلق سروکار نہ ہوگا۔

۵۔ اخلاق، تہذیب اور ذاتیات پر مبنی مضامین ساقی میں درج نہ ہوں گے۔

۶۔ ساقی کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ ادبی محاسن و کمالات کی پوری پوری داد دی جائے۔ لیکن یہ سب اسی وقت ممکن ہے جب ملک کے اچھے لکھنے والے ساقی کے مقاصد کی تکمیل کرنے کی توجہ فرمائیں اور جن کی باقاعدہ اور مسلسل جنبش قلم ساقی کو اس کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کرتی رہے۔

اسی پہلے شمارے جنوری ۱۹۳۰ء کو بڑی تفصیل کے ساتھ پورے چھ صفحوں پر اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی، جس میں سے ضروری اقتباس ملاحظہ ہوں۔

تمام ہندوستان کے لوگ جو اردو بولتے ہیں اہل زبان اور تمام ہندوستان کے وہ لوگ جو اردو کی خدمت کرتے ہیں زبان داں ہیں لیکن ان سب کا سرچشمہ دہلی اور لکھنؤ ایک ایسا قلعہ ہے جہاں سے زبان کا سند ملتی ہے ان میں ادبیت کا تاج دہلی کے سر ہے

(خواجہ عبد الرؤف عشرت لکھنوی) مگر ہمیں یہ دیکھ کر افسوس ہوتا ہے کہ اہل دہلی اپنے اس گوہر و وقار کو دن بدن کھوتے جا رہے ہیں جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں کے اہل قلم حضرات کو فکر معاش دنیا نے کچھ ایسا گھیرا ہے کہ وہ یا تو عام ہی مجبوراً بیٹھے ہیں اور یا اپنے ذریعہ نہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہیں۔ لکھنؤ میں زبان کا چرچا ہے کتنی ہی انجمنیں ہیں جو تحفظ ادب کے لئے قائم کی گئی ہیں شعر و سخن کی گرم بازاری ہے آئے دن مشاعرہ ہوتے رہتے ہیں اور زبان کی ترقی کے لئے ہر ممکن کوشش کی جاتی ہے اور اہل لکھنؤ کو اپنے ارادوں میں خاطر خواہ کامیابی ہو رہی ہے دہلی میں اہل علم کا کال نہیں ہے اور وہ لوگ بڑی غلطی پر ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ دہلی اب برائے نام رہ گئی ہے وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے یہاں زبان کا بہت کم چرچا ہے ایک انجمن بھی ایسی نظر نہیں آتی جس کا مقصد زبان اردو کی ترقی ہو، شعر و سخن کا بازار بھی سرد ہے کبھی برس دو برس میں سن لیتے ہیں کہ فلاں جگہ محفل شعرا قائم ہوئی ہے ان مایوسیوں کی وجہ سے تبادلۂ خیالات تو مطلق ہوتا ہی نہیں اور چونکہ زبان کی ترقی کی کوشش نہیں کی جاتی اس لئے اہل دہلی کی ٹکسالی زبان بھی کس مپرسی کی حالت میں پڑی ہوئی ہے ہمارے حوصلے پست ہو گئے ہیں اور باہر والے ہم کو ایک اجڑی ہوئی محفل سمجھتے ہیں۔ یہاں ہم یہ واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ اس میں زبان دہلی کا کوئی قصور نہیں بلکہ یہ اہل دہلی کی بڑی بدمذاقی ہے کہ وہ اس قدر بے التفاتی برت رہے ہیں دہلی اب بھی ان ہی خانوادوں کی چوکھٹ ہے جو پہلے تھی اور ان ہی بزرگان دین کی برکت ہے جو یہاں کی خاک میں آسودہ

ہیں کہ آج ہماری کم توجہی اور بے اعتنائی کے باوجود دہلی کی فصاحت و نفاست
شائستگی زبان کا نام اب بھی زبان زد خلائق ہے اور تمام عالم میں
دہلی کی ٹکسالی زبان کا سکہ جاری ہے۔

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اور جب کوئی مسئلہ زبان دریافت کرنا ہوتا ہے تو دہلی یا لکھنؤ ہی
کے شعراء اساتذہ سے رجوع کیا جاتا ہے ہمیں آج بھی وہ فخر
حاصل ہے جو کہ لغت اردو پیشتر تھا یعنی ؎

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زبان کی ہے

قاعدہ یہ ہے کہ ہر چیز کی ترقی کے لئے ایک تو جدوجہد ضروری ہے
اور دوسرے اس کی قدردانی، ہمارے ہاں زبان کی جدوجہد
کچھ رہی سہی باقی ہے مگر قدردانی بالکل مفقود ہے پنجاب نے زبان
اردو کی ترقی کے لئے جدوجہد بھی کی اور قدردانی بھی، ہم دیکھتے
ہیں کہ آج ترقی اردو کا سہرا پنجاب ہی کے سر ہے دکن میں قدردانی
پہلے ہوئی اور جدوجہد بعد میں، ہند کے مشہور اہل قلم کی قدردانی دکن
ہی میں ہوئی اور چونکہ علم دوست اصحاب کی قدردانی اور پرورش
اب بھی وہاں ہوتی ہے اس لئے اچھے لکھنے والوں کی بڑی تعداد
دکن میں ہے، اردو کا چرچا دکن میں سب سے زیادہ ہے اس
لئے وہاں کا ہر شخص مذاق صحیح رکھتا ہے ؎

ہر کجا چشمۂ بود شیریں
مردم و مرغ و مور گرد آیند

بہ لحاظ خدمت و ترقی اردو لکھنؤ دہلی سے بڑھا ہوا ہے اور لکھنؤ کو بڑھا ہوا رہنا بھی چاہیے تھا۔ کیونکہ لکھنؤ کے اہل قلم میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جن کے آبا و اجداد دہلی کے تھے اور دہلی کے اجڑنے پر لکھنؤ چلے گئے تھے، دہلی کے پیچھے رہ جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہاں کے اچھے لکھنے والے دکن چلے گئے اور کچھ لکھنؤ، کیونکہ ان ہی دو زمانوں میں ان کی پرورش ہوئی اور دہلی ان کے جانے سے تقریباً خالی ہی رہ گئی۔ باوجود اس قدر ادبی نقصان کے خدا کا شکر ہے کہ دہلی اب بھی اردو کا مرکز ہے اور بآواز بلند کہتی ہے ؎

نسیم دہلوی ہم موجد باب فصاحت ہیں
کوئی اردو کو کیا سمجھے گا جیسا ہم سمجھتے ہیں

کسی زبان کو ترقی دینے کے لئے رسالوں کا جاری کرنا ایک عمدہ طریقہ ہے اس میں جہاں جد و جہد ضروری ہے وہاں قدردانی بھی لازمی ہے ملک کے گوشہ گوشہ سے جرائد و رسائل جاری ہیں، نیویارک کی آبادی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ ہر منٹ میں ایک بچہ پیدا ہوتا ہے اور ہر منٹ میں ایک موت ہوتی ہے۔ کم و بیش ہمارے ملک کے رسالوں اور اخباروں کے بارے میں بھی کہا جا سکتا ہے کہ ہر روز ایک اخبار یا رسالہ جاری ہوتا ہے اور ہر روز ایک بند ہوتا ہے کسی اخبار یا رسالہ کا جاری رہنا یا بند ہو جانا اس کے حسن و قبح پر موقوف ہے یہاں حسن و قبح کی تصریح و تشریح کر دینی مناسب ہے جو کہ اردو بولنے والے افراد کی بڑے حصہ کی نظروں میں حسن ہے قبح بھی علی ہذا القیاس، یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ہاں کی ادبی مذاق کا معیار اس قدر گرا ہوا ہے کہ ہمارے دیکھتے ہی

دیکھئے، العصر، ادیب، نقاد، جیسے پایہ کے پرچے صفحۂ ہستی سے حرفِ
غلط کی طرح مٹ گئے۔ اور جو بقیدِ حیات ہیں ان کی قلیل اشاعت
کا رونا سنتے سنتے ہمارے کان پک گئے۔ پرانے رسالوں کی بے قدری میں
نیا رسالہ نکالنا عالمِ صحافت کی ترقی کے عجیب سامانوں میں بڑے بڑے
ہی اچھے پرچے کے محرک ہوتے ہیں اور جب اچھا پرچہ نکل آتا ہے
تو بڑے بڑے پرچے داغِ مفارقت دے جاتے ہیں اس کی مثال یوں سمجھئے
کہ چاند کے چڑھتے ہی ستارے ماند پڑ جاتے ہیں اس کشمکش باہمی میں
میدان اسی کے ہاتھ رہتا ہے جو کہ ہر طرح اس شے کے لائق ہوتا ہے
یا یوں کہیے کہ جو مذاقِ عامہ کے موافق ہوتا ہے وہ بازی لے جاتا ہے
دہلی سے کتنے رسالے جاری ہیں جن میں اچھے بھی ہیں اور
برے بھی ان کی مزید وضاحت کرنی نہیں چاہتا کیونکہ علم دوست اصحاب سے
یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ ان میں سے کون اچھا ہے اور کون برا
ہاں اتنا ضرور ہم کہیں گے کہ یہاں کا اچھا اور پنجاب یا لکھنؤ کا اوسط درجہ
کا برابر ہے اور اسی سے ہماری بے التفاتی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے
دہلی کی بدمذاقی اور اس شدید کمی کو پورا کرنے کے لئے ضروری ہوا کہ
ایک علمی و ادبی رسالہ مناسب حالات و ضروریاتِ وقت کے تحت نکالا
جاتے جو اگرچہ باہر کے پرچوں سے بیش نہیں تو اندب بھی [illegible] رہے اور
دہلی کے ان اچھے لکھنے والوں کے مضامین ان میں شائع ہوں اور
ایک اچھا ذریعہ ہونے کی وجہ سے خاموش ہیں، چنانچہ ساقی کو ان
خدمت کی انجام دہی کے لئے پیش کیا جاتا ہے کہ رنگ راغبین کی
کیف اندوزی کے لئے نظم و نثر کے جرعہ ہائے لطیف فراہم کرتا ہے

ایں نامہ کہ بود لطیف ایں ترشش
سن می بر مش بہ کنگرۂ عرشش

ایں لعل کہ دانشت بہاتے در گل
سن می نہمش بہ کر سئے دل

ایں جرعہ کو رنجتند بر خاک
سن می کشش بجام افلاک

ہم اپنی بے بضاعتی کے باوجود اپنی ناچیز علمیت کے موافق زبان اردو کی خدمت کرنے کے لئے کمربستہ ہیں، ہمارا نصب العین یہ ہے کہ ساتی ایک ایسا جامہ ہو کہ ہر شخص اس کے مطالعہ سے محظوظ ہو لیکن یہ ہے کہ کمال کا حال ایک ہی دفعہ معلوم نہیں ہو سکتا اس پرچہ میں بھی ہماری مرضی کے موافق ساری خوبیاں نہ ہو سکیں اچھے لکھنے والے اس بات کے منتظر ہیں کہ پہلے پرچہ کو دیکھ لیں تب لکھیں ہمیں بھی منظور ہے کہ پرچہ کا معیار دیکھ کر لکھیں غرض پہلے پرچہ میں یہ قید نہیں کی گئی کہ ساری خوبیاں ختم کر دی جائیں اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ساقی کے مکیش اس کی پہلی کوشش سے اس کے غایت اہتمام کا قیاس نہ کریں، اس کی خوبیاں بعد آئندہ معلوم ہوتی جائیں گی اس وقت نشئے از خود وار سے آپ کے روبرو ہے ہماری طرف سے تو یہ اقرار ہے کہ جس قدر اس پرچہ کی قدر کی جائے گی اس قدر اس کی خوبیاں بڑھتی جائیں گی۔ اب انتظار ہے تو آپ کے اظہار کرم کا۔

از جوش و خروش خود چہ گوئیم
ایں بادہ ترئی رس شبو بیم

پہلے دو تین شماروں کے مضامین دیکھیں۔

فلسفۂ راز و نیاز از قاری سرفراز حسین صاحب عزمی دہلوی
علیگ، انتقام از جناب قاری عباس حسین صاحب دہلوی عجیلی از شاہد دہلوی
نفس اجتماعی از جناب مرزا محمود بیگ صاحب بی اے آنرز، داسمہ
از جناب سراج الدین احمد صاحب دہلوی نپولین کا راز جناب آغا
محمد اشرف صاحب دہلوی دلی کا ال۔ از جناب قاضی عباس حسین صاحب
لال قلعہ کی ایک جھلک از حکیم خواجہ سید ناصر نذیر فراق دہلوی جانشین
خواجہ میر درد، المشرق والمغرب از جناب مرزا محمود بیگ صاحب دہلوی
معراج تخیل از جناب سید ولایت حسین صاحب دہلوی رسول نمائی اخوان
الشیاطین از جناب مفضل حسین چشتی دہلوی، رویائے صادقہ از جناب منذر
احمد صاحب دہلوی، اچھن کی اماں، از جناب شاہد دہلوی، سنسکرت کے
جواہر ریزے از مسٹر ایم سی سرسوتی بی اے آنرز، تاج محل میں
ایک عزیزی شام۔ از جناب حافظ لطف نری پوری، خواب بیداری از جناب
آغا محمد باقر سلی بی اے، انتقام از جناب محمد صمصام الحق صاحب دہلوی
ایک اہم معاشرتی خیال از جناب عبد الحق، انوکھی عید از جناب شاہد دہلوی
دربیانیہ مدحیہ از علامہ مضحک دہلوی، اشعار خان امین الحق نثا عمر
غزنوی، سید قمر الحسن قمر منشی فاضل سیوہارل، کیف حیدری دہلوی، لسان
الملک حضرت ریاض خیرآبادی، احمد ضیا ایم اے بدایونی، فرحت بنارسی
وزیر آبادی مائل سندیلوی، صدر بزم ادب سیوہاری، مرزا تعذیب عالم
صاحب نزہت دہلوی، مولوی نجم الدین احسن بلگرامی بی اے ایم اے ایل ایل
بی، حضرت جلال الدین صاحب حیدر دہلوی، منظور صدیقی، فراق

دہلوی، حضرت نواب سراج الدین احمد سائل دہلوی جانشین داغ دہلوی
پروفیسر ملند لیب شادانی ایم اے اور ایل، ماسٹر انصاری دہلوی،
جوش ملیح آبادی، سید مکین شاکلی حیدرآباد دکن وغیرہ وغیرہ
سائی کے دوسرے شمارے فروری ۱۹۳۰ء میں حضرت ناصر
نذیر فراق دہلوی کا سائی کے اجرار پر حسب ذیل تاریخی قطعہ شائع
ہوا تھا ۔

نکالا ماہواری اک رسالہ شاہد احمد نے
یہ مژدہ آج سے کر آئی باد صبا اچھا
سخن سنجی ہے کام اس کا ، ساقی نام ہے اس کا
وہ اپنی ذات سے اچھا ہے اس کا مدعا اچھا
گرا ہے شاہجہاں آباد میں یہ نالی اردو کا
یہ اردوئے معلیٰ کا رہے گا رہنما اچھا
مہ ساقی سے گر اٹھتے ہوئے جوبن کو دیکھے گا
بگڑ جائے گا دل کو تھام کر اک پارسا اچھا
یہ ساقی بھی ہے مینا بھی ، ہے گلرنگ بھی یہی
بہت اچھا بہت اچھا ، بڑا اچھا بڑا اچھا
عجب طرح مرصع ہے عجب سخن مسجع ہے
بنائے گا بھلا بہزاد اس سے اور کیا اچھا
جنم ٹکسال ہیں اردو کی اب ان کا ہوا اچھا
بنا دے اس کو اردو کا الٰہی مقتدا اچھا
جو دل کش ہے تو ساقی ہے جو دلبر ہے تو ساقی ہے

نہ کوئی ماہرد اچھا، نہ کوئی مہ لقا اچھا
فراق دہلوی اگر آپ کو تاریخ لکھنی ہے
تو لکھ دیجئے خدا شاہد ہے ساقی دلربا اچھا

شمارہ ۳۴

سید ظفر ہاشمی مدیر چمنستان نے رسالہ ساقی دہلی پر حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

ساقی نے جو چند مہینوں میں اختصاص کی حیثیت پیدا کر لی ہے اس کی حیرت انگیز مقبولیت کچھ اس حقیقت کی رہین منت نہیں کہ وہ دہلی کا ایک ممتاز رسالہ ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی رندِ بادہ باز کی فطرت بالغہ نے اس کو فیضانِ علمی کے اعتبار سے کعبۂ گل فروش بنا دیا ہے کہ اس کا قدیم کامل ساقی کہلائے اور اس کا جرعہ نصیب بے فروش کا خطاب پائے۔ اگر الطاف یزدانی کا کاغذی پیرہن میں شیرازہ بند ہونا ممکنات عالم میں شمار ہو سکتا ہے تو وہ ساقی کی ایک ہی نظر بس نیر آتے تھا، میری عادت تھی کہ جب کسی نے صحیفہ کو منصۂ شہود پر آتے دیکھا تو ایک نوع استہزا میرے تمام واردات قلبیہ پر طاری ہو کر غنیدہ زیر لب پر مجبور کر دیتا اور انسداد تبسم کی لاکھ کوششوں کے بعد ایک رقص تبسم میرے چہرے پر ہویدا ہو جاتا اور زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ یہ بے چارہ بھی چند روزہ مہمان ہے" اور حقیقت یہ ہے کہ میرے الفاظ کبھی جھوٹے ثابت نہیں ہوئے مگر ساقی نے میری پہلی ہی نظر کو اس عقیدۂ راسخ پر مجبور کر دیا کہ یہ ملاقات کسی فراق سے گمان پر غالب نہ ہو سکے گی۔، ساقی کی ظاہری اور معنوی خوبیوں کا

سکہ میرے دل اور دماغ میں ان سے علیحدہ ہو کر ساقی کے جذب و کمال کا معترف ہوں ؂

حسنِ صورت تو ہے تیرا اور حسنِ سیرت مستقل
اس سے لوش ہوتا ہے آنکھیں اس سے خوش ہوتا ہے دل

دعا کرتا ہوں کہ خدا اس کو عمرِ خضر نصیب کرے کہ اردو کو ایسے ہی چند صحافت کی ضرورت ہے۔"

شاہد احمد دہلوی

شاہد صاحب کے دادا ڈپٹی نذیر احمد صاحب اور والد ماجد مولوی بشیر الدین صاحب تھے یہ خاندان کوچہ چیلان دہلی میں سکونت رکھتا ہے اس مکان میں آج کل محمد مسلم صاحب برادر شاہد دہلوی رہتے ہیں۔

شاہد صاحب نے دہلی میں ہی تعلیم پائی اور بی اے آنرز کا امتحان بھی دہلی سے پاس کیا۔ دنیا کا ایک طبقہ ایسا بھی ہے جو دولتمند ہوتے ہوئے مال کو تجوریوں میں چھپا کر رکھتا ہے اور عمر بھر عسرت کی زندگی بسر کر کے اپنی دولت وارثوں کو عیش و عشرت کی زندگی گزارنے کے لئے چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنی زندگی میں دولت سے نہ خود فائدہ اٹھاتا ہے۔ لیکن اس طبقہ میں ایسے عظیم و سخی انسان دوست افراد بھی پائے جاتے ہیں جو خود تو انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے ہیں لیکن اپنی دولت سے دوسروں کو فائدہ پہنچاتے ہیں اور دامے درمے سخنے مستحق لوگوں کی مدد کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ شاہد صاحب بھی ایسے ہی افراد کے زمرے میں

شامل تھے جن کا اس کا دنیا میں کمال ہے ساطوں نے اپنے دہلی کے قیام میں جب انھیں ہر طرح کی آسودگی حاصل تھی، بود و بوش کی سادہ اور وضعداری کی زندگی بسر کی معمولی لباس زیب تن کرتے تھے، صوفے، قالین اور گدوں کے بجائے معمولی فرش پر بیٹھ کر کام کرنا، کار پر سفر کرنے کے بجائے ٹرام پر سفر کو ترجیح دینا اور عمدہ سگار اور سگریٹ کے بیڑی پینے میں سبکی محسوس نہ کرنا اور انگریزی ادب میں بی اے آنرز ہونے کے باوجود غیر ملکی زبان میں گفتگو کرنے سے احتراز کرتے ہوئے اپنی زبان میں بات چیت کرنے پر فخر کرنا ان سب صفات سے شاہد صاحب متصف تھے۔

ساقی جاری کیا، ساقی کا شمار ان رسالوں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنے عہد میں ادیبوں کی ایک پوری نسل کی تربیت کی کرشن چندر سعادت حسن منٹو، عصمت چغتائی - اختر حسین رائے پوری اور بہت سے ادیب اس انجمن سے طلوع ہوئے جن ادیبوں کی شخصیت اور تحریروں سے عصمت چغتائی متاثر ہیں ان میں شاہد احمد بھی ہیں، ساقی بکڈپو نے بھی اردو ادب کی بڑی خدمت کی اور ڈیڑھ سو کے قریب کتابیں شائع کی تھیں۔ ؎

لیکن جب ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم کے بعد دہلی آشوب بار اجڑی تو ساقی اور ساقی بک ڈپو اور شاہد احمد دہلوی نے بھی دہلی کو خیرباد

؎ اجڑا دیار، مولفہ شاہد دہلوی تنقید سردار جعفری ص۱۵

کیا۔ اور یہ دہلی کراچی میں جا بسی، جہاں اتفاق سے ساقی اور شاہد احمد کو وہ فراغت نصیب نہ ہو سکی جو دہلی میں تھی۔ یوں شاہد احمد کو پاکستان میں بھی اعزاز ملا۔ اور ادیبوں کی تنظیم میں اعلیٰ مقام بھی لیکن ساقی اپنی پہلی اہمیت کھو چکا تھا۔ شاید اسی دور نے شاہد احمد کے یہاں تھوڑی سی تلخی پیدا کر دی تھی۔

شاہد احمد صاحب بہت حساس تھے ایک بار جوش ملیح آبادی نے ڈپٹی نذیر احمد کی زبان پر اعتراض کر دیا اور شاید کہیں کہیں تنقیص بھی کر دی۔ اس پر شاہد صاحب اتنے ناراض ہوئے اور خفا ہونے کا ان کو حق بھی تھا۔ بزرگوں کی توہین وہ کیسے برداشت کر لیتے اگر نظر انداز کر جاتے تو ناخلف کہلائے جاتے اس لئے انھوں نے جوش کی شخصیت اور ان کی شاعری کے خلاف ساقی کا ایک ضخیم نمبر شائع کر دیا یہ افکار کراچی کے جوش نمبر کے بعد شائع ہوا تھا۔ اور اس اعتبار سے ایک اہم دستاویز ہے کہ آنے والی نسلوں کو یہ معلوم ہو سکے کہ اس عہد کے ایک شاعر کے خلاف کیا کیا جاتا تھا۔

خواجہ جمیل احمد صاحب جب پاکستان میں برطانوی محکمۂ اطلاعات میں پریس آفیسر تھے اس وقت شاہد صاحب کے ان سے بہترین تعلقات تھے۔ اس زمانہ میں ان کی ترجمہ کرنے کی صلاحیت پر اپنی تالیف "چند یادیں" میں روشنی ڈالی ہے۔

شاہد صاحب کو یوں تو میں بہت پہلے سے جانتا تھا اور ایک بار ان سے رسمی ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ لیکن انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع مجھے جولائی سنہ ۱۹۷۶ء کے بعد ملا جب میں پاکستانی

محکمہ اطلاعات کی ملازمت ترک کر کے برطانوی محکمہ اطلاعات میں
پریس آفیسر مقرر ہوا۔ مجھے یہاں شاہد بھائی کی خدمت کرنے اور
انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ برطانوی محکمہ اطلاعات
میں ہر ماہ پانچ چھ فیچر انگریزی سے اردو میں تراجم کرنے مخصوص
کئے جاتے تھے لندن میں محکمہ اطلاعات نے مرکزی دفتر سے ہر ہفتہ
مختلف موضوعات پر درجنوں فیچر موصول ہوتے تھے ان میں سے سائنس
تعلیم، معاشرتی بہبود اور روزمرہ کی زندگی سے متعلق بہت خوبصورت
اور اعلیٰ قسم کے فیچر شامل ہوتے تھے جن کا اردو ترجمہ کرا کے پاکستان
کے مختلف اردو اخباروں اور جرائد کو بہ تعداد کثیر ارسال کرتا تھا
جو بہت پسند کئے جاتے تھے اور اخبارات و جرائد کے صفحے کے صفحے ان
فیچروں سے بھرے ہوتے تھے ایسے دقیق سائنسی اور ٹیکنیکل فیچروں
کا سلیس اور بامحاورہ اردو میں ترجمہ کرنا شاہد بھائی ایسے مشاق
اور نامور مترجم کا ہی کام تھا۔ شاہد بھائی کے تراجم کو پڑھ کر یہ
محسوس ہی نہیں ہوتا تھا کہ یہ تراجم ہیں بلکہ ان پر اصل کا گمان ہوتا تھا
وہ قلم برداشتہ ترجمہ کرتے اور لکھنے میں کوئی کاٹ پیٹ نہیں کرتے
تھے۔ برطانوی محکمہ اطلاعات میں کام بہت تھا سر اٹھانے کی
فرصت نہیں ملتی تھی۔ لیکن شاہد بھائی جب تشریف لاتے تو سارے
افراد اپنے اپنے کام چھوڑ کر ان کی جانب متوجہ ہو جاتے ان کی
گنجینۂ گوہر جب شائع ہوئی تو اس کی ایک جلد انھوں نے مجھ کو بھی دی
جس کو میں نے کئی بار شروع سے آخر تک پڑھا اور ہر بار نیا لطف
پایا، حالانکہ کوئی کتاب میں دوبارہ پڑھنے کا عادی نہ تھا (۴۵۴)

شاہد صاحب وضعداری اور شرافت کا پیکر تھے، انھوں نے زندگی میں کبھی سوٹ بوٹ نہیں دیکھا وہی شیروانی اور کھڑا پاجامہ، جناح کیپ اور نیوکٹ جوتا۔ سگریٹ کے بجائے بیڑی سے شوق فرماتے تھے جب کچھ سامنے ہوتا تو بڑی خندہ پیشانی سے ملتے۔

مولوی بشیر احمد صاحب کے صاحبزادے ہونے کی وجہ سے انھیں ادب کے ساتھ مال و دولت بھی بہت کچھ ورثے میں ملا تھا۔ لیکن دولت کی فراوانی اور روپے کی ریل پیل کے باوجود انھوں نے دہلی میں بہت سادہ زندگی بسر کی اور دولت کو ضرورتمند ادیبوں پر پانی کی طرح بہایا۔

شاہد صاحب نے سینکڑوں ہزاروں شاعروں اور ادیبوں، فنکاروں کی دامے، درمے، سخنے ہر طرح کی امداد کر کے انھیں زمین سے آسمان تک پہنچا دیا۔ ان میں سے ایک راجہ مہدی علی خاں بھی تھے جن کی زبانی سنئے۔

"مگر سینکڑوں ادیبوں کے لئے شاہد احمد کا دربار برسہا برس تک در حاتم بنا رہا، وہی شاہد احمد آج ریڈیو میں اسٹاف آرٹسٹ ہے اور صرف ساڑھے چار سو روپے ماہوار پا رہا ہے حالانکہ ایسے کئی ساڑھے چار سو ہم لوگ اس سے چھین لیا کرتے تھے زندہ باد شاہد احمد جو کبھی دہلی کی رونق تھا دہلی کے ادب کا گہوارہ تھا۔ دہلی کا دربار تھا دہلی کا ہار سنگھار تھا۔ ہر شاعر اور ہر ادیب کے لبوں پر اس کا نام تھا اس طرح رہتا تھا کہ نام لینے والے یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔
تھے سہ"

زباں پر بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بو سے مری زباں کے لئے

ہم لوگوں کی بڑی بدقسمتی ہے کہ دونوں ملکوں کا یہ صاحب طرز انشا پرداز، واحد زماں و ان آج اس طرح گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہا ہے اور ہم لوگوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی، ہنسی بھی آتی ہے اور رونا بھی۔ یہ کرشن چندر احمد لطف رنج روزگار زود شتی کا نتیجہ ہے
مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ جیسے برنارڈ شاہ ریڑھی بیچ رہا ہے اور شکسپیر نے نان کباب کی دکان کھولی ہے [1]
شاہد صاحب اب اس دنیا میں نہیں ہیں خدا کو پیارے ہو چکے ہیں۔

ہونہار دلی سے یہ بچوں کا رسالہ جنوری ۱۹۳۳ء کو طلوع پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر لکھتا تھا، نیاز حسین صاحب نسیم اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ سوا تین روپے تھا۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور مورخہ اپریل ۱۹۳۳ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو کیا تھا۔
دہلی سے بچوں کے لئے ایک نہایت اچھا ہونہار نکلنے ہو رہا ہے اس کا تیسرا نمبر ہمارے سامنے ہے، ٹائٹل ولایتی چکنے کاغذ پر سہ رنگ چھپا ہے مضامین کے بیاس صفحات میں لکھائی چھپائی کاغذ خوب ہے

---

[1] چند یادیں ص ۱۵۶

آرٹ پیپر پر پانچ تعداد رنگین چھپی ہیں جو بچوں کے مذاق کی ہیں۔ ایک بچے کی دعا۔ پیارا دین، قسمت کا پھیر، بندروں کے عذرداری کا کرشمہ، عبدالقادر جراتری، پرندے اور جانور کیسے سوتے ہیں۔ نوراکہ اور جسم، نبی زادوں کی عید، سرسید احمد خاں بہت اچھے اور مفید مضامین ہیں اس کے بعد بچوں کے مضامین لطیفے اور دیگر رسائل کا انتخاب ہے ہمارے خیال میں دہلی میں اس سے بہتر اور اس سے مفید رسالہ بچوں کے لئے آج تک شائع نہیں ہوا۔ اس کے ایڈیٹر جناب فیاض حسین صاحب تسنیم ہیں جو کچھ عرصہ ہمارے پاس ایڈیٹوریل اشاعت میں کام کر چکے ہیں گو رسالہ دہلی سے شائع ہوتا ہے لیکن رسالہ کی سرپرستی کی ذمہ داری خاکسار کے سر ڈالی گئی ہے اور ہر پرچہ پر سرپرستی حکیم محمد یوسف حسن ایڈیٹر نیرنگ خیال، لکھا ہوتا ہے۔

مشاعرہ فرخ آباد سے یہ ماہانہ گلدستہ فروری ۱۹۳۰ء کو وجود میں آیا۔ ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا کاغذ، چھپائی اوسط درجہ کی ہے، ایڈیٹر جناب سید ظہیر الدین علوی ایم اے ایل ایل بی وکیل مین پوری، جوائنٹ ایڈیٹر پنڈت لال تشنہ فرخ آبادی تھے سالانہ چندہ ڈیڑھ روپے تھا۔ ذرخ سپیر پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس گلدستہ میں مختلف مقامات کے مشاعروں کے شعرا کا کلام چھپتا تھا۔ کچھ حصہ میں ادبی مضامین بھی شائع ہوتے تھے اساتذہ کی اصلاحیں بھی جو اپنے شاگردوں کے کلام میں دیتے تھے وہ

بھی شائع ہوتی تھیں، اصلاحات داغ، مئی، جون سنہ ۱۹۳۰ء کے
شمارے میں شائع ہوئیں یہ بعنوان محمد عبداللطیف خاں کشتہ قادری
مدرس السنۂ شرقیہ گورنمنٹ ہائی اسکول مین پوری کا شعار نومبر سنہ ۱۹۳۰ء
کے شمارے میں جناب مضطر مرزا پوری صاحب نے اساتذہ کی اصلاحیں
شائع ہوتی تھیں یہ دونوں بعنوان ذیل جیسے ہیں۔

فروری سنہ ۱۹۳۱ء کے شمارے کے شعراء کی غزلوں کے منتخب
اشعار درج کئے جاتے ہیں ؎

پھر وہی چرچا نکلا بلبل و صیاد کا
فصل گل میں گل کھلانا کوئی ان سے سیکھ جائے
ہم خبر لیتے نہیں، آتے نہیں، ملتے نہیں
دل چرا کر جی چرانا کوئی ان سے سیکھ جائے

حضرت جگر مرادآبادی ؎

کرتے جاتے ہیں معاف عذر کرم
اور پھر رسم ملال بھی ہے
ارکھ رسوا ہی جگر تسکین
ہوش نظر بھی ہے خوش خیال بھی ہے

جناب سید مرتضیٰ حسن صاحب دعا ڈبائیری ہیڈ کلرک گوالیار لائٹ ریلوے

مجبور ہیں دل کی فطرت، سے مجبور ہیں ہم رسم الفت سے
وہ چاہیں نہ چاہیں ان کی خوشی، ہم ان کو نہ چاہیں مشکل ہیں
اللہ تصور رکھے، دربانوں کی خاطر کون منہ سے
جب چاہا ان کو دیکھ لیا ہنہ یہ راہیں مشکل ہیں

وہ ایک ہیں سو روپ رستے ہیں وہ شمع ہیں سب پروانے ہیں
الفت وہ بنا ہیں کس کس سے دنیا سے بنا ہیں مشکل ہیں

رئیس الشعراء جناب ہادی مچھلی شہری سے

کیوں پوچھتے ہیں حالت مجھ سے دل محزوں کی
سب کچھ مرے چہرہ پر لکھا نظر آتا ہے
کچھ نقش تمنا سے، کچھ یاس کی تصویریں
اک درد بھرے دل میں کیا کیا نظر آتا ہے
یہ بھی کوئی قسمت ہے گلزار میں بھی رہ کر
ہر پھول مجھے ہادی کانٹا نظر آتا ہے

سید ظہیر الدین علوی

آپ مین پوری میں پیدا ہوئے وہیں پرورش پائی، ابتدائی تعلیم بھی وہیں پائی، وکالت کی پریکٹس بھی وہیں شروع کی اور منصف کے عہدہ پر بھی وہیں مامور ہیں۔ عاجزی و انکساری کے پتلے تھے، شعراء اور اہل علم کی قدر کرتے تھے، شعر و شاعری کا بھی ذوق تھا۔

ظہیر تخلص کرتے تھے ان کے اشعار بھی دلچسپ ہوتے ہیں

بے جا ہے ناز دہر کے عز و وقار پر
کیسا غرور ہستی ناپائیدار پر
پیدا نہ ہوتے تھے قفس میں جو چار پر
وہ سو گئے نثار چمن میں بہار پر
وہ آ رہے ہیں پرسش غم کرتے ظہیر   قربان سو سکون مرے انتشار پر

لہٰذا ایجاب پر بھی ان پتوں کی بارانی ہے
ملنے آ گئیں
وہاں سے بھی دعائیں جانا ہو کر
بجرم یاس بہتے اہم میں بیماری تیرہ بختی ہے
طیراب اور کیا ہوگا شب غم کی سحر ہو کر

منشی پیارے لال شیدا

آپ زرنگ آباد کے باشندے تھے
شعر و شاعری کا ذوق تھا۔ شعراء
کی صحبت میں رہتے تھے اس وجہ
سے شعراء کے طبقے میں ایک ممتاز درجہ رکھتے تھے ان کو مختلف شہروں
میں شعراء بلاتے تھے۔ اور ان کی صدارت میں مشاعرہ ہوتے تھے
اگست ۱۹۳۰ء میں سکریٹری انجمن بشیر الادب کانپور نے اپنے
یہاں کے سالانہ جلسہ میں شرکت کے لئے مدیران گلدستہ مشاعرہ
جناب سید ظہیر علی صاحب اور منشی صاحب کو بھی مدعو کیا تھا اور آپ
سے اپنے سالانہ مشاعرہ کی صدارت کرائی تھی، چنانچہ اس مشاعرہ کی
غزلیں ستمبر ۱۹۳۰ء کے مشاعرہ میں شائع ہوئی تھیں جناب شیدا
کی حسب ذیل غزل کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں ۔

اے ہم صفیر تجھ کو مبارک گلوں کی سیر
ہم تو اسیر کنج قفس ہیں بہار میں
مرنے کے بعد علیحدہ ہستی عبث کھلا
راز حیات کس کو ستاؤں مزار میں
گھبرا دو رنگ شب وعدہ تو دیکھنا
وہ محو خواب ناز ہیں ہم انتظار میں

ہوتا تو داد خواہ سرِ حشر کیا کروں
رحم آ گیا مجھے بھی جو شرمسار پر

پرسانِ حال کوئی نہیں اپنا بعدِ مرگ
فاتحہ کش شمع بھی ہے ہمارے مزار پر

چھٹتا ہے کب بتوں کی محبت میں آدمی
پڑتی نہیں نگاہ جب انجام کار پر

سینے کو صاف کیجئے آئینہ کی طرح
للہ خاک ڈالئے دل کے غبار پر

شیدا چمن میں گرم فغاں ہے جو عندلیب
زردی سی چھا گئی ہے گل نو بہار پر

جام جمشید نور شاہ روڈ ڈیرہ سنگھ لاہور سے مارچ سنہ ۱۹۳۰ء کو یہ ماہانہ رسالہ ظہور پذیر ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا، احسان الحق احسان کاندھلوی، اقبال علی خاں دہلوی ایڈیٹر مولانا علیم الدین سالک معاون تھے سالانہ چندہ دو روپے آٹھ آنے تھا۔ سلطان الیکٹرک پریس پیسہ اخبار اسٹریٹ لاہور میں طبع ہوتا تھا۔ اس رسالہ کے مضمون نگار محمد دین تاثیر قاضی محمد رسوا، مولانا حفظ الرحمٰن، جگر مرادآبادی اور مرزا فہیم بیگ چغتائی تھے۔

جامع العلوم یہ تعلیمی رسالہ مہتمم صاحب مدرسہ جامع العلوم جامع مسجد کانپور نے مارچ سنہ ۱۹۳۱ء کو جاری کیا۔

۴۲ صفحات پر مشتمل تھا حکیم مولوی محمد فاروقی صاحب بہاری اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ پانچ روپیہ تھا۔

اس رسالہ پر اخبار سچ دریاباد مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۱ء میں یہ ریویو چھپا تھا۔

"جامع العلوم کانپور کے مشہور مذہبی مدرسے کا یہ ماہوار رسالہ حال میں نکلنا شروع ہوا ہے، یہ تیسرا نمبر ہے اس میں اچھے اچھے مضامین ہیں حضور مشائخ اکبر ابن عربی کا مکتوب امام رازی کے نام تصور شیخ حقیقت مرکز وغیرہ پر خطے اس نمبر سے رسالہ شریعت و طریقت کا جامع معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۱ء میں بھی اس رسالہ جامع العلوم پر تبصرہ کیا ہے۔

ہندوستان کے مشہور شہروں میں کانپور کو یہ شہرت اولیت حاصل ہے کہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ انقلاب کے بعد سب سے پہلے اس شہر میں علوم عربیہ کی ترویج شروع کے ایک مدرسہ فیض عام کے نام سے مولانا فضل الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ کے مقدس ہاتھوں سے قائم ہوا جس نے سارے ہندوستان میں ایک مرکزی حیثیت حاصل کر لی پھر ابتدا زمانہ سے جب اس کی بنیادیں متزلزل ہوئیں تو اسی کی شاخ جامع العلوم نے اس کے بار کو سنبھال لیا۔ اور ۱۳۲۰ھ تو وہ مدرسہ اپنی اسی شاخ میں مدغم کر دیا گیا اور اس وقت سے آج تک اس نے علوم عربیہ کی قابلِ قدر خدمت انجام دی اور اس وقت قدیم وضع کے عربی مدرسوں میں امتیازی حیثیت رکھتا ہے زیر تبصرہ رسالہ اس مدرسہ کا ایک تبلیغی

رسالہ ہے مضامین تمامتر مذہبی ہیں، نیز مدرسہ کے حالات و کوائف بھی درج ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ مضامین میں کوئی خاص ترتیب نہیں، یہاں تک کہ فہرست مضامین تک کی شائع نہیں، ضرورت ہے کہ رسالہ کی ترتیب و تدوین پر خاص توجہ کی جائے۔

جامعہ

قادیان ضلع گورداسپور سے یہ سہ ماہی رسالہ سنہ ۱۹۴۰ء کو وجود میں آیا۔ ۴۰ صفحات پر مشتمل تھا، سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا، اس کے ایڈیٹر مرزا محمد صادق تھے۔

رسالہ جامعہ پر رسالہ نیرنگ خیال لاہور نے اپنے شمارے مئی ۱۹۴۰ء میں حسب ذیل تبصرہ کیا تھا۔

جامعہ کے نام سے قادیان سے ایک علمی سہ ماہی رسالہ شائع ہوا ہے جس کے ایڈیٹر مرزا محمد صادق ہیں پہلے نمبر میں ختم نبوت، استغفار، دعا، واقعہ صلیب پر ایک نظر، اللہ تعالیٰ کا عرش اردو میں ہیں بعض مضامین عربی زبان میں ہیں۔

بصیرت

احمدیہ بلڈنگ لاہور سے یہ رسالہ سنہ ۱۹۳۱ء جاری ہوا صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب عبدالحق ودیارتھی اور محمد عصمت اللہ اس کے ایڈیٹر تھے۔ چندہ سالانہ ساڑھے چار روپے تھا۔

اس رسالہ پر نیرنگ خیال لاہور نے شمارہ مئی ۱۹۳۱ء میں یہ ریویو چھاپا تھا۔

بصیرت کے نام سے ایک علمی اخلاقی اور مذہبی رسالہ جناب عبدالحق

ودیارتھی اور محمد عصمت اللہ کی زیر ادارت شائع ہوا ہے اس کے مضامین تبلیغی و اخلاقی ہیں، مذاہب عالم کو دعوت اتحاد، دیوتا سروپ کی تاریخ والی، ہندوستان قدیم میں بدھ کا سوانح، ہندو بزرگوں میں صغر سنی کی شادی سام وید کا اردو ترجمہ رگ وید وغیرہ قابل مطالعہ ہیں چندہ سالانہ چار روپے ہے"

خیالستان

مئی سنہ [illegible] کو ۸ فلیمنگ روڈ لاہور سے یہ رسالہ مجلد پذیر ہوا ۶۴ صفحات پر مشتمل تھا اختر شیرانی اس کے ایڈیٹر تھے۔ چندہ سالانہ پانچ روپے تھا

رسالہ نیرنگ خیال لاہور کے شمارے مئی سنہ [illegible] میں اس رسالہ پر حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"خیالستان کے ایڈیٹر ہمارے دوست جناب اختر شیرانی ہیں جو اپنی البیلی اور سوز نظموں کے سبب بہت مشہور ہیں اور آپ نے اس وقت تک جو ادبی خدمات انجام دی ہیں وہ آپ کے معاصرین میں سے کسی صورت بھی کم نہیں، خیالستان کے پہلے نمبر کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ رسالہ ملک کے بہترین رسائل کی صف اول میں جگہ حاصل کر رہا ہے رسالہ کے مدیر معاون لطیفی بی اے ایک ہونہار نوجوان ہیں جو جرنلزم سے عشق رکھتے ہیں اور اس فن کے حصول کے لئے شاید انگلستان کا سفر بھی کرنے والے ہیں، چندہ سالانہ پانچ روپے ہے جو رسالہ کی خوبیوں کو مد نظر رکھتے ہوئے بہت ہی کم ہے"

صلح یہ علمی ادبی اور سیاسی ہفتہ وار اخبار ۱۴ اگست ۱۹۳۱ء کو گورکھپور محلہ انکن بہار، آٹھ صفحات پر مشتمل تھا، قاضی محمد علی اختر قاضی پوری اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ فروری ۱۹۳۱ء میں اس اخبار پر ریویو چھپا تھا۔

تقطیع بڑی، لکھائی چھپائی معمولی کاغذ اوسط درجہ کا تھا صلح ستمبر کے مہینہ میں گورکھپور سے جاری ہوا۔ اس کی حکمت عملی اسلامی حقوق کی حمایت کانگریس کی موجودہ تحریک آزادی کی مخالفت وغیرہ ہے ایک مفید علمی ادبی مضامین سے بے وقعت ہے صلح گورکھپور کی اشاعت کا ایک افادی پہلو یہ بھی ہے کہ حکیم برہم مرحوم کے شعر میں کبھی کبھی نیچے چھپے نقشوں میں ملک کی موجودہ تحریک آزادی کی حمایت نظر آتی ہے۔

سیف یہ ہفتہ وار اخبار امرتسر سے ۵ ار نومبر ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا جناب محمد عبد اللہ صاحب لوتی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس اخبار پر معارف اعظم گڑھ مورخہ فروری ۱۹۳۰ء میں تبصرہ شائع ہوا تھا۔

یہ ۵ ار نومبر ۱۹۳۰ء سے جاری ہوا اس کے پیش نظر میں مختلف قوموں اور حلقوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنا

ظاہر کیا گیا ہے لیکن نہیں کہا جا سکتا کہاں تک اس میں وہ پابند رہے گا بعض مضامین پہلے ہی نمبر میں اس دعوی کے خلاف موجود ہیں کانگریس کی مخالفت بھی اس کا موضوع ہے ریاستوں کی بابت بھی اس کے دائرہ بحث میں داخل ہے" اسرار گاہ الکشافات" کے عنوان میں جادہ اعتدال سے منحرف لوگوں کو راہ راست پر لانے کے لئے ان کے معاشرتی حالات شائع کئے جاتے ہیں گے ایک نمونہ پہلے پرچہ میں بھی موجود ہے۔"

جاسوس

یہ پندرہ روزہ اخبار کرنل گنج الہ آباد سے دسمبر ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا۔ ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا جناب سید یوسف ہاشمی اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ مورخہ فروری ۱۹۳۱ء میں اس اخبار پر حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

یہ ماہ دسمبر ۱۹۳۰ء سے جاری ہوا ہے اس کے چند پرچے دیکھے اس کی حکمت عملی اسلامی حقوق و سیاسیات کی حمایت، موجودہ تحریک آزادی اور کانگریس کی مخالفت اور ہندوستان کی اسلامی ریاستوں کے وقار کی حفاظت وغیرہ ہے اخبار کے پہلے ہی نمبر میں موجودہ تحریک کے کچلنے میں پولس کے شاندار کارناموں کو سراہا گیا تھا اور اسی قسم کی حکمت عملی اس کی ہر اشاعت میں نظر آتی ہے ابھی تو کانگریس کے لیڈروں پر زبانی حملے ہی کئے جاتے ہیں پرچہ کی ترتیب اچھی ہے اس وقت یکم جنوری کا پرچہ سامنے ہے مضامین مختلف

عنوان المنذرات، سر دلبران، مقالات، مشاہیر عالم، پولیس عدالت اور صنعت و حرفت وغیرہ میں منقسم ہیں۔

الکشافہ

برائے اسکاؤٹ ہیڈ کوارٹرس سیف آباد حیدر آباد دکن سے دسمبر سنہ ۱۹۳۰ء میں نمودار ہوا ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب ضیاء الدین احمد محمد فاروقی اور غلام علی صاحبان اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔ جنوری ۱۹۳۱ء کے معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

یہ حیدر آباد اور اسکاؤٹس ہیڈ کوارٹرس ٹروپ کا ماہوار فنی رسالہ ہے اس کا موضوع بحث اسکاؤٹنگ ہے جس کا حیدر آباد میں کئی طرح ترجمہ کیا گیا ہے رسالہ کی اہم خصوصیت یہ بتائی گئی ہے کہ اس کے تمام مضامین بعد مطالعہ دے کر خاص کئے جاتے ہیں اس کا دوسرا نمبر پیش نظر ہے تمام مضامین موضوع سے متعلق ہیں جس میں اسکاؤٹس کے قانون، اسکاؤٹ کے ابتدائی معلومات، اسکاؤٹ کا نصاب تعلیم اور اسکاؤٹ کے نمونے اسلامی تاریخ میں بتائے گئے ہیں، حیدر آباد کی یہ اسکاؤٹ سوسائٹی کی ایک مفید کام یہ انجام دینا چاہتی ہے کہ مورس سسٹم کے بجائے عربی حروف مقطعات میں اشاروں کی گفتگو کے طریقے ایجاد کرے اور اس کا ابتدائی کورس ترتیب پا چکا ہے اور اس دوسرے نمبر میں ار مورس کے عنوان سے ایک مختصر مضمون بھی درج ہے امید ہے کہ حیدر آباد کے علاوہ دیگر مقامات کے مسلمان طلبہ جو پورے اسکاؤٹ کے نظام میں شامل ہیں اس

رسالہ سے فائدہ اٹھائیں گے۔

تسنیم

محلہ مائی تھان آگرہ سے ماہانہ رسالہ دسمبر [illegible]ء کو طبع پذیر ہوا ۴۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ ایڈیٹر فانی بدایونی، معاون ایڈیٹر جناب ملا جامی و مخمور اکبرآبادی تھے چندہ سالانہ پانچ روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ نے [illegible] [illegible]ء میں اس رسالہ پر تبصرہ کیا ہے۔

فانی نے شاید پہلی مرتبہ دنیائے صحافت میں قدم رکھا ہے اور اس وقت تسنیم کا پہلا پرچہ ہمارے سامنے ہے رسالہ کو دنیائے ادب کی حسن ذات گرامی سے شرف انتساب حاصل ہے وہ اس کی کامیابی اور اس کے صحیح معیار اور صحیح ذوق کی سب سے بڑی ضمانت ہے اس پہلے نمبر میں بھی بعض مضامین "توارد خیالات" وغیرہ اچھے بلند معیار ہیں لیکن ہمارے نقطۂ نظر سے تسنیم کا سب سے اہم افادی پہلو بہ قید پابندی سے کلام فانی کی اشاعت ہے اگرچہ فانی کی [illegible] عمری تسنیم سے ساتھ ان کا غیر مستقل مزاجی بھی مشہور آفاق ہے اس لئے ہماری صرف یہی دعا ہے کہ ہمیں آئندہ بھی تسنیم نو [illegible] اس کے چند نمبروں پر یکجا کرنے کا موقع ملے۔ آخر میں معاون مدیروں کو مبارک باد دیتے ہوئے ہمیں کسی قدر تامل ہے کہ پہلے ہی پرچہ میں غیظ و غضب کے بجائے غیض و غضب شائع ہوا اور وہ منتخب مضامین پر نظر ثانی کرتے ہوئے اصلاح نہ کر سکیں بات معمولی ہے لیکن ایک قابل قدر رسالہ میں اس لئے اس کا تذکرہ ضروری تھا۔

مشیرِ سلطنت

قرول باغ دہلی سے یہ ہفتہ وار اخبار سنہ ۱۹۳۰ء میں جاری ہوا ۲۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ مرزا محمود حمید یار جنگ اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ آٹھ روپے تھا۔

یہ اخبار مصور تھا۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ آرٹ پیپر پر تھا۔ اکبر کے دربار نورتن کا خوبصورت رنگین فوٹو بھی تھا۔

یہ اخبار مصور تھا۔ لکھائی چھپائی اور کاغذ عمدہ سرورق آرٹ پیپر پر تھا۔ فروری ۱۹۳۱ء کے رسالہ اسلام گزٹ میں اس اخبار پر تبصرہ چھپا تھا۔

"مشیرِ سلطنت دہلی سے اخبار ریاست کے اتباع میں اسی شکل و صورت کے ساتھ شائع ہوا ہے اس کا سرنامہ ریاستہائے ہند کے حقوق کا سب سے پہلا علمبردار ہے، پرچہ سلیقہ کے ساتھ مرتب ہوتا ہے مضامین میں تنوع ہے اس کی حکمتِ عملی میں سب سے نمایاں والیانِ ریاست اور اسلامی حقوق و سیاسیات کی حمایت ہے لیکن مسرت ہے کہ جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ سنجیدگی اور معقولیت سے اچھے لب و لہجہ میں دلائل کے ساتھ ہوتا ہے عام طور پر گو کسی موقع پر وہ دلائل اپنی جگہ صحیح نہ ہوں حکومت پر اعتدال کے ساتھ نکتہ چینی کرنے میں بھی خاموش نہیں ہے، واقعات سے حتی الامکان دامن بچاتا ہے، اور اس لائحہ پر حتی المقدور اپنے نقطۂ نظر سے اپنی خدمات میں مصروف ہے۔

قولِ میسور

میسور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۳۰ء کو ملی گلشن ہوا - ۱۲ صفحات پر نکلتا تھا قاضی حکیم محمد قاسم صاحب قسیم اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

اس رسالہ میں علمی و ادبی مضامین کے علاوہ شعراء کے کلام پر تنقید بھی کی جاتی تھی اور شاعرانہ چشمکیں بھی جاری رہتی تھیں۔

محمد قاسم انصاری قسیم

قسیم صاحب شہر میسور کے قاضی تھے جامع مسجد میسور کی طرف سے ۱۶ روپے وظیفہ ملتا تھا۔ ایک مدرسہ نظامیہ کی شہر میسور میں بنیاد رکھی تھی حضرت پیر جماعت علی شاہ سے بیعت تھے آپ کے پاس ایک گراں بہا کتب خانہ تھا جس میں نایاب قلمی کتابیں بھی تھیں فوت ہو چکے ہیں۔

قسیم صاحب نعتیہ کلام کے بڑے شائق تھے اس میدان میں انھوں نے اپنی جولانی طبع کے خوب جوہر دکھائے ہیں صاحب دیوان تھے، ان کا دیوان السلام پریس بنگلور میں چھپا تھا[1] نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

واہ حضرت نے ہے کیا رتبہ محبت پایا
حق سے معراج کی شب اذنِ شفاعت پایا

---

[1] ریاست میسور میں اردو کی نشوونما صفحہ ۳۴۲

عیسیٰ و موسیٰ بھی پہلے سے تھے اس شہ کے نقیب
حق کے دربار سے جب تاجِ رسالت پایا
جلوۂ مصحف رو، خواب میں ہو جس کو نصیب
نیرِ بخت جگا، شمعِ ہدایت پایا
رکھے اگر کچھ پرستش مرقد کا بسر ہو کے مقیم
میں سگِ سجادوں کا سرکار سے خلعت پایا

تمدن

آگرہ سے ۱۹۳۱ء کو یہ ہفتہ وار اخبار جاری ہوا
آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ سید شفاعت حسین
شفا اکبر آبادی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ چار روپے تھا۔

سید شفاعت حسین شفا اکبر آبادی

شفا صاحب کے والد ماجد
سید سعد الدین بن مشرف الدین
جلیسری تھے۔ سعد الدین
اعتماد پور میں بخشی تھے شفا صاحب کو شعر گوئی کا شوق تھا جناب نشرخ
سے تلمذ تھا۔ تمدن اخبار عرصہ تک نکالا، ۲ ار صفر ۱۳۵۴ھ کو نو عمری
میں فوت ہوئے، مجموعۂ کلام یادگار چھوڑا ہے

تو ہی بتا ترے جلوے کہ دیکھنے والے
نظر اٹھا کے سوئے آفتاب دیکھیں گے

ناصر

یہ ہفتہ وار جریدہ ۱۹۳۰ء کو آگرہ سے جلوہ افروز
ہوا۔ آٹھ صفحوں پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر
حکیم مبارک علی صاحب تھے سالانہ چندہ ساڑھے

تین روپے تھا۔

الناقد آگرہ سے یہ سہ ماہی وار اخبار ۱۹۱۳ء کو نمودار ہوا۔ ۲۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ نظمی بدایونی اکبر آبادی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ تین روپے سالانہ چندہ تھا۔

روحِ ادب لاہور سے یہ اخبار جریدہ ۱۹۱۳ء کو نمودار ہوا۔ ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا۔ محمد نصیر حسین، مرزا المنصبر اور مرزا محمد تقی لکھنوی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دو روپے تھا۔

اس رسالہ پر رسالہ مخزن لاہور بابت نومبر ۱۹۱۳ء میں حسب ذیل تبصرہ شائع ہوا تھا۔

لاہور سے جناب محمد نصیر حسین، مرزا المنصبر اور مرزا محمد تقی لکھنوی کی ادارت میں لاہور سے نکلا ہے اس رسالہ کے مضامین کا معیار بلند ہے زبان بھی اچھی ہے فلسفہ حیات بڑا ہوا ہوا قسم کے اتہام نظر آتے ہیں اسی افسانہ میں ایک جگہ شاعرانہ بیانات کی انتہا کر دی گئی ہے۔

"طبیعت میں ایک نحرود آمیز احساس اور جسم میں ایک غیر فطری تھکاوٹ محسوس کرتی تھی جس کے لئے وہ چاہتی تھی کہ کوئی اسے مسل ڈالے۔"

بہرحال ہم روحِ ادب کی ترقی کے خواہاں ہیں اور اپنے جدید معاصر کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ روحِ ادب کی سالانہ قیمت دو روپے ہے

نئی روشنی کوچہ چیلان دہلی سے یہ ماہنامہ ۱۹۳۱ء کو نمودار ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر مولانا زاہد القادری صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

اس رسالہ پر اپریل ۱۹۳۱ء کے رسالہ ساقی دہلی کے شمارے میں حسب ذیل تبصرہ چھپا ہے۔

مولانا زاہد القادری کی ادارت میں دہلی سے شائع ہو رہا ہے تین نمبر موصول ہوئے ہیں مضامین کا بیشتر حصہ مذہبی ہے مقصد اعلیٰ اور قابلِ رشک ہے یعنی اسلام کی صحیح تعلیم کی تبلیغ، بعض مضامین ادبی معیار سے گرے ہوئے ہیں اور ان میں اس قدر عریانی ہے کہ مردوں کو بھی پڑھتے ہوئے شرم آتی ہے اور عورتوں کا تو ذکر ہی کیا۔

ہم مولانا کو مخلصانہ مشورہ دیں گے کہ ان مضامین کا سلسلہ منقطع کر دیا جائے۔ نہ صرف اس خیال سے کہ وہ ادبی نقطۂ نظر سے محض بے کار ہیں بلکہ ایک مذہبی پرچہ میں ان کا شائع ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ تنزیب میں ٹاٹ کا پیوند لگا دیا جائے، کتابت اچھی ہے، چندہ سالانہ تین روپے، نمونہ کا پرچہ دفتر رسالہ نئی روشنی کوچہ چیلان دہلی سے طلب کیجئے۔

کانفرنس گزٹ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا یہ سہ روزہ ۹ ۲ر جنوری ۱۹۳۰ء کو جلوہ افروز ہوا، ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا، مولانا اکرام اللہ خاں

ندوی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ڈھائی روپے تھا
آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ کا یہ پندرہ روزہ ترجمان تھا جو نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی کی زیر نگرانی شائع ہوتا تھا۔ یہ ایک خالص تعلیمی اخبار تھا اور اسی سے متعلق اس میں سنجیدہ اور تحقیقات مضامین شائع ہوتے تھے اخبار سلیقہ سے مرتب ہوتا تھا اور مسلمانوں کے سامنے صحیح تعلیمی اور اخلاقی نصب العین کو پیش کرتا تھا۔

پیام

کلکتہ سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۳۱ء کو جاری ہوا ۱۶ صفحات پر نکلتا تھا۔ ملا جان محمد شاہ وری اس کے ایڈیٹر تھے، مصور پرچہ تھا سالانہ چندہ چار روپے تھا۔
فروری ۱۹۳۱ء کے رسالہ معارف اعظم گڑھ میں اس اخبار پر یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔
"نہیں کہا جا سکتا کہ کلکتہ کے اس جدید ہفتہ وار مصور اخبار پیام پر نظر اٹھاتے ہوئے کلکتہ کی اسلامی صحافت کی یاد آب کیوں تازہ ہو گئی۔ اس کا جواب بجز اس کے ہم کچھ نہیں دے سکتے کہ یہ جدید پیام اپنی ظاہری شکل و صورت اور اپنی حقیقی روح میں پیغام سے اس قدر ملتا جلتا ہے کہ سرورق پر ملا جان محمد کا نام نظر نہ آتا تو زیادہ جرأت سے اس کو پیام کے بجائے پیغام ہی کے نام سے یاد کرتے اور کہہ سکتے کہ اس کا ماضی اس قدر

شاندار ہے کہ اس کے مستقبل کے درخشاں ہونے میں کوئی کلام نہیں، پیام کے پرچے پوری دلچسپی سے دیکھے وہی آواز ہے جو پیغام کی تھی وہی روح ہے جو پیغام میں تھی اور وہی ظاہری شکل وصورت ہے جو پیغام کی تھی اس لئے اس کا وہی مسلک ہے وہی ترتیب ہے اور وہی تمدن ہے جو پیغام یا الہلال کے دور جدید کی تھی اس لئے اس کا یقیناً خیر مقدم بھی وہی ہوگا جو الہلال (دور جدید) اور پیغام کا اس سے پیشتر ہو چکا ہے

تذکرہ

دفتر اشاعت دار المطالعہ دار التصنیف سرا اعظم گڑھ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۳۲ء کو جلوہ افروز ہوا

۴۴ صفحات پر مشتمل تھا، جناب ابوالمآثر اعظمی اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ دو روپے چار آنہ تھا۔

رسالہ معارف اعظم گڑھ ماہ جنوری ۱۹۳۲ء میں اس رسالہ پر یہ ریویو ہوا تھا۔

یارے پریس سرا اعظم گڑھ سے یہ جدید رسالہ شائع ہونا شروع ہوا ہے اس وقت اس کا پہلا پرچہ پیش نظر ہے مرتب نے شذرات میں تذکرہ الابواب یہ قرار دیتے ہیں، حقائق قرآن، نکات حدیث کے ذیل میں "الدین النصیحۃ" پر چند صفحے لکھے گئے ہیں رد و تعین غزلیں، نظمیں۔

دعا ہے کہ رسالہ اپنے مقاصد میں آئندہ کامیاب ثابت ہو۔

طور

دہلی اندرون جامع مسجد درگاہ آثار شریف سے یہ ماہانہ علمی و ادبی اور تاریخی رسالہ ۱۹۳۱ء میں جلوہ افروز ہوا اس کے صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر جناب منصور عثمانی بی، اے، پرنٹر پبلشر جناب سید مقبول حسین صاحب تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا، اعلیٰ پریس دہلی میں چھپتا تھا۔

یہ رسالہ بڑے ادبی مضامین شائع کرتا تھا "اورنگ آباد اور اس کے نواح پر ایک نظر" کے عنوان کے تحت اورنگ آباد کے علماء اور مشائخ کے حالات قسط وار شائع ہو رہے تھے، نومبر دسمبر ۱۹۳۱ء کے پرچے میں "زندگی کے دو رخ" از جناب لبھو دیال صاحب دہلوی، بدحواسی از سید قطب الدین احمد، شاد ہاشمی، بیلا حضرت کامل اور مجمع البحرین از جناب مولوی محمد حنیف صاحب دہلوی وغیرہ کے مضامین چھپے تھے۔

جنوری ۱۹۳۲ء کے معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر یہ ریویو شائع ہوا تھا۔

یہ ایک مذہبی، ادبی اور سیاسی رسالہ ہے اور اردو کے عام ادبی رسالوں سے اس کا سطح بلند ہے علمی مضامین کا دائرہ اچھا خاصہ ہے اس وقت تک دو پرچے نظر سے گزرے امید ہے کہ رفتہ رفتہ اچھی ترقی کرے گا رسالہ محنت و جانفشانی سے مرتب ہوتا ہے اردو کے ادبی رسالوں میں متانت و ثقاہت کی جو کمی ہے اگر اس کی یہی رفتار رہی تو ہم بہت جلد اس کو کسی بلند معیار پر دیکھ سکیں گے۔

عزیز

گورکھپور سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا ۶۴ صفحات پر نکلتا تھا، جناب بدیع الزماں صاحب اس کے ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ ایک روپے آٹھ آنے تھا۔

معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری ۱۹۳۱ء میں اس رسالہ پر حسب ذیل ریویو ہوا تھا۔

گورکھپور کے چند روشن دماغ عزیزوں کی سرپرستی میں کمسن اسکولی بچوں کے لئے یہ رسالہ جارج اسلامیہ ہائی اسکول سے نکلنا شروع ہوا ہے مضامین تعلیمی و اخلاقی ہوتے ہیں جو اسکول کے چھوٹے اور بڑے درجہ کے طلبہ کے کام آسکتے ہیں مضامین کا بیشتر حصہ ہیڈ ماسٹر صاحب اعظمی جارج اسلامیہ ہائی اسکول کے قلم سے ہوتا ہے نیز اسلامی مدارس کے طلبہ میں مضمون نگاری کا ذوق پیدا کرنا بھی اس کا مطمح نظر ہے اور چند نمبروں میں کمسن طلبہ کے مضامین درج ہوئے ہیں ضرورت ہے کہ اسکولوں کے مسلمان طلبہ اس رسالہ کو خریدا کریں اور اپنے مضمون نویسی کا شوق پیدا کریں۔

ہونہار

ریلوے روڈ لاہور سے یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۳۲ء کو وجود میں آیا۔ ۲۴ صفحات پر مشتمل تھا۔ جناب اکرام صاحب بی اے اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔ جنوری ۱۹۳۳ء اس رسالہ پر رسالہ معارف اعظم گڑھ مورخہ جنوری میں یہ تبصرہ شائع ہوا تھا۔

یہ کم سن بچوں کے لئے ایک مفید، دل کش اور خوبصورت ہفتہ وار
رسالہ ہے۔ اس کے چند پرچے نظر سے گزرے اور اس وقت
دسمبر ۱۹۳۰ء کا پرچہ سامنے ہے۔ مضامین بچوں کی تعلیمی و علمی ضروریات کا
لحاظ رکھا جاتا ہے اور ان کے معیار کے مطابق ہر قسم کا مواد فراہم کیا جاتا
ہے۔ بعض مضامین خالص علمی ہوتے ہیں جن میں بچوں کو مفید معلومات
دلکش انداز میں سکھاتے جاتے ہیں۔ بعض مضامین تاریخی ہوتے ہیں
ان کا انداز بیان بھی دل چسپ اور سبق آموز ہوتا ہے کہ بچہ
وصیت سے کوئی نہ کوئی اخلاقی اثر کہانی کے طرز بیان میں ہر
... میں دیا جاتا ہے اور آخر میں ایک صفحہ خبروں کا ہے جس میں
... کی جس قدر رسالے نکل چکے ہیں ان میں ترتیب، تنوع مضامین
... کی افادیت، افزائش معلومات لکھائی چھپائی اور کاغذ
معیار سے ایک اچھے رسالہ کا اضافہ ہوا ہے رسالہ کی زبان اور
... کی سلاست، روانی بچوں کے لائق ہوئی ہے امید ہے کہ
... میں مقبولیت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

نگارہ

... سے یہ روزنامہ سنہ ۱۹۳۰ء میں ظہور پذیر
ہوا۔ چار صفحات پر اردو اور انگریزی زبانوں میں
نکلتا تھا۔ سید ضیا جعفری اردو کے اور
... انگریزی حصہ کے مدیر تھے۔ مسٹر عبدالودود قمر مدیر
... کے طور پر کام کرتے تھے اور اخبار کا مزاحیہ کالم لکھا کرتے
تھے۔

سنہ ۱۹۳۰ء میں قصہ خوانی بازار، فائرنگ، سانحہ ہاتھی جھیل ۱۹۳۰ء

میں کوہاٹ کی فائرنگ نے برطانوی سامراج کی سلطنت میں واضح
طور پر شگاف ڈال دیئے تھے۔ ان سانحوں نے ہر دل میں آزادی
کی شمع روشن کر ڈالی تھی اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح صحافت
بھی اس سے کیسے لاتعلق رہ سکتی تھی ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان صحافت
کے آزادی کے سال قرار دیئے جا سکتے ہیں، اکثر اخبارات محض
اسی مقصد کی خاطر شائع ہوئے انہوں نے آزادی کا نعرہ لگایا
اور حکومت نے ان کا گلا گھونٹ دیا۔ جب تحریک آزادی اپنے
عروج پر تھی تو روزنامہ انگارہ نے سنہ ۱۹۳۰ء میں پشاور سے اپنے
کٹھن سفر کا آغاز کیا، یہ اخبار خان عبدالغفار خان کی سرخ پوش
تحریک کا حامی تھا۔ حکومت کا شدید ترین مخالف تھا۔ اور اپنے
انقلابی پن کا جوش ٹھنڈا نہ ہونے دیتا تھا۔

یہ اخبار بڑے پراسرار انداز میں چھپتا تھا اور تقسیم ہوا کرتا تھا
اس پر ہمیشہ کسی ڈمی ایڈیٹر کا نام ہوتا تقریباً ہر پرچہ ضبط ہوتا
اور ہر روز اس کے ڈمی ایڈیٹر کی گرفتاری عمل میں آتی جس کا نام
ایڈیٹر کے طور پر چھپتا تھا۔ ایسے لوگ عموماً قومی کارکن ہوتے جو
آزادی وطن کے لئے قربانی دیتے۔ اصل مدیر گھروں میں رہتا
اور سیاسی جوشیلے کارکن گرفتاری کے لئے اپنے آپ کو باری باری
پیش کرتے رہتے تھے انگریز دشمنی اور حکومت دشمنی کے الزامات
میں ہر قسم کی صعوبتیں برداشت کرتے رہتے کئی سرکارکنوں نے
اس طرح گرفتاریاں پیش کیں، متعدد بار ضمانت طلب کی گئی یہ پرچہ
قلیل مدت تک جاری رہا لیکن اتنا ہنگامہ خیز پرچہ صوبہ سرحد

کا آنا کیا ہندوستان بھر میں کم ہی نکلا ہو گا۔

سیلاب یہ ہفت روزہ اخبار لیک ور سے ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا۔ چار صفحات پر مشتمل تھا صنوبر حسین مہمند اس اخبار کے ایڈیٹر تھے۔

یہ اخبار نوجوان بھارت سبھا کا ترجمان تھا اس کے تین پرچے ہی نکلے ہوں گے کہ ضمانت طلب کرلی گئی۔ اور اس کا رشتہ حیات منقطع ہو گیا۔ سیلاب بڑا ہی طوفانی پرچہ تھا۔ اور اس کے مدیر کی تحریر میں بلا کا زور اور روانی تھی اسی لئے اس کا ہر پرچہ ضبط ہوتا تھا۔ [1]

صنوبر حسین مہمند آپ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئے ان کا تعلق مہمند قبیلہ سے تھا میٹرک پاس کرنے کے بعد معلمی کا پیشہ اختیار کیا لیکن جلد ہی مستعفی ہو کر ملکی سیاست میں حصہ لینا شروع کر دیا ۱۹۲۷ء میں اپنے گاؤں میں زمیندارہ انجمن بنائی۔ پیر عبدالرحمن نے عبدالعزیز خوش باش کی معیت میں جمعیت نوجوان سرحد کی داغ بیل ڈالی۔ جسے بعد میں نوجوان بھارت سبھا کا نام دیا گیا ۱۹۳۰ء کی تحریک آزادی میں چھ ماہ کے لئے جیل گئے۔ رہا ہو کر سیلاب جاری کیا تین پرچے ہی نکلے تھے کہ ضمانت طلب کرلی گئی

---

[1] ضمانتیں صوبہ سرحد میں مولانا اجمل ملک صفحہ

آپ کے وارنٹ جاری ہوئے الزامات سنگین تھے اس لیے ساتھیوں کے مشورے قبائلی علاقے کو ہجرت کر گئے جہاں حاجی ترنگ زئی کی معیت میں انگریزوں سے برسر پیکار رہے۔ قیام پاکستان کے بعد وطن واپس آکر ادبی پشتو ماہنامہ اسلم جاری کیا۔ پشتو ادب کی نوائی ادبی جماعت بھی تشکیل کی۔ ۱۹۵۱ء میں سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار ہوئے ۱۹۵۲ء میں ڈیڑھ سال کی نظر بندی کے بعد رہا ہو کر آئے تو ان کی عدم موجودگی میں سیلاب کا ڈکلریشن منسوخ ہو چکا تھا۔

پیغام جنگ

یہ ہفتہ وار اخبار پشاور سے ۱۹۳۰ء کو نمودار ہوا تین صفحات پر نکلتا تھا اس کے ایڈیٹر سید میر عالم شاہ صاحب تھے۔

ڈاکٹر لال بہار کے لکھنے کے مطابق یہ اخبار اشاعت کے بعد فوراً سرکار کے شکنجے میں پھنس گیا کیونکہ اس اخبار نے اپنے مقاصد لائحہ عمل کے بارے میں یہ اشتہار شائع کیا تھا۔

اس اخبار کی پالیسی حکومت کے مخالف ہوگی اور اتنی شدید کہ شاید ہی اب تک کوئی شائع شدہ اخبار ایسا ہوگا۔

اس صورت حال سے نپٹنے کے لئے انتظامیہ نے مزید اقتباسات کا مطالبہ کیا۔ یہ بات حیرت انگیز ہے کہ اپریل ۱۹۳۰ء کی ایک سرکاری رپورٹ میں ایڈیٹر کو ۱۶ سالہ نوجوان بتایا گیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کلی طور پر ناخواندہ ہے۔

اس اخبار کی زندگی بھی بہت ہی مختصر رہی اس کے بھی تین

پرچے شائع ہوئے اور تینوں کو بھی سرکار ضبط کیا، ساتھ ہی اس کے ایڈیٹر سید مبر عالم شاہ کو تین سال قید بامشقت کی سزا ملی۔

نوجوان سرفروش یہ ہفتہ وار اخبار ۱۹۳۰ء کو کوہاٹ سے جلوہ افروز ہوا۔ عبداللہ قمر اس کے مدیر تھے بارہ صفحات پر مشتمل تھا۔

یہ اخبار بھارت سبھا کا ترجمان اور انتہا پسند پالیسی کا حامل تھا اس لئے بھی چند پرچے نکلنے پائے تھے کہ اس کے ایڈیٹر عبداللہ قمر گرفتار کر کے جیل بھیج دیئے گئے۔ قمر انقلابی نوجوان تھے تمام عمر قید و بند میں گزری[1]

اس پرچہ میں مولانا عبدالرحیم پوپلزئی نے بھی بحیثیت چیف ایڈیٹر کام کیا۔ اپریل ۱۹۳۰ء میں اس اخبار کا تمام پرچہ پولیس نے پریس سے ضبط کر لیا۔ کیونکہ اس میں ایک ضبط شدہ اشتہار کا متن ضمن شائع کیا گیا تھا۔

مظلوم راولپنڈی سے ہفتہ وار اخبار ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا۔ بارہ صفحات پر نکلتا تھا ضرغام اللہ خان اس کے بانی و ایڈیٹر تھے۔

اس کے بانی ریاست امب کے نواب کے وزیر تھے، کسی بات پر نواب صاحب سے اختلاف ہو گیا تو زیر عتاب آ گئے، اس اخبار کا

---

[1] صحافت صوبہ سرحد میں صفحہ

مقصد ریاست امب کے نظم ونسق پر تنقید کرنا تھی ۔
جب ایڈیٹر و بانی اخبار سے نواب امب سے صلح ہو گئی تو ان کو واپس ان کے مہتمہ بلا لیا۔ اس کے بعد یہ اخبار بند ہو گیا۔ لہ

چنگاری

یہ ہفت روزہ اخبار پشاور سے ۱۹۳۱ء کو جاری ہوا، چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کا ایڈیٹر ایک انتہا پسند نوجوان بخشی فقیر چند سرحدی تھے۔

اس پرچے کا نام پورا چنگاری تھا۔ لیکن وہ ایک شعلہ جوالا سے کم نہ تھا۔ یہ پرچہ اپنی تیزئ طبع کی وجہ سے چند ماہ زندہ رہا۔

بخشی فقیر چند سرحدی

آپ ۱۹۱۱ء کو پشاور میں پیدا ہوئے میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد سیاست میں کود پڑے۔

بخشی جی نے کچھ عرصہ کانگریس میں کام کیا ضلع اور صوبہ کانگرس کمیٹی کے صدر اور جنرل سکرٹری منتخب ہوئے اور ۱۹۳۹ء میں فارورڈ بلاک میں شمولیت اختیار کرلی اور اسی زمانہ میں آپ نے راستے عام پشاور سے جاری کیا، اسی دوران ان سے باقاعدہ اگرود ادارہ سے خط وکتابت شروع ہو گئی آپ نیتا جی سبھاش چندر بوس کے ساتھی تھے کئی دفعہ جیل گئے۔
۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا تو آپ بھی پشاور سے دہلی تشریف

لہ صحافت صوبہ سرحد میں ص ۸

ے مجھ سے ملاقات کی، جلسوں میں اکثر آپ کے ساتھ رہنے
اتفاق ہوا۔ کانگریسیوں سے آپ کی کبھی نہیں بنی جلسوں میں
کانگریسیوں کی انگریز پرستی کی پالیسی کے خلاف تقریر کیا کرتے تھے
ہا پارسال ہردوئی میں مقیم تھے، بڑی خوددارانہ زندگی بسر کی، عرصہ ہوا آپ
ن ہو چکے ہیں

دیہاتی

ملتان سے یہ ماہانہ رسالہ سنہ ۱۹۳۰ء کو جلوہ افروز ہوا
۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، دین محمد صاحب عاصی
نظامی اس کے ایڈیٹر تھے، سالانہ چندہ تین روپے
تھا۔

ارمغان دہلی کے شمارے جون سنہ ۱۹۳۰ء میں رسالہ دیہاتی پر
تنقید شائع ہوئی تھی۔
ملتان سے جناب دین محمد صاحب عاصی نظامی کی ادارت
ماہوار نکلتا ہے سرورق پر دیہات کے مختلف مناظر دکھائے
گیا۔ زراعت سے دلچسپی رکھنے والے اصحاب کے لئے زرعی
مضامین ادبی ذوق والوں کے لئے ادبی مضامین بھی شائع
تے ہیں غریب دیہاتی جو تمام عمر دوسروں کے لئے پاپڑ بیلتے ہیں
ن کے لئے عاصی کی یہ اعانت قابل تحسین ہے بچوں کے لئے بھی
مضامین چھپتے ہیں۔"

سخن

نظیر آباد لکھنؤ سے یہ ماہانہ رسالہ سنہ ۱۹۳۰ء کو نمودار ہوا
۴۲ صفحات پر مشتمل تھا، ایڈیٹر نیاز فتحپوری تھے دو
روپے آٹھ آنے سالانہ چندہ تھا، نگار مشین پریس

نظیر آباد لکھنو میں چھپتا تھا۔
اس کے مضمون نگار محمد جمیل خاں کوکب اور ظفر قریشی وغیرہ
تھے۔

طور جامع مسجد دہلی سے یہ ماہنامہ رسالہ ۱۹۳۰ء میں جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر جناب منظور حسین صاحب بی اے تھے، سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

رسالہ ساقی دہلی کے شمارے اپریل ۱۹۳۱ء میں رسالہ طور پر حسب ذیل ریویو شائع ہوا تھا۔

طور دہلی منظور حسین صاحب بی اے کی ادارت میں چھ ماہ سے شائع ہو رہا ہے مفید اور پر از معلومات مضامین شائع ہوتے ہیں کتابت، طباعت دیدہ زیب ہے چندہ سالانہ تین روپے ہے ملنے کا پتہ رسالہ طور جامع مسجد دہلی۔

بانگ درا امرتسر سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۹۳۰ء کو جاری ہوا۔ ۴۴ صفحات پر مشتمل تھا، جناب مالک صہبائی کی ادارت میں نکلتا تھا۔ چندہ سالانہ ڈھائی روپے تھا۔

نیرنگ خیال لاہور بابت مئی ۱۹۳۱ء میں اس رسالہ پر یہ تبصرہ کیا تھا۔

امرتسر رسائل کے اجراء کے لئے کوئی اچھی زمین نہیں ہے

کئی رسائل جاری ہوئے مگر چند ہی نمبروں کے بعد وہ داغِ مفارقت دے گئے، ہانگ کانگ سے جناب ساکت صہبائی کی ادارت میں شائع ہوتا ہے نام محبوب ہے۔ خدا کرے کامیاب ہو۔

پہلے پرچہ میں جناب صوفی غلام مصطفیٰ، سردار نواب غنی بی اے، جناب فیروز الحسن صاحب بٹ ایم اے وغیرہ اصحاب کے مضامین بھی ہیں۔



حرفِ آخر

میرا پہلے یہ خیال تھا کہ تاریخ صحافت اردو جلد پنجم سنہ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۲۰ء تک کے اخبارات و رسائل پر مشتمل ہو لیکن میں نے جب یہ دیکھا کہ میری صحت روز بروز بگڑ رہی ہے تو یہ طے کیا کہ اس تاریخ کو جلد ختم کرنے کی کوشش کی جائے چنانچہ اس جلد پنجم میں دس سال کا اور اضافہ کیا اور اس کو ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۰ء تک رکھا گیا اور چھٹی جلد ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۰ء تک کے اخبارات و رسائل پر تالیف کرنے کا فیصلہ کیا جو آخری جلد ہوگی، جس میں کم سے کم پانچ سال صرف ہوں گے۔ خداوند کریم کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کو ضرور مکمل کرائے گا۔

تحقیقی میدان بہت وسیع ہے جس کو سمندر سمجھو اور پوری دنیا والو، عمر بھر کھوج لگاتے رہو گے تو اسی نتیجہ پر پہنچو گے کہ ابھی پہلے مرحلے پر ہیں، تحقیقی کام کا تکمیل کے مرحلہ تک پہنچنا بڑا مشکل کام ہے۔ اس جلد میں جس دور کے اخبارات و رسائل کا ذکر آیا ہے کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ کل اخبارات کا ذکر ہے۔ ہرگز نہیں، اگر عشر عشیر اخبارات و رسائل کا بھی اس میں ذکر آگیا ہے تو بڑا کمال جانیے اور بہت

طمانیت سمجھے۔
اس جلد میں جن اخبارات ورسائل کا ذکر ہے ان کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی انتہائی سے زیادہ کوشش کی گئی لیکن اس کے باوجود ان میں ایسے اخبارات، رسائل مثلاً پرتاب لاہور، دہلی، اخبار الجمعیۃ دہلی اخبار منادی، دہلی، اخبار تیج دہلی، اخبار سیچ، صدق لکھنؤ اور رسالہ دین و دنیا دہلی وغیرہ ہیں جن کے متعلق بہت مختصر لکھا گیا اس میں ان کے متعلقین کی کوتاہی کا بھی دخل رہا ہے اور حالات کا بھی تقاضہ رہا ہے۔
میں بذات خود اخبار پرتاب کے دفتر پہنچا ان کے ایڈیٹر نریندر صاحب سے ملا، مقصد کا اظہار کرنے کے بعد پرتاب اور اس کے ایڈیٹر مہاشے کرشن چند کے حالات معلوم کئے تو لاعلمی کا اظہار کیا، محترم و مکرم سیاہی دہلوی برادر لالہ دیش بندھو ایڈیٹر اخبار تیج دہلی کو ٹیلیفون کرکے اخبار تیج اور اس کے ایڈیٹر لالہ دیش بندھو گپتا کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہی یہ بھی معلوم کیا کہ کسی تیج کے پرچے یا کسی کتاب میں ان دونوں کے بارے میں لکھا گیا ہو ان کے نام یا تاریخ بتادیں، یہ سبھی بے خبر نظر آئے، دس بارہ روز ہوئے اردو بازار جامع مسجد دہلی میں جناب مولانا حفیظ الرحمٰن واصف فرزند حضرت مفتی اعظم محمد کفایت اللہ رہتے ہیں، ان کے گھر پر گیا ان سے عرض کیا کہ اخبار الجمعیۃ دہلی کے پہلے سال کا فائل چند روز کے لئے مستعار عنایت فرما دیں انھوں نے جواب دیا گھر پر دیکھ لیں جواب تو انھوں نے حالات کے مطابق صحیح دیا۔ چونکہ ۱۹۴۷ء کے رسائل و اخبارات کی کتابت ختم

ہونے والی تھی اور اتنا وقت نہیں تھا کہ گھر پر جاکر لکھتا جیسا اخبار الجمعیۃ دہلی کے بہت مختصر حالات لکھے اور حضرت مولانا محمد عثمان صاحب فارقلیط کے حالات زندگی میرے پاس پہلے سے موجود تھے ان کو ترتیب دے کر کاتب کے حوالے کیا۔

جناب شوکت فہمی صاحب ایڈیٹر دین دنیا سے میرے چالیس سالہ تعلقات ہیں میرا ان کے دفتر میں کافی آنا جانا رہتا تھا آج کل کئی سالوں سے ممبری کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آنا جانا نہیں ہو رہا ہے ان سے میں نے بڑے تقاضوں کے بعد ان کے حالات زندگی حاصل کئے آج کل اس کی ضرورت پڑی اس لئے کہ دین دنیا کے ذکر کے ساتھ ان کے حالات زندگی بھی چھپ جاتے لیکن کافی تلاش کرنے کے بعد نہیں ملے اور تاریخ صحافت اردو جلد پنجم میں آ نہیں سکے یہی صورت اخبار سنا دی دہلی اخبار سچ و صدق لکھنؤ کی ہوئی۔

رسالہ نیرنگ خیال لاہور یقیناً بڑا وقیع اور بے مثل جریدہ تھا اس نے ہندوستان بھر میں تہلکہ مچا دیا تھا اس سے پہلے یا اس کے عہد میں یا اس کے بعد اس جیسا لاثانی پرچہ نہیں نکلا۔ اس رسالہ کی عظیم الشان خدمات نے اپنے معاصرین رنگ جما دیا تھا اور داد تحسین وصول کی تھی اس رسالہ کے ذہین و فہیم ایڈیٹر حکیم یوسف حسن صاحب اپنے زمانہ کی صحافت کے میدان میں ایک مجتہد کا درجہ رکھتے تھے، میں اس مجتہد کے حالات زندگی رسالہ نیرنگ خیال کے ذکر کے ساتھ شائع کرنا چاہتا تھا نیرنگ خیال کے بارے میں تو میرے پاس کچھ معلومات تھیں حکیم صاحب کے حالات زندگی میرے پاس کچھ نہیں تھے ان کے حالات زندگی حاصل کرنے کی کوشش کی تو معلوم ہوا

کر لاہور کے مشہور و معروف رسالہ نقوش نے حکیم صاحب کی سوانح عمری کتابی
شکل میں محترم کے نام سے شائع کی تھی اور حکیم یوسف حسن صاحب نے
نیرنگ خیال کا ایک گولڈن جوبلی نمبر شائع کیا تھا۔ اس میں حکیم صاحب کے
حالات زندگی طبع ہوئے تھے۔ نیز اخبار احسان لاہور کے نمبر ۱۹۵۵ء
کے شمارے میں عبداللہ صاحب کا ایک مضمون حکیم صاحب کے حالات زندگی
پر چھپا۔ چنانچہ میں نے محمد طفیل صاحب ایڈیٹر نقوش لاہور اور جناب
مسعود اختر صاحب ایڈیٹر احسان لاہور اور عبداللہ صاحب کو لاہور کے پتہ پر
مکرر سلسلے سے ماہ اگست ۱۹۸۰ء کو ان مضامین کے حصول کے لئے خطوط
لکھے۔ ایک بار بھی کئی مرتبہ خطوط کے ذریعے یاد دہانی کرائی جب ان حضرات
سے نا امید ہو گیا تو جناب خلیل الرحمٰن صاحب داؤدی کو لاہور کے پتہ پر اس
سلسلہ میں خطوط روانہ کئے۔ ان سے پہلی ملاقات دفتر مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ
میں ہوئی تھی۔ یہ اسی اثناء میں بیمار ہو گئے۔ لیکن میں نے ان کو خط لکھنا
بند نہیں کیا۔ اس علم دوست انسان نے تین گلدستوں کے فوٹو اسٹیٹ
کرا کے مجھ کو روانہ کئے اور نیرنگ خیال لاہور کے گولڈن جوبلی نمبر
سے حکیم صاحب کی آپ بیتی اور نیرنگ خیال کے بند ہونے کی غمناک
داستان فوٹو اسٹیٹ کرا کے روانہ کی۔ جس کا میں بے حد ممنون اور شکرگزار
ہوں۔ اس جستجو میں کافی سال صرف ہو گئے۔ اگر اردو کے ایسے محسن
صحافی کے حالات زندگی نیرنگ خیال لاہور کے ذکر کے ساتھ شائع نہ
ہوئے تو یہ بڑا احسان فراموشی ہوگی۔ زندہ رہا تو ان شاء اللہ حکیم صاحب
کے حالات زندگی پر ایک مبسوط کتاب شائع کر کے ایک اہم صحافی کا قرض
ادا کروں گا۔ سنٹرل پبلک لائبریری میں اس دور کے اچھی فائلوں کی تعداد

میں مقالہ میں جن سے میں نے اس جلد کے لئے کافی اخذ کیا ہے نذیریہ لائبریری میں اس دور کے اخبارات انقلاب لاہور وغیرہ کے فائل ہیں کئی مرتبہ ان کو دیکھنے کے لئے گیا لیکن افسوس وہاں کوئی دکھانے والا ہی نہیں ملا۔ واپس آنا پڑا۔

اس دور میں تاریخ صحافت اردو پر تین کتابیں جنوبی ہند کی اردو صحافت مؤلفہ ڈاکٹر محمد افضل الدین اقبال، صحافت صوبہ سرحد میں مؤلفہ اجمل ملک اور حیدرآباد میں اردو صحافت مؤلفہ طیب انصاری صاحب طبع ہوئی ہیں، یہ تینوں کتابیں بڑی جانفشانی، کاوش اور جستجو اور محنت سے تالیف ہوئی ہیں، جنوبی ہند کی اردو صحافت میں مدراس کے قدیم اخبارات و رسائل کا ذکر ہے جو ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے "صحافت صوبہ سرحد میں" بھی سرحد کے قدیم و جدید اخبارات کی تاریخ درج ہے جو ۲۲۰ صفحات کی ہے۔ حیدرآباد میں اردو صحافت میں حیدرآباد دکن کے قدیم و جدید اخبارات و رسائل کا ذکر ہے اور اخبارات کی پالیسی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے یہ کتاب ۲۳۶ صفحات پر مشتمل ہے۔

میں ہر اس مصنف کو جو کسی نوعیت سے اخبارات و رسائل پیاپا وقت صرف کر کے کوئی تالیف مرتب کرتا ہے اور طبع کراتا ہے اس کو صحافت اردو، محققوں اور مورخوں کا محسن سمجھتا ہوں کاش اسی طرح دوسرے صوبوں کے اہل قلم حضرات بھی توجہ فرمائیں اور اپنے صوبوں کی اردو صحافت کی تاریخ لکھنے پر توجہ دیں، جس سے اہل علم حضرات کو اخبارات و رسائل کی اہمیت کا اندازہ ہو کہ یہ اخبارات کس قدر نادر معلومات کا خزانہ ہیں۔

میں نے تاریخ صحافت اردو جلد پنجم میں صحافت صوبہ سرحد بمبئی اور حیدر آباد میں اردو صحافت سے کافی اخذ کیا ہے اور ان دونوں کتابوں سے مجھے کو اچھی خاصی مدد ملی ہے۔ میں جناب محمد افضل الدین اقبال صاحب، اسمٰعیل ملک صاحب اور جناب طیب انصاری صاحب کو ان کے ان کارناموں پر مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ان کے آئندہ شائع ہونے والے ایڈیشنوں میں ان کتابوں میں جو گوشے خالی رہ گئے ہیں انھیں پُر فرمائیں گے۔

مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی لائبریری کے اخبارات و رسائل سے بھی میں نے استفادہ کیا ہے، افسوس اخبارات و رسائل کے نام نہیں لکھ سکا۔ اس لائبریری میں کافی تاریخی کتابیں اور مخطوطات ہیں اس لائبریری میں اخبار الہلال کلکتہ کے ابتدائی تا آخر شدہ شمار سے ہیں۔ اور ہمدم لکھنؤ کے کچھ پرچے ہیں۔

میرا خیال تھا کہ پانچویں جلد چھ سو صفحات پر مشتمل ہوگی اس لئے اس کی قسم اول کی ۳۵ روپے اور قسم دوم ۲۵ روپے رکھی تھی اب بارہ سو صفحات سے زائد ہو گئے، اس لئے اس کی قیمت ساٹھ روپے مقرر کی ہے۔

امداد صابری محلہ چوڑی والان دہلی

۲۰ مارچ ۱۹۸۴ء

۱۹۲۸ء کے کچھ اخبارات اور رسائل

سہو کتابت کی وجہ سے ۱۹۲۸ء کے کچھ اخبارات و رسائل کتابت ہونے سے رہ گئے ہیں۔ ان کو آخر میں ضمیمہ کے طور پر درج کیا جاتا ہے۔

مجدد اعظم سرہند پنجاب سے یہ مذہبی رسالہ ۱۹۲۸ء کو جاری ہوا ۴۸ صفحات پر مشتمل تھا اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ ماہ مارچ ۱۹۲۸ء میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

"سرہند پنجاب سے ماہوار مجدد اعظم گذشتہ سال سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ حضرت خواجہ ہندوستان میں اولین مبلغ اسلام تھے اور حضرت مجدد الف ثانی مسلمان جو غلط تصوف ہندوانہ اثرات سے شرک تک پہنچ چکے تھے انہیں صحیح اسلام کی طرف لانے میں کامیاب ہوئے۔ اس پرچہ کی اشاعت تبلیغ اسلام اور اصلاح بدعت کے لئے اہم ترین فرائض میں بہت کارآمد ثابت ہوگی"

اخوت لاہور سے ۱۹۲۸ء کو یہ مسیحی رسالہ نمودار ہوا ۳۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے ایڈیٹر پادری احمد مسیح تھے سالانہ چندہ مسیحی برادری سے ایک روپیہ

اور عام خریداروں سے آشنا نہ تھا۔ اس رسالہ کا مقصد عیسائی مذاہب پر جو اعتراضات ہوتے تھے اس کا جواب دینا تھا

پیغام یہ روزانہ اخبار دہلی سے ۱۹۲۵ء میں ظہور پذیر ہوا۔ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر جناب شفاعت اللہ خاں صاحب بی اے تھے۔
سالانہ چندہ پندرہ روپے تھا۔

معارف اعظم گڑھ مورخہ ماہ مارچ ۱۹۲۹ء میں اس اخبار پر حسب ذیل ریویو چھپا تھا۔

اس اخبار کی عنان ادارت پنجاب کے دیرینہ تجربہ کار اخبار نویس جناب شفاعت اللہ خاں صاحب بی اے کے ہاتھ میں ہے اور اس کی توقع ہے کہ اس کے جتنے پرچے نکلے ہیں وہ مضامین، مختصر خبروں، شذرات کے لحاظ سے کسی اردو کے روزنامہ سے کم نہیں ہیں۔ وہ اس کی قومی پالیسی حکومت ملکی کی آزادی کی رائے اور صحت عقیدہ پر شاہد ہوں۔ اس کا سائز زمیندار اور انقلاب کا سائز ہے ہم اردو اخبار بینوں سے اس کی خریداری کی پرزور سفارش کریں گے۔

تاج یہ رسالہ آگرہ سے ۱۹۲۲ء کو جلوہ افروز ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ جناب سیماب اکبرآبادی اس کے ایڈیٹر تھے اس کا سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔

یہ رسالہ ایک طرف سیماب کا جانشین اور دوسری طرف سیاسیات کا معاون۔ ایڈیٹر کے منظوم پیغامات بعض اوقات دلچسپ ہوتے تھے

القصاص یہ عشرہ وار اخبار گجرات سے ۱۹۲۵ء کو نمودار ہوا سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر مولانا حکیم عارف صاحب تھے سالانہ چندہ پانچ روپے تھا۔

اس اخبار کے مطالعہ کی پرزور سفارش کرتے ہیں، تبلیغ و اشاعت اسلام، اصلاح المسلمین کے لئے جدوجہد اور امداد باہمی کے ہر شعبہ کی حمایت فن زراعت و تجارت میں رہنمائی اور دیہاتی زندگی میں انقلاب لانا اس اخبار کا فرض تھے اس کے علاوہ یہ ادبی اور سیاسی خصائص کے اعتبار سے بھی ممتاز حیثیت رکھتا ہے ملک کے مشہور اہل قلم مولانا حکیم عارف صاحب کے زیر ادارت یہ دس روزہ اخبار اپنے محاسن کے ساتھ خدمت قوم میں مصروف ہے۔ حکیم صاحب کی خدمت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ آپ ایک عرصہ تک اسیر فرنگ رہ چکے ہیں۔

پیام حق ماہانہ رسالہ کانپور سے ۱۹۲۶ء کو جلوہ نگن ہوا ہے ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا، مولوی محمد فاضل اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ تین روپے تھا۔

۲۹ جنوری ۱۹۲۸ء کے اخبار ہمدرد دہلی کے شمارے میں اس رسالہ پر تبصرہ شائع ہوا تھا۔

" ماہوار التبلیغ کا یہ رسالہ مولوی محمد فاروق مدرس جامع العلوم کانپور نے اشاعت و تبلیغ مذہب کے سلسلہ میں شائع کیا ہے حجم ۴۸ صفحات ہے اور اس رسالہ میں مذہب اسلام کے منجانب اللہ مذہب حقہ اور قابل قبول ہونے پر مختلف طریقوں سے استدلال

کیا گیا ہے اور اسلامی تعلیمات کا اجمالی خاکہ بھی مختصر طور سے پیش کیا گیا ہے ۔

اور ثابت کیا گیا ہے کہ اسلام تمام نبی نوع انسان کے لئے ہے اسلام میں ذات پات نہیں ہے بلکہ شرافت کا معیار تقویٰ ہے، تزکیۂ نفس و تہذیب و اخلاق و عادات، عالم آخرت وغیرہ عنوانات میں تعلیم الاسلام کا خاکہ پیش کیا گیا ہے بہ حیثیت مجموعی رسالہ ناواقفوں کے لئے مفید ہوگا۔

مکتبہ یہ ماہانہ رسالہ انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن سے ۱۹۲۵ء کو وجود میں آیا ضخامت ۶۴ صفحات تھی اس کے مدیر جناب محمد عبدالقادر صاحب سروری ایم اے ایل ایل بی تھے ۔ سالانہ چندہ چار روپئے تھا۔ مئی ۱۹۲۹ء کے رسالہ معارف اعظم گڑھ میں اس رسالہ پر حسب ذیل ریویو شائع ہوا تھا۔

اس وقت حیدرآباد دکن کی ریاست اردو رسائل کے اعلیٰ معیار کی وجہ سے خاص امتیاز کی مالک ہے، زیر تنقید رسالہ تقریباً ایک سال سے شائع ہو رہا ہے اس کے مضامین نے اس کو وہاں کے رسائل میں خاص درجہ دے رکھا ہے مکتبہ ابراہیمیہ جس خاموشی سے وسیع علمی خدمات انجام دے رہا ہے اس میں اس رسالہ کی اشاعت بھی قابل ذکر ہے

ساقی یہ رسالہ ماہانہ ملتان سے نکلتا ہے ۱۹۲۵ء میں جلوہ افروز ہوا ۔ ۴۸ صفحوں پر نکلتا تھا ستار بخش اس کے

ایڈیٹر تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیے تھا۔

اس رسالہ پر ہمایوں لاہور ماہ جولائی [illegible] میں یہ تبصرہ چھپا تھا۔

اس وقت تک اس رسالہ کے دو نمبر ہماری نظر سے گزرے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ترتیب و تدوین ہر لحاظ باشعور ہے۔ لیکن رسالہ کا مقصد صرف فنی تنقید اور اصلاح ہے کہ ترقی کرے گا۔ اشعار کے انتخاب سے بھی مذاق سلیم کا اظہار ہوتا ہے۔

فہرست مضامین تاریخ صحافت اردو جلد پنجم

۱	حضرت مولانا ظفر علی خاں	۵	۱۷	بہار بزم سہارنپور ماہانہ	۱۵۲
۲	تالیف کی رنگینی	۹۳	۱۸	عروج خیال مدراس م	۱۵۲
	سنہ ۱۹۱۱ء		۱۹	ایڈورڈ گزٹ ایبٹ آباد ہ	۱۵۲
۳	احمدی (ماہانہ) دہلی	۱۴۳	۲۰	پرنیز نگار لاہور ماہانہ	۱۵۳
۴	وقت لاہور ہفتہ وار	۱۴۶	۲۱	نہال سنگھ بیوپلی "	۱۵۴
۵	تمدن دہلی ماہانہ	۱۴۸	۲۲	تاجر میرٹھ ہفتہ وار	۱۵۵
۶	تاریخ اسلام سیالکوٹ "	۱۴۶	۲۳	میڈیکل ڈاکٹر امرتسر ہفتہ وار	۱۵۶
۷	ادیب الاطفال حیدرآباد دکن	۱۴۷	۲۴	المشیر مرادآباد ہفتہ وار	۱۵۷
۸	ہمدم لاہور ہفتہ وار	۱۴۷	۲۵	آفتاب اردو لاہور ماہانہ	۱۵۸
۹	طالب دیدار میرٹھ ہفتہ وار	۱۴۷	۲۶	مولانا احسان اللہ خاں تاجور	۱۵۸
۱۰	ناولسٹ لاہور ماہانہ	۱۴۸	۲۷	سوداگر میرٹھ	۱۵۸
۱۱	غلام قادر فصیحی			سنہ ۱۹۱۲ء	
۱۲	اردو گائڈ کانپور ماہانہ	۱۴۹	۲۸	المعین امرتسر ہفتہ وار	۱۶۰
۱۳	اردو جالندھر "	۱۵۰	۲۹	سردار محمد اسلم خاں صاحب	۱۶۱
۱۴	دربار لکھنؤ "	۱۵۰	۳۰	اشاعت الحکمت شیرانوالہ ماہانہ	۱۶۱
۱۵	المحجاب جے پال ہفتہ روزہ	۱۵۱	۳۱	الف ن امرتسر ماہانہ	۱۶۳
۱۶	افتخار جامعہ ماہانہ	۱۵۱	۳۲	الہلال کلکتہ ہفتہ وار	۱۶۴

۳۳	مرقع آگرہ ماہانہ	۲۴۳	۵۴	مشن نیوز [illegible] ہفت وار	۲۶۴
۳۴	[illegible] دیال شرما	۲۴۹	۵۵	[illegible] لدھیانہ ماہانہ	۲۶۸
۳۵	محمد فرید الحق عزیز گوہر	۲۵۱	۵۶	[illegible] دہلی ہفتہ وار	۲۶۹
۳۶	مرقع نشاط سہارنپور ماہانہ	۲۵۲	۵۷	الادیب بانکی پور "	۲۶۹
۳۷	رفیق دہلی [illegible]	۲۵۳	۵۸	احمدی [illegible] قادیان ماہانہ	۲۷۰
۳۸	ترقی سخن بمبئی ماہانہ	۲۵۴	۵۹	درویش بھیرہ ماہانہ	۲۷۱
۳۹	محمد احسن احسن	۲۵۶	۶۰	انوار القمر فرخ آباد "	۲۷۲
۴۰	مورخ مدراس	۲۵۷	۶۱	کشوری لال قمر	۲۷۷
۴۱	آزاد کانپور ہفتہ وار	۲۵۸	۶۲	انوار الصوفیہ لاہور	[illegible]
۴۲	تاج حیدرآباد ماہانہ	۲۶۰	۶۳	مسلم گزٹ لکھنؤ ہفتہ وار	[illegible]
۴۳	غلام محمد رضا انصاری	۲۶۱	۶۴	[illegible] ہفتہ وار	[illegible]
۴۴	معارف حیدرآباد دکن	۲۶۲	۶۵	لسان الہند انجمن حیدرآباد ماہانہ	۲۸۳
۴۵	ہندوستانی [illegible] ہفتہ وار	۲۶۳	۶۶	ادیب پٹیالہ ماہانہ	۲۸۴
۴۶	[illegible] مدراس	۲۶۳	۶۷	[illegible] حیدرآباد [illegible] ماہانہ	[illegible]
۴۷	محمد امین الدین احمد [illegible]	۲۶۴	۶۸	العلم کانپور ماہانہ	۲۸۵
۴۸	قومی رپورٹ مدراس ماہانہ	۲۶۵	۶۹	عثمانی گزٹ حیدرآباد	[illegible]
۴۹	تعلیمی گزٹ امرتسر ماہانہ	۲۶۵	۷۰	نقاد آگرہ ماہانہ	۲۸۷
۵۰	انقلاب فرانس ہفتہ وار	۲۶۶	۷۱	[illegible] دہلی روزانہ ہفتہ وار	۲۹۰
۵۱	ادیب دہلی ماہانہ	۲۶۶	۷۲	مفتاح الاسرار جالندھر ماہانہ	[illegible]
۵۲	عندلیب دہلی ماہانہ	۲۶۷	۷۳	توحید میرٹھ [illegible]	[illegible]
۵۳	ناصر الاخبار میرٹھ ہفتہ وار	۲۶۷	۷۴	صحیفہ احسان الحق میرٹھی	۳۲۱

۷۵ خالصہ اخبار لاہور ہفتہ وار ۲۴۷ ۹۷ اقبال لدھیانہ ماہانہ ۳۴۹
۷۶ ظل السلطان بھوپال ماہانہ ۲۴۸ ۹۸ رائین گزٹ لاہور ماہانہ ۳۵۰
۷۷ تنویر انبالہ ماہانہ ۲۴۳ ۹۹ دھرم بیرہ پور " ۳۵۰
۷۸ اردو لاہور " ۲۴۴ ۱۰۰ کلام اردو سہر شید " ۳۵۱
۷۹ اخبار غدر کیلیفورنیا ہفتہ وار ۲۴۵ ۱۰۱ اللہ اکبر دہلی ہفتہ وار ۳۵۱
۸۰ افادہ آگرہ ماہانہ ۲۴۶ ۱۰۲ صحیفۂ النظر دہلی ماہانہ ۳۵۲
۸۱ شمس العلوم بدایوں " ۲۴۸ ۱۰۳ سنہ ۱۹۱۴ء
۸۲ مولانا عبد الماجد دریابادی ۲۴۹ ۱۰۴ جواہر سخن بجے پور ماہانہ ۳۵۳
۸۳ معارف پھلواری شریف ۲۴۲ ۱۰۵ مولوی سید ظفر حسن سخا ۳۵۴
۸۴ شاہ محمد قاسم صاحب ۲۴۳ ۱۰۶ استاد نوگر ضلع فیروز پور ماہانہ ۳۵۷
۸۵ نظام لدھیانہ ماہانہ ۲۴۴ ۱۰۷ الرشاد سہارنپور ماہانہ ۳۵۷
۸۷ دیپک لاہور روزانہ ۲۴۳ ۱۰۸ مولانا عاشق الٰہی صاحب ۳۵۸
۸۸ مالویہ ریویو بھوپال ۲۴۵ ۱۰۹ شرق لاہور ماہانہ ۳۶۲
۸۹ سلطنت دہلی ہفتہ وار ۲۴۵ ۱۱۰ فانوس خیال شیخاکوٹ ملتان ۳۶۳
۹۰ صادق لاہور ماہانہ ۲۴۵ ۱۱۱ مولانا عبد المجید سالک ۳۶۴
۹۱ جناب مفتی محمد صادق ۱۱۲ الرشید دیوبند ماہانہ ۳۶۶
۹۲ طبیب دہلی ہفتہ وار ۲۴۶ ۱۱۳ تذکرۃ الشعراء علی گڑھ ماہانہ ۳۸۶
۹۳ ظریف لاہور ماہانہ ۲۴۶ ۱۱۴ معلومات لکھنؤ ماہانہ ۳۸۸
۹۴ جین پردیپ دیوبند ۲۴۷ ۱۱۵ رسالت کلکتہ ماہانہ ۳۹۰
۹۵ کیلاش گوجرانوالہ ۲۴۷ ۱۱۶ القاسم دیوبند ماہانہ ۳۹۱
۹۶ معلومات الٰہ آباد ۲۴۷ ۱۱۷ اشاعت اسلام لاہور ۳۹۱

۱۱۸ خواجہ کمال الدین ۳۹۲

۱۱۹ اسوۂ حسنہ میرٹھ ماہانہ ۳۹۳

۱۲۰ پیدا [illegible] سید تال سہ روزانہ

۱۲۱ الفیض لاہور ہفتہ وار ۳۹۴

۱۲۲ بزم سخن کلکتہ ضلع گیا ماہانہ ۳۹۵

۱۲۳ مجلۂ علمی پٹنہ فلسفہ ۳۹۷

۱۲۴ مفتاح الحکمت لاہور ۳۹۵

۱۲۵ معالم الکتب ممبئی ۳۹۹

۱۲۶ خطیب دہلی ہفتہ وار ۳۹۹

۱۲۷ مرقع مقصد مختصر ۴۰۰

۱۲۸ بیان اسلام استنبول ۴۰۲

۱۲۹ الحقیقت لاہور ماہانہ ۴۰۳

۱۳۰ المسلم لدھیانہ ۴۰۵

۱۳۱ البلاغ امرتسر ۴۰۵

۱۳۲ ترجمان لاہور ماہانہ ۴۰۵

۱۳۳ الفضل قادیان ہفتہ میں بار ۴۰۶

۱۳۴ خان بہادر ... پور ماہانہ ۴۰۷

۱۳۵ حکیم ہلال ماہانہ ۴۰۸

۱۳۶ [illegible] ۱۹۱۵ء ۴۰۹

۱۳۷ تجارت شاہجہانپور ... ۴۱۰

۱۳۸ آریہ پتر بریلی ماہانہ ۴۱۱

۱۴۰ المیزان علی گڑھ سہ روزہ ۴۱۱

۱۴۱ لیل و نہار ... سہ روزہ ۴۱۳

۱۴۲ مفتی ... ۴۱۷

۱۴۳ الحی و قند دہلی ماہانہ ۴۱۸

۱۴۴ خیابان ... ماہانہ ۴۱۹

۱۴۵ دار الشفا ... ۴۱۸

۱۴۶ نظامیہ میرٹھ ۴۲۸

۱۴۷ عبد الحمید حمید میرٹھی ۴۲۹

۱۴۸ ... حیدرآباد ماہانہ ۴۳۰

۱۴۹ سید ناظر الحسن ہوش ۴۳۱

۱۵۰ الحکیم لاہور ماہانہ ۴۳۲

۱۵۱ البلاغ کلکتہ ۴۳۴

۱۵۲ پیام امید محمدآباد ماہانہ ۴۳۵

۱۵۳ شعلہ دہلی ماہانہ ۴۳۷

۱۵۴ مولانا ناصر جلالی ۴۳۸

۱۵۵ سہیل دہلی ۴۴۰

۱۵۶ اقدام کلکتہ روزنامہ ۴۴۴

۱۵۷ دار العلوم ... آباد ماہانہ ۴۴۶

۱۵۸ زبان میرٹھ ماہانہ ۴۴۴

۱۵۹ العصر دہلی ۴۴۶

۱۶۰ الفردوس امرتسر ... ۴۴۷

۱۶۱ کسان لاہور روزنامہ ۴۸ء
۱۶۲ دگیانی لاہور ماہانہ ۴۹ء
۱۶۳ پریم امرتسر ماہوار ۴۹ء
۱۶۴ چار پے گورکھ شیخوپورہ ہفت روزہ ۴۹ء
۱۶۵ خدا جالندھر ماہانہ ۴۹ء
۱۶۶ ولیش لاہور روزانہ ۵۰ء
۱۶۷ نورالاسلام کرتارپور ۵۰ء
۱۶۸ حکیم نورالحسن صاحب ڈپٹی ۵۱ء
۱۶۹ ترجمان کلکتہ ہفت روزہ ۵۳ء
۱۷۰ قاضی عبدالغفار صاحب مرادآباد ۵۶ء
۱۷۱ سال ۱۹۶۱ء
۱۷۲ تصویر یار بمبئی ماہانہ ۷۵ء
۱۷۳ محمد ایوب بہار ۷۷ء
۱۷۴ تاج الکلام نجیب آباد ۷۸ء
۱۷۵ مجبر نشتہ نجیب آباد ماہانہ ۷۹ء
۱۷۶ آب حیات میرٹھ ماہانہ ۷۹ء
۱۷۷ لمعات لاہور روزانہ ۸۰ء
۱۷۸ زراعت و حرفت بدایوں ماہانہ ۸۰ء
۱۷۹ معارف اعظم گڈھ ماہوار ۸۰ء
۱۸۰ ہمدم لکھنؤ روزانہ ۸۶ء
۱۸۱ صلائے غالب رتنا چلی جالب دہلوی ۹۵ء

۱۸۲ شاہد صبح کرم آباد روزانہ ۵۱۲
۱۸۳ پنجاب لاہور روزانہ ۵۱۷
۱۸۴ صداقت کلکتہ روزنامہ ۵۲۴
۱۸۵ سیالہ لاہور ہفت روزہ ۵۲۵
۱۸۶ پیام یار لاہور ماہانہ ۵۲۵
۱۸۷ البرہان کانپور ۵۲۶
۱۸۸ سفینہ روزنامہ چابند ہوشیار پور ۵۲۷
۱۸۹ ناصر الاحباب شیخوپورہ ہفت روزہ ۵۲۷
۱۹۰ صحیفہ کالج شیوزا لکھنؤ ہفت روزہ ۵۲۷
۱۹۱ اتحاد حیدرآباد دکن ماہانہ ۵۲۷
۱۹۲ مرزا نظام شاہ صاحب آگرہ ۵۲۸
۱۹۳ گرلز اینڈ ٹیشنل کانفرنس گزٹ ۵۲۹
۱۹۴ شاہراہ ترقی ماہانہ ۵۳۰
۱۹۵ المسلم بنگلور ہفت روزہ
۱۹۶ اشاعت امرتسر ماہانہ
۱۹۷ اہل السنت والجماعت امرتسر
۱۹۸ شمع روشنی الہ آباد روزانہ ۵۳
۱۹۹ سال ۱۹۷۰ء
۲۰۰ رفیق التعلیم لاہور ماہانہ ۵۳
۲۰۱ مغنیہ گزٹ لاہور ۵۳
۲۰۲ گلشن لاہور ۵

۲۰۳	حیات اردو حیدرآباد ماہانہ	۵۴۰	۲۲۴	منتظر لکھنؤ ماہانہ	۵۶۳
۲۰۴	ذوالفقار لاہور ہفتہ وار	۵۴۲	۲۲۵	منشی محمد علی صاحب	۵۶۵
۲۰۵	شمع انجمن مراد آباد ماہانہ	۵۴۲	۲۲۶	جمہور کلکتہ	۵۶۶
۲۰۶	الصباح لاہور سہ روزہ	۵۴۵	۲۲۷	سررشتہ دہلی ماہانہ	۵۶۸
۲۰۷	عبداللہ العمادی	۵۴۵	۲۲۸	سعید کانپور	۵۷۱
۲۰۸	سلطانیہ دہلی عشرہ وار	۵۵۳	۲۲۹	دستکاری دہلی ماہانہ	۵۷۲
۲۰۹	صباح لکھنؤ ماہانہ	۵۵۳	۲۳۰	بہارستان لاہور	۵۷۳
۲۱۰	ستارۂ ہند لکھنؤ روزانہ	۵۵۴	۲۳۱	صبح امید	۵۷۷
۲۱۱	خورشید لکھنؤ سہ روزہ	۵۵۸	۲۳۲	[illegible] نارائن گلیبت	۵۷۸
۲۱۲	سخن سنج لکھنؤ شہری	۵۵۹	۲۳۳	روشنی، لاہور ماہانہ	۵۸۲
۲۱۳	المعارف حیدرآباد دکن	۵۵۹	۲۳۴	رہنما مراد آباد پندرہ روزہ	۵۸۳
۲۱۴	اتالیق حیدرآباد دکن	۵۵۱	۲۳۵	منشی اشفاق حسین مراد آبادی	۶۰
۲۱۵	سپرنسپل ریویو کانپور	۵۶۰	۲۳۶	ہدایت الاسلام دہلی	[illegible]
۲۱۶	پیکر خیال بنگلور	۵۶۰	۲۳۷	کانفرنس گزٹ علیگڑھ	۶۰۲
۲۱۷	صبح بنگلور ماہانہ	۵۶۰	۲۳۸	شرکت الاسلام حیدرآباد	۶۰۵
۲۱۸	الخلیل بجنور ہفتہ وار	۵۶۰	۲۳۹	البلاغ امرتسر	۶۰۷
۲۱۹	بزم تجارت دہلی ماہانہ	۵۶۱	۲۴۰	طبی گزٹ [illegible]	۶۰۸
۲۲۰	ہمارا عروج بنگلور	۵۶۱	۲۴۱	حق لاہور ہفتہ وار	۶۰۸
۲۲۱	تعلیم و تربیت لاہور	۵۶۲	۲۴۲	یثرب بجنور پندرہ روزہ	۶۰۹
۲۲۲	گل چین سیتاپور ماہانہ	۵۶۲	۲۴۳	شعلہ حیدرآباد ماہانہ	۶۱۰
۲۲۳	[illegible]		۲۴۴	سید نوازش علی [illegible]	۶۱۰

٢٤٥	رہبر نسواں بلین حیدرآباد ماہانہ	٦٦١	٢٦٦	کانگریس دہلی	٦٧٦
٢٤٦	ثمرۃ الادب " "	٦٦٢	٢٦٧	[illegible]	٦٧٦
٢٤٧	شرکت عثمانیہ بمبئی	٦١١	٢٦٨	[illegible]	٦٧٢
٢٤٨	الفقیہ امرتسر سہ روزہ	٦١٢	٢٦٩	انتخاب جادو ماہانہ	٦٧٣
٢٤٩	[illegible]	٦١٣	٢٧٠	یادگار دہلی ماہانہ	٦٧٣
٢٥٠	فتح گوجرانوالہ پندرہ ماہانہ	٦١٣	٢٧١	[illegible]	[illegible]
٢٥١	ضرورت امرتسر ہفتہ وار	٦١٣	٢٧٢	انسان دہلی ماہانہ	٦٨٠
٢٥٢	تنظیم لاہور ماہانہ	٦١٤	٢٧٣	حقیقت لکھنؤ ہفتہ وار	٦٨١
٢٥٣	[illegible] "	٦١٤	٢٧٤	المذہب دہلی ماہانہ	٦٨٢
٢٥٤	دائی دہلی "	٦١٥	٢٧٥	ذوالفقار ملتان "	٦٨٣
٢٥٥	تاجر دہلی پندرہ روزہ	[illegible]	٢٧٦	الحیات لکھنؤ ماہانہ	٦٨٤
٢٥٦	انقلاب دہلی ہفتہ وار	٦١٦	٢٧٧	[illegible] لکھنؤ "	٦٨٤
٢٥٧	[illegible] سوری	٦١٨	٢٧٨	[illegible] "	٦٨٤
٢٥٨	اخوت لکھنؤ روزنامہ	٦٣٧	٢٧٩	الصلاح حیدرآباد "	٦٨٥
٢٥٩	احیاء القرآن امرتسر ماہانہ	٦٣٨	٢٨٠	[illegible]	٦٨٥
٢٦٠	الواعظ حیدرآباد دکن	٦٤٠	٢٨١	انتخاب [illegible]	٦٨٦
٢٦١	محقق دہلی	٦٤١	٢٨٢	تجربات لاہور [illegible]	٦٨٦
٢٦٢	پرتاپ لاہور روزنامہ	٦٤١	٢٨٣	قوم دہلی ہفتہ وار	٦٨٧
٢٦٣	سیاست لاہور روزنامہ	٦٤١	٢٨٤	[illegible] دہلی پندرہ روزہ	٦٨٨
٢٦٤	[illegible]	[illegible]	٢٨٥	لطف سخن [illegible]	٦٨٨
٢٦٥	اقبال حیدرآباد	[illegible]	٢٨٦	رعیت دہلی سہ روزہ	٦٨٩

۲۸۷	جناب نیاز فتح پوری	۴۹۳	۳۰۸	سنہ ۱۹۲۱ء	
۲۸۸	سنہ ۱۹۲۰ء		۳۰۹	اردو اورنگ آباد	۵۱۸
۲۸۹	قرأت دہلی ماہانہ	۵۰۳	۳۱۰	الرسول میرٹھ ماہانہ	۵۲۹
۲۹۰	علیگڑھ میگزین علیگڑھ	۵۰۶	۳۱۱	تحریک لاہور ماہانہ	۵۳۰
۲۹۱	برق سخن آسنسول	۵۰۸	۳۱۲	رنگین لکھنؤ	۵۲۹
۲۹۲	دلکش مرادآباد ماہانہ	۵۰۸	۳۱۳	انجام جالندھر	۵۳۱
۲۹۳	اعجاز امروہہ ماہانہ	۵۰۸	۳۱۴	برق خیرآباد	۵۳۱
۲۹۴	صحیفۃ الوراثت ماہانہ	۵۰۸	۳۱۵	مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی	
۲۹۵	تہذیب الاخلاق امرتسر	۵۰۹	۳۱۶	آئینہ الہ آباد ماہانہ	۵۳۲
۲۹۶	نونہال حیدرآباد	۵۰۹	۳۱۷	تحفۂ نور محترم گڑھ کھیپور	۵۳۳
۲۹۷	سودیشی دہلی ماہانہ	۵۱۰	۳۱۸	بہار بانکا ڈن	۵۳۴
۲۹۸	نخبۂ اردو لاہور	۵۱۱	۳۱۹	نیر داستان لاہور	۵۳۵
۲۹۹	ادیب لکھنؤ ماہانہ	۵۱۱	۳۲۰	مولانا سید مختار حسین سہا	۵۳۵
۳۰۰	التحقیق گورکھپور	۵۱۲	۳۲۱	ترچھی نظر لکھنؤ ماہانہ	۵۴۰
۳۰۱	روزنامہ زمانہ کلکتہ	۵۱۲	۳۲۲	سلطان گوجرانوالہ	۵۴۰
۳۰۲	نقیب پھلواری شریف	۵۱۳	۳۲۳	الامان نگینہ دہلی	۵۴۱
۳۰۳	رہبر دکن حیدرآباد دکن	۵۱۳	۳۲۴	پیغام کلکتہ ہفتہ وار	۵۴۲
۳۰۴	تمکین کاظمی	۵۱۴	۳۲۵	کیسری لاہور روزنامہ	۵۴۴
۳۰۵	بندے ماترم لاہور	۵۱۶	۳۲۶	دین و دنیا دہلی ماہانہ	۵۴۳
۳۰۶	ضیا فتح پیج دہلی	۵۱۶	۳۲۷	ارتقا حیدرآباد دکن ماہانہ	۵۴۴
۳۰۷	جوہر ملت دہلی ماہانہ	۵۱۷	۳۲۸	سنہ ۱۹۲۲ء	

۳۲۹	نگار بھوپال لکھنؤ ماہانہ	۷۷۴	۳۵۰	مولانا صلاح الدین احمد	۸۰۱
۳۳۰	نمایاں لاہور ماہانہ	۷۷۵	۳۵۱	[illegible]	
۳۳۱	نیاز بشیر احمد ڈار	۷۷۵	۳۵۲	بہادر ۔ ڈھاکہ سابنہ	۸۰۲
۳۳۲	منصور احمد ندیم	۷۷۶	۳۵۳	خواجہ محمدی دہلی	۸۳۷
۳۳۴	مولانا عبدالمجید قرشی حامد	۷۷۸	۳۵۴	معیار سخن مالیگاؤں	
۳۳۴	تصوف لاہور	۷۸۱	۳۵۵	الرحمن کلکتہ ہفتہ وار	۸۴۲
۳۳۵	لیس ماہنامہ شیخ آباد	۷۸۲	۳۵۶	الہلال دہلی ماہانہ	۸۴۲
۳۳۶	قاصد دہلی روزانہ	۷۸۴	۳۵۷	علم العلوم حیدرآباد	۸۴۳
۳۳۷	درویش لاہور	۷۸۶	۳۵۸	خواجہ محی الدین حیدرت	۸۴۳
۳۳۸	ترقی حیدرآباد دکن	۷۸۶	۳۵۹	گلدستہ ماہانہ	۸۴۴
۳۳۹	لسان الملک ” ماہانہ	۷۸۶	۳۶۰	لالہ جگموہن ناتھ سہائے	۸۴۴
۳۴۰	اختر ہند کلکتہ	۷۸۶	۳۶۱	ملاپ لاہور، دہلی روزانہ	۸۴۵
۳۴۱	نمائش حیدرآباد	۷۸۶	۳۶۲	خوشحال چند خورسند	۸۵۹
۳۴۲	خاور ”	۷۸۶	۳۶۳	زینب	۸۶۲
۳۴۳	جنابہ مریم بیگم صاحبہ	۷۸۷	۳۶۴	چودھری گوبند سنگھ ساحر	۸۶۹
۳۴۴	رنگ لاہور ماہانہ	۷۸۸	۳۶۵	المصالح دہلی	۸۷۴
۳۴۵	المسیح دہلی ”	۷۸۸	۳۶۶	بہار نسیم بسیا پور	۸۷۴
۳۴۶	حسن ادب لکھنؤ ”	۷۸۹	۳۶۷	حور کلکتہ	۸۷۵
۳۴۷	نادر حکایاتی لاہور ”	۷۹۰	۳۶۸	ہریانہ آگرہ	۸۷۵
۳۴۸	ادبی دنیا لاہور ”	۷۹۰	۳۶۹	العزیز ہفتہ وار	۸۷۵
۳۴۹	علامہ تاجور نجیب آبادی	۷۹۴	۳۷۰	عبدالرؤف ہاتف اکبرآبادی	۸۷۶

۳۷۱ ✓	الرضا دہلی ماہانہ	۸۷۶
۳۷۲	النور حیدرآباد دکن	۸۷۷
۳۷۳	قوم پرست	۸۷۷
۳۷۴ ✓	سوداگر دہلی	۸۷۷
۳۷۵	لطافت سخن حسن پور	۸۷۷
۳۷۶	عالمگیر پریس	۸۷۸
۳۷۷	الہدیٰ ...	۸۷۸
۳۷۸	شاہ ...	۸۷۸
۳۷۹	سلطان ... ماہانہ	۸۷۸
۳۸۰	ترجمان ...	۸۷۹
۳۸۱	...	۸۷۹
۳۸۲	آئینہ ...	۸۷۹
۳۸۳	کوکب ... دہلی	۸۸۰
۳۸۴	تحفہ حیدرآباد دکن	۸۸۰
۳۸۵	محب اللہ ...	۸۸۰
۳۸۶	المصدق حیدرآباد دکن ماہانہ	۸۸۱
۳۸۷	سید محمود صاحب	۸۸۱
۳۸۸	المعلم حیدرآباد دکن ماہانہ	۸۸۲
۳۸۹	عظمت اللہ صاحب	۸۸۲
۳۹۰	کاشتکاران ہند ...	۸۸۴
۳۹۱	مشیر الاطبا لاہور	۸۸۴
۳۹۲	محمد حسن صاحب	۸۸۴
۳۹۳	تبلیغ لاہور	۸۸۴
۳۹۴	خورشید ...	۸۸۵
۳۹۵ ✓	... دہلی	۸۸۶
۳۹۶	المجاہد ...	۸۸۶
۳۹۷ ✓	تیج دہلی روزانہ	۸۸۶
۳۹۸	... ۱۹۲۴ء	۸۸۹
۳۹۹	دلفگار	۸۸۹
۴۰۰	... لاہور	۸۹۰
۴۰۱	دیہاتی جھنگ	۸۹۱
۴۰۲	... لاہور	۸۹۱
۴۰۳ ✓	... دہلی	۸۹۲
۴۰۴	الکلام ...	۸۹۳
۴۰۵	سراج الکلام امروہہ	۸۹۳
۴۰۶	محمد ضیاء ...	
۴۰۷	نیرنگ خیال لاہور ماہانہ	۸۹۵
۴۰۸	جناب حکیم محمد یوسف صاحب	
۴۰۹ ✓	ریاست دہلی	۹۳۰
۴۱۰	...	۹۳۰
۴۱۱	الفیض امرتسر	۹۵۱
۴۱۲	تلک لاہور	۹۵۲

١٢١٣	المشیر پٹنہ	٩٥٢	١٢٣٤	رافعین سیف پشاور	٩٦٦
١٢١٤	الاکرام انبالہ شریف	٩٥٣	١٢٣٥	دلچسپ عجیب مقالات لکھنؤ	٩٦٦
١٢١٥	تحفۂ جمیلی قریۂ دون	٩٥٤	١٢٣٦	نقارہ اسلام دہلی	٩٦٧
١٢١٦	تنبیہ الاطبار لاہور	٩٥٥	١٢٣٧	ترجمان حیدرآباد دکن	٩٧٦
١٢١٧	حکیم احمد دین صاحب	٩٥٦	١٢٣٨	تنظیم امرتسر	٩٧٧
١٢١٨	تنظیم الحکما رپلد	٩٥٦	١٢٣٩	سنہ ١٩٢٥ء	٩٧٨
١٢١٩	فرشتہ آگرہ	٩٥٦	١٢٤٠	مسیح آگرہ انبالہ	٩٧٧
١٢٢٠	باغ امرتسر	٩٥٧	١٢٤١	صنعت و تجارت لاہور	٩٧٧
١٢٢١	کشف امرتسر	٩٥٧	١٢٤٢	الحفیظ لاہور	٩٧٨
١٢٢٢	تربیت از سیواری کرتعلیم	٩٥٧	١٢٤٣	ہدایت گورکھپور	٩٧٩
١٢٢٣	تحفۂ شریعت کانپور	٩٥٨	١٢٤٤	شاہ زمان جھجرپور	٩٨٠
١٢٢٤	ہمدم جہارن آگرہ	٩٥٩	١٢٤٥	سچ ہندی لکھنؤ شملہ	٩٨١
١٢٢٥	ہلال اٹاوہ	٩٥٩	١٢٤٦	اورینٹل کالج میگزین لاہور	٩٨٣
١٢٢٦	حنیف لودہانہ	٩٥٩	١٢٤٧	اوریجنل ترسٹ انبالہ	٩٨٧
١٢٢٧	پیغام صلح لاہور	٩٦١	١٢٤٨	گل کدہ بریلی	٩٨٨
١٢٢٨	محسن الملک جہریال	٩٦١	١٢٤٩	بانکا میرٹھ	٩٩١
١٢٢٩	لوہار پٹنہ	٩٦٢	١٢٥٠	سودمند علی گڑھ	٩٩٣
١٢٣٠	المعلم حیدرآباد دکن	٩٦٢	١٢٥١	مدیر کلکتہ	٩٩٤
١٢٣١	سفیر حیدرآبادی	٩٦٤	١٢٥٢	اکبر الہ آباد	٩٩٥
١٢٣٢	شکوہ کانپور	٩٦٥	١٢٥٣	آفتاب لاہور	٩٩٦
١٢٣٣	ہاتف پشاور	٩٦٥	١٢٥٤	سہیل علی گڑھ	٩٩٧

۴۵۵ کائنات پانی پت ماہنامہ ۹۹۶
۴۵۶ مسیحا سیالکوٹ شریف ۹۹۸
۴۵۷ ستارۂ میسور بنگلور ۹۹۹
۴۵۸ دل آگرہ ماہنامہ ۹۹۹
۴۵۹ کوکب گونڈا ” ۱۰۰۰
۴۶۰ سرتاج ملتان ماہنامہ ۱۰۰۰
۴۶۱ نشتر احمد آباد ” ۱۰۰۰
۴۶۲ ساقی کی صدا حیدرآباد ۱۰۰۱
۴۶۳ سرگزشت کلکتہ روزنامہ ۱۰۰۱
۴۶۴ پیرہن آگرہ ماہنامہ ۱۰۰۱
۴۶۵ فرشتہ ۱۰۰۲
۴۶۶ خواجہ ستار الحسن شاہ جمیل ”
۴۶۷ دربار آگرہ ماہنامہ ۱۰۰۲
۴۶۸ سرحد [illegible] روزنامہ ۱۰۰۳
۴۶۹ اللہ بخش نوشکی ۱۰۰۶
۴۷۰ افغان پٹ [illegible] ۱۰۰۸
۴۷۱ سندھو ڈیرہ اسماعیل خان ۱۰۰۹
۴۷۲ الامداد [illegible] ۱۰۰۹
۴۷۳ اردوئے معلی ماہنامہ آگرہ ۱۰۰۹
۴۷۴ گلدستہ لاہور ماہنامہ ۱۰۱۰
۴۷۵ اسرار تصوف لاہور ۱۰۱۲
۴۷۶ کلکے زری گوجرانوالہ ششماہی ۱۰۱۳
۴۷۷ انوار القدس بمبئی ماہنامہ ۱۰۱۳
۴۷۸ السلطان [illegible] ۱۰۱۴
۴۷۹ طلبہ علی گڑھ ماہنامہ ۱۰۱۴
۴۸۰ حقائق بنارس ” ۱۰۱۴
۴۸۱ نقاد لاہور ” ۱۰۱۵
۴۸۲ نیرس [illegible] ”
۴۸۳ قوس قزح لاہور ۱۰۱۶
۴۸۴ انجمن دہلی روزنامہ ۱۰۱۷
۴۸۵ مولانا محمد عثمان صاحب [illegible] ۱۰۱۸
۴۸۶ [illegible] ۱۹۲۶ء ۱۰۳۶
۴۸۷ تجلی دہلی ماہنامہ ۱۰۳۶
۴۸۸ مولوی سید ظہیر احمد [illegible] ۱۰۳۷
۴۸۹ [illegible] ۱۰۴۰
۴۹۰ ہندوستان لاہور ” ۱۰۴۶
۴۹۱ سردار [illegible] ۱۰۴۷
۴۹۲ نور جہاں امرتسر ماہنامہ ۱۰۴۸
۴۹۳ انسان [illegible] ۱۰۴۹
۴۹۴ سہیل علی گڑھ [illegible] ۱۰۵۰
۴۹۵ اقتباس بمبئی ۱۰۵۱
۴۹۶ یاران قدیم دہلی ۱۰۵۱

۴۹۷ چاند لاہور ماہنامہ ۱۰۵۲
۴۹۸ رام جی داس گاوجریہ ۱۰۵۲
۴۹۹ چمنستان کانپور ۱۰۵۲
۵۰۰ افق کانپور ۱۰۵۲
۵۰۱ محبت الاسلام لاہور ۱۰۵۲
۵۰۲ مولوی احمد رضا محمد علی ۱۰۵۲
۵۰۳ عدالت امروہہ ۱۰۵۴
۵۰۴ حکیم مستان علی خاں ۱۰۵۴
۵۰۵ مبلغ نسواں دہلی ۱۰۵۴
۵۰۶ صادق دیرہ دون ۱۰۵۶
۵۰۷ محمد صادق ۱۰۵۶
۵۰۸ الہادی دربنگال ۱۰۵۷
۵۰۹ مولوی محمد عثمان ۱۰۵۷
۵۱۰ اسوۂ حسنہ لاہور ۱۰۵۷
۵۱۱ مولانا محمد یوسف ۱۰۵۷
۵۱۲ شیرستان لاہور ۱۰۵۸
۵۱۳ اختر شیرانی ۱۰۵۸
۵۱۴ معین نسواں علی گڑھ ۱۰۵۹
۵۱۵ عطیہ بیگم تاج علی لاہور ۱۰۵۹
۵۱۶ حرام بیل سیت ۱۰۵۹
۵۱۷ بیگم عبدالغفور ۱۰۵۹
۵۱۸ ستارۂ عشاق ماہنامہ ۱۰۶۱
۵۱۹ نساء دہلی " ۱۰۶۱
۵۲۰ خواجہ حسن نظامی " ۱۰۶۱
۵۲۱ پیمانہ لاہور " ۱۰۶۱
۵۲۲ علامہ سیماب اکبرآبادی "
۵۲۳ ساغر نظامی صاحب "
۵۲۴ اولستان بمبئی ۱۰۶۳
۵۲۵ آئین دکن حیدرآباد ۱۰۶۴
۵۲۶ عفت پٹنہ ماہنامہ ۱۰۶۴
۵۲۷ تجلی حیدرآباد " ۱۰۶۵
۵۲۸ راز و نیاز دہلی ماہنامہ ۱۰۶۵
۵۲۹ نظارہ کانپور " "
۵۳۰ مسلم سیریز آگرہ ہفتہ وار ۱۰۶۶
۵۳۱ حسن ضیا بھوپال ۱۰۶۷
۵۳۲ مجلہ عثمانیہ حیدرآباد ۱۰۶۷
۵۳۳ معین الدین ازلشی ۱۰۶۸
۵۳۴ میر حسن ۱۰۶۸
۵۳۵ جلال الدین اشک ۱۰۷۱
۵۳۶ سید محمد اکبر ناتال ۱۰۷۱
۵۳۷ عبدالقیوم خاں باقی ۱۰۷۳
۵۳۸ نبی الحسن حکیم ۱۰۷۵

۵۳۹ آفتاب ۱۰۷۵
۵۴۰ چراغ حسن حسرت کاشمیری ۱۰۷۶
۵۴۱ ستارہ صبح ۱۰۸۰
۵۴۲ محمد سلیمان پرواز ۱۰۸۱
۵۴۳ حکیم سید محی الحسن شباب کیرانوی ۱۰۸۱
۵۴۴ ثریا - آگرہ ماہنامہ ۱۰۸۲
۵۴۵ سلم یا صبیحت امرتسر ۱۰۸۲
۵۴۶ قزلباش ارولیسہ ۱۰۸۳
۵۴۷ سیل لیگ لکھنؤ ۱۰۸۳
۵۴۸ جہان عزیز ؍؍ ۱۰۸۳
۵۴۹ شفا کلکتہ ۱۰۸۴
۵۵۰ اقبال پنجاب ۱۰۸۴
۵۵۱ الاکرام بہار شریف ۱۰۸۵
۵۵۲ فردوس فیض آباد ۱۰۸۵
۵۵۳ روزگار رضا الدولہ ۱۰۸۵
۵۵۴ پیمانہ دربھنگہ ۱۰۸۶
۵۵۵ تصویر خیال پٹنہ ۱۰۸۶
۵۵۶ گلدون گورن لاہور ۱۰۸۶
۵۵۷ انقلاب لاہور ۱۰۸۷
۵۵۸ تفریح ۱۰۸۷
۵۵۹ [illegible] ۱۰۸۹
۵۶۰ شیر جنت لاہور ماہنامہ ۱۰۹۲
۵۶۱ زبان سنگرول ماہنامہ ۱۰۹۳
۵۶۲ الامین بہار شریف ۱۰۹۴
۵۶۳ مرقع ادب انبالہ ۱۰۹۴
۵۶۴ خورشید جاوید کراچی ۱۰۹۵
۵۶۵ جدید مخزن لاہور ۱۰۹۶
۵۶۶ مورخ کارسی علی گڑھ ۱۰۹۶
۵۶۷ توحید امرتسر ۱۱۰۰
۵۶۸ مولانا سید داؤد غزنوی ۱۱۰۴
۵۶۹ ماہر دہلی سلیقہ دار ۱۱۰۴
۵۷۰ اختر دہلی (ج) ۱۱۰۴
۵۷۱ استقلال ہند سیف زار ۱۱۰۵
۵۷۲ لافنت دہلی ۱۱۰۵
۵۷۳ الاشرف دہلی ۱۱۰۷
۵۷۴ الاصلاح لاہور ۱۱۰۷
۵۷۵ رفعت حیدرآباد ۱۱۰۸
۵۷۶ نرسنگھ راؤ ۱۱۰۹
۵۷۷ نظام گزٹ حیدرآباد ۱۱۱۱
۵۷۸ حبیب اللہ رشدی ۱۱۱۲
۵۷۹ آزادی کراچی سہ ماہی ۱۱۱۳
۵۸۰ زبان کاٹھیاواڑ ماہنامہ ۱۱۱۳

۵۸۱	آفتاب، کلکتہ	۱۱۱۱
۵۸۲	تعلیم امرتسر	۱۱۱۲
۵۸۳	ہمدرد دہلی ماہنامہ	۱۱۱۳
۵۸۴	تبلیغ انبالہ	۱۱۱۴
۵۸۵	تحفہ برما	۱۱۱۷
۵۸۶	مستقبل	۱۱۱۸
۵۸۷	ش ۱۹۲۸ء	۱۱۱۹
۵۸۸	نیر سند، لاہور	۱۱۲۱
۵۸۹	سرتاج لاہور	۱۱۲۳
۵۹۰	افغان پشاور	۱۱۲۴
۵۹۱	خان سیالکوٹی	۱۱۲۴
۵۹۲	ادیب، پشاور	۱۱۲۴
۵۹۳	تعلیم و تربیت	۱۱۲۵
۵۹۴	کیمیا لکھنؤ	۱۱۲۶
۵۹۵	ثریا لاہور	۱۱۲۷
۵۹۶	فرنٹیر ایڈووکیٹ پشاور	۱۱۲۸
۵۹۷	اصلاح سرحد پشاور	۱۱۲۹
۵۹۸	پیام سرحد ہری پور	۱۱۳۰
۵۹۹	سفینہ مدراس	۱۱۳۱
۶۰۰	روزنامہ بنگلور	۱۱۳۳
۶۰۱	آزاد آگرہ	۱۱۳۳
۶۰۲	خواجہ محمد امیر صبا اکبرآبادی	۱۱۳۳
۶۰۳	ضیا، الٹوئیشل امرتسر	۱۱۳۴
۶۰۴	خزینہ تاریخ حیدرآباد	۱۱۳۴
۶۰۵	آواز امرتسر	۱۱۳۴
۶۰۶	دیہاتی جھنگ	۱۱۳۶
۶۰۷	انجینئرنگ لاہور	۱۱۳۶
۶۰۸	نظام کالج اردو میگزین	۱۱۳۷
۶۰۹	کیف اجمیر ۱۹۲۹ء	۱۱۳۸
۶۱۰	سفینۂ نسواں حیدرآباد	۱۱۳۸
۶۱۱	اختر قریشی	۱۱۳۹
۶۱۲	خلیق حیدرآباد	۱۱۳۹
۶۱۳	مرزا امام بیگ ذوق	۱۱۴۰
۶۱۴	صحت لکھنؤ	۱۱۴۱
۶۱۵	کوثر دہلی	۱۱۴۱
۶۱۶	ارمغان دہلی	۱۱۴۲
۶۱۷	صحیفہ عثمانی	۱۱۴۳
۶۱۸	مسلم یونیورسٹی اسکول میگزین	۱۱۴۴
۶۱۹	تاریخ حیدرآباد	۱۱۴۵
۶۲۰	حکیم شمس الدین تازہ	۱۱۴۶
۶۲۱	ہمجولی حیدرآباد	۱۱۴۸
۶۲۲	غالب آگرہ	۱۱۴۹

۶۶۳	مقبول احسین قابل کارواں	۱۱۴۹
۶۶۴	محمد علیم ماہ صبا شانگ	۱۱۴۹
۶۶۵	مجلہ مکتبہ حیدرآباد	۱۱۵۰
۶۶۶	عبدالقادر مسروری	۱۱۵۰
۶۶۷	فلم ریڈیو کلکتہ	۱۱۵۱
۶۶۸	موسیٰ گوجرانوالہ	۱۱۵۳
۶۶۹	کامیابی دہلی	۱۱۵۳
۶۷۰	البلاغ [illegible]	۱۱۵۴
۶۷۱	قیام الدین لکھنؤ	۱۱۵۵
۶۷۲	سحر لکھنؤ	۱۱۵۶
۶۷۳	سرزنش لاہور	۱۱۵۷
۶۷۴	مباہلہ قادیان	۱۱۵۷
۶۷۵	اسلام امرتسر	۱۱۵۸
۶۷۶	ادب لکھنؤ	۱۱۵۸
۶۷۷	حکمت لاہور	۱۱۵۹
۶۷۸	حیدرآباد ٹیچر	۱۱۵۹
۶۷۹	ارشاد حیدرآباد	۱۱۶۰
۶۸۰	سائنس حیدرآباد	۱۱۶۰
۶۸۱	ورزش جسمانی کراچی	۱۱۶۰
۶۸۲	معارف گوجرانوالہ	۱۱۶۱
۶۸۳	ثبات لاہور	۱۱۶۱

۶۸۴	بائیسکوپ دہلی	۱۱۶۱
۶۸۵	الوان گورکھپور	۱۱۶۲
۶۸۶	بیدار حجرۃ الاولیاء	۱۱۶۲
۶۸۷	قانون شرق میرٹھ	۱۱۶۳
۶۸۸	ڈاکٹر حشمت آرا حجاب	۱۱۶۳
۶۸۹	سنہ ۱۹۳۰ء	۱۱۶۵
۶۹۰	ساقی دہلی	۱۱۶۵
۶۹۱	شاہد احمد دہلوی	۱۱۷۵
۶۹۲	سیر نظام دہلی	۱۱۸۰
۶۹۳	[illegible] فرخ آباد	۱۱۸۱
۶۹۴	سید ظہیر الدین دہلوی	۱۱۸۳
۶۹۵	منشی ہیرالال شیدا فرخ آباد	۱۱۸۴
۶۹۶	جام جمشید لاہور	۱۱۸۵
۶۹۷	جامع العلوم	۱۱۸۵
۶۹۸	جامعہ قادیان	۱۱۸۶
۶۹۹	بصیرت لاہور	۱۱۸۷
۷۰۰	خیالستان	۱۱۸۸
۷۰۱	مصلح گورکھپور	۱۱۸۹
۷۰۲	سیف امرتسر	۱۱۸۹
۷۰۳	پارس الہ آباد	۱۱۹۰
۷۰۴	الکلام حیدرآباد	۱۱۹۱

۶۰۵	تسنیم آگرہ ماہنامہ	۱۱۹۲	۶۲۳	سنگم راولپنڈی	۱۲۰۶
۶۰۶	نشیر سلطنت دہلی	۱۱۹۳	۶۲۴	چنگاری [illegible]	۱۲۰۶
۶۰۷	نوال سید	۱۱۹۳	۶۲۵	تجلّی [illegible]	۱۲۰۷
۶۰۸	محمد قاسم کتاب الصمدانیم تسنیم	۱۱۹۴	۶۲۶	دیہاتی ملتان	۱۲۰۷
۶۰۹	تمدن آگرہ	۱۱۹۵	۶۲۷	حسن ۔ لکھنؤ ماہنامہ	۱۲۰۸
۶۱۰	سید نشست محمد حسین شفا	۱۱۹۵	۶۲۸	طور دہلی ماہنامہ	۱۲۰۹
۶۱۱	انشا قند آگرہ	۱۱۹۶	۶۲۹	بانگ درا امرتسر ماہنامہ	۱۲۰۹
۶۱۲	روح ادب لاہور	۱۱۹۶	۶۳۰	حرف آخر	۱۲۱۱
۶۱۳	نئی روشنی دہلی ماہانہ	۱۱۹۷	۶۳۱	شائع کئے گئے اخبارات و رسائل کی	
۶۱۴	کانفرنس گزٹ علی گڑھ	۱۱۹۷	۶۳۲	مجید اعظم [illegible]	۱۲۱۴
۶۱۵	پیام کلکتہ	۱۱۹۹	۶۳۳	الفوت لاہور ماہنامہ	۱۲۱۴
۶۱۶	تذکرہ اعظم گڑھ	۱۲۰۰	۶۳۴	پیغام دہلی روزانہ	۱۲۱۷
۶۱۷	طور دہلی	۱۲۰۱	۶۳۵	تاج آگرہ ماہنامہ	۱۲۱۸
۶۱۸	عزیز گورکھپور	۱۲۰۲	۶۳۶	القصاص گجرات	۱۲۱۹
۶۱۹	انگارہ پشاور	۱۲۰۴	۶۳۷	پیغام حق کانپور	۱۲۱۶
۶۲۰	صنوبر حسن [illegible]	۱۲۰۴	۶۳۸	نکہت حیدرآباد	۱۲۲۰
۶۲۱	پیغام جنگ دہلی	۱۲۰۵	۶۳۹	ساقی ملتان	۱۲۲۰
۶۲۲	نوجوانان سرحد نقش پشاور	۱۲۰۶	۶۴۰	فہرست کتب	۱۲۲۰

تذکرہ حضرت حافظ ضامن شہید فرنگ

حضرت حافظ ضامن شہید فرنگ اُن علماء و مشائخ میں سے ہیں جن کا شمار حضرت میاں جی نور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مخصوص خلفاء میں ہوتا ہے۔ آپ کی زندگی کا بیشتر حصہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور حضرت شیخ محمد محدث کے ساتھ گزرا۔ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء شاملی میں آپ نے حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور حضرت مولانا مظہر نانوتوی وغیرہ کے ساتھ حصہ لیا اور انگریزی فوج سے مقابلہ کیا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مظہر نانوتوی اس معرکہ میں زخمی ہوئے۔ اِس معرکے کی شرکت کے الزام میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی چھ مہینے حوالات میں رہے اور حضرت حافظ ضامن صاحب نے اِسی معرکہ میں جام شہادت نوش فرمایا۔

حکیم ضیاء الدین صاحب رامپوری حضرت حافظ ضامن شہید فرنگ کے جاں نثار خلیفہ تھے۔ انہوں نے حضرت حافظ ضامن صاحب کے حالات لکھ کر قلمی صورت میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں مکہ معظمہ بھجوائے جس کا نام مونس مہجوراں حافظ صاحب رکھا تھا۔ یہ قلمی نادر مخطوطہ مدرسہ صولتیہ کے کتب خانہ میں پوشیدہ رکھا ہوا تھا۔ اس کا کسی کو علم نہ تھا۔ حضرت مولانا محمد شمیم صاحب مہتمم مدرسہ صولتیہ نے اس کا فوٹو اسٹیٹ کرا کر مجھ کو عنایت کیا جس کو میں نے اس تذکرہ کو "سردارِ شہیداں" میں شامل کر دیا ہے۔ اس تذکرے کے مؤلف مولانا امداد صابری دہلوی ہیں۔ قیمت پندرہ روپے۔

ملنے کا پتہ: صابرہ کتاب گھر ۲۶۷۔ محلہ چوڑیوالان۔ دہلی



تذکرہ قاری عبداللہ مکی و قاری عبدالرحمن الہ آبادی

جبکہ ہندوستان میں علم تجوید و قرأت ناپید ہونے کے برابر ہو گئے تھے اور حجاز مقدس کے لوگ ہندوستانی قراء کی تلاوت نہیں سنتے تھے اور الزام لگاتے تھے کہ یہ قرآن مجید غلط پڑھتے ہیں اس وقت حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی ؒ نے مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں قائم کیا تو سب سے پہلے تجوید و قرأت کی تعلیم شروع کرائی۔

اس وقت حجاز مقدس میں قاری عبداللہ مکی اور قاری عبدالرحمن الہ آبادی موجود تھے۔ ان دونوں بھائیوں نے مدرسہ صولتیہ میں تعلیم پائی۔ تعلیم سے فارغ ہوئے تو قاری عبداللہ مکی کو مدرسہ صولتیہ کے شعبۂ تجوید و قرأت کا مدرس اول مقرر کیا اور قاری عبدالرحمن الہ آبادی کو حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب ؒ نے حکم دیا تم ہندوستان جاؤ اور وہاں تجوید و قرأت کو پھیلاؤ۔ قاری عبداللہ مکی نے پوری زندگی مدرسہ صولتیہ میں تجوید و قرأت کی تعلیم دی اور قاری عبدالرحمن الہ آبادی نے پورے ہندوستان میں اس علم کو فروغ دیا۔

ان دونوں بھائیوں کے شاگرد در شاگردوں نے حجاز مقدس اور ہندوستان کے علاوہ افریقہ اور ممالک اسلامیہ میں اس فن کو فروغ دے کر بام عروج پر پہنچایا جس کی وجہ سے علی الاعلان کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی دور اندیشی اور ان دونوں بھائیوں کی محنت قابل ستائش ہے۔ آج جتنا فروغ تجوید و قرأت کا دنیا میں ہوا ہے اس کا سہرا زیادہ تر ان تینوں حضرات کے سر ہے۔ اس تذکرہ کا نام "فیضان رحمت" ہے جس کے مؤلف مولانا امداد صابری صاحب ہیں۔ قیمت بیس روپے۔

ملنے کا پتہ: **صابرہ کتاب گھر۔ ۲۶۷۔ محلہ چوڑی والان۔ دہلی**